UnEven Page Numbers within the book only

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_226513
UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—380—5-8-74—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۲۹۷.۵۰۳ Accession No. 41488

Author [redacted] نظام الشائع

Title ۱۳۳۵ نظام الشائع جلد ۱۷ نمبر ۱

This book should be returned on or before the date last marked below.

۸۶

نظام المشائخ

نمبر ۱ | بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۵ سنہ ہجری | جلد ۱۵

فہرست مضامین

شمارہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	وحدانیت اور بت پرستی	خان بہادر جناب مرزا سلطان احمد صاحب	۳
۲	ہماری فاقہ مستی	جناب حکیم مرزا محمد نذیر صاحب عرشی مولوی فاضل	۱۰
۳	حضرت مصعب بن عمیر رض	"معارف"	۱۷
۴	ورد جمیل موکل	جناب مولوی محمد ظہور الدین صاحب مراقب	۲۳
۵	نور جہاں کا مرنا	سیدی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	۳۵
۶	اللہ اکبر	جناب باسط علی صاحب باسط بسوانی	۴۲
۷	نعتیہ قصیدہ	جناب مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے	۴۳
۸	حقیقۃ الحقیقۃ	جناب منشی چند سروپ صاحب چاند	۴۵
۹	یاران نظام المشائخ	- - - - - - - - - -	۴۷
۱۰	اخلاق سلطانی[1]	جناب مولوی سید ظفر حسن صاحب علوی	ایک جزو

[1] یہ کتاب ایک ایک جزو کرکے چار نمبروں میں ختم ہوگی ۱۲ ایڈیٹر

PEPSAN

پیپر ریلیف فنڈ — گرانی کاغذ کا مقابلہ

الحمدللہ میری تحریک کو ناظرین نظام المشائخ نے قبول کیا اور کئی حضرات نے ۸ر سے زیادہ رقمیں بھیجی ہیں۔ مثلاً جناب عبدالرحمن صاحب اسسٹنٹ انجینیر مروان (سرحد) ہے و جناب مولوی سعیداللہ صاحب کانپور ۸ر آٹھ آٹھ آنے ادا کرنے والے صاحبوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں

جناب حاجی پیر بخش سلطان سکندر خاں صاحب کا ہنہ کا چمہ

جناب ابو محمد حسین صاحب سرشوڈنٹ۔ پنڈی بہاءالدین

جناب سپرنٹنڈنٹ بنک دیندارہ و ڈاکخانہ رانوت

جناب محمد لیاقت صاحب طالب علم حیدرآباد دکن

جناب منشی نیاز علیخاں صاحب قوامین مدرسہ لعل گنج لکھنو

جناب میر محمد صاحب سید اجلاس بابو بشن ناتھ پرشاد بنارس

جناب محمد عبدالعظیم صاحب قادری گورکھپور

جناب منشی محمد خاں صاحب معرفت وحید خانصاحب پرولہ

جناب عبدالقیوم صاحب امرادتی کمپ

جناب مولوی عبدالغفار صاحب سکندرآباد

جناب محمد رحمت اللہ صاحب مدرس فارسی پونہ

جناب عزیز بخش صاحب زیرہ۔ فیروزپور

جناب منشی احمد حسین صاحب بلاری

جناب محمد عبدالغفور صاحب پلیڈر بانکا بھاگلپور

جناب منشی غلام غوث صاحب

جناب محمد احسان علی صاحب جے پور

جناب اسمٰعیل بٹ صاحب ہیڈ کلرک علی گڑھ امرتسر

جناب عبدالرحمن خانصاحب منشی مدرسہ عثمانیہ بلارم

جناب عبدالحق صاحب مسجد کوچہ قاضیان امرتسر

جناب بابو بدرالدین صاحب انسپکٹر آف درس یکے بنوں

جناب علی بخش صاحب بانگی بمبئی

جناب قبول خانصاحب خانساماں بنوں

جناب رحمت علی خانصاحب گاشتہ کوٹھی لعلین کانپور

جناب عبدالکریم فقیر محمد صاحب انسپکٹر پولس سہرسہ

جناب بہن خانصاحب مین پور

جناب سید وحیدالدین صاحب امین کرورگیری سیلو

جناب محمد فرید خانصاحب بی اے ناگپور

جناب آنریری سکرٹری صاحب اجمیر شریف

جناب جعفر کریم صاحب اندور

جناب سید محمد مسعود صاحب فیض آباد بستی

جناب منشی ننھے خانصاحب انبالہ

جناب عبدالقوی صاحب ناگپور

جناب محمد عزیزاللہ صاحب قصبہ فرخ۔ ضلع متھرا

U/488
PG
Checked
CHECKED 1965

نظام المشائخ

وحدانیت اور بُت پرستی

خدا کو ازلی وابدی مان کر بھی یہ سوال زیر بحث آجاتا ہے:-
"وحدانیت یا خدا پرستی کے بعد بت پرستی کی نوبت آئی"
یا "بت پرستی سے خدا پرستی کا راستہ نکلا"؟

اگر ہم اس تھیوری پر یقین کریں جو ڈارون اور دیگر بعض فلاسفروں نے پیش کی ہے تو کہنا چاہیئے کہ انسان شروع میں جس طرح خود بڑھتے بڑھتے درجۂ انسانیت پر فائز ہوگیا۔ اسی طرح اُسکے جذباتِ خدا پرستی نے بھی ترقی پائی ہے۔

اگر انسان پہلے کچھ کا کچھ تھا۔ تو اُسکے مذہبی یا معاوی خیالات بھی کچھ کے کچھ تھے

اور جیسے اُسنے رفتہ رفتہ مختلف حقائق کائنات سے علمی اور عملی رنگ میں واقفیت حاصل کی ہو ویسے ہی بتدریج وہ خدا اور اُسکی وحدانیت سے بھی آشنا ہوا۔ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ جب انسان نے ہوش سنبھالا یا جب وہ پہلی حالت میں تھا تو اُس نے چاروں جانب عجائبات کا ایک مجموعہ دیکھکر یہ کوشش کی کہ اُن میں سے بعض چیزوں اور بعض طاقتوں کا سہارا تلاش کرے یا اُن پر ایک قسم کا اعتقاد رکھے۔ کیونکہ اُسکی فطرت میں یہ ولولہ تھا کہ:۔

"کوئی ہستی اس سے اعلیٰ تر بھی ہونی چاہیئے۔ جو باعتبار عظمت و نوعیت اُسکا تکیہ گاہ یا اُسکا معبود بنے"۔

"کاروبار دنیوی اور زندگی کے مخمصوں سے جب اُسے فرصت ملے یا جب مہمات امور میں کسی کی مدد کی اُسے ضرورت ہو تو وہ اُسکی طرف رجوع لائے"۔

یہ جذبات و خیالات انسان کے دل و دماغ میں اسلیئے متموج ہوئے کہ وہ اپنے ماحول کو دیکھ دیکھ کر سوچتا تھا کہ اتنا بڑا کارخانہ بغیر کسی اعلیٰ طاقت کے وجود پذیر ہونا ممکن نہیں۔ یقیناً کوئی اسکا خالق ہے۔ اور وہی افکار و حوادث میں ہماری تسکین کا باعث ہو سکتا ہے۔

یہی باتیں انسان کی طبیعت میں بہ اختلاف مدارج آجتک پائی جاتی ہیں۔ آپ کسی بچے کو لیجئے اور اُسکی کیفیات پر غائر نظر ڈالیئے۔ اُسکی نگاہ ہمیشہ اپنے ارد گرد کی اشیاء پر حیرت سے پڑے گی۔ اور وہ عقل دوڑائے گا کہ:۔

"یہ چیزیں کس طرح بنی ہیں"۔

"اِن میں خالق کون سی ہے"۔

"میں کس کس سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں"۔

"کون سی شئے یا کون سی طاقت مجھ پر اثر قادر ہے"۔

لازمی ہے کہ ان سب کی کوئی نہ کوئی علت ہو۔"

ہر بچے کے دل و دماغ میں اس قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ بچے کی طبیعت میں امید اور حوصلہ کے ساتھ ایک قسم کی دہشت اور دور بینی بھی ہوتی ہے۔ یہ دہشت اور یہ دور بینی بچوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ان اردگرد کی اشیاء میں سے کسی کو اپنا سہارا قرار دیں۔ بچے کا انتخاب اکثر صاف اور روشن یا صحیح نہیں ہوتا۔ وہ غلطی کرتا ہے بعد آخر تجربہ اور مشق کے بعد اسپر اسکی گمراہیاں کھل جاتی ہیں۔ اسکی ذہنی رفتار سبک اور تیز ہوتی جاتی ہے۔ اور ایک وقت وہ کسی صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا ہے +

حساب میں طالب علم اول اول غلطیاں کرتے ہیں۔ اور سوال ٹھیک نہیں نکال سکتے لیکن مشق اور تجربے کے بعد سوالات کے جواب درست نکلنے لگتے ہیں اور انہیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ:۔

اصل گر صحیح جواب نکالنے کا کیا ہے؟

جس طرح سے زبان نے آہستہ آہستہ ترقی کی ہے اور جس طریقے سے دنیا کی تمام چیزیں رفتہ رفتہ ترقی یاب ہوئی ہیں۔ اسی طرح خدا پرستی کا باب بھی بتدریج کھلا ہے مدتوں انسان توہمات میں رہکر اصنام پرستی پر آیا۔ پھر ٹیڑھی ٹیڑھی وحدانیت اور خدا پرستی تک پہنچا۔ باوجودیکہ خدا موجود ہمیشہ سے تھا مگر انسان نے اُسے یکایک نہیں پہچانا۔ جیسا کہ اس زمانہ میں حکمت اور سائنس کی جو جو دریافتیں ہوئی ہیں وہ بطور علت سبب بے وجود کبھی بھی نہ تھیں۔ لیکن ان علل اور نسبتوں کے ظاہر ہونے کی نوبت ابھی آئی ہے اور اب ہی انسان ان مخفیات سے مستفید ہوا ہے +

خدا پرستی یا خدا شناسی کی نوبت اُسوقت آئی جب انسان زوال پذیر عجوبات اور طاقتوں کی پرستش کرتے کرتے تھک گیا۔ اور اُسے پتہ لگ گیا کہ ان کی ہستی تو خود اُس سے بھی کمتر ہے اور بمقابلہ اُن سب کے خود اُسکو ایک شرف حاصل ہے +

اگرچہ انسان عجائب پرست ہے۔ مگر جب اُس پر کسی شئے اور کسی عجوبہ کی کیفیت اور کمزوری کھل جاتی ہے تو وہ اُسکے ترک پر بھی مستعد ہو جاتا ہے۔ جن جن اقوام میں ایک خصوصیت کے ساتھ توہم پرستی اور بت پرستی کا کسیوقت زور تھا وہ قومیں مزید دریافت کے بعد اُس سے مجتنب ہوتی گئیں۔ اور خدا پرستی یا خداشناسی پر آگئیں۔

اگر ارتقائی رنگ میں اوپر کی توجیہات دیکھی جاویں تو بادی النظر میں یہی ماننا پڑے گا کہ:۔

"ایک عرصہ کے بعد بت پرستی یا توہم پرستی کرتے کرتے انسان خداشناس ہوا ہے پہلے پہل وہ عجائب پرست ہی رہا ہے"۔

"خدا پرستی یا خداشناسی کا نور اُس وقت چمکا جب انسان ایک بڑی حد تک بھٹک چکا یعنی کر فوراً ہمارے دل و دماغ میں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا "خدائے کریم نے انسان کو پیدا کر کے یوں ہی چھوڑ دیا۔ اور اُس کی فطرت میں خداشناسی کا مادہ نہ رکھا؟ اور اس وجہ سے بہت سی انسانی روحیں ظلمت اور گمراہی میں رہیں اور اُن کا انجام نیک نہ ہوا"۔

جب ہم دوسری طرف ذات صمدی کو نور اور سراسر نور مانتے ہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ہمیں پیدا کر کے اس ظلمت اور گمراہی میں ڈال دیا گیا۔ اور عرصہ دراز کے بعد کس لیئے راہ دکھائی؟

یہ گمان خدا کی نسبت درست نہیں معلوم ہوتا۔ خصوصاً جب ہم دوسری طرف پاتے ہیں کہ ہمیں پیدا ہوتے کے ساتھ ہی فطری تمیز اور عقل و فراست اور ذہن دیدیا جاتا ہے گو یہ قوتیں بھی رفتہ رفتہ ترقی پذیر ہوتی ہیں۔ لیکن دی تو جاتی ہیں اول ہی۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ خدائے عادل و رحیم نے ہمیں شروع میں ہی خداشناسی کا مادہ نہ بخشا ہو اور ہم محض اپنی کوشش سے اُس تک پہنچے ہوں۔ یہ خیال ایک کفران نعمت ہی نہیں بلکہ

مطلق نے ہمیں جس طرح اور قوتیں اور جذبات فطرتاً دے رکھی ہیں۔ اُسی طرح خداشناسی اور خداپرستی و وحدانیت کا جذبہ بھی فطرتاً ہی دے رکھا ہے۔ انسان کی فطرت میں ہی یہ جوہر خداشناسی موجود ہے۔ پیدا ہونے کے ساتھ ہی وہ اس جذبہ سے کام لیتا ہے۔ اور شروع ہی سے اُسکی طبیعت میں یہ ولولہ موجود ہوتا ہے۔ بت پرستی کے بعد وہ رفتہ رفتہ خداپرستی۔ وحدانیت اور خداشناسی کی جانب نہیں آیا بلکہ شروع میں وہ اپنے دل و دماغ میں یہ خیال اور یہ ولولہ رکھتا تھا۔ اور قوائے اندرونی کے ساتھ ہی یہ قوت اور یہ جذبہ بھی اُسکو دیا گیا تھا۔

آفتاب وحدت شروع ہی میں اُفق پر طلوع ہوا اور چمکا اور قدرت نے اُسکو اُس سے اور اُس کی ضرورت سے آشنا کیا۔ اور پھر وہ خارجی فریب وہ اسباب کی پیروی سے رفتہ رفتہ بُت پرستی کی طرف آتا گیا۔ اور بُت پرست یا توہم پرست بن گیا۔

یہ کہنا کہ یہ عمل یا یہ صورت اصول ارتقائی کے خلاف ہے اور ایسا ہو نہیں سکتا ایک غلط خیال یا پر فریب اجتہاد ہے۔ اور اس اجتہاد کی تصدیق اور تائید اُس قدرت کاملہ کے منافی ہے جو ہم پر ہر ایک پہلو سے روشن ہے۔

قطع نظر تمام صحف آسمانی اور کتب مذہبی کے عقلاً بھی یہ ثابت ہی یا ثابت ہونا چاہیئے کہ خداشناسی اور وحدانیت کا خیال انسان کی فطرت میں ہی ڈالا گیا ہے۔ اب یہ سوال ہو کہ کیوں لوگ بت پرست یا توہم پرست ہو گئے یا اب بھی ہو جاتے ہیں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ کمزوری اور گمراہی صرف مذاہب میں ہی نہیں ہے۔ انسان کے ہر ایک کام میں پائی جاتی ہے۔ انسان کی فطرت اس بات کی مؤید نہیں ہے کہ:۔

ایک شخص دوسرے شخص کی تکلیف کا باعث ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو لازم ہے کہ دُکھ دینے والا یا مجرم اُس وقت بھی خاموش رہے۔ جب اُسکے مقابلہ میں کسی جرم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ ایک مجرم کا اپنے مقابلہ میں ارتکاب یا اقدام جرم دیکھ کر

خاموش نہ رہنا دلیل ہے اس بات کی کہ انسان فطرتاً ہی جرائم اور ارتکاب اقدامات سے متنفر ہے۔ پھر لوگ ایسے کیوں ہو جاتے ہیں۔ کیا انسان کی فطرت میں ہی ایسا مادہ رکھا گیا ہے؟ نہیں۔ انسان کی فطرت تو صاف واقع ہوئی ہے وہ تو ایسا نہیں چاہتی لیکن جب انسان کی طبیعت پر غبار آجاتا ہے تو وہ ایسا بن جاتا ہے۔ ایک بچہ الگ رکھکر دیکھ لو۔ وہ اگرچہ اور بالغوں میں کمزور ہوگا مگر جرائم کی بابت اُسے کوئی علم اور کوئی حوصلہ نہ ہوگا۔ نہ تو وہ چوری سے آشنا ہوگا۔ اور نہ سرقہ و رہزنی سے اور نہ ڈاکہ سے نہ غارتی سے اور نہ فتنہ و شرارت سے۔ بیشک وہ بدخو ہوگا۔ بے رحم ہوگا وحشیانہ مزاج ہوگا۔ لیکن انسانی جماعتوں میں جو جرائم سرزد ہوتے ہیں۔ اُن سے وہ ایک بڑی تک ناآشنا ہوگا۔ اس کی وجہ سوائے اسکے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُسکی فطرت اور مقتضیات فطرت اُس وقت تک صاف اور غیر آلودہ ہوں گے۔

یہ تمثیل ظاہر اور ثابت کرتی ہے کہ:-

انسان کی فطرت بالکل صاف اور روشن ہوتی ہے۔ بعد میں اردگرد کے غبارات سے اُسپر غبار آجاتا اور وہ آلودہ یا مکدر ہو جاتی ہے۔ جو انسان شروع میں پیدا ہوا یا جو انسان نو مولود ہے۔ اُسکی فطرت میں وحدانیت اور خدا پرستی و خداشناسی کا جوہر ضرور رکھا گیا تھا وہ اس سے بے بہرہ اور ناآشنا نہ تھا۔ فطرتاً ہی وہ خداشناسی کی طرف جا رہا تھا۔ اور خدا کا جویاں اور پرستار۔ بیرونی آلودگیوں اور غبارات سے وہ توہمات میں پھنس کر بت پرست یا ناستک بن گیا۔ اگر اُس کی طبیعت میں خداشناسی اور خداپژوہی نہیں ہے یا نہیں تھی تو وہ کیوں رہ رہ کر اس طرف آتا اور یہ راہ لیتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ اپنی فطرت میں ہی یہ ولولہ اور یہ مادہ رکھتا ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ:-

اردگرد کے غبارات اور آلودگیاں اُسپر غالب آسکتی ہیں اور وہ اس خاصہ کو قائم رکھنے پر بعض اوقات قادر نہیں ہو سکتا۔ اب ہم بالفاظ دیگر یہ کہیں گے کہ جس جس رنگ میں

بت پرستی یا توہمات عقیدت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اُن سب میں خدا کی ذات یا خدا شناسی کی روح تو پائی جاتی ہے۔ ایک بت پرست بھی اخیر پر کہہ اٹھتا ہے کہ میری بت پرستی یا میرے بت صرف ایک ذریعہ پرستش یا عبادت میں یہ ایک آئینہ ہیں جن میں اُس ذات کا عکس پاتا یا شائبہ دیکھتا ہو کہ جو ایک پر فریب ہستی ہو۔ اور جو اخیر تک نادیدہ ہے۔ چونکہ انسان یا انسان کا دل و دماغ ہمیشہ ایک سہارا اور ذریعہ ڈھونڈھتا ہے۔ اس واسطے طمانیت قلب کے واسطے اُس نے یہ بت تراش لیے ہیں۔ ورنہ مدعا اور غرض وہی ذات ہے۔ ایک دہریہ اور ایک ناستک جو بظاہر خدا یا خدا کی ہستی کا انکار کرتا ہے وہ بھی دہر میں ایک موثر کا معترف ہے۔ اور ایک اعلیٰ طاقت سے انکار نہیں کرتا۔ اُسکے عقیدہ میں بھی خدا کی ذات ملی جلی ہے۔ جب ان صورتوں میں بھی اُس ذات کا تماشا ہو رہا ہے تو پھر یہ کیوں نہ کہا جاوے کہ :-

"انسان کی فطرت میں ہی خدا شناسی کا مادہ رکھا گیا ہو۔ اور انسان فطرتاً ہی خدا شناس ہے"

"ہر رنگ میں اس کا ثبوت فطرت دے رہی ہو۔ اور اس سے گریز نہیں کرتی"

اس سے ثابت ہوا کہ "وحدانیت یا توحید مقدم ہے"

"خدا شناسی اور خدا پرستی فطرت انسان میں ہے"

"بت پرستی کی نوبت بعد میں آئی۔ اور وہ بیرونی غبارات کا اثر ہے"

"اور اس میں بھی خدا پرستی اور خدا شناسی اور وحدانیت کا جزو خارج نہیں"

اور بمصداق آیہ کریمہ کان الناس امۃً واحدۃً سب کے سب پہلے خدا پرست اور خدا شناس ہی تھے۔

سلطان احمد

ہماری فاقہ مستی

بے شبہہ سچی عزت اور حقیقی شرف علم کے بغیر ناممکن ہے۔ مگر اسکے ساتھ ایک اور سامان کی بھی ضرورت ہے۔ جسکے بغیر اکیلا علم ذریعہ عزت نہیں ہو سکتا۔ وہ کیا؟

مرا بہ تجربہ معلوم شد پس از سی سال کہ قدر مرد بعلم است و قدر علم بہ مال

یعنی ایک نکتہ رس کا تیس سالہ تجربہ ہے کہ علم آدمی کے لیئے جبھی باعث قدر و منزلت ہو سکتا ہے کہ اُسکے ساتھ تمول و دولتمندی بھی ہو۔ ایک مالدار آدمی جو اقتصادی حیثیت سے ارباب اموال کا مرجع ہو۔ اور تجارت کی منڈیوں میں اُسکے نام کا سکہ چلتا ہو۔ اور بیسیوں محتاج اُس کے دروازے سے روزی پاتے ہوں۔ وہ جو بیچ دیگا۔ جو بنجوز نکالے گا۔ اور جو مضمون لکھیگا لوگ اُسکو آنکھوں سے لگائینگے۔ بخلاف اُس فاضل اجل کے جس کی گزر اوقات امامت مسجد کی تنخواہ یا واعظانہ پیشہ میں محدود ہو۔ وہ خواہ غزالی و رازی کا نمونہ ہی کیوں نہو۔ اُسکے بیان کا اثر منبر و عظ سے ایک بالشت بھر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

یہ تو صرف تیس سال کے تجربے کا نتیجہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ساٹھ سالہ تجربہ کی بنا پر فرماتے ہیں کہ مالداری بہترین نعمت ہے اور محتاجی بدترین شئے ؎

بَلَوْتُ صُرُوْفَ الدَّهْرِ سِتِّيْنَ حِجَّةً وَجَرَّبْتُ حَالَيْهِ مِنَ الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ

وَلَمْ اَرَ بَعْدَ الدِّيْنِ خَيْرًا مِّنَ الْغِنٰى وَلَمْ اَرَ بَعْدَ الْكُفْرِ شَرًّا مِّنَ الْفَقْرِ

معلوم نہیں کس بُری ساعت میں یہ خیال مسلمانوں کے دماغ کے اندر ہمیشہ کے لیئے سما گیا کہ دنیا کا مال و دولت قابل نفرت چیز ہے۔ اور اس سے گریز کرنا شرط ایمان ہے۔ اور تنگدستی و مفلسی محتاجی و ناداری وہ مبارک حالات ہیں۔ جن کی تہ میں آخرت کے باغ و بہشت لہلہا رہے ہیں۔ یہ خیال نہ صرف جاہل فقیروں اور جوگیوں نے مسلمانوں میں پیدا کیا ہے بلکہ لطف یہ ہے کہ

خود ہمارے واعظوں کی مقدس جماعت رات دن ترک مال و منال کا سبق پڑھنے میں مصروف ہے۔ اسپر بھی طرہ یہ کہ ؎

ترک دنیا بمردم آموزند　　خویشتن سیم و زر اندوزند

ہماری دانست میں تو ترک دنیا کا مضمون جسکو آج حضرت واعظ نے محفل آرائی کا مشغلہ بنا رکھا ہے اُسوقت وضع ہوا تھا جب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہفت اقلیم کی بادشاہی تھی۔ جب کہ اقوام عالم ان کی باجگذار تھیں۔ جبکہ ان کا تمول اوج کمال کو پہنچگیا تھا۔ جبکہ ان کی شوکت و ثروت اعتدال سے بڑھ چلی تھی۔ اور اندیشہ تھا کہ یہ خدا رسیدہ اُمت کہیں آجکل کے یورپ کی طرح مادی بھول بھلیاں میں پڑکر صراط مستقیم نہ کھو بیٹھے۔ اس لیے حکمائے اُمت نے وقتی مصلحت کے لحاظ سے زہد و قناعت اور فقر و فنا کا وہ منوّم و مسکّن نسخہ تجویز کیا جس سے تنافس و تکاثر کی بڑھتی ہوئی حدت کو روکنا مقصود تھا۔

آجکل جبکہ مسلمان انقلاب کا لقمہ بھچکے ہیں اور افلاس و تمسکین کے نیچے دب رہے ہیں۔ انکو مال و دولت سے متنفر کرنا اور جاہ و ثروت کے حصول سے باز رکھنا مرے کو مارے شاہ مدار کا مصداق ہے۔ لیکن یہ ہمارے جنتی نصیب اس ناداری و بے ندی کے زمانے میں بھی وہی ترک دولت کی ہانک لگائے جاتے ہیں۔ بیمار کے جسم میں لہو کی ایک بوند باقی نہیں رہی۔ مگر ہمارے ان مہربان حکمائے ملت نے وہی فساد خون کا مرض سمجھ رکھا ہے۔ اور فصد کے ساتھ اس کی رہی سہی جان لینے کے لیے تلے بیٹھے ہیں۔

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ اُسکے سرہانے آگ روشن ہے۔ صبح کو کسی مرد دانا سے اسکی تعبیر پوچھی تو اُسنے فرمایا کہ تم اپنے سرہانے کی زمین کھود کر دیکھو۔ کیا انعام ملتا ہے۔ جب اُس نے زمین کھودی تو وہاں سے ایک خزانہ نکل آیا۔ مدت کے بعد کسی اور شخص نے بھی ویسا ہی خواب دیکھا۔ کسی سادہ لوح نے اسکو بھی وہی تعبیر بتادی کہ تمہارے سرہانے خزانہ مدفون ہے۔ جب اُس بدقسمت نے اپنے سرہانے کی زمین کھودی تو خزانہ کی

بجائے وہاں ایک زہریلا سانپ موجود تھا۔ جس نے فوراً اُس شخص کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔ لوگ اُس بزرگ کے پاس گئے جس نے پہلے خواب کی تعبیر بتائی تھی۔ اور اس تفاوت عظیم کا موجب پوچھا۔ فرمایا خواب کی تعبیر ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی۔ بیرونی حالات اور خارجی کیفیات سے تعبیر بدلتی رہتی ہے۔ اسلیئے تعبیر بتانے والا وہ شخص ہونا چاہیئے جو مقتضیات اوقات کا ملے نباض ہو تاکہ تمام قرائن و شواہد پر نظر کرکے وہ صحیح تعبیر بتا سکے۔ پہلے شخص نے سردی کے موسم میں آگ دیکھی تھی۔ جبکہ یہ چیز ایک نعمت عظمیٰ سمجھی جاتی ہے۔ اس لیئے اسکی تعبیر مال و زر ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے شخص نے گرمی کے موسم میں خواب دیکھا تھا جبکہ وہی آگ بلائے عجیب کا حکم رکھتی ہے۔ پس اسوقت اسکی تعبیر میں ایک زہریلے سانپ کی طرف قیاس دوڑانا کچھ مشکل نہ تھا +

غرض ہمارے واعظین کرام یوں تو ماشاء اللہ عذب البیان ہیں فصیح اللسان ہیں اور سب کچھ ہیں۔ لیکن کمی ہے تو یہ ہے کہ اس دوسرے تعبیر بتانے والے صاحب کی طرح مقتضیات اوقات کے نباض نہیں۔ اور انہوں نے قوم کے خواب کی وہی ایک ہی تعبیر صدیوں سے ورد زبان بنا رکھی ہے +

ہماری قناعت پسند و مآل فراموش قوم کے کیا کہنے! جو حُلَل بہشت و فواکہ جنت کی طرف کچھ ایسی چشم بردوختہ بیٹھی ہے کہ تن ڈھکنے کے لیئے چیتھڑے اور سدِ رمق کیلئے لقمے کی فکر کرنا بھی اپنی اس دلچسپی میں حارج سمجھتی ہے۔ اور جب کبھی اسکو حریف قوموں کی مالی و اقتصادی تفوق کی ٹکر سہنے کا موقع پیش آتا ہے تو لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ کہہ کر اپنا دل بہلا لیتی ہے +

ہمارے اس فقرے سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ معاذ اللہ ہم دنیوی دولت کے مقابلہ میں امور اُخروی کی تخفیف شان کرنی چاہتے ہیں۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو آخرت کا اہتمام ہر چیز سے زیادہ کرنا چاہیئے۔ اور یہی ایک امتیاز خاص ہے جو مسلمانوں کو تمام

اقوام عالم کے مقابلے میں زندہ روحانیت رکھنے والی قوم ثابت کر رہا ہے لیکن التماس یہ ہے کہ آخرت کے کام بھی تو مال و زر کے بغیر بخوبی انجام نہیں پا سکتے۔ بقول سعدی ؎

فراغت با فاقہ نہ پیوندد، وجمعیت در تنگ دستی صورت نہ بندد و یکی تحریمہ عشا بستہ، و دیگرے منتظر عشا نشستہ، ہرگز ایں بداں کے ماند ؎

خداوندِ روزی بحق مشتغل پراگندہ روزی پراگندہ دل

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج روئے زمین کے اہل اسلام غیر اقوام کے سامنے رتبۂ پست و حقیر ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانی اور افلاس لازم و ملزوم ہو گئے ہیں۔ بھلا اسکی کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماعی کام اور کوئی قومی انسٹیٹیوشن اپنے مقاصد میں پورا کامیاب نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مسلمان اسکو روپیہ کی طرف سے مطمئن نہیں کر سکتے۔ کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی سلطنت وہ جلال و جبروت نہیں رکھتی جو بعض دیگر غیر مسلم سلطنتوں کو حاصل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسکے خزائن مال و زر سے خالی ہیں۔

الغرض وہ قوم اسلام جسکے جاہ و جلال کے آگے کبھی تمام دنیا کی گردن جھکتی تھی آج جو وہ حریفوں کے سامنے ایک عاجز و درماندہ اور پست و زبون حال قوم کی حیثیت رکھتی ہے تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ مفلس ہے۔ اسکے اندر تمول و فارغ البالی کی روح نہیں۔ بقول حضرت اقبال ؎

اے فرا ہم کردہ از شیراں خراج گشتہ روبہ مزاج از احتیاج

جملہ استعمار توانا داری است اصل علت ہا ہمیں بیماری است

مسلمانوں کی سکنت و تباہ حالی کی شکایت نہ صرف ان ممالک میں پائی جاتی ہے۔ جہاں انکے سابقہ اقبال و اقتدار کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اور وہ ایک محکوم جماعت کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بلکہ جو ملک آجکل سابقہ اسلامی جاہ و جلال کی رہی سہی یادگار سمجھے جاتے ہیں۔ یہ افسوسناک منظر وہاں بھی موجود ہے۔ علامہ شبلی اپنے روم و شام و مصر کے

سفرنامہ میں جابجا یہ شکایت کرتے ہیں کہ میں پیرس وغیرہ میں جب کوئی شاندار کارخانہ دیکھتا تھا۔ یا کوئی فلک نما عمارت نظر آتی تھی تو یہ معلوم کرکے مجھے بڑی مایوسی ہوتی تھی کہ کسی عیسائی کی ہے +

بے شبہہ وہ مفلس مسکین قوم مالدار اقوام کے آگے کچھ بھی منزلت نہیں پاسکتی جس کی نہ صرف بستیوں اور محلوں پر فقر و ناداری برس رہی ہو بلکہ اسکی قبروں پر بھی شب و روز ذلت و خواری کی گرد اڑتی ہو +

مَسَاكِنُ اَهْلِ الْفَقْرِ حَتّٰى قُبُوْرُهُمْ عَلَيْهَا تُرَابُ الذُّلِّ بَيْنَ الْمَقَابِرِ

جناب شیر خدا حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مالداری وہ خداداد چیز ہے جو مالدار کے تمام عیوب کو چھپاتی ہے۔ اور مفلسی نہ صرف ذلت و خواری کا سرچشمہ ہے بلکہ وہ خود سراسر عیب ہے۔ اور وہ مفلس کے لیے اسیقدر باعث ننگ و عار ہے۔ جیسے شرابی کے لیے شراب +

كَثِيْرُ الْمَالِ لَيْسَ لَهٗ عَوَارٌ وَكُلُّ فِيْ كُلِّ مَا يَاْتِيْهِ عَارٌ
لِاَنَّ الْمَالَ تَسْتُرُ كُلَّ عَيْبٍ وَفِي الْفَقْرِ الْمَذَلَّةُ وَالصِّغَارُ
كَذَاكَ الْفَقْرُ يَا اَخْرَارَ يَزْرِيْ كَمَا زَرَتْ بِشَادِيْهَا الْعِقَارُ

یہ تو تھا **حضرت علی** کا قول۔ اب ہم دوسرے صحابہ کرام کا فعل دکھاتے ہیں کہ وہ کس درجہ تک تموّل و تنعّم برت رہے تھے۔ اور کسقدر مالداری کو عزیز رکھتے تھے۔ اور ان کے مال نے اسلام کو کیسا عظیم الشان نفع پہنچایا +

حضرت عثمانؓ کے تموّل کا یہ عالم تھا کہ ایک بار انکے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے آئے۔ اور انہوں نے سب کے سب فی سبیل اللہ دے دیئے۔ غزوہ تبوک کے لیے آپنے نوسو پچاس اونٹ پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دیئے۔ مسجد نبوی میں اضافہ کرنے کے لیے آپنے پچیس ہزار درہم میں ایک زمین اپنے صرفے خرید کر وقف کی جب

آپ شہید ہوئے تو آپ کے خزانچی کے پاس تین کروڑ پانچ لاکھ درم اور ایک لاکھ دینار موجود تھے ۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چالیس ہزار نقد اور پانسو گھوڑے ڈیڑھ ہزار اونٹ مختلف موقعوں پر حفاظت و اشاعت اسلام کے لیے صرف کیے ۔ ایک جگہ حضرت کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کی ۔ اور یہ سب مال اللہ کی راہ میں صرف کیا جب آپنے وفات پائی تو ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے چھوڑے ۔ اسکے علاوہ خالص طلا کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی چھوڑے ۔ جن کو کلہاڑی کے ساتھ کاٹ کاٹ کر تقسیم کیا گیا ۔ مرنے سے پہلے آپنے وصیت کی کہ پچاس ہزار درم فی سبیل اللہ صرف کیے جائیں ۔

حضرت زبیر رضؓ نے تین کروڑ باون لاکھ درہم کی جائداد چھوڑی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بتیسواں حصہ یعنی کئی کئی لاکھ درہم ملے ۔

حضرت طلحہ رضؓ کو عراق کی کاشت سے کئی لاکھ درہم وصول ہوئے تھے وہ بنو تیم کے ہر محتاج کو کافی خرچ دیا کرتے تھے اور بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیتے تھے قرضداروں کی طرف سے قرض ادا فرماتے ۔ بھیجہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھے وہ حضرت طلحہ رضؓ ہی نے ادا کیے ۔

صحابہ کرام کی اس ثروت و فراغت کا اصلی راز وہی چیز تھی جس سے آجکل مسلمان کوسوں بھاگتے ہیں یعنی تجارت ۔ افسوس ۔ رزق کا وہ بابرکت صیغہ جسکو پیغمبر صحابہ اور اکثر صلحا راحت سیار کرتے چلے آئے ہیں ۔ اور جو رزق کے دس حصوں میں اکیلا نو حصوں پر عادی ہے ۔ آجکل مسلمانوں میں قریبًا کالعدم ہے ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بنفس نفیس تجارت کی اور اس کے لیے ملک شام تک سفر کیا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا ۔ میں قریش میں سب سے بڑا

تاجر تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح جن کو دنیا سے روشناس کرانے والا خاص تدوین فقہ کا مقدس کارنامہ ہے۔ اور جو قانون اسلام کی مرتب کرنے والی عظیم الشان کمیٹی کے صدر نشین ہیں۔ وہ محض علمی عجائبات کے نمونہ نہ تھے۔ بلکہ ریشم کے تاجر تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف جب ہجرت کرکے مدینے پہنچے تو جناب رسالت مآب ﷺ نے سعد بن ربیع انصاری سے ان کی مواخاۃ کرادی۔ سعد نے گھر لے جاکر ان سے کہا کہ میں اپنا آدھا مال تم کو بطور امداد دیتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا تمہارا مال خدا تم کو مبارک کرے مجھے یہاں کا بازار بتادو۔ بازار گئے اور تجارت شروع کی۔ وہ خود کہتے ہیں کہ خدا نے مجھے تجارت میں وہ برکت دی کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اسکے نیچے سے چاندی سونا ملنے کی امید ہوتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رض ملک بحرین سے چار لاکھ درہم لائے۔ حضرت فاروق اعظم رض نے دریافت فرمایا۔ کیا کسی پر تم نے ظلم کرکے تو یہ مال نہیں لیا؟ جواب دیا کہ نہیں پھر آپنے پوچھا کہ تم اپنا مال کسقدر لائے ہو۔ کہا بیس ہزار درہم۔ حضرت عمر رض نے پوچھا اتنا مال کیونکر حاصل کیا؟ انہوں نے کہا۔ میں وہاں تجارت کرتا تھا۔

حکیم عرشی

پُرتاثیر خطیب

اخباری منبر کے اردو خطیب کے خطبے سنو جو ہر ہفتے دین و دنیا کی بھلائی کے پرتاثیر وعظ سناتا ہے۔ اردو زبان اسکے نرالے بیان پر جھومتی ہے۔ کھوئے ہوئے راستے اس خضر کے سامنے ہاتھ باندھے چلے آتے ہیں۔ مشہور رسالہ نظام المشائخ کے دفتر سے نکلتا ہے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے مضامین اپنے زیادہ اسی میں چھپتے ہیں۔ چندہ سالانہ ۴ روپیہ ششماہی ۲ روپیہ۔ سہ ماہی ۱۳ر۔ خریداران نظام المشائخ سے سالانہ ۳ روپیہ ششماہی ۱۶ر۔ سہ ماہی ۱۱ر۔ نمونہ مفت۔ المشتہر منیجر خطیب دہلی

حضرت مصعب بن عمیرؓ

(داعیٔ یثرب)

صحابہ کرام میں بڑے بڑے ارباب فضائل اور بڑی بڑی خوبیوں کے بزرگ گزرے ہیں، حضرت خالد سیف اللہ تھے، حضرت علی اسد اللہ تھے، حضرت ابن عباس حبر الامۃ تھے، حضرت ابوذر مسیح الاسلام تھے، حضرت ابوعبیدہ امین الملۃ تھے۔ لیکن جن بزرگ کا نام میں نے سرعنوان پر لکھا ہے اُنکے محاسن کا سرعنوان صرف ایک ہے۔ یعنی یہ کہ وہ یثرب کے معلم اول تھے،

۱۳ نبوی میں سرزمین یثرب کے صرف ۱۲ آدمیوں نے حضرت داعی اسلام علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی، اسکے ایک سال بعد یہ تعداد بہتر تک پہنچگئی۔ اور چند مہینے کے بعد جب آپنے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو شہر یثرب کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو پر تو اسلام سے منور نہ ہو، یہ حیرت انگیز انقلاب صرف ایک تربیت یافتہ، نبوت کی کوششوں کا نتیجہ تھا، انکا نام مصعب، کنیت ابو محمد، باپ کا نام عمیر، ہاشم کے پوتے، اور عبد مناف کے پرپوتے تھے، مکہ وطن تھا، نہایت حسین و خوشرو، اور ماں باپ کے بہت لاڈلے تھے، خدا نے گھر میں دولت بھی دی تھی، دونوں نے لخت جگر کو آغوش محبت میں نہایت نازونعمت سے پالا تھا۔ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں میسر آسکتی تھی وہ اُنکے لیئے مہیا ہوتا تھا، نازونعمت سے پل کر بچہ نے جب شباب کی منزل میں قدم رکھا، اوازۂ اسلام کانوں میں آیا، خدائے پاک نے حسن ظاہر، سلامت ذوق، اور طبع لطیف کے ساتھ اُنکے آئینۂ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ لیلائے حقیقت کے خطوخال نے فریفتہ کرلیا، اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہوکر شیدایان اسلام میں داخل ہوگئے،

یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزیں تھے، اور فدا کارانِ اسلام کے لیئے مکہ کی سرزمین مصیبتوں کا آسمان بن رہی تھی۔ اس بنا پر حضرت مصعب نے ایک عرصہ تک اپنے نئے عقیدہ کو مخفی رکھا، چھپ چھپ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے، اور جمال مبارک سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے، ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا، اُن کی ماں اور اہل خاندان کو خبر کردی، اس کفرستان میں اسوقت معبود حقیقی کے آگے سر نیاز خم کرنا کوئی خفیف جرم نہ تھا، والدین نے سُنا تو تمام مادرانہ محبت اور پدرانہ شفقت وفعتہً غیظ و غضب اور بغض و انتقام سے مبدل ہوگئی، اور بالآخر اپنے لاڈلے اور نازپروردہ فرزند کے لیئے قید تنہائی کی سزا پسند آئی[۱]، اسلام کے شیدائی نے یہ گوارا کیا، لیکن ایک کو دو نہ کہا،

مزاج قدرتاً لطافت پسند تھا، حضرت مصعبؓ اسلام قبول کرنیسے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک، اور بہترسے بہتر عطریات استعمال فرماتے، حضرمی جوتا جو اس زمانہ میں صرف امرا کیلئے مخصوص تھا وہ اُنکے روزمرہ کام میں آتا، غرض اُنکے وقت کا اکثر حصہ آرایش و زیبایش اور زلف مشکیں کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شراب توحید نے کچھ ایسا مست کردیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربار نبوت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لیئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا، جس میں جا بجا سے پیوند لگے ہوئے تھے، صحابہ کرام نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکالیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "الحمد للہ۔ اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہیئے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی نازپروردہ نہ تھا، لیکن نیکوکاری کی رغبت اور خدا رسول کی محبت نے اُسکو تمام چیزوں سے بے نیاز کردیا[۲]،

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب سے تنگ آکر بالآخر ترک وطن پر آمادہ ہوئے، اور مبتلا شیان امن و سکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی، اس نازپروردہ

نوجوان کو اب نہ تو نرم اور نازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش و تنعم کی فکر، جلوۂ توحید کے صرف ایک نظارہ نے تمام فانی ساز و سامان سے بے نیاز کر دیا، ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے تو خود اُن کی ماں کو اپنے نور نظر کی اس پریشان حالی پر رحم آگیا، اور گزشتہ مظالم کے اعادہ سے باز آگئی[1]

تعلیم دین — اس اثنا میں خورشید اسلام کی ضیا افگن شعاعیں کوہ فاران کی چوٹیوں سے

تبلیغ اسلام — گزر کر وادیٔ یثرب تک پہنچ چکی تھیں، اور مدینہ منورہ کے بارہ معززین نے موسم حج میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، چونکہ رسم بیعت ایک گھاٹی کے اندر ادا ہوئی تھی اسلیئے تاریخ اسلام میں یہ واقعہ بیعت عقبۂ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے،

مدینہ کی اس نومسلم جماعت نے دربار نبوت میں درخواست بھیجی کہ اُن کی تعلیم و تلقین اور گمراہان یثرب کی ہدایت و رہنمائی کے لیئے کسی معلم دین و ہادیٔ باخبر کا تقرر فرمایا جائے، حضرت سرور کائنات کی نگاہ جوہر شناس نے اس خدمت کے لیئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا، اور چند اسرار و نکات کی تعلیم کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا[2]، اُسوقت تک تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام مہبط وحی و الہام علیہ السلام کے سوا اور کسی نے انجام نہیں دیا تھا، یہ پہلا موقع ہے کہ فیض یافتگان نبوت میں سے ایک کو نیابت کا شرف عطا کیا جا رہا ہے، مصعب اب مصعب نہ تھے، وہ نائب رسول تھے، وہ اسلام کے سب سے پہلے داعی بنکر سرزمین یثرب کو سدھارتے ہیں، آؤ دیکھیں کہ وہ اس نیابت کا فرض کس طرح انجام دیتے ہیں، اس سرزمین میں جو موسیٰ کی شریعت کا مرکز اور بنی اسرائیل کی حکومت کا تختگاہ رہی ہے، لوائے محمدی کس طرح بلند اور آسمان کی ایک نئی بادشاہی کا کس طرح اعلان کرتے ہیں۔

حضرت مصعب مدینہ پہنچکر حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے، فروکش ہوئے۔ یہ خیال فضول تھا کہ تمام اہل یثرب استماع حق کے لیئے کسی مجمع میں خود

---

[1] طبقات ابن سعد، ق جلد ۳ صفحہ ۸۶، [2] بخاری،

جمع ہوسکیں گے، حضرت مصعبؓ پُر درد اور اثر پذیر قبول کی گھر گھر تلاش شروع کی، دعوت و تبلیغ کے لیے انھوں نے پرزور دلائل کا انتخاب نہیں کیا، توحید کی سچائی پر انھوں نے فلسفیانہ براہین کی جستجو نہ کی، قرآن کی حقانیت پر اسکی بے نظیر فصاحت و بلاغت کا دعوے نہیں کیا، رسالت کی تصدیق کے لیے انھوں نے پیغمبرؐ کے معجزات نہیں گنائے، صرف ایک ہی چیز اُنکے پاس تھی، قرآن حکیم کی چند سورتیں، جو اُس وقت نازل ہوچکی تھیں، جہاں جاتے پڑھکر سناتے، یہی اُنکے دلائل کا ذخیرہ، فلسفیانہ براہین کا سرمایہ، اور محیر العقول معجزات کا خزینہ تھا، مخالفت کے مادہ ہائے فاسد پہاڑ بنکر سامنے آئے۔ لیکن اُنکی تاثیر سے چند منٹ میں ذرات بن کر اُڑ اُڑ گئے'

اِس طرح جب یثرب میں اسلام نے گھر کرلیا تو تلاوت قرآن اور تبلیغ کے لیے حضرت اسعد کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے محلہ میں لوگوں کو جمع کرتے، ایک روز حسب معمول بنی ظفر کے محلہ میں چند مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلہ عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ نے اپنے رفیق اسید بن حضیر سے جو قبیلہ کے سردار اور معزز تھے۔ کہا:۔ اُس اسلام کے واعظ کو جو یہاں آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد عزیزوں کو گمراہ کرتا ہے اپنے محلہ سے نکالدو" اگر اسعد سے مجکو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تم کو اسکی تکلیف نہ دیتا، یہ سنکر اُسید نے نیزہ اُٹھایا، اور حضرت مصعب اور حضرت اسعد کے پاس آکر خشم آلود لہجہ میں کہا، تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ بے وقوفوں کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو بہتر ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ" حضرت مصعبؓ نے اس آگ کو آگ سے نہیں روکا، انھوں نے اسپر پانی کے چھینٹے دیئے، اور نرمی کے ساتھ کہا اسید تم پہلے بیٹھکر ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئیں قبول کرو، ورنہ ہم خود چلے جائینگے اُسید نے کہا ہاں یہ سچ ہے، تم کیا کہتے ہو" یہ کہکر اپنا نیزہ زمین میں گاڑکر بیٹھ گئے' حضرت مصعبؓ نے حسب دستور قرآن کی چند آیتیں پڑھکر سنائیں، سننا تھا کہ تیکدل موم تھا،

جناب ہو کر بولے، کیسا اچھا مذہب ہے! کیسی بہتر ہدایت ہے! مجھے جلد بتاؤ کہ اس مذہب میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

حضرت مصعبؓ نے کہا، پہلے نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہنو، پھر صدق دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرو، انھوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی، اسلام زندگی کا سرچشمہ ہے، ابھی حضرت اسیدؓ کے اسلام کو چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ فرض تبلیغ کا احساس خود اُنکے دل میں بھی پیدا ہوا، بولے، میرے بعد ایک اور شخص ہے جسکو راہ رہت پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ میں داخل ہو گیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اسکی پیروی کرے گا، میں ابھی اسکو آپکے پاس بھیجتا ہوں۔

حضرت اسیدؓ اب بزم احباب میں واپس آئے، تمام مجمع نے دیکھا کہ غیظ و غضب کی جگہ چہرے پر عشق و محبت کا نور تاباں ہے، سعد بن معاذ نے دور ہی سے دیکھکر کہا۔ "خدا کی قسم اس شخص کی حالت میں ضرور انقلاب ہو گیا ہے، اور جب قریب آئے تو پوچھکر کہو، کیا کر آئے؟ حضرت اسیدؓ نے جواب دیا، خدا کی قسم دونوں فریق بھی خوف زدہ نہ ہوئے، میں نے انکو منع کیا تو بولے کہ ہم وہی کرینگے جو تم پسند کروگے لیکن میں نے سنا ہے کہ بنی حارثہ تمہارے خالہ زاد اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہیں، تاکہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو"۔

چونکہ بنی حارثہ اور عبدالاشہل میں دیرینہ عداوت تھی، اسلئے حضرت اسیدؓ کا اثر کارگر ہو گیا، سعد بن معاذ جوش غضب سے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور تخالف مذہبی کے باوجود اسعد کی مدد کے لیے روانہ ہو گئے، لیکن یہاں بالکل امن و سکون تھا، سمجھ گئے کہ اسیدؓ نے ان دونوں سے بلشافہ گفتگو کرنیکے لیے ایک موقع پیدا کیا، انسی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے بدل گیا، اور خشمگیں لہجہ میں بولے، ابوامامہ! خدا کی قسم اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتا، تمہیں کیونکر ہمارے محلہ میں ایسے عقائد

پھیلانے کی ہمت ہوئی جسکو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں؟

حضرت مصعب پہر آگے بڑھے، اور کانوں میں وہ افسون پھونکا جو بارہا تجربہ سے کامیاب ہو چکا تھا، سُننے کے ساتھ حضرت سعد محو اسلام تھے۔ اُسی وقت اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوئے، اسلام نے پہر اپنا کام کیا، اور وہی تبلیغ کا نشہ اب اُنکے سر میں بھی تھا، جوش اور ولولہ سے لبریز اپنے قبیلہ میں آئے، اور سوال کیا، اُسے بنی عبدالاشہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟ سب نے بیک آواز کہا، تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو" بولے، خدا کی قسم تمہارے مرد اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھپر حرام ہے، جبتک تم خدا اور اُسکے رسول پر ایمان نہ لاؤ" یہ الفاظ ابھی ہوا میں گونج رہے تھے کہ عبدالاشہل کا تمام قبیلہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا،

حضرت مصعب ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہ کے مہمان رہے، لیکن جب بنی نجار نے اپر تشدد شروع کیا، تو وہ بنی نجار جو چند ہی روز کے بعد اسلام کے دست و بازو، اور خیر مقدم رسول کے لیئے سب سے زیادہ بیتاب تھے، تو حضرت سعد بن معاذ کے مکان پر اُٹھ آئے۔ اور یہیں سے خورشید اسلام کی آمد آمد کا مژدہ سناتے رہے، یہانتک کہ حطمہ، وائل اور واقف کے چند گھروں کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر اس نور سے روشن ہو گئے،

(باقی دارد)

ملہ سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۳۹ و خلاصۃ الوفا صفحہ ۹۱۔

۴۸۶

دردائیل موکل

نظام المشائخ کی نسبت شاید بعض لوگوں کا گمان ہو کہ یہ بھی دوسرے صوفیانہ رسالوں کی طرح محض پیروں فقیروں کا آرگن ہے۔ اور خانقاہ نشینوں اور کملی پوشوں کے خوش کرنے کا سامان مہیا کرنا اسکا مقصد ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل مضمون کو پڑھکر وہ اپنی رائے براہ کرم بدل لیں۔ نظام المشائخ بے شک تصوف و اہل تصوف کا حامی ہے۔ اور اس خدمت گزاری کو سعادت دارین جانتا ہے، تاہم اسے جس طرح یہ منظور ہے کہ تصوف کا احترام مٹنے نہ دے اور اسکی اصل شان دنیا کے سامنے پیش کرتا رہے۔ اسی طرح آجکل کے بنے ہوئے درویشوں کا اس سے بڑھکر غالباً کوئی دشمن نہیں۔ کیونکہ ایسے بزرگوں کا جنہوں نے ایڈیٹر نے مطالعہ کیا ہے کسی نے کم کیا ہوگا۔ دردائیل موکل کے راقم مولوی محمد ظہور الدین صاحب مراقب۔ خواجہ غریب نواز اجمیری۔ سلطان نظام الدین اولیاء دہلوی جیسے حضرات سے انحراف کرنے والے وہابی یا غیر مقلد علما میں نہیں ہیں انکا قلب ایسے اولیاء اللہ کی قدر و عظمت سے معمور ہے۔ اور آج کی دنیا کو بھی وہ ان جیسے پاک نفس بندگان خدا کے وجود سے خالی نہیں سمجھتے۔ مگر انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ جب ایک سیلاب اسلاف کے بدنام کنندوں کا دیکھتے ہیں۔ اور اسی کی تصویر نہایت عمدہ پیرائے میں انہوں نے یہاں کھینچی ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہر معقول اور سچا صوفی جناب مراقب کا ہمنوا ہوگا۔ اور خلق اللہ کو اچھے اور بُرے کی تمیز بتانے کی کوشش کرے گا۔ ضمناً جو باتیں اس مضمون میں آگئی ہیں وہ بھی امید ہے دلچسپی سے پڑھی جائینگی ۔ (ایڈیٹر)

محرم الحرام کا مہینہ ہر پھر کر خواہ موسم بہار ہی میں کیوں نہ آجائے۔ مگر اسکی فطرتی اُداسی اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ تماشہ گاہ عالم اگرچہ غضب کے دلفریب نظارے رکھتا ہے۔ لیکن اس ماہ میں کلیتاً ہُو کا عالم ہو جاتا ہے۔ میں اور کسی کی کیا کہوں اپنا تو حال یہ ہو جاتا ہے کہ نہ جنگل میں دل لگا کرتا ہے نہ آبادی میں۔ سبزہ زار ہو خواہ لالہ زار۔ سب وحشتناک معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اور کچا کچ باغوں میں گھبراہٹ اور بے چینی نظر آنے لگتی ہیں اسکے برس بوجہ اسکے کہ وطن سے دور بادیہ پیمائے غربت ہوں۔ طبیعت نے ایسا دیرپا اثر لے رکھا ہے کہ چار ماہ سے زائد عرصہ عشرہ کو گزرے ہوئے ہو گیا مگر طبیعت بدستور اترا چڑھاؤ میں مبتلا ہے۔ وہی اُداسی ہے اور وہی بے چینی۔ وہی وحشت ہے اور وہی حسرت! اکثر راتوں کو قبرستان میں چلا جاتا ہوں۔ اور دس گیارہ بجے تک شہر خموشاں کے سناٹے کا تماشا دیکھا کرتا ہوں۔ اس قبرستان میں پرانے طرز کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور اسکی بغل میں بصورت تہ خانہ ایک عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ جس میں اکثر اللہ والے لوگ رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ آجکل بھی اسمیں ایک بزرگ رونق افروز ہیں جو ظاہر میں نہایت خلیق اور باوقار صابر و شاکر معلوم ہوتے ہیں۔ آنے جانے والے لوگوں سے کوئی طمع یا غرض نہیں رکھتے۔ میری عرصہ کی آمد و رفت سے اُن کو میرے ساتھ بہت اُنس ہو گیا ہے۔ مجھے بھی چونکہ ابتدا سے ایسے حضرات کی صحبت کا شوق ہے اکثر دیر تک اُن کی خدمت میں بیٹھا رہتا ہوں۔ اور عملیات و دعوات کے متعلق ذکر و تحقیق ہوا کرتی ہے۔ اسوقت یہ درویش دعوت دعائے سیفی سے فارغ ہوئے ہیں۔ اور اب اُن کا ارادہ دکن کی جانب جانے کا ہے۔ غالباً اسی ہفتہ میں چلے جائیں گے۔ اسلیئے پچھلی جمعرات کو میں ساری رات اُنکی خدمت میں رہا۔ اور اس دعائے سیفی سے کرشمے سُنتا رہا۔ فرمایا کہ میں کئی بار اس دعا کی دعوت بشرائط کامل دے چکا ہوں۔ مگر سب دلخواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ نہیں معلوم کیا سبب تھا کہ ایکبار یہ عمل نہایت ٹھیک اُترا ہے جسکی کیفیت اس طرح پر ہے کہ پچھلی جمعرات کو

جبکہ میرے چلہ کا انتالیسواں دن تھا۔ یکایک تمام حجرہ اس طرح ہلنے لگا۔ جیسے اپریل ۱۹۰۶ء کا زلزلہ آگیا ہو۔ اور سخت سخت مہیب آوازیں سنائی دینے لگیں۔ محسوس ہوتا تھا کہ آسمان آرہ بنکر کرۂ ارض کو چیر رہا ہے۔ یا انجن کے برک گرائے ہوئے پہیہ کی طرح زمین کسی آفت میں پھنس گئی ہے۔ یہ آواز ہولناک دم بدم روبہ ترقی ہوتی تھی۔ اور میری جان بدن سے سمٹ کر سینہ میں بند ہو رہی تھی کہ یکایک حجرہ کے دروازے کو سخت دھکا لگا اور دونوں کواڑ بجلی سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئے۔ اگرچہ اُس گیر و دار میں میں بالکل حواس باختہ تھا۔ مگر کواڑوں کی آہٹ نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور میری نظر اُدھر کی جانب پھر گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قوی ہیکل جوان نہایت بارعب اور مسلح خلوت میں داخل ہوا۔ اور حصار کے گرد تین بار طواف کرکے میرے روبرو تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا۔ اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ کہتا رہا جسکو میں نہیں سمجھ سکا۔ اسکے اندر داخل ہونیکے بعد وہ رعد و کڑک زلزلہ وغیرہ یک قلم موقوف ہوگیا۔ اور وہ بگڑکر یوں مخاطب ہوا کہ "اے عامل! تو ہمکو کیوں دق کرتا ہے۔ اور ہمارے تسخیر کرنے کی کیوں بے فائدہ کوشش کرتا ہے۔ اور ناحق تکلیف گوارا کر رہا ہے۔ ایک عرصہ ہوگیا تو ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کہہ کیا کہتا ہے۔ تیری ہٹ نے ہمیں تنگ کر دیا"۔

عامل۔ آپ کا کیا نام ہے اور کیا کام آپکے سپرد ہے؟

موکل۔ جو مطلب ہو ظاہر کرو اس سے تمہیں کیا غرض۔ فضول سوالات میں وقت ضائع نہ کرو!

عامل۔ نہیں تاوقتیکہ آپکا پورا پورا پتہ نہ سُن لوں اظہار مطلب کی اس عمل میں اجازت نہیں ہے۔

موکل۔ دیکھو۔ اب ہمارا عملیات سے بہت کم تعلق رہ گیا ہے۔ دنیا طلب عاملوں کی دھوتوں سے دق ہو کر ہم نے عہد کر دیا ہے کہ عملیات کی فرمانبرداری ترک کر دیں۔ اسوقت

نہ جانے کیا دل میں آگئی کہ ہم تمہارے پاس آگئے۔ ورنہ جیسے تم پہلے چلوں میں ناکام رہے ہو اسکے بھی ہاتھ جاڑ کر کھڑے ہو جاتے۔

عامل۔ تو خیر جہاں آپنے تشریف آوری کی تکلیف گوارا کی ہے مہربانی فرما کر اپنا پتہ بھی ارشاد فرما دیجے۔

موکل۔ خیر تم نہیں مانتے ہو تو سنو۔ میرا نام دردائیل موکل ہے۔ اور ہم جسقدر موکلات ہیں۔ ہمارا سب کا کام امورات قضا و قدر کی انجام دہی ہے۔ اب تم کہو تمہارا کیا مطلب ہے؟

عامل۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مجکو ایک بڑا بھاری خزانہ ملجائے۔ اور دولت سے مالامال ہو جاؤں +

موکل۔ یہی تو نامعقول مطالبات ہیں۔ جن کی وجہ سے ہمارا ناک میں دم آگیا اور عملیات کی دعوتوں سے تعلق چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ ہمارے لیئے بڑی بات نہیں کہ دو چار سو من سونا یا جواہرات لادیں۔ مگر فضول اور لغو کام کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ اپنی حیثیت اور لیاقت کے مطابق کوئی کام کہو تو ممکن ہے +

عامل۔ میرا مطلب تو محض دولت ہے اور محض اسی کی خاطر یہ محنت اٹھا رہا ہوں جب دولت ملجائے گی تو تمام خواہشیں پوری ہو سکتی ہیں۔ مگر افسوس آپ اس سوال کو رد کیئے دیتے ہیں۔ اچھا خیر ایک درم نہ سہی تو بطور دست غیب دس پندرہ روپے روزانہ ملجائیں +

موکل۔ یہ تو ایک ہی بات ہے۔ اسقدر فرصت کہاں سے لائیں کہ تمہاری خاطر معدن سے چاندی لاکر اُسپر ضرب لگائیں۔ اور مصلے کے نیچے رکھا جایا کریں۔ ایسے فضول کام میں اپنا وقت ضائع کریں +

عامل۔ آپ کو فرصت ہر وقت ہے۔ یہ کیا کہا کہ فرصت کہاں سے لائیں آپکے اختیار قضا و قدر میں۔ عدیم الفرصتی کا بہانہ تو انسان ہی کے لیئے زیبا ہو سکتا ہے۔ موکل اور پھر

عدیم الفرصتی؟

موکل۔ ہاں پہلے تو یہ بات ضرور تھی کہ شب و روز قضا و قدر کے کام سے سر کار تھا لیکن آجکل وہ بات نہیں رہی۔ کیونکہ کچھ عرصہ سے ہمارا سب عملہ حضرت عزرائیل کی ماتحتی میں آگیا۔ اُن کی تو قیعات بڑی سخت ہیں۔ جن کی بجاآوری میں ایک دم کی بھی فرصت نہیں مل سکتی۔ آج بڑی مشکل سے رخصت حاصل کرکے آنا ہوا ہے۔

عامل۔ یہ تو نہایت خلاف قیاس بات ہے۔ کیا حضرت عزرائیل کا عملہ کچھ کم ہے جو موکلات کی بھی نوکری اُدھر لگادی گئی۔ اب تو خدا کے فضل و کرم سے طاعون وغیرہ سے بھی امن و امان ہے۔ پھر اسکی کیا ضرورت پڑی تھی۔!

موکل۔ جب سے جرمنی شیاطین نے غداری شروع کی ہے تب سے حضرت عزرائیل سرزمین یورپ میں خیمہ زن ہیں۔ اُن کا عملہ تو سارے کا سارا جرمنی کو گھیرے ہوئے ہے اور ہم موکلات جسقدر ہیں۔ وہ حفاظت اتحاد پر مقرر ہیں۔ جرمنی ترکستان سے بیگناہ جانوں کو بچاتے ہیں۔ اور ہوائی تاخت سے بیخبر مسکین غریبوں کے بچوں اور مکانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

عامل۔ آپ کی خفاظت اور پہرہ داری تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ بلجیم اور سرویہ کے لیے آپ کہاں تشریف فرما تھے؟ جرمنی عفریت سے انکو کیوں نہ بچایا۔ اور دنیا پر شاید آپ کی تقرری نہیں ہوئی؟

موکل۔ ہاں بیشک تمہارا یہ اعتراض درست ہے۔ لیکن تم کو حقیقت حال معلوم نہیں سنو۔ اول اول جب جرمنی قزاق نے خواہ مخواہ فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کیا۔ اور غریب بلجیم کا رخ کرکے لوٹ مار مچادی۔ اور اُسکے جوڑی دار آسٹریا نے سرویہ کو تاخت و تاراج کرنا شروع کردیا تو اُسوقت قضا و قدر نے اسلیئے توجہ نہ کی کہ ذرا سا مکڑا زمین کاٹنے کے بعد جب جرمنی پانی میں پاؤں ڈالیگا تو نہنگ اجل برطانیہ کا بحری بیڑا ایک جھپٹ میں اسے ہڑپ کرجائیگا

گر چونکہ جرمنی گمراہ شیطان نے ورغلان رکھا تھا۔ اُسنے فوراً سمجھا دیا کہ اگر بحری قزاقی کا ارادہ کروگے تو فرعون کی طرح ڈوب سمیت غرق کردیئے جاوگے۔ اُلٹے پاؤں پھرو۔ اور ہائیں کی جانب پرستان کا ملک ہے اُسے لوٹو۔ پیرومرشد کا یہ فرمانا تھا کہ قزاقوں کا گروہ فوراً پیرس کیجانب پلٹ پڑا اور خرد جال کی طرح دولشیاں چاروں طرف مارنی شروع کیں۔ اُسکی دیکھا دیکھی اُسکا پیر بھائی بھی بقول "ہر چہ آدم میکند بوزینہ ہم"۔ سرد یہ کو نوچنے لگا۔

اس ظلم و ستم کو دیکھکر قضاوقدر کو اپنا سابقہ بجٹ بدل دینا پڑا۔ نیا بجٹ تیار ہونے لگا۔ تیاری بجٹ میں آخر دن لگ ہی جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں انکو موقع مل گیا۔ اچھا خاصا حصہ زمین کا دبا لیا۔ اس بجٹ میں ہماری یونی ہی محکمہ جنگ میں بامتحی حضرت عزرائیل مقرر ہوگئی۔ جب سے اُس بجٹ کے بموجب ہمارا چوکی پہرہ یورپ میں لگا ہے۔ جرمنی قزاق گرگا سولھویں حصہ بھی آگے بڑھنے نہیں پایا۔ اور دن بدن پیچھے ہٹتا رہا اور ہٹتے ہٹتے اسقدر ہٹا کہ رومانیا تک آلگا۔ جیسے کسی میلہ میں بھاگڑ پڑجائے اور غریب بساطی کی دکانیں جم غفیر کے پاؤں کے نیچے پامال ہوجائیں۔ اسیطرح اُن کی بے اوسانی میں رومانیا کا کچھ حصہ اُنکے پاؤں تلے دب گیا۔ کوئی لڑکر تھوڑا ہی لیا ہے۔ اُدھر سے مُنہ کی کھائی اِدھر آکر دھوم مچائی فتح تو اب جرمن کو خواب میں بھی نظر نہ آئے گی +

عامل سبحان اللہ۔ کیا کہنا۔ سچ ہے۔ فی الواقع اگر اُسکو فتح حاصل ہوتی تو ضرور اخباروں میں درج ہوتی۔ اگرچہ آجکل کاغذ بہت گراں ہے اور مصارف پریس معرض گرانی میں ہیں۔ مگر آخر اخبار اسی لیئے تو ہیں جرمن کی فتوحات جب کبھی ہوتی نہیں تو اخباروں نے بھی سب لکھیں۔ اب عرصہ سے شکست ہی شکست ہے جسکا باعث یہی ہے کہ کارکنان قضاوقدر ہی اُسکے برخلاف ہورہے ہیں۔ لیکن ایک شبہ اور ہوتا ہے یعنی لارڈ کچنر بہادر کی موت قبل از وقت کیوں تقدیر نے روا رکھی۔ اور آپ کی حفاظت کیوں کام نہ دے سکی۔ شاید سفر آپ رخصت پر ہیں گے یا ممکن ہے تکان سے آنکھ لگ گئی ہو +

موکل (غصہ ہوکر) ہم کو بناتے ہو اور مذاق کرتے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تقدیر کے کارخانے کسی کی سمجھ میں نہیں آتے۔ اور نہ ہر شخص اُنکے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے انسان کا شک رفع کرنا تو آسان نہیں۔ ایک رفع کیا جائے گا۔ دوسرا پیدا ہوجائے گا۔ یاد رکھو۔ یہ سانحہ لارڈ موصوف کا بالکل قضا و قدر کے موافق منشار ہوا ہے۔ لارڈ کچنر بہادر کی سعی و کوشش سے جو کامیابیاں ظاہر ہوئیں اُنکو دیکھکر دنیا یک زبان پکار اُٹھی تھی کہ یہ سب لارڈ بہادر کی معاملہ فہمی اور تجربہ کاری کا نتیجہ ہے۔ اور جرمنی کی بدافعوں کامیابی اور پسپائیاں اُنہیں کے جوڑ توڑ سے ہو رہی ہیں۔ مگر تقدیر ہنس رہی تھی۔ اور دنیا کی عقل پر مسکرا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ نہیں نہیں۔ تمہاری سمجھ پر پردہ پڑگیا۔ ہر ایک سلطنت کا اقبال و ادبار ہمارے قبضہ و اختیار میں ہے۔ کسی انسان میں یہ صفت نہیں ہوسکتی کہ اُس کی تجربہ کاری اور معاملہ فہمی کسی کامیابی کا باعث ہوسکے بلکہ ہماری طرفداری کام کرتی ہے۔ لو ہم لارڈ کچنر کو بلوائے لیتے ہیں۔ پھر کیا خدانخواستہ برطانیہ کی کامیابی بند ہوجائے گی؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ یاد رکھو۔ جب ہم کسی کی کامیابی کے ذمہ دار ہوجائیں تو شخصیت درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ اب دیکھ لو کہ آیا لارڈ موصوف کامیابی کا باعث تھے یا کہ خود برطانیہ کا زبردست اقبال کامیاب ہے! جو کچھ ہے محتاج دلیل نہیں ہے۔

عامل۔ خوب خوب۔ آج ایک بڑا بھاری شبہ رفع ہوگیا۔ دل تو چاہتا ہے کچھ اور بھی دریافت کروں۔ مگر اصلی مدعا فوت ہوا جا رہا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر میرے افلاس کے قفل کو فتوح کی کلید سے کھول کر الگ کر دیجئے۔

موکل میرے خیال میں یک دست دولت حاصل کرنے کا خیال قطعی ترک کر دیجئے اور اس ہوس سے باز آئیے۔ بلکہ کوئی کام ایسا اختیار کیجئے جس سے دولت کی راہ کشادہ ہوجائے۔ سوا اسکے لئے کئی کام بلحاظ زمانہ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً طبابت

وکالت۔ وعظ گوئی۔ ایڈیٹری۔ پیری مریدی وغیرہ۔ ان میں سے جس فن کو پسند اور اختیار کروگے میں اُسمیں مدد دینے کو ہر طرح تیار رہونگا ۔

عامل یہ سب کام میری نظر میں ہیں۔ اور خوب غور کر چکا ہوں۔ بالکل وہی مثال تا تریاق از عراق آورده شود۔ مار گزیده مرده شود۔ ایک عرصہ چاہیئے کہ انسان ایسے کاموں میں کامیابی حاصل کرکے دولت جمع کرسکے۔ اور شاید دکان جمے یا نہ جمے ۔

موکل۔ واہ۔ چہ خوب۔ میاں ان سے بڑھ کر کامیابی کی تیز رفتاری کسی کام میں نہیں۔ دیکھو طبابت پیشہ لوگ جب اخباروں میں اپنے اشتہار شائع کرتے ہیں اور مقابل میں سندات کی فہرست دیتے ہیں تو ہزاروں عقل کے اندھے گانٹھ کے دہنی درخواستیں ارسال کرتے ہیں۔ دور دراز کی بات ہوتی ہے۔ اور پرچہ ترکیب استعمال کی شرائط سخت ہوتی ہیں۔ مریض سے اُن کی پابندی ہو نہیں سکتی۔ اسلیئے فائدہ اگر نہیں ہوتا تو مریض اپنا ہی قصور تصور کرتا ہے۔ اگر بفرض محال فائدہ ہوگیا تو اسکی دیکھا دیکھی۔ اور بیسیوں آدمی منگواتے ہیں۔ اسیطرح چند دنوں میں دکان کوٹھی بن جاتی ہے۔ اور سال کے خاتمہ پر جب نصف قیمت کا اشتہار نکالا جاتا ہے تو سارے شائقین کو رات اور دن ایک کرنا پڑتا ہے۔ اور گلی سڑی دوائیں سب چشم زدن میں وی پی بھیجکر مطلع صاف کردیا جاتا ہے اور سال بھر کی روٹیاں ایک مہینہ میں وصول ہوجاتی ہیں۔ اوّل اوّل صرف دو چار سرسری صدری دواؤں کا اشتہار شائع کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مقوی۔ سرمہ دافع میتک۔ طلائے ریگ ماہی وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ آجکل انکی بہت ضرورت ہے۔ بات کچھ بھی نہیں۔ نسخے سب کے سب قرابادینوں میں موجود ہیں۔ یہی دس پانچ روپے سے کام شروع ہوسکتا ہے۔ پھر انہیں کا جوتہ اور انہیں کا سر۔ بہت تھوڑے عرصہ میں اچھا خاصا انکم ٹکس دینے کا حق حاصل ہوجاتا ہے ۔

وکالت میں اگرچہ پاس کرنے کا جھگڑا ہے۔ کیونکہ شرائط تعلیم ذرا سخت ہوگئی ہیں مگر ہیں اس میں بھی مزے بہت۔ کامیابی ہوئی تو کیا ہی کہنا ہے۔ ورنہ آدھا محنتانہ تو تمہیں

گیا ہی نہیں نہ نمک لگانہ پھٹکری۔ کوئی مارد کوئی جیتو۔ یاروں کی جب گرم ان سب سے بڑھکر عمدہ اور آسان اور مزیدار کام پیری مریدی کا ہے۔ جس کے لیئے میں بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں اور پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں کامیابی کے لیئے سر توڑ کوشش کرونگا اگرچہ میں نے کئی ایک کام پیش کیئے ہیں۔ مگر ان سب کو الگ کرکے محض اس کام کی رائے دیتا ہوں اور اسکو سب پر ترجیح دیتا ہوں۔ کیونکہ دوسرے کاموں میں اگرچہ کامیابی کا ہونا یقینی ہے لیکن ان میں مشکلات اور محنت بھی کچھ کم نہیں ہے۔ مثلاً طبابت۔ اسکے لیئے کچھ نہ کچھ علم طب کی واقفیت یا کم سے کم اصطلاحوں کا جاننا ضرور ہے۔ اور وکالت کا تو مشکل ہونا ظاہر ہی ہے اسمیں یہ مشکل نہیں ہے کہ مقدمہ ہار جانے کی ندامت ہوتی ہے۔ یہ تو شروع میں پہلی دفعہ ذرا سی محسوس ہوتی ہوگی۔ پھر رفتہ رفتہ سے دل سخت ہوجاتا ہے ورنہ اگر ہر روز ندامت ہوتی تو وکیلوں اور پہلوانوں سے کنوئیں بھر گئے ہوتے۔ البتہ اسمیں مشکل بات قانون کا حفظ کرنا اور اسکو سمجھنا ہے۔

ایسا ہی وعظ گوئی بھی ذرا مشکل ہے اسکے لیئے بھی قوت حافظہ اور قوت بیانیہ اور طرز ادا کی سخت ضرورت ہے۔ قصے کہانیاں۔ لطیفے۔ مثالیں۔ پھڑکتی ہوئی نعتیں۔ دلگداز مناجاتیں ذو معنی اشعار مثنوی معنوی کے چیدہ چیدہ شعر اور حکایتیں۔ تحفہ فقیر کی غزلیں صحابہ کرام کی کارگزاریاں حضرت موسے اور فرعون کی لڑائی۔ حضرت ایوب کے صبر کی کیفیت۔ دوزخ اور جنت کی فرد موجودات وغیرہ وغیرہ کا ایک کافی پشتارہ ذہن میں ہونا چاہیئے۔ ذرا بشکل اور مشق کا محتاج ہے۔ اگرچہ وعظیں اور نذریں اور چندے بہت ملجاتے ہیں۔

رہی ایڈیٹری سو اگرچہ گزشتہ ایام میں نہایت آسان اور زرخیز کام تھا۔ مگر آج کل اسکی مشکلات سے زیادہ ہوگئی ہیں۔ جب سے ایڈیٹری میں پالیٹکس نے قدم مبارک رکھا ہے اسوقت سے یہ کام بہت کٹھن ہوگیا ہے۔ ایڈیٹر نہ گھر پر رہکے میں اعزت سے رہ سکتا ہے نہ سسرال میں آرام سے بسر کرسکتا ہے۔ حلیم طبیع اور سرد مزاج ہو تو بچا۔ بھائی بہتیرے بچھے

شوخ و گستاخ ہوکر دھمکیاں دیتے ہیں۔ اور بے ادبیاں کرتے ہیں۔ اور سالے سالیاں آکر دعوتوں۔ ضیافتوں سے ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ تند اور گرم مزاج ہو تو گھر کے لوگ خود پسند اور متکبر کہکر کوسنے لگتے ہیں۔ اور سسرال والے سالے سالیاں دق کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ کوئی ہولڈر چبا لیتا ہے۔ کوئی پتہر پھوڑ ڈالتا ہے۔ کوئی پریس کے پرزے بہا گتا ہے۔ کوئی دفتر میں آگ لگانے کی شرارت کرتا ہے۔ کوئی منہ چڑاتا ہے۔ کوئی آنکھیں دکھاتا ہے قانون کی ذمہ داریاں اور خریداروں کی نازبرداریاں اسکے سوا ہیں۔

ان سب کے مقابلہ میں پیری ہی ایک ایسا تر لقمہ ہے کہ جس میں ایک بھی مشکل پیش نہیں آتی۔ ہر وقت پانچوں گھی میں رہتی ہیں۔ اس کی ترکیبیں نہایت آسان ہیں۔ بس ذرا سفر میں رہنا ضرور پڑتا ہے۔ سو آجکل وسائل سفر بہت سہل ہو گئے ہیں۔ سردی کے موسم میں سفر کرو یا گرمی کے موسم میں۔ ہر ایک طرح کا سامان آسایش اس عادل اور رعیت پرور گورنمنٹ کی بدولت مہیا ہے۔ ایسا کرنا چاہیئے کہ سبز رنگ کا عمامہ سر پر باندھو۔ اور ٹخنوں تک کا لمبا یا چغہ زیب تن کرو۔ اور مختصر سا بیگ یا ٹرنک ساتھ لو۔ اور پان کی ڈبیہ چمالیہ کا پیک مدار صوفیانہ بٹوا۔ اور زرد کہربا کی تسبیح اور گول موٹھہ کا معمولی سادہ پہل دار عصا آئینہ سرسید انی کنگھا۔ یہ سامان بھی پاس رکھو۔ اور گیرے رنگ کی چادر کندھے پر ڈالے ہوئے بسم اللہ مجریہا و مرسہا پڑھکر سفر کو چلدو۔ ایک تعویذات کی کتاب اور ملفوظات چشت بھی خورد بین میں رکھ لو۔ اور یکہ میں تنہا سوار ہو کر ریل پر پہنچو۔ اور ریل کے مسافروں سے بھولی بھولی باتیں کرو۔ سر پہ یا تو لمبے بال ہوں جنپر چار گوشے کی کلاہ مکلف ہو۔ ورنہ بالکل صفاچٹ ہو جپر سبز عمامہ ہو۔ کسی شہر یا قصبے میں کوئی شناسائی ہو تو اسکے یہاں۔ ورنہ جامع مسجد میں ٹھیرو۔ لوگ زیارت کو آئیں گے۔ انکے ساتھ سوائے ذکر الٰہی یا کرامات اولیاء اور کوئی بات نہ کرو۔ پولیٹکل بات اگر کوئی ضمن میں آجائے تو فوراً ٹالدو۔ اگر کوئی آدمی نذر نیاز یا شیرینی وغیرہ لاوے تو باصرار کہہ لو نقدی ہو تو جیب میں داخل کرو۔ شیرینی یا خوردنی چیز ہو تو

فاتحہ کہکر حاضرین میں بطور تبرک تقسیم کردو۔ اگر کسی کے ساتھ خرد سال بچہ ہو تو اُس کو خوب پیار کرو۔ اور بار بار دعائیں دو۔ اور قیافہ دانی کی بھی ٹانگ اڑاؤ کہ نہایت ہونہار اور صاحب قسمت ہوگا۔ اور ایسا ہوگا اور ایسا ہوگا۔ اپنی صورت و ہیئت مستغرق اور متفکر بناتے رکھو۔ سکوت کے بعد جب کوئی بات چھڑے تو ایسے چونکو جیسے کوئی کچی نیند سے چونکتا ہے۔ لمبی لمبی سانس اور درد بھری آہیں کھینچنے اور فدا فدا سی بات پر سعاً رو دینے کی عادت کرو۔ دعوتوں اور ضیافتوں میں مرغوب کھانے کو بے رغبتی سے کھاؤ اور اچھی اچھی چیزیں اپنے آگے سے چن کر دوسرے ساتھ کے کھانے والوں کو دیتے جاؤ۔ اور خود بہت کم کھاؤ۔ مسجد میں نماز کے لیے زیادہ جانا پیروں کے حق میں سخت مضر ہے۔ اس کی خاص احتیاط رکھنا۔ خیر بحالت مسافری مسجد میں ٹھیرو تو مجبوری ہے پھر بھی جہاں تک ہو سکے بہت جلدی تعارف پیدا کرکے کسی کے مکان پر اُٹھ جانا اور پھر مسجد میں سوائے جمعہ کے قدم نہ رکھنا۔ ورنہ پیری کی بجائے مُلا مولوی بن جاؤ گے۔ اس لیے کوئی لاکھ اصرار کرے۔ امامت۔ جماعت۔ وعظ کا نام نہ لینا۔ اسکے اصرار کو خاکساری سے مسترد کر دینا۔

جملہ معتقدین زیارت کو یا ملاقات کو آئیں اُنکے ظاہری اعمال اور لباس پر ہرگز رد و قدح نہ کرنا۔ خصوصاً داڑھی اور پائجامہ پر تو بھولکر بھی ہاتھ نہ ڈالنا۔ عورتوں کی مریدی بھی جائز ہے۔ مگر اس میں رانڈوں کو زیادہ ترجیح ہے۔ اور بخلاف اسکے رنڈوے آدمی کو ہرگز مرید نہ کرنا۔ کیونکہ اسمیں دین و دنیا کا ایک بھی فائدہ نہیں ہے۔ یہ مختصر سا قانون پیری مریدی کا ہے۔ اسکو یاد رکھو۔ باقی اور ضروریات خود تجربہ سے تمکو معلوم ہو جائیگی۔

عامل کام تو آپنے ٹھیک بتایا۔ مگر اس قانون کی پابندی اور احتیاط کرنا اپنے آپ کو قید کرا دینا ہے۔ آپ اِن مشوروں سے معاف فرما دیجئے اور اللہ کے واسطے دست غیب جاری ہونے کا انتظام کر دیں۔ زیادہ نہیں تو دو روپیہ روزانہ ہی سہی۔

موکل۔ دست غیب تو ایک کوڑی کی بھی ممکن نہیں۔ میاں دست غیب کس کی پیر بن جاؤگے تو آنکھوں میں سرسوں پھول جائے گی۔ دست غیب اور خزانے سب بھول جاؤگے۔ جب مریدنیوں کا جھرمٹ پاؤں دبا دبا کر مرادیں طلب کریگا تو پیر صاحب سے آنکھ ملانا بھی کسر شان خیال کرینگے۔ اور جب اندر سے ورق کا لپٹا ہوا پان اور کیوڑے وگلاب کا معطر گلاس ماما لاکر دے گی تو آپ کو شراب طہور کے جام زہر ہو جائیں گے۔ پیری میں وہ عیش ہے جو بادشاہ کو بھی نصیب نہیں۔

عامل۔ اچھا میں آپ کی تعمیل حکم سے انکار نہیں کرتا۔ پیری مریدی شروع کردونگا اور مجھے اپنے پیر صاحب سے اجازت بھی ہے۔ لیکن یہ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ اسمیں کس طرح کی امداد کرینگے۔ اور میری کامیابیوں کی راہ کس طرح کشادہ کرینگے؟

موکل۔ اس میں آپ کچھ دخل نہ دو۔ میں جب وعدہ کرتا ہوں تو آپ کو اطمینان رکھنا چاہیئے۔ ہمکو ہزاروں طریقے معلوم ہیں۔ تسخیر قلوب ہماری ہی معرفت حاصل ہوتی ہے دنیا کی دنیا تمہاری طرف کھچی چلی آئے گی۔ اور جب پیری چمک جائے گی تو پھر دست غیب کی بھی امید دلاتا ہوں۔ لیکن جنگ کا خاتمہ ہونیکے بعد دیکھا جاوے گا۔ ابھی تو ہماری مدارات دن بدن بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں۔ خدا جانے کب اس اوور ٹائم سے رہائی ہوگی۔ اب وقت پورا ہوچکا۔ ہم جاتے ہیں۔ یہ کہکر موکل غائب ہوگیا۔ اور عامل ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہوگیا۔

محمد ظہور الدین مراقب از بریلی

شام زندگی

کی دھوم مچگئی۔ ہفتہ وار ومرزانہ اخبار ورسالے میں اسکا ذکر آرہا ہے۔ آپ منگا چکے تو خیر۔ ورنہ فوراً فرمائش کیجیے۔ یہ مولانا راشد الخیری جیسے یگانہ روزگار مصنف کی بہترین تصنیف ہے۔ دیر لگانے میں دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نورجہان کا مرثا

سیدی حضرت خواجہ حسن نظامی کے مضامین ظرافت کا ایک مجموعہ حال میں شائع ہوا تھا۔ جس کا نام **چٹکیاں اور گدگدیاں** ہے۔ اور جو آنہ آنے کو دفتر حلقۃ المشائخ دہلی میں فروخت کیا جاتا ہے۔ اب بقول حضرت خواجہ صاحب "کفاف ظرافت میں ایک نئی کتاب" کم ٹو موت۔ انہوں نے تحریر فرمائی ہے جس میں تمام مضامین موت کے متعلق ہیں۔ اور عجب دردناک تحریریں جمع ہوئی ہیں۔ گویا موت کو سامنے لاکر کھڑا کردیا ہے۔

کم ٹو موت میں زیادہ حصہ خواجہ صاحب کے مضامین کا ہے اور باقی میں جناب مولانا راشد الخیری۔ جناب مولانا عارف ہسوی حضرت اکبر الہ آبادی جناب سیماب اکبرآبادی وغیرہ نامور بزرگوں کے نظم و نثر مضامین ہیں۔

پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ کتاب کی قیمت ۶ رہوگی۔ مگر اب اسکی ضخامت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ شاید ایک روپیہ قیمت رکھی جائے گی۔ چھپ رہی ہے۔ اس کتاب کم ٹو موت میں ایک مضمون "نورجہاں کا مرثا" لٹریچر تاریخ اور متصوفانہ اعتبارات سے اس قابل نظر آیا کہ نظام المشائخ میں لیا جائے۔ گو مجموعہ کم ٹو موت" کا ہر مضمون عجیب و غریب ہے۔ اور اسکے پڑھنے سے دل میں توانائی آتی ہے۔ اور عقبیٰ کا خیال ذہن سے دور نہیں ہونے پاتا۔ اور یہی وہ چیز ہے جسکو درویشی کیا بلکہ تمام مذاہب کی بنیاد کہنا چاہیئے۔

یہ کتاب غالباً اس مضمون کی اشاعت کے وقت تک یعنی ۶۔ رجب تک شائع ہوجائیگی اور ایک روپیہ کے اندر قیمت ہوگی۔ کارکن حلقۃ المشائخ ڈاک خانہ عرب سرائے دہلی

شاہی محل میں دم توڑنے والی نورجہاں کو دیکھنا۔ یہ خلاکت زدہ ایرانی امیر کے گھر میں اُسوقت پیدا ہوئی۔ کہ وہ بیابان کا مسافر نان شبینہ سے محتاج مارا مارا ہندوستان آرہا تھا۔

ہوش سنبھالا تو شہزادہ جہانگیر ابن اکبر شاہ بادشاہ کی محبوب نظر ہوئی۔ اسی وجہ سے شیر افگن خاں گورنر بنگالہ سے بیاہ کرکے پایۂ تخت سے دور بھیجدی گئی۔

اکبر مرا۔ جہانگیر تخت نشین ہوا تو نورجہاں شہنشاہ بیگم بنی۔ ہند میں سونے چاندی کے سکے اسکے نام پر چھپے۔ اور شہنشاہ نے دو کباب اور ایک پیالہ شراب کے عوض سلطنت اسکے ہاتھ فروخت کردالی۔

یہ وہی نورجہاں ہے جو ایک چُپ چاپ کوہستان میں پیدا ہوئی تھی۔ اور باپ نے اسکو جنگل میں اکیلا ڈال کر آگے کو رستہ لیا تھا۔ یہ وہی نورجہاں ہے جو اکبر کے شاہی باغ میں کھڑی تھی۔ جہانگیر سے اسی کی نگاہ لڑی تھی۔ بھولپن سے اسی نے کبوتر ہاتھ سے اُڑا دیا تھا۔

یہی وہ عورت ہے جس کی خاطر شیر افگن خاں جہانگیر کے ہاتھوں مارا گیا۔ اسی دم توڑنے والی نے سلطنت ہند کے واعیہ داروں کے دم خم توڑ کے رکھدیئے تھے طوطی کی طرح چہکنے والی۔ بلبل کی مثل بولیاں بولنے والی۔ بزم شاہانہ کی شمع۔ رزم رستمانہ میں شیروں کی مانند آگے بڑھ کر گرجنے والی۔ اسی کی تدبیروں نے بڑے بڑے عالی دماغ حکمرانوں کے جوڑ توڑ کو نیچا دکھایا تھا۔ یہی دریا کے کنارے ایک عظیم الشان لشکر سے تیر کمان ہاتھ میں لیکر لڑی تھی۔ یہی ہے جسکے گلے میں سونے کا طوق اور ہاتھ پاؤں میں طلائی ہتکڑیاں تبریل ڈالی گئی تھیں پھر وہی یہ ہے جس نے تلوار کے منہ سے اپنی جان بچاکر حریفوں کو پاش پاش کرکے رکھدیا تھا۔

آج اسکی موت آئی ہے

آج اس نے سفر آخرت پر کمر باندھی ہے۔ اب کوئی تدبیر۔ کوئی لطیفہ۔ کوئی شعر۔ کوئی نگاہ ناز۔ کوئی سخن شیریں اس کی جان کو پنجۂ اجل سے بچا نہیں سکتا۔

دوشالہ اوڑھے لیٹی ہے۔ چھت پر نگاہیں ہیں۔ دلمیں آہیں ہیں۔ سرکا وارث نورالدین جہانگیر بادشاہ خاک میں جا سویا۔ شاہ جہاں جو ساری عمر نورجہاں کی آنکھ میں کھٹکا۔ سریر آرائے سلطنت ہے۔ مدتوں کے رنڈاپے کے بعد آج موت اس کی زندگی مانگنے آئی ہے۔

نورجہاں سوچتی ہے۔ میں کیسی بدنصیب تھی اُسوقت کہ مصیبت کے ایام میں پیدا ہوئی اور ماں باپ نے صحرا میں اکیلا ڈال دیا۔ اور کیسی خوش قسمت تھی اُسوقت کہ میری بدولت ماں کی نوکری ہوئی۔ پھر باپ کو امیری ملی۔ اور کیا زمانہ تھا وہ کہ مجھپر جوانی نے طلسم کا غازہ ملا تھا۔ دنیا کی ہر شے مست نظر آتی تھی۔ میں چلتی تھی تو پیروں تلے خلقت کے دل مسلے ہوئے۔ روندے ہوئے۔ کچلے ہوئے پاتی تھی۔ نرگس کو دیکھتی تو اُسکو شرما کر گردن جھکاتا ہوا خیال کرتی اور مجھکو گھمنڈ ہوتا کہ اس پھول سے میری چشم بیمار کی دید برداشت نہو سکی۔ گل لالہ پر نگاہ جاتی۔ اُسکے داغدار سینہ کو دیکھتی تو جی الٹرپن سے کہتا کہ شاید میری فرقت نے اسکا سینہ داغ دار بنایا ہے۔ یا میری طرح کسی اور حسین پر اسکا جی آیا ہے۔

چمن میں سرو و شمشاد کے سایہ تلے جاتی تو اپنے قد رعنا کی زیبائش پر آپ ہی آپ اتراتی۔ اور کہتی مجھسے زیادہ نہیں ہیں یا اونچے ہیں یا نیچے ہیں۔

ہوا چلتی۔ پھولوں کی ڈالیاں جھومتیں تو میں کہتی۔ انکو تو ہوا جھکاتی ہے۔ مجھپر کیا بلا آتی ہے کہ چلتے چلتے جھکی پڑتی ہوں۔ اندر کوئی چیز ہے۔ جس کے نشہ سے بے قابو ہوئی جاتی ہوں۔

میں ہی نورجہاں ہوں۔ ریشمی قبا کے دامن کھینچتی۔ تختۂ چمن پر ہری گھاس کو اپنی شوخ نہوکروں سے ٹھکراتی۔ سوتے فتنوں کو جگاتی۔ دبی قیامت کو اُٹھاتی جا رہی تھی۔

سامنے سے شہزادے ولیعہد کبوتر ہاتھ میں لیے تشریف لائے۔ آداب کو جھکی شرم نے ہی جھکایا۔ جوشِ شباب نے نظروں کو نگاہوں سے ملایا۔ وہ دم بخود ہو کر کھڑے ہو گئے میں بے اوسان ہو کر پیچھے ہٹی۔ نہ اُن کا قدم آگے بڑھا اور نہ میرا قدم پیچھے ہٹ سکا۔ آخر وہ بولے۔ اور کہا:-

لڑکی! میرے کبوتر لیلے۔ میں اتنے ذرا پھول توڑتا ہوں۔ میں نے "بسر و چشم" کہا۔ مگر کیونکر کہا۔ دل کا اُسوقت کیا عالم تھا۔ آج اُس کیفیت کو کیونکر تصور میں لاؤں۔ اب وہ وقت ہی نہیں رہا +

ایک کبوتر پھڑک کر اُڑ گیا۔ شہزادے واپس آئے۔ اور بولے۔ ہائیں میرا کبوتر کیا ہوا میں نے عرض کی۔ صاحب عالم اُڑ گیا۔ بولے۔ کیونکر۔ میں نے۔ ہاں شاید میں نے ہی بہت سادگی۔ بہت بھولپن سے دوسرے ہاتھ کا کبوتر اڑا کر کہا۔ جناب۔ اس طرح +

شہزادے پھر چپ ہو کر۔ اور کچھ دیکھ دیکھ کر۔ اور ایک ہلکا سا سانس لیکر جس سے میں نے گرمی محسوس کی۔ اور سب ہی کچھ محسوس کیا۔ اُلٹے پھرے۔ اور محل کی طرف بڑھے۔ میں کھڑی رہ گئی۔ میری برابر ہوا گلاب کی شاخ کا سر ہلاتی تھی۔ بیتاب پتیوں کو فرش خاک پر گراتی تھی۔ میں نے دل کی ایک نامعلوم حالت سے بے چین ہو کر برگ گل کو دیکھا۔ مگر شاید کچھ نہ دیکھا۔ میری آنکھوں پر ایک خمار نے پردہ تان دیا تھا۔ ابھی میں اپنے ہوش کی اس نیرنگی پر غور کرنے نہ پائی تھی۔ ابھی میرے دل نے اس ہوش ربا منظر کی لذت کو اپنے لب سے دور نہ کیا تھا کہ شہزادے پھر لوٹ کر آئے۔ اور فرمایا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے قبا کے دامن کو اسطرح مضبوط پکڑ کر کہا۔ گویا میں ایک بھاری چیز پر سہارا دیتی ہوں۔ میرا نام مہر النساء ہے۔ امیر غیاث کی بیٹی +

شہزادے نے پھر ایک مایوس مگر اُن کہنی نظر مجھ پر ڈالی۔ اور محل کیجانب چلے گئے +

(۲)

میں وہی مہرالنسا رہوں۔ بنگالہ کی ملکہ بنی بیٹھی تھی۔ شوہر بنگالے کا حاکم زرچہ دیکھکر بولا۔ بیگم! تاج تمہارے سر پر قربان ہوتا نظر آتا ہے۔ خاوند کا یہ کہنا تھا۔ باغ والی بات کانٹے کی طرح دلمیں کھٹکی۔ مگر زبان نے پردہ کیا۔ بولی۔ میرا تاج شاہی تمہاری ذات ہے۔ تم سلامت ہو تو ملکہ ہند ہوں۔

جہانگیری تیغ نے "شیر افگن خاں" شوہر کا کام تمام کیا۔ میں قیدی بنی۔ حرم شاہی میں آئی۔ شاہ نے پیام نکاح بھجوایا۔ میرے دل نے غم بھلایا۔ مگر زبان پر پھر یہی آیا کہ لونڈی نگین ہے۔ اس سے یہ چھیڑ خلاف آئین ہے۔

وقت بدلا۔ بستر شاہ تک پہنچی۔ محل کی ملکہ بنی۔ فرمانوں اور سکوں پر نورجہاں درج ہوا۔ تلواریں قدموں پر سر جھکانے لگیں۔ سرکش امراء گردنیں جھکا کر سلام کرنے لگے اور میرے سوا اتنے بڑے ہندوستان میں کوئی عزت والا۔ عیش و راحت والا۔ اقبال و قسمت والا نہ رہا۔

شوہر تاجدار۔ یا شوہر تاج دار کی حالت آخری دیکھی تو اپنی اولاد کی حکمرانی کا خیال سامنے بلایا۔ فکر و تدبیر کو آگے بڑھایا۔ کانٹے توڑے۔ ٹیلے اکھیڑے۔ میدان برابر کیے مگر قسمت میں یہ نہ تھا۔ شاہ جہاں بڑھ گیا۔ میرے منصوبے گر پڑے۔ بادشاہ کے مقابلے رانڈ قیدی بنی۔ گو لائق شاہجہاں نے ہر آسایش کا سامان مہیا کر دیا۔

(۳)

اب میں وہی نورجہاں زندگی موت کو دیتی ہوں۔ اپنی بھول بھلیاں کہانی دل سے کہتی ہوں اور مرتی ہوں۔

آہ۔ میری اجل آئی ہے۔ جسکا طفلی۔ جوانی۔ اور شہنشاہی کے ایام میں خیال بھی نہ آتا تھا۔

مرجاؤنگی۔ غریبوں اور محتاجوں کی طرح گور میں جاؤں گی۔ وہاں نہ کافور ہوگی نہ پھولوں کے انبار۔ نہ بلبل ہوگا نہ پروانہ ؎

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

یہ سوچتے سوچتے کروٹ لی۔ شال کو سمیٹا۔ چپ چاپ لونڈیوں کو دیکھا جو پلنگڑی کے آس پاس سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ اور بولی:۔

شہناز کچھ بول۔ نیک قدم زبان کھول۔ دردانہ تو بھی کچھ کہہ۔ اے میں مرتی ہوں۔ دیکھو میرا وقت آخر آپہنچا۔ کیا موت سب کو آیا کرتی ہے۔ کیا مزا ہر جاندار کو لازم ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ میں کیا میرا نفس بھی مرا تھا۔

مجھے اٹھاؤ۔ بکیہ سے لگاؤ۔ شربت لاؤ۔ دو گھونٹ دو۔ جان لبوں پر آئی ہے اس محل میں کیسی کیسی خوشیاں میں نے دیکھیں۔ یہ اجل ان سب کو ختم کرنے آئی ہے باہر جاؤ۔ کیا سب باغ اجڑ گئے؟ کیا سب نہریں سوکھ گئیں؟ کیا تمام بلبل خاموش ہوگئے؟ شمع کو دیکھو کیا وہ بھی پگھل چکی؟ پروانہ پر نظر اٹھاؤ اس میں کچھ دم ہے یا وہ بھی چل بسا؟

اف۔ اس زندگی کی داستان کیسی اد ہر میں رہ گئی۔ میں نے تو ابھی کچھ نہ سنا تھا۔ داستان گو کیوں خاموش ہوگیا۔

مجھے لٹاؤ۔ پنکھا جھلو۔ پسینہ پوچھو۔ ذرا سہارا دو۔ میں ایک بڑی منزل طے کرنے چلی ہوں۔ بتاؤ کون کون میرے ساتھ چلیگا۔ قبر کی تنہائی میں کون میرا جی بہلانے ہمراہ جائے گا۔ کوئی نہیں بولتا۔ کوئی نہیں کہتا۔ بی بی ہم چلیں گے۔ ملک عالم ہم حاضر ہیں۔ ارے کیا تم سب بیوفا ہوگئے؟ کیا تم نے انکار کیا؟ مجھکو اکیلا جانے دینے پر راضی ہوگئے لا الہ الا اللہ۔ الملک للہ۔ الحیات للہ۔ موت بہت جلدی آگئی۔ میں نے تو ابھی دنیا میں کچھ بھی نہ دیکھا۔ اسکا نقارہ ایسی جلدی بج گیا؟

کفن منگاؤ۔ میں اسکو دیکھوں۔ ایسا نہو بُرا کپڑا ہو۔ ایسا نہو۔ میرے بدن پر ٹھیک نہ آئے۔ کیا تم کافور میں اسکو بسا دگے؟ کیا مجکو معمولی تختے پر لٹاؤ گے اور کھینچ کھینچکر نہلاؤ گے اُف! میرا دم گھٹتا ہے۔ میرا سانس رُکتا ہے۔ کیا موت اسی کا نام ہے؟ مجھے چکر آتا ہے۔ میرا سر پھرا جاتا ہے۔ میرے دل پر کسی چیز سے چوٹ لگ رہی ہے۔ اور ان دھماکوں کی تاب نہیں لا سکتا۔ میرے ہاتھ پاؤں کی رگیں دماغ کی طرف سمٹ رہی ہیں۔ میرے سینہ سے کوئی چیز سانس کے ساتھ حلق میں آکر اٹکتی ہے۔ بدن میں سن سن کی آواز آتی ہے۔ مجھے جمائی لینے دو۔ مجھے انگڑائی آتی ہے۔ اس جمائی نے۔ اس انگڑائی نے میرا جسم سرد کر دیا۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ اور نیند کا سا غلبہ آنکھوں پر چھاتا چلا آتا ہے۔ ذرا لینا۔ ذرا لینا۔ میں چلی۔ میں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔

یہ کہتے کہتے ہندوستان کی یہ مشہور تاریخی کتاب۔ مشہور اشعار کی یہ مشہور فلسفۂ حیات کی کتاب۔ مشہور تمدن و معاشرت کی کتاب۔ اور حسن و عشق کی پتلی۔ مگر انکے جذبات کا بولتا ہوا نوشتہ۔ غم دہر۔ اور سُرور کائنات کی بے نظیر بہار دکھانے والی۔ ٹھنڈی۔ مرگئی۔ اور کہہ گئی کہ مزا سب کو ہے۔ اور مزا ہیچ وہ چیز ہے جس سے راحت ابد یا زحمت دوامی میسر آتی ہے۔

حسن نظامی

غدر دہلی کے افسانے (مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب)

یہ کتاب غم اور عبرت کی داستان ہے۔ دہلی کے غدر ۱۸۵۷ء میں بیگمات اور شاہی خاندان پر جو مصیبتیں گزریں ان کا سچا حال خود ان لوگوں کی زبانی سنکر حضرت خواجہ صاحب نے اپنی مشہور نثر میں لکھا ہے۔ قیمت ۔

منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کریں

اللہ اکبر

کہوں تم سے کہ کیا ہے نعرۂ اللہ اکبر ہے
ہوا ہوں تر زباں باسط کہ ذکرِ ربِ برتر ہے

ہمیں لازم ہی صبح و شام وِرد اس کا برابر ہو
سراسر پاک ہو جائے زباں گر اسکی خوگر ہو

صدا یہ وہ ہے جسپر اہلِ دل کو ناز ہوتا ہے
یہی وہ سوز ہے جسکا نتیجہ ساز ہوتا ہے

یہ وہ ہے نورِ ظلمت میں جسے مہرِ عرب لایا
یہ اسمِ پاک ہم تک سیدِ امّی لقب لایا

خدا جانے کہ کیا تھی بات اس اللہ اکبر میں
کہ جس نے نورِ حق پھیلا دیا دنیا کے ہر گھر میں

عرب سے چار دانگ عالم میں یہ تنویر پہنچی ہے
جبل میں کوہ میں صحرا میں یہ تکبیر پہنچی ہے

ہزاروں آج یورپ میں ہیں اسکے جاننے والے
کروڑوں اب ہیں افریقہ میں اسکے ماننے والے

ہیں مسلم چین و جاپان و روس میں بھی فخرِ عالم ہیں
خدا رکھے ہمیں تا حشر قائم ہند میں ہم ہیں

یہی تکبیر مسلم کے لیئے ہے جنگ کا ڈنکا
کہ کافر جسکو سن کر مرغِ بسمل کی طرح پھڑکا

قدم اکھڑے ہوئے جم جائیں بیشک وہ صدا ہے
نہ ہو کیوں اسمیں یہ طاقت کہ ناں اسمِ خدا یہ ہے

تعجب کیا ہی دشمن سن کے گر بیتاب ہوتا ہے
کہ شیر کا بھی دہرہ اس صدا سے آب ہوتا ہے

لرزتے گونجتے ہیں بحر و بر کہسار کیا کہنا
سنو اللہ اکبر کی فدا تکرار کیا کہنا

موذن نے وہ ذکرِ خیر سے اپنی زباں تر کی
صدا مسجد سے وہ آنے لگی اللہ اکبر کی

اسی کو سن کے لیلیٰ پردۂ محمل سے نکلیگی
مزا دیجائے گی جسوقت باسط دل سے نکلیگی

باسط بسوانی

۷۸۶

نعتیہ قصیدہ

اے کہ ترا شہود ہے وجہ نمود کائنات — اے کہ ترا فسانہ ہے زینت محفل حیات
اے کہ ہیں تیری ذات میں جمع کمالہ کے صفات — سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

بادۂ معرفت سے جب تو نے بھرا خم الست — بزم میں آ کے جھک پڑے سارے جہاں کے مے پرست
تہا یہ عجیب انتظام تہا یہ عجیب بندوبست — ہو گئے مست ہوشیار ہو گئے ہوشیار مست

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

تیرے غلام ہو گئے سارے جہاں کے شہریار — سنور کائنات تو اور وہ زمیں کے تاجدار
صبح ازل سے ڈھونڈتی تھی جسے چشم انتظار — تیرے قدم کے فیض سے باغ میں آئی وہ بہار

سلطنت اک جہان کی ہے تیری نگاہ التفات

شرق ہے تجھ سے مستفیض غرب ہے تجھ سے فیضیاب — دونوں جہاں کی رحمتیں ہو گئیں تیری ہمرکاب
جو ترے در کی خاک تھے ہو گئے آسماں جناب — لطف ترا ہے بیشمار فیض ترا ہے بیحساب

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

تیرے خیال میں نہاں مبدء بحر کا مآل — تیرے کمال سے عیاں شان خدا و ذوالجلال

قدرتی ہے بیمثال درس تراہی لازوال نورلک فوق کل نور تبلک لصوب المنال

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

خلق ہوئی تھی میمنت تیرے قدوم کے لیئے وضع ہوئی تھی معرفت تیرے علوم کے لیئے
فیض نہ تھا ترا فقط قوم ظلوم کے لیئے بلکہ ترا خصوص تھا وقف عموم کے لیئے

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

گردن خلق ایک ساتھ جھک گئی رب کے سامنے چون و چرا نہ چل سکا اصل سبب کے سامنے
گرد ہوئی ہے کیمیا خاک عرب کے سامنے تونے یہ گنج شایگاں رکھدیا سب کے سامنے

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

چین سے تا بہ اندلس بادہ فروش تو ہی تھا بادہ کشوں کے واسطے چشمۂ نوش تو ہی تھا
شاہد علم و فضل کا حلقہ گوش تو ہی تھا سارے جہان کے لیئے دیدۂ ہوش تو ہی تھا

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پر نثار سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پر نثار
ہم تیری ذات پر فدا ہم تیرے نام پر نثار تیری گلی میں ہوں مقیم تیرے مقام پر نثار

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

استدعا ظفر علی خان

۷۸۶

حقیقۃ الحقیقۃ

کرمی منشی چند سرور صاحب جانؔ کی ایک نظم "یار کے جلوے" نظام المشائخ کے کئی نمبروں میں چھپنے کے بعد پچھلے نمبر میں ختم ہوئی ہے۔ اسے ناظرین نے بہت پسند کیا اور لطف سے کر پڑھا۔ اب جناب موصوف نے یہ دوسرا سلسلہ شروع فرمایا ہے جسکا پہلا ٹکڑا درج ذیل کیا جاتا ہے۔ یقین ہے کہ اسکی دلچسپیاں بھی کچھ کم ثابت نہ ہوں گی۔

ایڈیٹر

تمہید بہ تحمید

تجھے زیبا ہے شان کبریائی ۔۔۔ ہی تو ہی بس سزاوار خدائی
تو وادی میں ہست راہستی نمودے ۔۔۔ عدم را مرحمت کردی وجودے
بشر میں ہے کہاں طاقت کہ بولے ۔۔۔ تری توصیف میں لب اپنے کھولے
کرا فہمے دیارائے کہ داند ۔۔۔ جز الآن کما کان بخواند
بیاں تیرا بری شرح و بیاں سے ۔۔۔ نشاں تیرا الگ نام و نشاں سے
ہر رنگے تو ئی ہر آنچہ ہستی ۔۔۔ مگر در چشم ظاہر بین نہانی
نہیں اس بارگہ میں فکر کو راہ ۔۔۔ نہیں دانش تری منزل سے آگاہ
بنا دانی خرد شد سخدرت خواہ ۔۔۔ برفعت ماند دست دہم کوتاہ
ہے کعبے میں ہی تو بتخانے میں تو ۔۔۔ ہیں سب تیرے مسلماں اور ہندو
میان بادہ و پیمانہ ہستی ۔۔۔ بجان شمع و پروانہ ہستی
کہیں عاقل کہیں دیوانہ ہے تو ۔۔۔ کہیں یار کہیں بیگانہ ہے تو

گہے در عاشقانِ خستہ جانی — گہے در دلبراں با ناز و آنی
کہیں تیرے گلے میں ہار زنار — کہیں صورت میں من کی ہے دیندار
گہے در دیر صنمے بے نقابی — گہے اندر حرم در وقف حجابی
ہے بتخانے میں ہندو تیرا جویاں — ہے کعبے میں مسلماں تیرا خواہاں
نہ میں رہ عجز تو وادی پستی — فلک را سر فرازی از بلندی
تری بخشش ہے پانی میں روانی — عطا کی آگ کو شعلہ زبانی
بلطف باد را کردی تو آزاد — برحمت خاک را دادی تو اقتاد
کرم سے تو نے بخشا آنکھ کو نور — حضوری سے کیا ہے دل کو معمور
عطا کردی بشر را فہم و ادراک — کہ جوید رمز سر ما عرفناک
کدورت سے ہوئی یہ خاک جب پاک — تو بخشی اسکو رفعت تا بہ افلاک
بہ ظلمت آب حیواں آفریدی — بہ دلہا گنج عرفاں آفریدی
ہے کوئی مست تیرا کوئی مخمور — کوئی نزدیک تجھ سے اور کوئی دور
یکے را در حضور خود بخواندی — یکے را از جناب خود براندی
دیا گر طور پر موسےٰ کو دیدار — کبھی منصور کو کھینچا سر دار
ز کرمت ہست در ہر ذرے ظہورے — بہ ظلمت ہست در ظلمات نورے
وہ سر دے جس میں ہو تیرا ہی سودا — زباں وہ دے کہ ہو تیری ہی گویا
بدہ چشمے کہ بیناے تو باشد — عطا کن دل کہ دانائے تو باشد

چاند لاہوری

۲۱ خود نظام المشائخ کا رجسٹر نمبر ہے جو ڈاک خانہ کیطرف سے مقرر کیا گیا ہے آپکو اس سے کچھ مطلب نہیں۔ آپ تو خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھدیجئے جسے آپکے پتہ کی چٹ پر آپکے نام کے بالکل شروع میں ہمیشہ چاپا جاتا ہے۔ (منیجر)

یارانِ نظام المشائخ

ہندوستان ہی کا نہیں

انگلستان کا پریس بھی چیخ اٹھا ہے

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پرّاں کر دیئے ہیں!
آپ جس پرچے کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ سب کے چہرے زرد ملیں گے۔ اب خطیب اور نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ ہی کوئی سرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو۔ لیکن

کب تلک یارب چھپائیں درد دل

خطیب و نظام المشائخ کے پاس قیصر ولیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اٹھاتے چلا جائے ناظرین اگر خطیب و نظام المشائخ کو ان کی شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اٹھائیں۔

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک مدِ امداد پیش کرتا ہوں۔ ہمیں جبتک جنگ ہے ۸ رسالانہ سب کو دینا پڑے گا اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو۔

خاکسار واحدی

شکریہ

اُن حضرات کا جنہوں نے اس مہینے نظام المشائخ کی دوسرے خریدار پیدا کرکے یا خود خریدار بنکر مدد فرمائی ہے

جناب منشی حسام الدین صاحب گیلانی مظفر آباد نے حسب ذیل خریدار دیئے۔

جناب سید محمد یعقوب صاحب گیلانی گنٹھی جناب بابو الہ بخش صاحب مظفر آباد۔ جناب بابو نواب الدین صاحب

جناب خواجہ عبد اللہ جوصاحب مظفر آباد۔ جناب قاضی عبد الحمید صاحب ناظر عدالت مظفر آباد۔ جناب بابو محمد صدیق صاحب منیجر سنگر کمپنی مظفر آباد۔ جناب ستری نظام الدین صاحب مظفر آباد کو خریدار بنایا اور جناب منشی محمد صاحب بمبئی نے جناب ہیڈ ماسٹر محمد عبد العزیز صاحب خطیب مدنپلہ۔ اور جناب سید ماسٹر شیخ احمد صاحب بمبئی کو خریدار بنایا۔

جناب محمد ابراہیم صاحب سکندر آباد نے جناب محمد عبد الجلیل صاحب حیدر آباد کو۔ جناب عبد الرحیم صاحب ہیڈ ڈرائیور الہ آباد نے جناب مرزا احمد بیگ صاحب ہیڈ ڈرائیور الہ آباد کو۔ جناب شیخ ہارون صاحب کلرک سنگرسی نے جناب محمد مولانا صاحب دکاندار بنواسی کو۔ جناب سید عطاء اللہ صاحب نے جناب سید مبارک علی صاحب و جناب سی۔ ایم بڑے میاں صاحب چن پٹن کو۔ جناب مولوی ارشاد احمد خاں صاحب ارشاد نظامی آگرہ نے جناب ظفر حسین صاحب آگرہ کو۔ جناب ایس حکیم الدین صاحب آتش نے جناب سٹرندیہ محمد خاں صاحب کو۔ جناب ماسٹر محمد حمزہ خاں صاحب ناندوہ نے جناب حسام الدین صاحب پانڈے مقام اگر کو۔ جناب محمد اکرام حسین صاحب صدیقی الہ کا اصطبل سنگارپٹی نے جناب محمد نظام بستگیر صاحب سنگارپٹی کو جناب فدا حسین صاحب حیدر آبادی نے جناب محمد غوث صاحب مدراس کو۔ جناب محمد شریف ملک چشتی نے جناب مولوی نصیر الدین صاحب اسسٹنٹ سنگیا کو۔ جناب مولوی محمد حنیف صاحب زمیندار کو۔ اور جناب حافظ عبد الحمید صاحب چنہ فروش کو۔ جناب حسام الدین صاحب گیلانی مظفر آباد نے۔ جناب قاضی محمد اکبر صاحب پٹواری مظفر آباد کو اور جناب محمد شریف خاں صاحب مظفر آباد کو خریدار بنایا۔ جو خود خریدار ہوئے کی نام یہ ہیں۔ جناب ڈاکٹر عنایت مسیح صاحب بیاس۔ جناب محمد الدین صاحب نائب تحصیلدار ماسٹر تنوری۔ جناب سراج الدین صاحب طالب علم کالج لاہور کی جناب بدیا بھائی صاحب چشتی لائبریری گدگ۔ جناب چوہدری فضل کریم صاحب نمبردار سیر پور نمبر ۸۔ جناب شیخ ہیبت اللہ صاحب بھائی و شیخ شمس الدین عامل صاحب رنگون۔ جناب قاضی نور محمد صاحب گنتور۔ تعریف عامہ لاہور رام مکمل دی سید احمد صاحب کولار کو رمنڈل گولڈ فیلڈ۔

(باقی آئندہ)

چرا کردم انشا چنین دفتری

تعلیم نسواں کا مسئلہ فی الحال اسلئے کسی قدر بحث طلب ہو رہا ہے، کہ عام رائے کے موافق نصاب اردو میں حاضر نہیں ہے۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات لڑکیوں کو بھی اسی معیار پر تعلیم دلانا مفید سمجھتے ہیں، کہ جس معیار پر خود انہوں نے تعلیم پائی ہے مگر عام رائے اسکے خلاف ہے۔

اگر کوئی غلطی سے یہ سمجھے کہ مسلمان تعلیم نسواں کو عمومیت کے ساتھ پسند نہیں کرتے، یا جدید چیز سمجھتے ہیں تو یہ انکی غلطی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جو طریق تعلیم اور نصاب کے مخالف ہیں اور شاید یہ اختلاف کبھی دور نہ ہو +

بہت زیادہ مسلمانوں کی تعداد ایسی ہے جو لڑکیوں کو رابعہ اور فاطمہ بنانا چاہتے ہیں، وہ انگریزی طرز تعلیم اور مذاق کو قطعی اپنی لڑکیوں کے لیے ناروا خیال کرتے ہیں، نہ وہ اس کی خواہش خیال کرتے ہیں کہ ان کو ڈگریاں حاصل کرنے کی ضرورت ہے +

لیکن خود بھی انہیں میں سے ہوں جو ہر لڑکی کو صرف رابعہ اور زاہدہ دیکھنا چاہتے ہیں، اور انہیں سے نہیں ہوں جو ہر لڑکی کو مس صوفیہ اور مس رسل دیکھنا چاہتے ہیں کہ ایسی خواہش خودکشی کے برابر ہے +

نصاب نسواں کے لیے میں خود بھی عرصہ سے مضطر ہوں لیکن زمانہ نے مجھکو اس قدر فرصت نہیں دی کہ ابتدائی جماعتوں کے لیے، اسلامی تعلیمات و جذبات پر مرتب کر کے پیش کرتا یہ کام فرصت اور صرف چاہتا ہے، جسکو معاش کی الجھنوں نے میرے لیے عنقا کر رکھا ہے، مگر اکثر احباب نے ادھر رجوع کیا ہے اور دو ایک کتابیں عورتوں کے لیے بہت مفید لکھی گئی ہیں۔ گو مکمل نصاب ابتدائی اور متوسط اور اعلیٰ جماعتوں کا اب تک مرتب نہ ہو سکا۔ تاہم ابتدائی جماعتوں کے لیے کچھ مواد ضرور پیدا ہو گیا ہے۔ میرے خیالات تو خدا جانے کیا کیا ہیں (شاید ہی پورے ہوں)

ایک روز خیال پیدا ہوا کہ اب تک کوئی ابتدائی کتاب لڑکیوں کے لیئے نہیں ہے۔ ایسے دقیق فن کا حصول موجودہ کتابوں کو اور استعداد حاضرہ کو دیکھتے ہوئے مشکل کیا بلکہ لڑکیوں کے لیئے ناممکن ہے اس صنف پر اب تک کچھ بھی مواد نہیں، لہٰذا مبادیات سے آشنا بنانے کے لیے یہ مختصر کتاب مرتب کرنے کی خدا نے مجکو توفیق دی، (الحمد للہ علی احسانہ) +

کیں کیا ہے؟ زبان نہایت سلیس الفاظ وہی جو روزمرہ بولے جاتے ہیں، عبارت نہایت سہل عام فہم الفاظ کیا قسم ان خیالات کو جو حکما و علمائے معتقدمین کی نہایت مشکل اور ادق کتابوں میں تفصیلات کے ساتھ درج تھی، یہاں اختصار کے ساتھ دہرادیا گیا ہے، اور کچھ نہیں +

کیں ان باتوں کو نہایت اختصار اور عام فہم طرز بیان میں ادا کیا اور لکھا گیا ہے، جو انسان کو رذایل سے پاک اور فضایل سے آراستہ کرتی ہیں۔ علم الاخلاق کے اونچے درجوں کی کتابوں کا خلاصہ کیں بھر دیا گیا ہے تاکہ ملک کی معزز بہنیں اسکی روشنی سے نفوس کی پاکی اور گھر داری درستی کر سکیں۔ عورتوں کو زیادہ تر نفوس کی پاکی اور تدبیر منزلی اور سیاست خانگی سے کام پڑتا ہے،

ہر گھر **قلعہ** ہے، اور اسکے انتظامات **سلطنت** ہے جسکا بادشاہ **شوہر** ہوتا ہے اور وزیر **بیوی** ہوتی ہے ارکان دولت **اولاد** ہوتی ہے رشتہ دار اور خدام رعایا ہوتے ہیں،

پس اخلاقی تعلیم، تدبیر منزلی اور سیاست کی ہر عورت و مرد کو اپنے گھر میں ضرورت ہوتی ہے،

پس ایسی لڑکیوں کے لیئے جو ابتدائی تعلیم سے فراغت کر چکی ہیں اور کسی سلطنت کی مدار المہامی یا وزارت پر جانے والی ہیں یا فایز ہو چکی ہیں۔ اُن کے لیئے اسکا مطالعہ خواہ از خود ہو یا مشورہ کسی استاد کے طور پر بیحد مفید اور کارآمد ہوگا اگر ایسا ہی ہو جیسا کہ میں نے سوچا اور جانا ہے) تو میری انتہائی خوش قسمتی اور سعادت ہے۔ اور میں اپنے مقصد کو پہونچ جاؤں گا +

"دریا بکوزہ کردن" کی داد یہی ہے کہ قبول علم اسکو حاصل ہو، موجودہ زمانہ کی سب سے زیادہ روشن خیال مستورات علیا حضرت فرمانروائے بھوپال کے معزز نام سے اسکا نام **اخلاق سلطانی** رکھتا ہوں کہ اس بزرگ نسبت سے اس کتاب کو عزت دوام حاصل ہو۔ آمین! +

سید ظفر احسن علوی

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

جسکو حکمت دیگئی بلاشک اسکو بڑی نعمت ملی

بسم اللہ الرحمن الرحیم و نصلی علی رسولہ الکریم

اے عزیز بہن! آدمی کے حالات کی بھلائی کے لیئے (اسکے) اختیاری کاموں، حرکتوں، ارادوں، کو جاننا حکمت عملی کہلاتا ہے جس کا جاننا ہر ہمن پر فرض کے برابر ہے

سنو

اسکی تین قسمیں ہیں

الف۔ ایک وہ کہ ہر آدمی پر لازم ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسکا نام تہذیب اخلاق ہے

ب۔ ایک وہ کہ ہر گھر کے رہنے والوں سے علاقہ رکھتی ہے ۔ ۔ ۔ اسکا نام تدبیر منزل ہے

ج۔ ایک وہ کہ تمام افراد پر یکساں عاید ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسکا نام سیاست ہے

ان پر عمل کرنے کے لیئے تین طریقوں پر قاعدے بنائے گئے ہیں:-

پہلا طریقہ، وہ قواعد ہیں جنکو خدا نے مقرر کیا اور اسکے رسول نے ہم تم کو بتلائے ۔ ۔ ۔ اسکو شریعت کہتے ہیں یعنی مذہب +

دوسرا طریقہ، وہ قواعد ہیں جنکو عقل مندوں حکیموں نے مقرر کئے ۔ ۔ ۔ اسکو قانون عقلی یا صرف قانون کہتے ہیں +

تیسرا طریقہ، وہ قواعد ہیں جنکو باہمی رواج و چال چلن کے ماتحت کثرت عمل نے مقرر کردیا ۔ ۔ ۔ اسکو ۔ ۔ ۔ رسومات کہتے ہیں +

اب اس لیئے کہ تم آسانی سے ان باتوں کو سمجھ سکو ہم سب کو جدا جدا بیان کرتے ہیں +

(الف)

تہذیب اخلاق

(حسن معاشرت)

تکمیل نطق وہ تمام چیزیں جو ہاتھ سے چھوئی جا سکتی ہیں (محسوسات) جسم کے لحاظ سے سب برابر ہیں کسی کو کسی پر بڑائی (فضیلت) نہیں، کیونکہ جسم کی پہچان سب پر یکساں پوری ہو جاتی ہے اور جسم کی جنسی شکل تمام پر ایک ہی طرح وارد ہے، مگر ان میں بڑائی (شرف و فضیلت) نوعی قوتوں کا پورا ہونا یا بلند ہونا پیدا کرتا ہے۔ دیکھو

"پیتل" اور "سونا" زمین میں رہنے والی چیزوں میں، (جمادات)
"خربوزہ" اور "کدو" زمین سے اُگنے والی چیزوں میں (نباتات)
"کوا" اور "باز" پرند اور حیوان مطلق میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
"بے وقوف اور عقل مند" انسان حیوان ناطق میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

} مستند الیہ ہیں

مگر انسان قوت نطق میں مخصوص ہے اگرچہ قوت غضب و شہوت میں حیوان مطلق میں شریک ہے پس انسان کا کمال قوت ناطقہ کا پورا ہونا یا بہتر و بلند ہونا ہے۔ یہاں تک کہ قوائے مشترکہ ہمیشہ ماتحت یا قابو میں رہیں اور ان میں سرکشی کا احتمال باقی نہ رہے ✦

تکمیل نطق کی غرض اے عزیز بہن تم کو معلوم ہی ہوگا کہ:۔
ہر کام کی ایک نہ ایک غرض ضرور ہونی چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ کام جو کسی غرض سے خالی ہو گا بے کار۔ (عبث) کہلائے گا۔ اسی طرح تکمیل نطق کی بھی کوئی غرض ہونی چاہیئے ✦

اسکی غرض یہ ہے کہ نفسانی قوتوں میں اعتدال قایم رہے۔
اعتدال یعنی برابری (مساوات) کا جاننا بدوں وحدت کی نسبت جاننے مشکل ہے

وحدت بڑائی (شرف) ہی نہیں بلکہ کل موجودات کے قائم رہنے کا سبب ہے۔
کثرت (زیادتی) مساوات کا سبب ہے +
جیسا کہ وحدت بزرگی و بہتری (شرف و کمال) کی اعلیٰ منزل ہے ویسا ہی شخص ہی سمجھو وحدت سے نزدیک تر ہے۔ اچھا اور بہتر ہے +
انسان کے لیئے کوئی نسبت عدالت سے بہتر نہیں کیونکہ حقیقی اعتدال عدالت ہے۔ نتیجہ اعتدال "وحدت کا ثمر ہے۔ جو کمی اور زیادہ اور کثرت کے فسادات و بلاؤں سے انسانی قوتوں کو پاک کرکے، کمال انسانی اور علم عرفان تک پہونچا دیتا ہے اور اس نعمت سے حصہ پانا۔ انسان کی سب سے بڑی سعادت ہے اور فضایل چہارگانہ بھی اسی سے پیدا ہوتے ہیں +

اخلاق فطری و اخلاق اکتسابی

اے عزیز بہن، تہذیب درست کرنیکو سنوارنے کو بنانے کو کہتے ہیں اور خُلق، ملکہ کو کہتے ہیں، اور ملکہ نفسانی کیفیت کا نام ہے یعنی وہ اعمال جو سہولت کے ساتھ بلا تامل نفس سے صادر پاتے رہیں اور یہ کیفیت جلد جانے والی نہ ہو۔ اگر جلد زایل ہو جائے گی تو حال کہلائے گی۔ اگر جلد جانے والی نہ ہوگی تو وہ ملکہ کہلائے گی +

ملکہ دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے، ایک طبیعت، دوسری عادت۔ طبیعت نام ہے فطری کیفیت کا اور عادت نام ہے۔ اکتسابی کیفیت کا۔

عزیز بہن خوب یاد رکھو۔ مزاجی کیفیت یعنی اخلاق فطری کا دُور ہونا اگرچہ ناممکن ہے۔ لیکن عادت کی کثرت سے بیشتر معدوم ہو جاتا ہے۔ اور عادتی کیفیت کا عادت کی تکمیل سے فطری کیفیت کے مثل ہو جانا ممکن ہے۔ پس اسی اصول کی بنا پر فطری کیفیات کی اصلاح کی جاتی ہے۔ اور خصائص فطرت کی یہی اصلاحات ہیں جو تزکیہ روح تک منجر ہوتی ہیں اور کیفیات نفسانی کی یہی وہ اصلاح ہے جس کا دوسرا نام تہذیب نفس ہے!

بہن یہ بھی یاد رکھو کہ نفس واقعی طور پر جملہ ملکات سے خالی ہے جس قسم کے وسایل و اسباب پیش آتے ہیں اسی قبیل کے ملکات نفس میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ پھر جس قسم کے ملکات نفس سے پیدا ہوں گے، اسی قسم کے اعمال کا سرزد ہونا یقینی ہے!

جس قدر اخلاق داخلی و اسباب و وسایل سے نمو پاتے ہیں انکو اخلاق مزاجی کہا جاتا ہے" جو خارجی اسباب وسایل سے پیدا ہوتے ہیں، انکو اخلاق کسبی کہتے ہیں" "قوتِ" خارجی اسباب سے مراد یہاں ارادہ اور واقعات پیش آمدہ ہیں +

فضایل چہارگانہ

اے عزیز بہن تمہیں یاد ہوگا تکمیل نطق کی بحث میں میں نے کہا تھا کہ اسی سے فضایل چہارگانہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہ فضایل چہارگانہ یہ ہیں:-

(۱) حکمت - (عقل مندی)

(۲) عدالت - (برابری)

(۳) شجاعت - (بہادری)

(۴) عفت - (پاکی)

اب ذرا اس بحث کو یہیں ملتوی کرکے یہ بات بھی سمجھ لو۔

کہ ہر آدمی میں تین (قوتیں) جدا جدا دیکھی جاتی ہیں، اور انہیں قوتوں کے لحاظ سے ہر کام اور اثر یعنی نشان (آثار) مختلف ارادوں کی شرکت و مدد سے پیدا ہوتا ہے۔

(۱) - نطق - یعنی بات کرنے کی قوت (قوت ناطقہ) اسیکو انسانی نفس کہتے ہیں۔ اور یہ ہی وہ چیز ہے جس سے فکر و تمیز پیدا ہوتی ہے اور تمام موجودات کی حقیقتوں کے دریافت کرنے کا ذریعہ ہے +

(۲) - دفع - یعنی غصہ اور دلیری کی قوت (نفس سبعی بھی اسکو کہتے ہیں) - بڑائی اور افتخار کی خواہش یہیں سے نمو پاتی ہے +

(۳)۔ جاذب۔ یعنی لذتوں کے چاہنے کی قوت (نفس بہیمی بھی اسیکو کہتے ہیں) شہوت اور مزے دار خواہشات یہیں سے نمو پاتی ہے۔

پس جب یہ تینوں قوتیں باہم برابر ہوتی ہیں تو فضایل چہارگانہ یعنی انسان میں چار سب سے بڑی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں +

(قوت ناطقہ) کی برابری (اعتدال) سے "عقل و حکمت" حاصل ہوتی ہے +

(قوت دفع میں برابری رکھنے سے شجاعت (بہادری) حاصل ہوتی ہے +

(قوت جذب) کے برابر رکھنے سے پاکی (عفت) حاصل ہوتی ہے +

جب یہ تینوں قوتیں برابر کا ملاپ (اشتراک اعتدالی) پاتی ہیں تو عدالت کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ برابر کے ملاپ کے معنی یہ سمجھو کہ ہر قوت اپنے اپنے اندازے اور حد کے ساتھ اپنی جگہ میں رکھی جائے۔ اسی کا نام اعتدال ہے۔ یوں سمجھو، غصہ اور شہوت یعنی قوت دفع و جذب قوت ناطقہ کی خادم یا لونڈی ہیں ان کو باندیوں کے طرح اس طرح پر دبا کر رکھا جائے۔ کہ سر نہ چڑھ سکیں۔ اور پوری فرمانبرداری سے اپنی اپنی خدمت ادا کرتی رہیں یعنی نفس ناطقہ کو حقایق اشیاء کے ادراک میں مدد دیتی رہیں۔ نافرمان، خودرائے نہ ہو جائیں اس مطلب کو قریب کی مثال میں یوں سمجھو:۔

کہ کل تمہارے بڑے بھائی، گھوڑے پر سوار ہو کر، اور شکاری کتے یا چیتے کو ساتھ لیکر ہرن یا بھیڑیئے کے شکار کو جنگل میں گئے۔ اب اگر شکاری کتے، اور چیتے، تمہارے بھائی جان کے حکم میں رہیں گے اور فرمانبرداری کرینگے۔ تب تو اُن کی امداد سے ہرن یا بھیڑیئے کا شکار وہ کر سکیں گے +

اگر کہیں خدانخواستہ جنگل کی ہوا کھاتے ہی چیتا سرکش ہو گیا اور تہذیب اخلاق کسی باقی نہ رہے، اور کتے بھی ایسے ہی سرکش ہو گئے، تو شکار ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ ایسی حالت میں تو ان کو اپنی سلامتی خطرہ میں نظر آئے گی +

قوت دفع اور جذب جب تک قوت ناطقہ کے ماتحت رہیں گے۔ جب تک خیریت ہے ورنہ شرافت انسانی کی موت واقعہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ ہی اس دنیا میں سب سے بڑی بدبختی ہے +

دوسری بات اسی سلسلہ میں یہ بھی، بہن یاد رکھو، کہ ہر انسان کے نفس میں دو قوتیں دریافت ہوتی ہیں، ایک اپنی ذات سے کسی حقیقت کا دریافت و معلوم کرنا (ادراک بالذات) دوسری کسی ذریعہ سے کوئی حرکت پانا (تحریک بالآلات) +

اب ان دونوں قوتوں کی آگے دو دو شاخیں ہو گئی ہیں، قوت ادراک کی ایک شاخ نظری (قیاسی بروئے تجربہ) دوسری عملی اور تحریک بالآلات کی ایک شاخ قوت دفعہ ایک شاخ قوت جذب +

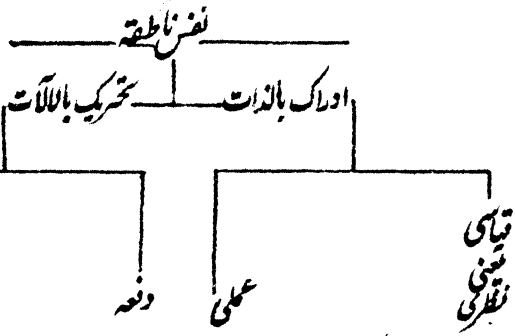

اب سمجھو بہن، کہ یہ چار قوتیں ہیں۔ جب یہ چاروں اپنے اپنے مقام پر بلا کمی یا زیادتی بقدر ضرورت اعتدال کے ساتھ کام کرتی رہیں گی، تب کہیں جا کر ایک ایک بھلائی پیدا ہو گی، چونکہ یہ قوتیں چار ہیں اسی لئے بھلائیاں (فضایل چہارگانہ) بھی چار ہی ہوئے۔

قوت نظری (قیاسی) کے سنوارنے سے عقل و حکمت پیش بینی پیدا ہوتی ہے +

قوت عملی کے سنوارنے سے عدالت پیدا ہوتی ہے +

قوت دفعہ کے سنوارنے سے شجاعت پیدا ہوتی ہے +

قوت جذب کے سنوارنے سے عفت (پاکی) پیدا ہوتی ہے +

انہیں سے نفس کی تکمیل ہوتی ہے، علم الاخلاق میں انہیں باتوں کو فضائل اربعہ یا فضائل چہارگانہ کہا گیا ہے +

ہاں یہ نکتہ بھی بہن یاد رکھو :-

کہ اللہ میاں، یا خالق عوالم نے آدمی کو عقل و انصاف کی غرض سے نفس ناطقہ اور نفس بہیمی کی روک تھام کی غرض سے نفس سبعی اور بقائے انسانی کے لیئے نیز حفاظت جسم کے لیئے نفس بہیمی دیئے ہیں +

نفس ناطقہ، نفس بہیمی، نفس سبعی اور جسم کی تعریفیں تم اوپر پڑھ چکی ہو +

فضائل چہارگانہ کی ماتحت شاخیں

میری عزیز بہن یہاں تک تمہیں فضائل چہارگانہ کا خلاصہ معلوم ہوا۔ اب اس کی ضروری تفصیل بھی معلوم کر لو سنو۔ فضائل چہارگانہ کی ہر شق کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اگر سب کو تفصیل وار بیان کیا جائے تو فی الحال سمجھنے میں مشکلات پیدا ہونگی۔ اسلیئے اس مقام پر صرف اُن شاخوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو زیادہ قریب اور مشہور ہیں، ذرا غور سے سمجھو

(الف) **حکمت** یعنی عقل مندی اسکی پانچ شاخیں بہت مشہور ہیں :-

(۱) پہلی (صفائی ذہن) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بلا تکلف و فکر کے لازمہ سے ملزوم کی جانب جا پہونچتا ہے +

(۲) دوسری (ذکاوت) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس نہایت جلد و سہولت کیساتھ نتائج معلوم کر لیتا ہے +

(۳) تیسری (سہولت تعلّم) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس باطل اندیشوں سے بچا ہوا ہو کر مطلوب کی جانب پوری توجہ کر سکتا ہے +

(۴) چوتھی (حسن فہم) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بحث و کلام میں برابر کے حدود و اندازہ کو نگاہ میں رکھتا ہے +

(۵) پانچویں (حفاظت) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس ان صورتوں کو اُن مثالات کو محفوظ رکھتا ہے۔ جو بروئے قیاس و ادراک پیدا ہوتی ہیں +

(ب) عدالت۔ اسکی سات شاخیں بہت مشہور ہیں :-

(۱) صداقت (سچائی) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس دوستوں کو آرام و مسرت پہونچاتا ہے

(۲) وفا۔ یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بدوں انکار و حیلہ جوئی مستحق کے ساتھ مال سے۔ جان سے مدد کرتا ہے +

(۳) مکافات (بدلا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس انصاف کے ساتھ عوض تجویز کرتا ہے

(۴) حسن قضا (تقسیم بموجب حصہ) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس انسان دوستمندگی کے بدوں حقوق ادا کرتا ہے +

(۵) تسلیم (راضی رہنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس ناگوار و ناعلاج امورات پر بلا اظہار ناراضی راضی رہتا ہے +

(۶) توکل (خدا پر بھروسہ کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس غیر اختیاری کاموں میں خدا پر بھروسہ کرتا ہے +

(۷) عبادت (درماندگی و عاجزی ظاہر کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس خدا اور مقبولان خدا کی عزت کرتا ہے +

(ج) شجاعت۔ اسکی مشہور شاخیں آٹھ ہیں :-

(۱) حلم (برداشت و قبول کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس اپنی خواہش کے خلاف بموقع برہم نہیں ہوتا +

(۲) کبیر (بڑائی) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بھلائیوں کے حاصل کرنے میں، گوارا و ناگوار

کی کچھ فکر نہیں کرتا +

(۳) بلند ہمتی - یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس اپنی بھلائی کی طلب میں فنا ہو جانے والی لذتوں کی جانب متوجہ نہیں ہوتا +

(۴) ثابت قدمی - یا استقلال - یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بھلائیوں اور نیکیوں کی طلب میں پیش آنے والی تکلیفات پر تحمل کرتا ہے +

(۵) شہامت (بزرگی) بڑائی، توانائی) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بھلائیوں پر زیادہ دوڑتا ہے +

(۶) تواضع (عاجزی کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس اپنے سے کم درجہ والے اور کم حیثیت والے پر بڑائی نہیں کرتا +

(۷) حمیت (پرہیز کرنا اور حفاظت کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس شعایر و روایات (مذہبی یا خاندانی یا قومی) کی حفاظت کرتا ہے +

(۸) رقت (پتلاپن) یہ وہ ملکہ ہے جس نفس بدوں گھبراہٹ و فکر کے دوسروں کے درد دکھ سے اثر پذیر ہوتا ہے +

(۹) عفت (پرہیزگاری) اسکی مشہور شاخیں نو ہیں :-

(۱) حیا و شرم) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بُرے کاموں کے کرنے سے پرہیز کرتا ہے +

(۲) ہدایت (راہ دکھانا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس کوئی اچھا اور نیک کمال حاصل کرنے کی خواہش میں خوش آیند و پسندیدہ وسیلے اور ذریعے تلاش کرتا ہے +

(۳) مسالمت (سلامتی پر رہنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس جھگڑوں میں نیک اور اچھی رائے دیتا ہے -

(۴) قناعت (تھوڑے پر راضی رہنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس جو چیز اور جسقدر بھی اسکے پاس ہو راضی رہتا ہے -

(۵) صبر، یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بُرے کاموں کے لیئے شہوات کے بھڑکانے پر صبر کرتا ہے یعنی وہ نہیں کرتا جو خواہشات رذیلہ اور شہوات کی تحریک ہوتی ہے۔

(۶) وقار (بھاری پن) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس خواہشوں کی طلب میں جلدی یا سبکدماغی یا اوچھاپن یا غیر مستقلی سے باز رہتا ہے۔

(۷) ورع (پرہیزگاری) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بلا خرابی وفتور اچھے کام اپنی عادت کر لیتا ہے۔

(۸) حرّیت (آزادی) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس نیکی اور عزت کیساتھ نام حاصل کرتا ہے۔

(۹) سخا (دنیا، سخاوت) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس آسانی سے خرچ کرتا ہے۔

اب اور سنو اس سخا کی بھی شاخیں یعنی اس شاخ کی کئی اور شاخیں ہیں۔

(۱) مروّت یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس اوروں پر احسان (بھلائی) کرتا ہے۔

(۲) کرم۔ یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس سب کو بلا امتیاز و تخصیص نفع پہونچاتا ہے

(۳) مواسات۔ یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس مستحقین کو اپنی نعمتوں میں شریک کر لیتا ہے

(۴) عفو۔ یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس خطا کاروں کو، بدلا لینے کی قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دیتا ہے۔

اس کے بعد ایک بات بہن اور یاد رکھو۔

نفسانی ملکات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) الف۔ وہ کہ جو اچھے ہی اچھے ہیں یعنی ہر حالت و موقعہ پر پسند کیے جائینگے مثلاً حیا، عفو وغیرہ جو اوپر بیان ہوئے۔ انکو ملکات محمودہ کہا جاتا ہے۔

(۲) ب۔ وہ کہ جو بعض حالات و مواقع پر اچھے اور پسندیدہ خیال کیے جاتے ہیں اور بعض حالات و مواقعہ پر ناپسندیدہ و بُرے سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے تکبر وغیرہ (جن کا بیان

تم آگے پاؤگی ان کو ملکات مشترکہ کہا جاتا ہے۔

(۳) ج، وہ کہ جو ہر حالت و مقام پر بُرے ہوتے ہیں اور ناپسندیدہ خیال کئے جاتے ہیں۔ جیسے عجب وغیرہ جسکا بیان تم آگے پاؤگی، ان کو ملکات مذمومہ کہا جاتا ہے

اب یہاں تک تو بھلائیوں کی بحث تھی۔ اسکے مقابلہ میں اب برائیوں کا حال بھی معلوم کرنا چاہیئے۔

یوں سمجھو بہن، کہ فضایل چہارگانہ جنکو تم خوب سمجھ چکی ہو، ان کے مقابلہ میں رذایل چہارگانہ بھی ہونے چاہئیں تھے۔ مثلاً

عدالت کے مقابلہ اور ضد میں جور۔

شجاعت کے مقابلہ میں یا ضد میں جبن (بزدلی) نامردی۔

عفت کی ضد اور مقابلہ میں حرص (لالچ)۔

مگر فضیلتوں کے لیئے حد و اندازہ مقررہ ہے۔ دوسرے طریقہ پر یوں سمجھو کہ آٹھ اور دو اور ۲ دھاسب ملکر گیارہ کے قریب ضرور ہی ہو جاتے ہیں۔ مگر گیارہ کسی طرح نہیں ہوتے۔ اسی طرح ہر فضیلت جبھی فضیلت سمجھی جائے گی۔ جب وہ اپنے مقررہ اور معروف اندازہ اور حدود میں پوری ہو جائے گی، پس یہ ثابت ہوا کہ فضیلت ایک وسط ہے یعنی درمیانی نقطہ ہے اور اسکی سمتیں دو ہیں ایک کمی ایک زیادتی

زیادتی ——— فضیلت ——— کمی

(۱)

(۲) (۳)

تو اب یوں سمجھو کہ ہر وہ فضیلت جسکی سمتیں ناقص ہونگی وہ رذائل میں منتقل ہو جاتی ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر فضیلت کے مقابلہ میں دو رذائل ہیں تو فضایل چہارگانہ کے مقابلہ میں رذائل ہشتگانہ قایم ہوتے ہیں جس کی تفصیل مقابلہ کے ساتھ اب ہم تمہارے سمجھنے کے واسطے کرتے ہیں۔

ذمائم ہشتگانہ کی تفصیل معہ مقابلہ

حکمت کے مقابلہ میں سفہ و بلہ
عدالت کے مقابلہ میں ظلم و انظلام
شجاعت کے مقابلہ میں تہوّر و جبن
عفت کے مقابلہ میں شرہ و خمود

اچھا اب انکی اطراف بھی سمجھ لو۔ تاکہ یہ مسئلہ بخوبی سمجھ میں آ جائے۔

(۱) حکمت

سمت زیادتی (۱)	سمت کمی (۵)
سفہ	بلہ
بے موقعہ حد سے زیادہ فکر کرنا اسکو افراط کہتے ہیں۔	غور و فکر کی عادت سے محروم رہنا یا ہونا اسکو تفریط کہتے ہیں

(۲) عدالت

سمت زیادتی (۲)	سمت کمی (۶)
ظلم	انظلام
حد و حق سے آگے بڑھ جانا افراط	ذلت و جبر سے مظلوم ہونا تفریط

---

(۳) شجاعت

سمت زیادتی (۳)	سمت کمی (۷)
تہوّر	جبن
بلا ضرورت تہلکہ میں پڑ جانا افراط	حد سے زیادہ ڈرنا اور بزدل ہونا تفریط

(۴) عفت

سمت زیادتی (۴)	سمت کمی (۸)
شرہ	خمود
حد سے زیادہ لذات پر حریص ہونا افراط	جایز اور ضروری لذتوں کو بھی چھوڑ دینا تفریط

کیوں بہن اس تفصیل اور نقشہ سے تم نے سمجھ لیا ہوگا۔ کہ ہر فضیلت دو برائی کے

مقابلہ میں دو برائیاں ہیں۔ فضایل چہارگانہ کا وزن رذایل ہشتگانہ سے کیا جاتا ہے جسکو ہم معائب ہشتگانہ بھی کہہ آئے ہیں۔ سفیدی کی قدر جب تک مقابلہ میں سیاہی نہ ہو نہیں معلوم ہوتی۔ اب امید ہے کہ اس کو میری عزیز بہن نے خوب سمجھ لیا ہوگا فضیلت جب اپنے مقررہ معیار و اندازے گذرے گی رذالت ہو جائے گی۔

اسی سلسلہ میں میں اپنی لایق بہن کو ایک باریک بات اور سمجھانا چاہتا ہوں۔ سنو بہن فضایل چہارگانہ پر پہونچ جانا، انسانیت کی تکمیل اور عین سلامتی ہے۔ خدا سب کو یہ دولت دے، مگر یہ فرق ضرور یاد رکھو۔ جب فضایل اپنے مقاصد سے جدا ہو جائینگی تو فضایل نہ رہیں گے بلکہ مشابہات میں شمار ہونگے۔ مثال میں یوں سمجھو۔

مشابہات فضایل کی مثالیں

(۱) **حکمت** کی غایت یہ ہے کہ نفس کی تکمیل اور یقین کی استواری اگر ایسا نہیں ہے۔

محض بڑائی جتلانے کے لیے چند اقوال و مسایل یاد ہیں اور غایت مفقود ہے تو باتیں **مشابہات فضایل** میں شمار ہونگی۔ عین **حکمت** نہ ہونگی۔ اور طریقہ جاہلوں بنصیبوں کا ہے۔

(۲) **عدالت** کی غایت و غرض انسانی احوال و اعمال میں اعتدال پیدا کرنا ہے لیکن اگر ایسا نہیں ہے

محض فائدہ اٹھانے اور حکومت کرنے کے لیے عملوں کی تقلید اور افعال کی محض نقل اور غایت مفقود ہے تو یہ باتیں مشابہات عدالت میں شمار ہوں گی اور یہ طریقہ ریاکاروں کا ہے۔ جو خدا سے نہیں ڈرتے اور انسانوں سے ڈرتے ہیں غرض کے بندے ہیں۔

(۳) **شجاعت** کی غایت حق کی تبلیغ و اشاعت۔ یا برایوں یعنی رذایل سے بچنے میں سختیوں کا اختیار و قبول کرنا۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے۔

محض غالب ہونے یا نفع کی خواہش سے تہلکہ میں پڑنا ۔۔ مصیبتوں کا برداشت کرنا اور غایت مفقود تو یہ باتیں مشابہات میں شمار ہونگی۔ اور ظالموں کا شیوہ یہی ہے

(۴) عفت کی غایت۔ خواہشات نفسانی کے اکسانے پر حد و اندازہ کو نگاہ و قبضہ میں رکھنا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا۔

محض بطور اظہار کرامت شہرت کے لیئے شہوات کو توڑنا اور لذات کا کھونا ہے اور غایت مفقود ہے تو یہ باتیں مشابہات عفت میں شمار ہونگی۔ اور یہ طریقہ بدنصیبوں اور زبوں و زیان کاروں کا ہے۔

سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت اور مروت کی جگہ حاجت کے موافق مال خوب خرچ کرے۔ اگر ایسا نہیں ہے محض نام نمود و اظہار و فخر کے واسطے کوئی مال خرچ کرتا ہے تو وہ سخی نہیں بلکہ احمق ہے۔ مال وہ ہے جو اوروں کے کام پھر آئے۔ اور منحصر ہو ضرورت اور مروت پر۔

کہو بہن اب تو خوب مشابہات فضایل سمجھ میں آگئے ہونگے۔

یہاں تک جو کچھ بہن تمہیں معلوم ہوا۔ وہ تعریفات کے ذیل میں تھا۔ اب تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ تہذیب نفس کے طریقے کیا کیا ہیں۔ خرابی (علالت) بھلائی و بہتری (صحت) کے کیا وسایل ہیں۔ لہذا ہم ان کو تمہاری سمجھ کے موافق لکھتے ہیں۔

سنو، یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ علالت سے پہلے صحت ہوتی ہے صحت کے یہ معنی ہیں کہ مزاج اعتدال پر ہو۔ جب کوئی وجہ ایسی ہوئی کہ مزاج کا اعتدال برہم ہوا تو علت پیدا ہوئی اس سے ثابت ہوا کہ علت برہمی اعتدال یعنی صحت کے بعد پیدا ہوتی ہے مرض کے علاج سے یہ زیادہ اچھا ہے کہ صحت کی حفاظت کی جائے۔ تاکہ علت برہمی اعتدال کی پیدا ہی نہ ہو۔ تو اب تم مجھ سے پہلے حفاظت صحت نفس کی تدابیر دریافت کرو۔

حفاظت صحت نفس قبل از مرض یا علالت (۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ ہر ی صحت سے جو

نوٹ۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کے کی کافوری جنتری ۱۹۱۷ء کی خوبصورت تیار ہوئی ہے دس شریف
لکھے پڑھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھنے پر جنتری ہذا بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے

امراض مستورات کی دوا امراض مستورات کی دوا

عہد قدیم کی بیماری میں طالبین ملک کی نہایت مشہور و مروجہ دوائی برنیم اور قدیم و یدک زمانہ کی مشہور اسوک وغیرہ کئی ایک دواؤں کو ملا کر یہ دوا تیار کی گئی ہے اور اس کی آزمایش بھی واقعی طور سے ہوتی آئی ہے۔ یہ ہر اقسام کے امراض مستورات کی دوا ہے۔ کمزور رحم (بچہ دان) کو طاقت دیتی ہے اور صاف رکھتی ہے اس لئے رحم کی کل بیماریوں میں فائدہ کرتی ہے اس سے حیض کی کل خرابیاں یعنی کم یا زیادہ دنوں میں حیض اور پرتھو کا ہونا۔ کمر۔ پیڑو۔ جانگھوں اور سر میں درد ہونا جی متلانا وغیرہ یہ سب شکایتیں دور ہو جاتی ہیں، پروجسٹرون سفید اور سرخ پانی کی طرح مواد نکلتا ہے۔ خون رقیق یا جما ہوا زیادہ یا کم جانا درد وغیرہ کی تکالیف اس دوا سے رفع ہو جاتی ہیں۔ رحم کی کمزوری کی وجہ سے حمل بے وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ نطفہ قرار پانے سے تیسرے چوتھے مہینے میں ضائع ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس دوا کا کچھ دنوں تک استعمال کرنے سے رحم کی سب شکایتیں دور ہو کر رحم میں طاقت پہونچتی ہے جسم قوی ہوتا ہے۔ اور حمل قرار پاتا ہے۔ قیمت فی شیشی ۱۶- خوراک کی چھ خوراک محصول ڈاک وغیرہ چھ آنے ۶ر +

دیکھئے اس دوا کے متعلق اسسٹنٹ آف دی فیملی ہوسپٹل ریاست رامپور کیا تحریر فرماتے ہیں:-
"آپنے دو شیشی امراض مستورات کی دوا جو روانہ کی اس سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا براہ مہربانی تین شیشی اور روانہ فرمایئے"

قوت کی گولیاں

بیتیس برس سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو رہی ہیں طاقت دینے والی مشہور دواؤں فاسفورس ہمکیفیٹ ڈائیناملا کر یہ گولیاں بنی ہیں اس لئے مغز ریڑھ۔ رگ اور خون کو طاقت دینے کا کام دیتی ہیں۔ زیادہ محنت جوانی کی خرابی وبے اعتدالیوں خواہ کسی وجہ سے ہو ان گولیوں کے استعمال سے اول ہی روز فائدہ ظہور میں آتا ہے۔ بدن میں قوت اور مزاج میں گرمی معلوم ہونے لگتی ہے۔ چہرہ پر رونق جوانی میں ضعیفی کی سی حالت ٹوٹے ہوئے جسم میں دوبارہ جوش لاتی ہے۔

محصول ڈاک ایک پیسہ قیمت ۳۰- گولیوں کی شیشی دو ہفتہ کی
خوراک کا ایک روپیہ (عہ)

دیکھئے جناب ایڈیٹر صاحب مخبر دکن کیا تحریر فرماتے ہیں:-
"ہمنے ڈاکٹر صاحب کی تعریف پر خیال کر کے تیس گولیاں منگائیں اسکی تیر بہدف اثر اور فوائد پر نظر کرتے ہیں تو ان گولیوں کی قیمت بجائے ایک روپیہ کے تیس روپے کہنی چاہیئے تھی +

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

سپہر علم کے درخشاں ستارے

گنجینۂ اسرار حقیقت

یہ نادر کتاب مولانا حکیم شیخ خدا بخش صاحب قادری کی تصنیف ہے اس میں اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے بیش قیمت اقوال درج ہیں جنپر عمل کرنے سے انسان سچی ہدایت حاصل کر سکتا ہے قرآن اور حدیث کے بعد برگزیدہ بزرگوں کے اقوال افعال کی تائید بہت کچھ فائدہ پہونچا سکتی ہے کتاب کیا ہے جواہرات کے انبار۔ خداسی اور خدا شناسی کا سچا رہبر طالب و صادق کے لئے سچا رہنما ہے اور خواجہ حسن نظامی صاحب کے نام نامی پر معنون کی گئی ہے قیمت مجلد مع محصول بارفانہ ۱۲ ہے

خزانۂ کرامات

حسن ابدال ضلع راولپنڈی دامن کوہ میں ایک پرفضا مقام ہے۔ تنہائی پسند فقرا اکثر اس کے اطراف میں جاتے اور پہاڑی چشموں کے کنارے بیٹھکر ریاضت کرتے اور قدرتی نظاروں کا لطف اٹھاتے ہیں۔ یہاں ایک انجمن بنام راج یوگ قائم تھی اسکے صدر انجمن نے یہ اعجوبہ کتاب خزانۂ کرامات تصنیف کی ہے جو علوم درویشوں میں سینہ بسینہ چلے آتے ہیں جنکو وہ برسوں کی خدمت کے بعد بڑی رموز اور کنایوں میں بتلایا کرتے ہیں وہ راز اس کتاب کے ذریعہ صاف طور پر کھول دئے ہیں اور یہ کتاب ریمیا سیمیا کیمیا گویا سب علوم کی کنجی ہے جن کے ذریعے ان کا دروازہ کھل سکتا ہے اہل ملک کی قدردانی کی وجہ سے چھٹی بار چھپکر فروخت ہو رہی ہے قیمت مجلد مع محصول ایکروپیہ پانچ آنہ (عہ) ہے

ملنے کا پتہ:- منیجر قیصر ہند ایجنسی نمبر ۱۱ سہارنپور

میں خوبصورت نوجوان لیڈی ہوں

اور ایک نہایت حسین خوش رو نوجوان سے شادی کرنا چاہتی ہوں !!!!

رنگیلے چھبیلے حسن کے دلدادہ نوجوانو خبردار ہو جاؤ

حسن و خوبصورتی پیدا کرنیوالا جھوکی بیت سفید اور پائیدار کرنیوالا

پری جمال صابون

جو ایک خاندانی طبیب کی ایجاد ہے جس نے اپنے مفید ہونے کی وجہ سے دنیا بھر میں نام پیدا کر لیا ہے۔ فوراً منگا کر استعمال کرو یہ صابون تازہ تازہ خوشبوؤں سے تیار کیا جاتا ہے۔ کالا رنگ کلایا ہوا چہرہ صرف سات روز ملکر نہانے سے گلاب کی پتی کی مانند خوبصورت اور مخمل کی طرح ملایم ہو جاتا ہے۔ مہاسے دور کرتا ہے۔ فی کیس تین کیہ ۴ صابون قیمت

روغن پری بہار گیسو دراز

یہ سر میں لگانے کا خوشبودار پربہار تیل بالوں کو خوش نما بناتا ہے۔ خشکی رفع کرتا ہے۔ بالوں میں نرمی لچک چمک بے انتہا پیدا کرتا ہے۔ بال لمبے اور ریشم کی طرح ملایم ہو جاتے ہیں۔ اس کی بھینی بھینی خوشبو سے دماغ معطر رہتا ہے + قیمت فی شیشی دس تولہ ایک روپیہ (عہ)

حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ نور تن دہلی بازار فراش خانہ

شان دار قرآن مجید معری شدہ

یہ قرآن مجید متوسط قلم خط نہایت پاکیزہ چھپائی صاف کاغذ سفید ستھرا ہے، مبتدیوں کے لئے اس سے بہتر قرآن مجید شائع نہیں ہوا صحت کا یہ علم ہے کہ ایک ایک نقطہ کی ذمہ داری باوجود کاغذ کی گرانی کے صرف ۱ مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ عہ

انگلش ٹیچر یعنی انگریزی سکھانیکی آسان کتاب

اگر آپ انگریزی زبان جلدی عمدہ طور سے سیکھنا چاہتے ہیں تو اس انگلش ٹیچر کو ضرور منگائیے۔ اس لاجواب کتاب میں گرامر، ٹرانسلیشن اور لیٹر رائٹر وغیرہ درج ہیں لفظوں کے معنی اور تلفظ سلیس اردو میں لکھے گئے ہیں ہر محکمہ و عدالتی افسر سوداگر کے واسطے تقریباً بتیس فرم کے خط درج ہیں ۴۰۰ صفحہ مجلد قیمت صرف عہ (ایکروپیہ)

المشتہر ایجنٹ۔ محمد یوسف خان منیجر شہرت ایجنسی دہلی

شریف بیگمات کے پڑھنے کی خاص دلچسپ کتابیں

عورتوں کو علم و تہذیب سکھانے میں یہ کتابیں لاجواب ہیں

رسول عربیؐ	حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متبرک سوانح عمری نہایت سلیس لکھی گئی ہے	۸ر
بنت الرسولؐ	خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاک حالات زندگی۔	۵ر
صبر کی دیوی	موتا ڈاہ کی دردناک داستان موثر پیرایہ میں درج کی گئی ہے۔	۳ر
رفیق مرزا	تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ بیبیوں کا مقابلہ۔	۴ر
جمیلہ خاتون	ایک فلسفی اور ناسمجھ خاتون کیونکر راہ راست پر لائی گئی۔	۳ر
لاڈو لاڈیٹا	جاہل اور ناسمجھ ماں باپ اپنی اولاد کو کس طرح بگاڑ دیتے ہیں۔	۳ر
عقیلہ بیگم	ایک کفایت شعار اور سمجھدار بی بی کی کہانی دلچسپ پیرایہ میں۔	۳ر
باورچی خانہ	انگریزی، مسلمانی اور ہندوانی کھانے پکانے کی ترکیبیں۔	۴ر
معلمہ	لڑکیوں کو مذہبی تعلیم دینے کے سب سے آسان کتاب قصہ کے پیرایہ میں ہر زنانہ میلاد شریف کے	۱۲ر
راہ جنت	اسلام کی لاجواب تعلیم دلچسپ کہانیوں کے ذریعہ سے۔	۳ر
زنانہ خطوط	عورتوں کو خط و کتابت کا طریقہ سکھانے والی کتاب۔	۵ر
چڑیا چڑے کی کہانی	انسانی بے مروتی کی تصویر ایک ننھے سے حیوان کی زبانی۔	۳ر
پہیلی نامہ	سینکڑوں دلچسپ پہیلیوں کا مجموعہ معہ حل یعنی بوجھ کے۔ مجلد ستو صفحہ۔	۷ر
لوری نامہ	بچوں کو بہلانے اور سلانے کے لئے پرتاثیر لوریاں۔	۲ر
سولہ دلچسپ کہانیاں	ایک تعلیم یافتہ خاتون کی جمع کی ہوئی سولہ دلچسپ کہانیاں الگ الگ قیمت مجلد	۱۲ر
علم کی دیوی	ایک مسلمان خاتون کا ایک عیسائی خاتون سے قابل دید مباحثہ۔	۵ر
ناصح مشفق	نصیحت کے پورے ایک سو چبے موتی۔ بچوں کو پڑھانے کے قابل۔	۳ر
جام کوثر	لاجواب اور چیدہ چیدہ نصیحت آموز کہانیوں کا بے مثال مجموعہ۔	۴ر
تاثیر صحبت	نصیحت خیز اور پر درد قصہ۔ اپنی کم عمر اولاد کو ضرور پڑھایئے۔	۸ر
قومی گیت	بچوں اور بچیوں کو یاد کرانے کے قابل دلچسپ قومی گیت۔	۱۴ر
صنعت خانہ	سینکڑوں قسم کی علمی صنعتیں اس میں درج ہیں۔ اس کا پڑھنے والا ہر چیز گھر پر بنا سکتا ہے۔	۵ر

(نوٹ)

تمام کتابیں ایک ساتھ منگوانے والوں سے محصول ڈاک نہیں لیا جائے گا۔

ملنے کا پتہ

مہتمم پردہ نشین (زنانہ) لائبریری آگرہ

میلادنامہ

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی تازہ تصنیف ہے۔ اردو زبان میں آجتک جسقدر مولود کی کتابیں پڑہی جاتی ہیں۔ یہ کتاب اُن سبسے نرالی ہے۔ اور اسمیں تمام معتبر اور صحیح روایتوں کو جمع کیا گیا ہے +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے حالات سے شروع کیا ہے اور ولادت کا بیان نظم و نثر کی زیبایش سے قلمبند کرکے بچپن۔ جوانی کے کل واقعات لکھے ہیں +

پہر دوسرے حصہ **رسول بیتی** میں رسالت سے لیکر وفات تک کے حالات ہیں گویا آنحضرت ؐ کی مختصر اور پوری سیرت و سوانحعمری ہے۔ آخر میں آپکے اخلاق و عادات و لباس وطعام وغیرہ کی کیفیت ہے۔ دونوں حصے ایک ہی جلد کے اندر ہیں +

میلادنامہ کی زبان ایسی آسان اور دلچسپ ہے کہ بچے اور عورتیں بے تکان پڑہتی چلی جاتی ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان بہر میں مقبول ہوئی ہے۔ شائع ہوتے ہی آٹھہ دن میں ہاتھوں ہاتھ پانسو سے زیادہ فروخت ہوگئی۔ لگے ربیع الاول تک شاید دوبارہ چھپوانی پڑے گی۔ کیونکہ لگاتار مانگ چلی آتی ہے +

اکثر شیدایان و محبان رسول نے گمشتہ بہت سی جلدیں خرید کر مفت تقسیم کی ہیں

میلادنامہ کی طلبگاری عورتوں میں زیادہ ہے کیونکہ انہیں کے خیال سے اس کو کمال خوبصورت سفید کاغذ پر چھپی ہے اسکی قیمت صرف ۱؎ اور محصول ڈاک کی قیمت صرف ۱؎

پیرزادہ محمد صادق کارکن جامعۃ المشائخ سرائے دہلی سے منگائیے

ایک نایاب تحفہ

امہات الآلہ شمس العلماء جناب مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی مرحوم کی آخری تصنیف جس میں انہوں نے عیسائیوں کے اس اعتراض کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیاں کیں تحقیق و دلیل کے ساتھ جواب دیا ہے۔ تمام ازواج مطہرات رضؓ کے حالات زندگی ایک [illegible] کیے گئے ہیں۔ اصل الگ الگ بتایا ہے کہ اس تعلق میں کونسی مصلحت تھی اور اس پر یہ نسائی [illegible] کہیں شائبہ تک محال ہے۔ اسکے اظہار کی ضرورت نہیں کہ شمس العلماء جیسے کو [illegible] شان رکھنے کے کسقدر دلچسپ مزیدار ہوتی تھی اور زمانہ کی رفتار سے [illegible] یا رکھنا [illegible] ہے لہذا **امہات الآلہ** صرف ایک حیثیت سے قابل [illegible] ہیں ورنہ ایک [illegible] کتاب [illegible] المومنین کی سب سے بڑی اور معتبر و مستند سوانح عمری ہے بلکہ اس لحاظ سے ہر [illegible] کھول کھلا [illegible] [illegible] ہے۔ **امہات الآلہ** درمیان میں [illegible] ہوگئی تھی [illegible] ہوئے کو ڈیڑھ سے نہ ملتا تھا۔ اب [illegible] مانگ جبکہ نظر ثانی کے بعد [illegible] کر دیا ہے۔ لہذا جو صاحب [illegible] کرنا چاہیں وہ جلد [illegible] بھیج دیں ورنہ بعد کو ڈیڑھ روپیہ سے کم نہ ملیگا۔

قیمت صرف ۱۲ آنے ہے علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ ناظم المشائخ دہلی سے درخواست کرنے پر ملیگا

رحمت زمانی

[illegible] احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ وغیرہ کی مقبول عام [illegible] [illegible] ذوقت ہو رہا ہے۔ خلوہ معلی کی ٹکسالی زبان اور واقعات [illegible] [illegible] کے بغیر نہیں مان سکتے۔ نیم کا شاب اور اجام والدین کے کرنے [illegible] کی وہ آخری کتاب ہے جو مرحوم نے اپنی زندگی کے دونوں کتابخانوں کو زینت دینے [illegible]

قیمت صرف عہ/ + علاوہ محصول

منیجر خطیب نظام المشائخ

دنیائی آبادی میں تقریباً چوتھائی حصہ صوفی مشرب مسلمانوں کا ہے
جلد ۱۷ نمبر ۱ ۲۷
جلد ۱۷ نمبر ۱
شعبان ۱۳۳۵ھ
۷۸۶

نظام المشائخ

قسم سوم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی، تسلی و تسکین کا ماہوار رسالہ

مذہب، اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ
جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواہرزادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر
خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ بیع محصول ڈاک بدر ششماہی ۱۰؍

مقام اشاعت دارالسلطنت دہلی کوچہ چیلان
مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

آجکل

نظام المشائخ دوہزار

نکل رہا ہے اور روز بروز اسکی اشاعت میں ترقی ہے مشتہرین ضرور اپنے اشتہارات میں درج کرکے فائدہ انہائیں

نرخ نامہ	مقدار	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
	¼ صفحہ	۱؎	۳؎	۵؎	۸؎
	نصف صفحہ	۲؎	۵؎	۸؎	۱۴؎
	پورا صفحہ	۴؎	۸؎	۱۴؎	۲۴؎

نظام المشائخ کے قواعد و ضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر چاند کی آٹھویں تاریخ کو حضرت سلطان المشائخ خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رح کا یوم عرس ہے شائع ہوتا ہے۔ مضامین سب دینی، اخلاقی، اصلاحی، مگر سب صحیح فیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحریروں میں انشاپردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ ۱۵ تاریخ تک نہ پہنچے تو دیر سویر کا خیال کرکے دس پندرہ تک انتظار کیجئے۔ اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیئے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ گم ہوجائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو۔ براہ عنایت جو تھی ماہ ہلال سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں۔ ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کردینی کافی ہے (۴) خط و کتابت میں اپنا نام و پتہ نہایت صاف و خوشخط لکھیئے۔ اور خریداری کا نمبر ضرور بتایئے جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجئے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

۵۸۶

نظام المشائخ

نمبر ۲ | بابت ماہ شعبان المکرم ۱۳۳۵ ہجری | جلد ۱۲

فہرست مضامین

شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	رات کی تنہائی میں	جناب مولوی سید عارف حسن صاحب عارف ہسوی	۳
۲	انا بشر مثلکم	جناب مولانا رشید الخیری مدظلہ العالی	۱۰
۳	مصعب بن عمیرؓ	معارف	۱۷
۴	نماز تہجد	جناب مولوی شیخ نور الدین صاحب گوجرانوالہ	۲۲
۵	تیاگ	ترجمان	۳۱
۶	دکن کا دیندار بادشاہ	سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	۳۶
۷	خیر الناس من ینفع الناس	جناب مولوی محمد ظہور الدین صاحب مرتب	۳۹
۸	مذہب کا اعلان	جناب مولوی غلام محمد صاحب طور ایم اے	۴۱
۹	کوئلہ بھی نہ راکھ	جناب مولوی احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی	۴۴
۱۰	تازہ غزلیں	جناب واصل - جناب قمر	۴۶
۱۱	یاران نظام المشائخ	- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -	۴۸
۱۲	اخلاق سلطانی[1]	جناب مولوی سید ظفر احسن صاحب علوی	بقیہ جزو

[1] اخلاق سلطانی کا ایک جزو جب کے رسالے میں مکمل چھاپے دوسرا جزو عاشورہ سے تیسرا رمضان المبارک میں شائع ہوگا۔ امید ہے کہ شوال میں ۲۰ سو قسط ۱ چھاپیں گے تو تمام جزو الگ کرکے اسے پوری کتاب کی شکل کر سکیں گے ۔ (ایڈیٹر)

۷۸۶

ہندوستان ہی کا نہیں انگلستان کا پریس چیخ اٹھا ہے!

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پراں کر دیئے!

آپ جس پرچے کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ سب کے چہرے زرد ملیں گے اب خطیب و نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی سُرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو لیکن

کب تلک یارب چھپائیں دردِ دل

خطیب و نظام المشائخ کے مالک کے پاس قسمیہ لیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اٹھائے چلا جائے۔ ناظرین! اگر خطیب و نظام المشائخ کو ان کی بہتر شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اٹھائیں۔

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک **مدّ امداد** پیش کرتا ہوں۔ جب تک جنگ ہی اسمیں ۸ رسالانہ کم از کم سب کو دینا پڑے گا۔ اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو۔

خاکسار وحیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

رات کی تنہائی میں

اپنے مالک سے

"از دردِ بیقرارم فریاد رس الٰہی!"

اے میرے آقا، اے میرے معبود، رات کے سناٹے اور پچھلے پہر کے سکوت میں تیرا ایک عاجز بندہ تیرے حضور کھڑا ہوا ہے تاکہ اپنی آنکھوں کی اشکباری اور دل کی بیقراری کے ساتھ کچھ تجھسے عرض حال کرے۔ تو اے غریبوں کے خدا! اور اے بیکسوں کے حامی! اپنی پھیلائی ہوئی رات کی تاریکی میں اپنے مجبور و بیکس بندے کی فریاد سن لے کہ وہ جگر فگار ہر طرف سے کٹکر تیرے دروازے پر آپڑا ہے۔ اور اب تیرے سوا اسکا کوئی ٹھکانا نہیں، اسکی غمگینی حد سے بڑھ گئی۔ اور اسکی دردمندی و بیکسی کا کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔ پھر کیا اے میرے مالک! تو بھی اسکو ٹھکرا دیگا؟ حالانکہ وہ تو بڑی آس لیکر تیرے پاس آیا ہے +

میرے پروردگار! میرا دل رنجوری و بیکسی سے معمور ہے کیونکہ تجھے کنکر ذلتوں اور رسوائیوں سے میری زندگی درد و غمگینی کا مرقع بن گئی ہے۔ میں جاں گیا۔ میری آرزوئیں شکرا دی گئیں۔ اور میری تمناؤں کو پامال کر دیا گیا۔ اب میری مسکینی و فتادگی کی کوئی پیدائی نہیں کرتا۔ اور تیرے اس بلند آسمان کے نیچے ذلت و رسوائی کے سوا میرے لیے کچھ باقی نہیں رہا۔ نہ کوئی میرا ساتھی ہے نہ غمگساں، نہ چارہ ساز ہے نہ مددگار۔ ہاں اے میری بیچارگی کے چارہ کار خدا! ایک چیز ہی ہے جس سے اب تک میری آس باقی ہے۔ اب صرف تیرا آسرا ہے اور تیرے در کا سہارا اے معبود! تیرا مجبور بندہ ہوں، دردمندی و نامرادی کے عالم میں تیرے در پر آ پڑا ہوں۔ تیرے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ نہ زہد ہے نہ عبادت نہ تقویٰ ہے نہ طاعت۔ مگر ہاں دل کی شکستگی اور زندگی کی خستہ حالی، میرے ساتھ ہی مسکینی کا رنگ۔ بیچارگی کی تڑپ اور نیازمندی کی فتادگی میرے پاس ہے، اور ہاں اے میرے خدا! صرف ایک تیری ہی کمی ہے، +

اے میرے خدا! میرا دل خوف و ہراس کی تاریکی سے بھر گیا ہے اور میری حیات کی کشتی بیم و رجا کے متلاطم دریا میں ڈگمگا رہی ہے، اندھیری رات ہے، نہ کوئی سنگ ہے نہ ساتھ ہے۔ گناہوں کا طوفان اُمڈا آرہا ہے۔ معصیت و عصیان کی خوفناک موجیں دل کی کشتی کو تھپیڑے دے رہی ہیں تو مجیب الدعوات ہے۔ بیکس کی صدائیں سے کر خستگی کی آواز سے اعراض نہ کر۔ اگر غربت کی کتھا اور مصیبت کی بپتا تو نہ سنیگا تو اے میرے خدا! تو ہی بتلا میرا کون ہے جو میری دکھ بھری کہانی اور غم بھرا فسانہ سنیگا دل کی مایوسیوں کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے اور میری خستہ حالیوں کو یاس و ناکامی کے دریا میں ڈوبنے سے بچالے۔ تیرے در سے کوئی ناکام و نامراد نہیں پھرا۔ مجھ کو امید کا قدم اور بادشاہت کا عیش نہیں درکار۔ میں تو صرف ایک گاکرم کا امیدوار ہوں اور بس۔ میری بیچارگی پر رحم کر میری بیچارگی و بیکسی پر ترس کھا۔ اور میری رسوائیوں کا دور ختم کر دے

میں تجھ سے قیصر و کسریٰ کے خزانے نہیں مانگتا، میں تجھ سے سکندر و دارا کی حشمت نہیں طلب کرتا، میں تجھ سے خضر کی حیات اور نوحؑ کی عمر کا خواستگار نہیں میں تو پھوٹی کا ایک ٹوٹا ہوا جھونپڑا۔ پھٹا ہوا بوریا اور مطمئن قلب مانگتا ہوں!

میری آرزوئیں کسقدر مختصر اور میری تمنائیں کسقدر محدود ہیں کہ تجھ جیسے شہنشاہ سے ایسی حقیر و ذلیل چیز مانگتا ہوں۔ لیکن اے میرے مالک! گو تیرے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں مگر میرے دامن امید میں اب ایک تار بھی باقی نہیں رہا کہ تیرے سامنے دراز کروں اسلیئے میں تو صرف تیری فضل کا طالب ہوں +

تارے جھلملا رہے ہیں۔ چاند کی روشنی مدھم پڑ گئی ہے۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے چل رہے ہیں اور تیری مخلوق تیری اتاری ہوئی نیند میں سو رہی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کے ساتھ۔ شوہر اپنی بیویوں کے قریب استراحت فرما ہیں۔ چڑیاں اپنے آشیانوں میں، پرندے اپنے گھونسلوں میں آرام کر رہے ہیں۔ مگر ایک بے چین و بیتاب ہستی ایک مضطر و بیقرار وجود کھلے آسمان کے نیچے تیری رحمت کا منتظر جاگ رہا ہے۔ آنکھوں میں نیند نہیں مگر آنسوؤں کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہیں۔ لب پر فغاں نہیں مگر آتش غم سے خشک ہو رہے ہیں۔ سینہ پر آبلے نہیں مگر سوز و رونی سے داغدار ہے۔ اے میرے مولا! اے میرے مالک! یہ سب اسلیئے ہے کہ شاید تسکین کا ایک ذرہ اور تسلی کا ایک لمحہ مجھکو بھی عطا ہو جائے کہ اس حوادث آباد زندگی اور اس کارزار حیات میں مجھکو اسمیں سے کچھ نہیں ملا نہیں ملا، مگر میں نے قدر نہ کی۔ اور اپنی غفلت نادانی سے اسکو برباد کر دیا۔ میرے بن مانگے دینے والے داتا! اور اے سونے سے پہلے ہر بھوکے کا پیٹ بھر دینے والے مولا! میں بھوکا ہوں۔ میرا پیٹ بھر اور میں بھکاری ہوں میرا سوال رد نہ کر۔ میں تجھ سے روٹی نہیں مانگتا، میں تجھ سے پانی نہیں طلب کرتا، نہ مجھے بیماریوں کی تکلیف کی نہ صحت و تندرستی کی خواہش ہے میں تجھ سے روحانی تسکین اور وجدانی راحت مانگتا ہوں، چاہے میرے جسم کو زخموں سے چور چور اور میرے بدن کو درد و کرب سے معمور کر دے۔ مگر میرے سینہ کو

اپنے نور سے بھر دے۔ اور میرے دل کو اپنی سوز و تپش کا گلخن بنا دے۔ اور ایک ایسی لذت عطا فرما کہ کیف دوام کا باعث ہو جائے۔

اے میرے حی و قیوم خدا! تو جس طرح صبح کی ٹھنڈک۔ دوپہر کی تپش، اور شام کی خموشی میں جاگتا ہے۔ اسی طرح رات کے سناٹے اور پچھلے پہر کے سکون میں بھی کبھی نہیں سوتا۔ اسوقت بھی تو جاگ رہا ہے۔ اور میری طرح اُس دور کی بجنے والی بانسری کے پُر درد نغمے تو بھی سُن رہا ہے کیسی جاں سوز آواز ہے، اور کس طرح اُسکے نغمے ہوا کے جھونکوں کے ساتھ آوارہ پھر رہے ہیں۔ چاند کی شعاعوں نے اپنی آغوش میں انکو جگہ دی۔ اور کائنات کی پُر سکون فضا میں وہ کھیل رہے ہیں، اے میرے آقا! کیا اس بانس کی لکڑی کو یہ نغمے تو نے نہیں دیے؟ دیے، اور یقیناً تو ہی نے دیئے ہیں۔ پھر میں بھی تجھ سے یہی مانگتا ہوں، میرا دل بھی اسی چیز کی تلاش میں ہے۔

وہ دیکھ شاید چکور تیری طرف آرہا ہے، اور کیسی بیتابانہ پرواز کے ساتھ آرہا ہے۔ اسکی پکار کس قدر درد انگیز اور اسکی بولی کس درجہ غمناک ہے۔ وہ کسی کی جستجو میں محو ہے کسیکی تلاش میں مستغرق ہے شاید اسی لیئے وہ اپنی ترنم آواز میں روتا اور موسیقی کے اندر صدائیں لگاتا پھرتا ہے۔ اسکا پُر سوز سینہ طلب صادق سے لبریز ہے اور اسکا دردمند دل جستجوئے محبوب سے معمور ہے اس کا عزم و ارادہ محو تلاش ہے اور اُسکے پر و بال دفف جستجو میں ہیں۔

اے میرے مالک! اس مشت خاک کو یہ نعمتیں کس نے عطا کیں؟ کیا تیرے سوا کوئی اور بھی ہے۔ بس میں تجھ سے یہی چاہتا ہوں کہ میرے دل میرے دماغ اور میری تمام حسیات و جذبات کو یکسر تلاش و جستجو بنا دے۔

خزاں کی اُداسی تو نے دور کر دی، اب بہار کا موسم ہے۔ درختوں کے زرد اور پُرانے پتے جھڑ چکے۔ نئی نئی کونپلیں پھوٹ آئیں اور خشک لکڑیاں سرسبز و شاداب ہو گئیں پھلوں کی کثرت، پھولوں کی تازگی۔ اور پتوں کی شادابی سے جنگل کا ہر درخت عروس بہار بنا ہوا ہوا کے جھونکوں سے مستانہ وار جھوم رہا ہے۔ موسمی پھولی ہوئی ہے۔ ہر درخت

مؤثر سے لدے ہوئے ہیں۔ اور ایک بیتاب طائر اپنے ماتمی ملبوس میں چیخ چیخ کر اپنے سوزِ دل کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ اپنے دردِ دل اور سوزِ باطن سے مجبور ہے، اسکو ایک جگہ قرار نہیں، وہ نہ معلوم کسکے لیئے اِدھر سے اُدھر دیوانہ وار اُڑتی پھرتی ہے، اور فضا میں اپنی بیتابانہ فریاد و فغاں کو نغمے بنا بنا کر چھوڑتی ہے، مگر ہوائے بخت گل کیطرح اُنکو برباد کر دیتی ہے۔

اسکے سر پُرشور میں کچھ خبر نہیں کسکا سودا ہے۔ اور اسکا سینہ و دل نہ جانے کسکے غم میں اسقدر تپاں ہو کہ اسکے آتشین نغمے انسانی سامعہ کو پھونکے ڈالتے ہیں، یہ اندوہگین صدائیں، یہ جگر خراش نالے اور یہ دردناک فریادیں بھلا اس کالی کوئل کو تیرے سوا کون دے سکتا ہے، پھر اے غریب مسافر کی بپتا سننے والے آقا! میں بھی تجھسے یہی مانگتا ہوں میرے دل کو آتشِ غم سے پھونک ڈال، میرے جگر سے خونابۂ الم جاری کر دے، میرا سینہ سوزشِ پنہاں سے جلکر کباب ہو جائے، لبوں کو پیمانۂ خار بنا دے، اور آنکھوں سے بحرِ غم کا طوفان متلاطم کر دے۔ یعنی سر میں سودا، دل میں درد، آنکھوں میں نیاز، اور سینہ میں سوز و تپش اور خلش و اضطراب کا ایک ہنگامہ بپا کر دے۔

لیکن اے مسکین نواز آقا! یہ التماسِ غم، یہ التجائے درد اس لیئے نہیں کہ تو مجھے غمِ روزگار کی خستہ حالیوں سے اور زیادہ درد و تکلیف میں مبتلا کر دے، میں تو اُس غم کی سوزش تجھسے طلب کرتا ہوں جسکو تو محبوب رکھتا ہے، اور اُس درد کی بیتابی کا آرزومند ہوں جو اپنے بندوں کے لیئے تو پسند کرتا ہے، ورنہ یوں تو اے ربّ العباد! غمِ روزگار کی اب بھی کوئی کمی نہیں، پہلے ہی سے تو نے وہ کچھ دے رکھا ہے کہ اب اُسکی زیادتی کے خیال سے بھی بیکسی کی روح لرز جاتی ہے۔ کیونکہ پہلے ہی سے میری زندگی درد و غمگینی کی داستانِ عبرت اور میری حیاتِ بےچین و سکینی کا مرقعِ الم ہے۔ میرے دن راحت و آرام سے نا آشنا اور میری راتیں عیش و مسرت سے محروم ہیں، مجھے سکونِ خاطر کا کبھی ایک لمحہ نصیب نہ ہوا، اور فراغ

وہ بھی کی ایک پوری رات بھی مجھ پر نہ گزری ۔

چاندنی راتیں ہمیشہ آتی ہیں۔ اور اپنی رعنائی سے ہر دل کو مسرور کرتی ہیں نسیم صبا کے عطر بیز جھونکے ہمیشہ چلتے ہیں، اور پھولوں کی طرح دلوں کو بھی شگفتہ کر دیتے ہیں مگر آہ مجھ بدنصیب کے لیے اسمیں بھی کوئی سامان مسرت نہ نکلا میں نے شام کی سہانی گریہ محرومی کے ساتھ پذیرائی کی اور صبح کی خموشی کا ہمیشہ گداز درد سے استقبال کیا میرا دل غم کی فراوانی سے کبھی خالی نہوا۔ اور میری روح فراغت و اطمینان کے لیے تڑپا کی، ناکامی و نامرادی نے میرا کبھی ساتھ نہ چھوڑا، اور دکھ کی دردمندی سے مجھ کبھی نجات نہ ملی ۔

لیکن میں اس حالت پر بھی ہمیشہ اس خیال سے قانع رہا۔ کہ شاید بیکسی کا انتہائی منظر اور نامرادی کی آخری تصویر کی تکمیل کے لیے تو نے مجھ کو چن لیا ہو، پھر مجھے کیا ضرور کہ اپنے مالک کی مرضی کے خلاف نالہ و شیون کروں ۔ تو نے جیسا بنا دیا۔ اُسپر راضی اور تو نے جو کچھ دیدیا اُسپر قانع اور خوش ہوں تو مالک ہی اور آقا ۔ تیری بخشی ہوئی دلگیری، اور عطا کی ہوئی مسکینی یہ بھی کیا کم ہے ۔ مگر ہاں ۔ کبھی کبھی اس خیال سے جی اُداس ہو جاتا ہے ؎

کہیں کہیں نہ عدو دیکھکر مجھے ناشاد
یہ اُسکا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں

و رضا ے خدائے رحمٰن و رحیم! تیری ہی و قائم ذات کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ کبھی آجتک میں نے اپنی محرومیوں کی کسی سے شکایت نہیں کی ۔ اور کیونکر کرتا مجھے کیا حق تھا، ایک عصیاں کار معصیت شعار ہستی کو یہ حوصلہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ تیری مرضی میں دخل دے تو آقا ہے اور میں غلام جو ڈالدیا وہ اٹھا رہا ہوں، اور جو ڈالے گا وہ اٹھاؤنگا ۔

شکایت نہیں کرتا، مگر اے بے نیاز مالک! اگر میں تیرے انعام و اکرام کا مستحق نہ تھا تو ذلت و مسکنت کا احساس کیوں عطا کیا تھا۔ سینہ میں ایسا غمناک دل کیوں دیا تھا

اور سب سے بڑھکر یہ کہ راحت کے بعد کلفت اور عیش کے بعد تکلیف کیوں دی ہے۔ مگر نہیں میں تجھکو الزام نہیں دیتا۔ میں نے اپنے تئیں تیرے افضال و عنایات کا اہل ثابت نہیں کیا اسی لیئے تو نے اپنی نظر لطف میری طرف سے پھیر لی،

مگر خداوندا! اب میں اس "حوبعد الکوز" سے پناہ مانگتا ہوں اور وہ طلب کرتا ہوں جو ہر طلب کرنیوالے کو تو عطا کر دیتا ہے۔ یعنی اے غفور الرحیم! میں تجھسے صرف مغفرت مانگتا ہوں۔ طاعت اور بندگی تو سبھی لاتے ہیں۔ اور زہد و عبادت تو سبھی کی تو قبول کر لیتا ہے میرے ہاتھ خزاں رسیدہ درخت کی طرح خالی ہیں۔ میں تو صرف ندامت و نیازمندی لایا ہوں۔ آنکھ کے آنسو، سر کی فتادگی اور دل کا خوف تیرے حضور لیکر حاضر ہوا ہوں۔ اب چاہے تو رد کر یا قبول، مجبور بندہ ہوں، تیرے آستانہ کرم سے ہٹ کر کہاں جاؤں؟ کیا تیرے سوا کوئی اور دروازہ بھی ہے؟

یوسف نے آل یعقوب کی بداعمالیوں سے چشم پوشی کر لی۔ اور بجا عنایات مرحمت کے عوض انکو نہال کر دیا۔ تو یوسف نہیں بلکہ اسکا آقا ہے۔ کیا تو میری بدکرداریوں سے چشم پوشی نہ کرے گا؟ اور میری ندامت و شرمندگی کو رد کر دے گا؟

نہیں اے مالک! ایسا نہ کر۔ اور میری امیدوں کو نہ توڑ۔ میری خستگی پر کرم فرما۔ اور اس کھلی ہوئی چاندنی۔ جگمگاتے ہوئے تاروں، اور ان چلنے والی ٹھنڈی ہواؤں کے سامنے اب اور زیادہ خجل و رسوا نہ کر۔ اور اپنے عاجز بندے کو ناشاد و نامراد نہ پھیر۔ میری خطاؤں کو نہ دیکھ، اپنی شان عطا پر نظر رکھ! اور میرے غمگین دل کو قبولیت کی تسکین عطا فرما۔

بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن — بر جان و دل اسیر من رحمت کن
بر پائے خرابات رہ من بخشائے — بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

عارف ہسوی

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

کیسا پرکیف تھا وہ جامِ وحدت۔ بھوٹک عرب کی بنی ہوئی صراحی میں چھلکا۔ اور ہر آنکھ کے سامنے اسی کے رنگ میں نمودار ہوا۔ پیاسوں نے شربت سمجھا۔ بھوکوں نے ماں کا دودھ پردیسیوں کے لیے نرم ہوا۔ مریضوں کے واسطے آبِ حیات۔ ایک ہی شئے ایک ہی ارشاد ایک ہی بات مگر قابلِ داد ہے وہ سینا جس نے ایک ہی دور میں سب کو سیراب کر دیا۔ کہیں موتی نکلے۔ کہیں سادہ پانی۔ کہیں عشقِ صادق کہیں مے ارغوانی۔ یہ پیامِ ربانی اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ تھا جو انسانی گود میں فرشتہ کی زبانی عاشق کی طرف سے معشوق کو پہنچا۔

خدا مولانا کو دیکھنا کیا فرما رہے ہیں:۔

(۱) مشرکو! قبروں کو پوجتے ہو۔ رسول کے واسطے خدا کا صریح فیصلہ موجود ہے ہم تم جیسا انسان۔ حج کو جاؤ شوق سے عرفات کرو ذوق سے۔ مگر مدینہ کیسا۔ وہاں دھرا کیا ہے مسلمان ہو کر انسان کی پرستش کرتے ہو۔ قبر کی۔ چونہ منی کی۔ شرک کفر۔

واعظ بھی کچھ کہہ رہا ہے:۔

(۲) کیا بے نیازی ہے اپنا رسول ہمارے برابر کر دیا۔ واہ رے اپنے بندوں کا عشق۔ کوئی فرق ہی نہ رکھا۔ رکھا تو فقط دعوی کا۔ باقی جو ہم سو وہ۔ صدقے اس کبریائی لعنت شعار اس شانِ خدائی کے۔ اس سے زیادہ۔ اس سے بڑھکر بندوں کی محبت کا ثبوت کیا ہوگا۔ عبادت شرط ہے جو رسول کے درجے وہ ہمارے ..... اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اسکی تقدیر۔

شوہر ماتھے پر پڑا ساگٹہ۔ ٹخنوں سے اونچا پاجامہ۔ منڈا ہوا لبیں اڑی ہوئی ڈاڑھی ڈیڑھ بالشت سے بھی آگے گھٹنوں سے نیچا کرتہ۔ دونوں طرف جمعیں بیوی سے کہہ رہے ہیں:۔

آج آخری چارشنبہ ہے۔ محلہ بھر میں کیا شہر بھر میں گھنگنیاں ہو رہی ہیں۔ رسول اللہ کا غسل صحت ہے۔ افسوس اس عقیدے پر۔ اور لعنت اس شرک پر۔ خبردار! ہمارے ہاں کبھی گھنگنیوں کا حصہ نہ آنے پائے۔ کمبخت مسلمان ہو کر مشرکوں سے بڑھ گئے۔ روزے رکھو نماز پڑھو۔ حج کرو۔ خیرات دو۔ مگر یہ نذر نیاز قطعی حرام۔ یہ گھنگنیاں سانپ بچھو بن کر بدن پر لپٹیں گی۔ پاک پروردگار تو یہ کہے کہ رسول بھی تم ہی جیسا انسان ہے۔ میرے سوا کسی کو نہ پوجو۔ مگر ہم خدا کو بھول کر دوسروں سے محبت کریں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

---

(۳) میں پہلے حنفی تھا۔ دنیا بھر کی بدعتیں کرتا تھا۔ اور میرے گھر میں ہوتی تھیں۔ گیارہویں کی نیاز۔ محرم کا شربت۔ ختم خواجگان۔ مولود شریف۔ کون سا شرک تھا جو مجھ سے سرزد نہ ہوا مگر خدا بھلا کرے مولوی عبدالوہاب صاحب کا کہ مجھ کو اس گمراہی سے نکالا۔ اور اہل حدیث بنایا۔ آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ یہ سب ملانوں کے ڈھکوسلے اور پیٹ کے دھندے ہیں۔ کیونکہ نذر نیاز اور کسکی گیارہویں۔ ستر ہویں۔ سب گناہ اور گناہ بھی کبیرہ۔ یک لخت ترک کیا۔ اور بحکم رسول زندگی بسر کرنے لگا۔ تعجب ہوتا ہے کہ لوگ غیر صاحب کو یا رسول اللہ کہتے ہیں۔ افسوس یا تو بسوائے خدا کے کسی اور کو جائز نہیں سمجھتے پھر بھی مجھے ہنسی آتی ہے ان مسلمانوں پر جو کہنے کو مسلمان مگر خدا اور اسکے رسول کو چھوڑ کر اماموں کی پیروی کریں۔ اور دوسروں کو غیر مقلد کہکر مضحکہ اڑائیں۔ روحانیت کے اعتبار سے میری زندگی کا یہ حصہ نہایت مطمئن ہے۔ خدا سب مسلمانوں کو شرک کی گمراہی سے نکالے۔ توحید کے رستہ پر ڈالے۔ اور وہ سمجھیں کہ رسول تو صرف اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہے۔

آپ برسوں اہلحدیث رہے حنفیوں کو نہایت نفرت سے دیکھا۔ علما کی صحبت کا ہمیشہ شوق رہا۔ چمڑے کا کاروبار ہے۔ گھر سے خوشحال ہیں۔ بیویاں ایک چھوڑ تین تین موجود اور سب صاحب اولاد۔ مگر کیا مجال جو شوہر کے ساتھ فوراً تبدیل مذہب کر لیں۔ ایک بزرگ کی صحبت میں چند روز رہ کر اپنے عقیدے کو سلام کیا۔ اور صوفی ہو گئے۔ قوالی میں مزا اور رنج میں لطف آنے لگا۔ سن ساٹھ سے تجاوز۔ مگر ادھر مؤذن نے مغرب کی اذان دی۔ اور ادھر یہ کسی طوائف کے مکان پر جا پہنچے۔ گانا سنا۔ بہار دیکھی۔ ہنسے بولے اُچلے کودے۔ اور چلے آئے۔ دفعتہً خیالات نے پلٹا کھایا۔ ایک اہل قرآن کا وعظ سنا۔ اہلحدیث رہے نہ صوفی۔ سب چھوڑ چھاڑ اب اہل قرآن ہیں۔ کیسا رسول۔ کسکا رسول۔ جب خدا موجود ہے تو ہم رسول کو کیا جانیں۔ قرآن ہمارے سامنے ہے۔ اور ہمارے واسطے کافی۔ ہمکو حدیث کی ضرورت کیا۔ اور حدیث ہے کسکی؟ اُسی کی جو ہمارے ہی جیسا۔ افسوس۔ افسوس +

پیغام ربانی سیدھا ہے۔ زبان کا چکر ہے نہ محاورے کا الٹ پھیر۔ گنتی کے چار لفظ ہیں۔ "اے پیغمبر کہہ کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں"۔ راز ہے نہ نیاز استعارہ ہے نہ تشبیہ۔ مگر قربان جایئے اس سینما کے جس نے ہر شخص کے سامنے اسکے مطلب کے جواہرات ڈالدیئے۔ یہ ہے وہ جام جہاں نما جس میں ہر شخص کو اپنی صورت اپنی خواہش کے مطابق نظر آنے لگی۔ حسینوں نے چاند سے مکھڑے دیکھے حبشیوں نے بھونڈی شکلیں +

مولانا! عالم ہو نائب رسول ہو۔ عقل پر زور دو۔ کیا فرما رہے ہو "مدینہ میں کیا دھرا ہے"۔ وہاں محبوب ذوالجلال رحمۃ اللعالمین کی نواگاہ ہے۔ اور وہ دولہا بستر استراحت پر ہے۔ جس کے اطوار و عادات اور رفتار و گفتار کے سدا بہار پھول آج تمام روئے زمین پر کھل رہے ہیں۔ جس منہ سے خدا کو پہچانا۔ مسلمان بنے۔ انسان ہوئے اور

خدا کو خدا کہنے کے لائق۔ اس سے فرنٹ ہوتے ہو۔ احسان فراموشی۔ بہت دہریہ ہو گئے ہو
اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کے ساتھ یُوْحٰی اِلَیَّ۔ پر تو نظر ڈالیئے۔ تمام بشریت کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس
ایک ہی بات نے دنیا بھر کے صفات کا مجموعہ اُس ذات میں پیش کر دیا۔ وہی معمولی بات
نہیں ہے۔ یہی ایک فرق کیا تھوڑا ہے۔ اسپرنگ کے نکات تو کلیجہ توڑ دینگے۔ سمجھو گے تو چیخ
اٹھو گے۔ اور سمجھ لو گے تو بلبلا جاؤ گے۔

سرورِ دو عالم کی تشریف آوری کا وقت وہ تھا کہ بت پرستی گھر گھر اور گلی گلی
میں موجود تھی۔ اس واقعہ کو ملحوظ رکھو کہ انسانی دنیا رسالت مآب سے پہلے یہ دھوکا کھا چکی تھی
کہ ہر مذہب کا بانی بالآخر تشنی کرتے کرتے اُسکا خدا ہو گیا۔ اور قادر ذو الجلال کی ہستی
قطعاً ختم ہوئی۔ اور تمام اختیارات سلب ہو گئے۔ خدائی کا سہرا ہادی عرب کے سر بندھ
گیا۔ عرب کے جہلاء اور وہ جہلاء جن میں ہر قبیلہ کا خدا جدا۔ ہر خاندان کا معبود الگ
ہر شخص کا بت علیحدہ۔ اس لغزش سے کس طرح محفوظ رہ سکتا تھا جس پر اسلام کی ابتدائی
ایسا واقعہ تھا کہ جو ایمان لانے والے تھے اُنکو خدا کی ضرورت ہی کیا تھی جس پر ایمان لائے
جس نے اندھیرے سے نکالکر اُجالے میں۔ اور جنگل سے نکالکر چمن میں پہنچا دیا وہ ہی کافی
خدا تھا۔ یہ واقعات زبردست قدرت والے خدا سے پوشیدہ نہ تھے اور جہاں اسلام
کی سچی تلقین مقصود تھی وہاں اپنے حبیب کے دامن پاک کو ہی اس ناپاکی سے بچانا منظور
اب فرمایئے۔ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کیا معنی رکھتا ہے۔

واعظ یہاں کچھ نہ سمجھے۔ کیسا شرک۔ کسکا کفر۔ بہت موٹی بات ہے۔ خدا کی خدائی سب حق
سمجھتے ہو۔ رسول کی رسالت پر آمنا کہتے ہو۔ اور پھر ایسی لچر بات زبان سے نکالتے ہو سنو
اور سمجھو۔ کبھی کسی کی دعوت کی ہے؟ ضرور کی ہو گی۔ عمر بھر کھائیں تو ایک آدھ نہ کھلائی بھی ہو گی

کیسی کیسی تیاریاں کی ہیں۔ روغن دال کھاتے ہو۔ اُس روغن سالن اور سالن ہی پر بس نہیں پلاؤ اور پلاؤ کے ساتھ زردہ بھی ضرور ہوگا۔ غرض مہمان کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ چھوڑا نہ ہوگا۔ یہ تو تمہاری مہمان نوازی ہے۔ اور اپنے ہی جیسے انسان کی۔ جس میں کوئی بات تم سے زیادہ نہیں۔ محبت کا بدلہ ہوگا یا ضرورت کا تقاضا۔ مگر اُس قلب پاک کا اندازہ کرو جو آلایش دنیوی سے صاف ہو رہا ہے۔ اور اس آنیوالے مہمان کلام ربانی کے استقبال کو تیار ہوتا ہے۔ عالم ہو۔ اتنا تو بتاؤ۔ کسی کتاب سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے نکاح کے بعد سے چالیس برس کے سن مبارک تک کیا گیا۔ اور کس طرح بسر کرتے تھے۔ مولوی صاحب! یہ وہ وقت ہے کہ آپ دل کو دنیوی کدورتوں سے بالکل پاک فرما رہے ہیں اور کسی منغص کو خبر نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ کے اس زمانہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ جب وہ یوسف بڑھئی کے ہاں کام کر رہے تھے۔ اسیطرح ہمارے سرکار کے ان ایام کا حال راز سربستہ ہے۔ جو کسی سے نہ کہلا۔ اور نہ کہل سکتا ہے۔ ہر وقت مغموم ہر حال میں خاموش۔ ہمیشہ گم سم۔ کسی نے کوئی بات کی۔ آہستہ سے جواب دیدیا۔ اور بس۔ صرف پہاڑوں کا منظر اور گوشۂ تنہائی۔ کھانے کی سُدھ نہ پینے کا ہوش۔ دو دو تین تین چار چار روز متواتر شاہنشاہ حقیقی کی یاد ہی میں سرشار ہو رہے ہیں۔ اور دل مکروہات دنیوی سے نفرین کر رہا ہے۔ ایک موقع ایسا آگیا کہ کامل آٹھ روز تک ایک غار میں روتے رہے۔ لوگ ڈھونڈتے پھرے ہیں۔ مگر پتہ نہیں لگتا۔ جنگل بیابان میں گھڑے ہیں کہ کوئی بھولا بھٹکا آجائے تو اس سے پوچھیں۔ دفعتہً ایک گدڑیا نظر آگیا۔ بیتاب ہو کر پوچھا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے کیا خبر۔ کون محمدؐ۔ مگر ؎

این قدر دانم کہ اندر تیرہ غار　　زار می نالد کسے لیل و نہار

می کند باگریہ ہر ساعتے　　نالۂ یا امتی! یا امتی!

یہ ہے وہ دل جو کلام اللہ کی مہمان نوازی کے لیئے تیار ہوا۔ کیوں مولانا! کیا تمہاری بشریت بھی ایسی ہی ہے؟ +

بھائی اہلحدیث! اور میاں اہل قرآن! تمہارا ارشاد سر آنکھوں پر۔ لیکن اتنا تو غور فرمائیے کہ معمولی انسان اور رسول میں جو امتیاز ہے وہ تو ظاہر ہے۔ مگر جو قلب اس قابل تھا کہ اُس بوجھ کو سہار گیا۔ جس کے اُٹھانے کی پہاڑوں۔ آسمانوں اور زمینوں میں بھی طاقت نہ تھی۔ اُسکو انا بشر مثلکم ہی کہنا زیبا تھا۔ اور اشد ضرورت یہ تھی کہ جب تک یہ الفاظ زبان مبارک سے ادا نہ ہوتے۔ انسان رجوع کامل کر ہی نہ سکتا تھا۔ ظہور معجزات۔ عبادات عنایات۔ خلق و کرم صبر و تحمل۔ غرض ہر صفت حد تکمیل سے متجاوز تھی۔ اور ایمان لانیوالے علی الاعلان کہہ رہے تھے کہ یہ اوصاف انسانی نہیں ہیں۔ یمن سے دو شخص جو بڑے عالم تھے۔ توریت و انجیل پر پورا عبور رکھتے تھے۔ پیشین گوئیوں سے باخبر تو پہلے ہی ہو چکے تھے۔ مگر جب حضورؐ کے حالات کا چرچا سُنا تو بیتاب ہو کر آئے۔ مکہ کے بازاروں میں۔ اِدھر اُدھر دیکھتے بھالتے پھر رہے ہیں کہ سامنے سے ایک شخص نمودار ہوا۔ اُس کے ساتھ دشمنوں کا ایک غول ہے۔ لڑکوں کی بھی کمی نہیں تالیاں بجا رہے ہیں۔ پتھر پھینک رہے ہیں۔ مگر وہ اپنے خیالات میں مستغرق۔ کچھ نہیں دیکھتا۔ یہ جانی دشمن اذیت دینے میں کمی نہیں کر رہے۔ ایک شخص کا پتھر سر مبارک پر آکر لگا۔ خون بہنے لگا۔ آپنے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ اِن پر رحم کر کہ انہوں نے ابھی مجھکو پہچانا نہیں۔ دونوں کے دونوں یہ رنگ دیکھکر دنگ رہ گئے۔ ایک دکاندار سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ وہ مسلمان تھا آنکھ میں آنسو بھرے ہوئے رو کر کہا:۔

ھٰذا مُحَمَّدٌ

دونوں کی آتش شوق بھڑک اُٹھی۔ دیوانہ وار آگے بڑھے۔ اور بآواز بلند کہا:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

مولٰنا! یہ تھیں وہ حالتیں۔ جنسے احتمال تھا کہ انسانی دنیا پوری طرح رجوع نہ کر سکے۔

اسلیئے ضرورت یہ تھی کہ ہمارے اور حضورؐ کی ذات پاک میں ایک جنسیت ہو۔ اور جبتک دو چیزوں میں جنسیت نہو میل جول ہو ہی نہیں سکتا ع

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

اس جنسیت کو پیدا کرنیکے واسطے کلام اللہ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا۔ لیکن بندہ نواز یہ تو ملاحظہ فرمایئے۔ کہ بشریت ہی ایک شئے کثیف اور فرشتے نہیں لطیف۔ مگر یوحیٰ الیّ کے معنی کیا ہیں؟ وحی کے الفاظ ظاہر ہیں۔ مگر یہ وحی کسکے ذریعہ سے آتی تھی؟ فرشتہ لطیف ہونے کے باوجود کثیف شئے کے پاس کیوں خدا کا پیغام لائے۔ انّما بشرٌ سے انکار تو کفر ہے ہمارے ہی جیسے انسان ضرور تھے۔ یہی دو آنکھیں۔ یہی دو ہاتھ پاؤں۔ یہی ناک کان۔ مگر رسول برزخ ہے فرشتے اور انسان کے مابین ؎

ہو بہر مخلوق میں شامل و ہر اسے واصل
خواص اس بزخ کبریٰ میں تلحرف مشدد کا

اگر انا بشرٌ مثلکم کہکر دل نہ بڑھا دیتے تو انکے اسوۂ حسنہ کی تاکید کس طرح فرما سکتے مگر اسکے یہ معنی لینے اور ایسی تلقین کرنی جسکا نتیجہ الٹا ہو یقیناً احسان فراموشی اور غلط گمراہی ہے ؎

رشید الخیری

پُرتاثیر خطیب

اخبار منبر کے اُردو خطیب کے خطبے سنو جو ہر ہفتے دین و دنیا کی بھلائی کے پُرتاثیر وعظ سناتا ہے اردو زبان اسکے نرالے بیان پر جو مرتی ہے۔ کہنے سے پہلے راستے اس خضر کے سامنے ہاتھ باندھے چلے آتے ہیں۔ مشہور اخبار رسالہ نظام المشائخ کے دفتر سے نکلتا ہے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے مضامین زیادہ تر چھپتے ہیں۔ چندہ سالانہ عہ شش ماہی عہ۔ سہ ماہی ۱۳ خریداران نظام المشائخ سے سالانہ عہ شش ماہی عہ۔ سہ ماہی ۱۱ نمونہ مفت المشتہر منیجر خطیب دہلی

۷۸

حضرت مصعب بن عمیرؓ

داعی یثرب

(گزشتہ سے پیوستہ)

یثرب میں مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہوگئی، اور اب دوسرا فرض بھی عاید ہوگیا۔ حضرت مصعبؓ نے دربار نبوت سے اجازت حاصل کرکے حضرت سعد بن خیثمہ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نماز جمعہ کی بنیاد ڈالی، پہلے کھڑے ہوکر ایک نہایت موثر خطبہ دیا، پھر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھائی، نماز کے بعد حاضرین کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الٰہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادران اسلام کو باہم بغلگیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تحریک سے یثرب میں قائم ہوگیا[1]۔

مدینہ منورہ کا پہلا جمعہ قائم کرنا

یثرب مدینۃ النبی بننے کی طرف پہلا قدم

مکہ کی سرزمین جس ودیعت کے بارگراں اٹھانے سے ۱۲ برس تک عاجز رہی، یثرب کی ارض مقدس نے ایک سال میں اسکو اٹھالیا، اسلام امن وامان کے ایک آشیانہ کا جویاں تھا جو ابراہیم خلیلؑ کے معبد میں میسر نہ آیا، خداوند ذوالجلال نے اسکے لئے یثرب کی خاک کو تاکا، آنحضرت صلعم کے رویائے صادقہ نے گویا اسے مرکز کی بشارت دی تھی جو نخلہائے گراں بار سے محیط ہے، تاہم اس خواب کی تعبیر حضرت مصعب کے دست سعی میں پنہاں تھی، انہوں نے صرف ایک برس کی کوشش میں اسلام کے لیے ایسا مرکز تیار کردیا جس نے یکایک تاریخ اسلام میں انقلاب عظیم برپا کردیا، اور اب یثرب، یثرب نہیں مدینۃ النبی بن رہا ہے،

---

[1] طبقات ابن سعد ق، جلد ۳ صفحہ ۸۳ [2] بخاری،

عقبہ کی بیعت اولیٰ

پہلے گزر چکا ہے، کہ عقبہ کی بیعت اولیٰ میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے اپنے قلیل زمانہ تبلیغ میں تمام اہل یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال موسم حج میں ۷۳ - اکابر و اعیان کی پرعظمت جماعت اپنی قوم کیطرف سے تجدید بیعت اور شاہ امم کو مدینہ میں مدعو کرنیکے لیئے روانہ ہوئی، اس کے ہمراہ حضرت مصعب بن عمیر بھی ساتھ تھے، انہوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے حضوری میں حاضر ہوکر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی، حضور نے نہایت شوق کے ساتھ تمام واقعات سنے۔ اور انکی محنت اور جانفشانی پر غیر معمولی مسرت ظاہر فرمائی[1]

حضرت مصعبؓ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا، "اے نافرمان فرزند! کیا تو ایسے شہر میں آئیگا جس میں تیری ماں موجود ہو اور تو پہلے اس سے ملنے نہ آئے"؟ انہوں نے جواب دیا کہ "میں رسول اللہ صلعم سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا"

وہ جب رسول اللہ صلعم سے شرف ملازمت حاصل کرچکے تو اپنی ماں کے پاس آئے جس نے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب پر گشتہ ہے"۔ بولے "میں رسول اللہ صلعم کے دین برحق اور اس اسلام کا پیرو ہوں جسکو خدا نے خود اپنے لیئے اور اپنے رسول کے لیئے پسند کیا ہے"، ماں نے کہا "کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمین حبش میں برداشت کرنی پڑی، اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونوں دفعہ تم نے میری غمخواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا۔ حضرت مصعب سمجھ گئے کہ شاید پھر مجکو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلاکر بولے کہ "تم جبر اکسی کو اسکے مذہب سے پھیر سکتی ہو اگر تمہارا منشا ہے کہ پھر مجکو قید کرو تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا۔ اسکو یقیناً قتل کرڈالوں گا" ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا "بس میرے سامنے سے چلا جا"۔ یہ کہکر رونے لگی

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۸۳

حضرت مصعب اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے "اے میری ماں! میں تمہیں خیر خواہی اور محبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ خدا ایک ہے۔ اور محمد صلعم اسکے بندے اور رسول برحق ہیں"۔ اُسنے کہا "چمکتے ہوئے تاروں کی قسم میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤں گی، ہاں میں تجھے اور تیری باتوں سے باز آتی ہوں، اور اپنے مذہب سے وابستہ رہونگی"[1]

مستقل ہجرت

حضرت مصعبؓ مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت صلعم کی خدمت میں بسر کیے، اور پہلی ربیع الاول کو سرور کائنات صلعم سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کرکے مدینہ کی راہ لی، بارہ روز کے بعد مرکز اسلام مکہ سے یثرب کو منتقل ہوگیا، اور اب یثرب کا نام مدینۃ النبیؐ تھا،

عزت

اس مرکز نے جب رفتہ رفتہ تمام فرزندان توحید کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا اور نونہال اسلام مدینہ کی آزاد آب و ہوا میں حیرت انگیز نشوونما پانے لگا تو مشرکین قریش جو اب تک اس پودے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، بزور اسکی بیخکنی پر آمادہ ہوئے چنانچہ ہجرت کے دوسرے ہی برس سے حق و باطل میں خونریز معرکوں کا سلسلہ شروع ہوگیا حضرت مصعب بن عمیر رضؓ میدان فصاحت کیطرح عرصہ وغا میں بھی نمایاں رہے، غزوۂ بدر میں جماعت مہاجرین کا سب سے بڑا علم اُنکے ہاتھ میں تھا، غزوۂ احد میں بھی علمبرداری کا تمغائے شرف انہیں کو نصیب ہوا[2]،

جہاد

اس جنگ (یعنی احد میں) ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور پر مغلوب ہوکر تتر بتر ہوگئے تو اس وقت بھی یہ علمبردار اسلام یکہ و تنہا مشرکین کے نرغہ میں ثابت قدم رہا۔ کیونکہ لوائے توحید کو پیچھے کیطرف جنبش دینا اس فدائے ملت کے لیے سخت عار تھا، غرض اسحالت میں مشرکین کے شہسوار ابن قمیہ نے بڑھکر تلوار کا وار کیا۔ جس سے داہنا ہاتھ شہید ہوگیا لیکن بائیں

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۸۳ [2] ایضاً ص ۸۴،

ہاتھ نے فوراً قائم مقامی کی، اُسوقت اُن کی زبان پر یہ آیت جاری تھی،
ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ محمد ایک رسول ہیں اُنسے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں،
ابن قمیہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونوں خون آلود بازوؤں نے حلقہ کرکے علم کو سینے سے چمٹا دیا، اُس نے جھنجلا کر تلوار پھینک دی، اور اس زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی، اور اسلام کا سچا فدائی اُسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرش خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا۔ لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونیکے لیئے نہیں آیا تھا، اُنکے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے بڑھکر اُسے سنبھالا، اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے[1]۔

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت صلعم حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔ مومنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنھوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اُسکو سچا کر دکھایا،

پھر لاش سے مخاطب ہوکر فرمایا، "میں نے تجکو مکہ میں دیکھا تھا، جہاں تجسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تیرے بال اُلجھے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے"۔ پھر ارشاد ہوا " بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگے"، اس کے بعد غازیان دین کو حکم ہوا کہ کشتگان راہ خدا کی آخری زیارت کرکے سلام بھیجیں، اور فرمایا "قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روز قیامت تک جو کوئی انپر سلام بھیجے گا وہ اسکا جواب دینگے"[2]۔

اُس زمانہ میں غربت و افلاس کا یہ حال تھا کہ شہیدان ملت کو کفن تک نصیب نہوا، آہ! حضرت مصعب بن عمیر جن کا جسم نورانی کبھی دیبا و حریر کا عادی تھا وہ اس طرح رخصت ہوتے ہیں کہ صرف ایک خونناب چادر اُنکے لیئے دنیا کا آخری تحفہ ہے اور وہ بھی اسقدر

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۸۴ [2] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۸۴

مختصر کہ اُس سے سر چھپایا جاتا ہے تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپائے جاتے ہیں تو سر کھل جاتا ہے۔ بالآخر حضرت خیر الانام کے ایماء سے پاؤں پر اذخر کی گھانس ڈالی جاتی ہے[۱]، اور اُنکے بھائی حضرت ابو الروم بن عمیرؓ حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت سویبط بن سعد کی مدد سے اس پیکر قدس کو سپرد خاک فرماتے ہیں[۲]۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سبق و عبرت

جن آنکھوں نے عسرت و نادداری کا یہ دردناک نظارہ دیکھا تھا، وہ عہد تمول و فراغ حالی میں بھی اس تصویر عبرت کو یاد کرکے اشک حسرت سے تر بتر ہو جاتی تھیں، خلافت راشدہ کی فاتحانہ لڑائیوں نے گو قیصر و کسریٰ کے خزانے فرزندان توحید کے قبضہ میں کر دیئے تھے، اور روم و ایران کے زر و جواہر ریگستان عرب کے خزف ریزے تھے، تاہم جن ماؤں نے شہدائے ملت کو گھانس کا کفن دیا، وہ ان زخارف دنیا کو مس کرکے کانپ اُٹھتے تھے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ ایک متمول صحابی تھے، اُنکا تجارتی قافلہ جب مدینہ میں داخل ہوتا تھا تو تمام شہر میں غلغلہ برپا ہو جاتا تھا[۳]، لیکن آغاز اسلام کی عسرت و تنگ حالی نے مرقع عبرت بنکر اُنکو کبھی اس دولت بے پایاں سے لطف اندوز نہ ہونے دیا، وہ ایک دفعہ روزہ سے تھے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار عسرت ماضیہ کی یاد تازہ ہوگئی، بولے "مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، حمزہؓ بھی اسی طرح شہید ہوئے جو مجھ سے اچھے تھے لیکن اب دنیا ہمارے لیے کشادہ ہوگئی ہے۔ اور ہمیں ایسی ایسی نعمتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں، ہمکو ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کے معاوضہ میں عجلت کی گئی" اسکے بعد اسقدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا[۴]۔ (معارف)

---

[۱] بخاری باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ [۲] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۰۳ [۳] اسد الغابہ تذکرہ عبد الرحمن بن عوف، [۴] بخاری باب غزوہ احد۔

نماز تہجد

اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۹)

اے پیغمبر! آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشا کی) نمازیں پڑھا کرو اور نماز صبح بھی کیونکہ نماز صبح کا وقت نور ظہور کا وقت ہے اور رات کے ایک حصہ میں نماز تہجد بھی پڑھا کرو۔ اور نمازیں تو فرض ہیں اور یہ تمہاری نماز نفل ہی عجب نہیں کہ اسکی برکت سے تمہارا پروردگار قیامت کے دن تم کو مقام محمود میں پہنچائے،

حدیث شریف میں وارد ہے جبلت القلوب علی حب من احسن الیہ اسلیم النظر انسان اپنے سینہ کے آئینہ کو کینہ کے غبار سے پاک و صاف رکھتا ہے۔ اسکی عادت میں داخل ہے کہ جو شخص اسکے ساتھ نیکی کرے وہ اسکے ساتھ محبت کرتا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے حد و لاتعد احسانات ہیں۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ پس اس سے بڑھکر کون محسن ہو سکتا ہے اور اس سے زیادہ کون سزاوار محبت و اطاعت ہو سکتا ہے اسلام نے محسن حقیقی کی محبت و اطاعت کے لیے نماز مقرر کی ہے اور آیۂ مجیدہ مذکورۂ بالا میں اسکے اوقات بتلائے ہیں جو پے در پے آنیوالے ہیں۔ اور اسمیں حکمت یہ ہے کہ ایک نماز کے پڑھنے سے ابھی روحانیت کا اثر باقی ہو کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ بلاشبہ نمازوں کے اوقات اشغال دنیا میں اسطرح آتے رہتے ہیں کہ جو شخص پابند صلوٰۃ ہو اور حضور قلب سے نماز پڑھے۔ ممکن نہیں کہ اسکا دل کسی وقت بھی یاد حق سے غافل ہو۔ پانچ نمازیں فجر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشا تو فرض ہیں۔ مگر عباد الرحمٰن آٹھ نمازیں پڑھتے ہیں یعنی علاوہ

پانچ مکتوبہ نمازوں کے اشراق۔ ضحیٰ اور تہجد بھی بالالتزام ادا کرتے ہیں۔ اللہ جل علانے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز تہجد کی طرف خصوصیت سے متوجہ فرمایا ہے۔ اور اسی کی برکت سے مقام محمود میں پہنچانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس مضمون میں ہم نماز تہجد کے متعلق اختصار کے ساتھ لکھیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ ۔

تہجد کے معنی ہیں نیند کو ہٹا کر کھڑا ہونا۔ اس بنا پر رات کو سو کر اٹھے پیچھے جو نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسے تہجد کہتے ہیں۔ تہجد کے فضائل بے شمار ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے:۔

ان ناشئۃ الیل ھی اشد وطأ	بیشک رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور بات
واقوم قیلا (پ ۲۹ س مزمل ع ۱)	بھی خوب دل سے نکلتی ہے

عباد الرحمٰن کی مدح میں حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:۔

والذین یبیتون لربھم سجدا	اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو راتوں کو
وقیاما (پ ۱۹ س الفرقان ع ۴)	اپنے پروردگار کے آگے سجدے کریں اور دست بستہ
	کھڑے رہیں۔

متقین کے اوصاف میں وارد ہے:۔

کانوا قلیلا من الیل ما یھجعون	پرہیزگار عبادت میں مشغول رہنے کے سبب رات
وبالاسحار ھم یستغفرون ۔	کو بہت ہی کم سوتے تھے اور صبح سویرے اپنے
(پ ۲۷ س الذاریات ع ۱)	گناہوں کی معافی مانگا کرتے تھے۔

بار نبوت اٹھانے میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو گوناگوں تکالیف کا مقابلہ کرنا تھا اور تکمیل خلق اللہ کی بنا پر مشکل واہم فرائض ادا کرنا تھا اسی بنا پر حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو مزمل کے تلطف آمیز نام سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ ہم عنقریب تبلیغ رسالت کے فرائض تمہیں تفویض کرنے کو ہیں۔ اس لیے تم کو کپڑا اوڑھ کر سوتے اور ساری رات اسی عالت

میں بسر کرنے سے متنبہ کیا جاتا ہے۔ ساری رات خواب میں نہ گزارنا بلکہ کچھ حصہ رات کا دعا اور نماز کے لیئے مختص کرنا:۔

یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا

(پ ۲۹ س المزمل ع ۲)

اے پیغمبر! تم جو دمی کی ہیبت سے چادر لپیٹے پڑے ہو رات کے وقت نماز میں کھڑے رہا کرو۔ وہ بھی ساری رات نہیں بلکہ ساری رات سے کم یعنی آدھی رات یا اس میں سے بھی تھوڑا سا کم کر لیا کرو۔ یا آدھی رات سے کچھ بڑھا دیا کرو۔ اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بڑے بھاری حکم یعنی تبلیغ رسالت کا بوجھ ڈالنے کو ہیں تو اپنے تئیں ریاضت کا خوگر کرو بیشک رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے۔ اور اسوقت دعا بھی ٹھیک دل سے نکلتی ہے اور دن کے وقت تو تم کو وعظ و نصیحت میں بڑا مشغلہ رہا کرے گا۔ اور اپنے پروردگار کا نام لیتے رہو اور سب سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہو"۔

غور کرو کہ قیام لیل کو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر فرض کر کے امت مرحومہ کو تعلیم و تلقین کی گئی ہے کہ رات کے وقت کو انتشار روحانیت اور جذب برکات یزدانی کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اور اسکی وجہ وہ تنہائی و سکون قلب ہے جو رات کی خاموشی اور علیحدگی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

آیاتِ مرقومہ بالا میں حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ اور تقرب الی اللہ حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر ہدایت خلق اللہ کا ارشاد ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (پ ۲۹ س المدثر ع ۱)

اے کپڑا اوڑھنے والے! اُٹھ لوگوں کو ڈرا

غور کرو پہلی شق مرتبہ کمال اور دوسری شق مرتبہ تکمیل کے متعلق ہے۔ گویا مرتبہ کمال کو مرتبہ تکمیل پر مقدم رکھا۔ جسکے یہ معنی ہیں کہ تکمیل خلق اللہ کے رتبہ و پایہ پر متمکن ہونے سے پہلے اکتساب کمال ضروری ہے۔

صحیح بخاری میں اخیر رات کی فضیلت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس کا ملخص حسب ذیل ہے:۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب
صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل	رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ	کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جس وقت رات کا اخیر
الی سماء الدنیا حین یبقی	تیسرا حصہ رہ جاتا ہے پہلے آسمان پر اترتا ہے اور
ثلث اللیل الاخر یقول من یدعونی	فرماتا ہے۔ کون مجھے دعا مانگتا ہے میں قبول کروں
فاستجیب لہ من یسالنی فاعطیہ	کون مجھ سے سوال کرتا ہے میں دوں کون مجھ سے بخشش
من یستغفرنی فاغفرلہ،	چاہتا ہے۔ میں اُسے بخش دوں۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:۔

ان فی اللیل ساعۃ لا یوافقہا	رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر مسلمان بندہ
عبد مسلم یسال اللہ تعالیٰ خیرا	اسکے موافق پڑ جاتا ہے تو حق سبحانہ وتعالیٰ سے جو
من خیر الدنیا والاخرۃ الا	دینی و دنیوی بھلائی مانگتا ہے دیا جاتا ہے اور وہ ساعت
اعطاہ ایاہ وذلک کل لیلۃ۔	کسی رات کے لیئے خاص نہیں ہے بلکہ ہر رات میں ہوا کرتی ہے

اول شب سو رہنے کے بعد قیام نماز کے لیئے اٹھنا موجب جذب برکات یزدانی ہے تہجد گزار عابد انسان کے دینی و دنیوی کام درست ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جمیع مشاکل پر غالب آتا ہے صحف انبیاء اور آثار اولیاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات کو تہجد پڑھنا دوزخ سے نجات کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اُن کی والدہ ماجدہ نے وصیت کی

تھی۔ بیٹا! رات کو بہت نہ سونا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے آدمی قیامت کے دن محتاج ہوگا۔ ایک بزرگ کی عادت تھی کہ جب دسترخوان بچھتا تو لوگوں سے کہتے بہت نہ کھانا۔ نہ پانی بہت پیو گے اور تمام رات خواب غفلت میں پڑے رہو گے اور بہت سو گے تو قیامت کے دن کف حسرت ملو گے۔ حضرات صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ درویشی و فقیری کا دارومدار تمام تر تین باتوں پر ہے:۔

(۱) کم کھانا۔

(۲) کم سونا۔

(۳) کم کلام کرنا۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نماز تہجد کے نہایت شدت کے ساتھ پابند تھے۔ چنانچہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی
کان یصلی احدی عشرۃ رکعۃ	گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ یہی آپ کی نماز تھی ان
کانت تلک صلوتہ یسجد السجدۃ	رکعتوں میں آپ اتنی دیر تک سجدہ میں رہتے تھے
من ذلک قدر ما یقرء احدکم	کہ جتنے عرصہ میں تم میں سے کوئی پچاس آیتیں آپ کے
خمسین اٰیۃ قبل ان یرفع راسہ	سر اٹھانے سے پہلے پڑھ لے۔

ایک دوسری حدیث میں مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے:۔

ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنا قیام فرماتے
لیقوم او لیصلی حتی ترم قدماہ	یا اتنی نماز پڑھتے کہ آپ کے پاؤں یا پنڈلیں پر ورم
او ساقاہ فیقال لہ فیقول افلا	ہو جاتا۔ جب آپ سے اس بارے میں گفتگو کیجاتی
اکون عبدًا شکورًا۔	تو فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ
	بنوں؟

غور کرو۔ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ باعث ایجاد عالم سرور بنی آدم ہیں اور آپ انتہائی درجہ کا ارتفاع ظاہری اور باطنی طہر پر حاصل ہے۔ آپ کا وجود باجود غیر مجسم متر ہیں سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ اور آپ ہی مظہر اتم الوہیت ہیں۔ باایں ہمہ آپ تشکر و امتنان کا اظہار کرنے اور عبد شکور بننے کے لیے نماز تہجد کے نہایت شدت کیساتھ پابند تھے۔

حضرت سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء اپنے متبعین کو نماز تہجد کی ترغیب تحریص فرماتے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک خواب کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

نعم الرجل عبداللہ لو کان یصلی من اللیل۔ عبداللہ اچھا آدمی ہے کاش وہ نماز تہجد پڑھا کرتا۔

اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضہ رات کو بہت کم سوتے اور نماز تہجد بالالتزام ادا کرتے رہے۔

جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرقہ وفاطمۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقال الا تصلیان فقلت یا رسول اللہ انفسنا بید اللہ فاذا شاء ان یبعثنا بعثنا فانصرف حین قلت ذلک ولم یرجع الی شیئا ثم سمعتہ

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کے وقت ان کے اور اپنی صاحبزادی فاطمہ بتول کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا تم دونوں نماز تہجد کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری جانیں حق سبحانہ و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جس وقت ہم کو اٹھانا چاہتا ہے اٹھا دیتا ہے جب میں نے یہ کہا تو آپ واپس تشریف لے گئے اور میری بات کا کچھ

وھو مولّ یضرب فخذہ وھو یقول وکان الانسان اکثر شیٔ جدلاً ۔

جواب دیا پھر میں نے سنا جب آپ پیٹھ موڑ کر جا رہے تھے تو اپنی ران مبارک پر ہاتھ مارتے جاتے تھے اور سورہ کہف کی یہ آیہ مجید پڑھتے جاتے تھے وکان الانسان اکثر شیٔ جدلاً یعنی انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

غور کرو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو جواب جناب خاتمیت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ بادی النظر میں اسکا ماخذ مندرجہ ذیل آیہ مجیدہ ہے :۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی ان فی ذلک لآیت لقوم یتفکرون ۔ (پ ۲۴ س الزمر ع ۶)

لوگوں کے مرتے وقت اللہ ان کی روحوں کو اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ اور جو لوگ مرے نہیں اُن کی روحیں بھی اُنکے سوتے وقت خدا کے ہاں بُلالی جاتی ہیں تو جن کی نسبت خدا موت کا حکم صادر فرما چکا ہے۔ اُن کو اپنے ہاں روکے رکھتا ہے اور باقی سونے والوں کو ایک وقت مقرر تک پھر دنیا میں بھیج دیتا ہے جو لوگ غور و فکر کو کام میں لانا چاہتے ہیں کچھ شک نہیں کہ اُنکے لیے اس میں قدرت خدا کی بہتیری ہی نشانیاں ہیں ۔

بلاشبہ سونا بھی ایک طرح کا مرنا ہے۔ بقولیکہ "النوم اخوالموت"۔ لیکن سونے اور مرنے میں اتنا فرق ہے کہ جو قبض روح مرنے کی وجہ سے ہوا ہے وہ روح پھر دنیا میں آنے کی مجاز نہیں اور جو قبض روح سونے کی وجہ سے ہوا ہے وہ روح حق سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے پھر دنیا میں آتی ہے۔ اور یہی معنی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول فاذا شاء ان یبعثنا بعثنا کے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب فی الحقیقت درست تھا مگر یہ بھی صحیح ہے کہ اس آیہ مجیدہ کا استعمال اس موقعہ پر صحیح نہ تھا اور نہ اس سے اپنی بے بسی پر استدلال کیا جا سکتا ہے

انسان مکلف ہو اسکو اپنے نفس پر زور ڈالکر امتثال اوامر اور اجتناب نواہی میں جد و جہد کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھنا چاہیئے۔ تقصیر عبادت کو حوالہ بہ تقدیر کرنا کج بحثی میں داخل ہے چونکہ رات کا وقت تھا اور حضرت علی رضؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شرف نبوت حاصل تھا اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تطویل بحث قرین مصلحت نہ جانکر سکوت و اغماض سے متنبہ فرمانے پر اکتفا کیا۔ اور آپ کا طریق عمل بے حد موثر ثابت ہوا۔ کیونکہ اسکے بعد جناب امیر علیہ السلام نے نماز تہجد کبھی قضا نہیں ہونے دی +

ماحصل

مضمون مذکور بالا کا ماحصل حوالہ قلم کرکے اس کو ختم کرتا ہوں +

(۱) کافہ انام اہل اسلام پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک نماز تہجد زیادہ بھی فرض تھی +

(۲) اتقیاء اور خاصان خدا رات کو کم سوتے ہیں۔ اور علاوہ پانچ نمازوں کے اشراق و ضحیٰ علی العموم اور نماز تہجد علی الخصوص ادا کرتے ہیں۔ اور صبح سویرے استغفار بھی کرتے ہیں +

(۳) شب بیداری سے نفس خوب زیر ہوتا ہے +

(۴) صبح کا وقت نور ظہور کا وقت ہے۔ اس کو خواب غفلت میں بسر کرنا بڑی بدبختی ہے +

(۵) رات کے وقت کو انتشار روحانیت اور جذب برکات یزدانی کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ مبارک ہیں جو اس سے متمتع ہوتے ہیں +

(۶) تکمیل خلق اللہ سے پہلے اکتساب کمال ضروری و لابد ہے۔ جو لوگ بدون اکتساب کمال کے سعی تکمیل کرتے ہیں۔ ناکام رہتے ہیں +

(۷) تہجد گزار عابد کے دینی و دنیوی کام درست ہو جاتے ہیں اور وہ مشاکل پر غالب آتا ہے +

(۸) ہر رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اُس وقت عبد مسلم جو دعا مانگے مقرون باجابت ہوتی ہے +

(۹) درویشی و فقیری کا دارومدار تمام تر کم کھانے۔ کم سونے اور کم بولنے پر ہے +

(۱۰) حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ مقربین سے اعلیٰ و اکمل تھے آپ اظہار تشکر و امتنان کی غرض سے نہایت شدت کے ساتھ نماز تہجد کے پابند تھے +

(۱۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین کو نماز تہجد کی ترغیب بکثرت فرماتے تھے +

(۱۲) تقصیر عبادت کو حوالہ بہ تقدیر کرنا کج بحثی میں داخل ہے +

(۱۳) کج بحثی کا بہترین و موثر جواب سکوت و اغماض ہے +

نور الدین تاجر چرم۔ گوجرانوالہ

شام زندگی کی نسبت

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی رائے ہے

کہ "شام زندگی باعتبار ادب" اردو زبان کا بہترین تحفہ ہے۔ اور بلحاظ ضروریات خانہ داری کوئی بات اس میں چھوڑی نہیں گئی اسکی عبارت کا زور اور اثر ہر شخص تسلیم کریگا۔ مولانا راشد الخیری کی تحریر مستورات کے معاملہ میں ہمیشہ دل کے پار ہو جایا کرتی ہے۔ یہ مفید اور ازبس تاثیر مرصع کتاب کسی کی نظر سے نہ گزرے تو اسکی بدنصیبی ہے۔ ضخامت ۱۳۱ صفحے۔ قیمت عہ روپیہ علاوہ محصول +

منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

تیاگ

طلوع صبح کی ضیائے اولین کے ساتھ ساتھ زاہد اپنے غار سے نکلا اور ایک چشمہ پر جو دامن صحرا میں جاری تھا گیا۔ پھر اپنا بھاری لبادہ اتار کر ٹھیک اس وقت جبکہ آخری تارے جھلملا رہے تھے۔ اس نے سیاہ پانی میں غوطہ لگایا۔ سنگریزے تیز تھے اور اس کے پاؤں کو زخمی کر رہے تھے۔ پانی جو برف کی طرح سرد تھا۔ اسکے جسم کو ایذا پہنچا رہا تھا۔ لیکن اسکی زبان سے کوئی حرف شکایت نہ نکلا۔ وہ خاموش ایک بت کی طرح کھڑا رہا۔ اس حال میں کہ اسکی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اسی طرح وہ ساحل پر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اور جبکہ نسیم صبح اسکے جسم کی نمی کو جذب کر رہی تھی۔ اسکے بدن پر ذرا کپکپی نہ پیدا ہوئی۔

یہ ہو گیا۔ تو زاہد نے اپنا لبادہ پہنا۔ اور اپنے غار میں جا کر زانو کے بل عبادت و دعا میں مصروف ہو گیا۔ اب آفتاب بلند ہو گیا تھا۔ اور ٹیلوں کے پرے دبکی ہوئی سطح صحرا سے بلند اس عظیم الشان دیوار کوہ پر اپنا زریں عکس ڈال رہا تھا۔ جہاں زاہد کا تنگ تاریک غار ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابابیل کا آشیانہ کسی ریتیلے ٹیلے کے پہلو میں اب بھی سویرا ہی تھا۔ لیکن دنیا بیدار ہو چکی تھی۔ طوطے ترانہ ہائے مسرت گا رہے تھے۔ چڑیاں گھاس اور تنکوں کی تلاش میں اپنا گھونسلا بنانے کی غرض سے پھر رہی تھیں۔ شہد کی مکھیاں شہد کی متلاشی تھیں۔ وادی سے جہاں لکڑہارے دن بھر کام کیا کرتے ہیں۔ تیشوں کی ضرب کی آواز آ رہی تھی۔ الغرض دنیا کے سارے کام شروع ہو گئے تھے۔

لیکن زاہد نے ان باتوں کا کچھ خیال نہ کیا۔ جب اس نے اپنے غار کے ریتیلے فرش کو جھاڑ لیا۔ اور چشمہ سے اپنا گھڑا بھر لیا۔ اس کا کام ختم ہو گیا۔ اسکے بعد شاید وہ اپنے تیز کیلوں والے بستر پر لیٹ کر اپنے داغدار جسم پر خاردار تازیانہ لگا کر اترا رہا۔ لیکن چونکہ وہ کل ہی

یہ سب کچھ کر چکا تھا۔ اس لیے فرصت سے زیادہ تعزیر نفس کو ناجائز خیال کر کے وہ اپنے غار کے دروازے کے قریب ایک مختصر سے چبوترہ پر بیٹھ گیا اور اپنے لاغر ہاتھوں کو سمیٹکر جنگل کے سرسبز و شاداب عجائبات کو دیکھنے لگا۔ آفتاب پورا اُسکے چہرے پر اُسکی دھنسی ہوئی محبونانہ آنکھوں اور ان شکنوں کو نمایاں کرتا ہوا جو خلوت کی زندگی نے اُس جوان کے چہرے پر ڈال دی تھیں چمک رہا تھا۔

وہ دیر تک کوشش کرتا رہا کہ اپنے نفس کو متشرع باتوں کے خیال پر مجتمع کرے لیکن اُسکے خیالات مضطرب تھے۔ اُسکے کان بوے کے بلند ترانوں کو سن رہے تھے اور اُس کی آنکھیں چڑیوں اور شہد کی مکھیوں کی مصروف زندگی کو دیکھتی تھیں جبکہ وہ ایک پھول سے دوسرے پھول تک آتی جاتی تھیں۔ اور خود پھولوں کی شیرینی کو دیکھ رہی تھیں۔

زاہد نے ان چیزوں پر اظہار تاسف کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ یہ تمام اشیاء علم سے بے بہرہ اور روح سے بیگانہ ہیں۔ نہ اُن میں خدا کا علم ہے نہ وہ خدا کی عبادت کر سکتی ہیں اُس نے جنگل کے طیور و وحوش و حشرات الارض کی زندگی کا مقابلہ اپنی زاہدانہ متفکر زندگی سے کیا اور سمجھا کہ اُسکی روح خدا رسیدہ ہے۔ اُس نے ان خیالات سے کچھ اپنی تسلی کی۔ خدا اُسکو بہت دور معلوم ہوتا تھا۔

جب گرمی ہو جانے تک زاہد خاموش و سنجیدہ اپنا کثیف اور موٹا لبادہ پہنے غار کے دروازے پر بیٹھا رہا۔ ناگہاں قریب دوپہر کے اُسکے کانوں میں گانے اور کسی ساز کے بجنے کی آواز آئی۔ اُسکے بعد فوراً ہی ایک صورت اُس مختصر چبوترہ پر نمودار ہوئی۔ وہ ایک جوان شخص کی صورت تھی جو سر سے پاؤں تک ایک نیلگوں لباس میں ملبوس تھا۔ اُسکے گلے سے ایک مکمل شیریں موسیقی پیدا ہو رہی تھی۔ اور اُس کی آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں۔

زاہد نے سرد مہری سے سلام کیا۔ اور جوان نے بھی گانا بند کر کے مسکراتے ہوئے

جواب دیا "تم کون ہو؟" جوان نے پوچھا۔

خدا کا ایک ادنیٰ بندہ۔

ہم سب ایسے ہی (ادنیٰ بندے) ہیں۔ کم از کم ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

زاہد کے چہرے پر ایک سنجیدگی کا سا انداز پیدا ہو گیا۔ "کیا تم بھی ہو؟"

"ہاں میں ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔ میں شاعر بھی ہوں"۔

"یہ افسوسناک بات ہے"۔

"کیوں"۔ نوجوان نے ذرا برہم ہو کر پوچھا۔

"ایک شاعر موجودات کا عالم کا تصور حقیقت سے زیادہ تصنع کے ساتھ کرتا ہے"۔

"دنیا بہت حسین ہے"۔ جوان نے کہا:۔

"لیکن وہ مکر و فریب سے بھی معمور ہے"۔

"دنیا کو خدا نے ہی بنایا ہے"۔

"لیکن انسان نے اسے بگاڑ رکھا ہے۔ اور اس میں برائیاں پیدا کر دی ہیں"۔

"بیشک صحیح ہے۔ معاصی فنا کیے جا سکتے ہیں اور یہی انسان کا بڑا اہم فرض ہے"۔

"تم ان کام (معاصی) دور کرنے میں کتنی مدد کرتے ہو"۔

"شاید بہت تھوڑی مدد۔ لیکن اپنے امکان بھر میں اپنی چاروں طرف نگاہ ڈالتا ہوں اور دنیا اور اسکی تمام حسین چیزوں کو دیکھتا ہوں۔ میں مسرور ہوتا ہوں۔ اور اپنی مسرت کو گاتا ہوں۔ میں لوگوں سے حسن کا ذکر کرتا ہوں۔ میں یہ بھی اعتماد کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میرے گیت دوسروں کو بھی مسرور کرتے ہیں"۔

"گیت تو دنیاوی چیز ہے"۔

"میں دنیا کو نہیں ٹھکراتا۔ میں تو انسان اور روح، خوشی و طیور سے متنفر نہیں ہوں یہ سب عالم حیات میں ہیں"۔

تم شعر بھی کہتے ہو"؟

ہاں۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ میں زمین پر چلتا ہوں۔ اور اُن سب چیزوں کا گیت گاتا ہوں جو میری نظر سے گزرتی ہیں۔ وہ مسرت ہو یا غم۔ نیکی ہو یا بدی۔ اور اگر مجھے کہنے کی اجازت ملے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ تکلیف میں مبتلا ہونے والوں کی مدد بھی کرتا ہوں۔ جناب! میں انسان ہوں اور شاعر بھی"۔

زاہد نے کہا "اے میرے بچے! مجھے اندیشہ ہے کہ دنیا تمہاری نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ دولت کے مناظر تمہیں مبہوت بنائے ہوئے ہیں۔ شہروں کا زرق برق اور خواہشات نفسانی کی مستیں تمہاری روح کو برباد کیے دیتی ہیں"۔

شاعر نے سنجیدگی سے جواب دیا "میں اپنے خیال میں تو ویسی ہی زندگی بسر کرتا ہوں جو میرے نزدیک صحیح ہے"۔ تم کبھی عبادت نہیں کرتے"؟

اکثر۔ لیکن میری عبادت تو میرے گیت ہیں"۔

زاہد نے ذرا کھسیانا ہو کر پوچھا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے، مسرت۔ نیکی اور سچائی کا گیت گانا۔ خدا اور اُسکی صفتوں کا گیت گانا۔ مجھے اس سے زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ صرف اپنی روح کے لیے عبادت کیا کروں۔ شاعر نے نرمی سے جواب دیا اور کچھ سکوت کے بعد پوچھا "جناب کی زندگی کیا ہے"؟

زاہد نے کہا "میں اپنے غار میں رہتا ہوں اور مراقبہ ریاضت نفس کشی کیا کرتا ہوں تاکہ میں اپنی خواہشات نفسانی کو مغلوب کر سکوں اور روح کو قوی"۔

ناگہاں جوان ہنس پڑا۔ اُس نے اپنا سر بلند کیا۔ اُس کے دانت نمایاں ہو گئے اُسکی آنکھیں چمک رہی تھیں اُس نے کہا "اے میرے متبرک دوست! تم سخت غلطی میں مبتلا ہو۔ تم بقید حیات ہو۔ اور پھر بھی حیات کا حال کچھ نہیں جانتے۔ تم کو حسن و محبت و ہمدردی کا ذرا علم نہیں ہے۔ تم نے اس مقصد کو نظر انداز کر دیا ہے جسکے لیئے انسان پیدا ہوا ہے اور وہ صرف

سعی و عمل ہے۔ ناکامیاب ہونا اس سے بہتر ہے کہ سرے سے کوشش ہی نہ کیجائے اپنے چاروں طرف دیکھو تمام اشیاء حرکت کر رہی ہیں چڑیاں اپنے گھونسلے بنا رہی ہیں پھول اُگ رہے ہیں۔ اور اپنی دولتیں ہمیں سونپ رہے ہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں دریا جاری کوئیے ہوئے بہ رہے ہیں۔ سمندر متحرک ہے۔"

زاہد نے کہا "میں تو نجات کی تلاش کر رہا ہوں"۔

"تیرا خیال ہے۔ یہ سب چیزیں اسی تلاش میں ہیں"۔

شاعر نے یہ کہا اور اپنا رباب اُٹھایا۔ جسکو زمین پر ڈال دیا تھا۔

"کیا تم جا رہے ہو"؟

"ہاں میرا تمہارا کوئی میل نہیں۔ یہاں میرا ٹھیرنا بیکار ہے"۔

"میں تمہیں کہلانا چاہتا ہوں"۔۔۔ فہمد۔

"تم دوسروں کے حاصل محنت سے فائدہ اٹھاتے ہو خود اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی روٹی کس نے بویا؟ کس نے کاٹا؟ کس نے غلہ کو پیسا؟ کیا تم نے"؟

"چشمہ کا پانی سہی"۔

"چشمہ بھی تو بہ رہا ہے"۔ اس میں تمہارا کیا احسان ہے"

شاعر نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "معاف کیجیگا" میں نے اس وقت وعظ و پند سے کام لیا۔ اور اپنی حد سے بڑھ گیا۔ شاعر کا فرض وعظ و نصیحت نہیں۔ اس کا کام صرف آگاہ کر دینا ہے۔ ہم اپنے تئیں منزل انسانیت میں میل راہ کہتے ہیں اور ہم غالباً اس سے حقیر بھی نہیں ہیں۔ اچھا اب میں خیر باد کہتا ہوں"۔

اس نے منہ موڑا اور ناہموار رستہ پر پھر گاتا ہوا چلدیا۔ عرصہ تک زاہد بیحس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کی نگاہیں سوچ کی وجہ سے ایک جگہ پر قائم تھیں۔ اسکا دل ملول تھا۔ اور اسکو وہی شکوک تکلیف پہنچا رہے تھے۔ جو برسوں پہلے اس خلوت کدہ میں آنے سے قبل اسکو

ستایا کرتے تھے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ میں مشکلات اور دنیا کی ترغیبات سے بھاگ آیا ہوں؟ کیا یہ صحیح ہے کہ میں نے ہنگامہ عمل سے منہ موڑ لیا ہے۔ اُس نے اپنی اس مجاہدانہ زندگی کو سودمند یقین کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بیکار۔ اُس نے اپنی ریاضتوں۔ عبادتوں نفس کُشی کا خیال کیا۔ اُس نے اپنے کانٹوں والے بستر اور خاردار تازیانہ کو دیکھا لیکن وہ جوان شاعر کے الفاظ اب تک اُسکے دماغ میں گونج رہے تھے۔

"ناکامیاب ہونا بہتر ہے بہ نسبت اِسکے کہ سرے سے کوشش ہی نہ کیجائے"

شام ہوئی جنگل نے پھر اپنا دُھندلا نقاب چہرے پر ڈال لیا۔ آفتاب ڈوب گیا چڑیوں نے اپنا نغمہ ہم آہنگی کے ساتھ شروع کیا۔ چشمہ نے اپنی دھیمی آواز کو ملا دیا۔ پھول سونے کے لیے جھک گئے۔ گویا وہ مطمئن تھے کہ اُنہوں نے گزرنے والے دن کی شان و شوکت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کیا ہے۔ رات آگئی۔

آخر کار زاہد اُٹھا۔ اور اپنے ہاتھ متبسم ستاروں کی طرف اٹھائے ہوئے کھڑا ہوگیا اب اُسکی دعا میں ایک عجیب جوش تھا۔ اور اُسکی روح ایک غیر معمولی کشش سے لبریز تھی وہ فوراً غار کے اندر گیا۔ اور کونے سے اپنا خاک آلودہ بوسیدہ عصا اُٹھایا جسکے سہارے سے وہ برسوں پہلے یہاں آیا تھا۔ اِسکو مضبوط پکڑ کر وہ جنگل کی تاریکی میں غائب ہوگیا۔

ساری رات وہ چلتا رہا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیر مرئی ہاتھ اُسکو آگے بڑھا رہا ہے اور صبح کے وقت اُسنے ایک شہر کے دروازے کو کھٹکھٹایا۔

(ترجمان)

اللہ

خط و کتابت کے وقت اپنے نام اور پورے صاف پتے کے ساتھ نمبر جنتری لکھنے کا بھی خیال رکھا کیجئے۔ منیجر

دکن کا دیندار بادشاہ

"نظامِ دیں کا اثر ہے نظامِ دنیا پر"

میری عادت امیروں اور بادشاہوں کی خوشامد سے ہمیشہ الگ رہی۔ میں کسی تاجدار کے سامنے آجتک خم نہیں ہوا۔ اور یہ خدا کا فضل ہے کہ میرا عقیدہ ارباب دولت کی بالغرض مدح سرائی کا اول دن سے منکر ہے۔

مگر امرِ حق کا اظہار ہر بندۂ خدا کا فرض ہے۔ اگر کسی شاہ و گدا سے کوئی نیکی ہو تو آفرین و تحسین کہنا بحکم خدا و رسول ضروری ہے۔

گزشتہ شعبان ۱۳۴۴ھ ہجری کا ذکر ہے۔ میں دکن کے دیندار بادشاہ میر عثمان علیخاں (خلد اللہ ملکہ) کے سامنے بیٹھا تھا۔ انہوں نے اعلیحضرت اور بندگان عالی۔ کی شان میں مجھکو اپنے قریب جگہ نہیں دی تھی بہت سادہ لباس تھا۔ بہت سادہ کمرہ تھا بہت سادہ فرنیچر تھا۔ اور بہت ہی بے تکلف اور سادہ گفتگو تھی۔ سامنے ایک معمولی سی کرسی پر شاہ دکن تشریف رکھتے تھے اور مقابل میں دہلی کا گدا تھا جسکے دائیں رخ شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ خاں نواب فضیلت جنگ تھے۔ اور بائیں جانب نواب افسر الدولہ افسر جنگ۔

دہلی کے گدا نے حلقۂ نظام المشائخ کے مقاصد بیان کیے تو یہ بھی کہا کہ مزارات بزرگان دین پر بازاری عورتوں کا رقص و سرود از حد معیوب ہے۔ اس سے صدہا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں حلقۂ نظام المشائخ نے اسکے خلاف بیڑا اٹھایا ہے۔ اور سب سے پہلے اسکو درگاہ حضرت محبوب الٰہی رح میں لگاتار کوشش کے بعد کامیابی ہوئی ہے۔ یعنی۔ ہاں روضہ شریف کے سامنے ناچ بند ہو گیا۔ اور اسکے بعد اور بھی بہت سی خانقاہوں میں اسکی تقلید ہوئی۔

یہ تقریر سنکر دکن کے حامی شریعت اور غیور بادشاہ نے فرمایا۔ یہ بہت اچھا خیال ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اسپر شیخ الاسلام نے میری تائید فرمائی۔ اور جالنہ دکن کی ایک خانقاہ کا مشاہدہ بیان کیا جہاں رقص ہوا کرتا ہے۔ اور اُسکی بندش کی تجویز پیش کی۔ اُس روز تو یہ ارادوں کی باتیں تھیں۔ مگر اب خبر آئی ہے کہ دکن کے شریعت مدار سلطان نے اپنے تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر دیا ہے کہ آئندہ کسی درگاہ میں بازاری عورتوں کا ناچ نہونے پائے ۔

شاہ دیں پناہ کی اس نیک کرداری کا شکر ہم سب اہل حلقہ کو کرنا چاہیئے۔ جہاں جہاں حلقہ کی شاخیں ہیں اُنکو مناسب ہے کہ پرائیوٹ سکرٹری کے ذریعہ اعلیٰ حضرت حضور نظام کو اس عمل خیر کی مبارکباد بذریعہ تار بھیجدیں۔ تاکہ شاہ جم جاہ کو معلوم ہو کہ اُنکی قوم اُنکے اعمال خیر کی ازحد قدر کرتی ہے +

دکن میں اس قسم کی بے شمار مخرب اخلاق بدعات کا رواج ہے۔ اور شاہ عالم پناہ مسلسل اصلاحات اُنکی فرما رہے ہیں۔ ایام محرم میں جسقدر شرمناک مراسم ہوتی تھیں رفتہ رفتہ ان کو حکماً ترک کرایا جا رہا ہے۔ اور یہی وہ آثار ہیں جن کو دیکھکر میں عنوان کا یہ مصرع پڑھ سکتا ہوں۔ کہ

"نظامِ دیں کا اثر ہے نظامِ دنیا پر"

دعاگو حسن نظامی

مولوی ظفر علیخانہ صاحب سابق اڈیٹر زمیندار

لکھتے ہیں کہ "ہم میں سے کسی شخص کے اُٹھ جانیسے جو جگہ خالی ہوتی ہے۔ وہ اکثر خالی ہی رہتی ہے۔ لیکن یہ کلیہ کم از کم مصنف مرآۃ العروس کی جانشینی کے متعلق مولانا راشد الخیری کے گلرنگ قلم نے متعدد لطیف و پاکیزہ تصانیف کے سلسلے باطل کر دیا کہ تمام زندگی مولانا کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ عمر کو بچپن سے لیکر بڑھاپے تک یکساں سسرال میں بیتی۔ بہن بھائی لطف ہونیکی حیثیت سے جتنی عمرانی منزلیں طے کرتی پڑتی ہیں سب کی بیتی جاگتی۔ بولتی چالتی تصویریں نظر کے سامنے آجاتی ہیں

زبان ایسی صاف اور شستہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے ابھی کوثر میں دھل کر آئی ہے۔ قیمت ایک روپیہ عمدہ
منیجر نظام المشائخ دہلی سے لے گی +

خیر الناس من ینفع الناس

برآوردن کار امیدوار
به از چلہ بر چلہ بستن ہزار

یکے شاہزادہ برائے شکار — بروں رفت با لشکرے بے شمار
ہمہ یکسر از آہن آراستہ — بصید افگنی نیک پیراستہ
مسلح کسے با کمان و تفنگ — گرفتہ کسے نیزۂ نو بچنگ
بدست کسے بازِ شاہیں بہ بند — بدوشش کسے تاب دادہ کمند
سوار و پیادہ بوقتِ رحیل — رواں پیش و پس ہمچو دریائے نیل
تو گوئی کہ کوہیست آتش فشاں — کہ جنبد بنیاد گر دو رواں
ز غوغائے آں لشکرِ بے حساب — سمک بر سما رفت و شاہیں بآب
ہم از ہیبتِ تیغ الماس رنگ — سرِ کوہ رفتند پیل و نہنگ
ز جنبیدنِ نیزۂ تابناک — نہفتند شیران بدامانِ خاک
شد آں سرزمیں خالی از مار و مور — کمیں گاہ ز شیر و چراگاہ ز گور
غرض ہر کہ آوائے لشکر شنید — بتر سید و صحرا بصحرا دوید
شہِ کامراں تا بہ نصف النہار — بگردید در جستجوئے شکار
تجسس کناں خاک بر سر شدہ — (ق) بہ ہامون و بر کوہ و بر آب جو
برفتند و جستند و آشوفتند — بسے دست بر دست میکو فتند
نیامد یکے صید اندر نظر — نہ بکشاد یک تن سلاح از کمر

چو درماندہ شد شاہ بے توشہ — یکے گور بر خاست از گوشہ
بسر داد شہزادہ تازی سمند — کہ گیرد مر آں را بخم کمند
پس گور خر آں شہ پیل زور — ز لشکر جدا ماند و افتاد دور
کشادہ بہ سے حلقہائے کمند — نیامد سر موئے ویرا گزند
بسے تیر بارید ہمچو تگرگ — ز یک چوبہ نکشود پیغام مرگ
بسے سعی آورد و مرکب جہاند — ز بس حیلہا یک دقیقہ نماند
چو نومید شد شاہ و وا ماند بور — عناں باز بگرفت و بگرفت گور
بہ دل تنگی آخر شہ نیک خوے — سوئے لشکر خویش بنہاد روئے
بہ مغرب نہاں گشت صیاد مہر — شب تیرہ از شرق بنمود چہر
شہ از محنت و رنج گشتہ ستوہ — ہمی رفت حیراں بداماں کوہ
چناں دید شہ در شب تیرہ رنگ — فقیر نشستہ بہ بالائے سنگ
یکے چوب خشک و بسطبر و فراخ — فرو کوفتہ بود بے برگ و شاخ
بپرسید شہ تو چہ نشستہ — بویرانہ چوں بے نوا گشتہ
بیا تا بایوان شاہست برم — بخدمت ترا کمتریں چاکرم
نشاید چنیں مرد درویش را — کہ سختی گزیند ترین خویش را
برآشفت درویش از گفت شاہ — بہ پیچید بر خود چو مار سیاہ
جوابش چنیں داد کاے بیخبر — ترا ایں چنیں گفتہ کے سنور
نہ دانی کہ مارا بہ ایواں چہ کار — ہمیں کوہ صحراست بس یار غار
طلب درگزیدہ بویرانہ ام — من از خویشتن در بیگانہ ام
ز سی سال بر سنگ بنشستہ ام — سر موئے زیں جا نہ برخستہ ام
چو دہ سال بر من برآید دگر — مگر محنت من شود کارگر

همیں چوب کہ او بست بے برگ و شاخ
در ختے شود میوہ و بہمن و بنداخ

من این چوب دارم نشانِ قبول
وگرنہ شود ہیچ و محنت فضول

چو درویش این ماجرائے بگفت
تغیر بحالِ ملک گشت جفت

زبیزاری از خویشتن رفتہ شد
پشیمان جہیران و آشفتہ شد

فرود آمد از پشت اسپ سیاہ
سر سنگ بنشست شد بے کلاہ

ہماں تازیانہ کہ بودش بدست
بہ سنگ گران در زمیں کوفت سخت

بخود عہد بربست آں تا جدار
کہ ما ہم نشینیم در ویش وار

نہ جنبم ز جا گرچہ جنبد زمیں
گذارم چہل سال را ایں چنیں

نہ سر زد دگر چوب من شاخہا
نہ بینم دگر صورتِ کاخہا

بدنیساں کہ آں شہ بنشستہ بود
ہنوزش یکے ہفتہ نگذشتہ بود

کہ یک مرد ہقاں غلط کردہ راہ
درآں بقعہ آمد بحالِ تباہ

خرے داشت با خود نحیف و زبوں
ہر و بار بستہ ز ذوق ہموں

قضا کار از گردشِ روزگار
شکوخیدنِ خر بیفگند بار

چو بارش بیفتاد و گم کرد ہوش
ہمی کرد ہقاں بسے خروش

کہ یارب درین وادیٔ پر خطر
بچاہ مصیبت فتادم چرا

شبِ تیرہ و منظرِ ہولناک
بسر چوں توانم برد بیخ و باک

نہ نیرو مرا ماند نہ زورِ کمر
کہ بر نارم ایں بار بر پشتِ خر

چہ بینم دگر کس درین کوہسار
کہ باشد برایں حال من غمگسار

چپ و راست میدید ہر سو دوید
بجز مرو و درویش کس را ندید

تضرع کناں رفت پیشِ فقیر
کہ اے مردِ حق با شو مرا دستگیر

ز الحاح و زاری کہ ہقاں نمود
قساوت برآں سنگدل نیفزود

بگفتا کہ ایں کار از من مخواہ — بخواری برو نزد آں بادشاہ
اگر خیزم از جائے خود بیگماں — عمل ہر چہ دارم شود رائیگاں
نہ برخاست از سنگ آں سنگدل — چو خر چنگ خسرسنگ بد پا بگل
بدلسوزی آں شاہ عالی تبار — بگفتش کہ من ہیزم غم مدار
بجنبید از سنگ خود ہمچو دود — بر آں بارکش بار بر بست زود
چو دہقاں زہند غم آزاد گشت — دعا کرد بر شاہ و دل شاد گشت
ندا آمد از غیب کاے بادشاہ — برسوئے ایواں بر قت پگاہ
تو دلتنگ منشیں دریں سنگلاخ — ترا تا نیانہ برآورد شاخ
کریم و رحیم و غفور و ودود — بریں مردمی پائیگاہت فزود
برآورد ازیں کار امیدوار — بہ از چلہ بر چلہ بستن ہزار
ندائے دگر سوئے درویش ہمہ — چنیں گفت کاے سنگ بستہ فقیر
برو ہر چہ میبایدت پیش گیر — سر اندازی سر خویش گیر
تو کز محنت دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

مراقب۔ از نابھہ

۷۸۶

مذہب کا اعلان

میں اودھ و پنجاب کے بہت سے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں، جو ایک وقت پبلک سپرٹ کی رو نق سمجھے جاتے تھے لیکن جب ازدواجی زندگی کے غموں میں پھنس گئے تو ان کا تمام زور شور جاتا رہا۔ مکرمی مسٹر نظام محمد صاحب طور ایم اے کی عال میں دہلی کے ایک معزز رئیس جناب ابو بشیر الدین صاحب کے ہاں شادی ہوئی ہے مجھے اندیشہ تھا کہ حضرت بھی

اب ہمارے ہاتھوں سے چلے۔ لیکن اس نظم کے آنے پر میرا خیال بدلگیا۔ طور صاحب لکھتے ہیں کہ "آئندہ میں نظام المشائخ کی قلمی مدد پیش نہیں کرونگا" خدا انکے ارادے کو پورا فرمائے اور ہمارے کالج سیالکوٹ کے شاعر مزاج پروفیسر تاریخ کا دہلی جیسے تاریخی اور مردم تہذیب و تمدن شہر سے تعلق انکے علمی شغف اور قومی جذبات کے لیے باعث خیر ثابت ہو اور اچھے پھل لائے۔ ایڈیٹر

منتشر ذرات کو باہم ملا سکتا ہوں میں
بندی و تہمد و تنانہ کو مٹا سکتا ہوں میں

مدعی ہوں کہ اعجاز نفس سے یک بیک
تر باذنی کہہ کے مُردوں کو جلا سکتا ہوں میں

ہوں وہ اسرافیل اپنے صور کی آواز سے
خفتگانِ کنج مرقد کو جگا سکتا ہوں میں

دیوتا مدعی ہوں کہ گام سمینت زعام سے
وادیٔ گل خاکِ صحرا کو بنا سکتا ہوں میں

ہوں دکانِ دار گیتی میں وہ پیرِ فروش
ہوش کی بے ہوش کو دارو پلا سکتا ہوں میں

بادیہ میں راہ وہراں کے ہوں وہ خضرِ طریق
بھولے بھٹکیں کو رہِ منزل دکھا سکتا ہوں میں

ہوں جہازِ عافیت وہ دہر کے طوفان میں
ڈوبتوں کو موج آفت سے بچا سکتا ہوں میں

چرخ ظلمت کارہ عالم پر ہوں وہ مہرِ منیر
اک کرن سے شش جہت کو جگمگا سکتا ہوں میں

ماہر جادو ہوں وہ جادو سرائے دہر میں
سامری کو بحر برسوں تک کھا سکتا ہوں میں

شاطرِ شطرنجِ دنیا مات میں آگے مرے
نردبازانِ زمانہ کو ہرا سکتا ہوں میں

موم ہو جاتے ہیں سنگیں دل مری تقریر سے
جوہرِ آتش نوائی وہ دکھا سکتا ہوں میں

ماجرائے درد بن جاتا ہوں جسم بزم میں
چشمِ اعدا سے بھی مجھ خوں بہا سکتا ہوں میں

دیدۂ ظاہر نگر میں گو ہوں مردِ کم بیں
انگبیں پر زار و قیصر کو نچا سکتا ہوں میں

کشمکش گاہ جہاں کے راز مجھ کو یاد ہیں
کامیابی بھی ہزیمت بھی دلا سکتا ہوں میں

پیل پیکر پہلوانوں کی صفوں کے سامنے
کار دانِ مور کو میداں میں لا سکتا ہوں میں

وہ جہیر الصوت خالد ہوں کہ جنسیا و جہاں — نعرۂ اللہ اکبر سے ہلا سکتا ہوں میں
کربلائے عرصۂ ہستی میں ہوں مثلِ حسینؑ — سر کٹا سکتا ہوں میں جاں کو لٹا سکتا ہوں میں
گوش میں صحرائیوں کے نغمۂ تہذیب کو — ڈال کے ہستی کی بستی کو ہلا سکتا ہوں میں
ڈھونڈتی پھرتی ہے ناخن حسن کو چشمِ طلب — یوسفستانِ ذرہ ذرہ کو بنا سکتا ہوں میں
مطربِ ایام سے مضرابِ جنبش مانگ کر — سازِ قومیت کے تاروں کو بجا سکتا ہوں میں
گیسوئے شانِ ربوبیت میں شانہ کش ہوں میں — خانہ بردوشِ جذبیت لگا سکتا ہوں میں
ابرِ ہوسِ عرفان کا سورۂ ارواح میں — اور اہلِ بصر کی پیاسیں بجھا سکتا ہوں میں
روضۂ رضواں کے طالب کو ہوں طوبیٰ کا درخت — شانِ گلستاں میں جنت کی دکھا سکتا ہوں میں
جب حمیت کی رگوں میں بہتری آتا ہے خون — بت گرا سکتا ہوں مندر کعبہ بنا سکتا ہوں میں
سینۂ سیلِ زمانہ میں ہوں وہ برقِ نمود — آگ پانی میں اگر چاہوں لگا سکتا ہوں میں
چاند ہوں بحرِ جہاں میں مجھ سے مدّ و جزر ہے — بحر و بادوں کو نیرنگی دکھا سکتا ہوں میں
آج گو بازار میں جگ کے ہوں جنسِ نارسا — پر متاعِ دو جہاں قیمت میں پا سکتا ہوں میں
گاہ جلالی شانِ میری گاہ جمالی شان ہے — دل ڈرا سکتا ہوں میں دلبر بنا سکتا ہوں میں

میں ازل سے تا ابد اکلیلِ دارِ دہر ہوں
حکمرانِ امر و نہی گیسو دارِ دہر ہوں

کوئلہ بھی نہ راکھ

نہ کہلنے پائے اکدن یہ عبرت نما میرے — جوانی جا چکی۔ اب رہ بہ پیری ہیں قوئے میرے
نہ سمجھا آجتک میں کیوں بنا ہوں یخدا اسیرِ — جہاں کا ذرہ ذرہ کارآمد ہے سوا میرے

لکڑی جل کوئلہ ہے اور کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

فنا نے تیرگی شب سے ہو نورِ سحر پیدا — فروغِ صبح مٹ جائے تو ہوں انوارِ خور پیدا
بدل جائے اگر قطرہ کی حالت ۔ ہو گہر پیدا — ملے جب خاک میں دانہ ۔ تو ہو برگ و ثمر پیدا

لکڑی جل کوئلہ بھئے کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی ۔ نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

غذا تحلیل ہو کر خون بنجاتی ہے پیکر میں — یہی خوں جم کے ہو جاتا ہے عنبر گاہ و عنبر میں
مخمر ہو کے کام آتی ہے مئی جامِ ساغر میں — شجر سوکھے تو لکڑی بنکے جل جاتا ہے مجمر میں

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

محل ۔ تغیر ہے ہمیشہ عالمِ فانی — کبھی پانی ہوا ہو تا ہے لوگا ہی ہوا پانی
بدلتی ہے ہزاروں صورتیں طبعِ ہیولانی — مگر اپنی تباہی پر مجھے ہی سخت حیرانی

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

مویدا ہے حباب و موج دریا کی روانی میں — سنا ہی ۔ بال گل کر سب ہو جاتا ہے پانی میں
ہمیشہ نت نئی حالت تو دورِ آسمانی میں — بگڑ کر کچھ نہ کچھ بنتی ہے ہر شے دہرِ فانی میں

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

ابو الاعظم سید احمد حسین امجد از حیدرآباد دکن

نظام المشائخ کے مندرجہ ذیل پرچے

بابت ذی الحجہ ۱۳۳۴ ہجری
بابت محرم الحرام ۱۳۳۵ ہجری
} میرے پاس نہیں ہیں ۔ اگر کوئی صاحب انہیں علیحدہ کر سکیں تو قیمتاً لینے کو تیار ہوں ۔

حافظ محمد علیم اللہ وٹرنری ہسپتال مظفر پور (بہار)

تازہ غزلیں

(۱)

از جناب منشی عبدالرحیم صاحب واصل

جسکو شراب عشق کا تیرے سرور ہے — نزدیک ہی وہ دین سے دنیا سے دور ہے
کہتے ہیں جسکو شیشہ و قصر بلور سے — مقصود اس میں دختر رز عین حور ہے
پرہیز مے ہوتا ہے پرہیزگار کیا — دل ہستی کا خوف سمجھ کا قصور ہے
غرور خستگی نے کر دیا خس کم جہاں پاک — اے محتسب شراب ہماری طہور ہے
اک موج مے نے عالم بالا دکھا دیا — کہتا ہے جسکو نار وہ پردے میں نور ہے
واصل اسی کو دیکھ کے سرمست ہو گیا — پیر مغاں کے ہاتھ میں جام بلور ہے

(۲)

از جناب ڈاکٹر محمد قمرالدین صاحب قمر بلالی شاہ نظامی حیدرآبادی

تمہیں نغمہ سرا ہو جان من شور عنادل میں — تمہارا رنگ ہر گل میں تمہاری شکل بلبل میں
تمہیں جلوہ نما ہو شکل معشوقان عالم میں — تمہاری ہی فغاں ہے عاشق جانباز و بسمل میں
ہوا ہے آپکے انوار سے سارا جہاں پیدا — ہے جلوہ آپکا آب ہوا میں آتش و گل میں
تصدق اسکی آنکھوں کے میں قربان اسکے ابرو کے — خمار ایسا نہ نرگس میں نہ جوہر تیغ قاتل میں
مقام اسکا نہیں یکجا وہ رند لاابالی ہے — کبھی واعظ کی مجلس میں کبھی رندوں کی محفل میں

قمر کیا دیکھتے ہو جلوہ محبوب حیرت سے
جھلک اسکی شجر میں ہے چمک اسکی ہے ہر تل میں

یارانِ نظام المشائخ

پیپر ریلیف فنڈ - گرانی کاغذ مقابلہ

الحمد للہ۔ میری تحریک کو ناظرین نظام المشائخ نے قبول کیا اور کئی حضرات نے آٹھ آنے سے زیادہ رقمیں بھیجی ہیں مثلاً جناب امیر الدین خاں صاحب مراد آباد ایک روپیہ و جناب احمد حسین صاحب جہانسی ایک روپیہ آٹھ آنے ادا کرنے والے اصحاب کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

جناب محمد مقیم صاحب بی ڈبلیو انسپکٹر لونڈہ بلگام

جناب عبد الحکیم صاحب ڈاکٹر

جناب محمود میاں صاحب شہاب الدین صاحب

جناب غلام محمد صاحب مقام کرنی والہ

جناب نظیر الدین احمد صاحب شکر گڈھ

جناب محمد باقر علی صاحب۔ نینی

جناب ملک لایت حسین صاحب۔ پالی مرزوئی

جناب فتح محمد صاحب نکودر

جناب ابو عبد الرحمن صاحب۔ نینی

جناب ایم۔ ایچ ظہور الدین صاحب لدھیانہ

جناب احمد امیری صاحب بمبئی

جناب مولوی حافظ عبد الرحیم صاحب شہر بنارس

جناب فرخ حسین صاحب مظفر نگر

جناب مولوی صفی حکیم غلام محی الدین صاحب لاہور

جناب عبد الجواد صاحب وکیل کلکتہ

جناب مولوی محمد بھوٹا صاحب

جناب سید امیر حسین صاحب ماترس

جناب منشی صادق علی صاحب جہانسی

جناب محمد عثمان صاحب حیدر آباد دکن

جناب حکیم پیر جی حسن محمد صاحب مضبع جنوبی ٹھکانہ

جناب بابو عبد اللطیف صاحب چاندنی نیچہ

جناب نصیر احمد صاحب مظفر نگر

جناب حشمت خاں لدامیر خاں صاحب امراوتی

جناب شیخ محمد حسین صاحب۔ رحیم یار خاں

جناب اسمٰعیل حاجی محمد برہانی صاحب راجکوٹ

جناب سید امجد علیشاہ صاحب تحصیلدار میرگنج

جناب محمد یوسف صاحب نیچہ

جناب مولوی میاں محمد عبد القادر صاحب سکھر غریب آباد

جناب ایس کے محی الدین صاحب کاملکہ پور

جناب مخدوم محمد رحیم بخش صاحب رحیم یار خاں

جناب منشی محمد ابوالحسن صاحب بیگاؤں
جناب سید بابو میاں صاحب احمد آباد
جناب شیخ فرید صاحب مدراس
جناب مولوی شمس الدین صاحب میرٹھ
جناب شاہ محمد حبیب اللہ صاحب مدراس
جناب شیخ عبد اللہ صاحب کڈپہ
جناب شیر علی صاحب کدوا
جناب ولی احمد صاحب مدراس
جناب سید الرحمن صاحب آرہ
جناب محمد حسین صاحب سہسپور سہارہ
جناب قاضی ابوبکر صاحب چھپرہ پدرونہ
جناب طفیل محمد صاحب بلاگھاٹ
جناب علی احمد صاحب بمبئی
جناب عبد اللہ خانصاحب لدھیانہ
جناب حافظ عبد الرحیم صاحب ساکن تھیلدار حیدرآباد دکن
جناب حکیم علام کبریا صاحب نگینہ
جناب نواب شاہ محمد اختیار علی صاحب بدایوں
جناب ملا محمد الدین صاحب لدھیانہ
جناب حکیم عبد الرحمن صاحب لدھیانہ
جناب حاجی محمد و حاجی ابراہیم صاحب بانپور
جناب قاضی عزیز احمد صاحب لاہور

حضرت میاں عبد الصمد صاحب چشتی دہلی
جناب محمد حسین صاحب چشتی نظامی مغلسرائے
جناب شیخ حسین صاحب بمبئی
جناب شیخ محمد یعقوب صاحب پٹنی کلکٹر جونپور مونگیر
جناب منشی محمد عمر صاحب مالیگاؤں
ایچ ایس ایم لطف صاحب پوسٹ ماسٹر کلکتہ
جناب ڈاکٹر عبد الواحد صاحب چترال
جناب تجمل حسین صاحب اورنگ آباد دکن
جناب محمد شریف صاحب کمار بستی رائچی
جناب یوسف علی ملا علی محمد صاحب نانک
جناب جلیل بھائی حکیم بھائی صاحب احمد آباد
جناب ولی بھائی چاند بھائی صاحب احمد آباد
جناب قاضی محمد حسین صاحب ناگپور
جناب اے ایس قمر الدین صاحب سورت
جناب محمد غیاث الدین صاحب حالنہ
جناب محمد اسمٰعیل صاحب حیدرآباد دکن
جناب حاجی لسنع محمد صاحب بمبئی
جناب کریم خاں صاحب نندورہ
جناب سید شرف الدین صاحب کوہاپور
جناب مولوی محمد حسین صاحب حیدرآباد دکن
جناب بھائی میاں شیخ محمد صاحب قریش پور

باقی حضرات کو بھی جلد توجہ فرمانی چاہیئے تاکہ یہ جنگ کا زمانہ بآسانی گزر جائے۔ بعد اسکے سب کا کاغذ و غیرہ

جاہل انسانوں سے، کاہل و بے عقل مردوں سے۔ خلاف شرع، عورتوں سے دور رہو صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اگر ایسی عورتوں سے تمہارا زیادہ میل جول ہوگا، تو تم بھی ایسی ہی ہو جاؤ گی اور تمہارے نفس کی صحت خراب ہو جائے گی۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اچھی بیبیوں کی، بڑی بوڑھیوں کی صحبت میں رہو ایسی عورتوں کی ملاقات کو زیادہ عزیز رکھو جو باشرع ہوں عقلمند ہوں پھوہڑی عورتیں صحبت کے لائق نہیں،

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کاموں کے لیئے وقت مقرر کر لو کہ فلاں وقت فلاں کام ضرور کرنا ہے اس سے پہلے یا بعد نہیں کرینگے۔

(۴) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ جو عورت تمہاری سچی اور بلا غرض دوست ہو اس سے اپنے عیوب (برائیاں) دریافت کرو۔ کیونکہ دوستوں کو عیوب مشکل سے دکھلائی دیتے ہیں اور اس عورت سے جو تمہاری پکی دشمن ہو، اس سے اپنی بھلائیاں معلوم کرو۔ کیونکہ دشمن کو بھلائیاں مشکل سے دکھلائی دیتی ہیں۔ پس ان دونوں کا جو فیصلہ ہوگا وہ نہایت درست اور معتبر ہوگا۔

(۵) پانچواں طریقہ یہ ہے کہ جب تم سونے کے لیئے تیار ہو تو ایک دفعہ یہ خیال کر لیا کرو کہ آج سارے دن میں تم نے کس قدر اچھے کام کیئے اور کس قدر برے۔ جب تک محاسبہ نہ ہوگا ترغیب صواب دل میں پیدا نہ ہوگی۔

(۶) چھٹی شرط یہ ہے کہ ایسی باتوں اور کاموں سے دور رہو۔ جو برے خیالات و نفسانی خواہشات کو اکساتی ہوں۔ کیونکہ جب نفس میں اشتعال پیدا ہوگا اور طبعی صحت اس علالت کو دبا نہ سکے گی تو برا کام اچھے نفس کو کرنا ہی پڑے گا۔ اور اسی کا نام مجبوری ہے کہ ایک شریف جنس کو کمینہ جنس کی تابعداری کرنی پڑے۔

شرافت نفس کا تقاضا ہے کہ جو کام کرے وہ اسلیئے کرے کہ پہلے تو وہ کام بجا

اچھا ہے دوسرے اوروں کو اس سے فائدہ پہونچیگا اور رذالت نفس کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کام کرے وہ اس لیے کرے کہ پہلے خود کو نفع پہونچے۔

اے عزیز بہن اگر تم ان چھ طریقوں پر اپنے نفس کی صحت قایم رکھوگی۔ تو کبھی امراض پیدا نہ ہوں گے۔ اور یہی تہذیب نفس کا مقصد ہے۔

خیر یہ بحث تو ختم ہوئی حفاظت کے جو طریقے اوپر بتلائے جا چکے ہیں وہ کافی ہیں خدا تم کو عمل کی توفیق دے۔ اب یہاں یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ برائیوں کے اسباب و جوہات کیا ہوتے ہیں، اور کس سے یہ پیدا ہوتی ہیں۔

عزیز بہن سنو۔ جس قدر مضرتیں پیدا ہوتی ہیں وہ چار گھرانوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی ان کی چار قسمیں ہیں:۔

موجبات امراض

(۱) شہوت (خواہش) یہ رذالت (کمینگی) کی ماں ہے۔
(۲) شرارت (برائی) یہ جور (ظلم و ستم) کی ماں ہے۔
(۳) خطا (گناہ) یہ رنج (دکھ تکلیف) کی ماں ہے۔
(۴) شقا (بدبختی) یہ حسرت (پچتاوے) کی ماں ہے۔

کیوں بہن اب تمہیں موجبات امراض کے تو معلوم ہوگئے۔ اب یہ بھی معلوم کرو کہ ان موجبات سے نفس میں کیا کیا امراض پیدا ہوتے ہیں۔

مگر بہن تمام امراض کا تفصیل وار بیان اور ان کا اسوار علاج بتانا بہت بڑا کام ہے نہ تو اس مختصر کتاب میں اس قدر تفصیلات کی گنجایش ہے۔ اور نہ ہی تم سمجھ سکوگی۔ بڑی بڑی بحثیں ہیں۔ اسلیئے ہم تمہارے سمجھانے کو چند خاص اور بڑے بڑے مہلک امراض کو بیان کرتے ہیں جنسے اور سینکڑوں چھوٹے چھوٹے امراض پرورش پاتے اور پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کی تفصیلات و معالجات اگر خدا نے چاہا اور **علیا حضرت سلطان جہاں بیگم بالقابہ** کی شاہانہ توجہ حاصل ہوگئی تو دوسری کتاب میں

سمجھائیں گے اور اسوقت تک تم بھی زیادہ سمجھدار ہو جاؤ گی۔ اب تو چند انہیں امراض کو بیان کئے دیتے ہیں جو اور امراض کے ماں باپ یا دادا ہیں۔

ایک مرض ہے (حیرت) اشیا (چیزوں کی) حقیقتوں کو معلوم کرنے میں جب مختلف ثبوت و شہادتیں ذہن میں پیدا ہوتی ہیں اور کسی ایک پر بھروسہ پیدا نہیں ہوتا۔ تو ذہن بے موقعہ اور بے حد پریشان ہوتا ہے۔ کیونکہ قوت تمیز کی افراط (زیادتی) اور جہل (ناواقفی) کی تفریط یعنی کمی ہوتی ہے۔

ایک مرض ہے (جہل بسیط) جہل کہتے ہیں ناوانی بے علمی کو بسیط کہتے ہیں غیر مرکب اور فراخ یا کشادہ کو۔

دریافت حقایق میں جب ذہن بے علمی سے پریشان ہوتا ہے۔ قوت تمیز ناقص ہونے کے باعث کچھ مدد نہیں دیتی تو بس انسان کو رہ جاتا ہے۔

ایک مرض جہل مرکب ہے۔ دریافت حقایق میں بر خود غلط فہمی سے یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے یہی درست ہے قوت تمیزی کی کمی اور جہالت کی زیادتی ہے۔

اسی بحث میں اس قدر اور یاد رکھو کہ

قوت تمیزی کا کام نظری اور عملی دونوں قوتوں سے ہوتا ہے، نظری کا جس قسم حصہ ہے وہ حکمت ہے اور عملی کا جو طریقہ ہے وہ عدالت ہے۔

جب یہ دونوں قوتیں کامل نہ ہوں تو ضرور ہے کہ ناقص ہونگی جب یہ ناقص مان لی گئیں تو ان کا عمل جو بھی ہوگا وہ جھوٹا اور ناقص ہوگا۔ دونوں طریقے باطل ہو جاتے ہیں۔

قوت نظری جب باطل ہوتی ہے تو جہل ترقی و نمو پاتا ہے اور قوت عملی جب باطل ہوتی ہے تو اس سے خود پسندی ترقی و نمو پاتی ہے۔

اَب اِن تینوں کا علاج

تین طریقوں سے ہوتا ہے

(۱) عقل مندوں کی باتیں سنیں۔

(۲) علم حاصل کریں۔

(۳) کتابوں کا یعنی علوم کا مطالعہ کریں جو بات سمجھ میں نہ آئے اسکو اوروں سے پوچھنے میں شرم اور تامل نہ کریں کہ یہ بڑی بدبختی ہے۔

ایک مرض غضب ہے اسی کو غصہ بھی کہتے ہیں یعنی اپنی طبیعت (مرضی) کے خلاف باتوں پر غضبناک ہو جانا۔ یہ مرض نفس کی بے حد شورش و برہمی قوت دافعہ کی افراط اور اسی کم بخت جہل کی تفریط سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک مرض جُبن ہے اسی کو نامردی بزدلی اور ڈرنا کہتے ہیں یعنی ذاتی حفاظت میں بے موقعہ اور ضرورت سے زیادہ خاموشی یا سکون اختیار کرنا یہ بات قوت دافعہ کی تفریط اور جہل کی افراط سے پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرض خوف ہے یعنی حادثات کے اندیشوں میں اپنے آپ کو لاچار جانکر ڈرنا نفس کا بے موقعہ اور بے حد گھبرانا اس کا سبب بھی وہی یعنی قوت دافعہ کی تفریط اور جہل کی افراط ہے۔

مگر میری عزیز بہن اس موقعہ پر یہ نکتہ یاد رکھو کہ

جس طرح نفس کا اپنے ارادہ پر قدرت و اختیار کامل رکھنا۔ حیات کی انتہا ہے اسی طرح نفس کا اپنے ارادوں کی تکلیف سے نجات دائمی پانا موت کی غایت ہے۔

اپنے موقعہ پر حیات بھی اچھی چیز ہے اور موت بھی اچھی چیز ہے اگر حیات نہ ہوتی تو محاسن و مناقب اخلاق کی تحقیق نہ ہوتی اور اگر موت نہ ہوتی تو مصیبت کی زندگی اور لاعلاج تکالیف سے نجات پانے کا ذریعہ ہی کچھ نہ تھا۔

پس عقل مند وہ ہے کہ امراض اور معائب نفسانی کے دور کرنے میں موت سے ہرگز نہ ڈرے اور بلا ضرورت تہلکہ میں نہ پڑے۔ کیونکہ یہ بھی حکمت سے دور ہے یعنی بلا وجہ خاص جائز نعمتوں سے اور مباح لذتوں سے نفس کو محروم نہ رکھے۔

ایک مرض کثرت شہوت ہے۔ یعنی لذتوں کی طلب میں بے جا لالچ سے نفس کو تکلیف میں نہ ڈالے۔ یہ بے موقع خواہش قوت وجذب کی افراط اور جہل کے باعث پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرض بطالت ہے۔ ضروریات کے پورا کرنے میں خام خیالی سے نفس کا بے موقعہ یا بے حد پرہیز کرنا یا دور رہنا۔ اس کا سبب قوت جذب کی افراط اور جہل کی وجہ سے ناقص ہو جانا ہے۔

ایک مرض حزن ہے یعنی مطلوب اور مفقود کی یاد و فکر میں عدم حصول پر نفس کی بے حد کڑھن اس کا سبب بھی قوت جذب کی افراط اور جہل کے وجہ سے اس کا ناقص ہو جانا ہے۔

ایک مہلک مرض حسد ہے۔ یہ مرض بیجا اور غضب فاسد سے پیدا ہوتا ہے یہ بھی نہایت سخت و بدترین مرض ہے۔ اس کا سبب قوت جذب کا نقص اور قوت تمیز کی کمی ہے۔

اچھا تو اسی سلسلہ میں ہمن۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔

کہ یہ دنیا چند روزہ تماشا ہے گزشتنی یعنی چھوٹنے والی۔ اور گزاشتنی یعنی چھوڑے جانے والی ہے۔ بلکہ بضرورت اسکو اختیار و قبول کرنا بہتر ہے۔

حزن جسکو تم اوپر سمجھ چکی ہو۔ بلا علاج اور توجہ اندفاع کے بھی دور ہو جاتا ہے لیکن یہ حسد بہت ہی بری چیز ہے۔ خدا اسکے اندوہ سے بچائے۔

حاسد عورت تمام جہان کی نعمتوں کو جہالت سے صرف اپنا ہی حصہ سمجھتی ہے۔

دوسروں کو نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہوئے دیکھ کر دل ہی دل میں جلتی ہے کڑھتی ہے۔
بہن تمہیں انصاف کرو دنیا بھر کی نعمتیں ایک ہی عورت کے حصہ میں کیونکر آ سکتی ہیں۔ اگر ایسا ہو بھی تو فائدہ کیونکر اٹھایا جا سکتا ہے۔ توبہ۔ توبہ۔

جو امراض نفسانی اوپر بیان ہوئے حسب تحریر صدر یہ چند ہیں مگر بڑے بڑے یہ ہی ہیں ان سے اور بہت بڑے بڑے امراض پیدا ہوتے ہیں جن کا شمار اس مختصر کتابچے کے لائق نہیں اب ان کا علاج بھی معلوم کرنا ضروری ہے۔ یعنی یہ کہ یہ عیوب نفس میں سے کیونکر دور ہو سکتے ہیں۔ سو بطور اصول سمجھ لو کہ ایک ہی قاعدہ ہے وہ یہ کہ:۔

معالجات کہ جن وجوہات سے جن اسباب سے قویٰ ذہنی خراب ہوتے ہیں۔ یا ہوئے ہیں۔ ان کو ترک کیا جائے۔ مثلاً جھوٹ بولنے کی عادت زیادہ بولنے سے ہوئی لہذا کم گوئی اختیار کی جائے۔

کبھی ذہنی امراض جسمانی فعل یا ترک فعل (امراض) سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا اسوقت بھی معالجہ ہے کہ ان اسباب کو قطع کر دیا جائے۔ مثلاً ضعف دماغ کے باعث اکثر نفسانی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہذا پہلے ضعف دماغ کی فکر کرنی چاہیئے۔

اچھا اب سنو کہ ایک عقل مند اور نیک بی بی کو کیسا ہونا چاہیئے۔ بہن خوب یاد رکھو وہ ایسی ہو جو:۔

(۱) رات دن گھر کے کاموں اور شوہر و اولاد کے حقوق سے جب فرصت پائے ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔

(۲) ممکن ہو اور ممکن ہونے کی کوشش کرے کہ رات کا کچھ حصہ وہ کتنا ہے قلیل

کیوں نہ ہو عبادت ذکر الٰہی کے لئے ضرور وقت رکھے۔

(۳) لغو اور مہمل الفاظ کبھی زبان سے نہ نکالے۔

(۴) ہر وقت ہنس مکھ، خندہ پیشانی، کم سخن۔ نرم مزاج ہی رہے۔

(۵) حق میں زبردست اور حاکم و محکوم کو امیر غریب کو برابر سمجھے۔

(۶) مسکین بہنوں اور غریب بہنوں سے محبت کرے اور ان کو عزیز رکھے۔

(۷) فقیر عورت کو کبھی حقیر اور ذلیل نہ سمجھے۔

(۸) کسی سے حق کی حالت میں نہ ڈرے۔

(۹) جو بہن عزت والی ہو۔ اُسکی واجبی عزت و تالیف قلوب کرے۔

(۱۰) اپنے محلہ اور برادری اور قوم اور ہم مذہب اور ساتھنوں سے اچھی طرح محبت اور کشادہ دلی و تواضع سے ملے۔

(۱۱) کسی بہن کا ناحق دل نہ دکھائے۔

(۱۲) دوسروں کے ساتھ بھلائی احسان مروت کرے اور بھول جائے۔ بدل نہ چاہے

(۱۳) دوسرے کا احسان ہمیشہ یاد رکھے۔ اور بدلا دے۔

(۱۴) غیبت اور غصہ، عداوت کے قریب نہ جائے۔

(۱۵) عفو اور ایثار کو بہت عزیز رکھے۔

(۱۶) خود تکلیف اٹھالے اور دوسروں کو راحت پہونچائے۔

(۱۷) کسی بہن کا کوئی کام جب بن پڑے تو شوق سے پورا کرے۔

(۱۸) جب کوئی مریض ہو تو مزاج پرسی کو جائے علاج اور راحت رسانی میں مدد دے۔

(۱۹) دشمن کے ساتھ نیکی کرے۔ اگرچہ وہ بدی پر دلیر ہو۔

(۲۰) اپنے کاموں کے لئے نوکر کی منتظر نہ رہے۔ نوکر بروقت ضرورت مدد کے واسطے ہوتا ہے۔ نہ کہ معطل و بیکار ہو جانے کے لئے۔

(۲۱) دوسروں کی خوشی سے خوش ہو۔ دوسروں کے رنج سے رنجیدہ۔
(۲۲) احکام الٰہی و سنت نبوی کو کسی اثر اور مصلحت و ضرورت سے نہ ٹھکرائے۔
(۲۳) اپنے حق کو زایل نہ ہونے دے، دوسروں کے حق کو غصب نہ کرے۔
(۲۴) وہ نعمتیں جو خدا نے دی ہیں انکو اوروں پر کشادہ دلی سے تقسیم کرنے میں نقصان کا اندیشہ نہ کرے۔
(۲۵) اہل حاجت کو پہنچانے اور اصلی حال معلوم ہونے سے پہلے اپنے حق سے سبکدوش ہو جائے۔
(۲۶) اوروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے۔

بہن ہمارے تمہارے سردار نبی کریمؐ کی یہی عادتیں تھیں تم بھی انہی کو اختیار کرو۔ دنیا چند روزہ ہے۔ عاقبت کی فکر کرو۔ وہ وقت کچھ دور نہیں، جب تم سے محاسبہ ہوگا۔

(۲)

ب
تدبیر منزلی

ہاں بہن!

معیشت کے متعلق تہذیب اخلاق کی بحث اور اسکے ابتدائی بنیادی مسایل تو خوب سمجھ ہی چکی ہوگی۔ اب تم تدبیر منزلی کے ابتدائی مسایل ابتدائی سرلیں بھی معلوم کرو کہ تم کو ان سے بھی کام پڑے گا۔ اگر منزلی خرابیاں رفع نہ ہونگی تو تہذیب اخلاق کی تکمیل مشکل ہوگی۔ اول میں تم کو یہ بتلانا چاہتا ہوں، کہ تدبیر منزلی کہتے کسکو ہیں اور اسکی ضرورت کیا ہے +

تدبیر منزلی کی تعریف اور اس کی ضرورت

میری عزیز بہن۔ تم دیکھتی ہو کہ تمام حیوانات مثلاً (جانور) حسب ضرورت لباس و آلات سے قدرتاً آراستہ و مکمل ہوتے ہیں۔

جس ملک میں جو جانور ہے اسکی ضروریات کو اسکے وطن و قرب و جوار میں بخشش قدرت نے مہیا کر دیے ہیں۔ تاکہ نفسانی خواہشوں میں وہ مطمئن و تسکین پا سکے۔

اس کا کام محض تلاش تک محدود ہے یعنی گھوڑے کو ضرورت گھاس کی ہے اور پانی کی، تو زندگی کے لیئے اسکو صرف اسی قدر چاہیئے کہ وہ ایک سرسبز جنگل اور پانی کا چشمہ تلاش کر لے جہاں اسکی ضرورت قدرت نے جمع کر رکھی ہے۔

مگر انسان (حیوان ناطق) قدرتاً لباس و آلات سے آراستہ نہیں کیا گیا۔ اسکی تمام ضروریات جسکی تفصیل سوائے خدا کے کسیکو معلوم نہیں بہت کچھ اسی کے ذمہ ہیں تمام باتوں کی دستی۔ وقت کو خرچ کرنے اور آلات سے امداد پانے پر منحصر ہے روزمرہ کی ضروریات کا انصرام اور ان کے جمع کرنے میں وہ طریقہ اختیار کرنا کہ ان کو خارجی اسباب جلدی خراب نہ کر دیں۔ یہ ضرورت منزل ہے۔

اور تدبیر منزلی اس جمع شدہ اور مرتب کردہ نسبت کی حفاظت کا نام ہے جو مرد۔ عورت۔ والدین، اولاد، رشتہ دار، خادم، مخدوم، مال اور آلات میں ہوتی ہے۔ مگر اس شان و قید سے کہ ہر شخص کے حال کی تدبیر خبرداری کیجائے اور ایسے طریقہ پر جسمیں محبت پیدا ہو۔

کیونکہ گھر کے آدمیوں کے لیئے جدا جدا اعتدال و افعال ہیں جنکی وجہ سے ان میں فرق و تمیز قایم رکھا جاتا ہے اور اُن سب کی شرکت و امداد سے وہ مجموعی حالت جس کا نام منزل (گھر) ہے پیدا ہوتی ہے۔

پس گھر کے ہر مدبر کو گھر کے ہر حال پر خبردار ہونا ضروری ہے تاکہ گھر کو کمال کی

عزت تک پہونچا سکے۔

اچھا میری عزیز بہن تم تدبیر منزلی کی تعریف اور اسکی ضرورت تو معلوم کر چکی ہو اب اسکا طریقہ اور اسکی خاص خاص مسایل بھی معلوم کرو۔

حفاظتِ مال سنو بہن!

انسان جن اشیا کے لیئے پیدائشی محتاج ہے۔ ان کا حصول اور ان کا معاوضہ مال (روپیہ) سے ہوتا ہے اسلیئے عقلاً مال کی حفاظت لازمی ہوئی۔

مگر ہم روپیہ کی حفاظت، چوروں سے کر سکتے ہیں لیکن خرچ سے نہیں کر سکتے یعنی ایسا نہیں کر سکتے کہ خرچ نہو کیونکہ خرچ ہی کی وجہ سے تو وہ مطلوب و عزیز ہوا ہے پس اب حفاظت مال کے صرف دو ہی طریقے ہیں۔

(۱) وسایل آمدنی کی توسیع۔

(۲) خرچ کی صورتوں اور راہوں پر نگرانی۔

یہ تم نے سمجھ لیا کہ خرچ کی نگرانی کا عام قاعدہ جو ہر جگہ پورا اترے کیا ہے سنو۔

خرچ کا انتظام خوب سمجھ لو جب تک خرچ کی راہوں پر نگاہ نہ ہوگی۔ آمدنی خواہ کتنی ہی ہو گھر بسنے کا نہیں۔ اب قاعدہ یہ ہے کہ ہر بہن کو اپنی آمدنی کے چار حصے برابر کے کرنے چاہئیں +

(۱/۲ حصے) روز کی ضروریات معینہ میں صرف کرے، کہ یہ حصہ قطعی کہنے کے لیئے نہیں ہوتا

(تیسرا حصہ) اتفاقی معاملات کے لیئے محفوظ رکھے۔ کہ یہ حصہ عام حالات و معمولی ضروریات میں صرف کرنے کے لیئے نہیں ہوتا۔

(چوتھا حصہ) صرف اسوقت کے لیئے رکھ چھوڑے جبکہ آمدنی باقی نہ رہے۔

کیونکہ آمدنی کا بند و موقوف ہو جانا ممکن اور خرچ کا بند ہو جانا غیر ممکن ہے۔

مگر اس مقام پر یہ نکتہ یاد رکھنے کے لایق ہے کہ اندوختہ کو بیکار پتھر بنا کر نہ رکھنا

چاہیئے۔ بلکہ وقت بے وقت اشیاء کی ارزانی سے فائدہ اُٹھاکر اسکو ترقی دیتے رہنا چاہیئے۔

مکان (منزل) یہ بھی یہن یاد رکھو کہ (بود و باش) رہنے سہنے کے لیئے ہر انسان کو مکان کی ضرورت ناگزیر ہے۔ پس جہاں اشراف (اچھی عادتوں) شہرت دے رہتے ہوں ہوادار پختہ ضرورت کے لایق۔ بلا شرکت غیر مکان مہیا کرنا چاہیئے۔ اور ہر وقت اسکی داشت (رکھ رکھاؤ) کرنی چاہیئے۔

کیونکہ مال کی حفاظت کے لیئے مکان لازمی چیز ہے۔ گھر کی ضروریات میں جو کھانے پینے کے متعلق ہیں ان کا یہ بندوبست ہونا چاہیئے کہ فصل سے فصل تک کا ذخیرہ جمع کر لیا جائے تاکہ قحط و گرانی کی تکلیف ایک دم وارد نہ ہو۔

یاد رکھو اور خوب سمجھ لو بہن!

آمدنی کے وسائل کہ خرچ کے جاری رکھنے کے لیئے آمدنی کا ہونا لازمی ہے کیونکہ خرچ پورا کرنے کے لیئے آمدنی کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ پس اب یہ یاد رکھو کہ کل آمدنیاں چار قسم پر منقسم ہیں۔

(۱) **قدرتی**۔ اس سے یہ مراد ہے کہ تمہارے بن اور جنگل اور تالاب ہو۔ قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور تم نفع اٹھاتی ہو۔ خواہ فروخت کرکے یا اپنی حاجتوں پر صرف کرکے اس میں انتظام و تردد کرنا نہ پڑے۔

(۲) **خرچ آمدنی خیز**۔ اس سے مراد سود۔ یعنی جو صرف روپیہ سے حاصل ہو۔

(۳) **محنت**۔ اس سے مراد مزدوری، نوکری زراعت جو مشقت کرنے سے حاصل ہو۔

(۴) **سرمایہ**۔ اس سے مراد تجارت ہے۔

مگر سرمایہ کی دو قسمیں ہیں ایک سرمایۂ (تمام) جس سے نفع اصل شے کو بدوں دے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے مراد کرایہ وغیرہ ہے۔ دوسری قسم سرمایۂ (دائر) جسکا فائدہ جنس قابل فروخت کے بیچ دے اور منتقل کر دینے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً تم نے ہزار روپیہ

لگا کر ایک مکان بنوایا اسکا کرایہ دو روپیہ ماہوار آتا ہے تو مکان تمہارا سرمایہ قایم یا قدیم کہا جائے گا۔ یا فصل پر تم نے پندرہ سیر کے گیہوں خرید لئے۔ چند روز بعد دس سیر کے بیچ ڈالے۔ تو یہ سرمایہ دایر کہا جائے گا۔

مگر یہ نکتہ دھیان میں رکھو بہن!

جس قدر پیشے ہیں وہ چار قسم کے ہیں پہلی قسم میں شریف اور عزت والے ہیں جن کا تعلق نفس کی محنت سے ہے۔

پہلی قسم۔ شریف۔ اونچے درجہ اور حکومت دینے والے۔ مال دار بنانے والے کام یا ملازمتیں (۱) طبابت۔ نظامت۔ قضا وغیرہ۔

دوسری قسم۔ متوسط (درمیانی) یعنی جو نہ شریف ہے نہ قابل کراہیت یعنی گھنونی تجارت۔ زراعت وغیرہ۔

تیسری قسم۔ مکروہ۔ یعنی جسمیں کوئی عزت اور شرافت کی بات نہ ہو۔ ادنے درجہ کے پیشے مثلاً نائی کا کام۔ دھوبی کا۔ پلہ داری۔ نانبائی۔ زرگری۔ چرم دوز۔ موچی۔ خدمتگاری

چوتھی قسم۔ ناجایز۔ یعنی کمینہ پن کے کام بطور پیشے کے ان میں آمدنی خاصی ہے مگر بہت برے سمجھے جاتے ہیں مثلاً سود خوری۔ نقالی۔ چوری۔ راہ زنی۔

پیشوں کی شاخیں اور پھر ایک کی دوسرے سے رشتہ داری یعنی بعض پیشے تو ایسے ہوتے ہیں جو مفرد یعنی دوسرے پیشے کے اپنے عمل میں محتاج نہیں۔ جیسے لوہاری کہ یہ پیشہ مفرد ہے۔ اپنی حدود میں کسی دوسرے پیشہ کا محتاج نہیں بعض پیشے ایسے ہیں جو دوسرے پیشوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ انکو مرکب یعنی ملے ہوئے کہا جاتا ہے۔ جیسے آئینہ سازی وغیرہ ان سب کی تفصیلات بہت لانبی ہیں سب کو اگر میں نے یہاں بیان کیا تو تمہارا دل اُچٹیگا اور گھبرا جاؤگی۔ ابتدائی باتوں کو میں نے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

ان مختلف پیشوں کی غرض یہ ہے کہ انسان کو روزی کی فراخی سے زیادہ دنیا میں

کوئی نعمت نہیں۔ اگر روزی کے حاصل کرنے میں تم کچھ مدد کر سکو یا کر سکنے کے لایق ہو تو بلاشک تم خدا کی نعمتوں میں ایک عجیب تر نعمت ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے اور تم معذور ہو۔ تو تم میں کوئی اخلاقی کمی نہیں۔ نہ تم اسکی ذمہ دار جواب دہ ہو لیکن ایسی حالت میں کہ مرد اپنی کوششوں میں زیادہ کامیاب نہ ہو۔ یا ناکام رہ گیا ہو یا کسی وجہ سے محروم رہا ہو یا حادثات زمانہ نے اسکو تنگ دست کر رکھا ہو۔ تو تم اپنی تدبیر اور مستقل مزاجی سے اسکے لیے معاون و مددگار ثابت ہو۔ نہ کہ وبال جان، وہ گھبرا کر چیخ اُٹھے ؎

میں نے بہن بھی کہا ہے کہ تم مرد کے لیئے مددگار ثابت ہو۔ یہاں تمہارے دلمیں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ عورت اور مرد کیوں باہم جمع ہوتے ہیں یا کئے جاتے ہیں۔ اور جمع ہونیکا یا کروانے کا جو قاعدہ قوموں میں ہے آخر اس کی غرض اور بنیاد کیا ہے تو غور سے سمجھو میں تمہیں بہت مختصر طور پر بتلائے دیتا ہوں۔

ازدواج اس بات پر غور کرنے سے پہلے یہ سمجھو کہ آخر مرد اور عورت کو باہم متحد ہونے کی جسکو ازدواج کہا جاتا ہے۔ کیوں ضرورت ہے۔ کیا مرد، مرد۔ عورت، عورت جدا جدا نہیں رہ سکتے تھے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ

حفاظتِ جان
حفاظتِ مال
حفاظتِ نسل

کیلئے انسان کو مختلف امورات کا انتظام کرنا قدرتاً لازم ہو گیا ہے۔ یا یوں سمجھو قدرت نے بہت سے کام اسپر عاید یا اسکے سپرد کر رکھے ہیں۔ جن کا تنہا پورا کرنا یا ہونا مشکل یا ممکن نہ تھا ایسی حالت میں مددگار اور مدد کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ قدرت نے تمام حیوانات کو جوڑہ جوڑہ پیدا کیا ہے۔ انسان کو بھی جوڑہ پیدا فرمایا۔ مرد کا جوڑہ عورت، عورت کا جوڑہ مرد۔ پیدا کیا۔ اور ایک کو دوسرے کا محتاج بنایا۔

تاکہ سوچ بچار کر آگا پیچھا دیکھ کر ہر فرد اپنا زوج قبول کرے۔ اور غرض مشترک پیدا ہو کر ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو جائیں۔

نکاح سیاہ عقد، اسی سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ ایک جوان مرد اور ایک جوان عورت کو اپنی خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کے واسطے متحد ہو کر اجازت عام اتفاق سے دیدیجائے اور سب جان جائیں کہ فلاں مرد فلاں عورت نے ایک کا دوسرے کے ساتھ متحد ہونا منظور کر لیا ہے۔ اب اس متحد شدہ جوڑہ پر نظر نہ ڈالنی چاہیئے کیونکہ یہ اب کسی کا حق نہیں ہو سکتا۔

اگر کد خدائی یعنی نکاح کو بطور قانون ہر مذہب تسلیم نہ کرتا۔ یا اسکی ضرورت سے افراد بے نیاز ہو جاتے، تو تدبیر منزلی برہم ہو جاتی جس طرح حیوانات مطلق ہیں ایسے ہی یہ اشرف المخلوقات بھی ہوتا۔ اسی تقید نے شرافت منزلی پیدا کر دی ہے۔ اسلئے کہ خدائی (شادی) لازمی کر دی گئی ہے اور تجرد یعنی تنہا رہنا عورت کا ہو یا مرد کا بُرا سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ تجرد فطرت کے خلاف ہے اور ہر مجرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہلاکت کا لقمہ ہے۔ قوم اور خاندان و ملک کے لیئے اندیشہ ناک ہوتا ہے۔

شرائط ازدواج ہم زوج ہونے سے پہلے، ایک کو دوسرے میں جن باتوں کو ڈھونڈھنا چاہیئے وہ یہ ہیں:-

(۱) بدنسلی۔
(۲) فضول خرچی۔
(۳) غرور۔
(۴) بدمزاجی یعنی غصہ
(۵) بے ہنری۔
(۶) بدصورتی۔
(۷) مفلسی۔

جہاں یہ باتیں ہوں وہاں ازدواجانہ تعلق قایم کرنے سے بچے اگرچہ افلاس اور

تمول کو پہلے لوگوں نے وزن نہیں دیا۔

مگر بہن میری رائے تو ہے کہ فی زمانہ مرد کے افلاس و تمول پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے لیکن اسکو مقدم نہ رکھنا چاہیئے۔ جہاں پہلی چھ باتوں کو چھوڑ کر اس ساتویں بات پر تمام باتوں کا حصر ہو جاتا ہے وہاں تمول کچھ بھی مفید نہیں ہوتا۔

(۱) ہم سنی۔

(۲) ہم مزاجی۔

(۳) ہم قسمی۔

(۴) ہم پائیگی۔

(۵) حسن صورت۔

(۶) نیکوکاری یعنی حسن سیرت۔

(۷) تمول۔

جہاں یہ باتیں ہوں وہاں ازدواجانہ تعلق قایم کرنے پر جرأت کرنی چاہیئے۔ اس موقع پر تمول اور افلاس کی بحث اٹھ جاتی ہے۔

کیونکہ ان دونوں تقسیموں کا نتیجہ دو ہی صورتوں میں پیدا ہوتا ہے۔

موافقت } اول الذکر، راحتوں کی ماں ہے، جس سے ہزاروں خوشیاں ہر وقت
ناموافقت } پیدا ہوتی رہتی ہیں اور دونوں میاں بیوی راحتوں میں کھیلتے رہتے ہیں۔

ثانی الذکر، جملہ تکالیف کی ماں ہے۔ اسی سے ہزاروں مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ ہر وقت میاں بیوی مصیبتوں میں گھرے رہتے ہیں،

انتخاب زوج کی شرائط کو ٹھکرانے کا نتیجہ اگر دیکھنا یا دکھلانا ہو۔ تو انتخاب زوج مصنفہ کے الف بیگم صاحبہ دیکھو کہ اس بحث کو انہوں نے خوب لکھا ہے۔

حدود باہمی } یاد رکھو بہن، گھر میں میاں بیوی نایب و منیب ہوتے ہیں۔

مرد پر لازم ہے عورت کی کفالت، عزت، مروت، محبت کرے۔
عورت پر لازم ہے۔ مرد کی محبت، دہشت، خدمت، اطاعت اپنے اوپر لازم پکڑی رہے
کہ بدوں ان شرایط کو قبول کئے ہوئے تکمیل استحاد ناممکن ہے۔ اور جب تک استحاد نہ ہو۔
تدبیر منزلی ناقص رہے گی۔ یہ بھی یاد رکھو۔
ناموافقت کی صورت میں، رسوائی و خرابی لازمی چیزیں ہیں جہاں تک ممکن
ہو طرفین کو سختیوں پر صبر کرنا چاہیئے۔
موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔
اگر حالات ناممکن بنا دیں اور زندگی تلخ ہو جائے اوقات ضائع ہوتے ہوں تو
پھر اسکے سوا چارہ نہیں کہ اس اقرار کو دونوں ملکر رضامندی کے ساتھ فسخ کر دیں،
یعنی توڑ دیں جو متحد رہنے کے لیئے کیا گیا تھا۔ جسکو عرف میں نکاح کہا جاتا ہے یعنی طلاق
یا خلع دی جائے یا حاصل کی جائے۔ اگرچہ جایز کاموں میں سب سے زیادہ برے کام یہی ہیں
اسکے ساتھ ہی یہ بھی دھیان میں رہے۔
کہ بصورت ناموافقت، ناموافقت کے نتائج سے امن میں رہنے کے لیئے اگر
طلاق و خلع کی چنداں پرواہ نہ کی جائے گی۔ تو دو حالتیں ضرور سامنے ہیں یا تو

(۱) جان - جائے گی } نہر کھائے، کنوے میں گرے یعنی خودکشی واقعہ ہو۔ یا
یا } امراض میں مبتلا ہو کر گھل گھل کر مرے۔
(۲) عزت جائے گی } اس فقرہ کی تشریح میں نہیں کر سکتا۔ جو تمہیں پڑھاتی
ہیں ان سے پوچھو یا اپنے شوہر سے +

ازدواج کی بحث تو بہن تم سمجھ چکی ہو۔ اسکے بعد ان نتائج کا برآمد ہوتا ہے
جن کے لیئے ازدواج عمل میں آیا ہے۔ حفاظت جان۔ مال۔ نسل یہ سب اپنے اپنے
موقعہ پر سمجھو گی۔ یہاں حفاظت نسل کا مسئلہ سمجھو +

تدبیر منزلی کی تعریف اور اس کی ضرورت

میری عزیز بہن۔ تم دیکھتی ہو کہ تمام حیوانات مطلق (جانور) حسب ضرورت لباس و آلات سے قدرتاً آراستہ و مکمل ہوتے ہیں۔

جس ملک میں جو جانور ہے اسکی ضروریات کو اسکے وطن و قرب و جوار میں بکثرت قدرت نے مہیا کر دیے ہیں۔ تاکہ نفسانی خواہشوں میں وہ مطمئن و تسکین پا سکے۔

اس کا کام محض تلاش تک محدود ہے یعنی گھوڑے کو ضرورت گھاس کی ہے اور پانی کی، تو زندگی کے لیئے اسکو صرف اسی قدر چاہیئے کہ وہ ایک سرسبز جنگل اور پانی کا چشمہ تلاش کرلے جہاں اسکی ضرورت قدرت نے جمع کر رکھی ہے۔

مگر انسان (حیوان ناطق) قدرتاً لباس و آلات سے آراستہ نہیں کیا گیا۔ اسکی تمام ضروریات جسکی تفصیل سوائے خدا کے کسیکو معلوم نہیں بہت کچھ اسکے ذمہ ہیں تمام باتوں کی دستی۔ وقت کو خرچ کرنے اور آلات سے امداد پانے پر منحصر ہے روزمرہ کی ضروریات کا انصرام اور ان کے جمع کرنے میں وہ طریقہ اختیار کرنا کہ ان کو خارجی اسباب جلدی خراب نہ کر دیں۔ یہ ضرورت منزل ہے۔

اور تدبیر منزلی اس جمع شدہ اور مرتب کردہ نسبت کی حفاظت کا نام ہے جو مرد۔ عورت۔ والدین، اولاد، رشتہ دار، خادم۔ مخدوم، مال اور مالدار میں ہوتی ہے۔ مگر اس شان و قید سے کہ ہر شخص کے حال کی تدبیر خبرداری کیجائے اور ایسے طریقہ پر جسمیں محبت پیدا ہو۔

کیونکہ گھر کے آدمیوں کے لیئے جدا جدا اعتدال و افعال ہیں جنکی وجہ سے ان میں فرق و تمیز قایم رکھا جاتا ہے اور اُن سب کی شرکت و امداد سے وہ مجموعی حالت جس کا نام منزل (گھر) ہے پیدا ہوتی ہے۔

پس گھر کے ہر مدبر کو گھر کے ہر حال پر خبردار ہونا ضروری ہے تاکہ گھر کو کمال کی

لگا کر ایک مکان بنوایا اسکا کرایہ دو روپیہ ماہوار آتا ہے تو مکان تمہارا سرمایہ قایم یا قدیم کہا جائے گا۔ یا فصل پر تم نے پندرہ سیر کے گیہوں خرید لئے۔ چند روز بعد دس سیر کے بیچ ڈالے۔ تو یہ سرمایہ دایر کہا جائے گا۔

مگر یہ نکتہ دھیان میں رکھو بہن!

جس قدر پیشے ہیں وہ چار قسم کے ہیں پہلی قسم میں شریف اور عزت والے ہیں جن کا تعلق نفس کی محنت سے ہے۔

پہلی قسم - شریف۔ اونچے درجہ اور حکومت دینے والے۔ مال دار بنانے والے کام یا ملازمتیں (۱) طبابت۔ نظامت۔ قضا وغیرہ۔

دوسری قسم - متوسط (درمیانی) یعنی جو نہ شریف ہے نہ قابل کراہیت یعنی گماشتگی تجارت۔ زراعت وغیرہ۔

تیسری قسم - مکروہ۔ یعنی جسمیں کوئی عزت اور شرافت کی بات نہ ہو۔ ادنے درجہ کے پیشے مثلاً نائی کا کام۔ دھوبی کا۔ پلہ داری۔ نانبائی۔ زرگری۔ چرم دوزی۔ موچی۔ خدمتگاری

چوتھی قسم - ناجایز۔ یعنی کمینہ پن کے کام بطور پیشے کے ان میں آمدنی خاصی ہے مگر بہت برے سمجھے جاتے ہیں مثلاً سود خوری۔ نقالی۔ چوری۔ راہ زنی۔

پیشوں کی شاخیں اور پھر ایک کی دوسرے سے رشتہ داری یعنی بعض پیشے تو ایسے ہوتے ہیں جو مفرد یعنی دوسرے پیشے کے اپنے عمل میں محتاج نہیں۔ جیسے لوہاری کہ یہ پیشہ مفرد ہے۔ اپنی حدود میں کسی دوسرے پیشہ کا محتاج نہیں بعض پیشے ایسے ہیں جو دوسرے پیشوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ انکو مرکب یعنی ملے ہوئے کہا جاتا ہے۔ جیسے آئینہ سازی وغیرہ ان سب کی تفصیلات بہت لانبی ہیں سب کو اگر میں نے یہاں بیان کیا تو تمہارا دل اُلجھیگا اور گھبرا جاؤگی۔ ابتدائی باتوں کو میں نے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

ان مختلف پیشوں کی غرض یہ ہے کہ انسان کو روزی کی فراخی سے زیادہ دنیا میں

کوئی نعمت نہیں۔ اگر روزی کے حاصل کرنے میں تم کچھ مدد کر سکو یا کر سکنے کے لایق ہو تو بلاشک تم خدا کی نعمتوں میں ایک عجیب تر نعمت ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے اور تم معذور ہو۔ تو تم میں کوئی اخلاقی کمی نہیں۔ نہ تم اسکی ذمہ دار جواب دہ ہو لیکن ایسی حالت میں کہ مرد اپنی کوششوں میں زیادہ کامیاب نہ ہو۔ یا ناکام رہ گیا ہو یا کسی وجہ سے محروم رہا ہو۔ یا حادثات زمانہ نے اسکو تنگ دست کر رکھا ہو۔ تو تم اپنی تدبیر اور مستقل مزاجی سے اسکے لیئے معاون و مددگار ثابت ہو۔ نہ کہ وبال جان، وہ گھبرا کر چیخ اُٹھے ؎

میں نے بہن ابھی کہا ہے کہ تم مرد کے لیئے مددگار ثابت ہو۔ یہاں تمہارے دلمیں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ عورت اور مرد کیوں باہم جمع ہوتے ہیں یا کئے جاتے ہیں۔ اور جمع ہونیکا یا کروانے کا جو قاعدہ قوموں میں ہے آخر اس کی غرض اور بنیاد کیا ہے لو غور سے سمجھو میں تمہیں بہت مختصر طور پر بتلائے دیتا ہوں۔

ازدواج اس بات پر غور کرنے سے پہلے یہ سمجھو کہ آخر مرد اور عورت کو باہم متحد ہونے کی جسکو ازدواج کہا جاتا ہے۔ کیوں ضرورت ہے۔ کیا مرد، مرد۔ عورت، عورت جدا جدا نہیں رہ سکتے تھے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ

حفاظتِ جان
حفاظتِ مال
حفاظتِ نسل

کیلئے انسان کو مختلف صورتوں کا انتظام کرنا قدرتاً لازم ہو گیا ہے۔ یا یوں سمجھو قدرت نے بہت سے کام اسپر عاید یا اسکے سپرد کر رکھے ہیں۔ جن کا تنہا پورا کرنا یا ہونا مشکل یا ممکن تھا ایسی حالت میں مددگار اور مدد کی ضرورت ہوئی چنانچہ قدرت نے تمام حیوانات کو جوڑہ جوڑہ پیدا کیا ہے انسان کو بھی جوڑہ پیدا فرمایا۔ مرد کا جوڑہ عورت، عورت کا جوڑہ مرد پیدا کیا۔ اور ایک کو دوسرے کا محتاج بنایا۔

تاکہ سوچ بچار کر آگا پیچھا دیکھ کر ہر فرد اپنا زوج قبول کرے۔ اور غرض مشترک پیدا ہو کر ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو جائیں۔

نکاح سیاہ عقد، اسی سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ ایک جوان مرد اور ایک جوان عورت کو اپنی خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کے واسطے متحد ہو کر اجازت عام اتفاق سے دیدیجائے اور سب جان جائیں کہ فلاں مرد فلاں عورت نے ایک کا دوسرے کے ساتھ متحد ہونا منظور کر لیا ہے۔ اب اس متحد شدہ جوڑہ پر نظر نہ ڈالنی چاہیئے کیونکہ یہ اب کسی کا حق نہیں ہو سکتا۔

اگر کد خدائی یعنی نکاح کو بطور قانون ہر مذہب تسلیم نہ کرتا۔ یا اسکی ضرورت سے افراد بے نیاز ہو جاتے، تو تدبیر منزلی برہم ہو جاتی جس طرح حیوانات مطلق ہیں ایسے ہی یہ اشرف المخلوقات بھی ہوتا۔ اسی تقیید نے شرافت منزلی پیدا کر دی ہے۔ اسلئے کد خدائی (شادی) لازمی کر دی گئی ہے اور تجرد یعنی تنہا رہنا عورت کا ہو یا مرد کا بُرا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ تجرد فطرت کے خلاف ہے اور ہر مجرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہلاکت کا لقمہ ہے۔ قوم اور خاندان و ملک کے لیئے اندیشہ ناک ہوتا ہے۔

شرائط ازدواج ہم زوج ہونے سے پہلے، ایک کو دوسرے میں جن باتوں کو ڈھونڈھنا چاہیئے وہ یہ ہیں:-

(۱) بدنسلی۔
(۲) فضول خرچی۔
(۳) غرور۔
(۴) بدمزاجی یعنی غصہ
(۵) بے ہنری۔
(۶) بدصورتی۔
(۷) مفلسی۔

جہاں یہ باتیں ہوں وہاں ازدواجانہ تعلق قایم کرنے سے بچے اگرچہ افلاس اور

تمول کو پہلے لوگوں نے وزن نہیں دیا۔

مگر میری رائے تو ہے کہ فی زمانہ مرد کے افلاس و تمول پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے لیکن اسکو مقدم نہ رکھنا چاہیئے۔ جہاں پہلی چھ باتوں کو چھوڑکر اس ساتویں بات پر تمام باتوں کا حصر ہوجاتا ہے وہاں تمول کچھ بھی مفید نہیں ہوتا۔

(۱) ہم سنی۔

(۲) ہم مزاجی۔

(۳) ہم نسلی۔

(۴) ہم پایگی۔

(۵) حسن صورت۔

(۶) نیکوکاری یعنی حسن سیرت۔

(۷) تمول۔

جہاں یہ باتیں ہوں وہاں ازدواجانہ تعلق قایم کرنے پر جرأت کرنی چاہیئے۔ اس موقع پر تمول اور افلاس کی بحث اُٹھ جاتی ہے۔

کیونکہ ان دونوں تقسیموں کا نتیجہ دو ہی صورتوں میں پیدا ہوتا ہے۔

موافقت } اول الذکر، راحتوں کی ماں ہے، جس سے ہزاروں خوشیاں ہر وقت
ناموافقت } پیدا ہوتی رہتی ہیں اور دونوں میاں بیوی راحتوں میں کھیلتے رہتے ہیں۔

ثانی الذکر، جملہ تکالیف کی ماں ہے۔ اسی سے ہزاروں مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ ہر وقت میاں بیوی مصیبتوں میں گھرے رہتے ہیں،

انتخاب زوج کی شرائط کو ٹھکرانے کا نتیجہ اگر دیکھنا یا دکھلانا ہو۔ تو انتخاب زوج مصنفہ کے الف نگم صاحبہ دیکھو کہ اس بحث کو انہوں نے خوب لکھا ہے۔

حدود باہمی } یاد رکھو میاں، گھر میں میاں بیوی نایب و منیب ہوتے ہیں۔

مرد پر لازم ہے عورت کی کفالت، عزت، مروت، محبت کرے۔

عورت پر لازم ہے، مرد کی محبت، دہشت، خدمت، اطاعت اپنے اوپر لازم پکڑی رہے کہ بدوں ان شرایط کو قبول کئے ہوئے تکمیل اتحاد ناممکن ہے۔ اور جب تک اتحاد نہ ہو۔ تدبیر منزلی ناقص رہے گی۔ یہ بھی یاد رکھو۔

ناموافقت کی صورت میں، رسوائی و خرابی لازمی چیزیں ہیں جہاں تک ممکن ہو طرفین کو سختیوں پر صبر کرنا چاہیئے۔

موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔

اگر حالات ناممکن بنا دیں اور زندگی تلخ ہو جائے اوقات ضائع ہوتے ہوں تو پھر اسکے سوا چارہ نہیں کہ اس اقرار کو دونوں ملکر رضامندی کے ساتھ فسخ کر دیں، یعنی توڑ دیں جو متحد رہنے کے لیئے کیا گیا تھا۔ جسکو عرف میں نکاح کہا جاتا ہے یعنی طلاق یا خلع دی جائے یا حاصل کی جائے۔ اگرچہ جایز کاموں میں سب سے زیادہ برے کام یہی ہیں اسکے ساتھ ہی یہ بھی دھیان میں رہے۔

کہ بصورت ناموافقت، ناموافقت کے نتائج سے امن میں رہنے کے لیئے اگر طلاق و خلع کی چنداں پرواہ نہ کی جائے گی۔ تو دو حالتیں ضرور سامنے ہیں یا تو

(۱) جان۔ جائے گی } نہر کھائے، کنوے میں گرے یعنی خودکشی واقعہ ہو۔ یا
یا } امراض میں مبتلا ہو کر گھل گھل کر مرے۔
(۲) عزت جائے گی } اس نقرہ کی تشریح میں نہیں کر سکتا۔ جو تہمتیں پڑتی ہیں ان سے پوچھو یا اپنے شوہر سے +

از دواج کی بحث تو ہم تم سمجھ چکی ہو۔ اسکے بعد ان نتائج کا برآمد ہونا ہے جن کے لیئے از دواج عمل میں آیا ہے۔ حفاظت جان۔ مال۔ نسل یہ سب اپنے اپنے موقعہ پر سمجھو گی۔ یہاں حفاظت نسل کا مسئلہ سمجھو +

جناب مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے (علیگ)

(سابق ایڈیٹر زمیندار لاہور و حال مدیر ستارۂ صبح کرم آباد)

نظام المشائخ کے رسول نمبر ۱۳۳۵ھ کی نسبت

ستارۂ صبح (جلد ۱ نمبر ۸) میں قلمزد ہیں کہ "بہتر من ہمہ نیست نمبر جو ہماری نظر سے گزرا نظام المشائخ دہلی کا رسول نمبر ہے جسکی طرف ہم ارباب ذوق سلیم کو خاص توجہ دلاتے ہیں"

محترم ہمقلم روزانہ دہلی گزٹ دہلی لکھتا ہے

نظام المشائخ کا رسول نمبر جس جانکاہی سے مرتب کیا گیا ہے قابل تحسین و آفرین ہے

محترم ہم قلم مشرق گورکھپور لکھتا ہے

نظام المشائخ کا رسول نمبر ہر سال خاص اہتمام سے شائع ہوتا ہے اسمیں عمدہ عمدہ مضامین درج کیے جاتے ہیں

محترم ہمقلم منیر اعظم مراد آباد لکھتا ہے

نظام المشائخ کا رسول نمبر ۱۳۳۵ھ نہایت آب و تاب سے شائع ہوا ہے اور ہر حیثیت سے قابل دید ہے

محترم ہم قلم اسوۂ حسنہ پیر بھ کی رائے کا خلاصہ

اس قدر ضخیم نمبر میں عام و خواص کی دلچسپی و نفع رسانی کا بدرجہ اتم لحاظ رکھا گیا ہو ابھی تک کسی پرچے نے شائع نہیں کیا سوائے نظام المشائخ کے کہ وہ ہر سال اس نیک خصوصیت میں اپنے تمام معاصرین سے سبقت لیجانے کا دعوی ہر گیا ہے یہ نمبر واقعی اسم با مسمی ہو کر مسلمانوں کے مذہبی لٹریچر کے اس خلا کو جو سیرت نبوی کے متعلق ہے بیش قیمت طور پر پورا کر دیتا ہے آجکل کی گرانی کاغذ کے زمانہ میں رسول نمبر ایک سو چوالیس ۱۴۴ صفحوں پر نکلا ہے کمیت و کیف کے لحاظ سے پرچوں کو بھی مشکل سے نصیب ہوتے ہیں اتنے بڑے رسالے میں خصوصاً جبکہ اسکا موضوع تالیف مخصوص کر دیا ہو ہزار ہا مختلف المذاق ناظرین کے لیے اول سے آخر تک دلچسپی کا قایم رکھنا یقیناً ایک دشوار کام ہے لیکن رسول نمبر کے قابل مولف کو اس میں کامیابی ہوئی ہے اور ان میں مضمون ایسے ہیں جن سے رسول نمبر تو درکنار کوئی ایسا نمبر ہی جسے شروع کر کے ختم کرنا کسی طبیعت پر گراں گذرے رسول نمبر گویا ایک گلدستہ ہے پھولوں کا کہ جسکی خوشبو سے مہمان رسول کی روحیں فرحت و مسرت سے بے خود ہو جاتی ہیں" بقیت مدعا و محصول منیجر نظام المشائخ طلب کیا جائے

تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

میلاد نامہ - واقعی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میلاد پڑھنے کے لایق یہی ایک کتاب ہے - قیمت عہ/

محرم نامہ - شہادت امام حسین علیہ السلام کے صحیح تاریخی حالات - قیمت فی جلد صرف - - - عہ/

بیوی کی تعلیم - ہر خاتون کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے - عجیب کتاب ہے - - - قیمت ۱۲/

چٹکیاں اور گدگدیاں - مذہبی، تمدنی، علمی اور ادبی مہذب ظرافت - - - - - - - - قیمت صرف ۸/

قبروں کے غیبی نوشتے - حضرت مصنف کی نظر حال نے پڑھ کر لکھے ہیں - قیمت صرف - - - ۸۰/

سفر نامہ مصر و شام و حجاز یہ سفر نامہ جواب نہیں کمتا الفاظ کی تصویروں کے علاوہ ۳۰ مکمل فوٹو بھی ہیں - خصوصاً فرعون موسیٰ کی لاش کا فوٹو قابل عبرت ہے قیمت فی جلد صرف - - - - - - - - - ۳/

سیپارۂ دل - تمام مکمل مضامین کا اچھا خاصہ ضخیم مجموعہ ہے قیمت فی جلد عہ/ **تسخیر مہر و قہر** اعمال حزب البحر قیمت ۸/

تالیق خطوط نویسی قیمت ۱۰/ **ارجگ میتی** قیمت ۸/ اردو مضامین قیمت ۱۰/ **اسلام کا انجام** قیمت فی جلد ۲/

اسرار فی جلد ۴/ **غدر دہلی کے افسانے** قیمت ۲/ **پورا میگزین** قیمت ۵/ **رسول کی عیدی** قیمت صرف ۲/

مجموعہ خطوط خواجہ حسن نظامی قیمت فی جلد ۱۲/ **فلسفہ شہادت** حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا شہرہ آفاق کارنامہ جو پہلی بار تیار کرایا ہے

انتخاب توحید - میرٹھ کے اخبار توحید کے مضامین کا انتخاب جسکے چیف ایڈیٹر حضرت خواجہ صاحب تھے اور جس نے چند ہی دن ملک بھر میں اپنی دھوم مچوادی تھی قیمت ایک روپیہ (عہ/) علاوہ محصول

روزنامچہ خواجہ حسن نظامی جس میں حضرت خواجہ صاحب نے بمبئی گجرات کاٹھیاواڑ وغیرہ کے دلچسپ حالات تحریر فرمائے ہیں مشہور زیارتوں اور مقامات تاریخی کا بیان ہے قیمت آٹھ آنے (۸/)

کرشن میتی (مصور) حضرت کی نئی اور نادر تالیف ہے - ہندوستان کے مشہور داستان سری کرشن کے حالات - ہندوؤں اور مسلمانوں دونو کے پڑھنے کے لایق قیمت دو روپے (عہ/)

بچوں کی کہانیاں - ایڈیٹر محرر حضرت خواجہ حسن نظامی نے حضرت خواجہ صاحب کی مدد و صلاح سے شائع فرمائی ہیں قیمت چھ آنے (۶/)

یہ سب کتابیں منیجر نظام المشایخ دہلی سے طلب کیجئے

یہ عمدہ کتابیں صرف خانقاہ نظامیہ مشائخ دہلی سے منگائیے

مشاہیر یونان و روم - اس میں یونان و روم کے اولوالعزم مدبرین کے حالات زندگی اور ان کی بیش بہا خدمات درج ہیں۔ یہ حکیم پلوٹارک یونانی کی مشہور آفاق تصنیف ہے جب انگریزی میں اس کا ترجمہ ہوا تو سر جارج کوم کو سر کا خطاب ملا اب سید ہاشمی فرید آبادی (علیگ) نے اسے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ یورپ میں بڑے بڑے فلسفی اور شاعر اور مدبر اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہندوستانی بھی اگر قعر مذلت سے نکلنا چاہتے ہیں تو اسے مطالعہ میں رکھیں۔ یونان و روم کی قدیم سلطنتوں کے رنگین نقشوں سے بھی یہ کتاب مزین ہے۔ قیمت ڈھائی روپے (عہ) علاوہ محصول۔

دریائے لطافت - مشہور استاد ان فن انشاء اللہ خاں انشاء اور مرزا قتیل کی بحید کو مشنوں کا نتیجہ ہے۔ ان اصحاب کے لئے جن کو اردو زبان کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنا ہو اس سے بہتر رہنما نہ ملیگا قیمت عہ

فلسفہ جذبات - علم النفس پر پہلی کتاب، مصنفہ مسٹر عبدالماجد بی۔ اے نہایت سلیس علم نہم دلچسپ ہے قیمت ایکروپیہ (عہ) علاوہ محصول +

فلسفہ اجتماع - یہ بھی جناب عبدالماجد نے لکھی ہے، اسکی تعریف یہ کافی ہے کہ اس کا انگریزی ترجمہ انگلستان کی فرانسیسی کمپنی نے شائع کیا ہے۔ قیمت ایکروپیہ (عہ) علاوہ محصول +

البیرونی - کتاب ہٰذا کے مصنف علامہ ابوریحان بیرونی کی سوانحعمری از مسٹر سید حسن برنی بی۔ اے (علیگ) قیمت عہ

مقدمات الطبیعیات - مرزا مہدی خان صاحب کوکب جنہیں ریاست حیدرآباد نے خاص علوم طبیعیہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ بھیجا تھا انہوں نے اسے تالیف کی ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ)

خلافت اندلس - عربوں کی ہشت صدی حکومت اندلس کی تاریخ از نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم۔ اے۔ قیمت حصہ اول عہ۔ حصہ دوم عہ حصہ سوم عہ مکمل سٹ للعہ علاوہ محصول +

العائلہ - عورتوں اور بچوں کے علاج اور پرورش و اخلاق میں اس سے بہتر کتاب آپکو مشکل سے ملیگی قیمت عہ

بزم فرید - حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات اور مجالس کے حالات راحت القلوب کے نام سے فارسی میں جمع فرمائے تھے اسکا اردو میں مولانا محمد الواحدی صاحب نے ترجمہ کیا ہے اور بزم فرید نام رکھا۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر) +

وجدانی نشتر۔ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے جسمیں اہل اللہ کے لیے ناز و نیاز، سوز و ساز، سکون و اضطراب اور وجد و حال کا ایک لازوال روحانی خزانہ جمع کیا گیا ہے قیمت ایک روپیہ (علہ) +

داتا گنج بخش رح۔ پنجاب کے سب سے بڑے واعظ الاسلام حضرت علی مخدوم ہجویری عرف داتا گنج بخش کے سبق آموز حالات جن کی ابتدا استنبول ہجویر المقدس سے شروع ہوتی ہے۔ قیمت دس آنے (۱۰ر)

سیرۃ العباس۔ یعنی عم رسول اللہ صلعم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مفصل سوانح عمری قیمت عہ

جاماسپ نامہ۔ پیشین گوئیاں معلوم کرنے کا شوق ہو تو جاماسپ نامہ کا اردو ترجمہ ملا محمد الواحدی صاحب نے کیا ہے منگا کر پڑھیے حکیم جاماسپ نے جاماسپ نامہ میں ہزاروں برس پہلے قیامت تک آنے والے واقعات کا حال لکھ دیا ہے۔ قیمت صرف تین آنے (۳ر)

ایڈیٹر کا حشر۔ ایک عبرتناک افسانہ ہے مصنفہ مولوی ظفر علیخان صاحب ایڈیٹر زمیندار قیمت ۱ر

حالات خضر حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے عجیب و غریب اسرار کا مجموعہ مؤلفہ جناب ملا محمد الواحدی صاحب قیمت ۱۰ر

چند دن بعد کیا ہوگا۔ ایک چھوٹا سا اخلاقی رسالہ ہے۔ قیمت ۲ر

شکوہ و فریاد۔ اللہ اور اللہ کے رسول سے راز و نیاز کی باتیں۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے اور مولانا سیماب کی دو مشہور نظمیں ضخامت ۳۲ صفحے قیمت ۲ر

عرس نامہ اسمیں جناب ارشاد اکبرآبادی مرید سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے نامور بزرگان دین کے وفن اور تاریخ عرس بیان کیا ہے اور دعائیں لکھ کر اہل و اولاد کے لیے مناقب درج کئے ہیں قیمت ۲ر

ملی کی عید۔ غدر سے پہلے کیسی ہوتی تھی اور اب کیسی ہوتی ہے۔ قیمت ۱ر +

زہر عشق۔ نہایت دردناک مثنوی عشق بازی کے حیرت انگیز و غمناک انجام کا فسانہ ہے جس میں ستم کے ماروں عاشق و معشوق کی قبر کی تصویر بھی دی ہے قیمت ۴ر +

التذکیر مشہور واعظ جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے وعظوں کا مجموعہ تین حصوں میں ہے گھر بیٹھے وعظ سننا ہو تو یہ کتاب دیکھے۔ قیمت ہر حصہ ۲ر +

ایسی فہرست کی تمام کتابیں منیجر نظام المشائخ بلی سے منگائیے

اورنگ زیب عالمگیر۔ علامہ شبلی مرحوم کی تصنیف ہے۔ موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ سے ان تمام اتہامات والزامات کی جو اورنگ زیب پر غیر مسلم اقوام کی طرف سے لگائے جاتے ہیں حرف بحرف تردید کی ہے قیمت ۸ر + آٹھ آنے +

انتخاب نظام المشائخ۔ رسالہ نظام المشائخ دہلی کی ابتدائی تین جلدوں کے چیدہ چیدہ مضامین معہ ہاف ٹون تصاویر خواجہ صاحب و ملا محمد الواحدی صاحب قیمت عوام سے ۱۲ اور خریدار خطیب نظام المشائخ سے صرف ۶ر +

سیرت الحبیب صلعم۔ حبیب خدا محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ کے پاک حالات قیمت فی جلد ۸ر

گل دستہ

یعنی جناب ڈاکٹر محمد قمرالدین صاحب قمر ہالی شاہ نظامی

کا کلام منظوم

قیمت ۴ر

مشاہیر مشائخ ہند

ہندوستان کے تمام مشہور و معروف بزرگوں کا تذکرہ۔ مولفہ جناب مولوی محمد شفیع الدین خان صاحب مراد آبادی + قیمت چھ آنے (۶ر)

منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

سپہر علم کے درخشاں ستارے

گنجینہ اسرار حقیقت

یہ نادر کتاب مولانا حکیم شیخ خدا بخش صاحب قادری کی تصنیف ہے جس میں اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے بیش قیمت اقوال درج ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان سچی ہدایت حاصل کر سکتا ہے قرآن اور حدیث کے برگزیدہ بزرگوں کے اقوال افعال کی تائید بہت کچھ فائدہ پہونچا سکتی ہے کتاب کیا ہے جواہرات کے انبار۔ خداری اور خداشناسی کا سچا رہبر طالب و صادق کے لئے سچا رہنما ہے اور خواجہ حسن نظامی صاحب کے نام نامی پر معنون کی گئی ہے۔ قیمت مجلد مع محصول بارہ آنہ (۱۲ر) ہے +

خزانہ کرامات

حسن ابدال ضلع راولپنڈی دامن کوہ میں ایک پر فضا مقام ہے تنہائی پسند فقرا اکثر اسکے اطراف میں جھونپڑے اور پہاڑی چشموں کے کنارے بیٹھکر ریاضت کرتے اور قدرتی نظاروں کا لطف اٹھاتے ہیں۔ یہاں ایک انجمن بنام انجمن چوگ قائم تھی اسکے صدر انجمن نے یہ مجموعہ کتاب خزانہ کرامات تصنیف کی ہے جو علوم مخزونہ میں سینہ بسینہ چلے آتے ہیں اور جنکو وہ برسوں کی خدمت کے بعد بڑی رموز اور کنایوں میں بتلایا کرتے ہیں مگر انہوں نے اس کتاب کے ذریعہ صاف طور پر کھولدیے ہیں اور یہ کتاب ریمیا سیمیا کیمیا گویا سب علوم کی کنجی ہے جسکے ذریعے ان کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ اہل ملک کی قدردانی کی وجہ سے چھپی بار چھپکر فروخت ہو رہی ہے +

قیمت مجلد مع محصول ایک روپیہ پانچ آنہ (۱ر۵) ہے

ملنے کا پتہ مینیجر قیصر انجمنی نمبر ۱ سہارنپور (یو۔پی)

پلیگ سے کیوں ڈرتے ہو

سوائے اور سب بیماریوں کے اس سے ڈرنے کا سبب یہ ہے کہ آجتک لاکھوں انسان اس موذی بلا کے پنجۂ ظلم سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں اجاڑ ہو گئے۔ شہر کے شہر تباہ ہوئے۔ اسوجہ سے اسکے نام سے ہی دہشت ہوتی ہے۔ پلیگ میں مبتلا ہونیکے بعد پھر کوئی علاج نہیں ہے لیکن بنظر حفظ ماتقدم ڈاکٹر ایس کے برمن کی پلیگ کے کیڑے کو مارنے والی گولیاں نگوا کر ضرور کھین ان گولیوں کے استعمال سے جسم کے خون میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے جس سے پلیگ کے کیڑے نہ ٹھہر سکیں اور انسان کا بہتر سے بہتر کر سکتا ہے وقت پر ان گولیوں کے استعمال سے ہزاروں انسان پلیگ سے محفوظ رہتے ہیں۔ آپ بھی غافل نہ رہیں ایک گولی روزانہ ٹھنڈے پانی سے نگل جانا چاہیئے بچوں کو نصف یا چوتھائی قیمت ۳۰ گولیوں کی ڈبیہ ۸ر ۶۰ گولیوں کی ڈبیہ ۱۲ر علاوہ ایک ڈبیہ

دوائیوں کے تیل

مذکورہ ذیل دوائیوں کے تیل کے دو تین بوند پانی یا دودھ شربت کے فائدہ دیتے ہیں اور کوئے پینے کی تکلیف سے بھی بچتے ہیں۔ اور آسانی سے پی سکتے ہیں +

(۱) روغن صندل۔ سوزاک کے لئے نہایت مفید ہے قیمت ۴ر محصول ایک سی چاشنی ۵ر

(۲) اجوائن کا تیل۔ قے بدہضمی کی ایک ہی دوا ہے " ۶ر " " " ۵ر

(۳) روغن سونٹھ یہ بھوک بڑھاتا ہے اور ریاح کو خارج کرتا ہے " ۸ر " " " ۵ر

(۴) روغن سونف۔ پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لئے مفید ثابت ہوا ہے۔ ۴ر " " ۵ر

(۵) روغن دال چینی یہ دال چینی کے ملائم چھلکوں سے بنتا ہے اور یہ چیز نہایت خوشبودار ہے ۶ر " ۵ر

(۶) روغن لونگ۔ متلی اور ریاح کو دفع کرتی ہے اور ہیضہ و بدہضمی کو مفید ہے قیمت ۴ر " ۵ر

(۷) روغن لیمو۔ ہرے گرما ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیموں کا خوشبو دیتا ہے ۴ر " ۵ر

(۸) روغن پیپرمنٹ۔ پیٹ کے درد بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ مشہور دوا ہے ۴ر " ۵ر

(۹) روغن الائچی۔ متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے قیمت ۶ر " ۵ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت سٹریٹ کلکتہ

کیا سچ مچ نہیں دیکھا؟

دنیا کا وہ بے نظیر اور لاجواب تحفہ جو رسالہ **عصمت** کے نام سے آج دس سال سے مولانا راشد الخیری مدظلہ اور شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹر ایٹ لا کی ایڈیٹری سے ماہوار شائع ہو رہا ہے جسے ایک دو نہیں بیسیوں اور سینکڑوں پتھر نکو نیلم، ٹرکیو نکو بیگم اور گھر نکو گلزار ارم بنا دیا۔ جسکا ہر مضمون کلیجہ کے پار ہوتا ہے اور جسنے طبقہ نسواں کی تمام ضرورتیں گھر بیٹھے پوری کر دیں۔ جو کبھی ستانی کا کام دے رہا ہے کبھی مدرسہ کا کہیں سہیلی کا کہیں شفیق بزرگ کا تو اب دیکھ لیجئے عصمت اور صرف عصمت ہی آج وہ پرچہ ہے جسنے خیالات جدید کے نرسنت سیلاب کو روک کر موجودہ تہذیب کو منتخب اصول اور قدیمی طہارت کی چکدار ٹکڑے نسوانی دنیا میں ڈالدی ہیں یہ بالاتفاق تسلیم کیا جا چکا ہے کہ جن گھروں میں عصمت جا رہا ہے وہ شوہر کی ساس بہوؤں بچوں اور نوکروں کے واسطے جنت ہیں عصمت رنگ برنگ کے پھولوں کا گلدستہ ہے جسمیں عمدہ نوکیلی بہت کچھ ہے تاریخ ہے ادب ہے سیاست ہے مذہب ہے تعلیم ہے صحت ہے مصوراک

نوٹ کا باقی حصہ ۳ کالم کے بعد اشتہار ہوگا۔ منیجر عصمت دہلی۔

رسالہ عکسی یازدہ سورۃ شریف رنگین

یہ نادر پیش بہا یازدہ سورہ شریف جسمیں سورۂ یٰسین۔ الرحمٰن۔ واقع۔ ملک مزمل۔ نبا۔ فجر۔ اخلاص۔ فلق اور ناس سورتیں شامل ہیں۔

بکمال رعنائی و زیبائی بذریعہ عکسی نہایت ہی عمدہ دبیز چکنے ولایتی کاغذ پر سبز۔ سیاہ۔ آسمانی۔ زرد مختلف رنگوں میں چھاپا گیا ہے۔ حاشیہ پر ایک انچ چوڑی خوشنما رنگین بیل چھپی ہوئی ہے سیمی سائز۔ ہدیہ مجلد حاشیہ ۶ر؛ بغیر حاشیہ ۴ر +

(محصول اک بندمفید)

ملنے کا پتہ:۔ اے ڈبلیو برادرس ۱۹۴ متصل مارکٹ لاہور

دنیا کی آبادی میں ہر چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے — جرمنی فروری اپریل ۱۹۳۱ء

نمبر ۲ — رمضان ۱۳۵۰ھ

نظام المشائخ

قسم دوم — قسم سوم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی بزرگوں اور مشائخین کے ملفوظات و پیام

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک لنوا مجموعہ

جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جوانزادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک چار اسٹرلنگ پونڈ

مقام اشاعت دارالسلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

آج کل

نظام المشائخ دوہزار

نظام المشائخ ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر شائع ہوتا ہے مضامین میں مذہبی اخلاقی اصلاحی اگر سب نہیں تو زیادہ تر رنگ ہوتے ہیں تجارتی میں اشتہار دیکر روپیہ کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر کسی کا رسالہ تاریخ تک نہ پہنچے تو دو تین دن کا خیال کر کے دس بارہ تاریخ تک انتظار کیجئے اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیئے کہ کہاں سے کہاں تک گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) ابن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو براہ عنایت چند یوم سے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں تاکہ پرچہ پہنچنے کے ذمہ دار ہو سکے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع دینے کا اس بات کے ذکر کرنے کو کوئی ضرورت نہیں (۴) خط و کتابت میں اپنا نام و پتہ صاف صاف لکھیں اور خریداری کا نمبر ضرور لکھیں۔ جوابی خط کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیئے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نرخنامہ

مقدار	ایک بار	ششماہی	سالانہ
¼ صفحہ	۴	۲۰	۳۰
نصف صفحہ	۷	۳۰	۵۰
پورا صفحہ	۱۰	۵۰	۸۰

نظام المشائخ کے قواعد و ضوابط

کرشن بیتی تیار ہوگئی!

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جس کتاب کی تصنیف میں دو سال سے مصروف تھے مسلسل محنت اور مطالعہ کتب سے جسکو لکھا جارہا تھا اسکا نام کرشن بیتی ہے بیتی وہ کتاب ہے جسکی یاد میں ایک سال سے ہندو مسلمان علم کے شوقین بیتاب تھے۔ آخر وہ چھپ کر تیار ہوگئی۔ اور اردو زبان میں مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کے لیے ایک شاندار علمی یادگار کا اضافہ ہوگیا +

واقعات سب ہندوؤں کی معتبر کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ طرز بیان نہایت موثر اور دلکش ہے۔ غم کے بیانات پڑھ کر بے اختیار رونا آتا ہے۔ جنگ کے نظارے دیکھکر بدن میں پھریریاں آنے لگتی ہیں۔ علمی شان ہے۔ ادبی آن ہے۔ دبیز اولے اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر اس مہنگے زمانہ میں چھپی ہے۔ عکسی تصاویر نہایت اہتمام سے شریک کی گئی ہیں اور سنہری جلد بہت خوشنمائی سے بنوائی گئی ہے۔ اور قیمت صرف تین روپیہ رکھی ہے۔ جلدی منگائیے ورنہ پھر نہ ملے گی + محصول بذمہ خریدار +

رہنمائے سیر دہلی

یہ بھی حضرت خواجہ حسن نظامی کی لکھی ہوئی نہایت اعلیٰ کتاب ہے نئی اور پرانی دہلی کے حالات کا فوٹو اتار کر رکھدیا ہے۔ گھر بیٹھے دہلی کی سیر کرا سکتی ہے۔ الفاظ کی تصویریں الگ ہیں۔ اور عمارات و مقامات مشہورہ کے عکسی فوٹو بارہ کے قریب اور ہیں۔ اردو زبان میں ایسی کتاب کوئی نہیں بہت چکنے اور قیمتی کاغذ پر چھپی ہے بہت خوبصورت جلد بندھی ہے عمارات کی تصویریں اعلیٰ درجہ کے چکنے کاغذ پر ہیں اور قیمت صرف بیر محصول علاوہ +

منیجر حلقۃ المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

نظام المشائخ

نمبر ۳	بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ ہجری	جلد ۱۷

فہرست مضامین

شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	جواہر ریزے	جناب مولوی ظفر علی خانصاحب بی اے	۱
۲	ماہ صیام	خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ایم۔ آر۔ اے۔ ایس	۳
۳	صیام رمضان اور فدیہ	جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب	۱۷
۴	علامہ شعرانی کے خواب	الرشید	۲۶
۵	مہابیر شوامی	جناب مولانا رشید الخیری مظلہ العالی	۳۳
۶	عبرت	جناب مولوی رحمت علی صاحب بی او ایل	۴۰
۷	دعوت روح	جناب مولوی عاشق حسین صاحب سیماب اکبرآبادی	۴۹
۸	التجائے پروانہ	جناب مولوی زیاد محمد خانصاحب نیاز فتحپوری	۵۱
۹	مولوی روم رح	جناب مولوی محمد حسین صاحب عرشی امرت سری	۵۲
۱۰	دولت کا مصرف	جناب مولوی احمد علی صاحب شوق قدوائی لکھنوی	۵۳
۱۱	لا تقنطوا من رحمۃ اللہ	جناب مولوی غلام مصطفےٰ صاحب قمین حیدرآبادی	۵۴
۱۲	تازہ غزلیں اور نظمیں	جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر۔ جناب حسن۔ جناب ضیا صدیقی جناب ناصر۔ جناب عتاب۔	۵۴ ۵۴
۱۳	اخلاق سلطانی	جناب مولوی سید ظفر احسن صاحب علوی تھانوی	۵۵ تا ۶۳

سلہ اخلاق سلطانی کا ایک جزو ہر رجب کے رسالہ میں نکلا تھا اور دوسرا جزو شعبان کے پرچہ میں۔ اس نمبر میں سے شروع ہو کر ختم کیا جاتا ہے۔ ۱۶ صفحے باقی ہیں جو انشاء اللہ اگلی دفعہ نکل جائیں گے

یارانِ نظام المشائخ

توسیع اشاعت

ذیل میں ان حضرات کے اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہیں جنہوں نے آخری مہینے میں خود خریدار بن کر یا دوسروں کو خریدار بنا کر نظام المشائخ کی مدد فرمائی (ایڈیٹر)

جناب بابو فضل کریم صاحب کمپ میراں شاہ نے جناب بابو عبدالحمید صاحب اور سید میراں شاہ کو خریدار بنایا اور جناب سید احمد صاحب پولیس سب انسپکٹر اجمیر نے جناب سید عباس علی صاحب سب انسپکٹر گوبلہ اجمیر شریف کو، اور جناب مولانا عبدالروف شاہ صاحب نظامی بندکی نے جناب بابو محمد نصراللہ خانصاحب سگنلر دیاموکو، اور جناب ولی حسین صاحب پریانواں نے جناب سید شاہ محمد مظفر صاحب موضع پورہ میاں کو، اور جناب محمد شفیع صاحب اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر ارمر نے جناب شہزادہ بہاءالدین صاحب کو خریدار بنایا۔ اور جناب حبیب الدین صاحب نامدگاؤں نے جناب عبدالغفور صاحب سید پور کو، جناب منشی محب اللہ خانصاحب سرانوالی نے جناب شیخ چراغدین صاحب محرر جوڈیشل سرانوالی کو، جناب منشی فضل کریم صاحب میراں شاہ نے جناب بابو محمد اکرم خانصاحب قلعہ عیدک کو، جناب مولانا عبدالرزاق صاحب محوی مقام سنبھی نے جناب اقبال حسن صاحب سرکل انسپکٹر پولیس رائے پور کو، جناب مولوی احمد شریف صاحب نے جناب مولوی سید نورالوحید صاحب حیدرآباد دکن کو۔ اور جناب عبدالسلام صاحب نے جناب امیر خانصاحب منگے خانصاحب بڑگاؤں کو۔ جناب مولوی محمود علی خانصاحب نظامی حیدرآباد دکن نے جناب مولوی محمد علیم الدین احمد صاحب حیدرآباد دکن کو۔ جناب امیر خانصاحب جنگے خانصاحب نے جناب محمد ایوب خاں محمد ابراہیم صاحبان کو

ہدیہ نوٹ فی صفحہ الف ۱۰ کاوله ۱۰ ۔ ۔ ۔

جناب محمد کفایت اللہ صاحب قریشی بدیرہ نے جناب منشی رحیم خانصاحب صدر مدرس اردو سکول بدیرہ
جناب منشی محمد اکرام حسین صاحب صدیقی سنگاریدی نے جناب منشی سعد اللہ صاحب متعلقہ
میدک کو، جناب ماسٹر محمد حمزہ خانصاحب مقیم اکولہ نے جناب امام الدین صاحب پیش امام مسجد اکولہ
اکولہ کو، وجناب محمد حیات خاں و محمد گلاب صاحب گائے گاؤں کو، جناب منشی محمد نعیم خانصاحب
سب انسپکٹر پولس اولڈن نے جناب منشی ارشاد علی خانصاحب سب انسپکٹر پولیس کیڑہ کو
جناب عبد العزیز خانصاحب انسپکٹر پولس جونپور نے جناب مرزا وحید بیگ صاحب سب انسپکٹر
ریلوے پولس جونپور کو، جناب محمد اکرام حسین صاحب صدیقی سنگاریدی نے جناب محمد اعظم
صاحب سلوتری سنگم پلی کو، جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مقام ڈیلو
سندھ نے جناب مولوی محمد وارث صاحب سب انسپکٹر پولس ڈیلو کو، جناب مولوی محمد
جعفر علی صاحب منتظم پولس متعلقہ مانوی نے جناب مولوی داؤد محمد صاحب صدر مدرس قصبہ
کردئی کو، جناب مولوی احمد نور الاصفیا صاحب سہروردی ہنگنڈہ نے جناب مولوی سید
صمایت علی صاحب صیغہ دار ہنگنڈہ کو،

جو خود خریدار ہوئے وہ یہ ہیں

جناب سلوتری کرم الٰہی صاحب بابر کچھ (بلوچستان) جناب نواب علی خانصاحب گرداور
قانون گوئے بسر پنج رحیم شیخ امیر صاحبان رائے پور، جناب شیخ عبد الغفور صاحب سوداگر
اکبر پور، جناب مولوی محمد عبد الرحمٰن صاحب کرنول جناب عبد الکریم صاحب ڈاکخانہ گروٹ،
جناب فضل الدین صاحب باتری نمبر ۳۸ راولپنڈی، جناب سید علی محمد صاحب علوی سنگدھ
جناب ولی نایک احمد حسین صاحب خیریت آباد، جناب محمد یاس غلام حسین صاحب کاغذی
احمد آباد، جناب مرزا محمد علی بیگ صاحب امیری ضلع چاندہ، جناب منشی محمد عبد الحکیم صاحب
عثمان آباد، جناب بابو عبد المجید صاحب منڈی ڈبوالی، جناب سید عبد الحکیم صاحب

مالگذار موضع میل گاؤں جناب [illegible] صاحب چک نمبر ۲ جنوبی جناب منشی یوسف
صاحب ولد محمد صاحب اردو سکول [illegible] جناب منشی اظہار حسین صاحب ڈاکخانہ رودرانگر
ضلع بیربھوم، جناب عبد المجید صاحب مونگیر، جناب ایچ ایس احمد اللہ صاحب مونگیر، جناب
شاہ دین صاحب طالب علم پٹنہ کالج، جناب مرزا مظفر علی بیگ صاحب بہرت پور، جناب دیوان
محمد داؤد خانصاحب سب انسپکٹر بکیڑہ، جناب عطا الٰہی صاحب چشتی نوشکی، جناب منشی
نثار احمد صاحب جے پور، جناب [illegible] شفیع صاحب سیالکوٹ، جناب جی احمد حبیب الرحمن
صاحب چترپور، جناب محمد عبد اللہ بادشاہ صاحب سوداگر اوانی گڈہ، جناب منشی محمد الدین
صاحب تجلی دہلی، جناب حاجی محمد اسحٰق حاجی آدم صاحب سکندر آباد دکن۔ جناب محمد حسین
صاحب بنگام۔ جناب مرزا محمد حنیف صاحب موضع کوپی کوٹ۔ جناب ڈاکٹر یوسف علی
خانصاحب جون پور، جناب فرزند علی صاحب بیاموں، جناب مرزا نیاز بیگ صاحب ستارا
جناب شیخ محمد بخش صاحب روپڑ، جناب [illegible] صاحب [illegible] مدراس۔ جناب
وقار علی صاحب حیدر آباد دکن، جناب [illegible] صاحب حیدر آباد دکن۔ جناب کے این
نور الدین صاحب ڈاکخانہ [illegible] جناب [illegible] صاحب اتمی جام پور، جناب
سید احکام اللہ صاحب خطیب جامع مسجد [illegible] جناب محمد ابوبکر صاحب [illegible]
جناب قادر بخش صاحب سکندہ ماسٹر کالجیٹ، جناب محمد حسن خانصاحب ہیڈ محرر تھانہ چلپا
جناب پیر زادہ عبد السلام صاحب صدیقی بالسی، جناب مولوی سید حسین صاحب مہدوی
پانگوڈی، جناب حبیب الرحمن صاحب حافظ آباد، جناب مختار حسین صاحب ہردوہ ضلع ہوشنگ آباد
جناب سید اولاد حسین صاحب کامدار بھوپال، جناب مولوی محمد ضیاء الدین صاحب مونگیر
جناب [illegible] عبد الجلیل صاحب جلیس [illegible] پٹنہ مداوچھاؤنی۔ جناب ڈاکٹر عماد الحسن صاحب
بھوپال، جناب الطاف علی صاحب وکیل جاورہ بھوپال، جناب بابو ہدایت حسین صاحب بھٹنی
جناب میر محمد صاحب سکنہ چکوال، جناب شیخ محمد ابراہیم صاحب ملکاپور، جناب شیخ ذکریا

ابراہیم صاحب سوداگر ریشم و شال بمبئی، جناب عبدالوحید صاحب لاہور۔ جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب وکیل قصبہ اندول دکن، جناب حاجی خیرات حسین صاحب مورخ مہدہ۔ جناب سید محمود صاحب اورنگ آباد دکن۔ جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب متولی مسجد میدان سکندر آباد دکن، جناب ڈاکٹر سید حسین صاحب حمود عدن۔ جناب شوق محی الدین صاحب چھاونی میرٹھ،

پیپر ریلیف فنڈ — گرانی کاغذ کا مقابلہ

الحمد للہ میری تحریک کو ناظرین نظام المشایخ نے قبول کیا اور کئی حضرات نے آٹھ آنہ سے زیادہ رقمیں بھیجی ہیں، منشا منشی عبدالرشید صاحب کان پور عہ جناب شیخ عارف علی صاحب لکھنؤ عہ قاضی فضل احمد صاحب شکارپور دو روپے آٹھ آنہ کے دینے والوں کے اسمار گرامی یہ ہیں

جناب بشیر احمد صاحب شنکر گڈہ	جناب نور محمد صاحب ہڈماسٹر محمد پور دیوان
جناب سید احمد صاحب جاگیرا پالم	جناب غلام دستگیر صاحب کہروڑ
جناب سید شجاعت حسین صاحب منگلسری	جناب محمد نظیر الدین صاحب مہدپوری
جناب ۔ رمخ صاحبہ قصبہ گڈہی بہلول	جناب حافظ محمد دلدار خانصاحب مولی
جناب محمد غوث صاحب لالہ گوڑہ دکن	جناب عبدالعزیز صاحب بنگلور
جناب مولانا مولوی ابواسرائیل صاحب بمبئی	جناب حافظ حیات احمد صاحب پیرساتا
جناب محمد اسمعیل شریف صاحب میسور	جناب حاجی یونس عبدالشکور صاحب بمبئی
جناب عبدالحی خانصاحب گوتنی پرتابگڈہ	جناب مولوی جان محمد صاحب امیٹھی

باقی حضرات کو بھی جلد توجہ فرمانی چاہیئے تاکہ یہ جنگ کا زمانہ بآسانی گذر جائے اور اس کے سبب سے جو کاغذ وغیرہ روز بروز مہنگا ہوتا چلا جاتا ہے اس کا اثر نظام المشایخ پر نہ پڑے

ایک عظیم الشان سالانہ عالیتی اعلان

صرف یکم شعبان سے ۳۰ شوال تک کی بجائے پورے ماہ کرنے ہیں

لاثانی حمایل شریف

حرفوں کی خوشنمائی موتی کی آب سے زیادہ چھپائی وہ درخشان کہ سبحان اللہ۔ ہر وقت پڑھئے اور جی نہ بھرے۔ کاغذ اس گرانی کے زمانہ میں بھی سفید و موٹا صحت کا یہ عالم کہ نقطہ کی بھی غلطی نہیں۔ ہر کریم اللہ کا حسن تحریر جدا گانہ جلد چاندی کی ہیلوں سے مزین۔ آپ کا نام اور مقام بھی پشت پر سنہری حرفوں میں لکھا ہوا موجود ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ سب باتیں آپ کو اسی وقت ملیں گی جب آپ جلدی منگالیں۔ ورنہ رعایت کے ختم ہوتے ہی آپ متاسف ہونگے

یہ قرآن مجید جہاں پہنچا۔ وہاں اس کی خوبصورتی کی دھاک بیٹھ گئی۔ لوگ اس پر شیدا ہوگئے

شاندار قرآن مجید معرّا مجلّد

متوسط القلم معرا ہے۔ خط نہایت پاکیزہ جلی ہے اس سے بہتر قرآن مجید شاید کہیں مل سکے۔ سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ بے انتہا صحیح ہے۔ شاید کوئی سو ڈیڑھ سو جلدیں رہ گئی ہونگی جلدی منگالیجے ورنہ پھر اتنا سستا اور اتنا اچھا قرآن کہیں بھی دستیاب نہ ہوسکے گا۔ پچھلے سال لوگوں نے سمجھ سمجھ ہی خرید کر تقسیم کئے ہیں۔ ہدیہ تو اس کا چار روپے ہے۔ لیکن رمضان شریف عید کے درود میں اس کی نذر صرف سوا دو روپے لیے جائیں گے

پیتہ صرف شہرت بخشی فرنشخانہ دہلی کافی ہے

پری جمال صابن

دہلی کا بے نظیر

جو ایک خاندان طبیب کی ایجاد ہے جس نے اپنی عمر کی سینکڑوں رئیسوں کے خاص سرٹیفکیٹ حاصل کئے ہیں۔ یہ صابن تازہ تازہ پھولوں خوشبوؤں اور طبی ادویات سے تیار کیا جاتا ہے۔ کالا رنگ کملایا ہوا چہرہ صرف سات روز میں بنانے سے گلاب کی پتی کی مانند خوبصورت نکل آتا ہے۔ چہرے کے تمام داغ مہاسے دور کر دیتا ہے۔ قیمت فی بکس ۳ بکیہ معہ صابن دانی ایک روپیہ محصول ڈاک بذمہ خریدار

سرٹیفکیٹ اگر ملاحظہ فرمانے ہوں۔ تو دو پیسہ کے ٹکٹ بھیجکر منگا سکتے ہیں

پری بہار ہیئر آئل

اس لاجواب تیل سے بالوں میں بے انتہا خوشبو ہوتی ہے۔ چمکدار اور چمکدار ہوتے ہیں۔ یہ بالوں کو لمبا اور ریشم کی طرح ملائم کرتا ہے۔ مرغولہ بال اکثر اسی تیل کے اثر سے نظر آتے ہیں۔ ۱۰ تولہ تیل کے مقابلہ میں ایک روپیہ پھر بھی نہیں۔ ہاں محصول علاوہ دینا پڑے گا۔

حکیم محمد یعقوب خاں مالک دواخانہ نورتن دہلی فرنشخانہ سے منگائیے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

جواہر ریزے

بنائے اپنی حکمت سے زمین و آسمان تو نے
دکھائے اپنی قدرت کے ہمیں کیا کیا نشان تو نے

تری صنعت کے سانچے میں ڈھلا ہر پیکر ہستی
سمویا اپنے ہاتھوں سے مزاج جسم و جاں تو نے

نہیں موقوف خلقت کی تری ارض و سما پر بس
کیے ہیں ایسے ایسے سیکڑوں پیدا جہاں تو نے

ترے ادراک میں ہے عقل حیراں اور سرگرداں
ہمیں چکر میں ڈالا بخش کر وہم و گماں تو نے

بہارِ عارضِ گل سے لگا کر آگ گلشن میں
طیورِ صبح خواں کو کر دیا آتش بجاں تو نے

جوانی میں جسے بخشی دل آرائی و رعنائی
بڑھاپے میں اسی عارض پہ ڈالیں جھریاں تو نے

کسی کو تا کہ اپنی سربلندی پر نہ ہو غرہ
ازل سے کی نگونساری نصیبِ آسماں تو نے

دلوں کو معرفت کے نور سے تونے کیا روشن
دکھایا بے نشاں ہو کر ہمیں اپنا نشاں تونے

نہ ہوتی گر خودی ہم میں تو جو تو تھا وہی ہم تھے
یہ پردہ کس لیئے ڈالا ہی یارب درمیاں تونے

بلا طاعت بھی ہم بندے ترے تھے پر پرستش کی
ہمارے پاؤں میں کیوں ڈال دی ہیں بیڑیاں تونے

کشائش عقدۂ زلف چلیپا کی جو مشکل تھی
یا کیوں دل سے پھر اور سر کا امتحاں تونے

ہم اب سمجھے کہ شاہنشاہ ملک لامکاں تھے
بنایا اک بشر کو سرور کون و مکاں تونے

محمد مصطفےٰ کی رحمۃ للعالمینی سے
بڑھائی یارب اپنے لطف و احساں کی شاں تونے

نمک پروردہ تیری شرم کی ہیں لغزشیں میری
گنہ بخشے ہیں میرے ہو کے اکثر مہرباں تونے

حرم اور دیر میں بازار تیرا گرم رہتا ہے
ہر اک بستی میں کر رکھی ہے قائم اک دکاں تونے

چلے ہم نقد عصیاں لیکے آمرزش کے سودے کو
کہ نرخ اس جنس کا کچھ بھی نہیں رکھا گراں تونے

اثر تیری عطاؤں پر نہیں پڑتا خطاؤں کا
جسے پیدا کیا اسکو دیا ہے آب ناں تونے

دیا اپنے کرم سے ریزہ مور ناتواں کو بھی
لگائے گر سلیماں کے لیئے نعمت کے خواں تونے

ترے دربار سے مجھ کو یہی انعام کیا کم ہے
کیا اپنی ستایش میں مجھے رطب اللساں تونے

مئے لاتقنطوا کے نشہ میں سرشار رہتا ہوں
سیہ مستوں کو بخشی ہے حیات جاودں تونے

(ستارہ صبح) ظفر علی خاں

ماہ صیام

مختلف مذاہب کی زنجیر کی کڑیاں کہیں نہ کہیں جاکر ایک دوسری سے مل جاتی ہیں کیونکہ اُن کی اصل ایک ہی ہے۔ اور بہ مصداق تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم ایک ہی سرچشمہ سے وہ نکلے ہیں۔ اِس واسطے بعض باتوں میں ان کی آج بھی بہت کچھ یکسانیت نظر آتی ہے۔ جس طرح مختلف السنہ کے بعض الفاظ سے زبانوں کے اتحاد اور اتصال کا پتہ چل جاتا ہے۔ اسی طرح بعض باتوں سے مذاہب کے اتصال اور اتحاد کا بھی پتہ نکلتا ہے +

اگر اہل مذاہب بجائے بحثوں اور مناقشوں کے زیادہ تر تطبیق مذاہب کی جانب توجہ کرتے تو شاید اب تک اکثر مذاہب کی اکثر باتیں ایک ہی اصل کی فرع ثابت ہوتیں +

اسلام چونکہ سب مذاہب کے بعد میں آیا اس واسطے وہ اعلان کرتا ہے کہ لوگ تطبیق مذاہب سے فائدہ اٹھائیں +

جب خدائے قدیر کے اور قوانین میں مناسبت اور اتحاد ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مذاہب یا مذاہب کے بعض مسائل میں کوئی وحدت اور کوئی مناسبت نہو۔ لوگ السنہ کی تحقیقات میں لگے رہنا ایک علمی مشغلہ جانتے ہیں۔ لیکن تطبیق مذاہب کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ تحقیقات السنہ سے مذاہب کی تحقیقات زیادہ تر افادت اور قیمت رکھتی ہے +

السنہ کی تحقیقات سے صرف ہماری السنہ ہی منجھتی یا نشوونما پاتی ہیں لیکن تطبیق مذاہب سے ہماری روحانیات اور دماغی ضروریات کی جلا ہوتی ہے۔ اور انسان اُن مراحل سے آشنا ہوتا ہے جو از راہ روحانیت قابل خیر مقدم ہیں +

ہر مذہب کسی نہ کسی طریقہ میں قوانین عبادت رکھتا ہے۔ جو مذہب قوانین عبادت

نہیں رکھتا وہ مذہب کے دائرے سے خارج ہے۔ مذہبی عبادت کا طریق ڈھنگ اور شعائر ایک ہی قسم کے نہیں ہوتے۔

باوجود اس اختلاف کے بھی ہر عبادت عبادت ہوتی ہے۔ عبادات کی مندرجہ ذیل اقسام ہو سکتی ہیں۔

(الف) ضمیری اور دماغی عبادت۔

(ب) جسمانی عبادت

(ج) جسمانی اور روحانی عبادت۔

(د) مالی عبادت۔

یہ چاروں قسم کی عبادتیں عموماً مختلف مذاہب میں پائی جاتی ہیں۔ چاروں قسم کی عبادتوں کا اساس العنصر خدائے قدیر کی ذات ہوتی ہے۔ جس عبادت کی یہ غایت نہیں وہ گویا عبادت ہی نہیں۔ عبادت کا شروع اسم خدائے قدیر سے ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں یہ چاروں قسم کی عبادات پائی جاتی ہیں۔ نماز جس طرح ایک ضمیری اور جسمانی عبادت ہے اسی طرح روزہ بھی ایک جسمانی اور ضمیری دماغی عبادت ہے۔ اور اسلامی عبادات کے ارکان میں سے یہ بھی ایک ممتاز رکن ہے۔ اور یہ بھی تحت چند شرطوں کے ایک فریضہ ہے۔

(تاریخ صوم)

صوم اس عہد سے شروع ہوا جب سے مذاہب کی بنیاد رکھی گئی۔ اور مذاہب اسی وقت سے ہیں جب سے انسان ہیں۔ گویا صوم کی عمر انسان کی عمر کے برابر ہے۔ اور انسان نے اسے اپنے ساتھ ہی لیا ہے یا مذہب کے ساتھ ہی انسان اسکا بھی پابند ہوا ہے۔

(ہر مذہب میں روزہ)

جہاں جہاں مذہب گیا وہاں مختلف رنگوں اور مختلف قیود اور شرطوں کے تحت

روزہ بھی گیا۔ جیسے جیسے مذہب کا رنگ تہا اُسی رنگ میں روزہ بھی اثر پذیر ہوتا گیا۔ کوئی مذہب اس سے خالی نہ رہا اور کسی مذہب کے پرستار اس سے ناآشنا نہ رہے۔ موجودہ زمانہ میں جسقدر مذاہب پائے جاتے ہیں۔ اُن سب میں مختلف رنگوں کے پیرایہ میں روزہ کی ہستی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ قیود و شرائط روزہ میں مقابلتاً گو نہ فرق ہوتا ہے مگر نفس صوم میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہندوؤں میں بھی روزہ (بنام برت) رکھا جاتا ہے۔ یہود اور عیسائیوں میں بھی اسکا ذکر موجود ہے۔ پارسی اور بدھ دھرم میں بھی اسکے نشان ملتے ہیں جو نسلیں اور جو قومیں تمدن ہی کے اعتبار سے نہیں بلکہ مذہبی اعتبار سے بھی سلسلۂ مذاہب مشہورہ سے کسی حد تک دور ہیں۔ اُن میں بھی روزہ کا پتہ ملتا ہے۔

(روزہ حکیموں میں)

فلاسفروں اور حکیموں کے زمرہ میں بھی روزہ پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اُسکی تعریف اور غرض تعریف اور غرض مذہب سے مغایر ہو مگر پایا ضرور جاتا ہے۔ بڑے بڑے حکیموں اور فلاسفروں کے واقعات زندگی سے پتہ لگتا ہے کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ دماغ کی خاطر وہ اپنی عمر کے حصوں میں بعض اوقات وہی طریق عمل رکھتے تھے جو بایام صیام ایک روزہ دار رکھتا ہے۔ تقلیل غذا تموج خیالات کی جہت سے اکثر حکیم اور فلاسفر وہی روش اختیار کرتے رہے ہیں جو روزہ کی ایک ممتاز صورت ہے +

(روزہ اور اطبا)

طبیبوں میں بھی ایک ایسا طریقہ مروج رہا ہے اور اب تک ہے کہ وہ تزکیہ اخلاط کے واسطے مریضوں کو تقلیل غذا کا خوگر کرتے ہیں۔ اور بعض امراض میں خصوصیت سے اسکی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اکثر حاذق اطبار کا یہ قول ہے کہ تھوڑے کھانے سے انسان کی قوتیں اور انسان کے جذبات کا تزکیہ متصور ہے۔ اور اس سے اُسکی ذہنی طاقتیں

زیادہ ترصاف اور روشن ہوتی ہیں +

(فقرائے دہر)

فقیر کسی دھرم اور کسی مذہب کے ہوں اُن میں بھی روزہ پایا جاتا ہے اور وہ بھی خود کو کھانے پینے سے ایک وقت تک بند رکھتے ہیں۔ باعتبار ضروریات فقر ایک ضمیری اور دماغی امتیاز کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ اور اُن کی بڑی قیمتی تعلیم یہ ہوتی ہے کہ اور امور زہد کے ساتھ تقلیل غذا بھی ایک لازمی مرحلہ ہے +

(ایک مشترکہ رائے اور ایک مشترکہ غرض)

تمام فرقوں کے ایسے خیالات یا ایسے طریقوں سے دو باتیں ثابت ہیں یعنی (الف) کسی نہ کسی رنگ میں سب لوگوں اور سب فرقوں کے نزدیک روزہ کی ضرورت ہے +

(ب) روزہ کی غرض تزکیۂ خیالات ۔ تزکیۂ ذہن ۔ تزکیہ دماغ ۔ تزکیہ ضمیر ۔ تزکیہ روح اور تزکیہ بدن اور قوائے بدن ہے۔ اور یہ ایک ضروری بات ہے +

اِن مشترکہ آرائے اور مشترکہ خیالات سے یہ ثابت ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں انسان کے واسطے روزہ ضروری ہے۔ اور وہ روحانی اور جسمانی رنگ میں اسکے واسطے مفید ہے +

(مختلف اعتبارات سے روزہ کی تعبیر)

ہر ایک ماحول اور ہر ایک کرہ میں روزہ مختلف تعبیر پاتا ہے۔ جب مذاہب کی رُو سے وجود پذیر ہوتا ہے تو اُسکا نام روزہ ہوتا ہے۔ جب فلاسفروں اور حکیموں کی جماعت سے وابستہ ہوتا ہے تو اُسکا نام تزکیہ قوائے نفسانی رکھتے ہیں۔ جب ڈاکٹروں اور اطباء کے سلسلہ سے نسبت رکھتا ہے تو اُس کا نام پرہیز ہوتا ہے۔ اور جب حلقۂ فقرائے سے تعلق رکھتا ہے تو اُس کا نام نفس کُشی یا تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ اگرچہ اِن سب اعتبارات کی صورت میں اغراض مختلف کا پتہ چلتا ہے مگر تزکیہ کی غرض سب جماعتوں میں مشترکہ اور مقدم ہے۔

(روزہ کی کیفیت بلحاظ طریق عمل)

روزہ کی مختلف اقسام ہیں۔ اور طریق عمل بھی مختلف۔ بعض قومیں کچھ اور طریق عمل رکھتی ہیں۔ اور بعض کچھ اور۔ مثلاً

(۱) صوم تنفس

وہ روزہ جس میں فقیر خصوص فقرائے اہل ہنود سانس اور تنفس کم لیتے اور ضبط پر زور دیتے ہیں۔ اور یہ مشق کرتے ہیں کہ بالکل نفس کا سلسلہ بند کر کے سانس دماغ میں چڑھایا جاوے +

(۲) صوم الکلام

یہ وہ روزہ ہے۔ جس میں روزہ دار بہت کم بولتا اور بہت کم مخاطب ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں کہا گیا ہے ع

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نے آید

(۳) صوم العذرا یا صوم المریم

اس روزے میں یہ نیت کی جاتی ہے کہ رات سے لیکر غروب آفتاب تک کسی سے بات چیت نہ کی جاوے +

(۴) برت

ہندوؤں میں برت کی کئی ایک اقسام ہیں۔ بعض میں روٹی نہیں کھائی جاتی۔ بعض میں ایک خاص قسم کا اناج کھایا جاتا ہے۔ مثلاً چینا۔ اور کنگنی۔ بعض میں پانی نہیں پیا جاتا بعض میں صرف سبزیات ہی کھائی جاسکتی ہیں۔ بعض میں سارا دن کچھ نہیں کھایا جاتا اور بعض میں نصف روز +

(۵) صوم القسم

یہ ایک خاص قسم کا روزہ ہے۔ اس میں ایک انسان بغیر خیال کسی مذہبی نقطہ کے سوگند

کھا لیتا ہے کہ میں عمر بھر یہ شئے نہیں کھاؤں گا۔ یہ کام نہیں کروں گا۔ فلاں شخص سے کوئی راہ و رسم نہیں رکھونگا اگرچہ اسکی نظیریں کثرت سے نہیں ملتی ہیں۔ مگر ملتی ضرور ہیں ۔

اسلامی روزہ

جس طرح اسلامی عبادت کا طریق یا اسلامی نماز سب عبادات کا جامع اور سب عبادات کو محتوی ہے اس طرح اسلامی روزہ بھی سب اقسام صوم کو محتوی اور اُن سب کا جامع ہے۔ اسمیں تزکیہ نفس بھی ہے اور تزکیہ روح بھی۔ تزکیہ خیالات بھی۔ اور تزکیہ قوائے بھی تزکیہ ابدان بھی اور تزکیہ اجسام بھی۔ آزمایش بھی اور مشق بھی ۔

اِس بحث کی اب ضرورت نہیں کہ روزہ کی ضرورت کیا ہے۔ کیونکہ جب مذاہب اور کل دیگر سلسلوں میں بھی اپنے اپنے رنگ میں اِسکی ہستی اور اسکی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے تو یہ بحث بجائے خود طے شدہ ہوگی ۔

(خصوصیات صوم اسلامیہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ صوم اسلامیہ کی خصوصیات کیا ہیں اور کیوں مسلمانوں پر یہ فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور کیوں یہ بھی شعائر اسلامی کا ایک جزو بتایا گیا ہے ۔

(۱) روزہ دین ابراہیمی کی ایک خاص علامت تھی اور اسلام دین ابراہیمی یا ملت ابراہیمی کا ایک دوسرا عکس ہے ۔

(۲) اسلام کل ادیان دنیا کا ایک جامع اور ایک آخری مذہب ہے۔ ہر مذہب کی [illegible] کی ہستی پائی گئی ہے ایسا جامع مذہب میں بھی اسکی ہونا لازمی تھا ۔

(۳) صوم اسلامی ان تمام خصوصیتوں کو محتوی ہے یا اُن سب کا جامع ہے جو دیگر مذاہب کے صیام میں پائے جاتے یا مرعی ہیں ۔

(۴) صوم اسلامی بدن اور روح دونوں کا مُزکی ہے ۔

(۵) صوم اسلامی اُن شرطوں اور قیود کے تحت رکھا گیا ہے جو شرائط دیگر مذاہب کے صیام کا خلاصہ اور جامع ہیں۔ اور فی نفسہ اُن میں باعتبار بدنی اور روحانی افادت کے ایک جامعیت اور ایک خوبی ہے۔

(اسلامی روزہ کی فلاسفی)

روزہ کی فلسفی توجیہ ہی ہے جو عموماً ہر ایک مذہب اور ہر ایک دیگر سلسلہ میں تسلیم کی گئی ہے۔ اسلامی روزہ کی فلسفی اُس عام فلسفی کے تحت بالخصوص یہ ہے:-

(۱) حکم خدائے قدیر کی تعمیل۔

(۲) اسوۂ حسنہ رسولؐ کی تعمیل۔

(۳) سال بھر میں ایک مہینہ روحانی اور بدنی زکوٰۃ۔

(۴) تزکیہ قوائے اور تزکیہ خیالات۔

(۵) نفسانی اور بدنی مشق۔

(۶) گرسنگی اور پیاس کی شدت اور اثر کا اپنی ذات پر امتحان اور اُس سے دیگر ابنائے جنس کی ایسی تکالیف کا احساس۔

(۷) بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ خود کو بدنی اور روحانی رنگ میں ایک مخصوص سے تحت چند شرطوں اور قیود کے رکھنا۔

(۸) یہ پیرایہ مذہبی ایک مہینہ تک بشرط قوت اور عدم مانع خود کو قوانین اطباء اور شرائط فقرائے فخر عالم کا پابند رکھنا۔

(۹) خود کو امتحان تکلیف اور صبر کے قابل اور فٹ ثابت کرنا۔ یہ وہ ضروریات ہیں جو ہر انسان کو اپنی زندگی میں پیش آتی ہیں۔ اور جس پر بعض اوقات انسان کی زندگی کا بہت کچھ دارومدار بھی ہوتا ہے۔ جو شخص چند گھنٹے کھانا اور پینا نہیں چھوڑ سکتا وہ شخص ایک بات پر صبر نہیں کر سکتا۔ اور جسکے جذبات بالکل قابو میں نہیں آسکتے کہ [illegible]

زندگی کی تکالیف پر کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح دامن صبر ہاتھ میں رکھ سکتا ہے +

(ثواب اور روزہ)

ان باتوں کو یا ان میں سے بعض باتیں مان کر بھی بعض وقت دل میں یہ خیالی خدشہ اضطرار ہوتا ہے کہ بایں حالات روزہ رکھنے کا ثواب کیا یا کیونکر ہو سکتا ہے +

یہ خدشہ اس واسطے پیدا ہوتا اور موجب خلجان ہوتا ہے کہ ہمیں ثواب کی فلسفی سے ناواقفیت ہے۔ ثواب وہی ہے۔ جسے دوسرے الفاظ اور دوسرے سلسلوں میں مفید صحت بخش۔ موجب فرحت اور باعث نفع کہا جاتا ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ روزہ رکھنا ثواب ہے تو اس کا منشا یہ ہوگا کہ وہ ایک مفید صحت بخش اور نافع عمل ہے جب صرف بدن کے مقابلے میں کوئی افادت کوئی نفع مراد لیا جاتا ہے تو اسے ایک بدنی یا دنیوی فائدہ کہا جاتا ہے اور جب روحانی رنگ میں وہ تعبیر پاتا ہے تو اسے ثواب کہتے ہیں +

اگر روزہ سے کوئی بدنی فائدہ ہوتا ہے تو وہ ایک نفع ہے اور اگر روحانی رنگ میں اس سے کوئی فائدہ مراد ہے تو وہ ایک ثواب ہوگا۔ ثواب اور فایدہ وہی ہے جس سے انسان کسی نہ کسی رنگ میں مستفید ہو۔ اگر ہم خدا اور اسکے سلسلہ روحانی کو مانتے ہیں تو پھر ثواب روحانی کا بھی ماننا لازم ہوگا۔ کم سے کم اتباع احکام کا تو ثواب کہیں گیا ہی نہیں +

(خدا ایسا حکم کیوں دیتا ہے؟)

اگر خدا ہے اور ہم اس کی مخلوق ہیں تو اسے کوئی نہ کوئی حکم دینا ہی پڑے گا ہم دوسری طرف اپنے ایک ابنائے جنس کے احکام کے مقابلے میں تو دم نہیں مارتے تو جب خدا حکم دیتا ہے تو یہ چون و چرا +

خدا نے ہماری فطرت میں تو ایسے احکام کا سلسلہ رکھ دیا ہے۔ بالفاظ دیگر

ہماری فطرت ہی ایسا حکم دیتی ہے۔ کیا ہماری فطرت پرہیز اور ورع کا حکم نہیں دیتی؟ کیا وہ اسکی ضرورت پر روشنی نہیں ڈالتی؟ کیا انسان خود بخود ہی تزکیہ قوے کی ضرورت کا احساس نہیں کرتا۔ یہ روزہ اور ہے کیا؟

(تخصیص مہینہ)

اسلامی روزوں کے واسطے ایک مہینہ کی خصوصیت کیوں کیگئی؟ اسمیں ایک بہید اور ایک فلسفی ہے تم دیکھتے نہیں ہو کہ اسلام ہر ایک قسم کی عبادت کے متعلق ہمیشہ اوقات کی پابندی لازم گردانتا ہے۔ اگرچہ کوئی عابد اور کوئی زاہد شب و روز ہی عبادت اور زہد میں مشغول رہے۔ لیکن عبادات موکدہ وقت پر ہی فرض ہیں۔

اگر ایک طرف صلوٰۃ کے اوقات تھے تو صیام بھی موقت ہونے چاہئیں تھے یہی وجہ بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ رکھدیا گیا۔ اور اس میں یہ سہولت رکھی کہ ایسا مہینہ قمری رنگ میں خاص کیا گیا یعنی باعتبار قمری دور کے جو مہینہ آوے۔ اُس میں روزے رکھے جاویں۔ اُس کا نام ہی ماہ صیام یا ماہ رمضان رکھا گیا۔ اب وہ کبھی تو گرمیوں میں آتا ہے اور کبھی سردیوں میں۔ اگر شمسی مہینہ رکھتے تو رمضان ہمیشہ ایکہی موسم میں آتا۔ مثلاً اگر جنوری رکھتے یا جولائی۔ تو ہمیشہ یا تو سردی میں آتا اور یا گرمی میں قمری دور کی وجہ سے بات اوسط میں جارہی۔

اگر مہینے کی تخصیص نہ کی جاتی تو دو ہی صورتیں تھیں:-

(الف) متفرق ایام ہوتے۔

(ب) ایک مہینے میں سے کچھ دن اور ایک مہینے میں سے کچھ دن۔

ان دونوں صورتوں میں وہ ایک سوئی نہ رہتی جو اب ماہ رمضان میں پائی جاتی ہے یہ بھی ضروری تھا کہ ایام صیام کے بعد ایک قسم کی خوشی بھی کی جاوے۔ اس صورت میں گویا مستقل طور پر خوشی کا کوئی دن مقرر نہ ہو سکتا۔

انسان ہمیشہ تفریح اور کسی نہ کسی تہوار کا خواہاں رہتا ہے۔ اور تفریح اور تہوار وہی با عظمت اور مؤثر ثابت ہوتا ہے جو ایک وقت مقررہ کے بعد ایک جامعیت رکھتے ہوئے آوے۔ روز روز کی عید بھی کوئی خوشی نہ رکھتی ع

ہر روز عید نیست کہ حلوائے خورکسے

جس طرح روز روز کی تولید بھی بار کنبہ ہو جاتی ہے۔ مسلمان گیارہ ماہ تک خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے نشوونما پاتا ہے اور بارہویں مہینے اپنے جذبات اور اپنی قوتوں کا امتحان اور تزکیہ کرتا ہے۔ بارہ ماہ تک قوتیں اور جذبات مختلف رنگوں میں نشوونما پاتے ہیں۔ اور بارہویں مہینے انہیں مڑکر دیکھنا پڑتا ہے کہ ان کی کیفیت کیسی ہے اور کیا کچھ بہرا گیا ہے۔ اگر کچھ عرصہ قوتوں اور جذبات کی بالیدگی ہوتی ہے تو ایک مہینہ تک ان کی بالیدگی اور ان کی نشوونمائی کیفیت ایک امتحان میں ہی ڈالی جاتی ہے یا ڈالنی چاہیئے۔

(روزہ کی مشکلات)

اسلام ایسا مذہب نہیں ہے کہ اس نے انسان کی کمزوریوں اور مشکلات پر نظر اور غور نہ کیا ہو۔ ایک ہی مختصر سے فقرے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا میں یہ تمام کمزوریوں اور مشکلات کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

اور لطف یہ کہ اس کا فیصلہ خود انسان کی اپنی ذات اور اس کی فطرت پر رکھدیا گیا ہے۔ اگر ایک شخص درماندہ۔ کمزور۔ مریض اور مسافر ہے تو وہ خود ہی اپنے دل میں اس کا فیصلہ کرے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ لیکن اسے جو ایسا اختیار دیا گیا ہے وہ اس صورت میں ناطق ہو سکتا ہے جب اس میں انسانی خودغرضی اور حیلہ طلبی اور بہانہ شامل نہ ہو اور وہ جان بوجھکر خود کو خواہ مخواہ اس قابل نہ بنائے۔ اگر واقعی ایک شخص بوجہ کسی خاص معذوری و مجبوری کے روزہ نہیں رکھ سکتا اور ایک صداقت کے ساتھ

وہ خود کو مجبور پاتا ہے تو خدا اُسے تکلیف نہیں دیتا +

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ صاف طور پر اُن لوگوں کو مستثنےٰ کرتا ہے جو مریض ہوں یا سفر میں ہوں۔ بفحوائے اَلدِّيْنُ يُسْرٌ + شریعت حقہ نے صیام کے متعلق پوری پوری رعایات بخش رکھی ہیں۔ اگر ایک شخص ورع کے خیال سے سفر میں ہی روزہ رکھے تو یہ اُسکا اپنا خیال ہے ورنہ شریعت تو اُس پر جبر نہیں کرتی +

نہ صرف بدنی بلکہ تمدنی اغراض کے تحت میں

بھی کہدیا گیا ہے۔ گویا اِس حکم سے وہ قیود مسلمانوں سے رفع کردی گئی ہیں جو مہبانیت کے رنگ میں نسلی افزایش کی مانع تھیں۔ اور جن سے انسانی کائنات کی کمی متصور تھی +

رمضان شریف بحیثیت ایک عظیم الشان یادگار کے بفحوائے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ +

ماہ صیام ایک یادگار بھی ہے اور ایک ایسی یادگار جس پر اسلام اور ایمان کی بنیاد قائم ہے۔ اسلام کیا ہے؟ قرآن اور قرآن کیا ہے؟ اسلام جو کہ اس مبارک مہینے میں قرآن نازل ہوا۔ اس واسطے یہ مہینہ ارتقدس اس یادگار کو محفوظ رکھنے کے لئے اس مہینے میں روزے بھی رکھے گئے اور یہ یادگار ایک ایسے رنگ میں منائی گئی جو عادی اور ابدی دونوں رنگوں میں ایک مذہبیت مخصوصیت رکھتی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کا دونوں معادی اور معاشرتی رنگ رکھتا ہے +

قرآن مجید میں صیام کے متعلق صاف طور پر کہا گیا ہے۔ یُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ اِس آیت کریمہ سے اُن تمام خدشات کا دفعیہ ہوجاتا ہے جو کبھی کبھی دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ یسر میں نہ صرف ایک قسم کا آسکا بھی شامل ہے بلکہ ایک قسم کی مسرت اور نفع بھی ہر روزہ دار کو روزے سے جو خوشی

ہوتی ہے اور خصوص جو افطار عید پر خوشی اور مسرت ہوتی ہے وہ اُن ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو روزے رکھتے ہیں۔ اور قدرت جنہیں صرف ہر شام افطار ہی نہیں دکھاتی بلکہ افطار عید بھی دکھاتی ہے۔

(روزہ محض اخلاقی رنگ میں)

ہر نیکی اسی صورت میں نیکی ہو سکتی ہے یا نیکی کا پھل دے سکتی ہے جب اُسکا استعمال صحیح اصول پر ہو محض رسمی رنگ میں کوئی نیکی اگرچہ ایک خوبی رکھ سکتی ہے لیکن جبتک عملی رنگ میں اُس سے کوئی مستفید نہو اُس وقت تک اُسکی پوری کیفیت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ روزہ دار کو نہ صرف یہی حکم ہے کہ کھانے پینے سے صرف منہ ہی بند رکھے بلکہ یہ بھی کہ اپنے خیالات کا بھی تزکیہ کرے۔ زبان بھی قابو میں رکھے۔ نظر بھی روکے۔ ہر گوشہ میں دن بھر اُسے نیکی اور بردباری ہی دکھائی دیتی ہو اور ہر صورت نیک ہی متصور ہو۔ اخلاق کی تکمیل اُسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب انسان اپنے جذبات پر قابو رکھ سکے اور اُنہیں ایک ضبط میں لا سکے۔ کیا روزہ دار خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ شریعت کے اتباع کی صورت میں روزہ کے رکھنے سے تمام قسم کے جذبات کا ضبط متصور ہے۔ خود بخود جذبات دار قوتیں حیطۂ ضبط میں آتی جاتی ہیں۔ اور انسان رفتہ رفتہ اُن پر قابو پانے لگتا ہے ہنسنا بھی اندازہ کا ہوتا ہے۔ اور مسرت بھی اندازہ کی۔ وہ قوتیں اور وہ جذبات جو انسان کے دل و دماغ پر ایک قسم کا تموج اور تہیج پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ اُن میں رفتہ رفتہ ایک قسم کی معتدل کیفیت آتی جاتی ہے۔ جس کا اثر بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ پر قابو یافتہ ہو جاتا ہے۔

بعض حاذق طبیب بھی بعض جذبات اور بعض اخلاط کے اعتدال پر لانے کے واسطے مریضوں یا بعض تندرستوں کو یہی ہدایت کرتے ہیں کہ فاقہ کھاؤ اور ورزش کرو تم جاگو کم یا سو کم۔ یہ بھی دراصل ایک روزہ ہی ہوتا ہے۔ ایسے ہی

اعتدال جذبات کے واسطے بھی اخلاقاً اس قسم کی مشق کی ضرورت پڑتی ہے۔

(ایک تعجب)

جب ایک حکیم یا ایک ڈاکٹر حکم دیتا ہے کہ فلاں غذا کھاؤ اور فلاں نہ کھاؤ اتنے گھنٹے فاقہ کرو تو ایک مریض اور اُسکے وارث خوشی خوشی اُسکا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن جب خدا اور اُسکا محترم عظیم الشان نبیؐ بارہ ماہ میں سے ایک مہینے کے واسطے چند شرائط ایسا حکم دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ایسا کیوں حکم دیا گیا اور اس کا فائدہ ہی کیا ہے۔ گویا بالفاظ دیگر ایک قانون مان کر بھی اُسکی تحقیر کی جاتی ہے۔ اور ایک ڈاکٹر کے حکم کے مطابق بھی اُسکی قیمت نہیں ڈالی جاتی۔

کیا اُن لوگوں کے واسطے جو ایک مذہب اور ایک مذہب کا قانون تسلیم کرتے ہیں ایسا رویہ مناسب اور قرین صواب ہے؟ قاصر رہنا ایک دوسرا مرحلہ ہے اور انکار ایک اور صورت۔ شریعت کے نقطہ خیال سے زیادہ تر قصور انکار اور مقابلہ کی صورت میں ہے۔

عید رمضان کیا ہے؟

جب ایک مسلمان ایام صیام سے بہ خیر و عافیت گزر جاتا ہے اور یہ سفر ختم کر چکتا ہے تو اُسکے انجام پر ایک ایسا دن آتا ہے۔ جس میں اس شکر گزاری میں کہ یہ مہم سالانہ بھی ختم ہوئی۔ مسلمان آپس میں جمع ہو کر سب سے اول اپنے خدائے قدیر کے درِ مقدس پر گڑگڑاتے ہیں۔ اور پھر ایک دوسرے سے ملکر رنگ اخوت دکھاتے ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی شوکت طلائع اب ان قومی تہواروں میں وہ عزت وہ احترام نہیں رکھتی جو کبھی تھا۔ مگر پھر بھی یہ مقدس دن اپنے ساتھ صدہا

خوشیاں بھی لاتا ہے۔ اور ایک سوگوار خانہ پہلو سے یہ دن بھی اہل اسلام کیواسطے ایک مسرت رکھتا ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو اُس دن کی برکات سے مستفیض کرے اور ہم اور کچھ نہیں تو سال بھر کے بعد تو نشۂ اخوت سے سرشار ہوکر سرود مبتہج ہولیا کریں ؎

ہاں ہم اندر ذلت و ادبار دارد بہرِ او
تشنگان دہر را یک قطرہ دارد قیمتے

سلطان احمد۔ از جہلم

شام زندگی کی نسبت

رسالہ تمدن لکھنؤ کی رائے

یہ کتاب جناب مولانا رشید الخیری کے پرزور قلم نے لکھی ہے مولانا کے طرز تحریر سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس بات کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ کی تحریر کو دیکھکر سنگدل سے سنگدل شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا آپ رقت بیان میں دردبھری کے بادشاہ ہیں۔ رنج والم کے مناظر دکھانے میں جو آپکو ید طولےٰ حاصل ہے۔ اُسکو دیکھتے ہوئے آپ کو اس رنگ کا واحد انشا کہنا قطعی مبالغہ نہیں ہے۔ شام زندگی کا بڑا حصہ اس دعوے کی تائید کرتا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کتاب "صبح زندگی" مخزن پریس نے شائع کی تھی۔ اب جناب واحدی صاحب نے "شام زندگی" شائع کرکے ادبی دنیا پر احسان کیا ہے۔ "شام زندگی" ادبی حیثیت سے ایک عمدہ کتاب ہونیکے علاوہ لڑکیوں اور عورتوں کے لیئے دلچسپ معلومات اور نصائح کا مجموعہ ہے۔ کتاب کی لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ کتاب ۱۸×۲۲/۸ سائز کے ۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہے اور ایک روپیہ قیمت ہیں

منیجر نظام المشائخ دہلی سے مل سکتی ہے!"

صیام رمضان اور فدیہ

قرآن شریف کے ماننے والوں کا اس امر پر اتفاق ہے، کہ ماہ رمضان کے روزے ایسے ہی فرض ہیں جیسے نماز۔ حج اور زکوٰۃ۔ ان کے نزدیک یہ بھی مسلم ہے کہ جس طرح کسی قابل پذیرائی عذر کی بنا پر کوئی شخص موخر الذکر فرائض سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے، اسی طرح صیام رمضان کے متعلق بھی مخصوص حالات میں تاخیر و ترک ناقابل ملامت ہے۔ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جس میں انسانی مشکلات کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ اسکا بھیجنے والا حیات انسانی کی بوقلمونی سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اپنے غیر محدود علم اور لامتناہی رافت رحمت کی بنا پر صدور احکام کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی یقین دلاتا ہے کہ "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے۔ دشواری نہیں چاہتا) لیکن یہ آسانی محدود ہے اور صرف اس حد تک عطا کی گئی ہے جس حد تک کہ انسان اسکا مستحق ہے۔ کیونکہ اسکو عام کر دینا بے شبہ اس غرض کو تباہ کر دینے کا مترادف ہوتا جس کے لیے دنیا میں مذہب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

دوسری طرف انسان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے۔ اور موجودہ زمانے میں مغربی فلسفۂ سیاست نے اس خواہش کو اور بھی چمکا دیا ہے کہ اسکے افعال پر کوئی قید عائد نہ کی جائے۔ خواہش اور مجبوری کی اس دوعملی نے مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت پیدا کر دی ہے جو ناواقفیت کی وجہ سے اسلام کی عطا کردہ آزادی کو ناکافی سمجھتی اور اسکی حدود کو وسیع کرنے کی فکر میں رہتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ لوگ اس ضرر رساں کوشش کو قرآن شریف سے جائز آزادی کی سند دلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے روزوں کی ہوک پیاس سے بچنے کی یہ تدبیر سوچی ہے کہ قرآن شریف کی آیت "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام

مسکین" کا مصداق تمام تندرست و توانا لوگوں کو قرار دیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ دن بھر روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے عوض صرف ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا کافی ہے۔ مگر یہ خیال منشائے قرآن کے سراسر خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اسکو درایت کی کسوٹی پر پرکھنے اور مشہور علماء اسلام کے خیالات کا مطالعہ کرنیکے بعد آیت مذکورہ کے صحیح معنی تک پہنچنے کی کوشش کریں +

یہ آیت قرآن شریف میں اس طرح وارد ہے "یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۝ ایاماً معدودات ط فمن کان منکم مریضاً او علی سفرٍ فعدۃ من ایام اخر ط وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ط فمن تطوع خیراً فھو خیر لہٗ ط وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ اس کے معانی میں علما کا اختلاف قابل ملاحظہ ہے :-

(۱) بعض کے نزدیک 'یطیقونہ' سے مالی طاقت و مقدرت مراد ہے۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے "اور جن کو کھانا دینے کا مقدور ہے۔ ان پر ایک روزہ کا بدلہ ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے"۔ حاشیہ پر لکھتے ہیں "ہر ایک مسلمان کو فرضی روزہ رکھنا چاہئے۔ مگر بیمار اور مسافر کو رخصت ہے کہ رمضان میں روضہ نہ رکھے بعد کو قضا رکھ لے۔ اور مقدور والا ہو تو قضا بھی نہ رکھے بلکہ روزے پیچھے ایک محتاج کا پیٹ بھر دے۔ اور روزہ قضا بھی رکھے اور محتاج کا پیٹ بھی بھرے تو نور علی نور"۔

(۲) ایک گروہ کی رائے ہے کہ آیت مذکورہ سے مالی مقدرت کو کوئی تعلق نہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہیں رکھتے وہ اس کے عوض طعام مسکین دیا کریں لیکن اس گروہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اور فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ طا اسکی ناسخ۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ابن عمر اور سلمہ ابن الاکوع

کا جو قول نقل کیا ہے اسکا یہی مفہوم ہے۔ امام صاحب نے ابن نمیر سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے جس کا مضمون یہ ہے "رمضان کا مہینہ آیا اور اصحاب رسول اللہ کو روزے رکھنے دشوار ہوئے۔ پس ان میں سے جو طاقت رکھتے تھے یعنی جو شخص ہر روز ایک محتاج کو کھانا کھلا دیا کرتا تھا۔ روزہ چھوڑ دیتا تھا۔ انہیں اس امر کی اجازت تھی۔ پھر ان تصوا خیر لکم نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔" علامہ ابو محمد حسین بن مسعود تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں۔ "ابن عمر اور سلمۃ بن الاکوع کی رائے ہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے اور اسکے عوض فدیہ دیدینے کا اختیار تھا تاکہ عادی نہ ہونے کی وجہ سے انپر روزے شاق نہ گزریں۔ لیکن بعد میں یہ اختیار منسوخ ہو گیا"۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اسکا ترجمہ یوں فرماتے ہیں "ولازم است بر آنانکہ میتوانند روزہ داشتن (یعنی) ونمیدانند فدیہ کہ عبارت از خوراک یک درویش است"۔ شاہ عبد القادر صاحب نے بھی اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ مولانا شاہ رفیع الدین کا ترجمہ حسب ذیل ہے "اور ان لوگوں کے کہ طاقت رکھتے ہیں اسکی بدلہ ہے کھانا ایک فقیر کا"۔

(۲) علماء کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اپنی طرف سے آیت مذکورہ کو نہ منسوخ قرار دیتے ہیں اور نہ محکم۔ چنانچہ صاحب معالم التنزیل نے مختلف اقوال نقل کر دیئے ہیں اور اپنی رائے نہیں لکھی۔ مولانا جار اللہ زمخشری اور ناصر الدین بیضاوی نے بھی یہی محفوظ طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور دوسرے بہت سے مفسرین نے ان کی تقلید کی ہے۔

(۳) چوتھا گروہ وہ ہے جو اس تحریر کا باعث ہوا ہے ان لوگوں کی اگرچہ کوئی تصنیف نظر سے نہیں گزری۔ لیکن مکالمہ کا اکثر اتفاق ہوا ہے۔ ان کے نزدیک آیت کے معنی تو وہی ہیں جو گروہ ثانی نے کئے ہیں۔ یعنی "جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہیں رکھتے وہ فدیہ دیا کریں"۔ لیکن وہ اسکو منسوخ نہیں مانتے۔ اور بندہ بہت و توانا مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ بجائے روزہ رکھنے کے ایک محتاج کو کھانا کھلا دیا کریں۔ ان کی سب سے بڑی

دلیل یہ ہے کہ یطیقونہ اثبات کا صیغہ ہے اور اس سے سلب و ازالہ کے معنی نہیں لیے جا سکتے +

(۵) بعض فضلاء یطیقونہ سے پہلے لا مقدر مانتے ہیں اور ترجمہ یہ کرتے ہیں، جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے الخ چنانچہ مولانا جلال الدین سیوطی کی یہی رائے ہے اور صاحب ہدایہ نے بھی اسکی طرف اشارہ کیا ہے +

(۶) چھٹا گروہ آیت کو محکم (غیر منسوخ) مانتا ہے اور یطیقونہ کے معنی یستطیعونہ کرتا ہے۔ یعنی انکے نزدیک وہ لوگ جن کے لیے روزے موجب صعوبت ہیں فدیہ دینے کے مجاز ہیں۔ چنانچہ صاحب قدوری لکھتے ہیں۔ "وہ شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قادر نہیں اسے ترک کرکے ہر روز ایک محتاج کو کھانا کھلا سکتا ہے"۔ اسپر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:۔ والاصل فی قولہ تعالیٰ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین +

سرسید مرحوم کی بھی یہی رائے ہے۔ مگر وہ آیت کو صرف بوڑھوں تک محدود نہیں رکھتے بلکہ دیگر ناتوان اشخاص کو بھی اسمیں شامل سمجھتے ہیں۔ انہوں نے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کی عبارت بھی نقل کی ہے +

ہم سب سے پہلے ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اس آیت کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکے خیال میں صیام رمضان صرف ان غریب اور بے مقدرت لوگوں پر فرض ہیں جو کھانا دینے کا مقدور نہ رکھتے ہوں۔ حالانکہ قرآن شریف میں تمام مومنین کو مخاطب کیا گیا ہے اور مکرر فرمایا گیا ہے۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ (تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں زندہ موجود ہو اسکو چاہیے کہ روزے رکھے) یہاں امیر و غریب کی تفریق نہیں کی گئی۔ احکام اسلام میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے۔ خدائے پاک نے امراء غرباء کے لیے الگ الگ قوانین وضع نہیں کیے۔ اسکے نزدیک یہ سراسر ظلم ہے کہ غریب تو دن بھر بھوکے پیاسے مشقت برداشت

کیا کریں اور اُمرا صرف ایک مسکین کو کھانا کھلا کر جو اُنکے لیئے معمول ترین کام ہے حصول ثواب میں اُنکے ہمرتبہ ہو جائیں۔ ڈپٹی صاحب بے زروں پر جنہیں پیٹ کا دھندا ایک دن بھی فارغ نہیں بیٹھنے دیتا روزے فرض کرتے ہیں مگر دولتمندوں کے لیئے جو ایک کیا کئی مہینے متواتر بیکار گزار سکتے ہیں۔ ساٹھ ستر یا سو مساکین کا نہیں بلکہ صرف ایک مسکین کا کھانا کافی کفارہ تصور فرماتے ہیں۔ حالانکہ قضیہ بالکل برعکس ہونا چاہیئے فیا للعجب +

صریح بات ہے کہ مریض و مسافر کے لیئے جب دوسرے دنوں میں (جب وہ تندرست ہو جائے یا سفر سے واپس آئے) روزوں کی قضا فرض ہے تو ایک تندرست و توانا انسان کے لیئے یہ کیونکر حکم دیا جا سکتا ہے کہ وہ روزوں کے عوض ہر روز ایک محتاج کو کھانا دیدے۔ گویا ڈپٹی صاحب کے خیال میں اُمرا اور صاحب مقدور لوگ مریض و مسافر سے بھی زیادہ نرم سلوک کے مستحق ہیں +

دوسرا گروہ اس بنا پر اس آیت کو منسوخ قرار دیتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزہ فرض نہ تھا بلکہ مسلمانوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ خواہ روزہ رکھ لیا کریں خواہ فدیہ دیدیں مگر ہمارا خیال ہے کہ روزہ اُسوقت اختیاری امر نہ تھا بلکہ اسی آیت نے اسے فرض کر دیا تھا۔ اسلیئے آیت مذکورہ کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود وہی مفسرین جو اس آیت کو منسوخ ٹھیراتے ہیں کتب علیکم الصیام "کے معنی "فرض علیکم الصیام" کرتے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کس بنا پر روزوں کو اختیاری قرار دیتے ہیں۔ ابن عمر و سلمہ ابن الاکوع کی طرف جو روایت منسوب ہے۔ اس میں روزے کے اختیاری ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مسلمان ان دنوں روزوں کے عادی نہ تھے۔ ہمارے خیال میں یہ وجہ کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اول تو قرآن شریف کے الفاظ کما کتب علی الذین من قبلکم اسکا کافی ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ روزہ کوئی نئی چیز نہ تھا۔ علاوہ برآں یہ مسلم ہے کہ صیام رمضان کی فرضیت سے پہلے مسلمان عاشورہ وغیرہ کے روزے رکھا کرتے تھے

ایسی حالت میں ان کا عادی نہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر عادی نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ صحابۂ کرام کیلئے رمضان کے روزے رکھنے کا پہلا موقع تھا تو ظاہر ہے کہ یہ موقع ہر جدید نسل کو حاصل ہوتا رہتا ہے۔ ایک بچہ جب بالغ ہوتا ہے تو پہلے سال وہ ہرگز روزوں کا عادی نہیں ہوتا۔ اس لیے اُن کی فرضیت سے اُسے مستثنیٰ ہونا چاہیئے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے سال اور اسکے بعد وہ عمر بھر اس عذر کی بنا پر فرضیت صیام کے محفوظ رہ سکتا ہے کہ اُسے عادی نہیں ہے +

اس سے بھی قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیت میں مریضوں اور مسافروں کو ان کے قضا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس اگر روزے فرض نہ تھے اور صرف اختیاری تھے تو مریضوں اور مسافروں کو انکے قضا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ +

اگر ہم اپنے اعتقاد کے خلاف دم بھر کے لیئے یہ فرض کرلیں کہ آیت مذکورہ منسوخ ہے۔ اور یہ بھی مان لیں کہ روزہ اختیاری تھا تو اس صورت میں بھی یطیقونہ کا مطلب وہ نہیں ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے۔ وہ اسکا مصداق عام طاقتور لوگوں کو ٹھیراتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ جس حالت میں اس اختیاری امر سے نجات پانے کی مریضوں اور مسافروں کے لیئے جو بہت زیادہ رعایت کے مستحق ہیں صرف یہی ایک صورت تھی کہ وہ بعد میں روزوں کے بدلے روزے رکھیں تو کیا یہ خدائے پاک کی بے انصاف ٹھیرانا نہیں ہے کہ اچھے بھلے صحت مند کو اس نے روزے کے عوض صرف ایک محتاج کا کھانا دینے کا حکم دیا اور اُسے کافی فدیہ سمجھا +

تیسرے فریق کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بستہ فریق چہارم کے خیالات کی صحت و سقم کا امتحان نہایت ضروری ہے۔ وہ اس امر میں تو ہم سے اتفاق کرتے ہیں کہ آیت زیر بحث منسوخ نہیں ہے مگر اس کا مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ لوگ باوجود روزہ رکھنے کی طاقت کے روزہ چھوڑ دیں۔ اور اسکے عوض ایک محتاج کو کھانا کھلا دیں تو ادائے

فرض کے لیئے کافی ہے۔ ہمیں اس رائے سے قطعی اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں روزوں کی فرضیت میں جو نص صریح سے ثابت ہے ضعف آتا ہے۔ آیات قرآنی سے ظاہر ہے کہ صیام رمضان تمام پیروان اسلام پر بلا استثناء فرض ہیں صرف مریض و مسافر ایک وقت خاص تک کے لیے مستثنیٰ ہیں۔ یہ استثناء ظاہر کرتی ہے کہ تمام وہ مسلمان جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں "خلیصہ" کے حکم میں شامل ہیں۔ اس صورت میں اگر ہم یطیقونہ کا ترجمہ یہ کریں کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ اسکے عوض فدیہ دیدیا کریں تو ثابت ہوگا کہ روزہ کسی کے بھی فرض نہیں ہے۔ کیونکہ مریض و مسافر تو رمضان میں مکلف نہیں۔ رہے وہ جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک محتاج کو کھانا کھلا کر نجات پا سکتے ہیں۔ پھر انہیں کیا ضرورت ہے کہ جوع و عطش کی تکلیف اٹھائیں

آیت کے دوسرے حصہ میں خدا فرماتا ہے فمن تطوع خیرا فھو خیرلہ وان تصوموا خیرلکم اس سے صاف ظاہر ہے کہ مخاطب کو اختیار دیا گیا ہے کہ خواہ وہ روزہ رکھے اور خواہ فدیہ دیدے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر روزہ رکھے تو بہتر ہے گویا نہ رکھنے کی صورت میں کوئی گناہ نہیں۔ اب اگر اس فریق کے قول کے مطابق ہم یطیقونہ کا مصداق صاحب طاقت لوگوں کو ٹھہرائیں تو صریحاً نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ روزہ ایک اختیاری شے ہے۔ کسی پر فرض نہیں۔ خواہ وہ طاقتور ہو یا ناتوان۔

اگر یہ کہا جائے کہ وان تصوموا خیرلکم سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ اختیاری کام نہیں ہے اور یہ کہ نہ رکھنے کی صورت میں مسلمان گنہگار ہوتا ہے تو یہ ہمارے منشا کے عین مطابق ہے کیونکہ ہمارا مقصود صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ صیام رمضان تمام ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہوں فرض ہیں۔ اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ انکے لیے بلا عذر روزہ چھوڑ کر فدیہ دیدینا کافی ہے۔

یطیقونہ کا مصداق خواہ طاقتوروں کو ٹھہرایا جائے یا ضعفاء کو۔ اس قدر تو ہر حال میں

مسلم ہے کہ آیت مذکورہ میں روزے کا عوض طعام مسکین کو قرار دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر ان لوگوں کے لیے جو اس آیت کے مصداق ہیں۔ ایک محتاج کو کھانا کھلانا دن بھر روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا خاص حالات کے سوا طعام مسکین دن بھر کے روزے کا قائم مقام ہو سکتا ہے؟ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا اثر جسمانی قوئے سے گزر کر روح انسانی پر پڑتا ہے۔ شدت جوع و عطش کی برداشت سے جو صبر و استقلال کی عادت پڑتی ہے وہ تزکیۂ نفس کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ حواس ظاہری و باطنی کو معاصی سے محترز رکھنے کی کوشش ایک زبردست روحانی تصفیہ کا کام دیتی ہے۔ کیا کوئی معقول انسان قبول کر سکتا ہے کہ ایک ایسی عبادت کا جو جسم و روح دونوں پر مشتمل ہے بدل مطلق صرف طعام مسکین کو قرار دیا جائے۔ جس میں نسبتاً نہ کوئی جسمانی جہد و تعب مضمر ہے اور نہ کوئی روحانی +

تمام انسانی و آسمانی قوانین میں یہ امر مسلم خیال کیا جاتا ہے کہ مریض اور مسافر تندرست اور مقیم لوگوں کی نسبت رعایتی سلوک کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن نے ان سے جو رعایتی سلوک کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ جب اچھے ہوں یا جب سفر سے واپس آئیں تو روزے رکھیں۔ اب قدرتاً ہمیں خیال ہوتا ہے کہ تندرست و مقیم لوگوں کے متعلق جو حکم ہوگا وہ لامحالہ مریضوں اور مسافروں کی نسبت کسی قدر سخت ہونا چاہیے۔ ایسی حالت میں کیا یہ قرین انصاف ہے کہ تندرست و توانا مسلمانوں کو صوم کے عوض صرف طعام مسکین کا مکلف ٹھیرایا جائے جو مرضی و ابتغاء سبیل کے حکم کی نسبت سخت تو درکنار بہت آسان تر ہے اور لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا کے سراسر خلاف +

اس تمام بحث سے یہ امر بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ صرف چھٹے فریق کی رائے قابل تسلیم ہے۔ یعنی یہ کہ اسکے مصداق صرف وہ "بوڑھے اور ناتواں اشخاص ہیں جو روزہ رکھنے پر بمشکل قادر ہو سکتے ہیں"۔ یہ مفہوم منشائے قرآن کے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ اس صورت میں

پرورش اولاد شادی کے بعد اولاد کا ہونا اگر یقینی نہیں تو اکثر یہ ضرور ہے کہ اولاد کی پرورش والدین پر ایک ایسا فرض ہے جو کسی سے قضا نہیں ہو سکتا۔ جس طریقہ اس فرض کے ادا کرنے کا یہ ہے کہ اپنے حقوق کو کامل طور پر حتی الوسع ادا کریں

(۱) پہلا حق۔ اولاد کی پرورش طبی قواعد کے مطابق کرنا تاکہ جان ضائع نہ ہو۔

(۲) دوسرا حق۔ اولاد کا نام نیک رکھنا۔

(۳) تیسرا حق۔ اولاد کی تعلیم و تربیت عمدہ و نفع بخش طریقہ پر کرنا۔

اولاد کے حقوق ثلاثہ والدین پر یکساں علی قدر مراتب میں کوئی فریق اگر عذر کرے یا کاہل و بخیل ہو تو دوسرا فریق ذمہ دار ہے۔ کہ اسکے فرائض کو یاد دلاتا رہے۔ اگر ماں لاپرواہ ہے تو باپ کو چاہیئے کہ اولاد کا حق ماں غصب نہ کر سکے۔ اگر باپ لاپرواہ و بخیل ہو تو ماں کو چاہیئے کہ اولاد کا حق باپ غصب نہ کر سکے۔ کہ تدبیر منزلی کا جس معیار یہ ہی ہے +

عزیز بہن۔ پرورش اولاد کی بحث بہت ہی طویل و تفصیلات کی محتاج ہے۔ یہاں ایک راز بتلانا چاہتا ہوں جسپر پرورش کا مدار ہے۔ وہ راز ضبط اوقات یعنی ہر کام کے لیئے ایک مقررہ وقت ہو۔ جو بہنیں اس راز کی اہمیت کو اپنی عقل و تجربہ سے جلد پا جائیں گی۔ وہ دیکھیں گی کہ ان کی اولاد کس قدر عمدہ پرورش ہوتی ہے مثال کے طور پر میں کچھ سمجھاتا ہوں۔

(۱) طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ قبل بچوں کو بیدار کرو۔ ۱۔ بیداری

(۲) پیشاب پاخانہ (حوائج ضروریہ) سے فراغت کراؤ۔ ۲۔ حوائج ضروریہ سے فراغت

(۳) پھر حسب موسم پانی سے نہلاؤ۔ ۳۔ غسل

(۴) خدا کی عبادت کے جانب توجہ دلاؤ۔ مشغول کراؤ۔ ۴۔ عبادت

(۵) قریب طلوع جنگل میں پیادہ پا لیجاؤ یا معتبر اور نیک چلن ملازم کی نگرانی میں بھیجو۔

۵ ضروری ورزش +

(۴) بعد طلوع آفتاب جنگل سے سواری پر واپس لاؤ۔ ۶۔ ورزش تفریحی
(۵) گھر جب پہونچ جائیں زود ہضم غذا کھلواؤ لیکن تھوڑی بطور ناشتہ۔ ۷۔ ناشتہ
(۸) ناشتہ کے بعد فوراً درسگاہ بھیجو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸۔ تعلیم
(۹) دوپہر کا کھانا ممکن ہو تو درسگاہ ہی میں کھلواؤ۔ ۹۔ دوپہر کا کھانا۔
(۱۰) نماز روزہ اگر فرض ہو گیا ہو۔ تو اسپر ان کو رغبت دلاتے رہو اور عمل پر
مجبور کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰۔ عبادت
(۱۱) سہ پہر کو بعد فراغت تعلیم۔ ورزشی اور حکمت آموز کھیل مہذب ہم سنوں میں
کھلاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۱۔ کھیل۔
(۱۲) شب کو دن کا پڑھا ہوا دوبارہ یاد کراؤ آگے مطالعہ اور مشق کراؤ۔ ۱۲۔ شب کی تعلیم
(۱۳) روزانہ کام کی جانچ پڑتال سے جب فراغت ہو جائے تو شب کی عبادت
یاد دلاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۳۔ عبادت شب
(۱۴) جب شب کی عبادت سے فارغ ہو جائیں تو شب کا کھانا کھلاؤ۔ مگر اشتہا
ضرور چھوڑواؤ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۴۔ شب کا کھانا
(۱۵) جب اس سے فارغ ہو جائیں سونے کے لیئے بستروں پر بھیجدو۔ ۱۵۔ خواب راحت

تعطیل اور تعلیم سے فرصت کے زمانہ میں توسیع تجربات و معلومات کے اضافہ کے
واسطے اور اولوالعزمی پیدا کرانے کے لیئے۔

(۱) سپاہ گری جسمیں کشتی گیری بھی شامل ہے اور شناوری۔ سکھلاؤ (۱)
(۲) بحری و بری سفر، شکار کے نام سے، کراؤ۔ (۲)
(۳) مختلف مقامات کی سیاحی سیر کے نام سے کراؤ۔ (۳)
(۴) بڑے لوگوں سے ان کے معاملات ملاقات کے حیلہ پیدا کراؤ۔ (۴)
(۵) مجمع میں زبردستی اپنے خیالات و معلومات کے بیان کرنے کی عادت ڈلواؤ۔ (۵)

(۵) خطرات پر دلیر بناؤ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۶)
(۷) تاریخی انسانے جنمیں شجاعت، سخاوت، صداقت کی ترغیب و تعلیم ہو کہانیاں سنکر سنانا کرو، (۷)
(۸) قومی و مذہبی جذبات و قومی شعار و آزادی کی روح خیالات میں پھونکو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۸)

عام طور پر ان باتوں کے سوا یہ بھی خیال رکھو کہ

(۱) صحبت تو بری نہیں۔ ہم سن کیسے ہیں،
(۲) ملازموں اور خدمت گاروں سے زیادہ مانوس تو نہیں،
(۳) چھوڑے تو نہیں ہوتے جاتے،
(۴) گستاخ نہ ہونے دو،
(۵) سرکش نافرمان نہ ہونے دو،
(۶) اسکولی شرمناک عادت کا تو کچھ اثر پیدا نہیں ہوا،
(۷) استاد و نگراں خود بھی شریف خیال اور نیک چلن ہیں یا،
(۸) تم خود بھی اولاد کے سامنے زیادہ بے تکلف نہ ہو،
(۹) اولاد سے اپنی کمزوریوں کو بہت پوشیدہ رکھو۔
(۱۰) برائیوں کی خرابیاں اس طریق پر اور اس طرح پر دلچسپ بنا کر ان کو سمجھاؤ جتلاؤ بتلاؤ کہ ان کے دل میں جم جائیں۔
(۱۱) زدہ کوب سے خود احتراز کرو۔ کہ بچے بے شرم ہو جاتے ہیں،
(۱۲)۔ جھوٹ، بے ایمانی، بدعہدی۔ فریب۔ سستی۔ بے کاری۔ بے ہنری، ظلم، بے وفائی، غداری، بے علمی، بدخلقی، بے ادبی۔ بد انتظامی، مفضول خرچی بداخلاقی کی برائیاں، اور ان کے نتائج کی خوفناکی اس دلچسپ طریقہ سے دل میں جماؤ اور بتلاؤ کہ جوان ہو کر نکل ہی نہ سکیں،

پرورش کے متعلق مختصراً جو کچھ ابتدائی باتیں تھیں وہ میں نے بیان کر دی ہیں،

لڑکیاں چند باتوں سے بے نیاز ہیں۔ ان کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جہاں جہاں اشتراک ہے وہاں وہاں دونوں یکساں پرورش کے لایق ہیں۔

پرورش کے بعد اب تربیت ہے جس کا زمانہ بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے اسکے لیئے جدا زمانہ اور وقت کی حاجت نہیں۔

اب میں اپنی عزیز بہن کو پہلے تربیت کی تعریف وغرض بتلائے دیتا ہوں۔

تربیت } چونکہ آدمی اپنی ضروریات کی فراہمی میں تنہا قاصر ہے اور دوسرے کی اعانت کا ضرورت مند ہے۔ مدنی الطبع ہونے کے باعث ان نعمتوں اور بھلائیوں کو حاصل کرنے پر حریص ہے جنکو وہ خود تنہا بلا مدد وغیرے حاصل نہیں کرسکتا۔ اور ہر اشخاص حیثیتوں کے اختلاف سے جدا جدا مراتب کے ہوتے ہیں یعنی

(حاکم ومحکوم) (امیر وغریب) (عالم وجاہل) (شریف ورذیل) (بڑا اور چھوٹا) (اپنا اور پرایا) (دوست ودشمن) ایسی حالت میں اگر ان کے مراتب کا خیال نہ رکھا جائے۔ تو اشخاص سے بجائے نفع کے نقصان پہونچ جاتا ہے۔

اور ان مراتب کا خیال رکھنا اور ان پر لحاظ کرنا حسن تربیت کہلاتا ہے۔ اس کلیہ کو عورتوں پر بھی عاید کرسکتی ہو۔

اب اس جگہ مختصراً میں ان چند باتوں کو بیان کروں گا۔ جن کا عمل درآمد ذاتی لیاقت کے لیئے ضروری ہے۔ کیونکہ اوروں کی طرز معاشرت اپنی ہی اداب تہذیب کا نتیجہ ہے۔

(الف)

حرکت وقیام کے طریقے } (۱) رفتار میں، متانت سادگی، خاموشی، میانہ روی لازمی ہے۔ چنچل ہونا شریفوں کا شیوہ نہیں، یہ بری عورتوں کا کام ہے،

(۲) قیام ایسی جگہ کرے یعنی ایسی جگہ بیٹھے جو اپنے لایق ہو۔ نہ تو اپنے درجہ سے

کم درجہ پر بیٹھے نہ اپنے درجہ سے بلند جگہ پر جرأت کرے۔ اگر ناواقفیت سے ایسی کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً مناسب جگہ جا بیٹھے۔

مجلس میں قہقہہ، ڈکار، کھنکار، ناک سنکنے۔ دانت کریدنے۔ جلد جلد پہلو بدلنے۔ غمگین صورت بنا کر بیٹھنے سے پرہیز کرے +

(ب)

گفتگو کا طریقہ (۱) خطاب کرتے وقت بدوں خوب سوچے سمجھے کوئی بات منہ سے نہ نکالے۔ ہر سخن کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔

(۲) فحش۔ بدگوئی، جھوٹ۔ گپ۔ طعن۔ نقلی (شیخی) تمسخر سے قطع کلام سے بچتے رہو۔

(۳) جوابات کو مختصر دلچسپ مفید معقول صحیح مخاطب کی عقل و فہم کے موافق کہو سننے والے کو ناگوار نہ ہو۔

(۲)

(۴) جواب جب دو جب کوئی تم سے پوچھے۔

(۵) اگر کوئی سوال ایسے مجمع سے کیا جائے جس میں تم بھی ہو۔ تو اور لوگوں کی منتظر رہو۔ اور جماعت سے متفق رہ سکتی ہو تو رہو۔

(۶) اگر اختلاف ہو تو بدوں کسی پر ذاتی اعتراض کئے ہوئے اپنے دلایل پیش کرو۔ اور وجوہات سمجھاؤ۔

(۷) دیوانوں، مستوں، لڑکوں، نا مہذبوں، جاہلوں سے مخاطب ہونا برابر ہے کسی نے کہا ہے۔ "گفتن ہزار عیب نہ گفتن یک عیب" صائب کہتا ہے کہ

"خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید"

کھانے کا طریقہ عزیز بہن یاد رکھو بھوک (اشتہا) دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) لذت حاصل کرنے کی غرض سے، یا نفس کی طبع فاسد کہلاتی ہے۔ اشتہا کا ذب اسیکا نام ہے +

(۲) جسمانی اعضا کی طلب پر جو بھوک لگتی ہے اسکو اشتہار صادق کہتے ہیں۔

الف اشتہار کاذب پر کھانا ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔ مختلف قسم کی بیماریاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں دولت مند بیویاں اسی وجہ سے دائم المرض رہتی ہیں، جہاں تک ہو سکے بچو۔

(ب) اشتہار صادق پر جلد ہضم ہونے والی غذا کھاؤ کسی قدر جب بھوک رہ جائے کھانا چھوڑ دو، تاکہ سستی کاہلی تاریک دماغی اور مختلف امراض سے نجات میں رہو۔

(ج) ایسے دسترخوان پر جہاں تم سے زیادہ معزز اور سردار ہمیں جمع ہوں، خود کھانے میں سبقت نہ کرو۔

(۱) لقمہ متوسط ہو۔

(۲) منہ اور انگلیاں ضرورت سے زیادہ خلاف تہذیب آلودہ نہ ہونے پائیں۔

(۳) جلدی جلدی نہ کھاؤ۔

(۴) چپڑ چپڑ کی آواز نہ پیدا ہو۔

(۵) اور وں کی حاجت کو اپنی خواہش و حاجت پر مقدم سمجھو۔

(۶) کسی شئے کی خود فرمائش نہ کرو۔

(۷) کسی کے سامنے کا نوالہ نہ اگلو۔ ایسی ضرورت ہو تو ایک منٹ کے لئے اٹھ کھڑی ہو

(د) جب بھوک کا غلبہ ہو تب کھاؤ۔

(ہ) جب کسی قدر اشتہا باقی رہ جائے ہاتھ روک لو۔

(و) جلد ہضم ہونے والی غذا کھاؤ۔

(ز) ریاضت جسمی کو ضروری سمجھو۔

یہ چار شرائط ہمیشہ تندرست رہنے کی ضامن ہیں۔

لباس

عزیز بہن، ستر کا چھپانا لازمی ہے، اور برہنہ رہنا معیوب ہے ہر موقعہ کی ضرورت کا لباس جداگانہ لحاظ سے ہوتا ہے۔

(۱) شب خوابی کے لباس میں راحت کا خیال مقدم ہوتا ہے۔

(۲) ماند و بود میل ملاقات سیر و تفریح کے لباس میں متانت و سادگی مقدم سمجھی جاتی ہے۔

(۳) جنگ کے لباس میں مضبوطی و چستی و چالاکی پر معین اور مفاظت کرنے والا لباس اچھا ہوتا ہے۔

(۴) دربار کے لباس میں شوکت بڑھانے والا اپنے پیشہ کے موافق لباس اچھا ہوتا ہے۔

ان باتوں کے علاوہ ایک نکتہ اور بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہمیشہ قومی لباس کو اختیار کرنا چاہیئے، اصلی عزت اسمیں ہے۔ ہندوستانی عورت خواہ وہ امیر ہو یا غریب اگر یورپین لباس اختیار کرتی ہے تو نہ اسکی عزت یورپین میں ہوتی ہے نہ اپنی قوم میں اپنی قوم میں ایسی عورتیں "اچھی نہیں" کہلاتی ہیں اور یورپین عورتیں ایسی عورتوں کو بہروپن کہتی ہیں، عورتوں کے لباس میں پہلے شرط مقدم یہ ہے کہ زینت اور شرم کی چیزوں کو چھپائے ہوئے رہے۔ موجودہ فیشن مسلمان عورتوں کے شایان نہیں ان کو اپنی قدیمانہ لباس کی عزت کرنی چاہیئے۔

تعلیم

میری عزیز بہن یہ مسئلہ نہایت مشکل کر دیا گیا ہے، پاس اور فیل، اور مشروط کورس جو آجکل مغربی درسگاہوں میں جاری ہے ہماری تعلیم میں سدراہ ہے کوئی بھی علم کو علم کے لیے حاصل نہیں کرتا۔ سب ملازمت کے لیے جان کھاتے ہیں، علم کو کسب معاش کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ کیا کریں مجبور ہیں۔ ابھی تک کچھ مدوا قوم اس کا نہیں کرا سکی، خدا جانے گورمنٹ یہ تکلیف ہم سے کب تک دور کریگی،

تاہم تمہارے سمجھنے کے لیئے مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں:۔

(۱) پہلے بچوں کو فارسی زبان میں حکمت کی زبانی تعلیم دینی چاہیئے (اسمیں لڑکیں شامل ہیں)،

(۲) پھر مذہب کی تعلیم دیں۔ (یہاں بھی لڑکیاں برابر ہیں)

(۳) پھر اس زبان و فن کی تعلیم دیں جو حکمراں ہو لیکن طبیعت کا میلان دیکھنا مقدم شرط ہے کہ بچہ کدھر زیادہ متوجہ ہے۔ اسی سلسلہ میں اولاد کو کسب معاش کی جانب شوق دلانا چاہیئے۔

بہتر یہ ہے کہ لڑکوں کا نکاح یا ان کی وہ تمام ضروریات جسکے وہ آیندہ زمانہ میں محتاج ہوں گے۔ بندوبست خود لڑکوں کے ذریعہ اور ان کے مکسوبہ روپیہ سے کرانا چاہیئے کہ عملی تعلیم یہی ہے۔

رہ گیا یہ مسئلہ میں کیا حل کر سکتا ہوں جبکہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ بھی حل نہ کر سکی۔ وہ بھی ربنا لک الحمد کہنے پر مجبور ہے اور ہم تم بھی،

حقوق والدین سمجھو بہن۔ ہر بچہ کے پیدا ہونے کا پہلا سبب ماں باپ ہیں۔ پھر اس بچہ کی بقا کا سبب والدین کی پرورش تربیت ہے، حمل قایم ہونے سے پیشتر، تو خیر قایم ہونے کے بعد سے وضع حمل تک کس قدر تکالیف والدین کو برداشت کرنی پڑتی ہیں، پھر پرورش و تربیت کے متعلق کس قدر مصائب ہیں جو اولاد کے لیے نہایت کشادہ پیشانی سے برداشت کیجاتے ہیں۔ تم کو بھی معلوم ہو جائیگی تو کیا پھر ایسے والدین کا کوئی حق اولاد پر نہ ہونا چاہیئے تھا۔ ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ خدا رسول، بادشاہ عادل کے بعد ہر انسان پر والدین کے حقوق فرض ہیں۔ اور وہ اصولاً یہ ہیں:-

(۱) **ادائے خدمت**۔ (تمام ممکن آرام و راحت و اطمینان کا انتظام حاضر رکھنا)

(۲) **اظہار اطاعت**۔ (جو ان کی مرضی ہو)

(۳) **پذیرائی نصیحت**۔ (جن باتوں کی ہم کو نصیحت کریں اسکو عملاً ماننا)

(۴) **تعمیل وصیت**۔ (جو ان کی فرمایش ہو اسکو پورا کرنا)

زبانِ غیب کی پکار

دینی رجسٹر میں نام لکھوادو

اب میں ہر مہینے ایک نئی کتاب لکھدیتا ہوں۔ بعض دفعہ مہینے میں دو کتابیں بھی ہو جاتی ہیں ساری دنیا کاغذ کی گرانی کے سبب تصنیف و تالیف کو بند کر رہی ہے مگر مجھ پر خدا کا فضل ہے کہ وہ اچھے اور اعلےٰ کاغذ دیتا ہے۔ مفید مضمون عطا فرماتا ہے اور اپنے بندہ سے دین و ملت کی لگاتار خدمت لے رہا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس عالمگیر تحریر اور تنگی کے زمانہ میں اپنے بندہ کو ہمت دی ہے کہ وہ بیرسی مرکتا بچے خرید لیتے ہیں اور مجھکو دیگر مصنفین کی طرح ناقدری کی شکایت نہیں ہوتی۔ کتابیں کثیر تعداد میں چھپتی ہیں اور ماہوں ماہ تک ختم ہو جاتی ہیں ضرورت صرف آگاہ کرنے کی ہوتی ہے مگر حلقۃ المشائخ کے کارکن اور اہلکار بار بار شکایت دینے اور خریداروں کو نئی کتاب سے مطلع کرنیکی فرصت نہیں رکھتے۔ اور انکو اس میں بہت دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ لہذا ان کی خواہش سے میں دینی خدا کاروں کو پکارتا ہوں کہ وہ اپنا نام دینی رجسٹر میں اس اجازت کے ساتھ لکھوادیں کہ آئندہ جو کتاب حسن نظامی تصنیف کرے وہ بے اطلاع انکے پاس بذریعہ وی پی بھیجدی جائے۔

اب تک ایسے قدر دانوں سے صرف محصول کی رعایت کیجاتی تھی مگر آج سے ایکروپیہ میں دو آنے کمیشن بھی دیئے جائینگے اور محصول ڈاک بھی انسے نہ لیا جائیگا۔ اسکی اطلاع اپنے سب دوستوں کو دیدیجئے اور آپ بھی فوراً ایک کارڈ کارکن حلقۃ المشائخ دہلی کے نام بھیجدیجئے تاکہ آپکا نام مستقل خریداروں میں درج کر دیا جائے۔ اور ہر تازہ کتاب بھیجے آپکو پہنچ جایا کرے۔ اس سے مطمئن رہیے۔ میری سب کتابوں کی لکھائی چھپائی بہی اچھی کرائی جاتی ہے۔ اور کاغذ بھی عمدہ لگایا جاتا ہے۔ عام اخباروں اور رسالوں کیطرح میرے ہاں ردی کاغذ کا آجتک استعمال نہیں ہوا نہ خدا نے چاہا آئندہ ہوگا اور قیمت بھی اصلی لاگت اور عملہ کے خرچ کے موافق رکھی جاتی ہے زیادہ نفع نہیں لیا جاتا۔ پس آپ اس بنا پر کہ مجھ خدا کا نام لیکر دیا ہے مستقل خریدار بنجائیے ہر مہینے کی کتاب بذریعہ وی پی آپکو پہنچتی رہیگی۔ اپنے دوستوں، مریدوں اور علمی دینی قدردانوں سے توقع ہے کہ وہ اس تحریر پر غور و توجہ کرینگے اور تصوف اسلامی

ممبر بچرکے فروغ دینے میں میری مدد بھی کھو لکر ہوگی۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حسن نظامی

شامِ زندگی

کا

دوسرا ایڈیشن

شام زندگی جسقدر پہلی دفعہ چھپوائی تھی الحمد للہ کہ صرف ایک مہینے میں نکل گئی۔ اور اب دوبارہ تیار ہو رہی ہے۔ جن ناظرین نظام المشائخ نے اسے ابھی تک منگایا ہو وہ اور دیر نہ لگائیں۔ اور فوراً دو استیں بھیجدیں۔ ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا

یہ کتاب مولانا **سید الخیری** (مدظلہ العالی) کی بہترین تصنیف ہے اور ہر عورت مرد کے لیئے اسکا دیکھنا موجب خیر و فلاح ہوگا۔ حضرت خواجہ **حسن نظامی** صاحب، مولوی **ظفر علی خاں** صاحب اور تمام اسلامی و غیر اسلامی اخباروں، رسالوں کے ایڈیٹر اسکی تعریف میں یک زبان ہیں۔ اور بعید نہیں کہ سرکاری اور قومی مدارس کے نصاب میں اسے داخل کرلیا جائے۔ ہم ذمہ دار ہیں اگر شام زندگی آپ کو پسند نہ آئے۔ اسکا ایک ایک فقرہ تیر و نشتر کا کام نہ دے۔ اور کام کا نہ معلوم ہو تو دام واپس منگا لیجئے۔ قصہ کا پیرایہ۔ قلعہ معلے کی اردو مفید باتیں، پڑھو تو لطف، اور عمل کرو تو دین دونیا سنورے

قیمت علاوہ محصول صرف ایک روپیہ

پتہ

منیجر نظام المشائخ دہلی

یہ آیت کو منسوخ ٹھیرانے کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ قرآن پر بے انصافی کا الزام عائد ہوتا ہے کیا جاتا ہے کہ یطیقونہ سے نفی طاقت کے معنی لینا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اثبات کا صیغہ ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ "اطاق" کا مادہ وہی ہے جو تطوق کا ہے۔ اور اہل عرب مقولہ طوقتک تطویقا کے معنی ہیں "میں نے تجھ پر ایسے کام کی تکلیف دی جو تم پر دشوار تھا" اسی آیت کے متعلق علامہ شہاب خفاجی حنفی لکھتے ہیں کہ محاورہ عرب میں اطاق الفعل کے معنی ہیں بلغ نہایۃ طرقہ فیہ۔ حضرت امام فخر الدین رازی نے بھی اسی معنی پر استدلال کیا ہے وہ یطیقونہ کے معنی کسی کام کا مشکل اور تکلیف سے انجام دینا بتلاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "وہ لفظ میں ایک وسع اور دوسرا طاقت" یعنی عرب بولتے ہیں جو کسی کام پر آسانی سے اور بغیر تکلیف کے قادر ہو اور طاقت اس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام پر مشکل سے اور تکلیف اٹھا کر قادر ہو۔

حضرت ابن عباس سے جو یطیقونہ اور یطوقونہ وغیرہ مختلف قراتیں منقول ہیں وہ بھی اسی مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔ مولانا جار اللہ زمخشری نے بھی آخر میں یہ لکھا ہے "وقرئ ان یکونوا یطیقونہ ای یصومونہ جھدھم وطاقتھم وسعھم" اسکے علاوہ کتب لغت میں مذکور ہے کہ اطاق کی ایک خاصیت سلب ماخذ ہے جیسے افلس کے معنی ہیں بے زر ہو گیا یعنی زر کھو بیٹھا۔ اسی طرح اطاق کے معنی سلب طاقت کے ہوسکتے ہیں۔ قتادہ کی سند سے ہے کہ یہ آیت شیخ کبیر یعنی بہت بوڑھوں کے حق میں نازل ہوئی ہے حضرت ابن ابی نجیح مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت انس اسقدر بوڑھے ہوئے کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہی تو فدیہ دیا کرتے تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہ جو یطیقونہ سے پہلے لا مقدر مانتے ہیں دلیل میں ایک دوسری آیت یعنی "یبین اللہ لکم ان تضلوا" پیش کرکے اسی تفسیر کی "لا تضلوا" سے کرتے ہیں۔

بہرحال ان تمام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث صرف ضعیف اہم اور ناتوان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اسکے علاوہ یطیقونہ کے اور جو بھی معنی کیے جائیں غیر محفوظ اور منشائے قرآن کے

۷۵۶

علامہ شعرانی رح کے خواب

ذیل کا مضمون علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المنن والاخلاق سے ترجمہ کیا گیا ہے، مضمون کی وثاقت و بلند پائیگی، خود صاحب مضمون کی جلالت قدر و وجاہت منزلت سے ظاہر ہے، یہ وہ شخص ہے جسنے پہلے علوم ظاہری کی پوری تکمیل کی۔ اور ایسی کی کہ متاخرین میں اتنی محنت کے لوگ کم پائے جاتے ہیں۔ محلی ابن حزم جو تیس جلدوں میں ہے آپنے تین دفعہ بالاستیعاب پڑھا، شرح روض فقہ شافعیہ کو تیس مرتبہ مطالعہ کیا، کتاب الام تین دفعہ اول سے آخر تک پڑھا، نووی شرح مسلم کو پندرہ دفعہ من اولہ الی آخرہ دیکھا۔ شرح منہاج محلی فقہ شافعیہ کو بھی تیس دفعہ دیکھا، اور اسی طرح بہت کتابیں مطالعہ کیں۔ اسکے بعد علوم باطنیہ کیطرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنے وقت کے قطب ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ویجعلنی فی زمرۃ الصالحین +

ان احسانات الٰہیہ میں سے جو مجھ پر خداوند کریم کی جانب سے نازل ہوئیں ایک یہ بھی ہے کہ میں خواب میں اکثر اموات کے ساتھ ملاقات کیا کرتا ہوں۔ اسکے حالات پوچھنے کا بھی مجھے اکثر اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ حتی کہ اس قسم کے سوال و جواب میں نے اس قدر کیے کہ اب انکا علم مجھکو ایسا ہے کہ گویا میں نے یہ باتیں بیداری میں دیکھی ہیں۔ یہ خدا کی نعمت ہے کہ بندوں کے اعمال سے اگر میں ان کی زندگی میں واقف نہ تھا، تو گو نہ اُن کے مرنیکے بعد مجھے اس کا علم ہوگیا +

ہو سکتا تھا کہ میں اسے صرف اپنے کشف و انشراح سے تعبیر کرتا۔ اور اس سے خوش ہو کر رہجاتا۔ لیکن نہیں۔ میں نے ہمیشہ اسکے بعد عبرت حاصل کی۔ اور تیار ہوا کہ جن بُرے اعمال کی وجہ سے مُردے اذیت و مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اس سے بچوں اور

جس سے قبر میں چین ملتا ہے۔ ان کے کر گزرنے کی کوشش کروں۔ جب کبھی مجھے عالم برزخ کی سیر کرائی گئی ہے۔ تو ہمیشہ اپنی کوتاہیوں پر مجھے ندامت ہوئی ہے۔ اور تلافی مافات کی کوشش کی ہے +

اگرچہ جانتا ہوں کہ طاعت پر نجات کا مدار نہیں کہ اس کے لیے صرف خدا کی مہربانی اور صرف اُسی کی مہربانی درکار ہے۔ تاہم یہ صرف اس لیئے ہے کہ فرمانبردار غلاموں سے آقا جس طرح ملتا ہے یقیناً اس صورت کے ساتھ نافرمانوں سے نہیں ہو سکتا +

میں نے اپنے خوابوں پر ضرور اعتماد کیا لیکن یہ محض میری ذاتی رائے نہیں ہے تم حدیثوں کو پڑھو، عموماً اصحاب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رؤیا پر اعتماد فرمایا کرتے تھے اور جو کچھ اس سے مستفاد ہوتا۔ اُس کے حسب منشا عمل پیرا ہوتے +

بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب دیکھا، کہ کسی نے آگ کے کنوؤں کے کنارے لاکر انکو کھڑا کیا۔ انہوں نے حضرت حفصہؓ کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس خواب کو پہنچایا۔ تعبیر مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عبداللہ بڑا اچھا بندہ ہے، کاش راتوں کو بھی کھڑا (ہو کر نمازیں پڑھتا)" تو دیکھو! محض اس خواب کی تعبیر سنکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تہجد کے ایسے پابند ہوئے کہ مرتے دم تک حتی الوسع اسے نہ چھوڑا +

میرے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جو اکثر لوگوں کے ساتھ تمسخر کیا کرتا۔ اور عام طور پر ستہزا اسکا پیشہ تھا۔ آخر خداوند تعالیٰ کا غصہ بھڑکا اور وہ ضیق النفس (دمہ) کے عارضہ میں مبتلا ہوا۔ اسقدر شدید مرض اسپر پڑا کہ پہلو زمین سے نہیں لگا سکتا تھا حتی کہ اخیر میں بیٹھے رہنے کی وجہ سے اسکے اعصاب اور پٹھے بالکل خشک ہو گئے۔ سر گھٹنے سے لگ گیا۔ اسی درد تکلیف میں آخر اسنے جان دی +

مدتیں بعد میں نے اسکو خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ کہو! کیا حال ہے؟

اُس نے جواب دیا کہ ہاں! اب تک اسی میں مبتلا ہوں۔ اور حشر کے روز اسی طرح اُٹھایا جاؤں گا۔ اسکے بعد بولا۔ کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ مصیبت زیادہ مجھے تمہاری وجہ سے اور شیخ شعیب خطیب کی وجہ سے اُٹھانی پڑی"۔

شیخ شعیب سے میں نے اس خواب کو بیان کیا تو بولے، کہ ٹھیک کہتا ہے، میں نے جب کبھی اس سے کچھ کہا، تو ہمیشہ وہ کھا نستا۔ اور کھنکھار محض میری توہین کے لیے میرے منہ پر تھوکدیتا تھا"

اور میرے ساتھ بھی اسکا قریب قریب یہی برتاؤ تھا۔ میں نے جب کبھی اس سے کچھ کہا تو جواب میں ایسے کڑے لفظ استعمال کرتا جو کسی گائے چرانے والے چرواہے سے بھی نہیں سکے۔ خداوند تعالیٰ اسکی مغفرت فرمائیں۔ اور درگزر کریں۔ آمین۔

بہرکیف میں نے خواب کی حالت میں مُردوں کے عجیب و غریب احوال معائنہ کیئے کبھی دیکھتا ہوں کہ میں زمین کے اندر داخل ہوا ہوں۔ اور اہل قبور نہایت دردناک مصیبتوں میں مبتلا ہیں" خداوند تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھیں۔

بعضوں کو میں نے دیکھا کہ ایک کُتّا اُنکے پاس بیٹھا ہوا ہے اور وہ اپنے دانتوں سے اُنکے گوشت اڑا رہا ہے۔ اور رہ رہ کر انپر حملے کرتا ہے۔ اُنکو نوچتا ہے گھسیٹتا ہے بعضوں کے سامنے میں نے بھیڑیا پایا۔ کسی کے آگے مگر۔ کسی کے آگے بلیاں اور آہ! کہ بعضوں کے سروں پر اژدہوں کو پھنکارتے ہوئے میں نے دیکھا۔ کسی کے جسم بچھو اپنے تیز چمکیلے ڈنک سے چوٹ کر رہے تھے۔ اور آخر میں کہیں مچھر کہیں پسو کہیں کھٹمل وغیرہ بھی میں نے دیکھے۔

جو فرشتے وہاں موجود تھے انسے میں نے پوچھا کہ ان موذی جانوروں کی اصل کیا ہے تو مجھ سے کہا گیا کہ کچھ نہیں۔ صرف شریروں کی بداعمالیوں کی صورتیں ہیں۔ جن کی برزخ میں یہ صورت ہوجاتی ہے۔

کوئی غیبت، کوئی بہتان، کوئی چغلی، کوئی ٹھٹھے استہزار وغیرہ کی صورت ہے، اور اسیطرح ہر ایک گناہ حتی کہ بدگمانیاں بھی یہاں کسی موذی جانور کی صورت میں مردے کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ بہرکیف مجھے ہر ایک عذاب کی اصلیت سے انہوں نے مطلع کیا۔

ایک دفعہ اور خواب ہی میں کیا دیکھتا ہوں کہ "روضہ" کی قبرستانوں میں میرا گزر ہوا ہے، وہاں کچھ لوگ حلقہ باندھے نہایت صاف ستھری ریت پر بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے ہیں مجھے دیکھکر اُن میں سے ایک میری طرف مخاطب ہوکر بولا:۔

"تم جب دنیا کی طرف لوٹ کر جانا تو یہ دعا ضرور پڑھنا۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ اُس نے کہا کہ:۔

اللّٰھم انی انزلت بکما یھمنی من	اے میرے اللہ! آپ کی طرف سے مجھپر وہ چیز میں نازل
امور الدنیا والاخرۃ فانہ لایرفع	ہوئیں جو دین و دنیا کے بیچ میں مجھے ڈالدیتے ہیں۔
البلاء الا من انزلہ اھم	آخر بلاؤں کو تو وہی ٹلا سکتا ہے جس نے نازل فرمایا۔

اُس دن سے میں اپنی ہر مصیبت میں اس دعا کو پڑھتا ہوں۔

ایک بار خواب ہی میں نے دیکھا کہ میں قبرستان گیا ہوں اور قیامت قائم ہوگئی ہے سامنے ایک گروہ کھڑا ہوا ہے۔ اور اعمال اُس سے اُچک اُچک کر بابر ہو رہے ہیں۔ اور لوگ اُسے لوٹ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ایک فرشتے نے جواب میں کہا کہ:۔

یہ بھیک مانگنے والوں کے اعمال ہیں جو لوگوں کے سیل کھیل کھایا کرتے تھے باوجود کمانے کی طاقت رکھنے کے دوسروں سے مانگا کرتے تھے۔

آج اللہ تعالی نے ان لوگوں کو جو انہیں بھیک دیا کرتے تھے حکم دیا ہے کہ ان سائلوں کے نیک اعمال سے اپنے لقموں کے عوض جسکا جی چاہے۔ حصہ لے کہ ان کے تمام اعمال اس قوت سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو بھیک میں انکو ملا کرتا تھا۔ صرف آج اُسی شخص کے اعمال اپنے اعمال میں جس نے اسے کسی کہا کر کچھ دیا ہو۔

میرے ساتھ اسی خواب میں ایک واقعہ پیش آیا۔ قصہ یہ تھا کہ میں صدقۂ فطر کبھی نہیں نکالا کرتا تھا۔ کیونکہ آجتک عید کی شب یا دن میں میں کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہوا۔ جو کچھ آمدنی آتی تھی۔ وہ محض ان فقرا کے نام سے جو ہمارے یہاں آتے جاتے رہتے تھے +

آخر ۹۵۵ھ ہجری میں مجھے یاد ہے کہ میں نے رویا میں دیکھا، کہ ایک چٹیل میدان ہے۔ میں بہت سے مسلمانوں کے ساتھ اس میدان میں کھڑا ہوں۔ ہر شخص کے سامنے ایک چوکی چھوٹی سی جو زیادہ سے زیادہ ایک خربزہ کے برابر ہوگی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اسکو اٹھاتا ہے۔ اور آسمان کیطرف پھینکتا ہے۔ مگر کسی کی آسمان تک نہیں پہنچتی۔ اور درمیان سے لوٹ کر چلی آتی ہے۔ میں نے اپنی چوکی اچھالی۔ وہ بھی واپس آگئی +

ایک فرشتہ پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ واقعہ کیا ہے؟ اور ہم لوگ یہ کیا چیز میں آسمان کی طرف پھینک رہے ہیں +

اس نے کہا کہ یہ رمضان کے روزے ہیں۔ چونکہ جتنے لوگ یہاں پر موجود ہیں ان میں سے کسی نے صدقہ فطر نہیں ادا کیا ہے۔ اسلیئے انکے روزے آسمان تک نہیں پہنچتے روزہ بغیر ادائے صدقۂ فطر آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتا ہے +

میں نے اس سے کہا کہ واہ میں کسی چیز کا مالک بھی ہوں۔ حتی کہ صدقۂ فطر ادا کرتا۔ صدقۂ فطر تو نصاب کے بعد واجب ہوتا ہے۔ آخر میرا روزہ کیوں نہیں چڑھتا +

فرشتے نے کہا کہ یہ حکم عام لوگوں کے لیئے ہے۔ آپ جیسوں کو اس قسم کی رخصتوں کا بہانہ ڈھونڈنا سزاوار نہیں۔ نصاب کے آپ بیشک مالک نہیں۔ لیکن ذرا صندوق جاکر کھولیئے اس میں ایک جوڑی کھڑاؤں کی پڑی ہوئی ہے یا نہیں۔ اور یہ جو کرتہ تمہارے جسم پر ہے اسکے علاوہ اور ایک کرتہ تمہارے پاس کیا نہیں موجود ہے؟ اسکو جاکر بیچو۔ اور صدقۂ فطر ادا کرو (خواص امت اور عوام میں بہت فرق ہے) +

میری جب آنکھ کھلی تو گھر والوں سے میں نے اس کھڑاؤں کے متعلق دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ ہاں! کہ میرے لڑکے عبدالرحمن کے نام سے اسکو محفوظ کیا گیا ہے۔ کہ جب بڑا ہوگا تو اسے پہنے گا +

میں نے اسیوقت اسکو نکالا۔ اور اپنے ایک مرید کے ہاتھ بیچکر گیہوں خریدے اور صدقۂ فطر ادا کیا۔ اس سال سے میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور کچھ ہو یا نہو۔ لیکن صدقۂ فطر ضرور نکالدیتا ہوں۔ بلکہ اس واقعہ سے مجھے اس حدیث کی جو بعضوں کے نزدیک ضعیف ہے، صحت کا یقین ہوگیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کہ "جب تک روزہ دار صدقۂ فطر نہیں ادا کرتا، اسوقت تک اس کے روزے آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں" +

اے میرے بھائی! اپنا کیا حال بیان کروں۔ ایک زمانہ کا ذکر ہے کہ میں نے خداوند تعالیٰ سے التجا کی کہ بتا دیا جائے۔ مجھپر قبر میں کیا گزرے گی۔ دعائیں کرتا تھا۔ روتا تھا، آخر خواب میں دکھایا گیا۔ کہ میں قبر میں ایک ایسے گڈے پر لیٹا ہوا ہوں۔ جس میں کانٹے بھرے ہوئے ہیں۔ میں اسی پر کروٹیں بدل رہا ہوں +

اے میرے بھائی! جب سے میں نے یہ دیکھا ہے۔ میرے درد و بے چینی کی کیفیت کچھ نہ پوچھ۔ خداوند رحیم سے مہربانی اور لطف کی لو لگائے بیٹھا ہوں۔ اسی پر بھروسہ ہے +

شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ فرمایا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے خواب غیب پر ایمان لانے والوں کی تقویت کے لیے دکھائے جاتے ہیں +

اس سے ضعف ایمانی کو مکمل کیا جاتا ہے۔ پس جو شخص اس قسم کے خوابوں کے بعد بھی معاملات آخرت میں سہل انگاری برتتا ہے۔ وہ جاہل ہے +

البتہ کامل ایمان والوں کی جن کا یقین اس مرتبہ میں ہے کہ اگر پردہ بھی اٹھا دیا جائے تو کسی قسم کی شدت اور ترقی اس میں نہیں ہوگی۔ وہ ہر صورت میں خواہ کسی وعدہ اور امید کو

دیکھیں۔ یا دہمکی اور وعید کو، ایک ہی حال کے ساتھ اپنے کو خدا کے آگے حاضر سمجھتے ہیں اِس لیے انکو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا"۔

(بہرکیف انسان جب ایسے خواب دیکھے تو یقین کرے کہ مجھے تنبہ کی گئی ہے اور یہ خدا کی مہربانی ہے۔ وہ میرے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے)۔

ایک واعظ صاحب تھے جنھوں نے بھائی افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ سے آکر بیان کیا کہ میں نے رات ایک ایسا خواب دیکھا میں سے کانپ رہا ہوں۔ دل تھرا رہا ہے۔

بھائی افضل الدین نے پوچھا۔ "خیر باشد!" آپنے کیا دیکھا۔ واعظ نے کہا کہ دیکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں ایک لالٹین ہے۔ جس نے رات کو روشن کر دیا ہے کہ یکایک وہ بجھ گئی، مجھے اُس وقت سے خوف ہے کہ "شاید یہ میرے نورِ ایمان کے بجھ جانے کی طرف اشارہ نہیں"۔

میرے آقا بھائی افضل الدین نے کہا کہ معلوم ہوا کہ آپکا ایمان ضعیف ہے، ورنہ عالم خیال سے عالم بیداری کس طرح متاثر ہو سکتا تھا۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان قوی ہوتا تو کبھی اسکے مٹنے کا خطرہ گزر نہیں سکتا تھا)۔

بھائیو! اسے سمجھو۔ اور ہدایت کا راستہ اختیار کرو۔ خداوند تعالیٰ تمہاری ہدایت کا متولی ہو۔ والحمد للہ رب العلمین۔ (الرشید)

تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

سیلاد نامہ قیمت عہ۔ محرم نامہ قیمت عہ۔ بی پدہ دل یعنی مجموعہ مضامین خواجہ حسن نظامی عہ سفرنامہ مصر و شام و حجاز بالتصویر ۲ر بلا تصویر عہ۔ کم تو موت عہ۔ آسرار ۴ر سیر دہلی قیمت ۸ر کرشن بیتی بالتصویر عہ۔ اعمال حزب البحر ۸ر غدر دہلی کے افسانے ۶ر روزنامچہ ہند ۸ر پوپا گنین ۵ بیوی کی تعلیم ۱۲ر چاند بیتی ۶ر بچوں کی کہانیاں ۶ر قبر و حشر کے غیبی نوشتے ۸ر اردو دعائیں ۶ر اسلام کا نچوڑ

یہ سب کتابیں منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

مہابیر شوامی

گنگا پور[1] کا قصد تھا تو کئی ہفتے سے۔ مگر اپریل ۱۹۱۱ء کی پہلی رات نے اس خیال کو عملی جامہ پہنا دیا۔ چلا۔ اسٹیشن پر آیا۔ رستے بھر مختلف خیالات کا دماغ میں ہجوم تھا لیکن یہاں پہنچتے ہی نہ وہ تخیل تھا نہ ہجوم افکار۔ آنکھوں کے سامنے ہزاروں زندہ روحوں کا مجمع تھا۔ زمین اٹے پٹی پڑی تھی اور ان کے اطوار و گفتار۔ گھبراہٹ اور چیخم دھاڑ سے بستی ہوئی ہم دلی کے رہنے والے ہیں اور خاک خبر نہیں کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ کالکا کا میلہ تین دن سے شروع ہے۔ مکئی خاص گاڑیاں جا چکی ہیں۔ اور پھر بھی دو دو تین تین دن سے لوگ پڑے ہوتے ہیں۔ جگہ نہیں ملتی۔ اس ہڑبم میں سفر کی ہمت کیا خاک رہتی۔ الٹے پاؤں لوٹنے کا ارادہ کیا۔ مگر صدر اسٹیشن کے مشہور مسافر نواز مسٹر فلپ دیکھ چکے تھے۔ نہ چھوڑا اور زبردستی بٹھا ہی دیا۔ سفر کیا ایک مصیبت تھی کہ اپنا کمرہ تو درکنار گاڑی بھر میں تل دھرنے کو جگہ نہیں +

کالکا ہندوؤں کا خاص مندر اور یہ دیوی مشہور ہوتا رہے مگر ان مسافروں کو میلے کے شوق اور فرحت کے ذوق کے سوا عقیدت سے مطلق واسطہ نہ تھا۔ عورتیں بھی تھیں۔ مرد بھی۔ بچے بھی۔ بڈھے بھی۔ لڑکے بھی۔ جوان بھی۔ شہری بھی۔ دیہاتی بھی۔ پڑھے لکھے بھی۔ جاہل بھی۔ امیر بھی۔ غریب بھی۔ لیکن میلہ دیکھنے کی توقع میں سب مگن تھے۔ ان لوگوں کی زندہ دلی قابل رشک تھی۔ سفر کی زحمت، رستے کی تکلیف۔ روپیہ کا صرف دھکے مکے۔ گھرکیاں۔ جھڑکیاں۔ تھوڑی سی راحت کے واسطے ہر زحمت منظور تھی۔ جس عقیدت جو اس ہجوم کا اصل محرک تھا ایک متنفس کے چہرے سے ظاہر نہ تھا۔ میں رستے بھر

[1] ریاست جیسور کی ایک نظامت بی پی سی آئی آر کا اسٹیشن متھرا اور کوٹہ کے بیچ میں [2] کالکا کا مندر دلی سے سات میل بی بی آئی آر کا ایک اسٹیشن ہے +

یہ بھی دیکھتا رہا کہ ان ہزارہا بندگان خدا میں ایک شخص تو ایسا ملجائے جسکو محض کالکاجی کی محبت یہ تکلیف پہنچا رہی ہو۔ اور فقط درشنوں کا بھوکا ہو۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ ایسی ممتاز اور مشہور جماعت میں کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ مگر ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ میری آنکھیں روشن نہ تھیں جو مجھے کوئی دکھائی دیتا +

انتہائے تکلیف یہ تھی کہ ایک شخص کھڑکی میں کھڑا تھا۔ گاڑی چھوٹ گئی۔ کانسٹبل نے شہر سے ڈنڈے کا چمڑا رسید کیا بیچارہ کان سہلا کر چپکا ہو گیا۔ مگر آنے والی خوشی کا دھن اتنا زیادہ تھا کہ سب کچھ لطیف خاطر قبول تھا +

گاڑی تقریباً ایک گھنٹہ میں کالکا پہنچ گئی۔ میلے کے رسیا آنکھ سے اوجھل ہو گئے لیکن میں ہی سوچتا رہا کہ کاش ان اتنے انسانوں میں ایک صورت تو مجھے بھی ایسی نظر آجاتی جسکے دل میں کالکاجی کے درد کی چوٹ ہوتی۔ اسی خیال اور عالم محویت میں رات آدھی کے قریب گزر گئی۔ بارہ بج چکے تھے یا بجنے والے تھے کہ گاڑی شہر امبیچگی میں بھی۔ ترا۔ چادر مہتاب بساط ارض پر بچھی ہوئی تھی۔ ہوا گو معمول سے بہت زیادہ خنک تھی مگر دل نہ مانا۔ اور دریا کے کنارے چلا گیا۔ یہ وہی جمنا ہے جو دن میں سکن شاہجہاں اور آگرہ میں مدفن شاہجہاں کو گود میں لیے ہوئے ہے۔ سری کرشن کی پیدائش کا مقام جمنا کا پر لطف منظر۔ ہوا دریا کی لہروں سے مچل مچل کر اٹھکیلیاں کر رہی تھی مشکل سے ممکن تھا کہ سنگین سے سنگین دل بھی اس جگہ متاثر نہ ہوتا۔ تخیل کی رہبری حافظہ کی اعانت سری کرشن کی زندگی کی ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے محبت کی چلتی پھرتی تصویر بن سامنے کر کھڑی کر دیں۔ یہی ہے وہ جگہ جہاں جمنا سے خلوص کے درشا ہوا رتبے۔ پریم کے ساگر چلے۔ اور دردمند دل آجتک اس نام کو جپ رہے ہیں +

کیسی اچھی رات اور پر لطف منظر تھا تو بھی آنکھیں جو کالکا کے ایک سچے پجاری کی تلاش میں تھیں۔ اسوقت ایسی جگہ جا پہنچیں جہاں عجیب دلفریب سماں تھا کرشن جی بانسری بجا رہے ہیں چاندنی اپنے دولھا کے پاؤں میں لوٹ رہی ہے۔

گوپیاں اپنے بڑے گونگھیوں سے دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو رہی ہیں۔ محبت بھرے دل چوٹ کھائے دل فنافی الکرشن دل زندگی کے ہر شائبہ کو فراموش کر چکے۔ دنیا کی تمام اور زندگی کا ہر راز ان ہی چار حرفوں میں پوشیدہ ہے:-

کرشن، کرشن، کرشن

رات دیکھتے ہی دیکھتے ختم اور وہ سماں آناً فاناً درہم برہم ہو گیا۔ صدائے ناقوس نے اپنی معمولی مگر میری شب وصل کو الوداع کہا۔ اب صبح صادق کا سہانا وقت ہے۔ ہوا معمول سے زیادہ تیز تھی۔ کرشن کی گوپیاں۔ نور کی پتلیاں۔ محبت کی چیریاں اپنے پیا کا نام رٹتی ہوئی دریا پر آئیں۔ یہ کہنے کو عورتیں تھیں مگر پہلو میں دل رکھتی تھیں بظاہر ناقص العقل تھیں مگر بباطن پوری انسان۔ یہ اس پانی کو چھو رہی تھیں جس نے محبوب کے پاک جسم کو چھوا ہے +

یہ ایک ذرہ تھا اس منظر کا۔ جب حضرت اویس قرنی رضہ روضہ اطہر پر حاضر ہوئے ہیں جوں جوں قریب ہوتے جاتے تھے آتش شوق بھڑکتی تھی۔ روتے تھے۔ پیٹتے تھے خاک اڑاتے تھے۔ اور ٹکریں مارتے تھے۔ آخر اس جگہ پر بھی آپہنچے جہاں فخر دو عالم صلعم کا پیغمبر اور خدا کا محبوب آرام کر رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مزار پاک کی مرمت ہو چکی ہے سفید اجلی سی دیواریں ہیں۔ سنگ مرمر کی بھیکاری ہے۔ عاشق صادق کی آگ نہ بجھی ٹکریں ماریں اور کہا تمہیں نہیں ہیں اس نیپ ٹاپ کا ہوکا نہیں۔ ہیں تو زیتون کی ان میلی کچیلی ٹکریوں اور مدینہ کی ان کنکریوں اور پتھروں سے لپٹنے آیا تھا جو میرے محبوب کے بدن سے مس ہوئی ہیں" +

یہ نشۂ محبت کی متوالیاں جھوم جھوم کر دیوکی کے لال کرشن کے پاؤں دھو دھو کر پی رہی تھیں۔ اس کرشن کے جسے گوکل اور برندابن کو چار چاند لگا دیئے۔ انکو اپنی دھن میں کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ نونیا کا ڈر تھا نہ سماج کا اندیشہ۔ پیارے کا نام جپتی ہوئی

غوطے لگاتی تھیں۔ اور ان غوطوں میں سے وہ موتی نکال رہی تھیں جس پر انسانیت کا دار مدار ہے۔ یہ دنیا دار تھیں۔ بہوئیں تھیں۔ بیٹیاں تھیں۔ مائیں تھیں۔ بیویاں تھیں لیکن اس وقت ہر شے کو فراموش کر چکی تھیں۔ اور انکو سوائے ایک تصور کے کوئی شے نظر نہ آتی تھی +

رات گزرنی تھی۔ گزر گئی۔ صبح نمودار ہوئی اور میں اسٹیشن پر واپس آکر دوسری گاڑی میں سوار ہوا۔ آدمیوں کا ہجوم یہاں بھی کم نہ تھا۔ دل گھبرا گیا کہ آگے معاملہ کیا ہے۔ خدا خدا کر کے ایک مصیبت سے رہائی ہوئی تو یہ دوسری بلا آئی۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی زائر ہیں۔ اور پٹونڈے[1] جا رہے ہیں۔ مہاویر سوامی کے نام لیوا ہیں۔ اور درشنوں کو جاتے ہیں۔ ہر سال ان تاریخوں میں میلہ ہوتا ہے۔ اور دور دور سے لوگ آکر جمع ہوتے ہیں۔ پٹونڈہ جہاں مہاویر سوامی کی مورتی ہے۔ ریاست جیپور میں ہے۔ اور راج کی طرف سے بھی ان مسافروں کی آسایش کا انتظام کیا جاتا ہے۔ میرے ساتھ اتفاق سے ایک وکیل تھے جو اپنے بیوی بچوں کو لیکر سوامی جی کے درشنوں کو جا رہے تھے۔ گاڑی اب بھی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مگر یہ سب پڑھے لکھے دولتمند اور سمجھدار لوگ تھے +

جین مت کے چوبیس اوتاروں میں آخری اوتار مہاویر سوامی ہیں۔ ان کا زمانہ مسیح سے قبل گنا جاتا ہے۔ اور تاریخ انکو ساکی منی کا ہمعصر بتا رہی ہے۔ سماجی ان کی تلقین کے سخت مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ بت پرستی کی ابتدا ان ہی لوگوں سے ہوئی۔ مگر وہ اس وقت اگر ان عقیدتمند دلوں کو دیکھتے جو سیکڑوں ہزاروں کوس کی مسافت طے کر کے بیسیوں قسم کی تکلیفیں اٹھا کر جوش و خروش سے جا رہے ہیں تو شاید انکے معاملہ میں اتنے سخت نہ رہتے سونے جھونے والیاں۔ ہائے جملے والیاں جنکے ہاتھ کہنیوں تک سونے میں لوٹ رہے تھے۔ جو کوٹھی کی طرح زیوروں میں لدی ہوئی تھیں۔ جنکے ساتھ دو دو تین تین نوکر

[1] پٹونڈہ مہاویر روڈ متہرا سے غازیآباد بارہ اسٹیشن آگے۔ اور گنگا پار سے دہ اسٹیشن ادھر ہے +

موجود تھے۔ بچونکہ گود میں لیئے مہابیر سوامی کے جیکارے بھر رہی تھیں۔ ان کا عقیدہ نوعیت کے اعتبار سے جیسا کچھ بھی ہو مگر عقیدے کی پختگی یقیناً قابل ستائش تھی ایک دریائے محبت انکے دلوں میں موجزن تھا اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس بحر ذخار کی موجیں ان بھولی بھالی صورتوں کو منزل مقصود پر نہ پہنچائیں۔ راجہ اشوک کے زمانہ تک جس کی یادگار اشوک کی لاٹھ آجتک دہلی کے کوٹلے میں موجود ہے۔ یہ مذہب اپنا کام کرتا رہا۔ مگر اسکے بعد برہمنوں نے اسکی بربادی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مہابیر سوامی کی پیدائش مگدھ دیش کی ہے۔ لیکن انکے پیرو تمام ہندوستان میں موجود تھے برہمن ان کا زور گھٹانے میں ایک خاص حد تک کامیاب ہوئے لیکن اس عقیدہ کی بنیاد اتنی زبردست اور مستحکم تھی کہ باوجود کامیابی کے آج بھی اٹھارہ لاکھ کے قریب مہابیر سوامی کی پرستش کرنے والے ہندوستان میں موجود ہیں +

کہتے ہیں کہ اورنگ کے زمانہ میں اس سرزمین پر جہاں آج یہ مورتی ہے گائیں چرا کرتی تھیں۔ لیکن ہر روز ایک گائے کا دودھ دوہ لیا جایا کرتا تھا لوگوں کو اسکا فکر ہوا تو مالکوں نے اس طرف توجہ کی تو معلوم ہوا کہ جب گائیں چرتے چرتے اس خاص مقام پر پہنچتی تھیں تو ایک گائے کا دودھ خود بخود یہاں پر گرنے لگتا تھا۔ اس مافوق الفطرۃ کرشمہ سے باشندگان دیہہ نے یہ زمین کھودی تو مہابیر سوامی کی مورتی برآمد ہوئی۔ مہاراجہ جیپور نے نہایت تزک و احتشام سے اس مورتی کو جیپور منگوانا چاہا۔ سخت کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ اور مجبوراً یہ مورتی اسی جگہ رکھدی گئی +

وکیل صاحب کے اصرار سے دو روز گنگا پور شیر گڑھ میں ہی ٹھہرنے آیا۔ میلہ چہار خلقت کا ہجوم خوب۔ ہر طرف چہل پہل اور گہما گہمی تھی۔ لیکن ؎

یہ جو کچھ سن چکے ہو اب تمہید مطلب تھی
بیاں کرتے ہیں اب وہ جو اصل مدعا باقی

معرفت حقیقی کے لذت یاب قلوب کسی زمانے کسی رنگ اور کسی حال میں چھوٹتے ہی معراج کمال پر نہیں پہنچے۔ عمریں ان ہی ٹھوکروں میں بسر کردیں۔ راتیں اسی دُھن میں صبح۔ اور دن اسی تلاش میں شام کیے۔ جب کہیں جاکر وہ دردِ سر ہوا جس میں مرض اور شفا دونوں کا وجود تھا۔ اس ابتدا کی انتہا وہ وقت تھا جب روح نے مفارقت کی۔ اس وقت ہمہ تن درد تھے۔ جو زندگی کا عین مقصد تھا۔ حیات ناپائدار کی کوئی اذیت افلاس کی بڑی سے بڑی مصیبت۔ ہجر کا سخت سے سخت صدمہ۔ زندگی کی کٹھن سے کٹھن منزل۔ اور جسمانی و روحانی بدتر سے بدتر تکلیف بھی یہ لطف پیدا نہیں کرسکتی۔ جو اس درد میں مضمر تھا۔

چشمہ مینا پٹوندے کے وسیع میدان میں قدرت کے نت نئے کرشمے دیکھ رہی ہے۔ میلہ ختم ہوگیا۔ خلقت چلی گئی۔ آفتاب غروب کے قریب ہے۔ اور پجاری ایک مکین عورت کو جس کی گود میں بچہ ہے زبردستی مندر سے باہر نکال رہے ہیں۔ وہ دکھیا ہے۔ مصیبت زدہ ہے۔ اس کا دل اندر سے تڑپ رہا ہے۔ مگر زبان اور آنکھیں خاموش۔

"جا گاؤں میں چلی جا۔ رات گزار دے۔ صبح پھر چلی آئیو"

(عورت) اچھا! مہاراج، مگر گاؤں میں جاکر کیا کروں گی۔ میں اب کس کرم کی ہوں یہ رات ....."

"ہے مہابیر سوامی"!

اب آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ باہر نکلی۔ اور بچہ کو لیے کیکر کے درخت کے نیچے آ بیٹھی۔

عورت کیا بچہ تھی۔ گویچے والی تھی۔ شریف تھی۔ امیر تھی حسین تھی۔ لیکن بھولی بھالی تھی۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی۔ اور اس خیال سے کہ رات سر آرہی ہے اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔

میں اور وکیل صاحب اس کے قریب گئے۔ رحم آیا۔ ہمدردی کی۔ سرگزشت

پوچھی تو کہنے لگی :-

"میں متھرا کی رہنے والی ہوں میرا کندن (بچہ کا نام) بیمار پڑا میں نے کہا بچہ اچھا ہو جائے تو سوامی جی کے درشن کرونگی - میری عرض مہابیر نے سُن لی - کندن اچھا ہو گیا - میں آنے کو تیار ہوئی تو اس کا باپ راضی نہ ہوا - میں حیران تھی کہ کیا کروں - ڈرتی تھی کہ نہیں جاتی تو سوامی جی بچہ چھین لیں گے - بڑی مشکل سے اسکا باپ راضی ہوا اسٹیشن تک میرے ساتھ آیا - میں گاڑی میں بیٹھ گئی تو وہ غائب ہو گیا - میں تو اب عمر بھر کو برباد ہو گئی - کیا کروں - رات ہو رہی ہے - ہے مہابیر سوامی! کرپا کرو"۔

"شام کی گاڑی آگئی - شاید اسمیں آجائے"۔

بچے کو لیئے دور تک جاتی - لوٹ کر آجاتی - اور مایوس بیٹھ جاتی - بیٹھے بیٹھے پھر کچھ خیال آتا - مضطرب ہوتی اور پھر اُٹھتی ۔

وہ مندر سے دور تھی - اُسنے سامنے کچھ دیکھا - فرطِ خوشی سے اُچھل پڑی اور دوڑ کر زمین چوم لی - بس دوڑی ہوئی آئی - مورتی کے قریب پہنچکر قبولیت دعا کا شکریہ جس طرح اس نے ادا کیا - صرف دیکھنے والی آنکھیں سمجھ سکتی ہیں - ہم کو دیکھکر کہنے لگی :-

"آگئے، کندن کے باپ آگئے، ہے سوامی میری لاج رکھ لی ۔

کون کہہ سکتا ہے کہ تو کیا ہے - وہی ہے نہ، جس نے موسےٰ کے مقابلہ میں فرعون کی سُنی - ابراہیم کو یہودی کے معاملہ میں دانٹ دیا - تو سب کا ہے - سب کچھ ہے - اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہے ؎

خلقے زتو گوید کہ چنین ست و چناں ست
گر بر سنگی پردہ نہ این ست نہ آن ست

رشید الخیری

۴۸۶

عبرت

یوں تو چشم بصیرت کے لیے ہر ہر ذرے پر خالق کائنات کی وحدانیت اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نشانیاں موجود ہیں مگر دل کی آنکھ اندھی ہو تو اس بدنصیبی کا کیا علاج؟ اور دیدہ و دانستہ آنکھوں پر جہالت و ضلالت کی پٹی باندھ لیجائے تو اس شقاوت و بدبختی کی کیا دوا؟

اگرچہ ابتدائے آفرینش سے قانونِ قدرت یہی رہا ہے کہ ہر زمانہ میں اسکی توحید کا ڈنکا بجانے والے اور اسکی ہستی کی کتاب کا سبق پڑھانے والے اسکا پیغام لیکر آتے رہے۔ اور بشری جبلت کے تقاضا کے مطابق اُن کی تصدیق و تکذیب ہوتی رہی۔ اور گو ناگوں نصیحت خیز و عبرت انگیز بڑے بڑے زبردست نشان ہر قوم کے خیالات و معتقدات کے موافق اُس واحد مطلق کیجانب سے ظاہر ہوتے رہے۔ سعادتمند طبائع نے انکی تصدیق کی مگر بدبخت و بدنصیب ہیں کہ آجتک اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (بہرے گونگے اور اندھے ہیں کہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے)۔

(۲) آہ! یہ مہذب اور اندھی روشنی کا یہ پرآشوب زمانہ جبکہ جسمانی صفائیوں اور ظاہری نمائشوں کے سوا اور کچھ نہیں رہا اور ہر شخص بزعم خویش فرعون بے سامان اپنے نفس کے لیے خود معتمد ہونے کا مدعی باطل بنا پھرتا ہے۔ اور جبکہ روحانیت کو صرف ایک مفروضہ شئے تصور کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس سے نفرت آمیز اعراض کرکے ملٹن و سپنسر کے وہمی فلسفہ کو اور نیوٹن کے بے بنیاد اصولوں کو (نعوذ باللہ) خدائی قانون کا ناسخ سمجھکر سائنس ہی کو ہر امر میں اپنا رہنمائے کامل خیال کیا جاتا ہے۔ اور اسکے نت نئے بدلنے والے قوانین کو اٹل اور ابدی مانا جاتا ہے۔ حالانکہ تجربہ اور مشاہدہ

اِس کے خلاف ہے۔ دوستو! فلسفہ ایک فانی اور قیاسی علم ہے جو زمانہ کے تغیرات کے ساتھ ہمیشہ بدلتا آیا ہے۔ اور اسی طرح تا قیامِ عالم متغیر ہوتا رہیگا۔ کہاں ہیں وہ مدعیانِ فلسفۂ یونان؟ اور کہاں ہے اُن کا فلسفہ بے حقیقت و بے اصل؟ کہ جس فلسفہ کو روئے زمین پر صحیح اور غیر متغیر مانا گیا تھا۔ مگر آخر وہ مکڑی کے جال کیطرح بلکہ اَوْهَنَ مِنْ بَيْتِ الْعَنْكَبُوتِ (مکڑی کے جال سے بھی کمزور) نکلا۔ اور آج اِس یورپ کے فلسفۂ جدیدہ نے اِس کا تار و پود توڑ کر اُس کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ اسی طرح کل کوئی نیا فلسفہ اسکو بھی منسوخ کر کے اِسکی جگہ آن لیگا وَهَلُمَّ جَرًّا۔ کیونکہ یہ تو ایک مانی ہوئی حقیقت ہے۔ جسکے خلاف نہ آجتک کوئی آواز اٹھی، نہ اُٹھے گی اور نہ اٹھ سکتی ہے کہ "انسان فانی ہے۔ پس جب انسان فانی ہے تو اِس کے وضع کردہ اصول یا اِسکے مصنوعات بھی سب کے سب فانی ہیں پس اسکا فلسفہ اور سائنس بھی ناپائدار ہیں"۔ جس طرح ایک نسل کے فنا ہونے پر بعد کی آنے والی نسل اُسکی جگہ لے لیتی ہے۔ اِسی طرح نئے نئے اکتشافاتِ علوم قدیم اصولاتِ موضوعہ کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ اور ہر زمانے میں عالمانِ علیم و ماہرانِ فنون اپنی ذہنی و علمی ترقی میں بدرجۂ اولیٰ حاصل کر کے ایسے ایسے مسائل استخراج و استنباط کرتے ہیں کہ متقدمین اُنکے سامنے طفلِ مکتب کا حکم رکھتے ہیں۔ اور اُنکی اختراعات و ایجادات بازیچۂ اطفال اور اضغاثِ احلام سے زائد وقعت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (ایک سے ایک بڑھکر عالم ہے)

اِس مختصر تمہید سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جس طرح انسان کو قیام و ثبات نہیں اِسی طرح اُسکے بنائے ہوئے اصول بھی فانی اور ناپائدار ہیں۔ اور اگر قرار و ثبات ہے۔ تو اُسی ذاتِ واجب الوجود کو بوجہ وحدہٗ لاشریک ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا جس طرح وہ خود غیر فانی ہے۔ اسی طرح اُسکے مقرر کردہ اصول صحیح و راسخ اور اُسی کا بنایا ہوا فلسفہ قائم و ثابت ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ جو ہرگز بے ثبات نہیں قرار دیا جا سکتا ہر مومن موحد کا اسپر ایمان ہونا چاہیئے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد

انّ محمدًا عبدہ ورسولہ ۔

(۳) خلاقِ عالم کی مخلوقات و مصنوعات میں چشم دا و دیدۂ بینا سے نظر کرو گے تو ہر ایک چیز کو عجیب و عجیب پاؤ گے۔ دور کیوں جاؤ۔ اُس کی مصنوعات میں سے اِس پیش پا افتادہ زمین ہی کو دیکھو کہ اسکے اندر کس قدر عجائبات ہیں۔ قرآن حکیم کی بیسیوں آیات میں طرح طرح سے زمین کو خدا نے اپنی قدرتوں کا مظہر و نمونہ بیان فرمایا ہے دیکھو کیسے کیسے نباتات اور شاداب درخت اور کیا کیا خوش ذائقہ پھل اور نفیس سے نفیس و نازک سے نازک خوش رنگ تر و تازہ پھول اور لذیذ سے لذیذ نعائم اُسکی سطح پر اُگتے ہیں۔ اور اِس انسانِ ضعیف البنیان کے لیئے شیر مادر کی طرح مباح و حلال ہیں وَخَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (اور زمین میں کی ہر چیز تمہاری خاطر پیدا کی گئی ہے)۔ کس قدر غلاظت اور گلی سڑی اشیاء ہیں جن کو منجذب کر کے زمین اپنے اجزاء میں پیوست کر لیتی ہے اور انکو اپنے رنگ میں بدلکر ع ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا کس خوبی سے ثبوت دیتی ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی اگر اِن ہزاروں قسم کی کثافتوں اور غلاظتوں کو یہ نہ سمیٹتی تو تمام زندہ مخلوق کے لیئے بالعموم اور اِس اشرف المخلوقات کے لیئے بالخصوص یہاں رہنا کسقدر دشوار ہو جاتا ۔

معدنیات میں دیکھیئے اور فلزات کا معائنہ کیجئے کہ کسقدر قیمتی سے قیمتی دھاتیں انکے اندر موجود ہیں۔ جنسے انسان نے کیا کیا کام لیئے ہیں۔ اور کیسے کیسے احجار اور سنگریزے یہاں نکلتے ہیں جنمیں ایک ایک کی قیمت لاکھوں ہزاروں تک آنکی جاتی ہے علم طبقات الارض کے جاننے والے تو خدا جانے اپنے تجربات و مشاہدات سے اسکے کن کن عجائبات سے واقف ہونگے۔ مگر راقم الحروف نے اسکے بطن میں جن دفائن عبرتناک کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ اور اُن دفینوں کو اپنے ہاتھوں سمیٹا ہے۔ اُن کی کیفیت خدائے عالم الغیب کو حاضر و ناظر جان کر بلا کم و کاست و بلا زائد و انتقاص بدیانتی نظر بات تکمیں کرتا ہوں جو ہر انسان کے لیئے باعث عبرت و موجب نصیحت ہے۔ اور ان سطور کے

رقم کرنے کا اصل موضوع و مقصد بھی یہی ہے :-

(۴) دریائے جہلم کے بائیں ساحل پر شہر جہلم سے کوئی بیس میل اوپر ریاست جموں کی قلمرو میں جہاں کہ دریائے مذکور سلسلہ کوہ کے آخری حصہ میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان نہایت آب و تاب سے بہتا ہے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی کو تراش کر جو عین لب دریا واقع ہے شاہانِ سلف نے ایک مختصر سا قلعہ اُس کی چوٹی پر بنایا ہے۔ جسکے اندر اسلامی قبور کا ہونا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ وہ قلعہ شاہانِ اسلام کی ایک یادگار ہے۔ اب چونکہ وہ علاقہ مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر کے زیر نگیں ہے۔ اس لیے اُس قلعہ کے اندر منگلا دیوی کا بُت نصب کرکے اُسے اُسی کا استھان قرار دیا گیا ہے۔ اور عوام الناس اُسے مائی منگلا کا قلعہ کہتے ہیں۔ اُس قلعہ کے متصل کنارے پر مختصر سی آبادی بھی ہے۔ جس میں آبادی کا غالب جزو مسلمان ملاحوں کا ہے +

یہ قدرتی مناظر کا لطف لینے کے لیئے ایک خاص مقام ہے۔ حال ہی میں چند سال گزرے کہ جب صیغۂ انہار پنجاب کی جانب سے انہار ثلاثہ (نہر بالائے جہلم۔ نہر بالائے چناب نہر نشیبی بالائے دوآب) کی تجویز منظور ہوئی تو محکمۂ مذکور کے افسرانِ مجاز و طباع دانا یانِ فرنگ نے نہر بالائے جہلم کا دہانہ بنانے کے لیئے ٹھیک ہی متوقع انتخاب کیا جو قلعہ منگلا کا دامن ہے سنہ ۱۹۱۰ء میں کام شروع کیا گیا۔ اُس کام کی نوعیت اور عجائبات گو بجائے خود ایک بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ مگر چونکہ وہ ہماری اصلی غرض سے مستبعد ہے۔ لہذا اُسے نظر انداز کیا جاتا ہے +

(۵) صیغۂ انہار میں ملازم ہونے کے باعث حُسن اتفاق سے راقم الحروف کا آبدانہ بھی کشاں کشاں اُسے وہاں لے گیا۔ صانعِ قدرت کے زبردست ہاتھوں نے چونکہ وہاں کی زمین پتھریلی بنائی ہے۔ لہذا محکمہ کی ضروریات اور کام کی مشکلات کا موازنہ کرکے افسرانِ بالادست نے بہت رد و کد کے بعد ایک خاص موقع سے نہر نکالنے کیلئے

کام کی داغ بیل ڈالی۔ اس داغ بیل کے خطوط کے اندر ایک گاؤں (جسکا نام کھیڑی تھا) چاہات۔ اراضی مرزوعہ پھلکر سبکر درخت نیز ایک بڑا بھاری اور کہنہ قبرستان آگئے کام کے چلانے اور نہر کے بنانیکے لیئے ان سب کا اپنی اپنی جگہ سے ہٹانا امر واجب الالتزام تھا۔ وہاں مجھ سے بہت اچھے اچھے اور قابل سے قابل میرے ساتھی موجود تھے۔ مگر

ہر یکے را بہر کارے ساختند

چونکہ وہاں کی تمام آبادی مسلمان تھی۔ اور کسی مسلمان عہدہ دار کا اس کام پر لگایا جانا مناسب تھا اس لیئے میرا انتخاب عمل میں آگیا۔ اور اس کام کا قرعہ بنجوائے ع۔

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

میرے نام پڑا۔ حکم حاکم۔ جس طرح بن پڑا قبرستان کے سوا تمام کام کو ٹھکانے لگایا۔ مگر قبرستان کا اہتمام ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اور بڑی ٹیڑھی کھیر تھی اولاً میں نے تجویز کی کہ اس گاؤں کے سربرآوردگان کو بلاکر سمجھایا کہ اس شہر خموشان میں تمہارے بزرگ یا اعزا و اقارب مدفون ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم لوگ باہم اتفاق کرکے ان سب کو اپنے ہاتھوں سمیٹ لو۔ اور قبروں کو کھود کھود کر کسی دوسری موزوں جگہ پر دفنالو۔ سرکار انگلشیہ کی طرف سے جو روپیہ اس کام کے انصرام کے لیئے منظور ہوا ہے وہ سب کا سب تم کو دلوایا جائے گا۔ بہتیرا سمجھایا۔ مگر سبنے کانوں پر ہاتھ دھرے کہ یہ کام ہم نہیں کرسکتے مگر اس بات پر ہم رضامند ہیں کہ سرکار خود یہ بندوبست کرادے۔ جب انہوں نے اس کام سے انکار کیا تو میں نے خود اور دیگر بارسوخ اشخاص کے ذریعہ مزدور پیشہ لوگوں کو اس کام کے لیئے آمادہ کرنا چاہا۔ اور ڈیوڑھی دگنی مزدوری کا لالچ بھی دلایا۔ مگر کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور سب نے صاف جواب دیدیا۔ بہت کچھ کہا سنا۔ مگر بے سود۔ جبر تھوڑا ہی ہوسکتا تھا۔ ہونٹ چباچبا کر رہ گیا۔ افسران اعلےٰ ہیں کہ میرے سر ہو رہے ہیں۔ اور اس کام کے لیئے جلدی مچا رہے ہیں۔ مگر کام کے ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ پر ۵

نہ رفت کلمہ لا بزبانِ ما ہرگز مگر بہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

میں بھی ایسے اوقات میں کلمہ نفی زبان پر لانا کفرانِ نعمت سمجھتا تھا۔ دل میں تجویزیں سوچ رہا تھا۔ اور زبان سے آجکل کا وعدہ کرتا جاتا تھا آخرکار ایک روز میرے ضمیر یا ہاتف غیبی نے مجھے آواز دی۔ اور یوں مشورہ دیا کہ اس کام کی ابتدا اپنے ہاتھ سے کرو پھر خود بخود عقدہ کشائی ہو جائے گی۔ اس آواز نے مجھے چونکا دیا۔ آخرالامر میں نے اپنے عملہ کے دو چار سمجھدار آدمیوں سے مشورہ کیا کہ پہلے ہم لوگ اس کام کی ابتدا اپنے ہاتھ سے کریں۔ "دیدہ باید ہر چہ باشد" چونکہ وہ لوگ میرے ماتحت تھے اور میری عادت سے واقف۔ اُنہوں نے بخوشی اس تجویز کو منظور کیا۔ اُن کے مزید اطمینان کے لیے میں نے اُن سے یہاں تک کہا کہ سب سے پہلے جس قبر کو اکھاڑا جائے گا۔ اُسکی بسم اللہ میں اپنے ہاتھ سے کروں گا۔ اور تم کھڑے دیکھتے رہنا۔ تاکہ اہل قبور کیجانب سے جس گزند یا تکلیف کے پہنچنے کا اندیشہ یا احتمال ہے وہ مجھے پہنچے۔ اگر میں صحیح وسلامت رہا تو پھر بفضلہ سب طرح خیریت ہوگی۔ اگرچہ اپنے دل کے اندر ایک خاص قسم کا خوف میں بھی پاتا تھا کہ خدا جانے قبروں کے اندر سے کیا کچھ نکلے یا کیا آفت پیش آئے۔ کیونکہ قبرستان میں سے جب ہم لوگ ویسے ہی گزرتے ہیں تو ایک قسم کا ڈر سا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہاں تو قبروں کے کھودنے اور مُردوں کے نکالنے کا کام تھا۔ شرعی حکم کا بھی پاس تھا کہ ایسا کرنا خلافِ شریعت ہے۔ اور گناہ ہے تاہم میں اپنے دل کے اندر ایک قسم کی جرأت و مضبوطی بھی پاتا تھا اور کہتا تھا کہ میرا یہ فعل کسی بدنیتی پر مبنی نہیں ہے۔ میں مُردوں کی بیحرمتی کرنا نہیں چاہتا۔ نہ مجھے اُنکی حالت دیکھنے کا شوق دامنگیر ہے۔ میں تو مجبور محض ہوں۔ بالفرض اگر میں ایسا کام کرنے سے انکار کردوں تو کوئی دوسرا متعین ہو جائے گا اور اس کام کو کردے گا۔ اور اگر مسلمان اپنے مُردوں کو نہ سمیٹیں گے تو اور کون سمیٹے گا۔ گاؤں والے رضامندی دے ہی چکے ہیں اس قسم کے خیالات کا ہجوم دل پر مستولی تھا اور میں اپنے دل کو قوی پاتا تھا کہ اس کام کو

نہایت اہتمام اور عمدگی سے سرانجام دینا چاہیئے۔ یہ مضحکہ کی بات نہیں ہے۔ بالآخر میں اپنے عملہ کی مختصر سی جماعت منتخب کر کے ماہ جون کی گرم لُو میں ٹھیک بارہ بجے دوپہر کے وقت قبرستان میں جا داخل ہوا۔ جبکہ گرمی اور دھوپ کی شدت سے سب لوگ اپنے کام کو چھوڑ بیٹھے تھے۔ میں نے قبرستان میں پہنچکر سب سے اول اپنے ہمراہیوں کو وضو کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ مجھ سمیت سب نے وضو کیا۔ اور میں نے سب کو یہ مشورہ دیا کہ ہمیشہ جتنی دیر یہاں کام کرنا ہو باوضو رہا کرو۔

الغرض سب سے پہلے میں نے اپنے ہاتھ میں کسّی لیکر ایک پختہ قبر کو اکھاڑنا شروع کیا جب اُسکے چند پتھر اکھڑ چکے۔ اور میں صحیح وسلامت رہا تو میرے ساتھیوں نے باری باری کام کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہمارا کام باقاعدہ چل پڑا۔ اور ہم نے اپنے ہاتھوں سے چار پختہ قبروں کو اکھاڑ کر اُن کے مُردوں کو کفن پہنا کر تابوتوں میں بند کر کے بعد نماز جنازہ نہایت احترام کے ساتھ دوسری جگہ دفن کیا۔ اسوقت ہمارا افسر بھی حسن اتفاق سے نہایت نیک دل و منصف مزاج انگریز تھا۔ جسکا نام ایلسٹن صاحب تھا۔ وہ مجھے بار بار تاکید کرتا کہ دیکھو یہ مزار مسلمان بزرگوں کے ہیں۔ اُن کو عمدہ پختہ چار دیواری کے اندر نہایت خوبصورت بناؤ۔ اور جو روپیہ اُسکے لیئے منظور ہوا ہے سب اُن پر صرف کر دو۔ اگر عمارت بنانیکے بعد کچھ روپیہ زائد رہے تو اُسے یہیں مذہبی مراسم پر لگا دو۔ جو اِن بزرگوں کی ارواح کے لیئے باعث ثواب ہو۔ جب حاکم ایسا نیک دل ہو تو پھر کیا ہے۔ میں نے بھی اِن فرامات کو حتی الامکان نہایت عمدہ اور خوبصورت بنایا۔ اور ایک نفیس عمارت تیار کرائی۔

المختصر اس طرح اپنے ہاتھ سے کام کی ابتدا کرنے پر آہستہ آہستہ مزدوری پیشہ لوگ بھی یومیہ اُجرت پر دیکھا دیکھی کام پر لگ گئے۔ اور اہل قبور کی جانب سے جو ایک قسم کی گزند پہنچنے کا وہم تھا جاتا رہا۔ ہر کام اطمینان سے ہونے لگا۔ چونکہ میرے اہتمام میں علاوہ اس کے اور بھی بہت سے کام تھے۔ جن کی نگرانی کا فرض یکساں طور پر مجھ پر عائد ہوتا تھا۔ اس لیئے

میں نے قبرستان کا کام ایک مسلمان پابندِ صوم و صلوٰۃ مستری کے سپرد کر دیا جس کا نام فضل الرسول تھا۔ اور قبرستان میں ایک حافظِ قرآن کو بھی بٹھا دیا کہ جب تک کام جاری ہے وہ قبرستان میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہے جس کا ثواب مُردوں کو پہنچایا جائے۔ اور ہر جمعہ کے لاشیں روز نکلا کریں اُنکی نماز جنازہ بھی پڑھا دیا کرے۔ تاکہ باقاعدہ کفنانے اور نماز جنازہ ادا کرنیکے بعد نئی قبروں میں ادب و احترام کے ساتھ وہ دفنائی جائیں۔

مجھے دوسرے کاموں کی دیکھ بھال میں بہت وقت صرف کرنا پڑتا تھا۔ اس لیئے قبرستان میں میرا جانا اس طرح ہوتا کہ کبھی صبح اٹھتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر قبرستان میں پہنچ جاتا۔ اور تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر اور کام ہوتا دیکھکر دوسرے کاموں کی جانب چلا جاتا۔ گاہے دوسرے کاموں سے انفراغ حاصل کر کے سرِ شام قبرستان میں آنکلتا اور فرض منصبی ادا کرنیکے علاوہ فرض کفایہ کے ادا کرنیکے لیئے نماز جنازہ میں بھی شریک ہو جاتا اس طرح پر دن میں ایک دو دفعہ میں وہاں ضرور پھیرا کرتا۔ گاؤں کے لوگ بھی اس احترام عزت کے ساتھ مُردوں کو سپرد کیئے دیکھکر بہت خوش ہوتے۔ اور سرکارِ انگلشیہ کے حسن انتظام کی داد دیتے۔ خود میری بھی ان لوگوں میں بہت آؤ بھگت ہوتی۔ ابتدا میں جو لوگ اس کام کو اچنبھا خیال کرتے تھے۔ اب جوق جوق تماشا دیکھنے کے لیئے قبرستان میں آنے لگے اور بعض اوقات اصرار کرتے کہ ہمکو دکھاؤ کہ قبروں کے اندر کیا نکلتا ہے۔ مگر میں نے شروع شروع میں بہت احتیاط رکھی۔ اور اپنے خاص آدمیوں کو ہدایت کر دی کہ خدا جانے قبروں کے اندر کا کیا حال ہو۔ لہذا تم لحد کا مُنہ کھولتے وقت پردہ کر لیا کرو۔ تاکہ لوگوں کے سامنے خفتگانِ کنجِ لحد کی اس مدہوشی کی نیند میں بے حجابی و بے پردگی نہو۔ مگر جب ہم نے تجربہ کر لیا کہ سوائے بوسیدہ ہڈیوں کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ اور بعض اشخاص بیحد مُصر ہونے لگے تو میں نے ایسے سخت پردہ کی رسم بند کرا دی۔ اور اسقدر اجازت دیدی کہ اگر کوئی صاحب دیکھنے کا شوق ظاہر کریں تو دیکھ لیں مگر خواہ مخواہ تشہیر کرنے اور علانیہ بے پردگی کرنے

ممانعت تھی۔ اس نہج سے کام ہوتا رہا۔ تماشائیوں کا ایک جم غفیر ہر وقت قبرستان میں موجود رہتا۔ علاوہ ازیں جدہر سے ہم قبرستان کو کھودتے آتے تھے۔ اُدھر سے نہر کھودنے کے لیئے سیکڑوں مزدور ہمارے پیچھے پیچھے جمع ہو رہے تھے۔ غرض ہمارے اس کام کو دیکھنے والے ہزاروں آدمی تھے۔ اور وقتاً فوقتاً محکمۂ نہر کے بڑے بڑے عہدہ دار و ملازمین بھی آیا کرتے تھے۔

(۶) حسب معمول میں ایک روز صبح ۸ - ۹ بجے کے قریب گھوڑے پر سوار ہو کر قبرستان میں گیا۔ جب احاطہ کے قریب پہنچا تو مستری فضل الرسول مجھے دیکھکر میرے پاس آگیا میرا ارادہ تھا کہ کام کے متعلق گھوڑے ہی پر کھڑے کھڑے دو چار باتیں پوچھکر واپس ہو جاؤں۔ جب میں نے ایسا کرنا چاہا تو مستری نے مجھ سے کہا کہ آپ گھوڑے سے اُتر آیئے۔ آپ کو کچھ دکھانا ہے۔ یہ سُنکر میں گھوڑے سے اُترا۔ گھوڑا ایک شخص نے تھام لیا۔ اور میں قبرستان کے اندر جا داخل ہوا۔ وہاں پہنچکر مستری نے مجھے ایک قبر پر لے جاکھڑا کیا۔ اور اشارہ سے کہا کہ اسے دیکھئے۔ جب میں نے اُس لحد کے کھدے ہوئے گڑھے میں نظر کی تو خدا شاہد ہے کہ اسکی دیواروں کو مثل بھٹی کی دیواروں کے سُرخ پایا۔ حتّٰی کہ لحد کا فرش اور چھت اور نیز پتھر جو لحد کا مُنہ بند کرنے کو استعمال کیئے گئے تھے اُن کا اندرونی رخ بھی لال انگارا تھے۔ یہ دیکھکر میرا کلیجہ دہڑکنے لگا۔ اور میں نے بے تابی کے لہجہ میں اُس سے دریافت کیا کہ اسکے اندر سے کیا نکلا؟ اُس نے ایک مزدور کو اشارہ کیا وہ ایک چھوٹی سی گٹھری اٹھا لایا جو کفنانے کے کپڑے میں بندھی تھی اُسے کھولکر میرے سامنے رکھدیا تو وہ مثل سرخی کے لال رنگت کی خاک تھی اُسکے اندر ہڈی پسلی کا کوئی نشان نہ تھا۔ ربنا قنا عذاب النار ۰ (باقی وارد)

رحمت علی بی۔ او۔ ایل
صیغہ انہار (پنجاب)

BHAWALPUR UNIVERSITY
SRA ۷

۴۸

دعوتِ روح

(پچھلے پہر کے سناٹے میں)

سوتی ہے دنیا ہر سُو — سوتی ہے پھولوں کی بُو
ہو کر نفس سے بے قابُو — کب تک بدلے گا پہلُو
اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

سوسن ہے گویا خاموش — نرگس مستی سے بیہوش
قُمری پتّوں میں رُوپوش — چُپ ہے سروِ کنارِ جُو
اے دل بول اٹھ اللہ ہُو!

سب ہیں ساکت مور چکور — ساکن ہے چڑیوں کا زور
بلبل بھول گئی ہے شور — گم ہیں آنکھوں میں آنسو
اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

خوابِ ہستی ہے دو چند — سب عالم ہے غفلت مند
تاروں کی آنکھیں ہیں بند — چشمِ خفتہ ہے جگنو
اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

زاہد، فاسق اور مے خوار — پتھر، دریا اور اشجار
سب ہیں غفلت میں سرشار — مومن، کافر اور ہندو
اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

چھائی ہوئی ہے خاموشی — ساکت ہے دنیا ساری
ہے یہ وقتِ یک سوئی — کیوں کھوتا ہے اِس کو تُو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

بھو کی ہے روح مجبور اس کی دعوت ہے منظور
لائیں قدسی خوان نور خوشرو، خوشرنگ و خوشبو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

چمکیں آثار انوار دنیا ہو جائے بیدار
ہو کر محو رنگ بار طوطی بولے تو ہی تو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

رشک نور سحر ہو رات صبح عید ہو جس سے مات
چمکیں رحمت کے لمعات جیسے حوروں کے گیسو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہو!

اپنے جلد دکھا اعجاز اے میرے ہمدم ہمراز
تیری باتیں سحر طراز تیرے لفظوں میں جادو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

وقت خلوت ہے نادان حاصل ہے ہر اطمینان
کر ہنگامے کا سامان ہو کر دنیا سے یک سُو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

خواب خودی سے ہو ہشیار بیخود ہو جا میرے یار
تجھ سے کہتا ہوں ہر بار اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو! سیماب

(نقیب، بمبئی، ۵)

ملہ اس نظم کی تقطیع "فعلن فعلن فعلن فع" سے ہوتی ہے اور اسی تقطیع کے زحافات پورا کرنے کیلئے لفظ "اُٹھ" بول کے بعد اضافہ کیا گیا ہے۔ لیکن جو حضرات اس نظم کو زیادہ موسیقی پہنانا چاہیں اور مضمان کی راگنی میں چمکتا ستارا طرف چاہا ہوا ہو اس نظم سے فضائے خاموش میں "بیداری" پیدا کرنے کے آرزومند ہوں

۸۶

التجائے پروانہ

وہ زمانہ بھی ہے تجکو یاد اے شمع حرم؟ نور کے سایہ میں تیرے جبکہ آسودہ تھے ہم؟
اب مگر تجھ میں نہیں ہے وہ گداز سیل نم؟ یا ہمیں میں بود آسا آگئی ہے خوئے رم؟
دیدۂ خونناب کی وہ دجلہ باری کیا ہوئی؟
کیا ہوئی راتوں کی میری آہ وزاری کیا ہوئی؟

تو وہی ہے اور ترے شعلہ کی رعنائی وہی عارض روشن کی تیری محفل آرائی وہی
تیرے جلوے میں نہاں ہے سوز فرمائی وہی ذرہ افزائی وہی حسن تپش زائی وہی
درخور آہنگ سوزش بال پروانہ نہیں
ورنہ یہ تیری ضیا تو اب بھی بیگانہ نہیں

ہائے وہ دن جب ترا شعلہ ادھر تھا برق کوش اور ادھر تھا وقف سوزش خرمن صد صبر ہوش
طور پر دھتا ادھر گر جلوۂ خورشید جوش رشک موسیٰ تھا ادھر ہر ہر ذرۂ آئینہ پوش
وہ ہجوم ناز کی ہر لحظہ جلوہ تازیاں!
اور وہ انبوہ نیاز عشق کی جانبازیاں!

سینہ بخشش گاہ سیل وسعت آمال تھا ولولوں کی موج سے ہر قلب مالا مال تھا
یہ سکون نکبت وذلت جو دوزاں حال تھا کارگاہ صدتپش آسودہ زیر بال تھا
سوز نغمہ سے غرض معمور تھا ہستی کا ساز
دل مثال آئینہ تھا گریہ بردار گداز

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) وہ اس "اللہ" کی قید سے بری ہو سکتے ہیں۔ اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ "بول" کے ب و کو ذرا تمتع کے ساتھ ادا کریں۔ یقطع بغیر "اللہ" کے بھی پوری ہو جائیگی اور "دل بول اللہ ہو" کی کیفیت میں "عالم ہو" کی پوری سیری نظر آجائے گی۔ میں نے "اللہ" صرف اسلئے بڑھا دیا ہے کہ بادی النظر میں ایک زحاف کم معلوم ہونے سے نکتہ چیں معترض نہ ہوں۔ ورنہ میں خود اس مصرع کو اسی طرح فضائی تمتع کے ساتھ اس طرح جھوم جھوم کر گا رہا ہوں۔ ع "لے دل بول اللہ اللہ ہو" (تاب اکبرآبادی)

تجلّی کیا، اک ہم نہیں تو اور پروانے بہت — حسن تیرا جاہیئے، مجھ سے ہیں دیوانے بہت
لطف ساقی ہو تو ساغر اور پیمانے بہت — پردہ داری ہو تری شب کی تو افسانے بہت

ہر پتنگے میں کہاں لیکن وہ شعلہ باریاں؟
خاک میں اب بھی لگن کے ہونگی کچھ چنگاریاں!

نیاز فتحپوری

مولوی رومؒ

نمکیش ہر جہاں سا ترے خوانِ تکلم پر — دُرِ خوش آب ہیں جو بلبلے ہیں تیرے قلزم پر
مئے تسنیم ہے قرباں ترے میخانہ کے خم پر — تری تسویر کا احسان مسلم چشم مردم پر

عجب انداز خوشگوئی عجب شیریں بیانی ہے
خدا شاہد کہ تو دارائے تسلیم معانی ہے

کلیم طور انوار حقیقت ہے زباں تیری — رواں ہے آب کوثر کی طرح طبع رواں تیری
سویدائے دلِ عالم ہے تاثیر بیاں تیری — حدیث عقل کل کی ترجماں ہے داستاں تیری

بھری ہے عبرت آموزی ترے لکھش تراوش میں
قیامت کی ملاحت ہے ترے شیریں فسانوں میں

زہے طرز گہر ریزی زہے شانِ سخندانی — ہوا پیدا نہ تیرے بعد مولانا! ترا ثانی
بساط معرفت پر خوب کی تو نے گل افشانی — گہرہائے تصوف کی ترے دم سے ہے ارزانی

جہاں کو اپنا گرویدہ بنایا مرحبا! تو نے
بآسانی نکات شرع کو حل کر دیا تو نے

نہ دیجائے تجھے تشبیہ کیونکر ابر رحمت سے — زمین روم گلزار ارم ہے تیری نسبت سے

ہدایت یاب عالم ہے تری پند و نصیحت سے
سخن کی شان ہی اعزاز تیرے لفظ و نکتہ سے

بشر را مرجع و ماوائے ملائک را کتاب استی
پیمبر نیستی الحق مگر صاحب کتاب استی

ادب پر ہے ترا احسان فصاحت تیری ممنوں ہے
تو ہے ہمتا تصوف کی صدف کا دُرِ مکنوں ہے

ترا ہر نکتہ معنی خیز ہے، موجز ہی، موزوں ہے
سوا تیری مثنوی لیلا ہے اور ہر قلب مجنوں ہے

بیاں جبریل کا ہے گفتگوئے معنوی تیری
قبول اہل ذوق و اہل دل ہے مثنوی تیری

ترے پردے میں ہے گویا سخن سنج ازل گویا
مگر ہے منظر الہام آئینہ ترے دل کا

ہوئے ہیں تجھ سے بھی لمعات انوار ازل پیدا
وجود پاک تیرا مظہر اسرار قدرت تھا

چساں بر عرش مدح تو رسد بے بال و پر عرشی
چگونہ ذرہ چنیں بحرے بروں آرد گہر عرشی

محمد حسین عرشی امرتسری

دولت کا مصرف

جن کو حکمت دی خدا نے پوچھیے اُنسے یہ بات
کیوں ہوئی دولت کی حاجت عالم اسباب میں

اس سے گر مدِ نظر ہو صرف نشہ کبر کا
تو ہی کافی جہت نشہ ہی شراب ناب میں

اسکے نشہ سے جو چکر ہو۔ تو ہو بے فائدہ
یوں پھرے سر جسطرح تنکا پھرے گرداب میں

صرف بیجا ہو جو دولت کا تو ذلت نصیب
لاکھ تم شیخی بگھارو بیٹھ کر احباب میں

مال کے صرف بجا سے عقل پاتی ہے جلا
جس طرح سورج سے آتی ہی چمک مہتاب میں

چشم حکمت ہے سلیماں کا صحیفہ دیکھ لو
وہ نبی تھے اور کیا فرما گئے اس باب میں

رہتی ہے بیدار حکمت ساتھ جب دولت کا ہو
فقر اگر ہوتا ہے تو رہتی ہی غافل خواب میں

۵۸۵

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

گزرے ذوالنون ایک صحرا میں
دیکھا ابلیس کو ہے سربسجود

پوچھا کیسی تری یہ طاعت ہے
تو ہے مشہور ناری و مردود

بولا ابلیس گو لعیں ہوں میں
حق تعالیٰ تو سب کا ہے معبود

میں بھی آخر اسی کی ہوں مخلوق
سب کا خالق وہ سب کا ہے مسجود

ہو گئی اک بڑی خطا مجھ سے
اس کا ذکر اب اگرچہ ہے بیسود

رحمتِ حق کی پھر بھی ہے امید
کیا عجب بخشدے وہ رب ودود

ہے ندامت گناہ پر لازم
رحمت اللہ کی ہے نا محدود

نہ ہو مایوس رحمتِ حق سے
چاہے جو اپنی عاقبت محمود

بیشک اللہ ہے غفور و رحیم
اے ذہین سب کا ہی وہی مقصود

ذہین از حیدرآباد

۵۸۶

تازہ غزلیں اور نعتیں

(۱)

از ہز اکسلنسی یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد چشتی خماری شاہ

تجھی سے ابتدا ہے میں نہیں ہوں
تجھی پر انتہا ہے میں نہیں ہوں

صفت تیری بقا ہے میں نہیں ہوں
تو ہی جلوہ نما ہے میں نہیں ہوں

یہ تیرے ہی گل عارض کی جاناں
بہارِ دلکشا ہے میں نہیں ہوں

برائے نام ہیں معشوق و عاشق
تو ہی اک آشنا ہے میں نہیں ہوں

جو دیکھی آئینہ میں صورت اپنی — یہی دھوکا ہوا ہے میں نہیں ہوں
صنمخانے میں اور کعبے میں عارف — وہی جلوہ نما ہے میں نہیں ہوں
نہ تو نغمہ نہ ہے شیون کسی کا — تری ہی سب صدا ہے میں نہیں ہوں
انا الحق کی صدا آئی کہاں سے — تو ہی تو کہہ رہا ہے میں نہیں ہوں
اگر تو شخص ہے پھر عکس ہے کون — یہ نقشہ ہی ترا ہے میں نہیں ہوں
صدائے ما سوی اللہ شیخ شبلی — وہی خود کہہ رہا ہے میں نہیں ہوں
مجھے تم شاد کیوں سمجھے ہوئے ہو — یہ کوئی دوسرا ہے میں نہیں ہوں

(۲)

از جناب حسن مجیبی قادری

قلب جس کا آشنائے بحر عرفاں ہوگیا — گوہر مقصود سے پُر اُس کا داماں ہوگیا
تو جو یکتا تھا دکھائی تو نے نیرنگی یہ کیوں — آج ہندو بن گیا اور کل مسلماں ہوگیا
مر مٹا ہوں میں تری مسند میں اے پرورشیر! — کیوں کمد مجھ سے تو اے شاہِ خوباں ہوگیا
ناصحو! بے سود ہے بیکار سمجھانا مرا — کیا اثر اُس پر جو محوِ یادِ جاناں ہوگیا
اے حسن لاریب تھا نورِ خدا نورِ مجیب — آپ اپنے میں فنا ہو کر وہ پنہاں ہوگیا

(۳)

(از جناب محمد رضا صاحب رضا صدیقی الہ آبادی از علیگڈھ)

گر لطف و کرم کی مرے سرکار نظر ہو — اپنا بھی ابھی ہند سے طیبہ کو سفر ہو
آجائیں نظر طور کے جلوے مجھے بیشک — آنکھیں ہوں موسیٰ اور ترا رُخ ہگند ہو
وہ دن سحرِ عید سے کچھ کم نہ ہو مجھکو — جس روز مدینے کی طرف عزم سفر ہو
اُٹھ جائے اگر پردۂ دوری تو بنے کام — در سے ترے نزدیک ترا بندۂ در ہو
جلوے سحرِ وصل کے آغوش میں پاؤں — اس نالۂ شبگیر میں گر کچھ بھی اثر ہو

کرتے ہیں نکیرین مجھے قبر میں مضطر — آجاؤ مدد کو مرے سرکار کدھر ہو
تم بیکس و بیتاب کے ہو حامی و والی — تم اپنے غریبوں کی یتیموں کی سپر ہو
باطن میں ہیں ظاہر ترے کچھ اور ہی جلوے — ظاہر میں تو سب کہتے ہیں بندے ہو بشر ہو
صدقہ میں کرم کے ترے اے رحمتِ عالم — اس اپنے رضا پر بھی عنایت کی نظر ہو

(۴)

(از جناب مولانا ناصر صاحب اڈیٹر شعلہ دہلی)

دل نہیں لگتا مرا ہند میں گھبراتا ہوں — یا نبیؐ آپ کی فرقت میں مرا جاتا ہوں
یا مجھے ہند سے طیبہ میں بُلا لیجے حضورؐ — یا یہ فرمایئے مضطر نہ ہو میں آتا ہوں
آپ کا بندہ رہے آپ کے در سے جُدا — کس لیئے پیدا ہوا ہائے میں پچھتاتا ہوں
یا نبیؐ عزت و حرمت ہے مری آپ کے ہاتھ — خوف عصیاں ہے مجھے حشر میں شرماتا ہوں
درد اُٹھ اُٹھ کے مرے پہلو میں تڑپاتا ہے — ہجر میں رونے سے فرصت جو ذرا پاتا ہوں
یاد میں آپ کی میں روتا ہوں آٹھ آٹھ پہر — ہجر میں خون جگر پیتا ہوں غم کھاتا ہوں
روز و شب کٹتے ہیں فریاد و فغاں میں ناصر — دیکھئے کب میں مدینہ کی طرف جاتا ہوں

(۵)

(جناب محمد حفظ الرب صاحب عتاب امروہوی)

تمہیں ہو چارہ گرِ بیکساں غریب نواز — تمہیں کو کہتا ہے سارا جہاں غریب نواز
جو حکم ہو تو کروں شرح درد و غم ورنہ — عیاں ہے آپ پہ دردِ نہاں غریب نواز
مری جبیں ہے تمہارے ہی آستاں کیلئے — پھر اسکو چھوڑ کے جاؤں کہاں غریب نواز
فقیر کو درِ دولت سے بھیک مل جائے — مرے شہنشہِ ظل آشیاں غریب نواز
تمہیں بتاؤ کہ میں کس زمیں پہ جھکے رہوں — جو چین لینے نہ دے آسماں غریب نواز
نگاہ لطف تمہاری عتاب پر ہو جائے — مراد پائے یہ بے خانماں غریب نواز

جلد ۱ شوال ۱۳۴۵ھ
قسم سوم
قسم سوم

نظام المشائخ

روحانی سلسلہ سلاسلین کا ماہوار پیام

مذہب، اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک لنوازم مجموعہ
جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جوانہزادہ حضرت سلطان
نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی
وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر
خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۲ پیشگی ۱۴ھ
مقام اشاعت دارالسلطنت دہلی کوچہ چیلان
مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

آج کل

نظام المشائخ دوہزار

مثل ماہی اصد ہفت بفتہ اسکی اشاعت میں ترقی ہی۔ مشتہرین ضرور اپنے اشتہار اسمیں درج کرا کر فائدہ اٹھائیں

نرخنامہ	مقدار	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
	¼ صفحہ	۴	۱۰	۱۸	۳۰
	نصف صفحہ	۷	۱۸	۳۰	۵۰
	پورا صفحہ	۱۲	۳۰	۵۰	۸۰

نظام المشائخ کے قواعد وضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر ہفتہ کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو جو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رح کا یوم عرس ہی شائع ہوتا ہی۔ مضامین اسمیں مذہبی اخلاقی اصلاحی اگر سب نہیں تو زیادہ تر رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحریروں میں انشاپردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہی (۲) اگر رسالہ بیاہ تاریخ تک پہنچے تو دیر سویر کا خیال کرکے دس بارہ تاریخ تک انتظار کیجے۔ اسکے بعد عدم اطلاع دینی چاہیئے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو۔ براہ عنایت چوتھی ماہ بدلی سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی تبدیل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کر دینی کافی ہے (۴) خط وکتابت میں اپنا نام و پتہ ولایت صاف و خوش خط لکھیے اور خریداری کا نمبر ضرور بتائیے۔ جوابی کارڈ کے لیے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

نمبر ۴ بابت ماہ شوال المکرم ۱۳۳۵ ہجری جلد ۱۲

فہرست مضامین

شمارہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شب عید یا محبوب میں	جناب مولانا ارشد الخیری مدظلہ العالی	۳
۲	یقین	جناب مولانا نواب علی صاحب برق پشاوری مدرس کمپنی	۹
۳	مکتب عشق	جناب مولانا محمد ظہور الدین صاحب مراقب ربانی	۱۷
۴	عبرت	جناب مولانا رحمت علی صاحب بی اے علیگ	۲۵
۵	فطرتی عید	جناب مولانا محمد عظیم صاحب واعظ اسلام (لکھنؤ)	۳۶
۶	الزہرا	جناب مولانا ارشد الخیری مدظلہ العالی	۴۸
۷	کلید عید	جناب مولانا محمد یعقوب صاحب امروہی گیاوی	۵۵
۸	اخلاق سلطانی	جناب مولانا ظفر احسن صاحب علوی ناظم دائرۃ الادب دہلی	۵۷

اخلاق سلطانی کے صرف ۸ صفحے باقی رہ گئے ہیں جو اگلے پرچے میں شائع ہو جائیں گے۔ مدیر

ہندوستان ہی کا نہیں

انگلستان کا پریس چیخ اٹھا ہے

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پراں کر دیئے

آپ جس پرچے کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ سب کے چہرے زرد ملیں گے۔ اب خطیب نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی سرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو۔ لیکن

کب تلک یارب چھپائیں درد دل

خطیب و نظام المشائخ کے مالک کے پاس قیصر ولیم کا خزانہ نہیں ہے کہ لقمان بن کر [illegible] اٹھائے چلا جائے۔ ناظرین اگر نظام المشائخ کو اس کی اصل شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اٹھائیں۔

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک مدد امداد پیش کرتا ہوں۔ جب تک یہ جنگ ہے اس میں ۸ رسالانہ کم از کم سب کو دینا پڑے گا۔ مدد اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو۔

خاکسار واحدی

نظام المشائخ

شبِ عید یا محبوب میں

اس بارونے خمدار کے انتظار میں جو لاتعداد ہستیوں میں تغیر کرنے والی تھی۔ کل نیری بہت سی زندہ مخلوق کا ہر سانس آتشِ شوق کو بھڑکا رہا تھا۔ بچے سویرے ہی سے کوٹھوں پر چڑھ گئے تھے۔ لڑکیاں دوپہر ہی سے لگنوں میں پانی بھر بھر کر کرۂ فلکی کی تحقیقات میں مصروف تھیں۔ روزہ دار اس تخیل سے کہ منزلِ مقصود قریب آگئی بیتاب ہو رہے تھے۔ نمازی اپنی نمازوں کی رفتار بسرعت طے کر رہے تھے۔ مگر میں اس ڈوبنے والے آفتاب کی شعاعوں میں منہمک تھی جو لمحہ بہ لمحہ مایوس العلاج مریض کیطرح کمزور ہو رہی تھیں اور جنکی تہ میں ان سب کی مسرت کا حقیقی فیصلہ مضمر تھا۔ اس بچے کی طرح جس کی پہلی آواز ماں کے

پیٹ سے نکلتے ہی تیری قدرت کا نقارہ چار طرف بجا دیتی ہے۔ ہلال عید کی ہلکی سی جھلک نے پیغام شادمانی روئے زمین پر پہنچا دیا۔

بچے اُچھل پڑے۔ بڈھے باغ باغ ہو گئے۔ جوانوں کو عید ہو گئی۔ ان اَن گنت اور بے شمار نظروں میں جو آسمان کیطرف اُٹھیں۔ اور حیات انسانی کی کتاب نا پائدار کے مختلف الجذبات اوراق کو اُلٹ پلٹ رہی تھیں ایک لڑکی کی وہ دو آنکھیں بھی تھیں جو حسرت سے اُٹھیں۔ نامرادی سے بڑھیں۔ اور قطعاً مایوسی کا پہلو لیئے سطح آسمان کے قریب تھیں۔ یہ گلشن اسلام کی وہ کلی تھی۔ جسنے عمر کی صرف چودہ منزلیں طے کی تھیں اور اس قلیل البضاعت زمانہ میں میکے کی مفارقت ابدی کے بعد۔ بیوگی کا داغ معصوم دل پر آج ہی کے روز اسی وقت ایک سال قبل اُٹھا چکی تھی۔ ہلال عید کے دیدار کی سچی خوشی نے قلب مطمئن سے آٹھیلیاں کرنے میں بمشکل چار پانچ جھپکانے کا عرصہ لیا ہوگا کہ ٹھنڈی ہوا کے ایک جھونکے نے متضاد خاصیتوں کا ظہور کیا۔ فرحت بسر ہوئی اور فرحت کے ساتھ ہی ساس کے سلام کو جھک کر دھانہ لینے پائی تھی کہ شوہر کی خبر موت کان میں پہنچی۔

آج بھی وہی ہلال عید تھا۔ اور اسی دشمن جان کو زہر آلود نگاہوں سے دیکھنے گئی تھی کہ قدرت کی نیرنگیوں نے دشمن کی صورت بھی نہ دیکھنے دی۔ نظر قریب پہنچ چکی تھی کہ ابر کا ایک ٹکڑا راہ میں حائل ہوا اور یہ دونوں آنکھیں اپنے مقصد سے محروم واپس پھریں۔ دیر تک کٹڑی ہی نگاہ اوپر تھی۔ اور دل سال گزشتہ کے اسی منظر پر تبصرہ کر رہا تھا ایک دنیا چاند دیکھ چکی تھی۔ مگر تقدیر میں مایوسی تھی تو صرف اسی بدنصیب کی۔ تڑپ تڑپ کر تڑپی۔ بیچین ہوئی پریشان ہوئی۔ کوشش کرتی تھی کہ قدرت کی اس ہر دلعزیز نعمت کو جو اسکی مصیبت سے بدرجہا متعلق تھی۔ اور وقوع مصیبت کے بعد نتائج کا تسلسل چھوڑ کر روپوش ہوئی۔ اور آج اتنے عرصہ بعد صورت دکھائی ہے۔ کسی طرح دیکھ لوں۔ آسمان کا سینہ چاک کر دوں۔ بادلوں کو اپنے ہاتھ سے چیر کر چاند کو باہر لے آؤں۔ ٹکڑے اُڑا دوں اس شفق کے جسنے اسوقت کا

چاند آغوش میں لیا۔ وفور جذبات نے امید دیدار منقطع کر دی۔ نگاہ ناکام لوٹی۔ دونوں آنکھوں میں ایک ایک قطرہ تھا۔

مولا! تو، جسنے موسیٰ کے مقابلہ میں فرعون کی لاج رکھی۔ ابراہیم کو بت پرست کی حمایت میں ڈانٹ دیا، میری بھی سن۔ بچھڑے ہوئے یوسف کو یعقوب سے ملا دینے والے بادشاہ! نامراد نہ پھیر، حکیم علی الاطلاق۔ تیری ذات بے نیاز، تیرے کام اچھے تیرا نام سچا، تیری عنایتیں ظاہر، تیرے کارنامے روشن، ان آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی دونو آنکھوں کا واسطہ، میری فریاد سن، کرم کرنے والے معبود! ابراہیم پر آگ ٹھنڈی کی۔ ایوبؑ کو مصیبت میں صبر دیا۔ زلیخا کو بڑھاپے میں جوانی دی، اسمٰعیلؑ کو باپ کے ہاتھ سے آبدار چھری سے چھری کی دھار سے بچانے والے مالک۔ سن سن مالک۔ میری بھی سن۔

واسطہ مولا۔ اس رات کا واسطہ جو صدیقؓ نے نماز میں گزاری۔ اس ساعت کا واسطہ جب زلیخا نے یوسف سے منہ پھیرا۔ اس دن کا واسطہ جو یوم الحق ہوگا۔ پہنچا پہنچا مولا پہنچا ہوئے وہاں جہاں تیری محبت کے پھول دونوں وقت کھلتے ہیں۔ جہاں تیری رحمت کے خزانے رات دن لٹتے ہیں۔ جہاں تیری نعمت کے طباق شب و روز تقسیم ہوتے ہیں۔ وہاں اے مولا! وہاں جہاں تیرے محبوبؐ کی خوابگاہ ہے۔ جہاں مدینہ کا دولہا آرام کر رہا ہے۔ جہاں رانڈوں کا والی یتیموں کا وارث بیکسوں کا مولا۔ بیماروں کا تیماردار سوتا ہے دکھا دے میرے داتا اس سنہری جالی کی دیواریں۔ اس حبیب پاک کا مزار۔ ان مقدس گلیوں کی خاک۔

اس خاک کو آنکھوں سے لگاؤں۔ ان پھولوں کو کلیجہ میں رکھوں۔ طیبہ کے پکتے ہوئے کلس میرا منظر۔ جنگل کی اڑتی ہوئی خاک میری غذا۔ اور وفور جوش و آتش شوق سے بھڑک بھڑک کر گرنے والے آنسو میرا پانی۔ کھجوروں کے پتے میرا لباس۔ مزار حبیبؐ کا نظارہ میری نماز اور ذکر حبیبؐ میرا وظیفہ۔

رات ختم ہو رہی ہے۔ معمولی نہیں شب عید مدتوں کے بچھڑے ملا گئی۔ برسوں کے روٹھے

منا گئی - ترسی ہوئی آنکھیں روشن ہوئیں بھڑکتے ہوئے دل ٹھنڈے ہوئے چنبیلی کے گجروں میں سوتیا کی بالیوں میں جوئی کے کنٹھے میں رات بسر کرنے والی مخلوق - مشرق برف پوشاکوں میں عطر کی لپٹوں میں - چمپا کی سیجوں میں شب عید ختم کرنیوالے انسان - آشیانوں کے پرند - کچھاروں کے درند - مرغزاروں کے چرند - بڈھے مرد جوان عورتیں - گود کے بچے پیٹ کے بچے - سب نیند کی لپیٹ میں ہیں - اور میں تجھ سے گویا گزار رہی ہوں +

کنیز ہوں - مخبوط الحواس - محبوبؐ کی دیوانی - تیرے رسولؐ کی شیدا - جس کو تو نے کس اہتمام سے کس شان سے کیسے آناً فاناً معراج میں بلوا کر آنکھیں ٹھنڈی کریں میں انسان وہ بھی کمزور ضعیف - مگر پہلو میں میرے بھی دل ہے - میری آنکھیں کیوں محروم رہیں +

توبہ، توبہ، گناہ، قصور، غلطی، دیوانگی، معاف، کرم، رحم، مالک، آقا غفور رحیم تو نے سب کی سنی - تیرے در سے کوئی نامراد نہ پھرا - مجھ دکھیاری کی سہی! +

یونسؑ کی صدا پر تو کھلکھلایا - یعقوبؑ کی دعا پر لبیک تو نے کی - نوحؑ کی فریاد تو نے سنی - موسیٰؑ کو بیہوش تو نے کیا - جو اس آغاز کا انجام - اس داستان کا خاتمہ - اس مرض کا علاج ہے - مگر میں تجھ سے اسکی طالب نہیں - میں شفا کی خواہش نہیں لائی - اس درد میں لطف ہے - اس اضطرار میں سکون - اس بیچینی میں چین - اس تڑپ میں مزا - اس ناامیدی میں امید - اس مایوسی میں توقع - میں کچھ اور چاہتی ہوں - اس کیف کی جو تجلی کے بعد موسیٰؑ کو میسر ہوا +

مولا! نہیں بجھتی، شاہی قمقمے، شمع انجمن، برقی روشنیاں، فانوس امرا، قندیل فلک، اور وہ مٹی کا چراغ جسے ایک بڑھیا کی جھونپڑی رات بھر روشن رکھی سب ٹمٹما گئے مگر دل کی آگ نہیں بجھتی یہ شعلہ بھڑک رہا ہے - بھلسا رہا ہے +

تیرے دربار سے کوئی نامراد نہ پھرا - تیری کائنات کا ہر ذرہ شاد کام و بامراد ہے ماہتاب وداع شب کے وقت صبح صادق کو آغوش میں لیکر رخصت ہوتا ہے، آفتاب وقت غروب میں

لیلائے شب سے ہمکنار ہو کر روپوش ہو۔ بلبل فریادی ہے۔ گرشاخ گل پر جھولتی ہوئی صرصر صبا دہیمی ہے۔ گر غنچوں کے منہ چومتی ہوئی۔ کلیوں کو چٹکاتی ہوئی۔ پھولوں کو سہراتی ہوئی مہکتی شبوت دعوے میں میرا ہمنوا ہے۔ نادیدہ مفتون۔ مگران ہی مٹھی بھر پروں میں کثرت جوش و اسباب تسکین دلوں موجود ہیں کوئل کا نغمہ رات کے سنسان وقت میں ہو یا برسات کی موسلا دھار بارش میں۔ ہوا میں اٹھلاتا ہوا۔ سامعہ کو مس کرتا کلیجے کے پار ہو جاتا ہے۔ گنجان درختوں میں جہاں جھنڈ کے جھنڈ چھائے ہوئے ہوں ایک اونچی پھننگ پر علیحدہ بیٹھی مدت کے پیاسوں کو سیراب اور دردمندوں کو بے چین کرتی ہے۔ دور دور بلبلیاں گرائے بیاروں کو تڑپا دے۔ تندرستوں کو رلوا دے۔ وہ تارک الدنیا جوگی جو دامن کوہ یا پہاڑ کی چوٹی پر صدائے نے میں مست سانپوں کو کھلا رہا ہے۔ جسے کرۂ ہوا کو شل بجلی اور بادل کو تھم کر دیا۔ اپنی دھن میں مستغرق فنا فی الخیال ہے۔ مگر مالک حقیقی اس بجز و خاکیطرح جس کی ہستی کا بقا محض مدد جزء کے وجود پر ہے۔ شوق کے یہ آگ محبت کے یہ نالے اضطراب کا یہ جوش۔ پپیہے کی صدا۔ کوئل کی کوک۔ بانسری کا نغمہ تغیر موسم سے وابستہ ہیں، لیکن میرا درد اے مولا! میرا درد وہ درد ہے جو جاڑوں کے دنوں میں۔ گرمی کی دوپہروں میں برسات کی راتوں میں۔ ہر ساعت اور ہر لمحہ موجود ہے +

آنکھیں دکھتے بچے جنہوں نے رات بھر ماؤں کو جگایا۔ قبر میں پہنچنے والے مریض جنہوں نے رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ عرصہ دراز کے بچھڑے طالب و مطلوب جن کی رات بات کرنے میں ختم ہوئی۔ جوان غیر شادی شدہ یا ہونے والی ماں جنہوں نے تڑپ تڑپ کر رات گزاری۔ دو دن کی بیاہی بیوہ، جو خواب میں بھی شوہر کی صورت کو ترسی سب اس وقت نیند کی آغوش میں ہیں اور یہ ہوا جو میرے سر پہ طلا رگاتی ہے انکو لوریاں دے رہی ہے مالک! میری بھی سن! راحت ابدی دے، ایسی نیند سلا دے کہ پھر نہ جاگوں، وہ جام پلا دو کہ پھر ہوش میں نہ آؤں۔ اس جگہ پہنچا دے جہاں سے پھر نہ پلٹوں، چیونٹی کے پاؤں کی آواز

پہاڑکی دراڑ سے سننے والے، میرا نالہ سن، میری التجا قبول کر۔ اس درد کو ترپ دے۔ تڑپ کو زبان دے۔ زبان کو اثر دے۔ اثر کو قبولیت دے۔ دنیا کے فانی جھگڑے بچوں کی ناپائدار محبت، زندگی کی آرزوئے بیکار، تمول کی خواہش [illegible] دور ہو، جب تک جیوں اسطرح جیوں کہ محبوب کا در آنکھ کے روبرو۔ اور پیارے کی یاد کلیجے کے اندر۔

تیری مخلوق کا ہر ذرہ مجھسے بہتر۔ تیری قدرت کا ہر متنفس مجھسے اچھا، جو تیری حمد میں مست۔ درخت تیری توحید میں سرشار۔ پانی کا راگ تیری عظمت کی شہادت۔ پہاڑ کا سبزہ تیری طاقت کی نشانی، چڑیوں کے چہچہے۔ تیرے جبروت کا پتہ۔ دنیا تیرے آگے سربسجود، سمندر کی لہریں، لہروں کی مچھلیاں۔ باغوں کے درخت۔ درختوں کے پھول آسمان کے فرشتے۔ فرشتوں کا وجود۔ جنت کی حوریں۔ حوروں کی ہستی۔ سب تیرے گیت گا رہے ہیں۔ لیکن، لیکن، رب العلمین! اسکی، جو دنیا کو چھوڑکر، سری بھری کھیتی اجاڑکر تیرے حضور میں حاضر ہوئی، اسکی، جس کی دنیا اور آخرت، جس کی زندگی اور موت، اسکی، جسکی خوشی اور غم، اسکی، جسکی بقا و فنا، صرف چار حرفوں میں محدود ہے، سن لے پہنچا دے، وہاں، جہاں۔

صَلِّ عَلٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّم

اُس پیارے کی خواب گاہ ہے۔

راشد الخیری

خطیب کا عید نمبر منگا کر دیکھئے جس کی قیمت صرف ۳ ہے۔ مضامین حضرت خواجہ حسن نظامی مولانا راشد الخیری مدظلہ۔ مولانا نیاز فتحپوری۔ مولانا عارف ہسوی۔ ماسٹر باسط بسوانی مولانا [illegible] خان بہادر مرزا سلطان احمد۔ مولانا سیماب۔ مولانا ارشاد۔ حافظ امام الدین رام نگری کے ضخامت نظام المشائخ کے ۵۰ صفحوں کے برابر۔ **المشتہر** منیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی۔

یقین

چند محجوب نشینی بگمانِ دگراں
خیمہ در ملکِ یقین زن کہ گماں چیزے نیست

اے بندگانِ تشکیک! اے حلقہ بگوشانِ توہم! اے اسیرانِ تخیل! اے گرفتارانِ لاادریت! کیا تم نے کبھی یقین کی چمک دیکھی ہے؟ نہیں کبھی نہیں۔ تمہاری آنکھیں اس قابل ہی نہیں، تمہاری بصیرت میں وہ قوت ہی نہیں، تمہارے پاس وہ عینک ہی نہیں تم جس راہ پر چلے اسکی آخری حد تشکیک، تم نے جو چال اختیار کی اسکا لازمی نتیجہ توہم ہے، تم نے کائنات کے عقدہائے سربستہ کو ناخنِ استدلال سے کھولنا چاہا، مگر کیا تم میں ایسی موشگافی کی قابلیت تھی؟ تم نے عقلی قیاسات کو مایۂ اعتماد سمجھا، مگر کیا تمہیں (نظریات) سے تم آجتک کوئی قطعی فیصلہ کرسکے؟ تم نے تخیلات کے گھروندے بنائے اور بگاڑے، تم نے ہوا میں قلعے تیار کئے اور خود ہی خیالی گولے برسا کر ڈھا دیئے، تم کو اپنی عقل پر ناز تھا۔ اور تم چاہتے تھے کہ اس غلط روش کے بل پر ہم اسرارِ غیبیہ کے چہرے سے نقاب الٹ دیں لیکن حقیقت جہاں تھی وہیں رہی، اور تم خدا جانے کہاں پہنچ گئے "وَهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ" وہ جنگل میں بھٹک رہے ہیں، "فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ" وہ اپنے شکوک میں ڈانواں ڈول ہیں"

بلاشبہ یقین کی خداداد طاقت تمہاری فطرت میں ودیعت ہے یقین کی باطل سوز چنگاری تمہارے قلب میں دبی ہے، آؤ! اور اس پردے کو اٹھاؤ جو ظلمت اوہام نے ڈال رکھا ہے۔ اٹھو! اور اس نقاب کو ہٹاؤ جو مادی غفلت کے ہاتھوں پر گیا ہے

چند محجوب نشینی بگمانِ دگراں خیمہ در ملکِ یقین زن کہ گماں چیزے نیست

میں تم سے یقین کی بابت اس لیے اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری روحیں چشمۂ صدق کی متلاشی۔ تمہارے قلوب مآرالحیاتِ عرفان کے متجسس۔ مگر تم اپنی پیاس فلسفہ کے ماء رحیم سے بجھانا چاہتے ہو۔ غور کرو کہ تم سے پہلے کتنوں کی عمریں اس بیہودہ کوشش میں بے کار گئیں، اور یاد رکھو کہ تمہاری عقلی جدوجہد کا حشر بھی دوامی حسرت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

سنو! سرچشمۂ یقین کس آبِ زندگی سے تمہیں سیراب کرنا چاہتا ہے وہ کہتا ہے "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین"۔ اپنے خدا کی پرستش کرو کہ مرتبہ یقین حاصل ہو جائے۔ مگر یہی وہ چیز ہے جسکے نام سے تمہیں لرزہ چڑھتا ہے۔ یہی وہ تمہارے خیال میں شکھیا کی ڈلی ہے۔ جسکے تخیل سے تمہیں موت نظر آتی ہے۔ تمہاری تشکیک سب سے زیادہ جسکو مضحکہ میں اڑا دیتی ہے وہ یہی (بقول تمہارے) جاہلانہ عمل ہے۔ تمہاری عقلیت سب سے بول جس چیز پر پھبتیاں کستی ہے۔ وہ یہی وحشیانہ حرکت ہے۔ (العیاذ باللہ) ع

یہ ہیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

کاش تمہارے سفور سر چور چور ہو کر ایک دن قدموں کی خاک ہونگے۔ ایک بالاتر ہستی کی طرف جھکتے۔ کاش جس سے تمہارا دل نہیں بلکہ وہم اور شک منکر یا متردد ہے اُسے اقلیدس کے اصول موضوعہ کی طرح پر مانکر تم سفر منزل طمانیت کے لیے تیار ہو جاتے فطری استعداد سے کوئی فرد بشر خالی نہیں۔ تم میں بھی وہی نور موجود ہے مگر وہ صرف پنی طرف کامل یکسوئی اور توجہ چاہتا ہے۔ اسی توجہ کا نام عبادت ہے جس کی مکمل صورت اسلامی عبادت ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اسکے درجات میں دست طلب کی کوتاہی سے فرق ہو۔ اسکا الزام بھی حقیقت عبادت پر نہیں۔ اسکے ذمہ دار بھی وہی نفوس ہیں جو دل میں بندگان تشکیک سے قریب یا کسی قدر تقلیدی رنگ کی وجہ سے کچھ آگے ہیں۔ ناشناسان حقیقت اور ناواقفان اسرار کے تقلیدی اعمال اور رسمی عبادات پر نہ جاؤ۔ بلکہ غور دیکھو کہ باوصف دوری عبادت

سے کوئی طمانیت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہوتی ہے اور یقیناً ہوتی ہے تو کوشش کرو کہ یکسوئی پیدا ہو جائے۔ اور ہو جائے تو انشراحی کیفیت سے بھی امیدوار ہو۔ جسقدر غائب فانیہ میں کمی ہوگی وہ نور بصیرت جو پہلے دیہی شمع تھا گیس کی چمک اور گیس سے بجلی کی چکا چوند بنجائیگا "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" جو لوگ میرے لیئے کوشش کرینگے میں انکو اپنا راستہ دکھادونگا"

جب انسان کی تمام قوائے نظری و عملی متحد ہو کر ایک نصب العین کے پیچھے پڑجاتی ہیں تو جد و جہد میں کامیابی بھی نتیجہ اکثری ہے مگر ہمت کامل عزم بلند حوصلہ عالی شرط اول ہے ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا جان رسد بجاناں یا جان زتن برآید

رہ منزل لیلے کہ خطرہاست در و
شرط اول قدم آن ست کہ مجنوں باشی

حقیقت عبادت احیاء قوائے فطرت ہے۔ جو بغیر تفکر قلبی و تذکر خیالی۔ استغراق کامل محویت تامہ اور غفلت ماسوی اللہ کے ناممکن۔ نقلی ارکان اُس اصل کے وسائل اور ذرائع ہیں کوئی ناواقفیت۔ پست خیالی یا پست ہمتی سے رسمیات اور ذکر مع النسیان کو حقیقت سمجھ لے تو اس کا ذمہ دار مذہب نہیں ؛

مذہب حقیقی روح عبادات کو جس رنگ میں پیش کرتا ہے اُنپر عمل کرکے اُنکے نتائج اور اثرات کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ مذہبی روح کا حصول بھی انسانی طاقت سے بالا نہیں۔ صرف وقت عمل اور عزم بلند کی ضرورت ہے۔ یہی رہنمائے دست ایمان اور یہی ہادی مسلک ایقان ہے ؛

"کذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض حتی یکون من الموقنین" اسی طرح ہم ابراہیم کو قوائے سماوی و ارضی دکھلاتے ہیں تاکہ وہ اہل یقین سے ہو جائے ؛

تمہارے نبی کریمؐ کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کو ارضی و سماوی قوتیں اسلیئے دکھائی گئی تھیں کہ وہ یقین کے

نقطۂ کمال پر فائز ہو جائیں۔ وہی قوتیں تم میں بھی موجود ہیں۔ گو ویسی کامل نہ سہی جیسی کہ انبیاءؑ کو فطری انتخاب میں عطا ہوتی ہیں۔ لیکن تمہاری قوتیں مُردہ ہیں تم انکو یاد داشت دوام کی روح سے زندہ کر سکتے ہو ؎

نہیں ہے وابستہ زیرِ گردوں کمال شانِ سکندری سے
تمام ساماں ہیں تیرے سینہ میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا

خلت ابراہیمی کے منبع سے یقین کی نہریں جاری ہیں۔ توحید کامل کے سوتے سے ایمان کا پانی رواں ہے۔ ایقان محمدی کا گھن گرج بادل برس رہا ہے۔ جس کے چھینٹے تمہارے قلوب پر بھی پڑ رہے ہیں۔ صدائے "سنریھم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسکم" سامعہ نواز ارباب حقیقت ہے لیکن بندگان غافل نہ آیات انفسی سے حقیقت تک پہنچے نہ آفات آفاقی سے۔ راستے تو دونوں ہی صاف تھے۔ ایک خواص کے لیئے۔ دوسرا عوام کے لیئے۔ مگر غلط رو پاؤں خدا جانے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور نہیں آتے تو صراط مستقیم پر ؎

ارباب حکمت و کلام آیات آفاقی کو شمع راہ بنا کر ضرور چلے مگر منطق کے بل اور استدلال کے سہارے پر۔ یہ نہ سمجھے کہ وساوس وہمیہ کی باڑھ میں یہ گھروندا بہ جائے گا۔ اور توہمات و شکوک کے بھونچال میں پھونس کے چھپر نہ ٹھیر سکیں گے ؎ اگر انہی آیات آفاقی کو قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھتے تو چہرۂ حقیقت سے نقاب اٹھ سکتی تھی جن کو فہم قرآن سے حصہ ملا تھا وہ انہی آیات آفاقی سے لازوال یقین کے خزانہ تک پہونچ گئے۔ جن کو نور فطرت سے حظ وافر ملا تھا وہ انہی تغیرات و حوادث کائنات کو تعریضاً بمقابلہ مخالفین حقیقت پیش کرنے لگے۔ نہ تاروں میں بھکے نہ اشعۂ ماہتاب میں اُلجھے نہ آفتاب تاباں کے آگے جھکے۔ بلکہ لَآ اُحِبُّ الْآفِلِیْنَ کی ضرب سے ان تمام جھگڑوں کو پاش پاش کر دیا۔ وہ ربانی آواز جو کئی ہزار برس پہلے کالڈیا کی سرزمین میں بلند ہوئی تھی۔ آج بھی اُسی طاقت

کے ساتھ گونج رہی ہے۔ وہ صور قیامت جو تیرہ سو برس ہوئے۔ سرزمین حجاز میں پھونکا گیا تھا۔ اسی کا احب الآفلین کی صدائے بازگشت تھی۔ اور اس وقت بھی دشت و جبل سے ٹکراتی ہوئی یہ کہہ رہی ہے ؎

خلیل آسا تو در ملک یقین زن　　نوائے لا احب الآفلین زن

اسی طرح اور بالکل اسی طرح وہ انوار یقین جو آیات انفسی پر منحصر ہیں۔ اپنی ابتدائی درمیانی اور انتہائی مدارج میں ازالۂ علوم باطلہ و تعطل خیالات عاطلہ اخلاص نیت و ترک ماسوا پر موقوف ہیں۔ بغیر انکے تجلیات تلوینات و ارادات مقامات سکر و صحو سب بے معنی الفاظ اور حجابات راہ ہیں ؎

سلوک راہ عشق از خود رہائی است　　نہ طے منزل تقطع مقامات

جس طرح حکماء اور متکلمین نے آیات آفاقی کو دلیل راہ بنانے اور خضر حقیقی (قرآن حکیم) کی روشنی سے الگ رہنے میں دھوکا کھایا۔ اسی طرح وہ بیدرد صوفی وش بھی ٹھوکریں کھا رہے ہیں جو قرآن حکیم کے ارشاد ذیل (ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین) کے مطابق اپنا صحیح نصب العین قائم نہیں کرتے اور یہ جامہ تلبیس انکے جلب منفعت کا سہل الحصول آلہ بن گیا ہے ۔

کہاں ہیں وہ مخلصین لہ الدین جنکے اخلاص کے زندہ اثرات کے سامنے دنیا آج تک سر پٹک رہی ہے۔ کدھر ہیں وہ ارباب یقین جنکے روحانی معارف سے کائنات کی تاریکیاں آفتاب بن گئی تھیں۔ اور جنکے انوار ساطعہ سے دنیا کی ظلمتیں بجلیاں بن کر کوندھنے لگی تھیں ؟ ۔

آہ۔ اسکا ایک ہی جواب ہے۔ مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب۔ وہ گنج بہائے گرانمایہ تہ خاک مدفون ہیں وہ جواہر ریزے زمین کے اندر چمک رہے ہیں۔ یا ہیں تو ایسی گمنامی میں کہ مُردوں سے بدتر ع یک بار میرد ہر کہ بیچارہ جامی بارہا ۔

نتیجۂ یقین

یقین تصدیق ایمان سب مرادفات ہیں۔ اور بلحاظ آثار و نتائج علم الیقین عین الیقین و حق الیقین میں منقسم ہیں۔ مگر غور طلب یہ ہے کہ ایمان اور یقین کے ثمرات عملی کیا ہیں۔ کیا اُنکا مقصد کوئی عالم غیب کا دلچسپ نظارہ ہے۔ کیا اُنکی غایت عالم برزخ کی کوئی مثالی نمایش ہے۔ کیا اُنکی غرض تجلیات و تلوینات کا سیمیائی تماشا ہے کیا اُنکا نتیجہ کوئی تسخیر اعظم یا اکتشافات حقائق غیبیہ ہے؟

نہیں۔ کچھ نہیں۔ سب اوہام و خیالات موانع اور حجابات ہیں۔ غیبی نظاروں سے بام فلک کی سیر کہیں زیادہ دیرپا اور نتیجہ خیز ہے۔ جس سے اتنا بڑا عظیم الشان علم ہیئت مدون ہوگیا تسخیر قلوب کا مقصد اکتساب زر یا تحصیل عزت و حکومت ہے۔ مگر یہ عجیب رازہے کہ جو اُنکے پیچھے دوڑتا ہے اُس سے وہ برنگ سایہ گریزاں ہیں۔ اور اگر آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے اس نئی روشنی کے زمانہ میں بھی پھنس گئے تو زیادہ زمانہ نہیں گزرتا کہ وہ دم زدن کے تار و پود توڑ تاڑ کر نکل جاتے ہیں۔ اصلیت یہ ہے کہ تسخیر عالم کی باگیں آج مادی ہاتھوں میں ہیں۔ اور دماغی و جسمانی کمپٹیشن میں سبقت اسکا ایک عالمگیر ذریعہ ہے۔ خانقاہ نشینوں کو تسخیر قلوب سے کیا تعلق وہ اسکے طالب ہیں جسکی مملوک تمام کائنات ہے ع

ملگئے تم مجکو سب کچھ ملگیا

اکتشافات حقائق غیبیہ گو ایک کمال انسانی ہے۔ مگر مقصد و اصلی نہیں یہ سب ضمنی اور فروعی نتائج علم الذات والصفات کے ہیں۔ ایک عارف کامل کا مقصد اس سے بہت بلند ہے وہ اُس عقل نبوت کے انوار کا طالب ہے جس سے کائنات کیا چیز ہے خالق کائنات کا عرفان اتم حاصل ہوتا ہے ؎

دیدۂ رنگ بیں نہ بیند حق　　دیدۂ عقل بیں کند حق

یہی عقل دین جس میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ انسان صف کاملین میں باریاب ہوتا ہے

اور آفتاب نبوت کے چمکارے اُسکے قلب کو انوار ملکوتیت سے بہرہ دیتے ہیں ؎

ہر کہ را از کمال مایہ بود　　خرد مصطفاش دایہ بود

یقین علم کی کامل تر قسم ہے۔ اور اُسکے لیئے عقل دین کی ضرورت ہی جو عقلیت کا بلند درجہ ہے۔ جو عقل نبوی کی آغوش میں پلتی ہے اور مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہوتی ہے۔ اسی عقل کی بدولت وہ یقین حاصل ہوتا ہے جو وہم کی دھجیاں اڑا دیتا ہے۔ جامہ شکوک کو چاک چاک کر ڈالتا ہے۔ اور خیال کے پردوں کو پھاڑ ڈالتا ہے ؎

بدرد یقیں پردہ ہائے خیال　　نہ ماند سراپردہ الا جلال

غیر اللہ اُسکی نظر میں ہیچ۔ تخت اُسکے نزدیک تختہ۔ تاج اُسکی نگاہ میں کاسہ گدائی۔ اور جاہ خسروی اُسکے خیال میں کفن بن جاتا ہے ؎

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

انقلابات یقین

نوع انسانی کی وہ تمام عجیب تبدیلیاں اور مہتم بالشان انقلابات تحریکات یقین کے نتائج تھے۔ صرف فرق اسباب یقین کا ہے۔ مادی انسان آلات و اسباب مادیہ پر زیادہ وثوق رکھتے ہیں۔ اس لیئے ان کا یقین دائرہ محسوسات میں بند ہے۔ بخلاف اُنکے کامل الروحانیۃ انسان ایک ایسی بالاتر طاقت پر اعتماد کرتے ہیں جس کا فیض تربیت اور دست حفاظت بقائے کائنات کا بلا مشارکت غیرے کفیل ہے۔ اسلیئے اُن کا یقین اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہوتا ہے۔ جب مادیت مادیت سے دست و گریباں ہوتی ہے اور نا سوتی قوتیں باہم متصادم ہوتی ہیں تو غلبہ اُسی کو ہوتا ہے جسے اپنی قوت پر زیادہ اعتماد ہوتا ہے لیکن جب کبھی مادیت اور حقیقی روحانیت میں تصادم شروع ہو جاتا ہے تو آفتاب روحانیت کے سامنے مادیت دھواں بنکر اُڑ جاتی ہے ؎ ہر کہ دوست دارد دشمناں چہ پندارد ✦ چراغ مردہ

کجا شمع آفتاب کجا ۔ جس کا راز ایک اعلیٰ اور ارفع ہستی پر اعتماد ہے جسکے دست زبردست میں عالم ایک مٹی کا کھلونا ہے ۔ سیر کا میابی انبیاء سابقین اسی زبردست یقین پر منحصر ہے اور کائنات کی روحانیت کبریٰ کا عظیم الشان کا یہ پلٹ اسی اعتماد کے ماتحت ہی جس نے دنیا کا نقشہ اور عالم کا خاکہ ہی ایک قلیل مدت میں اور سے کچھ اور کر دیا تھا ۔

ریگستان عرب کے ٹیلے آتشین پہاڑ بن گئے ۔ حجاز کی بالو بارود کا کام دینے لگی ۔ فاران کی میگزین سے بُت شکن گولے برسنے لگے ۔ بوقبیس کے قلعہ سے شل اور بم کی بارش شروع ہوگئی ۔ کوہ احد پر حفاظت توحید کے لیے (لا الٰہ الا اللہ) کی توپیں چڑھائی گئیں ۔ اور سرزمین یثرب سے برق و باد کا وہ طوفان عظیم اُٹھا جسکے آگے امارت حیرہ ۔ سیادت غسانی ۔ دولت مصری ۔ حکومت حبشی ۔ تخت ساسانی اور عظمت یونانی اس طرح اڑتی ہوئی چلی جاتی تھی جیسے آندھی میں ریت کے ذرّے اور طوفان میں تناور درخت ۔

یہ طوفان انقلاب کوئی مادّی انقلاب نہ تھا کہ محض تباہی اور بربادی کا خوفناک نظارہ اور بھیانک سین دنیا کے سامنے چھوڑ جاتا ۔ بیشک یہ کفر و شرک کے لیے برق آسمانی تھا ۔ مگر حق و صداقت کے واسطے رحمت یزدانی ۔

وہی گولے جو قلب کفر پر پڑ رہے تھے اہل توحید کے لیے سدا بہار پھول تھے ۔ وہی تلوار جسکا پانی لعنتِ شرک کے واسطے آب ممات تھا ۔ پرستارانِ حق کے لیے آب حیات تھا ۔ نہیں نہیں ۔ کائنات جن موذی و مہلک جراثیم سمیت سے مسموم ہو کر اپنی صلاح و فلاح سے مایوس ہو چکی تھی ۔ اُسکے لیے یہ ایک روحانی تریاق تھا ۔ جس سے انسانیت کا آسمان زمین اور زمین آسمان ہو گئی ۔ اور اجرام ظلم و معصیت باہم سر ٹکرانے لگے ۔ نظام بدامنی درہم برہم اور دنیا خواب مرگ سے دوبارہ زندہ ہو گئی ۔

کہیں قیامت کا صور پھونکا کہیں پکارا کہ دم باذنی
ہزاروں سوتے جگائے تو نے ہزاروں مُردے جلائے تو نے

مکتب عشق

عشق آمد و در بند تن مشقم بست — معشوق دوات و قلم را بشکست
فرمود کہ اے عاشق دیرینہ بدست — جز خال و خط و خیال ما نشتے ہست

زاہدو! کس دُھن میں بیٹھے ہو؟ عابدو! کس لگن میں لگے ہو؟ قبلہ کچھ یاد بھی ہے؟ کیا وعدہ کرکے آئے ہو۔ اور اب کیا کر رہے ہو۔ وہ معشوق حقیقی کے سومبر کا دن یاد ہے۔ جسکی شرط کو سنکر فرشتے کانوں پر ہاتھ رکھکر سربسجود گر گئے تھے۔ ارض و سما پر رعشہ طاری ہوگیا تھا۔ سر چکرا گیا۔ اور مُنہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ پہاڑوں کی کمریں ڈھیلی ہوگئیں اور سُن کے سُن کھڑے رہ گئے تھے۔ سمندر عرق خجالت سے پانی پانی ہوگیا تھا۔ اور اندر کا دم اندر اور باہر کا دم باہر۔ بات نہ کرسکا۔ اُس وقت آبنجاب ایسے منچلے اور جانباز نکلے کہ سب کو پیچھے چھوڑا اور چھاتی ٹھونک میدان میں ڈٹ گئے اور شرط منظور کرلی ۔

ہم دعوت کرتے ہیں تو مکر جاتے ہو۔ یا تاویلیں گھڑتے ہو۔ یا تجاہل عارفانہ کرتے ہو۔ اور اصل بات کو چبا جاتے ہو۔ کھا جاتے ہو۔ پی جاتے ہو۔ کاٹ ڈالتے ہو۔ اچھا تمہیں تسبیح دھلے کی قسم مگول ڈاڑھی اونچے پاجامے کی قسم۔ جُبہ قبہ کی قسم۔ شملہ دستار کی قسم سبز و محراب کی قسم۔ حور کی قسم غلمان کی قسم کچھ تو بتاؤ۔ اشارتاً کنایتاً۔ تشبیہاً تمثیلاً۔ وہ شرط کیا تھی؟ نماز تھی۔ روزہ تھا۔ زکوٰۃ تھی۔ حج تھا۔ زُہد تھا۔ تقوےٰ تھا۔ اگر فی الواقع یہی بات تھی تو ایسی کھلبلی کیوں مچگئی۔ فرشتے آسمان زمین وغیرہ سب کے سب کیوں ٹھٹک کر رہ گئے۔ یہ کام تو نہایت آسان اور سہل تھے ۔

جن ہستیوں کو عوارضات کا جھگڑا بکھیڑا نہیں اور جنکو سوائے بجا آوری فرائض اور کچھ

دھندا ہی نہیں نہ کھانا نہ پینا۔ نہ کھونا نہ سونا۔ نہ ملاقات نہ سماعت۔ نہ شادی نہ غم۔ اُن کے لیئے اِن فرائض کا شرط کے طور پر سر و ہونا کیا بڑی بات تھی۔ اور کو رہنے دو فرشتوں کو لیلو۔ یہ تو اب بھی شب و روز ایسے مشغلوں میں مصروف رہتے ہیں جس میں یہ شرطیں بدرجۂ کمال پائی جاتی ہیں۔ صائم الدہر ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ اور ایسا جو انسان سے ہو ہی نہ سکے۔ نہ بدنوں کا خوف نہ سیٹھ کے بچکولے۔ نہ قرنطینہ نہ ٹیکس۔ نہ مطوف کا اصرار۔ نہ زرعی سے جوتی پیزار۔ نہ حجامت نہ قربانی۔ ایک خلاصہ ہلکا پھلکا حج کر جاتے ہیں۔ ہاں البتہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ کیونکہ جن جن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے وہ آسمانوں پر نہیں ہوتیں بدیں وجہ فرشتے اس فرض سے بری الذمہ ہیں۔ ورنہ وہ اسکے ادا کرنے میں بھی قاصر نہ ہوتے اس سے پایا گیا کہ وہ شرط کوئی اور ہی کٹھن کام ہے جسکو سن کر عرش سے فرش تک سب کے دانتوں پر پسینہ آگیا۔

اب اس کے ظاہر کرنے میں کیوں پس و پیش کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دنیا کے عجائب خانہ کو دیکھکر بہموت ہو گئے ہو یا یہ بات ہے کہ حریر و قصور کا فوٹو دلپر کھچا رہتا ہے۔ جس کی محویت سے حافظہ پر جالا آگیا۔ مگر اپنی سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ جان تو جوئے میں لگا بیٹھے۔ بعد تمت ہکھیں کھلیں۔ اب ندامت کے مارے زبان پر نام لانا مشکل۔ اور کہہ نہ سنا تو جواب میں ارکان اسلام پیش کر دیئے تاکہ اگر کوئی بہیدی زبان ہلائے تو فوراً کفر و الحاد کی توپ اسکی طرف داغدیں۔

ہمارے آپس کے معاملات کی وعدہ خلافی کے بارے میں حکم ہے کہ سخت باز پرس ہوگی۔ واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا۔ مگر یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ جو وعدہ خاص اسی حکم دینے والے حاکم سے کیا گیا ہے۔ اسکو فراموش کر دینے والا کس سزا کا مستحق ہوگا۔ اور مزید برآں اگر کوئی خیر خواہ یاد دہانی کرائے۔ اُسپر آنکھیں نکالنی اور سونٹوں سے مارنا قسم قسم کی تاویلیں گھڑنی۔ اس کی جواب دہی کیا ہوگی۔ یہ پاپ کہاں بہرا جائے گا؟

کسیکو ہٹ لگی ہے کسیکو ضعداری مانع ہے۔ سب کو چھوڑ۔ ہم بتائے دیتے ہیں چاہے ماریں۔ چاہے چھوڑیں۔ وہ شرط درد عشق ہے۔ جسکو انسان ضعیف البنیان نے قبول کرکے حمل مالایطاق کا ثبوت دیا ؎

بلاگردان جولانت دل دیوانہ دارم بیالے سیل پاانداز نازت خانہ دارم

شاہد حقیقی نے جب دیکھا کہ اس مجمع میں جہاں پر ہزاروں بڑے بڑے مارقول خاں جمع ہوگئے یہ کہاں کا پنج ماراں آگیا جو اتنی بڑی بھاری شرط کو تولکر کھڑا ہوگیا۔ اسیوقت لب جاں بخش سے ارشاد ہوا کہ او ظالم او جاہل یہ چیز امانت ہے اسکا ذمہ دار ہوجانا دل لگی نہیں ہے اس کے حقوق ادا کرنے ہونگے۔ اور مکتب عشق میں تسلیم حاصل کرکے ڈگری لینی ہوگی۔ اس کے بعد وصال کی بات چیت ہوگی۔ اور اگر حقوق امانت میں کوتاہی کی اور امتحان عشق میں فیل ہوگئے تو یاد رکھو ابدالآباد آتش ہجر میں ڈال دیئے جاؤگے۔ اب کیا ہوسکتا تھا حضرت انسان سودے کو ہاتھ لگا چکے تھے۔ کسی انبالکا دی پی ہوتا تو واپس بھی کردیتے۔ مگر یہاں تو انگوٹھا لگوا کر فوراً پرچہ چاک ہوگیا ؎

نصاب تعلیم اور حقوق امانت کی یادداشت مجمع عام میں سنائی گئی۔ جسکو سنکر سب نے یک زبان قبول کرلیا۔ خدائی بھر میں منادی کی گئی۔ ڈھنڈورا پٹ گیا۔ بنی نوع انسان کے نام پرچے چھپ گئے۔ جسکا مختصر مضمون یہ تھا کہ چلو درسگاہ عشق کھل گیا۔ کالج کے لیے مکان اور باغ مفت دیا گیا۔ باغ کی پھلواری اور لکڑی وقف ہے۔ بورڈنگ کا انتظام اور لنگر کے مصارف خزانہ شاہی پورے کریگا۔ روشنی کا انتظام کافی طور پر کردیا گیا ہے۔ پانی سرکاری واٹر ورکس سے ہر جگہ مفت پہنچیگا۔ فرنیچر بعدہ دیگر اسباب آسایش فراشخانہ سلطانی سے ملاکرے گا۔ لڑکے بچھونے کے لیے کپڑے پوشاک لباس کے خلعت حسب پسند توشہ خانہ خاص سے عنایت ہوتے رہیں گے۔ نقد وظیفہ بطور خرچ روزانہ تقسیم ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ اسکے علاوہ وقتاً فوقتاً ہر قسم کی ضروریات پیش آیندہ کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا ؎

پرنسپل پروفیسر۔ مدرس۔ ٹیچر۔ ناظم۔ بورڈر۔ خدمتگار۔ چپراسی۔ بیرا۔ بھنگی۔ باغبان کامے سب سرکاری ہونگے۔ تمہے کوئی کچھ نہ مانگے گا۔ اگر کوئی کچھ مانگے تو جانو سرکاری نہیں۔ جھوٹا ہے۔ فریبی ہے۔ مکار ہے۔ دغاباز ہے۔ بناہوا ہے۔

اِس اعزاز اور ان رعایتوں کو دیکھکر فرشتے چراغ پا ہوگئے کہ کیوں ایسا کیا جاتا ہے انسان اِس کا مستحق نہیں ہے۔ لڑے گا۔ بھڑے گا۔ فساد کرے گا۔ خونریزیاں کرے گا۔ ارشاد نافذ ہوا کہ ٹھیرو۔ کیوں جامے سے باہر ہوئے جاتے ہو تم نہیں جانتے۔ کل کیوں پیچھے ہٹ گئے تھے۔ جب اُس غریب نے کمر ہمت باندھ کر ہماری امانت کا بوجھ اُٹھایا۔ اب تم ایسا کہنے لگ گئے چلو۔ اسکی سزا یہ ہے۔ ہمارے فدائی کو سجدہ کرو۔ بامتثال امر سب نے اِس خاکی نژاد کو سجدہ ادا کیا صرف ایک کمینہ بد اصل۔ مردود ازلی۔ مکار۔ ریاکار جو غیرجنس سے نکلکر ملائکہ میں چلا گیا تھا اپنی ہٹ پر اڑا رہا۔ جس کی اُسوقت سب جائد وضبط کرکے نہایت بے حرمتی سے نکالدیا گیا۔

اِس مسجود ملائک کو منصب تعلیم اور حقوق امانت کی یادداشت سپرد کرکے حکم ہوا کہ چند دنوں تک ہمارے یہاں مہمان رہو۔ ابھی مہمان ہی تھے کہ اُس مردود ازلی نے بہکاکر ایک لغزش کا مرتکب کرادیا۔ عتاب سلطانی نازل ہوا کہ نکلو ہمارے یہاں سے۔ تم یہاں رہنے کے قابل نہیں ہو جاؤ۔ اپنے کالج اور مدرسہ کی خبر لو۔ مکتب عشق کی رسم بسم اللہ ادا کرو۔

لوگ بتدریج آنے لگے اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔ کام میں دن بدن ترقی ہوتی گئی جیسے جیسے طلبہ زیادہ ہوتے گئے۔ ویسے ہی استاد اور ٹیچر بڑھا دیئے گئے۔ اور اختلاف طبائع اور ضرورت وقت کے مطابق نصاب تعلیم میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی۔ بڑی دھوم دھام سے کام جاری رہا۔ جو لوگ زیادہ غیر حاضر رہتے تھے۔ یا آرام طلب۔ اور عیش پرست ہوکر تعلیم کیجانب توجہ نہیں کرتے تھے۔ یا کرکٹ۔ ٹینس۔ فٹ بال میں منہمک رہتے تھے۔ اُنکو سخت سخت گوشمالیاں دیجاتی تھیں۔ مثلاً ایک یا دو حدود سے چند طلبہ کے سوا باقی تمام طلبہ کھیل کود میں ایسے غرق ہوئے کہ پڑھا پڑھایا سب فراموش کردیا۔ اور پروفیسر کے ساتھ بارہا گستاخی اور بے ادبی سے

پیش آئے۔ ناچار رپورٹ کی گئی تو بارگاہ عالی سے حکم ہوا کہ شاہی واٹر ورکس کا جنرل براس کا گ کھولدو۔ براس کا گ کا کھلنا تھا کہ جل تھل ایک ہوگیا۔ اور سب ڈوب گئے۔ صرف چند صالح اور نیک شاگرد جو پروفیسر مال میں جمع ہوگئے تھے بچ گئے۔ علی ہذا القیاس جب کبھی کسی موقع پر جنہا بندی ہوئی گوشمالی کیگئی۔ مگر پھر بھی متمدن طبیعتیں باز نہ آتی تھیں۔ بدچلنیاں کرتے تھے۔ بدمعاشیاں کرتے تھے معلموں اور استادوں کا کہنا نہ مانتے تھے گستاخیاں کرتے۔ بڑی دیوانہ بناتے۔ طرح طرح کی ایذائیں تکلیفیں پہنچاتے۔ رفتہ رفتہ ان کا گروہ اور جتھا نہایت زبردست ہوگیا۔ معلمین مجبور ہوگئے۔ اور ناچار اپنی مدت ملازمت پوری کرکے واپس ہوگئے۔ اب روئے زمین پر سوائے نامعقول جاہلوں کے ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو خط بھی پڑھ سکے۔ تمام مکانات اور باغات ناپاک اور برباد کردیئے۔ جن کمروں میں تعلیم عشق دیجاتی تھی۔ یک قلم بھنگڑ خانے بن گئے۔ امتحان سالانہ کے متبرک ایوان میں کتابوں اور صحیفوں کے بجائے پتھر ہی پتھر بھر دیئے۔

اب ایسا موقع تھا کہ معمولی کارکن دس بیس نہیں۔ سو پچاس بھی اگر ہوتے تو کچھ نہ کرسکتے۔ اس لیئے ایسے منتظم کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جسکی ہمت اور قابلیت اس بگڑے ہوئے کارخانے کو اُنگلی کے اشارہ سے سنوار دے۔ چنانچہ اس موقع پر اس حقیقی پرنسپل کی تقرری ہوئی کہ جس کی ذات بابرکات اس کارخانے کی علت غائی تھی۔ بڑی شان وشکوہ سے تشریف فرما ہوئے۔ اور آتے ہی ایک نعرۂ اللہ اکبر کا ایسا لگایا کہ ساری خدائی ہل گئی۔ بوڑھے سے لیکر بچے تک سب خواب غفلت سے چونک پڑے۔ نہا دھو کر درسگاہ میں آنے شروع ہوئے مکانات اور باغوں کی صفائی کردی گئی۔ کوڑا کرکٹ سب للگ کردیا گیا۔ اونچے نیچے مقام برابر کردیئے گئے۔ پتھر کنکر چن چن کر نکالدیئے گئے۔ پرانی عمارتیں مسمار کرکے نئی عمارتیں تعمیر کیگئیں اور اس اکیلی طاقت نے وہ کام کیا جو اس سے پیشتر سو دو سو ملکر بھی نہ کرسکے۔ نصاب تعلیم جدید وہ مرتب اور رائج کیا گیا کہ جسکے بدلنے کی آئندہ کبھی ضرورت نہ پڑے۔ درجہ بندی کیگئی

اور ایک نیا درجہ جو اب تک نہ کھلا تھا۔ بنام تکمیل العشق کہلا گیا۔ جسکا دوسرا نام مختصر تار خبر کے لیئے درد ہے۔ اور یہی اُس امانت کا مقصود اصلی ہے۔ اور اسی امانت کے لیئے حضرت انسان یہاں پر تشریف فرما ہوئے ہیں۔ وہ امانت نہ نماز ہے نہ روزہ۔ نہ حج نہ زکوٰۃ نہ صبر نہ رضا نہ تسلیم۔ جس انسان میں درد و عشق نہ ہو وہ خود کتنا ہی پابند صوم و صلوٰۃ صابر و شاکر ہو۔ حقوق امانت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ؎

ہزار سال عبادت کند نمازی نیست کسیکہ عشق نباشد خدائے راضی نیست

پکا مسلمان وہ ہے جسکے دل میں درد و عشق ہو۔ انسان کا اشرف المخلوقات ہونا محض اسی درد کی وجہ سے ہے۔ ورنہ وہ طاعات و عبادات میں ملائکہ سے کسیطرح بھی بازی نہیں لیجا سکتا اور یاد رکھو۔ عبادت بے عشق جسم ہے بے روح۔ اور عشق بلا درد تیغ ہے زنگ آلود ؎

جو لوگ عبادت و درستی اخلاق محض کو وصول الی المطلوب کا ذریعہ خیال کرتے ہیں وہ بڑی بھاری غلطی میں ہیں۔ حکماء کی تالیف دیکھو۔ اُن سے اچھی درستی اخلاق کون کریگا اور وہ بھی عمر بھر تکلفات کرتے کرتے مر گئے۔ مگر عشاق کے سے اخلاق پیدا نہ کر سکے۔ جب سلطان عشق قبضہ جماتا ہے۔ اخلاق ظاہری اور باطنی ایسے منجھ جاتے ہیں جیسے تلوار اور احکام شرعی تو جوڑ جوڑ میں پچ جاتے ہیں۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ طاعات اوامر و نواہی تو امتحان وفا کے لیئے ہیں۔ اور درستی اخلاق اداشناسی کے لیئے۔ اور یہ دونوں صفتیں عشاق کے سوا اور کا حصہ نہیں ہے۔ اور یہ دونوں صفتیں جس میں نہ ہوں وہ عاشق نہیں ہے ؎

خرقہ زہد و جام مے گر بچہ در خور من است ایں ہمہ نقش میسنجم در طلب وفائے تو

اس وقت اسلام میں جسقدر خرابیاں نظر آرہی ہیں۔ وہ جذبۂ عشق کے نہ ہونے یا جادۂ عشق سے بہک جانیکے باعث واقع ہوئی ہیں۔ ہمارے کرمفرما دنیا طلب مولنا صاحب جن کا ایک جم غفیر گلہ بے چوپاں کی طرح انڈیا شریف میں پل رہا ہے علم کے پشتارے

پیٹھ پر لادے پھر رہے ہیں۔ اور حقیقت حال سے بیخبر ہیں۔ اتنا نہیں معلوم کہ اس انبار میں لکھا ہوا کیا ہے۔ جس کتاب پر نظر ڈالتے ہیں سوائے مضامین کفر و الحاد کے اور مضمون پر نظر ہی نہیں جمتی۔ ذرا کسی کا لب ہلا۔ اُسیوقت کفر کا ریو الور اُسپر سر کر دیا۔ طبقۂ عشاق (صوفیائے کرام رح) میں لاکھوں عالم۔ کروڑوں فاضل۔ ہزاروں مجتہد۔ سیکڑوں امام گزرے ہیں۔ اور بیسیوں مختلف خانوادے باختلاف مسائل فروعی موجود ہیں۔ مگر شاذ و نادر ہی کسی نے کسی کو کافر ملحد کہا ہو۔ اپنے حال میں طرح طرح کی بولیاں بول رہے ہیں۔ اُسپر ممکن کیا ہے کوئی لب ہلا دے۔ اِس کی وجہ خاص عشق و درد ہے۔ عاشقان الٰہی اپنے آپ سے سب کچھ اچھا جانتے ہیں عشق حقیقی میں رقابت کا نام تک نہیں ہے۔ عاشقان الٰہی ایک دوسرے سے اِس طرح ملتے ہیں۔ جیسے عاشق و معشوق۔ اور عاشق مجازی رقیب سے اِس طرح ملتے ہیں جس طرح کوئی کُتّے کو اینٹ مارے! اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا کے عاشق جو ایک دوسرے کو کافر ملحد بنا رہے ہیں عاشق مجازی ہیں۔ اور یورپ والے عاشقوں کیطرح دنیا کے لیئے ڈوئل لڑتے ہیں۔ کیونکہ جب کبھی کسی عجم العلوم سے بھی پوچھا گیا ہے کہ آپ کیوں فلاں کی نسبت ایسا فرماتے ہیں تو جواب یہی ملتا ہے کہ ہمارا فرض ہے۔ ہم جب کسی میں نقص اور کجروی دیکھیں گے۔ اُسپر فتوے دیں گے۔ طرہ یہ ہے کہ دوسرے سے بات چیت کرو تو اُدھر بھی ایسا ہی ایک فتوے مُہروں سے مزین تیار دھرا ملے گا۔

یا الٰہی! قصہ کیا ہے۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ یہ دنیا کے عاشق ہیں وہ اسکو رقیب کہتا ہے۔ یہ اُسکو رقیب بتاتا ہے۔ اگر ان میں عشق حقیقی کی ذرا سی بھی بو آجائے تو کتب خانہ کی جس کتاب کو کھولیں بجز جلوۂ دلدار اور کچھ نظر نہ آئے اور سب جھگڑے اور قاتیں اُٹھ جائیں۔ دیکھو سلطان المدارس نظامیہ کالج دہلی کے ایک اعلیٰ گریجویٹ دستار بند اپنی طالب علمی کا زمانہ یاد کرکے کیا فرماتے ہیں ؎

از منطق و از حکمت جز عشق نفہمیدم — چندانکہ نظر کردم شبہا بکتاب اندر

اگر جبریہ بھرتی کا قانون انڈیا میں رائج ہوا تو ہم گورنمنٹ کی خدمت میں دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ سب سے پیشتر ان بیکار لوگوں کو محکمہ جنگ میں جگہ دے اور جو اس قابل نہوں۔ اُن سے محکمہ لکھوایا جائے کہ وہ سال بھر میں دو بار نظامیہ اور صابریہ کالج میں تعلیم عشق حاصل کیا کریں تاکہ تعلیم عشق دیکر اُن کو فتنہ و فساد برپا کرنے سے باز رکھا جائے ۔

احقر مراقب ربانی چشتی صابری۔ از بریلی

شامِ زندگی

دوسرا ایڈیشن

شام زندگی جس قدر پہلی دفعہ چھپوائی تھی، الحمد للہ کہ صرف ایک مہینے میں نکل گئی اور اب دوبارہ تیار ہوئی ہے۔ جن ناظرین نظام المشائخ نے اسے ابھی تک نہ منگایا ہو وہ اور دیر نہ لگائیں۔ فوراً درخواستیں بھیجدیں، ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ یہ کتاب مولانا [illegible] (دامت العالی) کی بہترین تصنیف ہے اور ہر عورت مرد کے لئے اسکا دیکھنا موجب خیر [illegible] اسکا مصنف خواجہ حسن نظامی ہو یا ظفر علی خان اور تمام اسلامی و غیر اسلامی اخباروں رسالوں کے ایڈیٹر اسکی تعریف میں یکتا ہیں۔ یہ [illegible] سرکاری اور قومی مدارس کے نصاب میں اسے داخل کر لیا جائے۔

ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جائیے۔ کوشش کیجئے کہ شام زندگی آپ کے [illegible] کا ایک فقرہ تیر و نشتر کا کام نہ دے اور ہم کہنا نہ سکیں کہ ہو تو ہو پسند نہ آئے۔ قصہ کا سیدھا سادہ طرز تحریر، مرقع کی اردو، مفید باتیں، پڑھو تو لطف دے، اور

المشتہر منیجر نظام المشائخ دہلی

[illegible] علاوہ محصول ڈاک

۸۶

عبرت

(گزشتہ سے پیوستہ)

جیساکہ میں سطور بالا میں لکھ چکا ہوں کہ سیکڑوں آدمی ہر وقت ہمارے گرد و پیش رہتے اور کام کرتے تھے۔ لہذا اس عبرتناک نظارہ کو اُن سب نے دیکھا اور وہ سب بیحد متاثر تھے۔ کوئی زبان سے توبہ توبہ کرتا۔ کوئی اس مُردے کے ناری ہونے پر استدلال کرتا الغرض طرح طرح کے خیالات ظاہر کیے جاتے تھے۔ کچھ تو پہنچنے سے ہی وہاں پر اس نظارہ کو دیکھنے کے لیئے بہت سے آدمی جمع تھے۔ پھر جیسے جیسے جانے پر اور بھی مجمع کثیر ہو گیا مجھے وہاں دیکھکر میاں قدرت شاہ ٹھیکہ دار بھی آگئے۔ جن کے اجارے میں اُس موقع پر نہر کی کھدوائی کا کام تھا۔ میاں صاحب مذکور پشاور کے رہنے والے ایک معزز آدمی ہیں۔ انہوں نے "امر بالمعروف" پر مختصر سی گفتگو کرنیکے بعد ایک قبر کیطرف اشارہ کیا جو مذکورہ بالا قبر سے چوتھے نمبر پر اسی قطار میں واقع تھی۔ اور کہا کہ آپ اپنے مستری کو حکم دیں کہ پہلے اسکو کھدواڈالے کیونکہ ادھر میرا کام شروع ہے۔ اور کام میں حرج ہوتا ہے۔ اُس کے کہنے پر میں لپک کر اُس قبر پر جا پہنچا۔ وہ اسقدر کہنہ تھی کہ امتداد زمانہ سے اُسکی خام ڈھیری گھس گھس کر بالکل سطح زمین کے برابر ہو گئی تھی۔ مگر بیٹھی نہ تھی۔ جیساکہ خام قبریں عموماً بارش کا پانی پڑنے سے بیٹھ جایا کرتی ہیں۔ اور بادی النظر میں قبر نہیں معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ میں نے ازراہِ استعجاب میاں قدرت شاہ صاحب سے کہا کہ کیا یہ قبر ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو میں نے پھر غور سے دیکھا تو کچھ کچھ آثار قبر کے پائے گئے۔ چونکہ اُس کا مُردہ تو پیوند زمین ہو چکا تھا۔ پھر کس امر نے اُسکے قبر ہونے کی شناخت کرائی: وہ عرف اُسکا بیضوی گھیرا تھا جیساکہ ہمارے ملک میں ⬭ اس شکل کا ہوتا ہے۔ اور اُس بیضوی

گھیرے کا نشان بھی عجب طور سے معلوم ہوا یعنی کہ اُس گھیرے کے اندر کی زمین کی رنگت میلی سی اور تر تھی بمقابلہ دوسری قریبی زمین کے جو خشک اور سفید تھی کیونکہ موسم بالکل خشک تھا اور زمین کلیتہً بے آب پڑی تھی۔ صرف اُس بیضوی خط کے اندر کا حصہ تر اور میلا ہونا اور باہر ایک بال بھر بھی ایسا نہ دیکھنا کچھ عجیب معاملہ تھا۔ چنانچہ یہ حالت دیکھکر میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا کہ بیضوی خط کے اندر کا حصہ جو قبر کی زمین ہے اسکی رنگت ایسی کیوں ہے۔ حالانکہ باہر ایک بال بھر زمین ایسی نہیں ہے۔ اور پھر ایسی احتیاط سے چھڑکاؤ کیوں کیا گیا ہے کہ ایک چینٹ تک اس خط سے باہر نہیں گرنے دی۔ اس سوال کے پیدا ہوتے ہی معاً طبیعت نے اندر ہی اندر یہ جواب دیکر مجھے مطمئن کر دیا کہ اس موقع پر ہم نے مٹی ڈھونے کی گاڑیاں چلانیکے لیے چھوٹی ریلوں کی ایک پٹری بنائی تھی جو حال ہی میں اکھاڑی گئی ہے شاید اس سلسلہ میں یہاں پر تیل کا کوئی پیپہ گر گیا ہو۔ جس کی رنگت کا اُسوقت تک باقی ہے۔ اندر ہی اندر یہ سوال و جواب کرکے میں نے اپنا اطمینان کر لیا اور مستری فضل الرسول سے کہا کہ پہلے اس قبر کو اکھاڑ ڈالو تاکہ میاں قدرت شاہ کا کام رُکنے نہ پائے۔ اُس نے جواب دیا کہ آج تو کام اس حصے میں شروع ہے۔ کل انشاء اللہ صبح آتے ہی پہلے اس قبر کو اکھڑوا دوں گا آج کا دن یہ لوگ دوسری طرف کام کریں۔ میاں قدرت شاہ بہت اچھا کرکے چلے گئے اور میں نے بھی حیرت و استعجاب سے بھری ہوئی ایک نگاہ غلط انداز سی اُس آتشین قبر پر ڈالی۔ اور قبرستان سے باہر نکل گھوڑے پر سوار ہو اپنی راہ لی۔ چلنے کو تو میں چلا گیا مگر دل کی آنکھ اُس قبر کی جانب لگی ہوئی تھی۔ تمام دن اور تمام رات وہ آتشین خیالات دماغ پر محیط رہے اور ۲۴ گھنٹے عجب کشمکش میں گزرے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اگلے روز میں نے حسب عادت پہر آٹھ نو بجے صبح قبرستان کی راہ لی۔ اور فرض منصبی ادا کرنے

کے لیئے روانہ ہوگیا۔ اثنائے راہ میں اُن خیالات نے دل پر اور بھی استیلا کیا۔ آخر قبرستان کے احاطہ کے قریب پہنچکر گھوڑا روک لیا۔ ارادہ تھا کہ گھوڑے پر کھڑے کھڑے مستری سے کچھ دریافت کرکے واپس چلا جاؤں کہ مستری نے مجھے دیکھکر دور ہی سے آواز دی کہ گھوڑے سے اُتر آیئے اور خدا کی قدرت کا تماشا آج نئے رنگ میں دیکھئے یہ سُن کر میرے دل کی حرکت تیز ہوگئی اور میں کانپتے ہاتھوں کے ساتھ گھوڑے کی زین سے سنبھالکر نیچے اُترا۔ جب میں اُس موقع پر پہنچگیا۔ جہاں میرے آدمی کام کر رہے تھے۔ تو مستری فضل الرسول نے ایک قبر پر مجھے لے جاکھڑا کیا اور کہا کہ یہ وہی قبر ہے جس کی نسبت حسب ایمائے میاں قدرت شاہ آپ کل حکم دے گئے تھے۔ اسکے اندر ملاحظہ کیجئے کہ کیا چیز ہے۔ جب میں نے ذرا جھکر اُسکی لحد کے گڑھے میں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُسمیں پانی کھڑا ہے۔ اور کھودی ہوئی مٹی تمام کیچڑ گارا رہے۔ یہ ماجرا دیکھکر میرے ہوش حواس باختہ ہوگئے۔ اور فی الفور میں نے بھرائی ہوئی آواز میں اُس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ اور اسکے اندر سے کیا کچھ برآمد ہوا؟ اُس نے کہا کہ سطح زمین سے لیکر لحد کے تلے تک گیلی مٹی اور کیچڑ گارا نکلتا آیا۔ اور اب صاف پانی ہے۔ مُردے کی ہڈیاں بھی اس پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ یہ وہی پانی کھڑا ہے۔ اب دیرینہ معمہ میری سمجھ میں آیا جسے میں اوپر رقم کرآیا ہوں کہ جب میں نے میاں قدرت شاہ کے ایما پر اُس قبر کو دیکھا اور اسکے قبر ہونے میں اشتباہ ظاہر کیا تھا تو اس کا میلا اور تر بیضوی گھیرا اسکے قبر ہونے پر دال ہوکر میرے اطمینان کا باعث ہوا تھا۔ بخدائے لایزال مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اُس بیضوی خط سے ایک بال بھر باہر زمین تر نہ تھی۔ خاص طور سے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے مصنوعی طور سے اُس بیضوی خط کو لگاکر اندر کی زمین کو تر کر دیا تھا مگر اب ثابت ہوگیا کہ صانع قدرت کے ہاتھوں نے ایسا کیا تھا۔ بس ع

سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا،

کل آتشین قبر کا اور آج آبی کا دیکھنا میرے دل غم آشنا پر ایسا موثر ہوا کہ عالم برزخ کے ان کرشموں کو دیکھکر جی بیٹھا جاتا تھا۔ ان ضدین عناصر آب و آتش کے نظاروں کا قبر کے اندر دیکھنا دل مضطر کے متوحش کرنیکے لیئے کوئی معمولی بات نہ تھی۔ دماغ میں بجائے آتشین خیالات کے اب آبی خیالات بھی گونجنے لگے۔ اور اُنھوں نے میری حالت سرسامی کی سی کردی۔ میں جس پژمردگی کے ساتھ قبرستان سے باہر نکلا میرا دل ہی جانتا ہے۔ اسی حالت میں اپنے کام پر چلا گیا۔ مگر دل دنیاوی زندگی سے بیزار اور نہایت آزردہ تھا۔ دیکھا جو کچھ دیکھنا تھا۔ مگر قبرستان کے عجائبات کی سیر کے لیئے دل کو ایک لو لگ گئی۔ ہر روز جاتا اور مستری سے سوال کرتا کہ کچھ اور دیکھا ہو تو بتاؤ۔ مگر وہ بناوٹی طور پر کہاں سے دکھا سکتا تھا۔ چند روز گزرے تھے کہ ایک روز میں معمولاً گیا تو مستری نے پھر فرمایش کی کہ قبرستان کے اندر آجایئے۔ آج ایک اور تماشا آپ کو دکھائیں۔ یہ سنکر میں جھٹ پٹ گھوڑے سے اُترا اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ موقع پر پہنچا۔ اور نہایت ہی بے صبری اور اضطرار کے عالم میں مستری سے دریافت کیا کہ کہو کیا ہے؟ اس نے ایک قبر مجھے دکھائی اور ساتھ ہی ایک مزدور سے کہا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ گٹھڑی اُٹھالاؤ۔ وہ اُٹھالایا جو کفنانے کے کپڑے میں بندھی تھی۔ اُسے کھولا۔ اور بیان کیا کہ یہ کیلے اس قبر سے برآمد ہوئے ہیں۔ میں نے انکو بنظر غائر دیکھا جو نہ لکڑی کے کوئلہ کی مثل تھے اور نہ پتھر کے کوئلہ کی مانند بلکہ صریحاً دکھائی دیتے تھے کہ ہڈیاں اور گوشت جلکر موٹے موٹے ڈھیلے بنے ہوئے ہیں مگر لطف یہ کہ لحد کے اندر آگ جلنے کا یا کسی قسم کی راکھ کا کوئی نشان نہ تھا۔ معمولی مٹی تھی اور بس۔ یہ تماشا بظاہر سابقہ ہر دو واقعات سے بھی عجیب تر تھا کہ جلا ہوا گوشت۔ اور ہڈیاں کوئلوں کی شکل میں متمثل ہوکر موجود ہیں۔ مگر آگ جلنے کا کوئی نشان نہیں سبحان اللہ علی کل شیٔ قدیر۔

وہ بغیر آگ کے جلا سکتا ہے۔ اور بغیر پانی کے تر کر سکتا ہے۔ کون ہے جو اُس کی

قدرتوں کے اسرار کو جان سکتا ہے۔

آج میں جدید خیالات کی ایک بڑی زبردست لہر اپنے دل و دماغ میں موجزن پاتا تھا۔ اور خدا کی قدرتوں کے عجائبات اور عالم روحانی کے مکاشفات کے اوراق اپنی آنکھوں اور دل کے سامنے کھلے ہوئے دیکھتا تھا۔ حیرت اور خوف کے دریا میں اپنے آپکو مستغرق پاتا تھا۔ خیر جو کیفیت گزری سو گزری۔ کام کرتا رہا۔ اور قبرستان میں حاضری بھرتا رہا۔ آخر جب کام قریب الاختتام ہوا۔ اور شاید ایک دو روز کا مشغلہ باقی رہ گیا تو ایک روز پھر میرے مستری نے مجھے ایک قبر دکھائی اور بیان کیا کہ آج جب اس قبر کی لحد کو کھولا گیا تو مردہ کی ہڈیوں پر کئی ایک سانپ لپٹ رہے تھے۔ مزدوروں نے دیکھتے ہی شور مچا دیا۔ میں لپک کر آیا اور خود اپنی آنکھ سے سانپوں کو دیکھا۔ مزدور سانپوں کو دیکھ ڈر کے مارے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ سانپ بھی موقع پاکر آس پاس کی جھاڑیوں میں چلدیئے۔ یہ سنکر میں نے کہا کہ لاؤ وہ ہڈیاں مجھے دکھاؤ۔ انہوں نے ہڈیاں مجھے دکھائیں۔ دیکھنے سے پیشتر میں نے گمان کیا تھا کہ شاید وہ تازہ ہڈیاں ہوں۔ اور سانپ کسی چاٹ کے لالچ سے انپر جمع ہو گئے ہوں۔ مگر جب میں نے انکو ہاتھ سے چھوا تو وہ بالکل بوسیدہ نہیں جو ذرا ملنے سے خاک ہوئی جاتی ہیں۔

الغرض ان عبرتناک وقائع کے ساتھ قبرستان کا کام بالآخر انجام کو پہنچا جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ یہ واقعات کوئی مخفی راز نہ تھے۔ بلکہ سب کچھ عالم نشرح علی رؤس الاشہاد ہیسیوں اور سیکڑوں اشخاص نے برای العین دیکھے (فاعتبروا یا اولی الابصار)

(۷) مختلف اوقات میں متعدد مواقع پر گوناگوں محافل میں اسکا تذکرہ کرنیکا مجھے اتفاق ہوا ہے۔ سامعین میں وہ اصحاب بھی تھے جو میری عادت و خصائل سے واقف تھے کہ میں کس قماش کا آدمی ہوں۔ اور وہ بھی کہ جن سے مجھے شرف نیاز حاصل نہیں جو اصحاب میرے آشنا تھے وہ خوب جانتے ہیں کہ میں کوئی پیر یا صوفی نہیں ہوں کہ اس قسم کی

باتیں من گھڑت بناؤں جو میری رونق بازاری یا شہرت کے ازدیاد کا باعث ہوں میں تو خود ایک گنہگار دنیادار ہوں۔ پھر بھی ایک واقعہ کو سن کر اسکے صدق وکذب دونوں پہلوؤں کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اور ایسا ہی میرے ساتھ بھی پیش آیا کہ بعض اصحاب نے اپنی صفائے باطن سے فوراً اسکو صحیح تسلیم کر لیا۔ اور بعض نے تکذیب ظاہر فرمایا۔ اور بعض نئی روشنی کے فلاسفروں نے اپنا فلسفہ اور سائنس لاواخل کیا کہ آتشیں قبر میں مردے کی ہڈیوں کی فاسفورس کا مادہ جل اُٹھا ہوگا۔ اور اُن ہڈیوں کو جلا کر بھسم کر دیا ہوگا۔ مگر العجب ثم العجب کہ اتنے بڑے قبرستان میں صرف ایک ہی مردہ ایسا گاڑا گیا کہ جس کی ہڈیوں میں فاسفورس کا انبار جمع تھا۔ حالانکہ تمام ہڈیوں میں کم وبیش فاسفورس ہوتی ہے۔ آبی قبر کے وقوعہ کو سن کر گمان کرنے لگے کہ یہ تو بالکل معمولی بات ہے کہ وہاں کوئی پانی کا چشمہ ہوگا۔ مگر ناظرین کو یاد ہوگا کہ میں ظاہر کر چکا ہوں کہ جون کا مہینہ لُو کے دن اور موسم بالکل خشک تھا۔ پھر وہ جگہ پانی کی سطح سے قریباً سو فٹ اونچی تھی۔ کیونکہ نہر کی گہرائی وہاں سے سو فٹ کے قریب تھی۔ اور زمین کا طبقہ Shingle in sand ریت میں گول پتھروں کی آمیزش سے بنا ہوا تھا جہاں پانی کی ایک بوند بھی پڑے تو ایک لحظہ میں نیچے پہنچ جائے۔ اور پھر خاص اُسی قبر کے اندر پانی کا نمودار ہونا اور بیضوی دائرہ کے اندر ہی اندر اُسکا اثر دکھائی دینا۔ یہ تمام مستدلالات فیلسوفوں کے اس خانہ ساز فلسفہ کو تار تار کر دیتے ہیں۔ گھر میں بیٹھکر توہمات سے دلائل باطلہ دنیا کجا اور آنکھوں سے تجربۂ مشاہدہ کرنا کجا۔ بالفرض وہاں پر کوئی چشمہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو اولاً خدا جانے وہ کب سے جاری ہوگا۔ آخر اُسکا کوئی منبع بھی دکھائی دیتا۔ جب ہم لوگوں نے یہ عجیب واقعہ دیکھا تو خدا کے فضل سے اسقدر ادراک ہم میں بھی تھی کہ شاید یہاں پر کوئی سوت ہو۔ دیکھ لیا جاوے۔ مگر واللہ کوئی نشان نہ ملا۔ اگر ایسا ہوتا تو حیرت واستعجاب کی ضرورت تھی کیا تھی۔ پھر اُس چشمہ کو اس پابندی وباقاعدگی کا حکم کس نے دیا کہ اُسکا اثر اُس قبر کے

بیضوی دائرے تک محدود رہے۔ اور باہر ایک ریشہ بھی نہو۔ ہاں ہاں یہ ضرور چشمہ تھا مگر ایسا نہ تھا جو ان کج فہم فلاسفروں نے گھر بیٹھے فرض کر لیا ہے بلکہ وہ ایک فیضان رحمت باری تعالیٰ کا چشمہ تھا جسے اس قبر کے احاطہ کے ٹھنڈا کرنیکے لیئے جاری کیا گیا تھا۔ اور اسکو تاکیدی حکم تھا کہ خبردار! ایسی ہوشیاری سے جاری رہنا ہوگا۔ کہ اس قبر کے احاطہ سے ایک بال بھر قدم باہر نہ ہو۔

پھر تیسری قبر میں سے ہڈیوں اور گوشت کا مخلوط ہو کر کوئلوں کی شکل میں متشکل ہونا۔ مگر آگ جلنے کا کوئی نشان نہ پایا۔ آخر جس آتش نے انہیں جلایا تھا۔ اسکو کسی احکم الحاکمین کا فرمان واجب الاذعان تھا کہ اسکی لو یا شعلے کا کوئی نشان لحد کی دیواروں چھت یا فرش پر نہ رہے۔ اور مُردے کے وجود کے مختلف اندازہ و مقدار کے نرے کوئلے ہی تیار ہو جائیں مگر خبردار! کوئی جزو اسقدر جلنے نہ پائے کہ راکھ کی شکل اختیار کرے بلکہ کاربن کے ڈلے تیار ہو جائیں۔ اللہ اکبر! کیا قدرت کے کرشمے ہیں اور کن کن حکمتوں کی رمز ہیں۔ کیا آجتک کسی انسان نے کوئی آگ ایسی جلتی دیکھی ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی قدرے قلیل کیوں نہو کہ اس کا کچھ نہ کچھ جزو راکھ نہ بنا ہو۔ چہ جائیکہ وہ آگ جو فاسفورس کا مادہ مشتعل ہونیسے خود بخود جل اُٹھے۔ اور پھر جب انسان کا اتنا بڑا وجود جلایا گیا تو یقیناً دھواں ضرور اُٹھا ہوگا۔ اور اس لحد کے تنگ و تاریک خانہ میں ضرور بھر گیا ہوگا۔ مگر اُسکا بھی کوئی اثر دیواروں پر نہ تھا۔ اور اتنے بڑے وجود کے جلنے سے ایک جزو کا راکھ ہونا۔ لازمی امر تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ نہ معلوم حکیم مطلق کی کس جانسوز برق نے اس میت کے خرمن وجود کو اس حزم و احتیاط سے جلایا کہ دھوئیں اور راکھ کی کیا بساط تھی جو بن اُسکے حکم کے اپنا نشان چھوڑ سکتے۔

چوتھی قبر پر تو معترض فلاسفر بہت آسانی سے اعتراض وارد کر سکتا ہے۔ اور کہہ سکتا ہے کہ یہ تو ایک معمولی بات ہے کہ کوئی مادہ سائب اُس قبر کے اندر گھس کر اینڈے

بچے دے گئی ہو۔ اور وہ اُسی جگہ پر پرورش پاتے ہوں یا اتفاق کی بات ہو کہ چند سانپوں نے باہم مشورہ کرکے اُس غریب مردہ کی ہڈیوں کو سینا شروع کردیا ہو۔ مگر ہاں ان دونوں صورتوں کا احتمال تجربۃً غلط ثابت ہوا۔ اگر بالفرض کوئی سانپن وہاں پر بچے دے بھی گئی تو بچے اتنے بڑے بڑے سانپ بن جانے پر بھی وہاں کیوں پڑے رہے۔ حالانکہ وہاں پر اُن کی خوراک کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اور نیز یہ اُنکی طرز ماندوبود کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ حشرات الارض وغیرہ کا قاعدہ ہے کہ جب اُنکے بچے چلنے پھرنے کے قابل اور آپ اپنی خوراک تلاش کرنیکے لائق ہوجاتے ہیں تو اپنی اپنی راہ لیتے ہیں مگر یہ سانپ پورے قد کے ہونے تک جو تین تین چار چار فٹ لمبے تھے۔ کیوں وہاں جمع رہے۔ اور نہ یہ قرین قیاس ہے کہ سخت گرمی کے موسم میں اسقدر سانپ اکٹھے کرنیکے لیئے اُس مُردے کی ہڈیوں کو سیج بناکر مجتمع ہوئے ہوں اور کوئی خاص زندہ لیکچر پاس کرنے بیٹھے ہوں۔

تاہم اگر مان بھی لیا جائے کہ ان میں سے ایک صورت صحیح بھی ہے تو قبر کے باہر دل کا کوئی سوراخ موجود ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کو انگشت بجیرت ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بہت آسانی سے کہا جاسکتا تھا کہ اُن کا بل موجود ہے کسی وجہ سے اندر گھس گئے ہوں گے۔

خیر اگر باہر کی جانب اُن کا بل نہیں تھا تو نہ سہی اندر کیجانب کوئی چور دروازہ تو ضرور ہوگا جسکا تعلق بیرونی دنیا سے ہونا لازمی ہے۔ مگر ایسا بھی نہیں تھا۔ ہم نے ہرگز ہرگز اُن کا کوئی سوراخ لحد کے اندر بھی نہیں دیکھا۔ مانا کہ کوئی سوراخ اندر کی جانب ضرور ہوگا۔ مگر ہمیں دکھائی نہیں دے سکا تو یہ تو فرمایئے کہ قبر کھودتے وقت تو کسی کو علم نہ تھا کہ اسکے اندر سانپ بھرے ہوئے ہیں۔ اسکو بہت آہستہ آہستہ کھودنا چاہیئے کہ سانپ بھاگنے نہ پائیں۔ بلکہ بلا دھڑک کسیوں اور کدالوں کو کھٹا کھٹ استعمال کیا جاتا تھا

اور جوانوں کے قوی بازو کی طاقت سے آس پاس کی زمین لرز جاتی تھی۔ تو یقیناً سانپوں کو بھی یہ آواز اور دھماکے پہنچے ہوں گے پھر اس خطرہ کی خبر پاکر اُس چوراستہ سے کیوں باہر نکل گئے۔ بلکہ لحد کا منہ کھلنے پر دنیا کو یہ عبرتناک سانحہ دکھا کر آخر لحد کے منہ سے فِفرّ ہوئے۔ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (اے رسولؐ کہدے کہ حق بات ظاہر ہوگئی ہے اور جھوٹ مات ہوگیا یقیناً جھوٹ کو ہمیشہ مات ہوا کرتی ہے)

(۸) خاص خاص امور میں شکوک وشبہات انسانی فطرت کا تقاضا اور بشری کمزوری کا خاصہ ہے۔ عالم موجودات اور دنیاوی زندگی میں سینکڑوں صنائع وبدائع انسانی دماغ کی ایجاد و اختراع ہیں مگر ہزاروں لاکھوں انہی جیسے انسان ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ تاربرقی اور بے تار کو خبر رسانی کے اصول ہی کو دیکھ لیجئے کہ جن کو ہمارے ملک کے لاکھوں انسان دانایانِ فرنگ کی کرامت خیال کرتے ہیں، اور خود اُن کے فہم سے بالکل عاجز ہیں۔ اسی طرح کی بیسیوں ایجادات ہیں کہ انسانی اختراعات کو ابھی نوع کے انسان ہی نہیں سمجھ سکتے جو اسی عالم میں اُن کے سامنے موجود ہیں۔ ظاہری و باطنی حواس سے انہیں محسوس کرسکتے ہیں۔ پھر بھی وہ ان کی فہمید سے بالاتر ہیں۔

پس جب عالم مخلوق کے اندر اپنے جیسے انسانوں کی مصنوعات کو نہیں سمجھ سکتے تو خدائی صنائع وبدائع پر بھلا ان کا ذہن کب حاوی ہوسکتا ہے۔ بڑ کا بیج خشخاش کے دانہ کے برابر ہوتا ہے۔ مگر اس میں سے کتنا بڑا تناور درخت اُگ آتا ہے۔ سوکھی ہوئی لکڑیوں میں سبز پتے خوش نما پھول اور لذیذ میوے کہاں سے لگ جاتے ہیں کیا کوئی انسان آج تک اسے سمجھا ہے حالانکہ یہ سب کچھ اُسکی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے مگر اُسکے ادراک سے بالکل عاجز و قاصر ہے۔

کروڑہا انسان پیدا ہوئے اور مر گئے۔ کروڑہا موجود ہیں آجتک ایک کی صورت دوسرے سے نہ ملی اور نہ ملیگی کیا کسی فلاسفر کی فلاسفی اس کا کچھ جواب دے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کو بھوک لگتی ہے۔ پیاس لگتی ہے۔ درد ہوتا ہے۔ نیند آتی ہے۔ کیا کسی انسان نے ان کے وجود کو دیکھا یا ہاتھ سے محسوس کیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ اسکے وجود کے اندر موجود ہے اور ہر روز ان کی کیفیت سے متکیف ہوتا ہے۔ انسان کس قدر کمزور اور کتنا بے عقل ہے کہ اُن وجودوں کی حقیقت اور ماہیت تو بتا نہیں سکتا جو خود اُس کے وجود کے اندر ہیں یا اسکی آنکھوں کے سامنے ہیں تو اس کی کیا بساط ہے کہ عالم امر کی روحانی کیفیات کو جان سکے الا ماشاء اللہ۔

(۹) اس اندھی روشنی کے زمانہ میں تو اس قدر طوفانِ بے تمیزی بپا ہے کہ الامان والحفیظ۔ کچھ بشری کمزوری اور کچھ آجکل کے ادّعائی فلسفہ کی بدلگامی و سینہ زوری کے باعث آنے والی زندگی کے ثواب و عقاب کے متعلق وہ جھوٹی منطق بگھاری جاتی ہے کہ عیاذاً باللہ میں خود ایک کمزور انسان ہوں۔ خود مجھ پر بھی اس قسم کی صحبتوں کا اثر تھا اور متعدد مجالس میں قبر کے عذاب و ثواب پر مباحثہ کیا کرتا تھا اور طرح طرح کے شبہات تھے اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ واقعات میرے شبہات و شکوک کے ازالہ کا باعث ہوئے۔ اور اسی خیال سے میں اُن شاہدات کو اپنے بھائیوں تک پہنچانا فرض دینی سمجھتا ہوں۔ اور اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ میں نے رقم کیا ہے خدائے عالم الغیب کو اُس پر گواہ کرتا ہوں۔

(۱۰) تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیئ قدیر الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ سورۂ ملک کی ابتدا میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ موت و زندگی میں نے اسلیئے بنائی ہے کہ انسان کا امتحان کروں کہ اُن میں سے کون نیک عمل کرتا ہے۔ سو بھائیو! یہ بڑا سخت امتحان ہے

اس امتحان میں پاس ہونے کے لیے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے۔ کتابوں کو مزاولت کے ساتھ خوب ازبر کرلو اور سوالات کے صحیح جوابات دینے کے لیے خوب ہی تیار ہو جاؤ۔ وہ شہنشاہوں کا شہنشاہ بڑا زبردست ممتحن ہے وہاں پر تمہاری زبانی فیلسوفیاں کچھ کام نہ آوینگی۔ یہ تمہاری منطقی صغرے وکبرے اور موجبات و مسالبات جن سے تم غلط استدلالات قایم کرکے باطل نتایج اخذ کرتے ہو۔ سب اکارت ثابت ہونگے قرآنی فلسفہ کی پیروی کرو۔ وہی تمہیں صحیح نتایج پر پہونچانے والا ہے۔ اور تمہارا اصلی رہنما ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۔ آمین ۔

خاکسار حکمت علی بی۔ او۔ ایل صیغہ انہار پنجاب

ترشن بیتی

تیار ہوگئی!

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جس کتاب کی تصنیف میں دو سال سے مصروف تھے مسلسل محنت اور مطالعہ کتب سے جسکو لکھا جا رہا تھا۔ اس کا نام ترشن بیتی ہے یہی وہ کتاب ہے جس کا یا دیرا کیسال سے ہندو مسلمان علم کے شوقین بیتاب تھے آخر وہ چھپ کر تیار ہوگئی اور اردو زبان میں مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کے لیے ایک شاندار علمی یادگار کا اضافہ ہوگیا۔ واقعات سب ہندوؤں کی معتبر کتابوں سے لیے گئے ہیں طرز بیان نہایت موثر اور دلکش ہے غم کے بیانات پڑھ کے بے اختیار رونا آتا ہے جنگ کے نظارے دیکھ کر بدن میں بجلی سی آنے لگتی ہے۔ علمی شان ہے ادبی آن ہے بیرنگے دوجہ کے کاغذ پر چھپی ہے عکسی تصاویر نہایت اعلیٰ ہیں شوقین ہندو صاحبان جلد و خوشنمائی سے بنوائی گئی ہے اور قیمت صرف عہ رکھی ہے جلدی کیجیے ورنہ پھر دیکھی نہ جائیگی

(منیجر نظام المشایخ دہلی سے منگائیے)

فطرتِ عید

مہِ صیام گیا اور روزِ عید آیا — خوشی کا عید کی حق ہر کوئی بجالایا

شام کو ہلالِ عید نمودار ہوتا ہے۔ صبح سے پہلے ہی دنیائے اسلام میں ایک ایسی خوشی و شادمانی کا عالم چھا جاتا ہے کہ دیکھنے والا محوِ حیرت ہو کر سوچنے لگتا ہے کہ "آج بھی وہی آفتاب نکلا ہے۔ جو کل تک چمک رہا تھا۔ آج بھی وہی زمین ہے جو کل تک دنیا کو نظر آچکی ہے۔ آج بھی وہی ہوا ہے جو کل تک ٹکرائی ہے۔ آج بھی وہی موسم ہے جو کل تک محسوس ہوا تھا۔ پھر آج دنیائے اسلام میں اس سرے سے اُس سرے تک خوشیاں منانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا دولت ملی ہے؟ کیا بزرگی پائی ہے؟ کہ آج مسلمان ایکدوسرے سے بغلگیر ہوتے ہیں۔ ایکدوسرے سے ملتے جلتے اور نعرۂ مبارک باد کی صدائیں لگاتے ہیں ؎

گئے ہیں ایسے مساجد میں مختلف خوش خوش — کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا

شگفتہ آتے ہیں اسطرح عیدگاہ سے لوگ — کہ گنجِ گو یا اُنہوں نے خدا سے ہے پایا

حسین جاموں میں پھولے نہیں سماتے ہیں — کہ دن خدا نے نمایش کا ان کو دکھلایا

عزیز دوست گلے ملتے پھرتے ہیں باہم — خدا نے سینکڑوں روٹھوں کو آج منوایا

بظاہر اس خوشی و انبساط کی کوئی وجہ تصور ہو سکتی ہے تو وہ صرف بجا آوریٔ احکامِ الٰہی کی خوشی ہے اور وہ صرف قلادہ برداری برگزیدگانِ حق کی خوشی ہے۔ وہ محض کسی آفتاب عالمتاب سے انتساب کی خوشی ہے۔ وہ صرف اظہارِ عبودیت و تسلیمِ اوامرِ خلاقِ عالم کی مسرت ہے جسکی کیفیت آج رگ و پے سے اُبل رہی ہے۔ جسکی شادمانی آج ہر دل میں سما رہی ہے ؎

ہیں منت ساقی ہیں بادہ خوا تمام کہ تیس روز کے پیاسوں کا روزہ کھلوایا
کیا ہے شکر خدا وند روزہ داروں نے کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے پھر پایا

جو لوگ روحانیت اور الٰہی صداقت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ کہ اسکی حکمتوں کا نمونہ بنے۔ اس کے حکموں کو بجالائے۔ سچے دل سے اسکی عبادت کرے۔ اسکے لیے ہر ایک طرح کی ریاضات شاقہ کو برداشت کرے۔ خدائے قدوس نے جو اعضاء اور قوی عطا فرمائے ہیں۔ پھر اسی رحیم و کریم مولیٰ حقیقی کے والے کرے۔ ہر ایک عضو اور قوت کو فطرت کے موافق کام میں لائے اور اپنے محسن حقیقی عزشانہٗ سے اجر غیر ممنون حاصل کرے۔ اور **ابدی وصال** اور **رضوان الٰہی** سے بہرہ ور ہو۔ مگر بہت سے بہائم سیرت انسان صورت آدمی موجود ہیں کہ وہ اس پاک حقیقت سے محض ناواقف رہ کر اسلامی احکام کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ اور نماز۔ روزہ وغیرہ اوامر الٰہی کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور عید کو صرف اچھے اچھے کھانوں اور عمدہ عمدہ لباس زیب تن کرنے کا ایک بہانہ تصور کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے ان مسایل پر کبھی غور نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے وہ حقیقت حال سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ سنتے سنتے اور دیکھتے دیکھتے آدمی کی نظر محسوسات پر ایسی جم جاتی ہے کہ باطن پر پڑتی ہی نہیں۔ اگر خدائے ذوالجلال سوت کو پیدا نہ فرماتا تو انسان کو اس کا کبھی خیال بھی نہ آتا۔ کہ یہ بھی کوئی چیز ہے۔ جب آدمی دیکھتا ہے کہ باتیں کرتے کرتے یکبارگی ایسی حالت اسپر طاری ہو گئی۔ کہ دیکھنا سننا۔ چلنا پھرنا بات کرنا موقوف ہو گیا۔ اور اس قابل ہو گیا۔ کہ زمین میں چھپا دیا جائے۔ تو اسوقت یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ کوئی چیز اسمیں ایسی ضرور تھی۔ کہ جس کے نکل جانے سے یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ اور جب تک وہ چیز اسمیں تھی۔ یہ کارخانہ انسانیت کا قایم تھا۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس ظاہری انسانیت کا مدار ایک باطنی چیز پر تھا۔ پھر اس باطنی چیز کا نام کسی نے روح رکھا کسی نے جان وغیرہ۔ ہر ایک ملک و ملت کے عقلمندوں اور حکیموں نے جن کی نظر آثار سے ترقی کر کے مؤثر تک پہنچی انہوں نے اس باطنی چیز تک نظر بڑھا کر کچھ نہ کچھ اس کا نام رکھ ہی لیا۔ ورنہ جو لوگ بہایم سیرت ہیں۔ ان کو تو اسکی خبر بھی نہیں ہوتی۔ کہ کسی چیز کے نکلنے سے آدمی زندہ اور اس کے جانے سے مُردہ ہو جاتا ہے ان کو اس تشخیص کی مصیبت اٹھانے سے کیا تعلق؟ ان کو جانوروں کی طرح کھانا پینا مل گیا تو عید ہو گئی۔ اور نہ ملا تو اس کی تلاش میں سرگردان رہے۔

یہی حال آج کل عید کی حقیقت سمجھنے کا ہے۔ عوام الناس تو عید کو ایک رسم سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک سوئیاں اور چاول پکا کر کھانے یا گوشت تقسیم کرنے اور عمدہ عمدہ لباس پہننے کا نام عید ہے۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ بلکہ اس میں ایک بہت بڑا گہرا راز ہے۔ جسکو صرف حقیقت بین نگاہیں دیکھتی ہیں۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور ہر سال اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ اسی کا اعلان کیا جاتا ہے کہ:۔

"مسلمانوں میں عید کا تہوار کوئی انوکھا، اور نیا دن نہیں ہے۔ بلکہ پرانا دن ہے۔ اور اسکی بنیاد طبعی جذبات پر رکھی گئی ہے۔ عیسائیوں۔ ہندوؤں۔ زرتشتیوں یا دیگر اقوام میں جس طرح خوشی کے تہواروں کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی عید کو اپنا مذہبی تہوار قرار دے لیا ہے"۔

ایسا کہنا ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اسلامی عید کے تہوار کا مقابلہ کسی دوسری قوم کا کوئی تہوار نہیں کر سکتا۔

بیشک مسلمانوں میں عید کا دن ایک انوکھا اور نرالا دن ہے۔ کسی دوسری قوم کے کسی مذہبی دن کو یہ شرف اور بزرگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو اس مبارک دن کو حاصل ہے یہ وہ پاک یادگار ہے کہ جو اس امر کا سبق سکھاتی ہے۔ کہ محبوب حقیقی کے جو نیک بندے

انکی راہِ رضا میں تسلیم اور اسلام کے امتحانوں میں پورے اترتے ہیں۔ ان کے درجات و مراتب اتنے اعلےٰ رفیع کر دئے جاتے ہیں۔ کہ ابد الآباد تک ان کی یادگار جاوید قائم کی جاتی ہے۔ اپنے مطلوب حقیقی کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے گناہوں سے منزہ نعمتوں سے بہرہ ور برکتوں سے شادکام۔ رحمتوں سے کامیاب۔ آرزوؤں سے بامراد اور تمناؤں سے متمتع ہوتے ہیں۔ انہیں اس دار فانی میں بھی بہبودی فیروزی اور فتحمندی حاصل ہوتی ہے۔ اور دار باقی میں بھی سرخروئی و کامرانی اور عیش جاودانی حاصل ہوتی ہے،

عید اس پاک فطرت کی یاد دلانے والی ہے۔ کہ جس نے جہل و باطل پرستی کی غلامی سے دنیا کو دائمی نجات دلائی۔ افضال و انعام آلہیہ کے فتح باب کا مژدہ سنایا اور نورِ فطرت اور نوامیسِ فطرت کی گم شدہ حکومت پھر قایم ہوگئی۔ جس کی نسبت قرآن حکیم فرماتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (پ آدم ع ۴)	خدا کا فطری دین وہی ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ فطرت اللہ میں تبدیلی مناسب نہیں یہی دین سیدھا اور سچا ہے مگر اکثر آدمی ہیں۔ جو نہیں سمجھتے "

اسی حقیقت کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان پاک الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ (الحدیث)	" ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے ماں باپ اپنے رنگ میں رنگین کر کے یہودی یا مجوسی یا نصرانی بنا لیتے ہیں "

ذرا گہری نگاہ ڈالنے سے یہ مسئلہ صاف نظر آتا ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اس پاک ارشاد سے یہ مطلب ہے۔ کہ بچے اسلام کی فطرت کا ظاہر کرنے والے

ہوتے ہیں۔ اور فی الحقیقت جب بچوں کی حالت پر غور کیا جائے تو اس سے اسلام کی فطرت صاف نظر آجاتی ہے۔ اور اسی کا نمونہ اسلامی عید ہے۔

۱۔ دیکھو معصوم بچے جب پیدا ہوتے ہیں۔ تو کئی ماہ تک وہ ایک قسم کی بیخودی یا بیہوشی یا مستی کی حالت میں پڑے رہتے ہیں۔ اور اپنے خالق حقیقی کی یاد کی لذت میں ہمہ تن مست و مدہوش رہتے ہیں۔ اسی کے ذکر و فکر کے مراقبہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ شب و روز اپنے مالک کی طرف دھیان لگائے بیحس و حرکت پڑے رہتے ہیں۔ اسی محویت کی برکت ہوتی ہے کہ ان کا نورانی چہرہ سب کو بھلا اور پیارا معلوم ہوتا ہے لیٹے لیٹے خدا جانے وہ کیا دیکھتے اور سنتے ہیں کہ یکایک ہونٹوں میں مسکرانے لگتے ہیں، وہ مسکراہٹ ایسی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ ہاں البتہ کبھی کبھی اپنی ننھی اور دھیمی اور پیارے سُر سے میٹھا میٹھا۔ رونا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے گھر بھر پریشان ہو جاتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ اسکی نسبت کسی کا قول ہے ؎

زمانے تک ہا رونا عدم کے چھوٹ جانے کا فرو ہوتا گیا۔ یہ رنج و غم آہستہ آہستہ

۲۔ بڑے ہونے پر کہ جبکہ وہ چلنے پھرنے لگتے ہیں۔ اسوقت ان کی ہنسی سے تمام گھر گونج اٹھتا ہے۔ ان کی ہنسی سچے دل کی ہنسی ہوتی ہے۔ یہ بچے کیسے سچے ہوتے ہیں۔ ان کا دل سچا۔ ان کی باتیں سچی۔ ان کے سب کام سچے۔ ان کے کسی کام میں ریاکاری اور تصنع یا بناوٹ کو دخل نہیں۔ ان سے جس قسم کی بات پوچھیں وہ سب سوالوں کا جواب صاف صاف دیتے ہیں۔ ان کا سادہ دل اس بات سے مطلق واقف نہیں کہ کس بات میں رازداری اور اخفا کی ضرورت ہے۔ اور کونسی بات کہنے اور ظاہر کرنے کے قابل ان کا پاک اور نیک دل سب کو پاک اور نیک سمجھتا ہے۔ ان کے دل میں یہ خیال ہی نہیں آتا۔ کہ لوگ کسی بات کو بری نیت سے بھی پوچھتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہی بات اسلام انسان سے چاہتا ہے۔

۴۔ ان بچوں کے دل میں کیسی سچی محبت ہوتی ہے کیسی محبت اور سچے پیار سے یہ بچے اپنے ماں باپ سے جاکر لپٹ جاتے ہیں۔ کس سچی محبت سے وہ اپنے والدین سے پیار کرتے ہیں۔ وہ وہ کر ان کے دلوں میں محبت کا جوش اٹھتا ہے۔ اور نئے نئے ڈھنگ سے اپنی محبت کو وہ ان پر ظاہر کرتے ہیں۔ ماں کے ظلم اور اسکی مار پیٹ کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ وہ ان کو مارے پھر بھی "ماں! ماں" ہی پکارتے ہیں۔ اسلام پاک بھی ہم سے کیا چاہتا ہے یہی کہ ہم اپنے پیارے خدا سے ایسی ہی محبت و پیار کریں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۝ (پ ۲ بقرہ ع ۲۰)

"لوگو! جس طرح تم اپنے باپ دادوں کے ذکر میں لگ جاتے تھے اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر خدا کی یاد میں مشغول ہو جاؤ"

۴۔ بچے جب ماں کی گود میں ہوتے ہیں تو شیر ہوتے ہیں کسی سے بھی نہیں ڈرتے کسی کے رعب و داب کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ بعینہٖ یہی حالت مومن کی ہوتی ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (پ ۳ بقرہ ع ۳۴)

"اللہ ایمان والوں کا حامی (مددگار) ہے (پھر وہ کیوں کسی سے ڈریں)"

۵۔ ماں اگر کسی ماں ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ تو بہت ہی چھوٹا دل ہو جاتا ہے۔ سب سے ڈرنے لگ جاتے ہیں۔ ادھر ادھر بھاگ کر اسکے تلاش کرنے لگ جاتے ہیں۔ جب تک ماں کو نہیں دیکھ پاتے چین نہیں آتا۔ جب کبھی کھیل کود میں مشغول ہوتے ہیں، تو پھر پھر کر اپنی ماں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اگر ماں نظر سے غائب ہو تو پھر کہاں کا کھیل، کہاں کا تماشا سب چھینک پھانک کر چلانے لگتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ کون چپ کرا سکتا ہے؟ ماں ہی آئے تو چپ کرائے۔ اسی تعلق اور محبت کو خدا اور مومن سے

چاہتا ہے۔ جب تک مومن کے دل پر اپنے خالق حقیقی کے لیئے یہ حالت وارد نہیں ہوتی۔ وہ مومن کامل نہیں کہلا سکتا۔

۶۔ ان بچوں کے دل میں غرور اور گھمنڈ مطلق نہیں ہوتا۔ اگر ایک ادنے اور ذلیل آدمی بھی ان سے پیار سے ملے۔ تو اسکی گود میں جانے کو خوش ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کم رتبہ اور وہ عالی مرتبہ ہے۔ اور یہی اسلام پاک کی تعلیم ہے۔

۷۔ ان بچوں کی نگاہ میں سادگی اور بے تکلفی اس قدر محبوب ہوتی ہے کہ بناؤ سنگھار سے گھبراتے اور ڈرتے ہیں۔ ان کی نظر میں کرسی۔ سونڈھا۔ شطرنجی۔ غالیچہ۔ قالین فرش زمین سب برابر ہیں۔ جہاں بٹھا دینگے بیٹھ جائیں گے۔ ذرا بھی برا نہ مانیں گے یہی سادگی اسلام کا زیور ہے۔

۸۔ ان بچوں کو دنیا کی سب چیزوں کی الفت اور محبت ہے۔ آندھی چلے تو خوش پانی برسے تو خوش۔ اولے پڑیں تو خوش۔ بابہ بجے تو خوش۔ بعض وقت تو ایسے خوش ہوتے ہیں کہ مست ہوکر ناچنے لگتے ہیں۔ اور کیوں نہ خوش ہوں یہی خوشی نیکوں اور پاک دلوں کی ملک ہے۔

۹۔ ان بچوں کے سادہ دلوں میں کسی کی طرف سے برائی نہیں جمتی۔ ابھی کسی نے ان کو دق کیا۔ تکلیف پہنچائی۔ مارا پیٹا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ان سے پیار سے بات کی۔ سارا رنج و غم۔ غضب و غصہ کافور۔ ایسی خوشی اور محبت سے پھر اسکے پاس جائیں گے۔ کہ گویا کبھی سنج ہوا ہی نہ تھا۔ ان کے پاک دلوں میں رنج کی باتیں رہ ہی نہیں سکتیں۔ ان کے سادے دل میں کینہ کی گنجایش نہیں۔ اور یہ سب علامتیں مومن کامل کی ہیں۔

۱۰۔ یہ بچے کیسے محنتی ہوتے ہیں۔ بیکاری اور کاہلی سے انہیں سخت نفرت ہوتی ہے۔ کسی جگہ بیکار یا پابند رہنا ان پر سخت ناگوار گذرتا ہے۔ اپنی حریت اور

آزادی کے سچے شیدائی ہوتے ہیں۔ جہاں ان کی آزادی میں فرق آیا۔ انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ اپنی آزادی کھوئے جانے کا جس قدر ان کو قلق اور ماتم ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ کرنا محال ہے۔ یہی مومن کی شان ہے۔

۱۱۔ ان بچوں کے کام اکثر بڑے لوگوں کے نزدیک محض لغو اور بیکار ہوتے ہیں لیکن وہ اسکی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اپنے سچے جوش سے ان میں وہ ایسے مشغول رہتے ہیں۔ کہ انہیں اپنے آرام کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ پسینے میں غرق ہیں۔ دھوپ میں جل رہے ہیں لیکن اپنے کام میں مشغول ہیں۔ دنیادار جو چاہیں کہیں۔ مومن خدا کی محبت میں سرگرم رہتا ہے۔ اُسے کسی کے کہنے سننے کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی۔

۱۲۔ ان چھوٹے بچوں میں علم کا اس قدر شوق ہوتا ہے۔ کہ ہر وقت لوگوں سے پوچھتے ہی رہتے ہیں "یہ کیا ہے؟" "یہ کہاں سے آیا؟" "کیا نام ہے؟" ہر ایک چیز کی اصلیت و ماہیت معلوم کرنے کی ان کی کیسی خواہش ہوتی ہے۔ ابھی ان کے ہاتھ میں کیسا ہی نادر کھلونا دیدو جس سے کچھ آواز نکلتی ہو۔ پھر کیا ہے فوراً ان کے دل پر خواہش ہوتی ہے کہ اس کو توڑ کر دیکھیں۔ کہ اس کے اندر کون بول رہا ہے"

۱۳۔ مختصر یہ کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں۔ کہ جو اس بہشتی اور خوش نصیب زمانہ کو یاد کر کے ٹھنڈی سانس نہ بھرتا ہو۔ کسی کا قول ہے ؎

طفلی کی جوانی میں مسرت نہیں ملتی　　جو کھیل میں کھوئی ہے وہ دولت نہیں ملتی

اسی بچپن کی سادی حالت کو **فطرت اسلام** فرمایا گیا ہے۔ انہی پاک جذبات کو کہ جن میں سچائی جلوہ گر ہو۔ اور گناہ و عصیاں۔ عداوت و دشمنی۔ بغض و کینہ۔ حسد بخل وغیرہ میلان و دساتیر انسان کے دل پر نہ بیٹھنے پائے۔ عجز و انکسار۔ سادگی و بے تکلفی۔ علم کا شوق و عشق۔ خداوند کریم سے سچا تعلق۔ سچی محبت۔ سچا پیار۔ سچی

بشاشت اور محنت جو ہر ایک بچہ کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی کو جوانی میں حقیقی عشق اور عملی رنگ میں لے آنے کی تعلیم اسلام پاک دیتا ہے۔ اور یہی دین القیم اور فطرت اسلام ہے۔

پس قرآن حکیم سکھلاتا ہے کہ "مومن وہی لوگ ہیں۔ کہ جو صادق ہوں۔ سچے ہوں نہ زبان سے کبھی جھوٹ بولتے ہوں۔ اور نہ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء سے کوئی جھوٹا کام کر سکتے ہوں۔ ان کے سچے دل تکلف اور تصنع اور مکاری کا نام تک نہ جانتے ہوں۔ ان کے دلوں میں کل علوم کی سچی و فطری محبت موجود ہو۔ ان کے علم کا شوق ایسا زور آور ہو۔ کہ اگر چین میں علم حاصل ہو۔ تو سفر کے ڈر سے منہ نہ موڑیں۔ ان کے دل کبر و غرور سے پاک و صاف ہوں۔ ان کی ایماندار آنکھیں سب آدمیوں میں خوبیاں دیکھتی ہوں کسی کو اپنے سے کمتر و حقیر نہ سمجھتے ہوں۔ محنتی ہوں۔ کاہلی اور سستی سے ان کو نفرت ہو۔ ہر ایک کام میں۔ ہر ایک شغل میں "دل بیاد و دست بکار" کے مصداق ہوں یعنی دل خداوند کریم کی طرف اور ہاتھ کام میں لگے ہوں۔ جن کی محبت اپنے خالق و مالک محسن حقیقی کے ساتھ ایسی زور آور ہو۔ کہ جس وقت اسکی مہربانی ان سے جدا ہو۔ تو جب تک مولا کریم کی نظر رحمت پھر نہ دیکھیں اپنا رونا چلانا موقوف نہ کریں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ	وہ خدا کی محبت میں سب سے زیادہ ثابت قدم
لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ	ہوں۔ ان کو تجارت اور دستکاری اپنے
ذِكْرِ اللّٰهِ ۔	خدائے رحمٰن کی یاد سے غافل نہ کرتی ہو

اور اگر ان کا مربی مولا ان کو کسی بات پر سزا دے اور مصیبت میں ڈالے۔ تو اسکی طرف دوڑیں۔ نہ کسی دوسرے کی طرف جھکیں۔

اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا	اور نہ کسی دوسرے کی مدد کے طالب ہوں انکی
اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔	باطن دل میں شرک کی گنجائش نہ ہو۔

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ جو ہمیشہ ہمیشہ خوش و خرم معلوم ہوں نجود
ان کی کوئی خواہش۔ کوئی ارادہ۔ کوئی تعلیم۔ کوئی مرضی نہ ہو۔ جنہوں نے اپنے تئیں
رضائے الٰہی کے سمندر میں چھوڑ دیا ہو۔ جن کو یہ جہان اپنے مالک کا ایک نہایت ہی
پیارا باغ معلوم ہوتا ہو۔ اس جہان کی ہر ایک چیز کو دیکھکر ان کا دل مارے خوشی
کے اُچھلنے لگتا ہو۔ جو سورج کی خوبصورت روشنی چاند کی خوشنما چاندنی ستاروں
وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ کی پیاری چمک۔ صبح کے سہانے وقت
وَالْاَرْضِ۔ دریا کی چمکیلی لہروں اور گھاس کے زمردی
رنگ۔ اور آسمان کے نیلے پن کو دیکھ کر ایسے بشاش اور خوش ہوتے ہوں۔ کہ بعض
وقت مارے خوشی کے وجد میں آکر بے خود ہو جاتے ہوں۔ اپنے بنانے والے کا
دیگر صانع حقیقی کی حکمتوں اور قدرتوں کا مراقبہ کرتے اور فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ
الْخَالِقِيْنَ کا پیارا اور سُریلا راگ گاکر بیخودی میں جھوم جھوم کر اِلَّا اللّٰه کی ضربیں لگاتے
ہوں۔ جن کو اپنے پیارے خدا کی بنائی ہوئی کسی مخلوق سے دلی عداوت نہ ہو۔ ان
کے قلوب صافیہ دشمنی اور خصومت سے پاک و صاف ہو کر محبت و خلوصِ للّٰہی کا مخزن
بن گئے ہوں۔ وہ واقعی **فطرتِ اسلام** پر چلنے والے اور سچے مسلمان ہیں۔
یہی وہ مسلمان ہیں۔ جنہوں نے فلاح پائی۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یہی ہیں جو دونو جہان کی نعمتوں سے مالامال ہو گئے۔
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یہ ہے **اسلامی فطرت** اور سچا اسلام
جس میں کسی بشر کو تبدیلی کرنے کا حکم نہیں۔ اور یہی **دین قیم** ہے۔ جس پر ہر ایک بشر کو چلنے کا
حکم ہے۔ اور اسی کے اظہار کے لئے عید بنائی گئی ہے۔ تا مومن
عملی رنگ میں اس پاک فطرت پر ہونے کا ثبوت دے اور سب
مومنین ایک دوسرے سے مل جلکر اپنے دلوں کی کنجلکیں کھول

ڈالیں۔ اور یکدل ہو جائیں سال بھر کی کدورتوں سے نادم ہو کر یک جہتی اور محبّت کا اعلان کریں۔

عید میں کیا ہوتا ہے؟ اظہارِ محبّت۔ اظہارِ خلوص۔ اظہارِ عقیدت۔ اظہارِ الفت اظہارِ اخوت، اظہارِ رفاقت۔ اظہارِ مروت۔ اظہارِ ہمدردی۔ اظہارِ اطاعت وغیرہ وغیرہ یوم عید میں مومن کیا کرتے ہیں؟ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے خلوص کا اظہار کرتے ہیں۔ ایکدوسرے کی غلطیوں کو معاف کرتے ہیں۔ اپنے دلوں سے کینے نکال کر ایکدوسرے سے صلح کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے معافی چاہتے ہیں۔ ایکدوسرے پر اپنے بھائی بھائی ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ آپس میں تحفہ و تحائف بھیجتے ہیں۔ غربا و مساکین کو کھانا کھلاتے ہیں۔ سب ملکر اپنے خالق و مالک کے دربار عالی میں اسکی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں۔ اسکے سامنے سرِ نیاز خم کرتے۔ اُسکے پاؤں پڑتے اور اسکی رضامندی اور خوشنودی کے طلبگار ہوتے ہیں۔

پس ایک سبق ہے جو ہر سال مسلمانوں کو **عملی رنگ** میں پڑھایا جاتا ہے اور ان کو بتایا جاتا ہے۔ کہ اگر تم اسی طرح فطرت اسلام کی اس پاک حالت پر پکے اور مضبوط ہو جاؤ گے تو تم کو ہر روز **عید** ہے۔ تمہاری کوئی کلفت کلفت نہیں رہے گی۔ تمہارے دلوں میں سچی خوشی اور سچی راحت ہمیشہ رہے گی۔ اگر تمہارے دلوں میں خلوص اور محبت ہے تو **مصیبت میں بھی عید ہے**۔ تمہارے نورانی چہروں کو دنیا محبت کی نگاہ سے دیکھے گی۔ تمہاری ہنسی و مسکراہٹ دنیا کو بھلی معلوم ہوگی۔ تمہارا رونا دنیا کو بیقرار کریگا۔ تمہاری رونے کی صورت میں کریم کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرے گی جسکی وجہ سے تم کو **فطرتی عید** حاصل ہوگی۔ جس سے تمہاری زندگی کی ہر ایک شب **شب قدر** ہوگی۔ جس کے انوار و تجلیات سے تمہارے دلوں میں رحمت۔ شفقت۔ محبت۔ صداقت نیکی۔ خدا ترسی۔ ہمدردی۔ قومی غمخواری۔ رحم۔ کرم۔ صبر اور تحمل ترقی کریگا۔ اور

ظاہر ہے کہ یہی صفات حقیقی راحت اور سچی خوشی کا موجب ہیں۔ اور یہی فطرتی عید ہے ؎

ز فیضِ عشق دلہائے مخالف مہرباں گردد
ز آتش رشتہ ہائے شمع باہم یکزباں گردد

(خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ واعظ الاسلام متوطن گلبرگہ از حیدرآباد دکن)

تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی

میلاد نامہ قیمت عہ محرم نامہ قیمت عہ رسی پارہ دل یعنی مجموعہ مضامین خواجہ حسن نظامی عہ سفر نامہ مصر و شام و حجاز بالتصویر ۴ر بلا تصویر عہ کم ٹو موت عہ اسرار ۴ر سیر دہلی ۸ر کرشن بیتی بالتصویر عہ اعمال حزب البحر ۸ر غدر دہلی کے افسانے ۶ر روزنامچہ ہند ۸ر پولیٹیکل بیتی ۳ر بیتی کی تعلیم ۱۲ر جگ بیتی ۶ر بچوں کی کہانیاں ۶ر قبروں کے غیبی نوشتے ۸ر اردو دعائیں ۶ر اسلام کا انجام ۴ر مجموعہ خطوط خواجہ حسن نظامی ۱۲ر چٹکیاں گدگدیاں ۸ر رسول کی عیدی ۲ر

کچھ اور کتابیں

فلسفہ شہادت قیمت ۲ر جرمن نامہ قیمت ۳ر شیخ سنوسی ۵ر تالیق خطوط نویسی قیمت ۱۰ر چند دن بعد کیا ہوگا ۲ر ایڈیٹر کا حشر ۲ر وجدانی نشتر عہ رانا گنج بخش ۱۰ر جاپان نامہ ۳ر انتخاب نظام المشائخ ۱۲ر انتخاب توحید عہ جذبات بھاشا ۱۲ر اورنگزیب عالمگیر ۸ر فلسفہ جذبات عہ فلسفہ اجتماع عہ دریائے لطافت عہ بہادران اسلام قیمت عہ عائشہ صدیقہ ۱۲ر آئینہ خود شناسی ۶ر مولانا روم ۲ر حیات مولانا سید احمد بریلوی قیمت عہ

یہ سب کتابیں منیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

الزہرا

ملک و قوم کے مستند و بے نظیر انشا پرداز علامہ راشد الخیری مدظلہ کی بیش بہا تصنیف شام زندگی پیش کرنے کے بعد آج میں نہایت مسرت سے اردو لٹریچر کے اس گرانمایہ اضافہ کا اعلان کرتا ہوں جو بنت الرسول سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کی سوانحعمری کی صورت میں درویش پریس نے کیا۔

اہل تسنن و اہل تشیع دونوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ باوجود عاشقان اہلبیت ہونیکے آجتک اس قابل قدر زندگی کو مسلسل فراہم کرنے اور یکجا شائع کرنے میں درویش پریس خاک عرب سے اٹھنے والی شہادی کے حالات مکمل کرنے میں سب پر سبقت لیگیا۔ علامہ موصوف کا طرز بیان اسوقت قوم میں مسلم ہے اور الزہرا یعنی حضرت فاطمہ کی سوانحعمری مولانا سے محترم کی چھ سال کی محنت کا ثمرہ ہے پیدائش سے تا وفات آپکے تمام واقعات کو خاندان سے جمع کرکے ہمیں ایک مسلمان شاعر میں جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ غنی مرد تو مرد اسلام کی عورتیں کس پایہ اور کیسی شان کی ہوتی تھیں۔ مولانا خیری مدظلہ عاشق رسول ہیں جذبات عشق الزہرا کے اوراق میں مدتوں تک گھلتے رہنے کے بعد ظہور پذیر ہوئے ہیں خلق ایثار تواضع انکسار صفات انسانی کا کوئی جزو ایسا نہیں جسکو پڑھکر طبیعت بے اختیار نہ ہوجائے۔ یہ وہ کتاب ہے جسکو پڑھکر مسلمان سچے مسلمان بیویاں واقعی بیویاں اور عاشقان رسول اللہ حقیقی عاشق بن سکیں یہ کتاب فنافی الرسول کا عملی نمونہ الزہرا کے مطالعہ سے بآسانی حل ہوجائیگا معلوم ہوگا کہ محبت کیا چیز ہے اور کیا ہونی چاہیئے خاتمہ کتاب پر امام حسین پر ایک مفصل تقریر ہے جس میں کربلا کے حالات اور اہلبیت کی مصائب بیان ہے۔ مصنف کو اس سے زیادہ الزہرا کے متعلق کچھ کہہ سکتے ہیں۔ صرف کتاب کا ایک مختصر نقل کردینا ہی ہمارے لئے کافی ہوگا کہ الزہرا کس پایہ کی لکھی گئی ہے۔

سیدۃ النسا کی رحلت

باپؐ کے بعد اگر کوئی دل خوش کرنے والا جمال تھا تو صرف وہ الفاظ جو آنحضرتؐ نے سیدہ کے اضطراب میں آخر وقت فرمائے تھے کہ "فاطمہ سب سے پہلے مجھ سے تم ملوگی" کیونکہ رسالت مآبؐ کے انتقال فرماتے ہی سیدہ کا دل دنیا کی بے ثباتی سے اکھڑ گیا تھا وہ ماں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ اور اسلئے کہ اسلام نے اجازت نہیں دی، موت کی تمنی بھی نہ تھیں۔ مگر اس محبت کا اندازہ بہت مشکل سے ممکن ہے جو سیدہ کو رسول اللہؐ سے تھی، ماں کی محبت ان میں مضمر، باپ کی محبت ان میں ظاہر اور اسپر طرہ، رسول کی محبت، گویا تین محبتیں ایک سیدہ کے قلب میں رسول اللہ کی تھیں، ان کا انتقال فرمانا تھا کہ صرف وہی ایک دھن رہنے لگی کہ کسی طرح رسول اللہ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کروں۔ باوجود اس ادھیڑبن کے انھوں نے رحلت کے چند گھنٹے قبل دونوں بچوں کو اپنے ہاتھ سے نہلایا ہے۔ آخر وقت تک ان فرائض میں متعلق تساہل نہ کیا، جو ایک ماں اور بیوی کے واسطے انجام دینے ضروری ہیں۔ اس حالت میں بھی جیسا کہ زندگی کے اس آخری حصہ کو کہا جاتا ہے کہ انتہائے مصائب نے انہیں مصیبتوں کی پوٹ بنا دیا تھا اور فریقین اسکے معترف ہیں کہ خانہ داری کی مصروفیت بچوں کی تربیت، شوہر کی خدمت، انہماک عبادت کسی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ اکثر رات کے وقت روضۂ اقدس پر حاضر ہوتیں اور بعد عشاء وہیں عبادت میں مصروف ہوجاتیں۔

اسوقت سیدہ کی جو حالت تھی، ہم الفاظ میں اسکو ادا نہیں کرسکتے۔ باپ کی موت یقیناً ایک مصیبت کا پہاڑ تھی اور جیسا کہ عام دستور ہے خیال تھا کہ رفتہ رفتہ یہ صدمہ زایل ہوگا۔ مگر برعکس اسکے جوں جوں دن گذرتے تھے ان کی طبیعت زیادہ متاثر ہوتی جاتی تھی، ماں کی یہ حالت دیکھ کر بچوں نے دلداری اور شوہر نے دلجوئی میں

کمی نہ کی مگر یہ صدمہ کچھ ایسی بری طرح ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا کہ نقاہت روز بروز زیادہ بڑھتی گئی، رسول اللہ کو انتقال فرمائے تین ہفتہ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ ایک روز رات کے وقت تہجد میں مصروف تھیں، اور یہ وہ روز تھا کہ اس روز گھر میں کچھ پکا پکایا نہ تھا۔ اور سب فاقے سے تھے امیر علیہ السلام اور بچے بے خبر پڑے سوتے تھے، اور سیدہ دو وقت کی بھوکی خدا کے حضور میں کھڑی تھیں قدرت کے انتظام سب کے واسطے برابر ہیں۔ دفعۃً چکر آیا اور اس زور سے گریں کہ سخت چوٹ آئی۔ ان اللہ کے نیک بندوں کو ڈاکٹر حکیم تو کیسا بلدی چونہ بھی نہ جوڑتا تھا۔ اس وہمکے سے حضرت علی کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سیدۃ النسا بیہوش پڑی ہیں بیچین ہو گئے۔ مٹی سنگھائی، منہ پر پانی چھڑکا کچھ دیر بعد جب سیدہ کو ہوش آیا تو امیر علیہ السلام کے آنسو سیدہ کے چہرے پر گر رہے تھے دیکھ کر اور بھی بیتاب ہوئیں اور کہا علی! کیوں روتے ہو؟ حضرت علی کچھ دیر خاموش رہے اور پھر کہا خدا کی قدرت دیکھ رہا ہوں، کہ آج دو وقت سے ہم میں سے کسی کے منہ میں اڑکر دانہ تک نہیں گیا، اسی وجہ سے تم کو چکر آیا اور گر پڑیں ان تکلیفوں کا بدلہ خدا ہم کو جنت میں دیگا۔ سیدہ نے شوہر کی یہ گفتگو سنکر آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا، مگر یہ چوٹ مرض کی ابتدا ہو گئی۔ اب ان کو زیادہ دیر تک کھڑے رہنے اور زیادہ دور چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی تھی، اور روضۂ اقدس پر بھی کم جاتی تھیں، اس کمی نے گھٹ گھٹ کر اور بھی بے قرار کر دیا۔ رسول اللہ کا ایک پیرہن مبارک ہر وقت ہاتھ میں ہوتا، اسکو آنکھوں سے لگاتیں، سر پر رکھتیں، سونگھتیں۔ اور روتیں، بیوی کی یہ کیفیت دیکھکر حضرت علی کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی، وہ ہر چند سمجھاتے اور تسلی دیتے تھے مگر فراق پدر ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا صدمہ زایل ہو جاتا۔ جب حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو ایک روز سیدہ نے حضرت علی سے درخواست کی کہ علی زندگی کا بھروسہ نہیں، حالت روز بروز بگڑ رہی ہے۔ مجھ کو ایک دفعہ رسول اللہ کے مزار مبارک کی زیارت

کراد، دل تڑپ رہا ہے طبیعت بے چین ہے۔ چاہتی ہوں کہ تھوڑی دیر خدمت اقدس میں حاضر ہوں۔ اور جانتی ہوں کہ مزار پاک کی خاک میری اس گھبراہٹ کو کم کردے گی۔ حضرت علی بیوی کی یہ درخواست سنکر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ پکڑ کر روضۂ پاک پر لائے۔ یہاں پہونچنا تھا کہ سیدہ کا اضطراب اور زیادہ بڑھا، دیر تک مزار سے لپٹی پڑی رہیں، اور خاک مزار منہ ہاتھ پر ملتی رہیں۔ جب وہ بے چینی فرو ہوئی تو گھر تشریف لائیں۔ اسوقت انھیں مواخذۂ عاقبت کا تصور بندھا اور خیال آیا کہ خدا کے حضور میں حاضر ہونے کے واسطے میں اپنے بچوں کو کیا تحفہ لیجا رہی ہوں۔ اس خیال نے اور بھی مضطرب کیا۔ حضرت علی نے کہا، فاطمہ تمہاری بابت رسول اللہ فرما چکے ہیں کہ تم خاتون جنت ہو۔ پھر کیوں پریشان ہوتی ہو۔ جواب دیا، ہاں مگر خاتون جنت ہونے سے پہلے تمام عمر کی جوابدہی کرنی ہے،

سیدہ موت کی تمنی نہ تھیں، وہ یہ بھی کوشش کرتی تھیں کہ رسول اللہ کے انتقال کا صدمہ ان کے دل سے زایل ہوجائے، جانتی تھیں کہ حسنین جیسے لال جن کے ہوجائیں گے جو شفقت اور دلجوئی میں کر رہی ہوں میرے ہی درجہ تک ہے۔ میرے بعد کون ہے۔ جو ان کو کلیجہ سے لگائے گا۔ اور میٹھی نیند سلائے گا۔ اگر ادھر رسول اللہ جیسے باپ کی جدائی تھی تو ادھر علی جیسے شوہر حسنین جیسے بچوں زینب اور کلثوم جیسی بچیوں کی، مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ سیدہ کا سایہ بچوں پر زیادہ عرصہ تک نہ رہے ایسی حالت میں خود سیدہ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا، تو انہوں نے سوچا کہ نامحرم میرے جنازے کو ہاتھ لگائیں گے۔ آجتک کسی نامحرم کی نظر میرے چہرہ پہ نہیں پڑی، اس خیال کے آتے ہی انہوں نے حضرت علی کو وصیت کی کہ میری میت کو نامحرم ہاتھ نہ لگائے۔ رات کے وقت دفن کر دینا،

یہ خیال اس حد تک ترقی کر گیا کہ ان کو گہوارہ کی صورت پر بھی اطمینان نہ ہوا اور خود

وہ گہوارہ تجویز کیا، جسمیں آجتک مسلمان عورتیں اپنے گھروں سے رخصت ہوکر قبروں میں پہونچتی ہیں۔ سو جو وہ گہوارہ جسمیں قد قامت جسم کسی چیز کا نامحرم کو پتہ نہ چلے، سیدہ کی تجویز ہے۔

پانچ یا چھ روز اس کے بعد اور گذرے، اب چلنے پھرنے کی طاقت اچھی طرح نہ تھی۔ بچے ہر وقت ماں کے کلیجے سے لگے رہتے تھے، ان کو چمٹائے ہوئے روتی تھیں۔ اور ان مصیبتوں کی آیندہ حالت کا خیال کرکے ماتا کے جوش میں بیتاب ہو جاتی تھیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت علی باہر سے تشریف لائے تو دیکھا کہ تھوڑی سی مٹی گھلی ہوئی ایک برتن میں پاس رکھی ہے۔ میلے کپڑے الگنی پر دھلے ہوئے پڑے ہیں، چکی پیس رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی سے صبر نہ ہو سکا۔ اور کہا فاطمہؓ تمہاری حالت اس قابل نہیں ہے، شوہر کے اس کہنے سے جی بھر آیا۔ زیادہ رونے لگیں تو حضرت علی نے سیدہ کا سر اپنے سینہ سے لگالیا، خاموش ہوئیں اور کہا:۔

علی! رات کو میں نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا کسی کے منتظر ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری حالت خراب ہے۔ جدائی کا زمانہ قیامت ہوگیا۔ تو فرمانے لگے۔ فاطمہ تم کو لینے آیا ہوں۔ اٹھو چلو۔ بچوں کو خدا کے سپرد کرو اور جنت کی سیر دیکھو۔ علی مجھ کو یقین ہے کہ موت کا وقت قریب آگیا مٹی اسلئے گھولی ہے کہ بچوں کو اپنے ہاتھ سے ایک دفعہ اور نہلادوں، کپڑے اسلئے دھوئے ہیں کہ اپنے سامنے ان کے کپڑے بدلدوں۔ جو اسلئے پیس رہی ہوں کہ میرے بعد تم اور بچے بھوکے نہ رہو۔ حضرت علی اس خواب کو سنکر بے قرار ہوگئے۔ اور کہا فاطمہ کیا کہہ رہی ہو، ابھی رسول اللہ کا صدمہ تازہ ہے کہ تم ایسی باتیں کر رہی ہو۔ آپنے فرمایا جو سمیں کیا اسمیں بھی کرنا۔ اس کے بعد آپنے بچوں کو قریب بلایا۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرے۔ گلے لگایا۔ روئیں، اور رو کر کہا، پیارے بچوں جاؤ نانا کے مزار پر حاضر ہو۔ اور میرے لیئے دعائے مغفرت کرو۔ دونو

بچے روتے ہوئے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، مگر فوراً ہی اُلٹے پاؤں واپس آگئے تو سیدہ نے بچوں کو گلے لگایا اور کہا کیوں واپس چلے آئے۔ دونو بچے رو رہے تھے اور ماں کے گلے میں ہاتھ ڈالے ایک لمحہ کو علیحدہ نہ ہوتے تھے، حضرت علی نے پانی پلایا، اور پوچھا کہ تم کیوں چلے آئے تو دونو نے کہا، ہم کو روضۂ اقدس پر ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کہتا ہے حسنین تمہاری مادنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ چند گھڑیوں کی مہمان ہے ان کی خدمت میں حاضر رہو اور ان کے چہرے کی زیارت کرتے رہو۔ جواب تم سے چھوٹتا ہے۔ اب سیدہ کو اپنی رحلت کا پورا یقین ہو گیا حضرت علی کو بلا کر کہا، تین درخواستیں کرتی ہوں۔ قبول کیجئے۔ اول یہ کہ میری خطا اور قصور معاف کرنا، دوسرے یہ کہ جنازہ رات کے وقت اُٹھانا، اور کسی نامحرم کو ہاتھ نہ لگانے دینا، تیسرے یہ کہ بن ماں کے بچوں کی دلداری میں کمی نہ کرنا۔ ان کے سر سے ماں کا سایہ اٹھتا ہے۔ ان کے دل کمزور، ان کے حوصلے پست اور ان کے جسم ناتواں ہیں مگر ان کی باتیں بھولنا ان کی ضدیں سچی اور انکی ہٹیں درست ہونگی۔ امیر علیہ السلام رونے لگے، اور فرمایا۔ تم بھی میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔ اسکے بعد سیدہ نے حضرت علی سے کہا بچوں کو لیکر روضۂ اقدس پر چلے جاؤ۔ جب حضرت علی چلے گئے تو آپنے وضو کیا۔ سپید کپڑے بدلے اور اسماء سے کہا۔ علی سے کہدینا اسی لباس میں غسل دیں، برہنہ نہ کریں، اب حالت زیادہ بگڑ رہی تھی۔ قبلہ کی طرف منہ تھا اور مناجات میں مصروف تھیں۔ رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو منگل کے روز مغرب و عشاء کے مابین مدینہ کی اس شہزادی نے دنیا سے رحلت فرمائی ✤

آج چھ مہینے کے بعد قلم کا مسافر تھکا ہارا منزل مقصود پر پہونچتا ہے، ریگستان عرب کی مسافت خاصی زحمت تھی، قدم قدم پر ٹھوکریں، کوسوں سناٹا آدمی نہ آدم زاد پانی نہ پتہ، اختلافات باہمی لُو کے گرم تھپیڑوں اور بادسموم سے کم نہ تھے۔ تاریخ کی

خموشی نے وسیع میدان میں ایسا اندھیرا گھپ کیا تھا کہ سنزلیں طے ہوگئیں اور راتیں ختم مگر کہیں ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نظر نہ آیا، ہمت پہلے ہی مرحلے میں پست ہو چلی تھی جہاں تک نظر جاتی تھی، عالم سنسان تھا، تعجب یہ ہے کہ بڑے بڑے اولوالعزم و شجاع اس راستے سے گذرے، مگر کوئی نقش پا ایسا نہ چھوڑا کہ بھولا بھٹکا مسافر پار ہو جاتا یارات کی تنہا گھڑیوں میں کوئی روشنی ہی رہبری کر دیتی، جی چھوٹ چلا تھا، مگر سید کی عظمت دل کے کان میں یہ صدا دے رہی تھی کہ ہمت میں کمی نہ ہو، بیڑا پار کرنے والا خدا ہے، اب یہ صدا پوری ہوئی، اور مہینوں کی محنت اسوقت ٹھکانے لگتی ہے کہنے کو یہ سفر کٹھن تھا، مگر دل کی لگی نے خزاں کو بہار بنا دیا۔ عقیدت کا فرشتہ بآواز بلند کہہ رہا تھا کہ سیدہ کی شاہانہ سواری کوئی دم میں نظر آئی اور یقین کی آنکھیں اپنی دھن میں چشم براہ تھیں کیسی پر لطف تھیں وہ راتیں جو اس انتظار میں صبح ہوئیں، اور کیسے مبارک تھے وہ دن جنہوں نے گھنٹوں اس تخیل سے دماغ کو معطر رکھا، منزل پر پہنچکر آرام ملگیا، تکان دور ہوئی مگر میں ہی جانتا ہوں کہ مجھ پر کیا گذری، جو امید برسوں سے دل میں پل رہی تھی اور جو خیال مدتوں سے دماغ میں پک رہا تھا آج وہ سب جدا ہوتے ہیں،

بقیع میں آرام کرنے والی بی بی کا جسد خاکی قیامت کی نیند سو رہا ہے۔ خدا کی مصلحت اسی میں تھی، زندگی ہوتی تو مصائب کی انتہا اور صدمات کی حد آخر، اسوقت چشم بینا اس وادی پُرخار سے نکلکر دوسرا منظر دیکھتی ہے، کربلا کا جلتا بھلستا میدان دور تک پھیلا ہوا ہے ہوا طبقہ دوزخ کو مس کرتی ہوئی یہاں بھی پہنچ جاتی ہے، آفتاب انگارے برسا رہا ہے اور اس ہولناک میدان اور قیامت خیز عالم میں سیدۃ کمال اپنے خاموش کوئے تشدد حیران کھڑی ہے

"الزہرا"

اسکے بعد شہادت کے واقعات بالتفصیل ہیں۔ خود اندازہ کر لیجئے کس پایہ کے ہوں گے

قیمت ۱۲ر، منیجر نظام المشائخ دہلی سے مل سکتی ہے +

کلید عید

اے ہلال عید اے بامسرت کی کلید — صائموں کے دل سے پوچھو آرزوئے شوق دید
مر کے پھر زندہ ہوئی دل میں تمنا و امید — تو نے پہنچایا جو بام چرخ سے پیغام عید
بارک اللہ کیا نوید جاں فزا لایا ہے تو
حور جنت بن کے بزم عیش میں آیا ہے تو

روزہ داروں سے کوئی پوچھے مسرت عید کی — مل گئی ہے رحمت ایزد سے دولت عید کی
عطر عنبر بیز میں ڈوبی ہے نکہت عید کی — دلکشا و جانفزا ہے بزم عشرت عید کی
حق کا پیارا ہے رسول اللہ کا محبوب ہے
روزہ داروں کو تری ہر اک ادا مرغوب ہے

اے ہلال عید اے نورنگاہ روزہ دار — اے نسیم عطر افشاں اے بہار لالہ زار
ہے تری موج خوشی اک بحر ناپیدا کنار — سال بھر سے دین داروں کو ترا تھا انتظار
جلوۂ صبح تمنا اب در امید کھول
آگئی فصل نشاط انگیز قفل عید کھول

ساقیا لا جام وحدت حق پرستوں کیلئے — پاک و طہر بادۂ عرفان ہستوں کیلئے
لوٹ ساغر میں عطا کر دل شکستوں کیلئے — فیض کا دریا بہا دے تنگ دستوں کیلئے
آج رحمت کی گھٹا ہے چار سو چھائی ہوئی
جام و مینا پر نگہ پڑتی ہے للچائی ہوئی

دے مئے توحید کا دے جام بھر کر ساقیا — جس کے چھٹ سے جل ہو شربت آب بقا
جس کے پیتے ہی مٹے بغض و حسد مکر و دغا — حشر تک بڑھتا رہے دل میں سرور جانفزا

روز مثل عید نظارہ مسرت خیز ہو
حب احمد سے ہمیشہ جام دل لبریز ہو

آہ میری قوم میں ہے گرم بازار نفاق — دین و ایماں بیچکر سب ہیں خریدار نفاق
ہیں مریض نکبت و ادبار و بیمار نفاق — جان لیکر جائے گا صد حیف آزار نفاق

اے مسیح عصر اب صحت کا ساماں چاہیئے
وقت آخر ہے علاج درد عصیاں چاہیئے

ہو شگفتہ گلشن بنجار ختم المرسلین — شمع وحدت سے منور ہو شبستان یقین
پھر عروج و اوج پر آئے نظر دین متین — ہو امانت مومنوں کے دلمیں قرآن مبین

اے ہلال عید پھر لوٹیں اخوت کے مزے
بادۂ الفت کی لذت جام خلت کے مزے

(اوج گیاوی)

سات روحوں کے اعمالنامے

عالم ارواح کی سیر کرنی ہو، یا پردۂ موت کو ہٹاکر کچھ دیکھنا ہو، تو سات روحوں کے اعمالنامے ملاحظہ فرمایئے، جو مولانا راشد الخیری مدظلہ کا وہ معرکۃ الآرا مضمون ہے جسکو پڑھ کر ہر ناظر کی ادھر ہچکی بندھ گئی اور ادھر مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ گئے، راز و نیاز کے چوچلے عشق و محبت کے کرشمے، خانہ داری کے مناظر غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس سے سات روحوں کے اعمالنامے محروم ہوں یہ مضمون سالہ خطیب میں مسلسل نکل چکا تھا، مگر اسکی طلبی اسقدر زیادہ ہوئی کہ اب اسے کتابی صورت میں شائع کرنا پڑا۔

اس مبحث پر جناب مصنف نے ایسے لطیف اور پر مغز نظارے دکھائے ہیں کہ حیات و ممات دونوں کی سچی تصویریں آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہیں ضخامت ۱۴۴ صفحے قیمت علاوہ محصول ۱۴ (منیجر نظام المشائخ سے طلب کیجئے)

ان چار باتوں میں سب باتیں آگئیں۔

باپ ہی کے برابر استاد کا درجہ ہے، کیونکہ باپ اگر حیات فانی کا باعث ہے تو استاد حیات باقی کا موجب ہے۔ میری عزیز بہن ان دو باتوں میں جس قدر تم سے مبالغہ ہو سکے کرو کہ استاد اور والدین کی خدمت بجا لانا بڑی نیکی ہے۔ تم اپنی اولاد سے جو تمنا رکھتے ہو وہی اپنے والدین سے کرو۔

حقوق خدام

جو لوگ بداتفاقی۔ یا طبعی نالائقی یا مورو دہ سستی و جہالت کے باعث کوئی ہنر نہیں سیکھتے وہ اہل ہنر و اعتبار کی اعانت و راحت کے واسطے ہوتے ہیں۔ اور خادم کہلاتے ہیں۔ خادم اپنے مخدوم کی خدمت کرتا ہے اور مخدوم خادم کے لیئے کسب معاش کرتا ہے۔

خادم انتخاب کرتے وقت یہ دیکھ لو، کہ وہ حسب خواہش و ضرورت خدمت کر سکتا ہے۔ اگر کر سکتا ہے اور تمہیں اسکی لیاقت ہے تو پھر اسکی حق کو پورے طور پر ادا کرنا چاہیے جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) خادم کی ضروریات کی بہ تمام کفالت

تاکہ (تنگ حوصلہ) پریشان، خاطر کام چور نہ ہو جائے۔

(۲) خطا پر عفو، چشم پوشی رحم۔

(۳) خطا کے تواتر پر اگر اصلاح کی امید منقطع ہو جائے تو پھر دائمی علیحدگی بہتر ہے۔

علیحدگی سب سے آخری و لاچاری کا علاج ہے۔ خادم کی صفت ہے کہ وہ قدیم ہو، جو خادم حسب شرائط نمبر ۱ و ۲ قدیم ہوگا۔ وہ خیر خواہ، غم خوار، قابل اعتماد، امین راحت رساں ہوگا۔

آجکل کی تو دولت بہنیں صبح کو ماما کہتی ہیں شام کو نکال دیتی ہیں، اور ہمیشہ نوکرنیوں کی نالاں ہوتی ہیں حالانکہ نوکرنیوں کے رکھنے کا انکو خود سلیقہ نہیں ہوتا۔

یہاں تک وہ تمام امورات اجمالاً بیان کر دئے گئے ہیں جن کی ضرورت تدبیر منزلی میں واقعہ ہوتی ہے۔ اب میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ایک عقلمند اور منتظم بیوی کیسی ہونی چاہئے تدابیر منزلی کا بہت زیادہ مدار عورت سے وابستہ ہوتا ہے، کیونکہ قدرت نے اس کو منزل نشین بنایا ہے۔ **خوب یاد رکھو**:-

(۱) سب سے پہلے اپنے گھر کو صاف ستھرا، اُجلا، پاک، روشن رکھنے والی،

(۲) پھر اولاد کو صاف ستھرا اُجلا ہنسی خوشی تعلیم کی شوقین تندرست چالاک و چست رکھنے والی

(۳) پھر اپنے آپ کو صاف بنا سنوارا، چست ہنس مکھ رکھنے والی۔

(۴) گھر کے کسی کام سے معذور نہ ہو مثلاً ہو۔ کفایت شعار ہو۔ فضول خرچ نہ ہو، ہر حالت میں پس انداز کرنے والی ہو۔

(۵) شوہر کی وفادار عاشق ہو۔ امین ہو۔

(۶) ملازموں پر رحم دل حاکم ہو۔

(۷) متواضع ہو۔

(۸) خداشناس ہو۔

(۹) اولاد کے لیے معلمہ ہو۔ شوہر کے لیے مشیر و معین کار ہو،

(۱۰) طرفین کے رشتہ داروں کے لیے یکساں کشادہ پیشانی۔ فراخ دست و بلند حوصلہ ہو۔

(۱۱) تعلیم یافتہ ہو لیکن ایسی تعلیم یافتہ نہیں جیسے مشن اسکول کی بوقلمونیاں ہوتی ہیں۔

(۱۲) مذہبی امورات اور فرائض پر زیادہ مستعد ہو۔

(۱۳) بدوں اجازت شوہر کبھی گھر سے باہر نہ جائے، نہ کوئی چیز کسی کو دے،

(۱۴) مرد کے جذبات کا احترام کرے۔

(۱۵) بڑوں سے مؤدب ہو چھوٹوں پر رحم۔ برابر والوں پر کریم محلہ کیلئے قابل اعتماد۔ ہمسایہ کیلئے پشت پناہ

(۱۶) مصیبتوں کے لیے دائی۔

عورت کے لیئے

اِس سے زیادہ کچھ بات نہیں، کہ وہ شوہر کے دل میں عزیز اور قابل بھروسہ ہو۔ آجکل کی لڑکیاں خدا جانے کس شان سے اُٹھتی ہیں کہ مزاج میں سازگاری اور معصومیت نام کو نہیں ہوتی ہے۔ قدرت نے مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے۔ عورت محکوم ہے قرآنی فیصلہ کو یورپ کی تلخ معاشرت جسکا سبق آج کل بہت دیا جارہا ہے رَدّ نہیں کرسکتی تمہیں چاہیئے کہ تم رابعہ و عائشہ و فاطمہ بنو۔ مِس کینری اور مِس روزا اور فلاں کی تقلید تمہارے لیئے سم قاتل ہے۔ اِدھر دیکھو تمہاری مشرقیت مغربیت سے کہیں زیادہ پاک و قدیم ہے۔ اسکی قدر کرو۔ یہ تو عزت کی چیز تھی نہ کہ تم اوروں کے بہکانے سے اسکو برا سمجھنے لگو اور بھلا دو۔ ہمارے گھروں میں تمہیں ایک مذہبی مجسمہ ہونا چاہیئے اور بس،

---

(۳)

سیاست

تمدن کی ضرورت

عزیز بہن تدبیر منزل کے جملہ ابتدائی مسایل تو تم بخوبی سمجھ چکی ہو۔ اب میں تم کو حکمت عملی کی تیسری قسم سمجھانا چاہتا ہوں :-

پہلے یہ بات سمجھ لو۔ جو چیز بھی موجود ہے۔ اسکے واسطے ایک طرح کی ترقی ہے بعض موجودات کی ترقی پیدائشی ہوتی ہے۔ وہ اجرام علوی ہیں۔ بعض موجودات کی ترقی ان کے وجود کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ وہ اجسام سفلی ہیں۔

جس موجود کی ترقی اسکے وجود کے بعد عارض ہوتی ہے۔ اسکو تنزل سے ترقی کی جانب ایک قدرتی تحریک ہونا لازمی ہے۔

متحد الخدمت یا متحد الغایت ہیں یعنی بقا انسانی کے ذمہ دار ہیں۔ مدنیت فاضلہ پانچ جماعتوں سے پیدا ہوتی ہے۔

(۱) **حکما**۔ تہذیب اور شائستگی کی اعلیٰ منزل پالینے کے باعث سب سے افضل (بڑے) ہوتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ موجودات کی حقیقت معلوم کریں اور بتلائیں۔ ان کو مدبر مدنیت کہا جاتا ہے

(۲) **علما**۔ علمی فضیلت کے باعث افضل ہوتے ہیں ان کا کام تعلیم و تعلم ہے ان کو اعظان مدنیت کہا جاتا ہے۔

(۳) **شجاع**۔ شجاعت کی وجہ سے افضل ہوتے ہیں۔ ان کا کام ملک اور جانوں کی حفاظت کرنا ہے۔ ان کو حامیان مدنیت کہا جاتا ہے۔

(۴) **پیشہ ور**۔ فنون شریفہ کی وجہ سے افضل ہوتی ہے۔ ان کے مختلف اور بہت کام ہیں۔ کوئی وکیل ہے۔ کوئی مصور ہے ان کو مقدرین مدنیت کہا جاتا ہے۔

(۵) **اہل حرفہ**۔ یہ مال کی وجہ سے ممتاز ہوتی ہے۔ ان کا کام تجارت صنعت وغیرہ ہے۔ ان کو مالیان مدنیت کہا جاتا ہے۔ جو جماعت بطور آلات کے اس جماعت کے کام آتی ہے۔ وہ بھی اسی میں شامل ہے۔ جداگانہ قابل ذکر نہیں،

مدنیت فاضلہ کے اثرات و نتائج صلاح و فلاح پر مبنی ہوتے ہیں جس سے ملک و مخلوق کو راحت و سہولت حاصل ہوتی ہے۔ اور امن و رفاہ کے باعث ہر ایک کو اپنے کسب کا موقعہ ملتا ہے۔

محنت کی تقسیم و تکمیل

عزیز بہن یاد رکھو اپنی محنت کی تقسیم اور تکمیل و تالیف اپنے ہی اندر رکھو اور رکھنی چاہیئے تاکہ خود تم یعنی تمہارا ملک ہی فائدہ اٹھا سکے۔ دوسرے ممالک برائے نام نفع اٹھا سکیں۔ غیر مستحق جب اپنی محنت میں شریک و غالب ہو جائینگی، تو اصلی نفع اور نتیجہ کے مالک وہی ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ملک کا رہنے والا اپنے ملک کے اندر اپنی محنت

کی تکمیل و تالیف و تقسیم کرے۔

دیکھو بہت سی چیزیں ہندوستان سے خام جنس کی صورت سے جاتی ہیں تم کو صرف پیداوار کا ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پھر یورپ سے وہی خام جنس صنعت پاکر واپس آتی ہے۔ تو قیمت میں بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ طے شدہ اصول ہے کہ پیداوار کا نفع محدود ہے اور مصنوعات کا نفع غیر محدود ہے۔ یہ مسئلہ تکمیل محنت کا ہے محنت کی تقسیم، و تالیف کے ثمرات سرکاری کارخانوں سے معلوم ہو سکتے ہیں، کہ کیسے مشکل کام سہولت سے ہو جاتے ہیں (تقسیم کار) ایک ایسا زبردست اصول ہے کہ بدوں اسکے کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔

اب بہن اس تمہید کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ اپنی ضروریات اور اسکے متعلقہ کاروبار کے اجزا الگ الگ جماعت وار آپس میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ پھر انکی دوسری حالتوں پر غور کیا جاتا ہے۔ تعداد کا لحاظ، وزن کا خیال، جب تک ملک میں اشیاء کی تکمیل محنت کی تقسیم و تالیف بخوبی نہ ہو۔ مدنیت ترقی نہیں پا سکتی۔

ہر گھر مثل ایک ملک کے ہے۔ یہی اصول گھروں میں بھی تمہیں برتنے چاہئیں۔ ان باتوں کو سمجھ کر پہلے اپنے گھروں میں برتو پھر دیکھو کیسا کیا ہوتا ہے۔

سلطنت کی ضرورت

عزیز بہن ملک میں آزادی و امن قائم رہنے کے لئے سلطنت وضع ہوئی ہے، کیونکہ انسان کے ارادے اور خواہش جدا جدا ہیں اور یہی وجہ اختلاف کی ہے، ہر شخص اپنی خواہش کے لئے جداگانہ جد و جہد کرتا ہے۔

مثلاً ایک شخص کی خواہش لذتوں کا حاصل کرنا ہے۔

دوسرے شخص کی خواہش نعمتوں کا فراہم کرنا ہے۔

اگر ان دونوں کو بلا نگرانی چھوڑ دیا جائے تو متصادم ہو کر ایک دوسرے کے دشمن

بن جائینگے حالانکہ انکو معاون ہونا چاہیئے تھا۔ پس ان دونوں کے درمیان جو حد قایم کرنے والی چیز ہے وہ سلطنت ہے، تاکہ ایک کو دوسرے پر ناجایز طور پر غالب نہ ہونے دے۔ سب اپنے اپنے حق پر فایز رہیں۔ صرف اس مقصد کے لیئے سلطنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سلطنت کی تعریف عزیز بہن سلطنت کا لفظ ان جملہ انتظامات پر محیط (چھایا) ہوا ہے جو - - - - رعایا کی سلامتی اور توازن حقوق وسایل آمدنی کیلئے ہوں گو انتظامات و احکام کو ملک نے بخوشی یا جبر کے ساتھ قبول کیا ہو،

سلطنت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) **ایک عادلہ**۔ اسمیں شاہی اختیارات نامحدود نہیں ہوتے، بادشاہ کی مرضی و خواہشات غیظ و غضب و ناگواری کا مطلق خیال نہیں ہوتا۔ رعیت توانا، مال دار، مطمئن، آزاد، خود مختار بادشاہ سے بے خوف اپنے نفع و نقصان پر گفتگو کرنے والی وفادار سلطنت کی حامی ہوتی ہے۔ جیسے خلافت راشدہ تھی۔ اب گورنمنٹ برطانیہ ہے، یا ریاست العالیہ بھوپال کا رویہ +

(۲) **دوسری غیر عادلہ**۔ اسمیں شاہی اختیارات غیر محدود ہوتے ہیں۔ بادشاہی جناجوئی لازمی ہوتی ہے۔ ہر شخص غیر مطمئن خائف۔ غلام۔ مقید، مفلس اپنے نفع نقصان پر خاموش، ناقابل اعتماد، بے وفا۔ غدار۔ سلطنت کا دشمن۔ انقلاب کا ہمراہ۔ منافقانہ بسر بسر کرنے والا۔ غیر عادلہ حکومتیں چند روزہ ہوتی ہیں۔ ان کے بقا کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی

سلطنت عادلہ کی قسمیں عزیز بہن سلطنت عادلہ دو قسموں پر منقسم ہے۔

(۱) **نوعی** اسمیں ایک فرمان روا ہوتا ہے۔ جس کی فرمانبرداری رعایا پر اس وقت تک واجب رہتی ہے۔ جب تک وہ مقررہ قوانین کے موافق حکومت کرتا ہے

حکمرانی کے قواعد موضوع کرنے میں ارکان دولت کو دخل ہو۔

حکمران کو کوئی خاص اختیار کسی خاص حکم کے جاری کرنے کا اپنی مرضی سے نہیں ہوتا جب وہ

بزرگ قوم حضرت خواجہ حسن نظامی کی تصدیق سے

خارفام کی گواہی

کا یقین۔ کالا لکھنے والا۔ گواہی گلفام صابن کی۔ گورے دیس کا تحفہ صابن کالے دیس میں اب گھر گھر پہنچا جاتا ہے۔ مگر گلفام صابن اسی ملک سیاہ کا ہے جس کو نام ہی گلفام ملا ہے۔ اور کام بھی۔ اس کا رواج بھلے دیس میں ہونا کیا عجب ہے۔ انگلستان بھائی کہانی میں گلفام کا قصہ پڑھتے ہیں کہ اپسرا سبز پری کا عاشق تھا۔ اس گلفام صابن پر گلفام پریوں کو عاشق ہوتے آنکھ سے دیکھا۔ سبز پری کا دیس جنگل کوہ لال دیو تھا۔ گلفام سب کا کوئی خیالی نہیں۔ یہ کوئی پرستی سے نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں ہندو مسلمان کو مشتبہ اور گندی چربی کی مشک بلکہ کہوں سے بنایا جاتا ہے، سنا ہے گلفام کو خارفام میں بنا کر سبز پری کو ملا تھا۔ گلفام صابن کو وہ خاف سے زیادہ دور مقامات تک پہنچتا ہے، ہندو مسلمانوں میں، کالے گوروں میں گلفام صابن کی یکساں طلبگاری ہے

گلفام صابن نجمہ خارفام کو دیا گیا۔ کہ اس سے اپنے جسم کی سیاہی دور کر کے دیکھوں۔ بناسمالی نے جو دیے لگا کے ہیں وہ تو اس صابن سے دور نہ ہوئے۔ البتہ جسم کی جلد نرم ہو گئی۔ تمام صابنوں سے خوشگی بدن پیدا ہوتی ہے اس سے نہ ہوئی۔ اس سے زیادہ میری گواہی پر حجت ہو۔ تو میں یہی کہوں گا۔ کہ خارفام ہوں۔ گلفام کی قدر نہیں جانتا

ہندوستان میں ہر ترقی کا مادہ موجود ہے گلفام صابن اسکی دلیل ہے۔ ولایتی صابنوں سے کسی بات میں کم نہیں۔ ہاں کبھی اس کی ہے۔ کہ قیمت زیادہ نہیں ہے۔ اور اس کی کہ ایک ناقدرے ملک میں بنا ہے اور اس کی کہ غالبگیر نشتہار کا طریقہ نہیں جانتا۔

گلفام صابن خارفام کے سوا ہر شخص کو استعمال کرنا چاہیئے۔ بشرطیکہ اس کو اپنے ملک کی غذا اور بڑھیا چیزوں کی قدر ہو۔ یہی غریب خارفام اس کا استعمال یوں نہیں کر سکتا۔ کہ حرامزادہ گنا ہیں سے ازحد کالا ہے میں گناہ سے صاف کرنے والا صابن تلاش کرتا ہوں۔ کیا گلفام صابن کے دفتر کو اس کا پتہ معلوم ہے؟ تاہم اس سوزہ کو میں نے اپنے ملک کی آزمایش کے خیال سے استعمال کیا اور قابل تعریف پایا۔

سب سے زیادہ بہرت اس کی تصدیق میں اس سے ہوئی۔ کہ یہ صابن مشتبہ چربیوں سے نہیں بنایا جاتا۔ کیونکہ ہم ہندوستانیوں کو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اپنا ایمان بہت پیارا ہے۔ اور ہم چربیوں اور ہاتھوں کی صفائی کو مقدم سمجھتے ہیں۔ گلفام صابن بہت ترقی کرے گا۔ کیونکہ اس کی بنا پاکیزگی پر پڑی۔ جس کی بنیاد پاک ہو۔ اس کا وہ نیچا بنا رہے گا۔ اسی پر خارفام کی گواہی کا خاتمہ ہے

حسن نظامی ۲۴ فروری ۱۹۱۰ء

قیمت فی بکس تین ٹکیہ صرف ۱۲ آنہ محصول ڈاک بذمہ خریدار

سے ۵ روپیہ تک کا چک نکل آئے یا آپ کو کئی ہزار روپیہ مل جاوے۔ یہ طریقہ بھی شہرت صابن کے لیئے ہے کہ ہی

آرڈر دیویں **پتہ** گلفام سوپ آفس صدر بازار دہلی

ب

عید الفطر کی خوشی میں نصف قیمت

یہ کتابیں اور یہ نایاب و مجرب دوائیں نصف قیمت پر بھیجی جائیں گی، میعاد رعایت ۳۰ شوال کو بالکل ختم ہو جائے گی اس کے بعد ہر چیز پوری قیمت پر بدستور ملیگی
کتابوں اور دواؤں کے متعلق تعریفی الفاظ لکھنے فضول ہیں کیونکہ ایکی بیمثالی مسلم ہے

نام کتاب	خلاصہ	اصلی قیمت	رعایتی
زہر عشق	نئی دلچسپ مثنوی جو اپنے سوزناک لٹریچر کے اعتبار سے مشہور و مقبول ہے	۶ر	۳ر
پریم حصہ اول	بالکل اچھوتا ناول اور دلچسپ قابل دید ناول ایک سچا واقعہ سوز پر مبنی ہے	۸ر	۴ر
پریم حصہ دوم	پہلے حصہ کے پڑھنے والے دوسرے حصہ کو بغیر پڑھے نہیں رہ سکتے	۸ر	۴ر
عاشقانہ خطوط	عاشق کیطرف سے معشوق کو مختلف قسم کے خطوط اور انکے معشوقانہ دلچسپ جوابات	۸ر	۴ر
عرس نامہ	بزرگان دین کے عرسوں کی تاریخیں معہ مناقب وغیرہ چھوٹے سائز پر	۲ر	۱ر

نام دوا	کیفیت	قیمت	رعایتی
بیگم پاؤڈر	سرد ہونے کا بیگماتی مشہور و معروف خوشبودار لاجواب مصالحہ نما دوا	۱ر	۱۲ر
روک تھام	عورتوں کے سیلان رحم اور پرسوت کی مجرب و آزمودہ دوا	۶	عر
بندی نیستہ	بچوں کے دانت باسانی نکالنے اور انہیں نظر بد سے محفوظ رکھنے کا آلہ	۱ر	۱۲ر
اکسیر بواسیر	بادی اور خونی ہر قسم کی بواسیر کا شرطیہ علاج ہزاروں نامور دوا چاہئے	۶	عر

ارشاد احمد خان چشتی نظامی منڈوی حجام آگرہ

نوٹ: کوئی دوا بغیر پیسہ بھیجے روانہ نہ ہوگا۔ ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجنے سے قیمت کی صورت قیمت سے محصول لفافہ

فضل السلطان

اگر آپ بہترین خیالات و معلومات کا آئینہ دیکھنا چاہیں تو فضل السلطان ملاحظہ فرمایئے جو ماہ بہوپال سے شایع ہوتا ہے۔ صرف تین روپے سالانہ قیمت ہے اسمیں زنانہ و بچوں اور اسلامی تمدن و معاشرت اور تعلیم نسوان کے متعلق اعلیٰ مضامین شایع ہوتے ہیں۔ اور چار سال کے عرصہ میں جسقدر زنانہ تعلیم و معاشرت کے متعلق مواد اس رسالہ نے فراہم کیا ہے، اردو میں اس کی نظیر نہیں، ہر نمونہ کا پرچہ چار آنے میں مل سکتا ہے اشتہارات رنگا رنگ کو معاوضہ اور انعام بھی دیا جاتا ہے۔ اس کے ذخیرہ میں اعلیٰ مرتبت خواتین کی نہایت قابل قدر تصانیف موجود ہیں خصوصاً علیا حضرت فرمانروائے بہوپال اور بیگم صاحبہ وغیرہ کی تصانیف بھی ملتی ہیں۔ ذیل میں کچھ کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ اگر آپ کا کتب خانہ ان گراں بہا تصانیف سے خالی ہے۔ تو آج ہی آرڈر طلبی کا خط لکھدیجئے۔ مفصل فہرست مفت کے ٹکٹ پر بھیجی جاتی ہے

حضور سرکار عالیہ فرمانروائے بہوپال کی تصانیف

بچوں کی پرورش بچوں کے متعلق اصول حفظان صحت کی واقفیت اور فطرت کی اطاعت سے تربیت اطفال بچوں میں شائستگی، تہذیب، اخلاق اور دیگر صفات حسنہ پیدا کرنے کے لیے بیحد مفید اور

ہدیتہ الزوجین خانہ داری کا پہلا حصہ جس میں شوہر اور زوجہ کے شرعی اور قانونی حقوق و اختیارات اور

حفظ صحت خانہ داری کا دوسرا حصہ یعنی مدنیہ کے وہ تمام اصول جو عورتوں کی صحت جسمانی کے رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ قیمت ۱۳

معیشت خانہ داری کے تیسرے حصہ کا جزو اول جس میں انتظام خانہ داری وغیرہ نہایت تفصیل سے لکھا گیا ہے اور **معاشرت** خانہ داری کے تیسرے حصہ کا جزو ثانی جس میں بچوں کی تربیت آداب ملاقات و مہمان کے متعلق مفید ہدایات و تواعد ڈاکخانہ و قواعد ریلوے وغیرہ نہایت شرح و بسط سے لکھی ہیں

پتہ مالک مینیجر فضل السلطان - بہوپال

LIBRARY
HYDERABAD-1

گرمی (آتشک)

گرمی آتشک بدخلقی سے ہوتی ہے۔ اس کی ابتدائی حالت میں زخم ہوتا ہے اور تھوڑے عرصہ میں دونوں پٹھوں کی گلٹیوں میں ورم ہو آتا ہے جس کو لوگ باگھی کہتے ہیں۔ کچھ دن میں گرمی پھوٹ کر نکلتی ہے اور تمام جسم میں چٹے۔ گہاؤ۔ پھنسیاں۔ گڑے وغیرہ ہو جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ گلے میں یا ناک میں زخم اور سر کے بال کا اڑنا اور گانٹھوں میں درد ہوتا ہے۔ اخیر میں ہڈی تک اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ جوانی میں نکلی ہوئی آتشک کا زہر بڑھاپے میں ستاسکتا ہے اور باپ سے بیٹے اور پوتے تک کو آتشک کے زہر کے سبب مصیبت جھیلنے پڑتی ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ اس کو نہیں جانتے۔ اور اس کا جیسا علاج ہونا چاہیئے نہیں ہوتا، زخم کے ہوتے ہی لوگ شرم سے چھپاتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ پرہیز اکرتے ہیں، تو ایسے ہی ویسے لوگوں کی۔ ایسی دواؤں میں زیادہ پارہ ملا رہتا ہے۔ جس کا اثر مرض سے بھی بُرا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کو بخوبی غور کرکے ڈاکٹر برمن نے یہ دوا آتشک کی بنائی ہے۔ جو چیزیں آتشک کے زہر کو بے کار کرتی ہیں معروف و مشہور ہیں انکی خصوصاً آزمایش کرکے یہ دوا بنائی گئی ہے۔ تھوڑے دن کے استعمال سے یہ دوا آتشک اور اس کے نقصانوں کو رفع کرتی ہے زخم کے لیئے ساتھ ہی ساتھ مرہم لگانا چاہیئے۔ قیمت فی شیشی بمہ زخم کا مرہم ۵ر محصول ڈاک دونو کا ۵ر

دادی مجرب دوا

اس کے لگانے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ اور اس میں کوئی خراب اور مضر چیزیں بھی نہیں ہیں۔ جب کسی دوا کے استعمال سے فائدہ نہ ہوا ہو۔ تو اس کی بھی آزمایش یکبار کر لیجئے۔ چاہن اپرس میں بھی یہ مرہم فائدہ کرتا ہے۔ قیمت فی ڈبیہ بمہ محصول ڈاک ایک سے ۴ تک ۵ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۶۹۵ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

زبانِ غیب کی پکار

دینی رجسٹر میں نام لکھوادو

اب میں ہر مہینے ایک کتاب لکھدیتا ہوں۔ بعض دفعہ مہینے میں دو کتابیں بھی ہو جاتی ہیں ساری دنیا کاغذ کی گرانی کے سبب تصنیف و تالیف کو بند کر رہی ہے مگر مجھپر خدا کا فضل ہے کہ وہ اچھے اور اعلےٰ کاغذ دیتا ہے۔ مفید مضمون عطا فرماتا ہے اور اپنے بندے سے دین و ملت کی لگاتار خدمت لے رہا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُسنے اس عالمگیر قحط اور غلے کے زمانہ میں اپنے بندہ کو ہمت دی ہے کہ وہ ہر کتاب کے خریدار لیتے ہیں اور محکوم دیگر مصنفین کی طرح ناقدری کی شکایت نہیں ہوتی۔ کتابیں کثیر تعداد میں چھپتی ہیں اور مہینوں ماتھہ بک کر ختم ہو جاتی ہیں ضرورت صرف آگاہ کرنے کی ہوتی ہے مگر حلقۃ المشائخ کے کارکن اور اہلکار بار بار شکایت دیتے اور خریداروں کو نئی کتاب سے مطلع کرنیکی فرصت نہیں رکھتے۔ اور انکو اس میں بہت دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ لہذا ان کی خواہش سے میں دینی فدا کاروں کو پکارتا ہوں کہ وہ اپنا نام دینی رجسٹر میں اس اجازت کے ساتھ لکھوادیں کہ آئندہ جو کتاب حسن نظامی تصنیف کرے وہ بے اطلاع انکے پاس بذریعہ وی پی بھیجدی جائے۔

ابتک ایسے مستقل خریداروں سے صرف محصول کی رعایت کیجاتی تھی مگر آج سے ایکروپیہ میں دو آنے کمیشن کے بھی دیے جائینگے اور محصول ڈاک بھی نہ لیا جائیگا۔ اسکی اطلاع اپنے سب دوستوں کو دیدیجئے اور آپ بھی فوراً ایک کارڈ کارکن حلقۃ المشائخ دہلی کے نام بھیج دیجئے تاکہ آپکا نام مستقل خریداروں میں درج کر دیا جائے اور ہر تازہ کتاب بھیجے آپکو پہنچ جایا کرے۔ اس سے مطمئن رہیے۔ میری سب کتابوں کی لکھائی چھپائی بہی اچھی کرائی جاتی ہے اور کاغذ بھی عمدہ لگایا جاتا ہے۔ عام اخباروں اور رسالوں کیطرح میرے ہاں بُرے کاغذ کا آجتک استعمال نہیں ہوا نہ خدا چاہا آئندہ ہوگا اور قیمت بھی اصلی لاگت اور عملہ کے خرچ کے موافق رکھی جاتی ہے زیادہ نفع نہیں لیا جاتا۔ پس آپ اس سے بیکار کیجئے وصدہ کا نام لیکر جلد سے مستقل خریدار بنجائیے۔ ہر مہینے ایک کتاب یا دو کتابیں آپکو پہنچتی رہینگی مجھے اپنے دوستوں مریدوں اور علمی دینی قدردانوں سے توقع ہے کہ وہ اس تحریر پر غور توجہ کرینگے اور بصورت اسلامی

ملٹر بیجنے کے فروغ دینے میں میری مدد بھی کھولکر ہوگی والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حسن نظامی۔

شامِ زندگی

کا

(دوسرا ایڈیشن)

شام زندگی بسقدر پہلی دفعہ چھپوائی تھی الحمد للہ کہ صرف ایک مہینے میں نکل گئی۔ اور اب دوبارہ تیار ہو رہی ہے۔ جن ناظرین نظام المشائخ نے اسے ابھی تک منگایا ہو وہ اور دیر نہ لگائیں۔ اور فوراً دو روپے بھیجدیں۔ ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا یہ کتاب مولانا **راشد الخیری** (مدظلہ العالی) کی بہترین تصنیف ہے اور ہر عورت مرد کے لیے اسکا دیکھنا موجب خیر و فلاح ہوگا۔ حضرت خواجہ **حسن نظامی** صاحب، مولوی **ظفر علی خاں** صاحب اور تمام اسلامی و غیر اسلامی اخباروں، رسالوں کے ایڈیٹر اسکی تعریف میں یک زبان ہیں۔ اور بعید نہیں کہ سرکاری اور قومی مدارس کے نصاب میں اسے داخل کر لیا جائے۔ ہم ذمہ دار ہیں اگر شام زندگی آپ کو پسند نہ آئے۔ اسکا ایک ایک فقرہ تیر و نشتر کا کام نہ دے۔ اور کام کا نہ معلوم ہو تو دام واپس منگا لیجئے۔ قصہ کا پیرایہ قلعہ معلے کی اردو، مفید باتیں، پڑھو تو لطف، اور عمل کرو تو دین و دنیا سنورے

قیمت علاوہ محصول صرف ایک روپیہ +

پتہ

مینیجر نظام المشائخ دہلی

دنیا کی آبادی میں تین چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے
جنوری نمبر ۱۹۳۱ء

جلد ۱

نظام المشائخ

قسم سوم

روحانی تصوف و سلوک کا ماہوار رسالہ

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک لنوار مجموعہ

جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب زادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی ہر پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی صاحب

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک بدیہ پیشگی شاہی ۳ر

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

آج کل

نظام المشائخ دوہزار

نظام المشائخ دوہزار کی اشاعت میں ترقی ہے۔ مشتہرین ضرور اپنے اشتہار بھیج کر اس فائدہ اٹھائیں

نرخنامہ

مقدار	ایک بار	ششماہی	سالانہ
۱/۸ صفحہ	۲	۱۰	۱۸
نصف صفحہ	۴	۱۸	۳۲
پورا صفحہ	۸	۳۲	۶۰

نظام المشائخ کے قوانین و شرائط

(۱) نظام المشائخ ہر ہفتہ کی تیسری تاریخ کو حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہما کے عرس میں شائع ہوتا ہے۔ مضامین آنے چاہئیں۔ خلاف اخلاق و اصلاح مضامین نہیں رنگے جاتے ہیں۔ تحریروں میں افشاپردازی اور دیگر بیہودگی کا پہلو خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ بروقت تاریخ تک نہ پہنچے تو دفتر سے دریافت کرنا چاہیئے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو۔ براہ عنایت چوتھائی ماہ سے پہلے پہلے دفتر رسالہ کو اسکی خبر دیں ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کر دینی کافی ہے (۴) خط و کتابت میں اپنا نام و پتہ نہایت صاف و خوش خط لکھیے اور خریداری کا نمبر ضرور بتلایئے۔ جوابی لفافہ کے لیے یہ اپنی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

نمبر ۵ | بابت ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۵ ہجری | جلد ۱

فہرست مضامین

شمارہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	حکمت و موعظت	جناب مولانا شیخ نورالدین صاحب گوجرانوالہ	۴
۲	پھولوں بھرا دامن	جناب ارشاد نظامی چشتی اکبرآبادی	۱۴
۳	ایک کیڑے کی خندق	سیدی مولانی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	۱۵
۴	برگ شکستہ	خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب گوجرانوالہ	۲۱
۵	کرشمہ محبت	جناب سید غلام مصطفےٰ صاحب قمر حیدرآباد	۲۵
۶	جائز ہے یا ناجائز؟	معارف	۳۲
۷	باغ حقیقت کی ایک صبح	جناب میاں بشیر احمد صاحب بی اے بیرسٹرایٹ لا	۳۱
۸	مرغ قفس آزار	جناب محمد آصف علی صاحب بیرسٹرایٹ لا	۴۴
۹	تضمین	جناب مولوی سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآباد	۴۵
۱۰	کلام اکبر	لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی	۴۶
۱۱	تازہ غزلیں	مہاراجہ شاد۔ جناب رونق۔ جناب صابر۔ جناب قمر	۴۸
۱۲	یاران نظام المشائخ		۴۹
۱۳	اخلاق سلطانی	جناب مولانا ظفر احسن صاحب علوی	۵۷

ہندوستان ہی کیا نہیں

انگلستان کا پریس چیخ اٹھا

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش اڑا کر دیئے

آپ جس پرچہ کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے سب کے چہرے زرد ملیں گے۔ اب خطیب نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی شاذ و نادر نظر آتا ہو تو آتا ہو لیکن

کب تلک یارب چھپائیں دردِ دل

خطیب نظام المشائخ کے مالک کے پاس قیصر و کیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اٹھائے چلا جائے۔ ناظرین اگر نظام المشائخ کو اسکی بہتر شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو کچھ خود بھی تکلیف اٹھائیں!

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک **مدِ امداد** پیش کرتا ہوں۔ جب تک یہ جنگ ہے اُسمیں ۸ رسالانہ کم از کم سب کو دینا پڑے گا۔ اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو۔

خاکسار واحدی

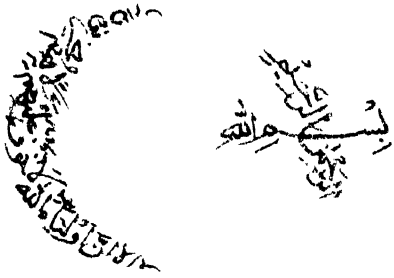

نظام المشائخ

حکمت و موعظت

زبان درازی پر تنبیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہا کہ جب کوئی شخص تم سے زبان درازی کرے تو غور کرو کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے سچ ہے یا جھوٹ۔ اگر سچ ہے تو شکر کرو کہ اپنے عیب سے مطلع ہوئے۔ اور اگر جھوٹ ہے تو اور زیادہ شکر کرو کہ تمہارے نامۂ اعمال میں تمہاری محنت کے بغیر ایک عمل بڑھایا جائے گا۔ یعنی اس جھوٹ کہنے والے کی برائی تمہارے نامۂ اعمال میں کراماً کاتبین لکھ دینگے۔ بلاشبہ انسان کو دوسرے کی زبان درازی پر بیحد غصہ آتا ہے۔ اُس وقت اُس کا دل یہی چاہتا ہے کہ بس چلے تو اُسکو مار ڈالوں۔ ایسے وقت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا قول یاد کرنا چاہیئے۔ رضہ من غل ہ

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق ہے برا وہ ہی کہ جو تجکو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے کیوں برا کہنے سے تو اسکے برا مانتا ہے

بعض احکام کی تعمیل اور بعض سے اعتنائی

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی آیت اس سے زیادہ مجھپر سخت نہیں ہے جتنی لستم علی شیء حتی تقیموا التورٰۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم (پ ۶ س المائدۃ ع ۱۴) ترجمہ جب تک تم تورات اور انجیل اور اُن صحیفوں کو تمہارے پروردگار کیطرف سے تمپر نازل ہوئے ہیں قائم نہ رکھوگے تو دین سے جس کا تم دعوے کرتے ہو تم کو کچھ بہرہ نہیں ۔

غور کرو آیۂ مجیدہ کا یہ مفاد ہے کہ جب تک کوئی شخص اللہ کی کتاب کے موافق تمام احکام پر مضبوطی سے عمل نہ کرے اُسکا دین و ایمان قابل اعتبار نہیں۔ مگر آج کل کے مسلمانوں میں یہ مرض بہت پھیلا ہوا ہے کہ قرآن حکیم کے بعض احکام کی تو تعمیل کی جاتی ہے۔ اور بعض سے بالکل بے اعتنائی کیجاتی ہے۔ بیشمار مسلمان ایسے ہیں جو نماز پنجگانہ کے نہایت شدت کے ساتھ پابند ہیں۔ مگر زکوٰۃ کا اُن کو خیال تک نہیں آتا۔ روزے رکھتے ہیں تراویح پڑھتے ہیں مگر کل باطل سے محترز و مجتنب نہیں ہوتے۔ یہ نہیں سوچتے کہ کسی یتیم کا مال کھا رہا ہے۔ یوں تو سجدہ گزار ہیں مگر لڑکیوں کو محروم الارث قرار دینے کے لیے رسم و رواج کی آڑ ڈھونڈتے ہیں۔ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بہت بُری بات ہے۔ اور قرآن مجید میں اس قسم کے لوگوں کی نسبت سخت وعید آئی ہے۔ افتؤمنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذٰلک منکم الا خزی فی الحیوٰۃ الدنیا ویوم القیٰمۃ یردون الی اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون (پ ۱ س البقرۃ ع ۱۰) ترجمہ کیا تم کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں۔ اسکے سوا اُن کا

اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں اُنکی رسوائی ہو۔ اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں اور جو کچھ بھی تم لوگ کرتے ہو اللہ اُس سے بیخبر نہیں ۔

سانڈ چھوڑنے کی رسم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا۔ وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتا پھرتا ہے۔ سانڈ چھوڑنے کی رسم اسی نے سب سے پہلے نکالی تھی۔ اس حدیث شریف کا مفاد یہ ہے کہ بعض توہمات کی بنا پر جو جانوروں کو سانڈ بنا کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس قسم کی وہمی رسوم کو جزو مذہب قرار دے رکھا ہے۔ دین فطرت ایسی لغو و نامعقول باتوں سے اپنے متبعین کو نہایت شدت کے ساتھ منع فرماتا ہے۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بعض اقوام میں تین طرح پر جانوروں کو چھوڑ دینے کا رواج ہے ۔

(۱) جب کسی مقام پر وبا آتی ہے تو ایک بھینسے کے تیل سیندور وغیرہ ملتے ہیں۔ اور پھر اُسپر غلہ لاد کر اُسکو شہر سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اور اس طریق عمل سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ اب وبا دور ہو جائے گی ۔

(۲) بعض امراء و عظماء اپنی عظمت و جبروت کے اظہار کے لیئے اپنے جانوروں کو چھوڑ دیتے ہیں کہ بھلا کوئی اُنکے جانوروں کو چھیڑنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ عرب میں ایک شخص نے اپنا دنبہ چھوڑ رکھا تھا۔ اور اُسکے گلے میں چھری بھی باندھ دی تھی کہ کسی کو جرأت ہو تو اسے ذبح کرے ۔

(۳) بعض نسل کشی کے لیئے نروں کو چھوڑ دیتے ہیں مگر یہ سانڈ بجائے فائدے کے نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ ایک تو ان میں نسل کشی کی قوت ہی نہیں رہتی۔ دوسرے اُنکی آوارہ گردی اتلافِ جان پر منجر ہوتی ہے ۔

ایام جاہلیت میں جانوروں کو چھوڑنے کا عرب میں بڑا رواج تھا۔ چنانچہ کن پھٹی اونٹنی بتوں کے نام پر کان پھاڑ کر چھوڑ دی جاتی تھی۔ پھر اُسکا دودھ کوئی نہ دوہ سکتا تھا۔ اُسکو بحیرہ کہتے تھے۔ معمولی سانڈ سے جب کوئی کام نہ لیتے تھے تو اُسکو سائبہ کہتے تھے۔ جس اونٹنی کے پہلونٹی کے اوپر تلے دو بچے مادہ ہوتے تھے تو اُسکو متبرک سمجھکر چھوڑ دیتے تھے۔ اسکو وصیلہ کہتے تھے۔ جس اونٹ کی نسل سے کئی بچے ہوجاتے تھے آخر عمر میں اُسکو خدمت سے معاف کر دیتے تھے۔ اسکو حام کہتے تھے۔

الغرض اس قسم کی رسوم کو اہل عرب نے جزو مذہب قرار دے رکھا تھا۔ اسلام نے ان رسوم کا قلع قمع کر دیا۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے۔ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب واکثرھم لا یعقلون ۰ (پ ۷ المائدہ ع ۱۴) ترجمہ نہ تو بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام ان میں سے کوئی چیز خدا نے نہیں ٹھیرائی بلکہ کافر اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں اور ان میں اکثر عقل نہیں رکھتے ۰

صورت دبیر فاروق اعظم بزرجمہر نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایلچی بھیجا کہ آپ کی صورت و سیرت دیکھ آ۔ وہ ایلچی جب مدینہ طیبہ میں پہنچا تو مسلمانوں سے پوچھا۔ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمارا بادشاہ نہیں ہے۔ ہمارا امیر ہے۔ وہ ابھی دروازہ سے باہر گیا ہے۔ ایلچی باہر نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دھوپ میں فرش خاک پر سو رہے ہیں۔ دُرّہ سر کے نیچے رکھا ہے پیشانی سے اتنا پسینہ بہا ہے کہ زمین تر ہو گئی ہے۔ ایلچی یہ حال دیکھکر بیحد متاثر ہوا کہ اطراف و اکناف عالم کے ملوک و سلاطین جس کی ہیبت و شوکت اور عظمت و سطوت سے مرعوب ہیں۔ وہ ان صفات سے متصف ہیں۔ اُس نے جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی

خدمت میں عرض کیا۔ یا امیرالمومنین! آپ رعایا و برایا پر عدل و انصاف مرعی رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے بے کھٹکے سوتے ہیں۔ مگر ہمارا بادشاہ ظلم کرتا ہے۔ اسی بنا پر ہمارا سامان و پریشان رہتا ہے۔ میں صدق دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ تمہارا دین اسلام سچا ہے اگر میں ایلچی بنکر نہ آیا ہوتا تو ابھی حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہو جاتا۔ پھر حاضر خدمت ہو کر شرف باسلام ہونگا۔

غور کرو۔ اسلام کبھی بجبر نہیں پھیلا بلکہ اشاعت اسلام کا اصلی راز اسکی حقانیت اور پیروان اسلام کے اسوۂ حسنہ میں مضمر رہا ہے۔ وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ مبلغین اسلام کا اہم و اقدم فرض یہ ہے کہ اپنے اعمال و افعال اور گفتار و کردار سے اپنے آپ کو اسلام کی حقیقی اصلی اور زندہ تصویر بنائیں۔

فوائد مجالس صالحین

صحیح بخاری میں ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مسجد میں رونق افروز تھے۔ اور لوگ بھی آپکے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں تین آدمی باہر سے آئے۔ دو تو ان میں سے حضرت سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کے پاس آگئے۔ اور ایک چلدیا۔ ابو واقد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر وہ دونوں شخص جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ٹھیرے۔ ایک نے ان میں سے تھوڑی سی جگہ حلقہ میں خالی دیکھی۔ وہاں بیٹھ گیا۔ اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھا۔ اور تیسرا پیٹھ موڑ کر چلدیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ کیا میں تم کو تین آدمیوں کا حال نہ بتاؤں؟ ایک نے اللہ تعالیٰ سے جگہ چاہی۔ حق سبحانہ نے اسکو جگہ دی۔ دوسرے نے اندر گھسنے میں لوگوں سے شرم کی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے شرم کی۔ اسکے گناہوں کا مواخذہ نہ ہوگا۔ تیسرے نے منہ پھیر لیا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ

نے بھی اُس سے مُنہ پھیر لیا۔ غور کرو۔ اِس حدیث شریف کا مفاد یہ ہے کہ مجلس صالحین میں جانا بہر حال مفید و بابرکت ہے۔ خواہ بات سننے یا کرنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ انکی مجلس میں بیٹھنا بھی موجب فوائد و عوائد ہے۔

بزرگی بعقل است نہ بسال

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اُن معمر صحابہ کے ساتھ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کو بھی اپنے پاس بلایا کرتے تھے اِس پر بعض اصحاب معترض ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ کیوں بُلاتے ہیں؟ اس کے سن و سال کے تو ہمارے بیٹے ہیں۔ فرمایا یہ نوجوان ان لوگوں میں ہے جن کا علم و فضل تم جانتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن جو حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان شیوخ کو یاد فرمایا تو مجھے بھی بُلا بھیجا۔ میں تاڑ گیا کہ آج غالباً آپ اُن پر میرا یا میرا علم ظاہر کرینگے۔ جب سب حاضر ہوئے تو آپ نے اُن بوڑھے صحابہؓ سے پوچھا کہ یہ جو سورہ ہے۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا (پ ۳۰ س النصر) ترجمہ اے پیغمبر جب کہ خدا کی مدد آپہنچی اور مکہ فتح ہو گیا اور تم نے لوگوں کو بچشم خود دیکھ لیا کہ دین خدا یعنی اسلام میں جوق جوق داخل ہو رہے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ اُس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہو جاؤ۔ اور اُس سے گناہوں کی معافی مانگو بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنیوالا ہے تم اسکا کیا مطلب سمجھتے ہو؟ بعض نے جواب دیا کہ اسکا یہ مطلب ہے کہ جب ہم کو اللہ کیطرف سے مدد ملے اور فتح حاصل ہو تو ہم حق سبحانہ تعالیٰ کی تعریف کریں۔ اور اُس سے بخشش چاہیں۔ بعض نے اپنی لاعلمی و لاادری بیان کی۔ اور بعض ساکت و صامت رہے انہوں نے کوئی جواب ہی نہ دیا۔ اِس وقت جناب عمر خطابؓ میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور پوچھا ابن عباسؓ! تم کیا کہتے ہو؟ کیا اس سورہ مجیدہ کا صرف یہی مطلب ہے اور بس؟ میں نے

عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا کہ اس سورۃ شریفہ میں اللہ جل جلالہ نے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ بتلایا ہے کہ اب تمہاری وفات کا زمانہ آن پہنچا۔ اور فتح سے مکہ کی فتح مراد ہے۔ یعنی مکہ معظمہ کا فتح ہونا تمہاری عمر کے تمام ہونے کی نشانی ہے۔ اب تم اللہ کی تعریف کرو۔ اُسکی پاکی بیان کرو۔ اُس سے بخشش چاہو۔ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ حضرت عمر نے کہا۔ ہاں بیشک میں بھی یہی مطلب سمجھتا ہوں۔ اور رونے لگے۔ اور فرمایا۔ ہر کمالے را زوالے۔ غور کرو۔ جناب فاروق اعظم نے ایک مسئلہ پوچھکر حضرت ابن عباس کی فضیلت شیوخ بدر پر ظاہر کردی ولنعم ما قیل

"بزرگی بعقل است نہ بسال"

پہلوان کون ہے؟ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک شخص کا تذکرہ ہوا کہ وہ بڑا شہ زور پہلوان ہے۔ آپنے فرمایا کہ وہ کیسا آدمی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ جس سے کشتی لڑتا ہے۔ اُسے پچھاڑتا ہے۔ اور سب کشتی میں برآتا ہے۔ حضرت سرور انبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء نے فرمایا کہ زہد اور جہاں مردانہ پہلوان وہ شخص ہے جو اپنے غصہ سے برآئے نہ وہ جو کسی کو گرائے ولنعم ما قیل۔

نہ مرد است آں نزد یک خردمند — کہ با پیل دماں پیکار جوید
بلے مرد آنکس است از روئے تحقیق — کہ چوں خشم آید ش باطل نگوید

خلق محمدی صلعم صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک گنوار کھڑا ہوکر مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ لوگوں نے اُسکو للکارا۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ دعوہ وھریقوا علی بولہ سجلاً من ماءٍ او ذنوباً من ماءٍ فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔ اسکو چھوڑ دو جانے دو۔ اور جہاں اس نے پیشاب کیا ہے۔ وہاں ایک بھرا ہوا پانی کا ڈول بہادو۔ کیونکہ تم لوگوں کو آسانی کرنے

کے لیے بھیجے گئے ہو۔ اور سختی کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ غور کرو۔ جناب سالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ اسکو چھوڑ دو جانے دو۔ اس میں بڑی حکمت تھی۔ کیونکہ پیشاب تو وہ شروع کر ہی چکا تھا۔ اور زمین نجس ہو چکی تھی۔ اب زجر و توبیخ اور زدوکوب سے کیا حاصل ہوتا۔ یہی کہ وہ گنوار راہ فرار اختیار کرتا۔ اسکے بھاگنے سے ساری مسجد نجس ہو جاتی۔ مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ سے یہ بھی ممکن تھا کہ کفر و ارتداد کی طرف عود کرتا۔ آپ بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہے۔ پیشاب کر چکنے کے بعد اسکو اپنے پاس بلایا اور نرمی و ملائمت سے سمجھایا کہ مساجد اللہ کی یاد اور نماز کیلئے بنی ہیں۔ ان میں پیشاب یا پیدی نہیں ڈالنی چاہیئے۔ سبحان اللہ! ایسا حسن اخلاق عامۃ الناس سے مشکل ہے۔ وانک لعلی خلق عظیم (پ ۲۹ نمبر ۱ ع ۱) اور بیشک تیرے اخلاق البتہ بڑے اعلیٰ درجہ کے ہیں +

مقام محبوبیت | روح کے خواص میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ ہر فرد بشر مقام محبوبیت کا خواستگار ہے۔ مقام محبوبیت کے حصول کے لیے ہی شعراء اشعار کہتے ہیں خطباء خطبے دیتے ہیں۔ اغنیاء مال و زر خرچ کرتے ہیں۔ مقام محبوبیت کے حصول کا ایک ذریعہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بھی بتایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تم محسن بن جاؤ۔ پھر تم محبوب بنو گے۔ اور محبوب بھی کس کے؟ خدائے عزوجل کے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین ۰ (پ ۲ ر البقرہ ع ۲۴) اور احسان کرو بیشک اللہ احسان کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے + غور کرو کوئی شخص اپنے محبوب کو ذلیل و خوار نہیں کرتا۔ پس وہ شخص جسکا خدا محب ہو کیونکر ذلیل و خوار ہو سکتا ہے؟

واقعہ شیخ جیلانی سے متعلق | ایک نوجوان کسی مسجد میں شب و روز عبادت الٰہی میں شاغل تھا ایک

عورت اُسپر فریفتہ ہوگئی۔ ہر وقت اُس کی تاک میں رہتی اور اُسکو اپنے پاس بلاتی تھی اُس نوجوان کو وساوس شیطانی اُبھارنے لگے۔ اور اُسکا ارادہ ہوچلا تھا کہ اُس عورت کے گھر میں جائے۔ دفعتہً اسکو یہ آیۂ مجیدہ یاد آگئی۔ ان الذین اتقوا اذا مسہم طٰئف من الشیطٰن تذکروا فاذا ہم مبصرون ۰ (پ ۹ س الاعراف ع ۱۲) جو لوگ پرہیزگار ہیں جب کبھی شیطان کی طرف کا کوئی خیال اُنکو چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں۔ اور پردۂ غفلت اُن کی آنکھوں پر سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اُسی دم راہ صواب دیکھنے لگتے ہیں۔ مغالبے ہوش ہوکر گر پڑا۔ جب خدا ہوش آیا۔ پہلی اسی آیت کو پڑھا۔ اور داعی اجل کو لبیک اجابت کہا۔ جب اس کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو ایک بزرگ صاحب کشف نے اُسکی قبر پر پکار کر کہا کہ اے جوان! ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن ۰ (پ ۲۷ س الرحمٰن ع ۱) اور جو شخص اپنے رب کے پاس کھڑا ہونے سے ڈرا اُسکو دو باغ ملیں گے ۔

قبر کے اندر سے آواز آئی۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق مجھ کو دو باغ دیئے ہیں۔ بلاشبہ آیات قرآنی وساوس شیطانی سے تنبہ کا باعث ہوتی ہیں بشرطیکہ اُنکو غور سے پڑھا جائے۔ اور اُنکے معانی و مطالب سمجھکر اُن میں تدبر و تفکر کیا جائے ۔

نور الدین ازگوجرانوالہ

پُرتاثیر خطیب (دہلی)

اسکے اخباری نمبر کے اردو عربی کے خطبے سنو جو ہر ہفتے دین و دنیا کی بھلائی کے پُرتاثیر وعظ سناتا ہے۔ اردو زبان بیان پر ہوتی ہے۔ کہ جسکے راستے اس خضر کے سامنے ہاتھ باندھے چلے آتے ہیں۔ مشہور رسالہ نظام المشائخ کے دفتر سے نکلتا ہے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے مضامین اپنے زیادہ تر اسی میں چھپتے ہیں۔ چندہ سالانہ ہمارے ششماہی پرچہ کا ۳ روپیہ خریداران نظام المشائخ سے سالانہ ہمارے ششماہی پرچہ کا ۲ روپیہ ششماہی ۱۱ نمونہ مفت

المشتہر منیجر خطیب دہلی

پھولوں بھرا دامن

ہم نے وہ پھول چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں

شاعر اپنے آنسوؤں کو موتی سمجھتے ہیں۔ اور جب روتے ہیں تو انکے خیال میں اُن کا دامن موتیوں سے بھر جاتا ہے۔ مگر میرے آنسو "پھول" ہیں۔ میری حسرتوں کے خون نے ان پھولوں میں عجیب رنگینیاں پیدا کردی ہیں۔ یہ پھول موتیوں سے زیادہ آبدار اور خوش رنگ ہیں۔ جن آنکھوں سے گل فشانی ہوتی ہے۔ ان آنکھوں میں گلستان وصدت و بوستان عرفان کے بلبل شیدا کی تصویر کھچی ہوئی ہے۔ وہ بلبل اپنی منقار خوشرنگ کھولتا ہے تو یہ پھول جھڑتے ہیں۔ تو کیا وہ روتا ہے؟ نہیں بلکہ ہنستا ہے اور اُسکی ہنسی کے ساتھ یہ پھول میرے دامن میں گر پڑتے ہیں۔

رضوان کو سنا ہے کہ وہ آٹھ جنتوں کا مالک ہے۔ آٹھ باغوں کا باغبان ہے باغ بھی کیسے خدا کے لگائے ہوئے۔ یوں تو ہر باغ جو دنیا میں ہے وہ بھی خدا ہی کا لگایا ہوا ہے۔ مگر یہ آسمانی باغ اپنی عصمت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کو کسی شیر کی آنکھ نے اب تک نہیں دیکھا ہے۔ اس لیئے رضوان کو ان باغوں کے پھولوں پر ناز ہے۔ ہوگا۔ میرے پھولوں کو اگر وہ چشم حقیقت سے دیکھے تو پھر اپنے بہشتی پھولوں کو بھولکر بھی نہ سونگھے۔

ان پھولوں میں میرے جذبات کا رنگ چھایا ہوا ہے۔ میرے تخیل کا عطر بسا ہوا ہے اور میرے ارمانوں کی تازگی انپر چھڑکی ہوئی ہے۔ یہ جنتی پھول ہیں جو ذرا سی دیر میں ستو رنگ بدلتے ہیں۔ یہ گل صد رنگ ہیں۔ اور ان کی تیرنگیاں بس میں ہی جانتا ہوں۔

دنیا کی کوئی چیز بیکار نہیں ہے تو کیا یہ میرے پھول بیکار ہیں۔ کیا یہ میرے دامن سے گر کر خاک میں مل جائینگے۔ نہیں، ہرگز نہیں، میں انہیں "بہار زندگی" سمجھتا ہوں۔ خاک میں نہ ملنے دونگا۔ یہ آنکھوں سے گرے ہیں۔ اگر دامن نے گل نوازی نہ کی تو آنکھیں اسکے لیے پھر حاضر ہیں۔"

آنکھوں والا بلبل کہتا ہے۔ میں جن پھولوں کو دامن میں گرا چکا ہوں۔ انہیں واپس دینے کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس گل فشانی کے ابھی ہزاروں اسباب اور موقعے ہیں۔ میں اتنے پھول برسا سکتا ہوں کہ یہ ایک دامن کیا اگر دامن عالم پھیل جائے تو بھی میرے پھولوں کے لیے گنجائش نہ نکال سکے۔"

ہاں یہ سچ ہے۔ دل سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آہیں بن بن کر نکلتی ہیں۔ خون جگر اُس میں ملجاتا ہے۔ اور ہیجان طبیعت ایک نیا پھول بنا کر ایک سیکنڈ میں آنکھوں تک پہنچا دیتا ہے۔ بلبل چہکتا ہے۔ آنکھیں جھپکتی ہیں۔ میں دل پر ہاتھ رکھکر دامن پھیلا دیتا ہوں۔ اور ایک پھول چند پنکھڑیوں کے ساتھ میرے افسردہ گالوں کو کھیلتا ہوا پھر دامن میں آپڑتا ہے۔

کیا ان پھولوں کا کسی باغ میں جواب ہے؟

میرے دامن میں اب گنجائش نہیں ہے۔ اور پھولوں کی روانی بدستور باقی ہے میں اپنے دامن کے پھول پھینکنا نہیں چاہتا۔ لیکن دامن ضرور خالی کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی ہے کہ میرے دامن سے اپنا دامن ملا کر مجھے سبکدامن کردے۔ اور میرے آنیوالے پھولوں کے لیے جگہ دے۔"

کوئی نہیں۔ کوئی نہیں چاہتا کہ ان محبت بھرے پھولوں کو جو بالکل محبت کے ملوے سے بنے ہیں۔ لے۔ اچھا میں اپنا دامن لیئے ہوئے شہیدان وفا کی تربت پر جاتا ہوں۔ ان کے مزار پھولوں کے لیے ترس رہے ہیں۔ یہ پھول ان مزاروں کی

رونق بنیں گے۔ اور یہی مزار ان پھولوں کے لیئے دار القیام ثابت ہونگے۔ چل۔ اے دل وحشی چل۔ تیرے سامان رنگا رنگ کو ٹھکانے لگا دیں۔ اور تیرے اضطراب کے ہاتھوں نے جو پھول بنائے ہیں۔ انہیں شہیدان وفا کے ڈھیروں تک پہنچا دیں اُن کی روحیں اس سامان روحانی سے مہک جائیں گی۔ اور میرا پھولوں بھرا دامن گنجائش نکالنے کے قابل ہو جائے گا۔ اچھا چل!!!

ارشاد نظامی چشتی اکبر آبادی

شام زندگی کا دوسرا ایڈیشن

شام زندگی جس قدر پہلی دفعہ چھپوائی تھی۔ الحمد للہ کہ صرف ایک مہینہ میں کل گئی۔ اور اب دوبارہ تیار ہوئی ہے۔ جن حضرات نے اسے اب تک نہ منگایا ہو۔ وہ اور دیر نہ لگائیں فوراً مدعا ستیں بھیجدیں۔ ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ یہ کتاب مولانا راشد الخیری (مدظلہ العالی) کی بہترین تصنیف ہے۔ اور ہر عورت مرد کے لیئے اس کا دیکھنا موجب فلاح ہوگا۔ حضرت خواجہ حسن نظامی۔ مولوی ظفر علی خاں اور تمام اسلامی و غیر اسلامی اخبارو رسالوں کے ایڈیٹر اسکی تعریف میں یک زبان ہیں اور بعید نہیں کہ سرکاری اور قومی مدارس کے نصاب میں اسے داخل کر لیا جائے۔ ہم ذمہ دار ہیں اگر آپ کو شام زندگی پسند آئے اسکا ایک ایک فقرہ فیرنٹشر کا کام نہ دے اسکا کام کا نہ معلوم ہو تو دام واپس طلب فرمالیجئے قصہ کا پیرایہ، قلعہ معلے کی اُردو، مفید باتیں۔ پڑھو تو لطف ملے، اور عمل کرو تو دین و دنیا سنورے۔ قیمت علاوہ محصول ایک روپیہ +

منیجر خطیب اونظام المشائخ دہلی سے منگائیے

ایک کیڑے کی خندق

خندقوں کی لڑائی آدمیوں میں تو آجکل ہر جگہ جاری ہے۔ مگر یہ خبر شاید کسی کو نہ ہوگی کہ غیر انسان کیڑے بھی خندق بنا کر دشمن سے لڑتا اور اُس پر فتح پانا چاہتے ہیں۔

دہلی میں ایک کیڑا ہوتا ہے جس کی خندقوں کے معائنہ میں آج کئی گھنٹے میں نے صرف کیے۔ ممکن ہے اور شہروں میں بھی یہ جانور اور اُسکی خندق پائی جاتی ہو مگر مجھے دہلی کے سوا اور کہیں اِسکے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

یہ کیڑا پختہ سڑکوں پر۔ خام راستوں پر اور کبھی کبھی بے استعمال میدانوں میں بھی اپنی خندقیں بناتا ہے۔ اِسکی خندق اکیلی نہیں ہوتی۔ پاس پاس سیکڑوں ہزاروں خندقیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔

عام طور سے ہر خندق ایک انچہ گہری اور ایک ہی انچہ چوڑی ہوتی ہے۔ ایک انچہ سے کچھ بڑی اور کچھ چھوٹی بھی بعض جگہ ملتی ہیں۔ مگر کچھ بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔

یہ خندق کنوئیں کی طرح گول ہوتی ہے۔ اوپر سے مُنہ چوڑا ہوتا ہے۔ اور اندر جا کر سکڑا ہو جاتا ہے۔ بوتل میں تیل بھرنے کا کیپ دیکھا ہوگا۔ جیسا وہ بیضوی ہوتا ہے ایسی ہی یہ خندق ہوتی ہے۔

خندق کی دیواریں بہت باریک اور مہین خاک کی ہوتی ہیں۔ اور مٹی کے ذرے ایسے پھُس پھُسے رکھے جاتے ہیں کہ جب کوئی چیونٹی اس خندق میں گر پڑتی ہے۔ اور ان دیواروں پر چڑھ کر باہر نکلنا چاہتی ہے تو یہ دیواریں اسکو پھسلا دیتی ہیں۔ اور بیچارے کے پاؤں اس سوکھی دلدل میں جم نہیں سکتے۔

خندق کی وسطی نوک مٹی سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ

زمین میں کوئی سوراخ ہے لیکن اسکے اندر وہ کیڑا جس نے خندق بنائی ہے خاک کی نقاب منہ پر ڈالے ضیم کی تاک میں بیٹھا رہتا ہے۔ کوئی چیونٹی یا اُس جیسا کوئی چھوٹا سا جانور زمین پر پھرتے پھرتے اتفاقاً اُس خندق میں گر پڑتا ہے اور دیکھتا ہے کہ میں ایک کنوئیں میں ہوں۔ مگر اسے خیال آتا ہے کہ گڑھا بہت چھوٹا ہے اسمیں سے نکلکر بھاگ جانا کچھ دشوار نہیں۔ اسواسطے وہ گھبراکر ایک پریشانی کی دوڑ میں خندق سے نکلکر بھاگنا چاہتا ہے۔ جونہی وہ دیوار پر چڑھتا کہ دیوار کے ذرے اُسکو لیکر نیچے گر پڑتے ہیں۔ تہ میں گڑھا غضب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی گری ہوئی مٹی کیڑے کو خبردار کر دیتی ہے اور وہ نقاب کے اندر سے اپنی قینچی دار سونڈ نکالکر جانور کو پکڑ لیتا ہے۔ اُسوقت بیچارا جانور بہت تڑپتا ہے۔ بہت پھڑکتا ہے۔ بہت بلبلاتا اور ماتھہ پاؤں مارتا ہے اُسکو دشمن کی صورت تو نظر آتی نہیں۔ اسلیئے حیران ہوتا ہے کہ میں کسکے پھندے میں پھنس گیا۔ آخر خندق نشین کیڑا اس ماتھہ پاؤں مارتے بیکس جانور کو کھینچکر مٹی کے اندر گھس جاتا ہے۔ اور پھر خندق بالکل خالی نظر آنے لگتی ہے ؛

انسان لڑائیوں میں اپنی حفاظت کے لیئے خندق کھودتا ہے۔ اور یہ جانور شکار کی ہلاکت کے واسطے یہ خاکی جال لگاتا ہے۔ آدمی بھی۔ ہاتھی اور شیر پکڑنے کو ایسی خندقیں کھدوا کرتے ہیں۔ مگر وہ ان گڑھوں کا کمزور چیزوں سے منہ ڈھک دیتے ہیں۔ اور یہ کیڑا اپنی خندق کا منہ کھلا رکھتا ہے۔ ڈھکتا نہیں ؛

میں نے کئی چیونٹیاں امتحاناً اس خندق میں ڈالیں جن کو ایک سکنڈ کے اندر قبر میں چھپی ہوئی یہ ننھی سی موت آنکھوں آنکھوں میں کھا گئی۔ تب میں نے ایک تنکے سے اُس خندق کی تہ کھودی۔ تو آدھ انچہ کے بعد مجھے دو مری ہوئی چیونٹیوں کی لاشیں ملیں۔ اسکے آگے کھودا تو پنے کی دوائی کے برابر کیچوے کی شکل کا ایک جانور نظر آیا جو بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور خندق کے دوسرے رخ زمین کھود کر پوشیدہ ہونا

چاہتا تھا۔ مگر میں نے اُسکو جبراً پکڑ کر باہر نکال لیا۔ اور کہا کیوں جناب! اس آزادی اور امن کے زمانہ میں دن دہاڑے ڈاکہ زنی؟ اور بے زبان چیونٹیوں پر ایسی قاتلانہ سفاکی؟

خندق نشیں کیڑے کی رنگت بھوری اور مٹیالی۔ چھ پاؤں۔ ایک سونڈ اور اوپر ایک پشت ہوتی ہے۔ پاؤں سونڈ کے پاس بہت چھوٹے۔ درمیان میں بڑے۔ اور آخری حصہ میں پر ننھے ننھے۔ بچھو کی طرح اسکا منہ معلوم نہیں ہوتا۔ منہ کے پاس ایک زنبور کی شکل کی ہوتی ہے۔ جس کے اگلے دونوں سرے بچھو کے زنبور کی شکل خم دار اور نوکیلے ہوتے ہیں۔ اس زنبوری قینچی کے دونوں حصوں سے وہ اپنے شکار کو مضبوط پکڑ لیتا ہے۔ اس کے پچھلے پاؤں زمین کے کھودنے کی کدالیں ہیں۔ اور اگلے پاؤں مٹی اڑانے کا فوارہ۔ اسکا جسم جسکو میں نے پشت کے نام سے ابھی بیان کیا جھریوں دار ہوتا ہے۔ اور اس میں دو تین بل پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس وقت یہ زمین میں گھستا ہے تو پچھلے پاؤں زمین کھودتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکا وٹر یعنی پشت ایک تیز اور چکلے اوزار کی طرح زمین کو چیرتی ہوئی پچھلے پیروں کے کام کو آسان کرتی ہے اور اُسیوقت اگلے پاؤں اس تیزی اور پھرتی سے خاک کے ذروں کو باہر پھینکتے ہیں کہ پچھلے پیروں کی کھودی ہوئی مٹی درمیان میں جمع ہو کر سدراہ نہیں ہوتی۔ اور کیڑے کی جنبش کے ساتھ فوارۂ آب کی طرح اڑ اڑ کر باہر جمع ہو جاتی ہے۔ اور کیڑا زمین کے اندر تیرتا ہوا کہیں کا کہیں غائب ہو جاتا ہے۔

زمین اگر سخت اور کنکریلی بھی ہو تو بھی یہ کیڑا بہت آسانی سے اُسکو پاش پاش کر دیتا ہے۔ ساری زمین اسکے آگے مثل پانی کے ہے۔ یہ کیڑا اُلٹا چلتا ہے۔ سب کیڑے آگے بڑھ کر چلتے ہیں۔ اور یہ پچھلے رُخ دوڑتا ہے۔ اسکی جسامت زیادہ سے زیادہ چنے کی دال کے برابر ہوتی ہے۔ مگر بعض اس سے ذرا چھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ ممکن ہے وہ بچے

ہوتے ہیں۔ میں نے صرف دو چار خندقیں اجاڑ کر امتحان کیا۔ اس سے تو اتنا ہی معلوم ہوا مگر میں اور بھی تحقیق کرکے اس کیڑے کے زیادہ اور طریق نسل کو بھی معلوم کروں گا (انشاء اللہ وقدرتہ) +

خندق کے باہر کی لڑائی

یہ وقت تو عالمگیر جنگ کا ہے۔ ہندوستان کے بزرگ بھی ہاتھی کی۔ شیر کی۔ مرغ کی۔ تیتر بٹیر کی لڑائیاں دیکھا کرتے تھے لہذا میں نے بھی اس خندق نشین سفاک کو چیونٹیوں سے لڑا کر تھوڑی دیر جی بہلایا +

وہیں پاس کالی چیونٹیوں کا بہٹ (رہنے کا سوراخ) تھا کالی چیونٹیوں کی کئی قسمیں ہیں بالکل سیاہ فام بودی اور ڈرپوک ہوتی ہیں۔ مگر جن کا جسم سرخی مائل سیاہ ہوتا ہے وہ بڑی لڑاکا اور مضبوط دل پائی جاتی ہیں۔ بالکل کالی چیونٹی آدمی کے سامنے سے بھاگ جاتی ہے۔ اور یہ سرخی مائل مقابلہ کرکے ایسا کاٹتی ہے کہ جان دیئے بغیر گوشت سے اسکے دانت باہر نہیں نکلتے۔ یہ بہٹ انہی سرخی مائل کالی چیونٹیوں کا تھا۔ اور بہٹ کے منہ پر کئی سو پہرہ دار چیونٹیاں جمع تھیں۔ میں نے خندق نشین کیڑے کو انکے بیچ میں ڈال دیا۔ کیڑے کا گرنا تھا کہ چاروں طرف سے چیونٹیاں ٹوٹ کر دوڑیں۔ اور بیچارے کیڑے کو پکڑ لیا۔ مگر کیڑے نے ایک پہریری ایسی لی کہ سب تتر بتر ہوگئیں۔ لیکن دو ایک اس کے پیروں کو چمٹی رہیں۔ کیڑے نے ایک چیونٹی کو سونڈ میں پکڑ کر اوپر اٹھالیا۔ گویا وہ دکھاتا تھا کہ دیکھو ہٹ جاؤ۔ اور اپنے ساتھی کا حال دیکھ لو۔ ورنہ سب کو اسیطرح پاش پاش کر ڈالونگا مگر چیونٹیوں نے کچھ پرواہ نہ کی سونڈ والی چیونٹی تڑپتی رہی۔ ہاتھ پاؤں مارا کی مگر اسکی بہنوں نے اسکو دیکھا تک نہیں۔ اور کیڑے پر لگاتار دوڑ دوڑ کر حملے کرتی رہیں۔ کیڑا کشمکش چار سکنڈ رہی کہ کیڑے نے اپنے قدرتی پیروں سے پیچھے کے رخ زمین کھودی اور دشمن کو منہ میں لیئے ہوئے اندر گھسکر غائب ہوگیا +

کیڑا بہت اندر نہ گیا تھا۔ ایک ایک چاول خاک اُسکے اوپر تھی جو چیونٹی کی تڑپ سے آہستہ آہستہ جنبش کرتی معلوم ہوتی تھی۔ چیونٹیوں نے اُسکو دیکھ لیا۔ اور وہ سب مُنہ سے اور پیروں سے مٹی کھودنے لگیں۔ تاکہ اپنے دشمن کو اس خندق سے باہر نکالکر سزا دیں۔ مگر کیڑا اُن کے ہاتھ نہ آیا۔

آخر میں نے چیونٹیوں کو مدد دی اور تنکے سے خاک ہٹاکر کیڑے کو برہنہ کر دیا۔ کیڑے کے باہر نکلتے ہی پھر ایک ہولناک یورش چیونٹیوں کی ہوئی۔ مگر کیڑا ایک نئی چیونٹی کو مُنہ میں لیکر دوبارہ خاک میں گھس گیا۔ اور بیچاری چیونٹیاں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں وہ غیظ و غضب میں بھنائی ہوئی دوڑی دوڑی پھرتی تھیں۔ زمین کو اپنے ہاتھ اور مُنہ سے چیرنا چاہتی تھیں۔ مگر جس طرح ایک ہنرمند چالاک دشمن کے سامنے بے ہنر و بے عقل حریف کا پس نہیں چلتا۔ چیونٹیاں بھی کچھ کر نہ سکتی تھیں۔

میں نے چار دفعہ کیڑے کو زمین سے نکال نکالکر چیونٹیوں کے غول میں ڈالا۔ اور ہر دفعہ کیڑے نے اُنکو شکست دی۔ یا یوں کہیئے کہ سامنے سے بھاگ کر خندق میں گھس گیا کہ بھاگ جانا اور بھاگ سکنا بھی ایک طرح کی فتح ہے۔

آخر میں نے اُسکو کاغذ کی پڑیہ میں باندھ لیا۔ اور ایک جنبی خندق میں لاکر ڈالا تاکہ یہ امتحان ہو کہ پرائی خندق کا کیڑا اس نئے ہمجنس کو اپنے گھر میں آنے دیتا ہے یا نہیں کیونکہ شکاری اور جنگ جو جانور ہوں یا انسان شرکت پسند نہیں کرتے۔ خصوصاً یہ کیڑا تو عموماً ایک خندق کا اکیلا مالک ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا اسکا شریک نہیں ہوتا۔ مجھے خیال تھا کہ دوسرا کیڑا اس نئے کیڑے کی ضرور مزاحمت کریگا۔ اور مجھے اِن کی باہمی جنگ کا پورا تجربہ بھی ہو جائیگا۔ مگر نتیجہ برعکس نکلا۔ جونہی میں نے اپنے قیدی کیڑے کو دوسری خندق میں ڈالا۔ قیدی بھاگ کر مٹی میں غائب ہو گیا اور پھر جو میں نے نئی کو کریدا تو نہ میرا قیدی تھا نہ وہ اپنے گھر کا اصلی رہنے والا۔ خبر نہیں دونوں کہاں غائب ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیدی

۸۶

برگِ شکستہ

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

برگ شکستہ نے پیوستہ پتوں کو دیکھکر ایک سرد آہ بھری۔ اور بولا۔

او پیوستہ پتو! جو اس وقت درخت کی رونق اور شادابی کے کفیل ہو۔ اور اس کفالت کی وجہ سے تمہاری رگ رگ میں جو سبزہ بھرا ہوا ہے۔ اور تمہیں اپنی اس خداداد خضریت پر جو ناز ہے۔ میں بدقسمت اُس سے ناواقف نہیں۔ تمہارا ناز اور اترانا بجا ہے۔ تم درخت کا زیور اور زمانہ کی بہار ہو۔ تمہاری رگوں میں یہ سبزی نما رس محض قطرہ پانی ہی نہیں بلکہ یہ تمہاری زندگانی ہے۔ تمہاری سبزی۔ تمہاری خضریت صرف تمہاری نشستگاہ درخت کیواسطے ہی رونق و شادابی نہیں۔ بلکہ حضرت انسان کے واسطے بھی یہ ایک خوش آیند منظر اور خوش کن سمان ہے +

تم جانتے ہو میرا کس خاندان نباتی سے تعلق تھا۔ اگرچہ میں اسوقت پامال اور شکستہ منظر ہوں۔ لیکن تمہیں یاد رہے کہ میں بھی ایک وقت تمہاری طرح سریر شجر پر متمکن اور دریائے خضریت میں متموج تھا۔ پیارو! اگرچہ اس وقت میں مارے ذلت اور خیر خضریت کے کسی اور ہی نوع سے معلوم ہوتا ہوں۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میری نژاد و بوم بھی وہی تھی جو تمہاری ہے۔ میں بھی اُسی تنہ کی ذریات میں سے ہوں جس سے تم وابستہ ہو۔ میری ہستی بھی اُسی طاقت کے ماتحت ہے جو تمہاری ہستی کا خالق ہے۔ میں زمانہ کے تھپیڑوں اور دہر کی پامالیوں سے اسقدر ذلیل اور حقیر ہو گیا ہوں کہ اب مجھے خود بھی رہ رہ کر اسپر تعجب آتا ہے کہ کیا میں بھی سچ مچ تمہارے ہی کنبہ میں سے تھا

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجکو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

سبز پتہ - حیران ہوکر دوسرے پتوں کی جانب تھوڑی دیر دیکھکر۔ ایں۔ تمہیں بھی یہ دعوےٰ ہے؟ کہ

تیرا اور ہمارا خاندان ایک ہے۔ اور جس ہاتھ نے ہمیں بنایا۔ اُسی کی تو بھی ساخت ہے تو اپنی شکل دیکھ اپنی ہیئت دیکھ تیری رنگت ہماری خصوصیت۔ ہماری شادابی سے کیا نسبت رکھتی ہے۔ ہمارا کنبہ تیرے کنبہ سے کیا تعلق رکھے۔ تو کچھ اور ہم کچھ اور۔ پھر صبح ہی صبح کیا سوجھی کہ ہم سے علیک سلیک کی ٹھیرائی ہے۔ ہم کوئی۔ تم کوئی۔ کچھ سمجھ بوجھکر تو کہا ہوتا۔ ہماری شان دیکھ۔ ہمارا جوبن دیکھ۔ ہمارا سبزہ دیکھ اور ہماری آن دیکھ۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

برگِ شکستہ

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ وفا ہر چند اُسکے پاس دلِ حق شناس ہے

بہادر من! تمہارا کوئی قصور نہیں۔ جوبن۔ حسن جو ایک نمائشی اور فریب دہ زندگی ہے کیسی زندگی۔ جسپر ایک وقت میں اور سب زندگیاں بھی نمائشی رنگ میں فریب دہ مقتضیات کے ماتحت فدا اور لٹو ہوتی ہے۔ ایسی زندگیاں اپنے اُس عالم میں اپنی ہی ہستی کا دم بھرتی ہیں۔ اور ہستیاں نکمی نگاہوں میں کوئی وقعت اور کوئی قیمت نہیں رکھتیں جلد باز مستخر حسین کی نگاہوں میں سارا جہان کسی دوسرے صانع کی خلقت ہوتی ہے۔ اُس کی نظریں ہمیشہ اپنی ہی گرویدہ رہتی ہیں۔ میں بھی جب تمہاری طرح دامن حضرت سے وابستہ تھا۔ اپنی ہی ہستی کا دم بھرتا تھا۔ اپنی ہستی کی قیمت تو اُسوقت معلوم ہوگی جب سریر فجر سے نیچے گرادیا گیا۔ اور اس قعرِ ذلت میں جگہ ملی جس میں اب تم مجھے دیکھتے ہو۔ جب کوئی ہستی نرغۂ ادبار میں آجاتی ہے تو اُس کی حقیقت ایسی ہی ہوجاتی ہے

جیسی میری ہے۔ تمہیں شاید یہ شبہ پڑا ہے کہ:۔

میں تمہاری جگہ لینا چاہتا ہوں یا پھر تمہارے کنبہ میں آنا پسند کرتا ہوں۔ یہ تمہیں تسلی رہے۔ نہ میں ایسی خواہش کر سکتا ہوں۔ اور نہ مجھے اوپر آنے کی کوئی اجازت دیتا ہے۔ جب ایک دفعہ پتہ درخت سے گر پڑتا ہے تو پھر اُسکا درخت سے پیوستہ ہونا ناممکن ہے۔ ؎

رہی طاقت گفتار اور اگر ہو بھی تو کس امید پہ کہیئے کہ آرزو کیا ہے

برادرمن! یہ خیال اگر دل گزیں ہے تو چھوڑ دو۔ میں تو تم سے مل نہیں سکتا۔ البتہ تم مجھے کسی نہ کسی دن ملو گے۔ اور یاد رکھو جو میں کہتا ہوں وہی تم بھی سنو گے۔ جو میری حالت ہے وہی تمہاری بھی ہوگی۔ میری رنگت تمہیں بھی نصیب ہوگی۔ یہی زمانہ کی چال ہے جس طرح میں ذلیل اور پامال اور رد خلائق ہوں۔ اُسی طرح تمہاری قسمت میں بھی لکھا ہے اگر میری قسمت نہیں ٹلی تو تمہاری کیسے ٹل سکتی ہے ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

سبز پتہ۔ کچھ حیران ہو کر۔ تو کہتا کیا ہے۔ خدا کرے تیری ذلت اور تیری نکبت نہیں ہی نصیب ہو۔ اس سے تو مرنا بہتر۔ خدا وہ دن نہ دکھائے ہماری تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ ہماری شادابی۔ ہماری خضریت۔ ہماری سرسبزی۔ ہماری زندگی کس طرح چھین لی جائے گی۔ اور کیا قدرت یہ ناانصافی پسند کرے گی؟ ؎

ہمارے سے ہی تو اس چمن دنیا کی رونق اور شادابی ہے۔ تم اپنی شامت اعمال سے اس درجہ کو پہنچے ہو۔ قدرت اچھوں کو فنا نہیں کرتی۔ اپنے ہی ہاتھوں ہستیاں گرداب میں پڑتی ہیں۔ تم اپنا اعمال نامہ جب کھولکر پڑھو گے تو تمہیں پتہ لگ جائیگا کہ تمہارے اپنے ہی کرتوت تمہیں اس ذلت کا مزا چکھا رہے ہیں قدرت دیکر چھینتی نہیں ؎

کچھ نہ کی اپنے جنوں نے ورنہ یاں ذرہ ذرہ رو کش خورشید عالمتاب تھا

برگ شکستہ۔ اے ادبار و ذلت! تیرا ستیاناس۔ اے بدقسمتی! تم پر ہزار لعنت۔ خوش حال ابنائے جنس کو یقین ہی نہیں آتا کہ ہم بھی اُنہیں میں سے تھے۔ ہم پر بھی کسی زمانہ میں جوبن تھا۔ اور ہمارے دماغ میں بھی اس قسم کے خیالات کا دور دورہ تھا۔ ہماری رگوں میں بھی یہی خون بہہ رہا تھا۔ برادرمن! خفا ہونے کی کوئی بات نہیں بیشک ہماری شامتِ اعمال بھی کوئی اثر رکھتی ہے۔ قدرت ظالم نہیں مگر جو طاقت عطا کرتی ہے وہ لے بھی سکتی ہے۔ دینا اور لینا دونوں قاعدوں کے ماتحت ہیں جو دیتا ہے وہ لیتا بھی ہے۔ اگر یہی اصول درست ہو تو پھر فنا کا دنیا میں نام ہی نہ ہو۔ ہمارے ضوابط انصاف اور قواعد عدالت اُن ضوابط اور اُن اصولوں سے ہو بہو ملکر نہیں کہا سکتے جو قدرت کے دفتروں میں مرسوم اور مرقوم ہیں۔ بھلا تو بتا سکتا ہے کہ گل کے ساتھ جو کانٹا ہوتا ہے وہ گل کی آب و ہوا میں پرورش نہیں پاتا۔ اور جس شاخ سے گل نکلا ہے اُس سے وہ نہیں پھوٹتا۔

سبز پتہ۔ بیشک اُسی سے گل نکلا اور اُسی سے خار بھی پھوٹتا ہے۔ دونوں کی ماں ایک ہی شاخ ہے۔ اس بدیہی بات سے کون انکار کرے۔

برگ شکستہ۔ اچھا پھر تو ہی بتا کہ گل نے قدرت کی کیا خدمت کی اور خار سے کیا ارتکاب ہوا؟ تم جانتے ہو گل کی اس مرغزار دنیا میں کیسی عزت اور مانگ ہے اور خار کی کیسی ذلت اور اُس سے مخلوق کو کیسی نفرت ہے۔ اگرچہ گل خوش کر دیتا اور خار چبھ جاتا ہے۔ لیکن کیا خار کی یہ خواہش نہیں کہ وہ بھی گل بن جائے۔ اور اُسے بھی گل انداموں کے دربار میں بار ہو۔ اور وہ بھی کسی کے گلے کا ہار ہو۔ ذرا خار سے پوچھ دیکھ کہ وہ گل کی عظمت و شہرت دیکھ دیکھ کیا کچھ چاہتا ہے۔

سبز پتہ۔ اچھا تو ہی بتا اس کا راز کیا ہے۔ میری سمجھ میں تو اب تک نہ آیا۔

برگ شکستہ۔ سمجھ میں کیا آئے خاک۔ ہمیں سمجھ ہی ایسی دیگئی ہے۔ یہ راز تو

کسی سے کھلا۔ اور نہ کوئی کھول سکتا ہے بہتیرے سیانے۔ دانا اور عقل مند سر کھپا کھپا چلتے بنے۔ یہ راز نہ کھلا۔ میں کیا بتاؤں۔ سوائے اسکے کہ مولا کی مرضی۔ مولا کی حکمت تعز من تشاء وتذل من تشاء اگرچہ بعض لوگ دور کی سوچتے ہیں مگر کوئی اُن سے ٹھنڈے دل سے پوچھے کہ یہ راز کیا ہے۔ کوئی اس کا حل بھی کر سکتا ہے؟ ہاں شرط ادب یہ ہے کہ ہم ناچیز ہستیاں زبان شکایت نہ کھولیں۔ جس رنگ میں ہیں اسی میں رہیں۔ اور اگر ہم چون وچرا کریں بھی تو سنتا ہی کون ہے جس نے شیخی ماری وہی بھٹک گیا۔ یہاں سوائے تسلیم ورضا کے اور کوئی صورت روا نہیں ہم ہی قاصر اور ہم ہی مرتکب ہے

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ اُسمیں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

سبز پتہ۔ یہ بات تو کسی قدر میری سمجھ میں آگئی۔ مگر اب تک یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ تو ہمارے پاس کیوں نہیں آسکتا۔ کیا ہوا تجھے اُڑ کر ہم تک نہیں پہنچا سکتی؟ دیکھ وہ درختوں کو جڑ سے اکھاڑتی۔ پتھروں کو پہاڑوں سے گراتی ہے۔ تجھے کیوں ہم تک نہیں پہنچاتی اکثر جگہیں ہمارے اردگرد خالی ہیں۔ ایک نہ ایک جگہ تیرا پیوند ہو سکتا ہے خضرت نہ سہی صفرت ہی سہی جگہ تو مل رہے گی۔

برگ شکستہ۔ برادر من! یہی تو مشکل ہے کہ میں اب تمہارے کنبہ میں آنہیں سکتا یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ جب تم بھی گروگے تو تمہاری بھی یہی حالت ہوگی۔ سب کے واسطے ایک ہی قانون قدرت ہے۔ اور ایک ہی شاہ راہ۔

سبز پتہ۔ کیا ہم بھی گرینگے اور تمہاری طرح محروم الارث کر دیئے جائینگے؟ اور ہمیں یہ تنہ اور یہ شاخیں نصیب نہ ہونگی؟

برگ شکستہ۔ تنہ اور شاخیں خود ہی نہیں رہیں گی۔ زمانہ اُنپر بھی ہاتھ صاف کریگا۔ کوئی دن کی بات ہے۔ سب کے لیے یہی راہ درپیش ہے

بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا

سبز پتہ۔ تیری باتوں سے تو حقانیت کی بو آتی ہے۔ افسوس اس زندگی اور اس شادابی پر۔ یہ تو محض چند روزہ ہے۔ ہم تو اس خیال سے خوش تھے کہ ہمیں ایک دائمی حضرت نصیب ہے یہ تو سُراب ہی نکلا۔

برگ شکستہ۔ سُراب سے بھی بدتر۔

سبز پتہ۔ پھر اطمینان کس طرح ہو؟

برگ شکستہ۔ شکستگان کو دیکھکر ذلیل نہ سمجھو۔ جو زمانہ کے صدمات سے گر چکے ہیں۔ جن کی شادابی اور رونق کھو چکی ہے۔ جن کی جگہیں دوسرے پتوں نے لے لی ہیں۔ جن کی شاخیں مروڑی گئی ہیں۔ اور جن کے تنے خستہ ہو چکے ہیں ان کی حالت دیکھکر نصیحت پکڑو۔ کیونکہ زمانہ کسی کا یار نہیں۔ زمانہ کی چھری بڑی تیز ہے۔ اور کسی سے درگزر نہیں کرتی۔ زمانہ بڑا بے رحم ہے۔ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ زمانے کی صدہا آنکھیں ہیں۔ اسکی زد اور اسکی نگاہ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولےٰ برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ تند ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ اور درخت کے بہت سے پتے جو سبز اور لہلہاتے تھے۔ زمین پر گر پڑے۔ برگ شکستہ نے افسوس کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا۔ اور اُنکے کان میں یوں کہا:۔

برگ شکستہ۔ دیکھا زمانہ کیسا ظالم ہے۔ کس طرح تمہیں بھی زیر و زبر کر دیا۔ حالانکہ تم ابھی سبز و شاداب تھے۔ یہی میرے ساتھ بھی ہوئی تھی۔ اب سمجھے۔ زمانہ کسیکا ساتھی نہیں۔ وہ اپنی ہی چلاتا ہے۔ کیوں اب یقین آیا۔ اب تو میری بات سچی ہی ہے۔

مجھسے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح دیکھکے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ رُک گیا

سبز پتہ ۔ امنا وصدقنا ۔ خدا کی پناہ ۔ غفلت ہی میں رہے ۔

برگ شکستہ ۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کی خدا سنتا ہے ۔ بشرطیکہ شکستہ ہوں وہاں عجز و نیاز ہی منظور ہے ۔ اور اس کے ساتھ غیرت بھی ۔ یعنی وہ عجز و نیاز جو غیورانہ ہو ؎

سر پائے خم پہ چاہیے ہنگام بے خودی
رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے

(خان بہادر مرزا) سلطان احمد ۔ از گوجرانوالہ

وجدانی نشتر

اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے ۔ مرتبہ منشی محمد الدین صاحب فوق ۔ قیمت صرف ایک روپیہ

العائلہ ۔ عورتوں اور بچوں کے علاج میں مصنفہ حکیم غلام غوث صاحب بہاولپوری ۔ قیمت ۱ر

داتا گنج بخش ۔ سید الحکمری حضرت علی مخدوم ہجویری مرتبہ فوق صاحب قیمت ۱۰ر

ایڈیٹر کا حشر ۔ عبرتناک فسانہ ۔ مصنفہ مولوی ظفر علیخاں بی اے سابق ایڈیٹر زمیندار قیمت ۴ر

حالات حضر ۔ عجیب و غریب سرکا مجموعہ مولفہ ملا محمد الواحدی مدیر خطیب و نظام المشائخ قیمت ۱ر

شکوہ ۔ اللہ سے راز و نیاز کی باتیں ۔ مصنفہ ڈاکٹر اقبال بیرسٹرایٹ لا قیمت ۴ر

دلی کی عید ۔ قبل غدر و بعد غدر ۔ مصنفہ میر باقر علی صاحب مشہور داستان گو قیمت ۱ر

زہر عشق ۔ یہ ایک نہایت ہی دردناک مثنوی ہے مصنفہ مولانا ارشاد نظامی قیمت ۴ر

چند دن بعد کیا ہوگا ۔ ایک چھوٹا سا اخلاقی رسالہ ۔ مصنفہ مولوی محفوظ علی بی اے علیگ سابق مہتمم ہمدرد قیمت ۱ر

مینیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

۷۸۶

کرشمہ محبت

اے دل! تیری جسارت کا کیا پوچھنا؟ العظمۃ للہ ؎

جو بار آسمان و زمین سے نہ اُٹھ سکا تو نے اٹھا لیا دل ناداں غضب کیا

بے شک اے دل! محبت کے قیمتی موتی کے لیئے تو ہی بہترین صدف ہے۔

محبت کیا ہے؟ اسکا لطف کچھ تجھی سے پوچھیئے۔ مجاز سے حقیقت اور خودی سے خدا تک پہنچانے والی یہی راہ ہے ؎

گرم رکھتے ہیں ملاقات بدونیک سے ہم اُسکے ملنے کیلئے ملتے ہیں ہر ایک سے ہم

محبت عجیب کرشمے دکھاتی ہے۔ محب کو محبوب کی یاد دلاتی ہے۔ دل کو راحت روح کو فرحت پہنچاتی ہے۔ پہروں تصور محبوب رہتا ہے۔ اور جی سیر نہیں ہوتا۔ محبوب کی حضوری کا لطف دنیا و مافیہا سے غافل کر دیتا ہے۔ احیاناً اثنائے تصور میں کوئی دوسرا خیال آجاتا ہے تو دل صاف کہہ اٹھتا ہے۔ خبردار! ادھر نہ آنا۔ ع

"بیٹھے ہیں ہم تصور جاناں کیئے ہوئے"

خیال یار سے گھنٹوں مزے کی باتیں ہوتی رہتی ہیں ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کبھی مہر و وفا کی حکایت ہوتی ہے۔ کبھی جور و جفا کی شکایت۔ اور بار بار قلب حزیں سے یہی صدا آتی ہے ؎

دل جلانے میں سمجھ لو کہ ضرر کسکا ہے جس کو تم آگ لگاتے ہو وہ گھر کسکا ہے

کوئی چھیڑتا ہے۔ کوئی چھڑتا ہے ؎

اُٹھوں اگر تو کھینچ لیں دامن کو ناز سے بیٹھوں تو پھر ستانے کو ذکر عدو کریں

کہتے ہیں ذکر لیلےٰ و مجنوں نہ چھیڑیے ؎ چپ رہیے بس نہ گور کے مُردے اکھیڑیے

کوئی دلچسپ خیال بندھ جاتا ہے تو عالم ظاہر کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے۔ یہی خیال فرقت کو قربت سے بدل دیتا ہے۔ ویرانہ کو کاشانہ۔ راغ کو باغ بنا دیتا ہے۔ باغ کے اندر بے دھڑک چلے جایئے۔ نگاہ خیال دوڑایئے۔ محبوب کو تماشائے گل میں مصروف پایئے۔ بلبلوں کے چہچہے سُنیئے۔ خود بھی دید بازی میں محو ہو جایئے۔ لطف اُٹھایئے اگر رنج رقابت دامن خیال کو یہاں بھی نہ چھوڑے تو بڑی مصیبت ہے۔ محبوب گل ہے اور بلبل اُس کا شیدائی۔ اِدھر سوسن باتیں کر رہی ہے۔ اُدھر نرگس آنکھیں لڑا رہی ہے۔ ایک طرف سرو جھوم رہا ہے۔ ایک طرف شمشاد محو نظارہ ہے۔ فاختہ کو کو کرتی ہوئی آئی۔ اور سرو پر دید بازی کرنیکے لیئے بیٹھ گئی۔ غرض محبوب پر سارا باغ ٹوٹ پڑا ہے رقابت نہ محبوب ہی پر نظر جمانے دیتی ہے نہ سرو و شمشاد ہی سے نظر ہٹانے دیتی ہے عجیب گومگو کی حالت ہے۔ اسی سراسیمگی میں خیال پلٹ جاتا ہے۔ تو نہ یہ باغ ہے نہ گل۔ نہ سوسن سنبل۔ نہ فاختہ نہ بلبل۔ دیدار محبوب کا لطف ہجر کے صدمہ سے بدل جاتا ہے ع روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد" بے اختیار یہ شعر زبان سے نکل جاتا ہے ؎

زانو پہ ترے سر ہو اور جان نکل جائے ؎ مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

لیکن اسکے ساتھ ہی اس مضمون کا خیال آجاتا ہے ؎

خیال خام ہیں اپنے کہ یہ ارمان نکلیں گے ؎ ہوا معلوم نکلینگے تو لیکر جان نکلینگے

اگر محبوب کو دیکھا تو کیا دیکھا۔ اور لطف ملاقات اُٹھایا تو کیا اُٹھایا ؎

دیکھا وہ نزع دل آرام کو ؎ عید ہوئی ذوق مگر شام کو

محبت بھی نظر ہے کہ دوست کے محاسن کو دیکھتی ہے۔ ورنہ عداوت و نفرت کی نظر سے ہنر بھی عیب دکھائی دیتا ہے۔ عداوت نیکی کی خوبی اور بدی کی بُرائی کو دیکھنے نہیں

دیتی - دوسروں سے بدی کرو تو وہ کب بدی کرنے سے چوکیں گے - دوسرے کے ساتھ اپنی بھی مٹی خراب - واہ ری عداوت - تو فتنہ کی جڑ ہے - شرارت کی بنیاد ہے - دل کو سیاہ اور آدمی کو تباہ کر دیتی ہے - محبت کے نثار ہو جیئے ؎

دل میں کہنے کے ہی قابل کیا محبت ہی تو ہے　　دیجئے آنکھوں میں جسکو جا مروت ہی تو ہے

مگر محبت ہو تو سچی ہو - سچی خوشی - سچی لذت - سچی محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے اور جھوٹی محبت میں تو ہزاروں ہی برائیاں ہیں - زندگی کا لطف کچھ انہیں سے پوچھیے جو سچی محبت اپنے دل میں رکھتے ہیں - کسی صوفی کا کیا ہی اچھا مقولہ ہے "ایک صورت دوسری صورت کی حفاظت کر رہی ہے" غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ قیام دنیا و نظام عالم اسی حفاظت پر منحصر ہے ؎

کیا تمہیں اے اولی الابصار نظر آتا ہی　　یار تو اغیار میں بھی یار نظر آتا ہے

افراد انسان میں ہر ایک کے فرائض کی ادائگی معاشرت کی معین و مددگار ہے - اور ادائے فرائض ہی پر خوبی دارین کا مدار ہے - یہ اور بات ہے کہ ادائے فرائض میں کوئی کوتاہی کرے مگر حافظ حقیقی سبحان بجدہ کی حفاظت کی یہ حالت ہے کہ "گناہ بیندو روزی قرار میدہد" اور انسان سے اسکی محبت ایسی ہے کہ ساری مخلوق سے بڑھکر اسی کو شرافت دی - اسی کو اپنی امانت دی - اور ساری مخلوق کو اسکا خدمتگزار بنا دیا ؎

دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب انساں کیلئے ہی　　آراستہ یہ گھر اسی مہماں کیلئے ہے

افسوس کہ انسان ساری دنیا کا مخدوم ہو کر غرض کا خادم اور ہوس کا غلام بن جائے اور اپنی ذات پر بھروسا نہ کر کے جھوٹی محبت کی پناہ ڈھونڈے - اور اپنے خادم کی غرض اپنے غلام کی ہوس نکالنے میں مصروف رہے - شیوہ انسانیت کا اقتضاء خوبیوں میں کمال پیدا کرنا ہے - اور محبت ساری خوبیوں کی محبوبہ ہے - چاہیئے کہ اسمیں کمال پیدا کرے - ہر چیز کی قدر کمال پر موقوف ہے - ناقص محبت غرض کی حد تک محدود ہوتی ہے - جہاں غرض نکلی

کہ محبت کو زوال آگیا ۔

محبت سب کے دلوں میں ہوتی ہے ۔ لیکن فرق ہے تو کمی بیشی کا جس قدر محبت زیادہ ہوگی اسیقدر لطف بھی حاصل ہوگا ۔ نظارۂ جمال میں بھی لطف ۔ خیال میں بھی لذت فراق میں بھی مزہ ۔ غرض ہر حالت میں ایک طرح کا لطف ہے ۔ اور محبت میں کمی ہوگی تو نہ پھر مواصلت کی خوشی ہوتی ہے نہ مفارقت کا غم ۔ چاہیئے کہ نیت بخیر رہے ۔ اپنے فرائض کو ہر شخص خاص نیت سے ادا کرے ۔ اس سے ہر ایک کی غرض نکل آئے گی ۔ مگر محبت دل سے نہ نکلنے پائے گی ۔ اور غرض کی محبت غرض نکلنے کے بعد نیت کے فساد کو ظاہر کر دیتی ہے اس سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ ایک غرض مند جھوٹی محبت جتا کے کسی سے اپنی غرض نکال لیتا ہے تو پھر اسی سے اسکی دوسری غرض نہیں نکل سکتی ۔ غرضمند کو ہرجائی بننا پڑتا ہے ہر کس و ناکس کی خوشامدیں کرنی پڑتی ہیں ۔ ذلیل و خوار ہوتا ہے ۔ اس طرح جب خود غرضی سے انگشت نما ہو جاتا ہے تو پھر کوئی اسے منہ نہیں لگاتا ۔

اگر نیک کام میں کسی کے کام آؤ تو یہ احسان بھی محبت کا باعث ہوتا ہے ۔ البتہ محض عوض کی توقع پر احسان کرنا احسان فروشی ہے اور پھر لطف یہ کہ قیمت موہوم ۔

بعض لوگوں کا شعار اظہار احسان ہوتا ہے ۔ یہ امر شریف محسن الیہ کی دل شکنی کا باعث ہے ۔ جناب سالک مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

ابنائے زمانہ پہ جو کی خوب نگاہ — احسان اگر کریں تو ستو کرے گواہ
ہم سے بھی چھپا کر جو ہمیں دیتا ہے — سالک نہیں ایسا کوئی لیکن اللہ

بعض لوگ احسان فراموش ہوتے ہیں ؎

شاکر نہیں ستوبار جو احسان کرے — شاکی ہے جو احسان تک آن کرے
انسان جو اس طرح کا ہو تو انساں — احسان نہ تجھ پر کوئی انسان کرے

غرض ریاکاری کسی طرح کی ہو جاتی ہے مگر غرض نکالنے کے لیئے کسی سے جھوٹی محبت جتانی اس کو

دھوکا دینا اور غرض نکلنے کے بعد خود کو ذلیل کرنا ہے۔ غرض کی جھوٹی محبت چھپی نہیں رہتی۔ افعال سے نیت کا حال کھل ہی جاتا ہے۔ اس لیے آدمی کو چاہیئے کہ خوشامد و چاپلوسی سے کسی کو دھوکا نہ دے۔ سستی و راستبازی سے کام لے۔ اپنی ذات پر اعتماد کرے۔ خدا کی ذات پر بھروسا رکھے۔ دلوں میں جگہ پیدا کرے۔ دلوں میں جگہ پیدا ہو جائے تو پھر کارسازی میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ہاں دلوں میں جگہ پیدا کرنیکے لیئے نیکیوں کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت ہو نیکیوں سے محبت ہو گئی تو سمجھو دنیا جہان سے محبت ہو گئی مخلوق بھی خوش۔ خالق بھی راضی۔ بزرگان دین کو جو ایک دنیا مانتی ہے۔ اور وہ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں تو کس لیئے؟ اپنے افعال حسنہ سے۔ اگر تم بھی نیکیوں پر عمل کرو تو کیا معنی کہ لوگ تم سے محبت نکریں۔ محبت کے کام کرو محبت میں نام کرو۔ پھر دیکھو محبت کیا کیا کرشمے دکھاتی ہے ؎

حُبِّ علّتِ خلقت است و ایجاد ایجاد برائے حُبّ بہانہ

سید غلام مصطفےٰ ذہین المزحیدرآباد

سات روحوں کے اعمالنامے

عالم ارواح کی سیر کرنی یا پردۂ موت کو ہٹا کر کچھ دیکھنا ہو تو سات روحوں کے اعمالنامے ملاحظہ فرمایئے جو مولانا راشد الخیری مدظلہ کا وہ معرکۃ الآرا مضمون ہے جسکو پڑھکر ہر ناظر کی ادھر ہچکی بندھ گئی۔ اور اُدھر مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ راز و نیاز کے چوچلے۔ عشق و محبت کے کرشمے۔ زمانہ واری کے مناظر۔ غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس سے سات روحوں کے اعمالنامے محروم ہوں۔ یہ مضمون خطیب میں مسلسل نکل چکا تھا۔ مگر اسکی طلبی اسقدر زیادہ ہوئی کہ اب کتابی صورت میں شائع کرنا پڑا۔ اس بحث پر جناب مصنف نے ایسے لطیف اور پر مغز نظارے دکھائے ہیں کہ حیات و ممات دونوں کی سچی تصویریں آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہیں ضخامت ۱۴۰ صفحے قیمت ۱ر

۸۶

جائز ہے یا ناجائز؟

(عورتوں کے لیئے سونیکا زیور پہننا)

کیا عورتوں کے لیئے سونے کا زیور پہننا جائز ہے؟ شاید اکثر لوگ اس سوال کو سنکر چونک اٹھیں گے، اور پوچھیں گے کہ کیا عورتوں کے لیئے سونیکا زیور پہننا اسلام میں کبھی ممنوع بھی تھا، کیا احادیث صحیحہ میں اسکی حرمت کی بھی کوئی روایت مروی ہے؟ کیا محدثین اور ائمہ دین میں اسکی حلت و حرمت کے متعلق اختلاف بھی ہے؟ لیکن ہم نہایت جرأت اور نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہیں گے کہ ہاں کہ جواب اثبات میں ہے،

مولوی عبد السلام صاحب ندوی نے ایک اردو رسالہ میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں اسکی حرمت کی حدیثیں نقل کی تھیں۔ علمائے عصر نے اسکے متعلق مخالف و موافق دونوں قسم کی رائیں دیں، طلائی زیور کی حلت و حرمت کا مسئلہ موجودہ خیالات کی پیداوار نہیں ہے، نہ مسلمانوں کے اقتصادی فوائد کو پیش نظر رکھکر اسکے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ بلکہ نفس ادلہ شرعیہ کا فہم و استنباط مقصود ہے، دیگر تحریروں کے علاوہ، مولوی محمد خالد صاحب انصاری بھوپالی جنکو فن حدیث سے خاص ذوق ہے، اور یہ ذوق حرم نبوی کی مقدس درسگاہ سے حاصل ہوا ہے، انہوں نے ایک مفصل تحریر بھیجی ہے،

قرآن مجید اس مسئلہ سے خالی ہے، کنایات سے اگر استدلال کیا جائے تو دونوں طرف کی آیتیں مساوی نکلیں گی۔ ایک طرف اگر منع اصراف کی بنا پر حرمت کا

فتیلے دیا جائے تو دوسری طرف من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ
سے اسکا جواز ثابت ہوگا۔ احادیث بھی اسکی حلت و حرمت میں مختلف ہیں اسی
بنا پر فقہاء اور محدثین کی اس مسئلہ میں تین جماعتیں ہیں۔ ایک تو وہ جو عورتوں
کے لیئے مطلقاً سونے کا استعمال جائز کہتی ہے۔ دوسری وہ جسکے نزدیک
سونے کے معمولی اور ہلکے زیور جائز ہیں۔ ٹھوس اور بھاری یا بڑے زیور نہیں
تیسری وہ جو اسکو مطلقاً حرام کہتی ہے۔

ذیل کی سطروں میں مولوی صاحب ممدوح ہر فریق جن احادیث سے
استدلال کرتا ہے۔ اُن پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں

فریق اوّل کے دلائل

وہ روایت جس سے عورتوں کے لیئے سونا پہننے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ وہ
آٹھ طریقوں سے سنن اربعہ و دیگر کتب حدیث میں مروی ہے لیکن محققین نے کل طرق
میں کلام کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص الحبیر میں لکھا ہے کہ:-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الذھب و
الحریر ھذا حرام علی ذکور امتی (ترمذی
والنسائی واحمد والطبرانی) حرم لباس الذھب
والحریر علی ذکور امتی واحل لاناثھم
لفظ الترمذی وصححہ وھو عند من طریق
سعید بن ابی ھند عن ابی موسی الاشعری
وقد قال ابو حاتم انہ لم یسمعہ وقال
الدارقطنی فی العلل یرویہ عبد اللہ بن
سعید بن ابی ھند عن ابیہ عن ابی موسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کے متعلق
فرمایا کہ یہ میری امت کے مردوں پر حرام ہے جسکو ترمذی
نسائی۔ احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی
کی روایت یوں ہے کہ سونا اور ریشم میری امت کے
مردوں پر حرام کیا گیا ہے اور عورتوں کے لیئے حلال اور ترمذی
نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ اور سعید بن ابی ہند کے
طریق سے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے جسکے متعلق
ابو حاتم کہتے ہیں کہ سعید کا سماع ابو موسیٰ سے ثابت نہیں
دارقطنی نے علل میں کہا ہے کہ عبد اللہ بن سعید بن ابی ہند
اپنے باپ سے انہوں نے ابو موسیٰ سے روایت کرتے ہیں

ویرویه نافع عن سعید بن ابی هند و
اختلف علی نافع فرواه ایوب عبید الله
ابن عمر عن نافع عن سعید مثله ورواه
عبد الله العمری عن نافع عن سعید عن
رجل عن ابی موسی ویرید هذا ان اسامة
ابن زید روی عن سعید عن ابی مرة مولی
عقیل عن ابی موسی حدیثا فی النهی
عن اللعب بالنرد۔ قال وسعید بن ابی هند
لم یسمع من ابی موسی قلت روایت ایوب
عند عبد الرزاق عن معمر عنه وقال
ابن حبان فی صحیحه حدیث سعید بن
ابی هند عن ابی موسی معلول لا یصح
قلت ومشی بن جزم علی ظاهر الاسناد
فصححه وهو معلول بالانقطاع وقال
الدارقطنی فی العلل رواه یحیی بن سلیم
عن عبید الله بن عمر عن نافع عن ابن
عمر قال دارقطنی وتابعه بقیة عن
عبید الله والیصح عن نافع عن سعید بن
ابی هند عن ابن موسی وقد روی طلق
ابن حبیب قال قلت لابن عمر هل سمعت
من النبی صلی الله علیه وآله وسلم فی

اور ایک روایت نافع کی سعید بن ابی ہند سے
ہے نافع کی روایت میں اختلاف ہے۔ ایوب نے
اور عبید اللہ ابن عمر نے نافع سے انہوں نے
سعید بن ابی ہند سے انہوں نے کسی شخص سے سنے
ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے اور اسکی تائید اس سے ہوتی
ہے کہ اسامہ بن زید نے سعید بن ابی ہند سے
انہوں نے ابی مرۃ مولیٰ عقیل سے انہوں نے
ابی موسیٰ سے نرد کے کھیلنے کی ممانعت میں
حدیث روایت کی ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ
سعید بن ابی ہند نے ابی موسیٰ سے کچھ نہیں
سنا میں کہتا ہوں کہ عبد الرزاق کی روایت معمر
سے اور پھر ایوب سے ہے اور ابن حبان نے اپنے صحیح
میں کہا ہے کہ سعید بن ابی ہند کی حدیث
جو ابی موسیٰ سے ہے معلول ہے۔ جو کسی طرح
صحیح نہیں میں کہتا ہوں کہ ابن حزم نے
ظاہر اسناد کو دیکھکر حدیث کو صحیح لکھدیا حالانکہ
وہ معلول بالانقطاع ہے دارقطنی نے علل میں کہا ہے کہ
یحیی بن سلیم نے عبید اللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے
انہوں نے ابن عمر سے اسی حدیث کو روایت کیا ہے
دارقطنی یہ بھی کہتے ہیں کہ بقیہ نے متابعت کی ہے
عبید اللہ سے روایت کی ہے اور صحیح طریقہ نافع سے ہے انہوں

نے سعید بن ابی ہند سے انہوں نے ابن ابی موسیٰ

+ علامہ دارقطنی نے یہ بھی کہا ہے کہ یحیی بن سلیم نے عبید اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے

الحریر شیئا قال کما قال فهذا یدل علی
وهم بقیة ویحیی بن سلیم فی اسناده
وفی الباب عن علی بن ابی طالب رواه
احمد وابو داود والنسائی وابن ماجة
وابن حبان من طریق عبد الله بن زبیر
عن علی ان النبی صلی الله علیه وسلم
اخذ حریرا فجعله بیمینه واخذ ذهبا
فجعله فی شماله ثم قال ان هذین
حرام علی ذکور امتی زاد ابن ماجة وهی
حل لاناثهم وبین للسائق الاختلافات
فیه علی یزید بن ابی حبیب وذکر النسائی
روایة ابن المبارک عن اللیث عن یزید
ابن ابی حبیب عن ابی صبیة عن رجل
من همدان یقال له افلح عن عبد الله
ابن زبیر قال لکن قوله افلح الصواب
فیه ابو افلح قلت وهذه روایة احمد
فی مسنده عن حجاج عن ضمیرة وابنه
اسلم واعله ابن القطان بجهالة حال
روایة ما بین علی ویزید بن ابی حبیب
فاما عبد الله بن زبیر فقد وثقه
العجلی وابن سعد وابو افلح فینظر فیه

ریشم کے متعلق کچھ سنا ہے۔ انہوں نے کہا
نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بقیہ کو وہم
ہوا۔ اور یحیی بن سلیم بھی اسکی سند میں ہے اور
اسی باب میں حضرت علی بن ابی طالب سے بھی
روایت ہے جسکو احمد اور ابو داود اور نسائی ابن ماجہ
اور ابن حبان نے بطریق عبد اللہ بن زبیر حضرت
علی سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ریشم داہنے ہاتھ میں لیا اور سونا
بائیں ہاتھ میں پھر فرمایا کہ یہ دونوں میری
امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ ابن ماجہ نے اتنا
زیادہ کیا کہ عورتوں کے لیے حلال ہے۔ اور نیز
ابن ابی حبیب کی روایت میں اختلافات
بیان کیے ہیں اور ابن مبارک کی روایت جو لیث
سے ہے اس نے یزید بن ابی حبیب سے انہوں نے ابی صبیہ
سے اس نے ہمدان کے ایک شخص سے جسکا
نام افلح ہے اس نے عبد اللہ بن زبیر سے
یہ بھی کہا ہے کہ افلح بجائے ابو افلح صحیح ہے
میں کہتا ہوں یہ روایت مسند امام احمد میں بطریق
حجاج از ضمیرہ ابن ابی حبیب اور ابن قطان نے کہا ہے کہ علی اور
یزید بن ابی حبیب کے درمیان روایت میں جہالت ہے
عبد اللہ بن زبیر کی تو ثیق عجلی اور ابن سعد نے کی ہے اور
ابو افلح کا حال دیکھنا چاہیئے۔

واما ابن ابی الصعبة فاسمه عبد العزیز
ابن ابی الصعبة وروی البیهقی من
حدیث عقبة بن عامر نحوه وینظر فی
اسناده فانه من طریق یحیی بن ایوب
عن الحسن بن ثوبان وعمر بن الحارث
عن هشام بن ابی دقنة سمعت مسلمة
ابن مخلد یقول لعقبة بن عامر قد
فاخبرنا بما سمعت من رسول الله
صلی الله علیه وآله وسلم فقال سمعته
یقول الحریر والذهب حرام علی ذکور
امتی اسناده حسن وهشام لم یخرجوا
له اخرجه ابن یونس فی تاریخ مصر
من طریقة وروی البراء والطبرانی
من حدیث قیس بن ابی حازم عن عمر
نحو حدیث علی وفیه عمر بن جریر البجلی
قال البزار لین الحدیث وروی ابن ماجة
والبزار وابو یعلی والطبرانی من حدیث
عبد الله بن عمر ونحو حدیث ابی موسی
وفی اسناده الافریقی وهو ضعیف
وروی الطبرانی والعقیلی وابن حبان
فی الضعفاء من حدیث زید بن ارقم

ابن ابی الصعبہ کا نام عبد العزیز بن ابی الصعبہ
ہے اور بیہقی نے عقبہ بن عامر سے اسیطرح
روایت کی ہے اور اسکی سند قابل غور ہے کیونکہ
وہ بطریق یحیی بن ایوب حسن بن ثوبان سے
مروی ہے اور عمر بن الحارث نے ہشام بن دقنہ
سے روایت کیا ہے کہ میں نے مسلمہ بن مخلد کو
سنا کہ وہ عقبہ بن عامر سے کہتے تھے کہ آپ ہمکو
آگاہ کیجئے جو کچھ آپنے آنحضرت سے سنا ہے انہوں
نے کہا میں نے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ سونا اور
ریشم مردوں پر حرام ہے اسکی سند حسن ہے اور
ہشام سے صحاح ستہ میں روایت نہیں ہے۔ اور
ابن یونس نے اسیطرح سے تاریخ مصر میں روایت
کیا ہے اور بزار اور طبرانی نے حدیث کو قیس بن
ابی حازم حضرت عمر سے روایت کیا ہے مثل حدیث
حضرت علی کے اور اسکی سند میں عمر بن جریر بجلی ہے جسکو
بزار نے لین الحدیث کہا ہے اور ابن ماجہ اور
بزار ابو یعلی اور طبرانی نے عبد اللہ بن عمر سے
مثل حدیث ابو موسیٰ روایت کی ہے اور اسکی سند میں
افریقی ضعیف ہے۔ اور طبرانی اور عقیلی اور ابن
حبان نے ضعفاء میں زید بن ارقم سے اسی
حدیث کو روایت کیا ہے۔

وفیه ثابت بن زید قال احمد منکر و قال ابن ابی شیبة حدثنا سعید بن سلمان ثنا عباده ثنا سعید بن زید ابن ارقم اخری ابنة بنت زید عن ابیها رفع الذهب والحریر وقال اناث امتی حرام علی ذکورها ابن زید هو ثابت ورواه الطبرانی من حدیث واثلة بن الاشقع نحوه واسناده مقارب ورواه ایضا هو والبزار عن ابن عباس بسندواه وبسند اخر وهی سند ۔	اور اس میں ثابت بن زید ضعیف ہیں امام احمد نے کہا کہ اس کی احادیث منکر ہیں اور ابن ابی شیبہ نے زید بن ارقم سے روایت کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سونا اور ریشم اُمت کی عورتوں پر جائز کیا۔ اور مردوں پر حرام اس میں بھی وہی ثابت بن زید ضعیف ہے اور طبرانی نے واثلہ بن شقع سے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند مقارب ہے اور طبرانی اور بزار نے ابن عباس سے روایت کیا ہے مگر اس کی سند لغو ہے۔ اور دوسرے طریقہ سے بھی وہ اس سے زیادہ لغو ہے ۔

غرضکہ یہ روایت آٹھ طریقوں سے ہے جو سب ہی ضعیف ہیں۔ یہ تو مرفوع احادیث کا حال ہے۔ اب ہم آثار صحابہؓ بھی لکھتے ہیں۔ بخاری نے باب میں لکھا ہے۔

باب الخاتم للنساء وکان لعائشة خواتیم من الذهب۔	عورتوں کے لیے انگوٹھی اور حضرت عائشہ کے لیے سونے کی انگوٹھیاں تھیں ۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن سعد نے اس روایت کو وصل کیا ہے۔

عن عمرو بن ابی عمرو مولی المطلب قال سألت القاسم بن محمد ان اناسا یزعمون ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم نهی عن الاحمرین المعصفر والذهب فقال کذبوا والله لقد رأیت عائشة	عمرو بن ابی عمرو کہتے ہیں میں نے قاسم بن محمد سے سنا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے اور رنگے ہوئے کپڑوں سے منع فرمایا کہنے لگے واللہ جھوٹے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا)

تلبس للمصفرات وتلبس خواتیم الذهب ۔	رنگے ہوئے کپڑے اور سونے کی انگوٹھیاں پہنتی تھیں ۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں کچھ لوگ ضرور اس کے قائل تھے کہ عورتوں کے لیے سونا پہننا ناجائز ہے۔ اور اس سے جواز بھی ثابت ہوتا ہے مگر اسکے راوی عمرو بن ابی عمرو ہیں۔ محدثین نے کلام کیا ہے۔ چنانچہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

قال ابو حاتم لا باس به وروی عباس عن یحیی لا یحتج بحدیثه وقال فی موضع آخر ین کتاب عن تضعیف وکان مالك یروی عنه وروی عثمان بن سعید عن یحیی لیس بالقوی وقال الجوزجانی مضطرب الحدیث وقال النسائی لیس بالقوی ۔	ابو حاتم نے کہا اس میں کچھ نقصان نہیں عباس نے یحیی سے روایت کیا کہ انکی حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے اور دوسری جگہ ضعیف کہا اور عثمان نے یحیی سے روایت کیا کہ قوی نہیں اور جوزجانی نے مضطرب الحدیث کہا اور نسائی نے کہا وہ قوی نہیں ۔

ابن سعد کی دوسری روایت ۔

اخبرنا محمد مصعب القرقانی قال حدثنی ام مریم المخفیة امرأة من اهل البصرة قالت سمعت حفصة بنت ابن عالث یقول کان ابی یعطینا الذهب ویکسونا الحریر ۔	حضرت انس کی صاحبزادی حفصہ کہتی ہیں کہ ہمارے والد ہم کو سونا اور ریشم پہناتے تھے ۔

محمد بن مصعب میں بھی محدثین نے کلام کیا ہے ذہبی لکھتے ہیں:۔

قال ابو حاتم لیس بالقوی وقال النسائی ضعیف وقال الخطیب کثیر الغلط الشدید	ابو حاتم نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں نسائی نے ضعیف کہا اور خطیب نے کہا کہ یہ اپنی بلکہ روایت کرتے تھے اسلئے

من حفظه ۔	کثیر الغلط ہیں ۔
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں دو تین روایتیں کی ہیں جو درحقیقت صحیح ہیں ۔	
عن[1] ابن عمر انه کان یحلی بناته و جواریه الذهب لا یخرج منه الزکوٰة ۔	حضرت ابن عمر اپنی صاحبزادیوں اور لونڈیوں کو سونا پہناتے تھے اور زکوٰۃ نہ دیتے تھے ۔
عن[2] اسماء بنت ابی بکر انها کانت تحلی بناتها بالذهب ولا تزکی بخواص خمسین الفاً ،	حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی اسماء اپنی لڑکیوں کو تقریباً پچاس ہزار کا سونے کا زیور پہناتی تھیں اور زکوٰۃ نہیں دیتی تھیں ۔
محمد[3] اخبرنا ابو حنیفة عن عمر بن ابی عاتکة حلت اختها بالذهب و ابن عمر حلی بناته بالذهب قال محمد و ناخذ هو قول ابی حنیفة ،	حضرت عائشہ رض اپنی بہنوں کو اور ابن عمر رض اپنی لڑکیوں کو سونا پہناتے تھے ۔ یہی قول محمد رح اور ابی حنیفہ رح کا ہے ۔
ان روایات سے سونے کا استعمال ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی کہ زیور میں بالکل کوئی نہیں کیونکہ یہ مسئلہ اس بحث سے جدا ہے ۔ ہم اسکے متعلق بالفعل کچھ لکھنا نہیں چاہتے ، یہ سب روایات ہیں جن سے سونا پہننے کو جائز کہا جاتا ہے اور فقہاء کا مذہب بھی یہی ہے	
محمد اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم انه قال لا باس بالحریر والذهب للنساء قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفة قال الشافعی والمراة ان تحلی ذهبا و ورقا ولا تجب علیها الزکوٰة ۔	ابراہیم کہتے ہیں عورتوں کو ریشم اور سونا استعمال کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ۔ امام محمد کہتے ہیں یہی ہمارا اور ابو حنیفہ کا مذہب ہے ۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں عورت سونے اور چاندی کا زیور استعمال کرے اور اسکی زکوٰۃ نہ دے ۔

[1] کتاب الام ۱۲ [2] ۵۲ دار قطنی ۱۲ [3] ۵۳ کتاب الآثار ۱۲

اور یہی مذہب امام مالکؒ کا ہے،

دوسرے فریق کے دلائل

ایک روایت جو سونا ٹکڑے ٹکڑے کرکے استعمال کرنیکو جائز بتاتی ہے وہ یہ ہے "ابو شیخ کی روایت ہے کہ امیر معاویہؓ نے صحابہ کے ایک مجمع میں کہا کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونیکے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے جز اسکے کہ اُسکے ٹکڑے کر لیے جائیں سب نے کہا بیشک۔ اسکے راوی اول ابو شیخ سنہائی مجہول ہے۔ دوسرا ابو قلابہ جسکا نام عبد الملک بن محمد ہے ضعیف ہے۔ ابو قلابہ کا شاگرد میمون القصاد بھی معروف راویوں میں نہیں۔ اور ذہبی اس حدیث کو منکر کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں "میمون قصاد بصری سے ابن سیب اور ابی قلابہ سے روایت کرتا ہے۔ اور اس سے خالد اور کہمس نے حدیث لی ہے امام احمدؒ کہتے ہیں کہ غیر معروف ہے۔ میں نے کہا اسکی روایت امیر معاویہؓ سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے درندوں کے چمڑے اور سونا پہننے سے منع فرمایا البتہ اسکے ٹکڑے ٹکڑے استعمال کیے جائیں۔ ابن حبان نے میمون کی توثیق کی ہے مگر یہ حدیث منکر ہے۔ یعنی مردود۔ اور غیر مقبول ہے۔ اسی روایت کو ابو شیخ نے اپنے بھائی حمان سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس روایت کے استثنا نہیں ہے حکم مطلق ہے کہ سونا پہننے کی ممانعت فرمائی۔ ذہبی حمان کے متعلق لکھتے ہیں، حمان نے معاویہ سے ممانعت سنے میں روایت کی۔ ابو شیخ سنہائی آپکے بھائی اس سے متفرد ہیں بعضے حمان زہیر سے بعضے پیش سے اور بعضے جمان کہتے ہیں اور بعضے جماد اور بعضے ابو جماز کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ حمران میں کچھ پتہ نہیں کہ یہ شخص کون ہیں غرضکہ یہ بھی مجہول ہے امیر معاویہ سے البتہ ایک تیسری روایت مسند احمد میں صحیح طریقہ سے مروی ہے جسکے تمام راوی ثقہ ہیں

عن علی بن عبد اللہ بن علی عن ابیہ انہ سمع معاویۃ یخطب فی ظل الکعبۃ وھو یقول انہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن لبس الذھب الحریر	علی بن عبد اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کعبہ کے سایہ میں خطبہ پڑھ رہے تھے کہ آنحضرت صلعم نے سونے کے زیور اور ریشم کو منع فرمایا

لیکن اس روایت میں مذکورات کی کوئی تخصیص نہیں اسلیئے حکم عام ہوگا اور اس ممانعت میں عورت بھی داخل ہے

(معارف)

باغ حقیقت کی ایک صبح

(حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے ایک مضمون کو پڑھکر لکھی گئی)

رات جب روشن مری تقدیر کا اختر ہوا — جلوہ گر آئینۂ دل میں مرے دلبر ہوا
آسماں پر چاند اور سینے میں دل رہبر ہوا — بارہ سے شوریدگی میرا مجھے شہپر ہوا
لے اڑا ذوقِ تفرج دشت و صحرا میں مجھے
نکہتِ گل لے گئی اک باغ رعنا میں مجھے

ہو رہی تھی صبحدم بادِ سحر گوہر فشاں — اور نچھاور کر رہا تھا زر گلوں پر آسماں
آب جو میں ہو رہی تھیں ننھی ننھی مچھلیاں — جلوہ زار عالمِ معنی ہوا تھا بوستاں
کنجِ گلشن میں مجھے اک باغباں آیا نظر
بول اٹھا میں بیدِ مجنوں کیا ہمزباں آیا نظر!

آہ اے نکتہ دہِ بزمِ رموزِ گلستاں! — حجرِ اسود سے ترا بڑھ کر ہے سنگِ آستاں
تو کہ ہے غنچوں گلوں اور پتیوں کا رازداں — ہاں بتا دے کوئی قدرت کا مجھے رازِ نہاں
موشگافِ حسن تیری چشمِ استبصار ہے
تیرے بائیسکل میں زیبِ گل رگِ ہر خار ہے

قمریٔ سروِ چمن گرمِ خرامِ ناز ہے — عندلیبِ اک مطربِ بزمِ گلِ غماز ہے
ہر نفس مضراب ہر رگِ شجر اک ساز ہے — باغباں! اس راگ میں مضمر فلک کا راز ہے
حالتِ وجداں ہے تیری ٹہنیوں کا جھومنا
سجدہ ہے شاخِ ثمر دار کا زمیں کو چومنا

خارِ نظروں میں رہا باغِ جہاں کی عمر بھر — ناوکِ آفات سے چھلنی ہوا میرا جگر

گلشنِ دنیا میں کٹ کر رہ گئے میرے ثمر — گلشنِ دل سے وہاں اُٹھے نہ کیونکر ہر سحر
وہ درختِ بار ور وہ لالہ و گل چھٹ گئے
گوہرِ آبِ رواں سنکر وہ موتی لٹ گئے

غنچۂ الفت مرا جب سے پریشاں ہوگیا — باغِ عالم میں ہوں میں محبوسِ زنداں ہوگیا
باعثِ کلفت جہاں کا بارِ احساں ہوگیا — ذوقِ راحت بھی مجھے زحمت کا ساماں ہوگیا
دل مرا پائیگا تسکیں عشرتِ ہستی سے کیا
ہیچ ہے لطفِ طرب باقی نہ جب دلربا

وائے ناکامی مری گلشن میں جب جاتا نہیں — جو روش پر ہوں نقشِ خاشاک چُنا جاتا نہیں
طائروں کے چہچہے سُنکر کبھی گاتا ہوں نہیں — جنبشِ بادِ صبا سے وجد میں آتا ہوں نہیں
کانپ اُٹھتا ہوں مگر سُن کر میں آوازِ بشر
بلبلوں کو ہو کسی صیاد کا جیسے خطر

باغباں نے جبکہ ڈالی اک نگاہ دلنشیں — مسکرا کر پھر کہا "او عاشقِ اندوہگیں
تو نہیں شایانِ دیں دنیا ترے شایاں نہیں — ہاں بنالے آشیانہ ایک گلشن میں کہیں
بزم میں تیری ہوں دن بھر طائروں کی بولیاں
اور شریکِ یار ہو شب کو فلک پر کہکشاں

دیکھ پھولوں سے ہیں اٹکھیلیاں کرتے ہوئے — گلستاں کی بزم میں غنچے بھی ہیں لب کھولتے
میرے اشکوں سے ہیں گل شبنم کے موتی رولتے — مسکراہٹ کو مری پلکوں میں ہیں سب تولتے
جلوہ گاہِ ناز ہے انساں کا یہ مسکن نہیں
عالمِ لاہوت ہے دنیا کا یہ گلشن نہیں

ہمنوا! گر میں نہوں صحنِ چمن کی پاسباں — روئے ہر غم منہ چھپا کر باغ میں تب جاں
بول اُٹھے گلزار میں پھولوں کا گنج شائگاں — سوئے صحرا پھیر لیں سب طائرانِ بوستاں

پتیاں باد بہاری سے اِدہر جھڑ جائیں سب
چشم گلشن کور ہو جائے گڑھے پڑ جائیں سب

باغ میں بلبل کا ان نغموں سے جی ہٹ جائے پھر
ہجر کے صدموں سے ہر گل کا جگر پھٹ جائے پھر

جوئے گلشن میں اِدہر آبِ رواں گھٹ جائے پھر
نونہالوں سے اُدھر اک اک ثمر کٹ جائے پھر

سرد ہو جائے نسیم دہر سے شش چمن
عام ہو پروانۂ غارت گرِ رنج و محن

پھول میں رنگت نہو رنگت میں یہ جلوہ نہو
گل کی یہ محفل نہو بلبل کا یہ نغمہ نہو

نخل میں شاخیں نہوں شاخوں میں اک پتا نہو
آبجوؤں میں کہیں پانی کا اک قطرہ نہو

گلشن ہستی سے جائیں عندلیبیں تشنہ کام
ارتقائے حسن کا سارا بگڑ جائے نظام

اِس چمن میں گل کھلاتی ہے نسیم باغ طور
پھول کی ہر پنکھڑی ہے شاہد گل کا ظہور

قطرۂ شبنم میں ہے عکس شعاعِ شمع نور
چشم نرگس ہے فروغ دیدۂ اہل سرور

خوشہ کشتِ غم الفت جسے حاصل نہیں
وہ اگر رضواں بھی ہے اس باغ کے قابل نہیں"

یہ کہا اصحاب آنکھوں سے نہاں ہو گیا
صورتِ نقش قدم زیبِ گلستاں ہو گیا

دل مرا زحمت کشِ دنیائے امکاں ہو گیا
اور نقش منت پذیرِ بزمِ انساں ہو گیا

رشتہ ہائے دام ہستی نے مجھے گھائل کیا
آب و دانے کی طرف صیاد نے مائل کیا

"ابجد خواں"

۲۰۶

مرغِ قفس آزار

قمقمہ زا منقار میں جسکی تھے نوحے بیقرار — اور لحن میں برق کے شعشے تڑپتے تھے ہزار
ہر بُنِ پر سے برستے تھے پڑے لاکھوں شرار — نالہ شعلہ فشاں بے چین تھا سیماب وار
ایک لخت خود میں آ تشبار طوفاں تھے نہاں

زندگی کی قید میں آکر ہوا وہ چشم نم — اور بڑھا جوش جنوں سے اُسکا ہر لحظہ الم
جسم خاکی کے قفس میں ہوگیا محبوس غم — اور مقراض ستم نے کردیئے پر تک قلم
پھنس کے تزویر فنا میں پہنچا کس جا بے کہاں

صید ایام الم ہے عیش تھا جس کو مدام — فرش خاکی اُسکا مسکن عرش تھا جسکا مقام
تھا جو کل آزاد اب وہ ہی غلامانِ غلام — پا بزنجیر سکوں تڑپا کرے شوق خرام
یہ ہوا جس تک اُڑ نہ سکتے تھے کبھی وہ یہاں

اے گرفتارِ بلائے شوق ہستی بول اب — ہاں ذرا دیکھیں تری پرواز پر تو کھول اب
اے ہمائے اوجِ عالم کیا ہے تیرا مول اب — دیکھیں میزانِ گلو میں قندِ نغمہ تول اب
زمزمہ در لحن موسیقی تری اب ہے کہاں

اِک دفعہ خونبار آنکھوں سے بہے اِک جوئبار — دیر تک تڑپا کیا مثلِ دلِ پُر اضطرار
اور سو سو طرح سے بیکل ہوا وہ بیقرار — رقصِ بسمل کیطرح گاہے گہے سیماب وار
پر قلم، قیدِ قفس، اس پر ستم کی بجلیاں

ایک طوفانِ شرر ہر آہ سے پیدا ہوا — وادیٔ ہستی میں ہر نالہ نیستاں زا ہوا
نوحۂ غم سنسے ہر غنچے کا یہ نقشہ ہوا — آب اشکِ گرم بھی جلتا ہوا شعلہ ہوا
بن گئی گویا زبانِ حال شعلہ کی زباں

ایک مشتِ خاک بس باقی قفس میں رہ گئی — خاک کی چٹکی فقط قیدی کے بس میں رہ گئی
کچھ وہی ہستی عالم ہوس میں رہ گئی — ہاں تپش باقی مگر بادِ نفس میں رہ گئی

نطق مطلق ہو کے بولا طائرِ روح رواں

"گوشِ عالم سُن۔ کہ میں ہی ہوں صدائے کائنات — لازوال و لامکان و لازماں مطلق ثبات"
مرکزِ عالم یہی ہوں میں اور محیطِ کائنات — موجد مطلق گھے خالق گھے۔ گاہے حیات
مجھ ہی سے قائم ہیں اپنی جگہ ارض و آسماں

"جذب ہوں میں ہی کشش میں ہی عناصر میں ہی ہوں — نقش ہی میں ہی ہوں اور اُسکا مصور میں ہی ہوں"
اور ہستی سے ہوں غائب اور حاضر میں ہی ہوں — آپ ہی تقدیر اور اُسکا مقدر میں ہی ہوں"
آپ ہی گردش میں ہوں مجھ ہی سے ہیں سیارگاں"

"قائم بالذات ہوں اور پھر نہیں مجکو قیام — جوہرِ بے مثل ہوں ہر لحظہ ہوں وقف خرام"
گاہے شمعِ محفلِ شب فتنہ۔ گہ مصباحِ شام — آج ہوں یخ بر سرِ کوہ، کل ہوں جوئے خوش خرام"
"مثلِ سیج میں ہوں گہ گہ یا ذہانی پھرتی ہو پھپھوں"

"ذرہ بیقدر بھی میں ہی ہوں، میں ہی آفتاب — خالقِ صد دہر یک لحظہ ہوں، پھر خانہ خراب
عقل ہو میں جہل بھی میں ہی عشر تا دعا — عقدہ لاحل ہوں جسکا کچھ نہیں ملتا جواب
ہر جزو کل عرش پر ہوں ہر کل زیرِ آسماں"

۸۶

محمد آصف علی بیرسٹرایٹ لا

تضمین

بر مطلع حاجی حافظ محمد انوار اللہ خاں صاحب بہادر المخاطب فضیلت جنگ

میں تجسس میں تری چاروں طرف دوڑا گیا — مسجد اور مندر میں سو سو مرتبہ آیا گیا
مسئلہ توحید کا آخر سمجھ میں آگیا — تیرے اخفا پر بھی میں اسرارِ مخفی پا گیا
ہر مجالِ خویشتن دیوانہ سازی خویش را

شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

ہے وہی امر اور وہی مامور اور آمر وہی ہے وہی سحر اور وہی مسحور اور ساحر وہی
اول و آخر وہی ہے۔ باطن و ظاہر وہی روپ سو بدلے تو کیا۔ صورت تو ہے آخر وہی

برجمالِ خویشتن دیوانہ سازی خویش را
شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

نور قندیلِ حرم۔ شمعِ کلیسا ایک ہے بت پرستی حق پرستی سب کا منشا ایک ہے
موج گرداب و حباب و آب و دریا ایک ہے لاکھ شکلیں ہوں مگر سب کا ہیولا ایک ہے

برجمالِ خویشتن دیوانہ سازی خویش را
شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

بلبل و گل گلشن و بادِ صبا کچھ بھی نہیں اختر و شمس و قمر ارض و سما کچھ بھی نہیں
ہر طرف تیرے کرشموں کے سوا کچھ بھی نہیں حسن لیلیٰ عشق مجنوں ایجاد کچھ بھی نہیں

برجمالِ خویشتن دیوانہ سازی خویش را
شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

مست ذوقِ نغمۂ توحید کر دی خلق را باد و جاں سامعیں بر طرز الحانت فدا
آفریں صد آفریں و مرحبا صد مرحبا مطلع تابان انور باز برخواں امجدا

برجمال خویشتن دیوانہ سازی خویش را
شمع خود باشی و خود پروانہ سازی خویش را

سید احمد حسین امجد۔ حیدرآباد دکن

اگر ہمارے قلمی معاونین اپنے مضامین کے لیے کاغذ کا ایک رخ استعمال فرمائیں تو بہت بہتر ہو کیونکہ سیاہی پھوٹ جانے سے اکثر مضامین پڑھے نہیں جاتے۔ (مینیجر)

۴۸۶

کلامِ اکبر

(سوال) ——— (جواب)

عشق کو کیوں بیخودی مقصود ہے — حسن بے حد ہی خودی محدود ہے
ہوش اُڑتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں — وجد آتا ہے کہ وہ موجود ہے
منکشف ہو جائیں اسرارِ خودی — بے خودی کا بھی یہی مقصود ہے

مبتلائے بحث کو رازِ خدا کی کیا خبر — معنیٔ بے لفظ و لفظِ بے صدا کی کیا خبر
دیکھا اک ہنگامہ ہم بھی ہو گئے اُسمیں شریک — ابتدا کا علم کیا اور انتہا کی کیا خبر

جو پائے رازِ حُسنِ ازل سے کہے کوئی — سُن صوتِ سرمدی کو کلام ہیں کو دیکھ
ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ — معنی یہ ہیں کسیکو نہ دیکھ اور ہیں کو دیکھ

اکبر الہ آباد

۴۸۶

رباعی

یہ تو کس مُنہ سے کہوں ہیں کہ گنہگار نہیں
اپنی جو حالت ناگفتہ ہے اسرار نہیں
خوف رحمت ہے تو کچھ دور نہیں عفو خطا
رونا تو یہ ہے کہ میں لائقِ اسرار نہیں

بدر جلالی۔ بی اے

۱۸۸۶ء

تازہ غزلیں

(۱) جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر شاد سابق وزیر اعظم ریاست حیدرآباد

عاشقاں را پردہ دیگر بود از سازہا — اندرون سینہ پنہاں عشق دارد رازہا
اے کماں ابرو ندارنی ناوک تیغ و سناں — لیک بسمل میکنی از غمزہ و اندازہا
گوش بکشا تا کہ سر عشق جاناں بشنوی — ایں دل شوریدہ دارد نغمہ ہا در سازہا
نے جلاجل شور دارد نے زجنگ ست ایں صدا — میکند زیر و بم انفاس خوش آوازہا
میکنی گر قتل گاہی جاں بجنبی شاد را
از کجا آموختی جاناں چنیں اعجازہا

(۲) جناب منشی پیارے لال صاحب رونق دہلوی

حسن یکتائی کا اک جلوہ ہی وحدت کیا ہی — ذرہ نور ہے ہر ذرہ یہ کثرت کیا ہے
طرفہ بوقلمئی عالم ہے یہ صنعت کیا ہے — رنگ یکرنگی ہے نیرنگئی قدرت کیا ہے
یہ ہر اک دل کو بنا دیتی ہی دیوانہ حسن — بھید اسکا نہیں کھلتا کہ محبت کیا ہے
تو نہ ہوگا تری تصویر کا جلوہ ہوگا — آئینہ میں جو نظر آتی ہے صورت کیا ہے
مٹ گیا فرق من و تو تو کہاں دخل دوئی — ہوگئے ایک تو پھر جلوت و خلوت کیا ہے
پردہ حسن میں پنہاں ہے تجلی کیسی — اس قدر محو ہے کیوں آئینہ حیرت کیا ہے
دم بدم رنگ بدلتا ہے چمن کا نقشہ — انقلابات زمانہ کی بھی رنگت کیا ہے
اس کی ہستی سے ہے آگاہ وہی ہستی والے — مرنے والوں سے کوئی پوچھے قیامت کیا ہے
معنی الفت کے تو یہ ہیں کہ فنا ہو جانا — غضب کامل نہ ہو جس میں وہ محبت کیا ہے
حسن مقبولیت خاص کا اک نور ہی کشف — جوہر ذاتی انساں میں کرامت کیا ہے

آپ ہی آپ ہیں جب ۔ دخلِ گماں پھر کیسا
کون پھر عابد و معبود ضرورت کیا ہے

ہوں رقم معنیٔ اسرارِ حقیقت روشن
لکھ سکے خامہ یہ خامہ کی حقیقت کیا ہے

(۳) جناب مسٹر علی احمد صاحب بی اے ۔ اسسٹنٹ انجنیر

سرِ شوریدہ سے نکلا نہ سودا عشقبازی کا
حقیقی کی طلب میں ہے جو بندہ تہا مجازی کا

ہزاروں چشم وا ہیں منتظر تیری تجلی کی
سنا ہے طور سے قصہ تری بندہ نوازی کا

تری حکمت سے غافل اپنی ناکامی پہ حیراں تہا
جو دیکھا غور سے تہا فعل تیری کارسازی کا

یہ مانا دی حریفوں کو خدا نے عزتِ دنیا
کیا ممتاز تجکو دیکھ جوہر پاکبازی کا

کدورت الفتِ باطل کی ہو آئینہ دل سے
عدو ہو جائیگا قائل تری جادو طرازی کا

شرف ہے نسبتِ آبائے صالح سے تجھے صاحب
نہ کیوں ہو ہند میں شہرہ ترے لحنِ حجازی کا

(۴) جناب ڈاکٹر محمد قمرالدین صاحب قمر نظامی ہلالی شاہ حیدرآباد دکن

شرابِ عشق کا اک جام بھر دے
مرے ساقی مجھے مدہوش کر دے

شبِ فرقت کو میری صبح کر دے
مری آہِ رسا میں کچھ اثر دے

ترا جلوہ کہیں ہے پردہ دیکھوں
مری آنکھیں کر دے وہ نظر دے

رہے پیشِ نظر وہ نورِ عینی
مری چشمِ بصیرت کو بصر دے

رہیں نظروں میں تیرے نقشِ پا کے
وظیفہ مجھکو یہ شام و سحر دے

رگِ جاں میں کرشمہ ایسی ہو پیدا
مجھے ہر لحظہ دل تیری خبر دے

بڑھے بیتابیٔ دل روز افزوں
خدایا مجھکو وہ درد و جگر دے

رہے سرسبز کھیتی آرزو کی
کرم سے اپنے مجھکو چشمِ تر دے

جلا کر خاک کر دے میرے عصیاں
مری آہوں میں وہ برقی اثر دے

مرا یہ نفس سرکش سرنگوں ہو
وہ جرأت دے وہ دل دے وہ جگر دے

رہے دن رات محوِ دید تیرا
قمر ناچیز کو اپنا ہی کر دے

یارانِ نظام المشائخ

خطوط

نظام المشائخ کے دو پرچوں کی اشد ضرورت ہے ورنہ میرا فائل خراب ہو جائیگا

(۱) جلد ۱۴ نمبر ۲ و ۳۔ بابت صفر و ربیع الاول ۱۳۳۴ھ مسمّٰی بہ رسول نمبر

(۲) جلد ۱۶ نمبر ۱۔ بابت محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

اعلان کر دیجئے کہ کسی صاحب کے پاس ہوں تو پوری قیمت پر بذریعہ وی پی مجھے بھیجدیں

خاکسار محمد ظہ سب رجسٹرار اگلاس۔ ضلع علی گڈھ

— ✣ —

تین روپے ارسال خدمت ہیں۔ دو نادار طالب علموں کے نام قسم سوم کا نظام المشائخ جاری کر دیا جائے ✣

سید محمد حسام الدین گیلانی۔ مظفر آباد کشمیر

روپے وصول ہو گئے۔ خدا سید صاحب کو جزائے خیر دے۔ نادار طلبا اُن کی فیاضی سے فائدہ اٹھائیں۔ درخواستیں کسی ممتاز شخصیت کی سفارش کیساتھ آنی چاہئیں (ایڈیٹر)

— ✣ —

مجھے عمل جنب بغض کا بہت شوق ہے۔ اور میں اسکے سیکھنے کے لئے ۱۰۰ تک خرچ کر سکتا ہوں۔ اگر کوئی صاحب اسکے عامل ہوں تو اپنا نام و پتہ تحریر فرمائیں ✣

ماسٹر غلام رسول خاں مدرس پاک پٹن شریف۔ ضلع منٹگمری۔ پنجاب

نوٹ۔ اس قسم کے ذاتی خطوط آئندہ اُجرت پر درج ہوا کرینگے۔ ۴ سطر کے حساب سے۔ ناظرین مطلع رہیں ✣ (ایڈیٹر)

میں امتحان ایف اے میں کامیاب ہوگیا۔ اس خوشی میں پانچ روپیہ بھیجتا ہوں ایک ایک خطیب و نظام المشائخ سال بھر کے لیے کسی ضرورتمند شوقین طالب علم کے نام جاری کر دیجئے

عبدالعزیز نظامی۔ لال کرتی۔ راولپنڈی

خدا مبارک کرے۔ اور دین و دنیا کی کامیابیاں نصیب ہوں۔ درخواستیں مع سفارش آنی چاہئیں۔ (ایڈیٹر)

توسیع اشاعت

ذیل میں اُن حضرات کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں۔ جنہوں نے آخری مہینے میں خود خریدار بنکر یا دوسروں کو خریدار بنا کر رسالہ نظام المشائخ کی اعانت فرمائی۔

جناب بابو ایم اے کریم خاں صاحب اورگام نے جناب عبدالباسط صاحب اورگام کو اور جناب محمد عبدالرحمن محمد حیات صاحب یونانی حکیم نے جناب منشی محمد اسمٰعیل خاں صاحب و جناب علی بخش صاحب جوناگڑھ کو

جناب محمد حیات خانصاحب اکسائز انسپکٹر سارن ضلع تھرپارکر سندھ نے جناب مسٹر محمد اسحٰق خانصاحب پولیس انسپکٹر مٹی ضلع تھرپارکر کو

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے۔ جناب ہمشیرہ صاحبہ منشی حیدر علی صاحب رام پور کو۔

جناب ماسٹر حمزہ خانصاحب ناندورہ نے جناب مرزا سلم اللہ بیگ صاحب ناندورہ کو۔

جناب مولوی فضل احمد صاحب نظامی امروہہ نے جناب مولوی نیاز احمد صاحب فریدی امروہہ کو۔

جناب شیخ عنایت حسین و فرزند علی صاحب ارتی پاڑہم نے جناب شیخ عبدالشفیق صاحب پاڑہم کو

جناب سراج عالم صاحب بشتی نے جناب ایم فتح محمد صاحب سب اوورسیر منوگھہ کو

جناب غلام محمد صاحب پنشنر لاہور نے جناب منشی کرم الٰہی صاحب لاہور کو

جناب کفایت اللہ صاحب قریشی مقام بدیرہ لکڑ گنج نے جناب منشی رحیم خانصاحب ماسٹر بدیرہ کو

جناب سید حسین صاحب فدوی نے جناب محمد عبدالقادر خانصاحب مقام بنگنہ بلی کو

جناب محمد حسن صاحب نظامی دیوانہ نے جناب محمد احمد اسرصاحب ف محمد قاسم صاحب حیدرآباد دکن کو
جناب عبدالرؤف خانصاحب محوی ڈاکخانہ لاڈن نے جناب بابو سید عبدالرحیم صاحب ڈاکخانہ لاڈن کو۔
جناب سید انعام اللہ صاحب خطیب جامع مسجد بریلی نے جناب مولوی سید بشیرالدین صاحب بریلی کو
جناب حافظ عبدالرؤف صاحب چیک بر متعلقہ مدھو نے جناب راجہ ایشور رائو صاحب پٹواری کنڈاگوڑہ کو
جناب ایم اے کریم خاں صاحب کلرک اودگام نے جناب ایم عبدالعزیز صاحب وایس ماورصاحب سند
کمپنی اودگام کو۔ اور ڈاکٹر محمد عبدالستار صاحب بیتا متکلم کو۔ - - - - - -
جناب فضل الٰہی صاحب کو سید مہدی شاہ نے جناب شاہ محمد غوث صاحب کوٹ سید مہدی شاہ کو
جناب محمد غضنفرالدین صاحب حیدرآباد دکن نے جناب سید احمد صاحب طالب علم حیدرآباد دکن کو
جناب سید احمد نورالاصفیا صاحب سہروردی نہکنڈہ نے جناب مولوی محمد عبدالرحمن صاحب بورگم پہاڑ کو
جناب قاضی باقی شاہ صاحب ویرآبادی جناب چودھری رفیق احمد صاحب ویرآباد کو۔
جناب رفیق احمد صاحب بہولے پوری نے جناب محمد اسحٰق صاحب مع دوست پور کو
جناب محمد ریاست علی صاحب حنفی نے جناب مولوی وزیرالحسن شاہ صاحب ضلع اکولہ کورٹ آف وارڈس کو
جناب یوسف حاجی محمد سیٹھ صاحب بنگلور نے جناب عبدالستار حسین صاحب سیٹھ چاوڑی بنگلور کو۔
جناب منشی رحیم خانصاحب بدنیور نے جناب معین الدین صاحب آروی کو۔

جو خود خریدار ہوئے وہ یہ ہیں

جناب محمد حسین صاحب اسسٹنٹ ماسٹر دورالا — جناب حکیم عامل محمد عبدالستار صاحب سکندرآباد دکن
جناب محمد صدیق صاحب سوداگر سیالکوٹ — جناب شیخ محمد بخش صاحب مقام روپڑ
جناب ایم اے کریم صاحب ڈاکخانہ کنشمی — جناب سید محمد عباس صاحب الہ آباد
جناب عبدالستار صاحب مدرس ہبلی — جناب سید احمد اللہ صاحب مونگیر
جناب قاضی محمد ظہیرالدین صاحب عباسی مین پوری — جناب میر سعادت علی صاحب حیدرآباد دکن

جناب مرزا محمد اشرف بیگ صاحب لکھنو
جناب طیب علی منور علی صاحب سوداگر جلگاؤں
جناب فتح محمد صاحب باطنی ڈاکخانہ رتیہ
جناب شیخ عبدالرحمن عبدالقادر صاحب چاندسولاپور
جناب عبدالمجید صاحب کلکتہ
جناب شیخ الدبخش صاحب قریشی لاہور
جناب شاہ جی صاحب ناگپور
جناب سید محمد المدنی صاحب سنگاپور
جناب منشی عبدالعزیز صاحب بشنکرپلی
جناب مبارک علی صاحب ہیڈ ماسٹر گنجبندپور
جناب سید رشید احمد صاحب انسپکٹر پولیس علی گڑھ
جناب سید محمد حیدر صاحب انسپکٹر سرمالیاں
جناب شاہ محمد صاحب نمبردار موضع لسوڑی
جناب ولی الحق صاحب موضع بلووا
جناب منیجر صاحب میسرز جوئل ٹرڈنگ کمپنی لاہور
جناب شیخ محمد بخش صاحب روپڑ
جناب شیدی بشیر محمد میراں شاہ صاحب
جناب سکرٹری صاحب انجمن اسلامیہ بریلی ہاروا
جناب ڈاکٹر محمد امیر الدین صاحب پوسٹ کوکرا

جناب صفی میاں صاحب مہدی فہیم چنپٹن
جناب حامد حسین خاں صاحب سرویرانسی
جناب میر عبدالمجید صاحب ڈالٹنگنج
جناب محمد خلیل صاحب اسسٹنٹ انجنیر ڈرگی
جناب غلام محمد صاحب پنشنر لاہور
جناب عبدالغفور صاحب راولپنڈی
جناب محمد اخلاد حسین صاحب محمد پور ڈاکخانہ رودانگر
جناب محمد داؤد صاحب انجنیر مقام فتح کھیلا
جناب سید اقبال علی شاہ صاحب لاہور
جناب محمد ابوبکر بن علی صاحب پنیل بمبئی
جناب محمد سالم صاحب بلیتہ ضلع کنتور
جناب ایم شیخ احمد صاحب مدراس
جناب سید محمود صاحب آڈیٹر سیف آباد۔ دکن
جناب نواب بہادر نواز جنگ بہادر سکندر آباد۔ دکن
جناب عبدالستار صاحب دہلی
جناب فتح محمد خانصاحب نائب رجسٹر قانونگوی گورکھپور
جناب منشی سید محمد حسین صاحب آصف آباد دکن
جناب بشیر خاں صاحب سوداگر ناگپور
جناب مولوی حسن مجتبی صاحب قادری سب انسپکٹر پولیس پنشنر مقام رائے پور

پیپر ریلیف فنڈ ۔ گرانی کاغذ کا مقابلہ

جن معاونین نظام المشائخ نے اس ضروری مد میں حصہ لیا اُنکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں

جناب ابو الحفیظ سید عبد السلام صاحب انسپکٹر پولیس ماہور دکن	جناب ابو الکمال منشی نبی داد خانصاحب
جناب مولوی ابو القادر صاحب رائچور	جناب ایم۔ جی۔ اسمٰعیل صاحب دیلور
جناب عبد الرحیم صاحب انسپکٹر مدھی پور	جناب منشی ابو الحسن صاحب مدراس
جناب مولوی عبد الحفیظ شاہ صاحب مارگرام	جناب محمد اکبر صاحب اینڈ کو ناگپور
جناب عبد الرشید صاحب نیو انسپکٹر بھنڈارہ	جناب عبد اللہ صاحب گلیدہ گڈھ
جناب عزیز احمد شریف صاحب مکتل	جناب منشی سید محمد صاحب شطاری عثمان آباد
جناب منشی محمد عمر صاحب سہارنپور	جناب منشی نذیر الدین خاں صاحب پرتاب گڈھ
جناب مولوی فیروز الدین صاحب لاہور	جناب محمد ابراہیم صاحب نظامی جالندہر
جناب خوشی محمد صاحب آہنگر گجرات	جناب محمد عنایت اللہ صاحب صوفی لاہور
جناب سید رونق علی صاحب الہ آباد	جناب منشی عزیز احمد صاحب الہ آباد
جناب منشی عنایت خاں صاحب باندی کوئی	جناب علی محمد صاحب ملتان
جناب فضل احمد صاحب کانپور	جناب سید موسیٰ رضا صاحب الہ آباد
جناب حسین میاں حاجی حسن صاحب کلکتہ	جناب میر شرف علی صاحب الہ آباد
جناب حکیم فضل محمد صاحب نیلا محل جالندہر	جناب قاضی محمد حسن صاحب بمبئی
جناب منشی محبوب الرحمٰن صاحب کلکتہ	جناب عبد الرحمٰن صاحب بمبئی
جناب ایس ایم یٰسین صاحب کورلا	جناب منشی عبد الغنی صاحب لاہور
	جناب منشی محمد ہادی حسن صاحب دہلی

جناب عبد الغفور صاحب گور کھپور
جناب منشی میر امام علی صاحب حالنہ دکن
جناب مولوی مولا بخش صاحب کھیریاں
جناب رشید الدین صاحب حیدر آباد دکن
جناب محمد حسین صاحب پٹوگڑ بلہاری
جناب نور محمد حاجی قاسم صاحب چمپارا بمبئی
جناب مولوی لعل محمد شکور صاحب یواں
جناب محمد شیراتی خاں صاحب مراد آباد
جناب مولوی فضل کریم صاحب میران شاہ
جناب حاجی محمد سلیمان صاحب بلارم دکن
جناب مولوی ظفر حسن صاحب رام نگر
جناب منشی محمد عبد اللہ صاحب لکھنؤ
جناب منشی عبد الکریم صاحب گیاں پور
جناب منشی امانت اللہ صاحب رہٹی
جناب منشی فضل کریم صاحب قصور
جناب مولوی عبد الغنی صاحب شملہ
جناب محمد فاضل صاحب رائچور دکن
جناب منشی محبوب عالم صاحب اونچہ کلاں
جناب میجر سالوتر عبد الغفار خانصاحب حیدر آباد دکن
جناب محمد عبد الکریم صاحب کورمنڈل
جناب منشی عطاء الرحمن صاحب لکھنیر

جناب حکیم سید غلام علی شاہ صاحب شکار پور سندھ
جناب مرزا محمد اسمٰعیل بیگ صاحب رائے پور
جناب سید ہاشم شاہ صاحب بمبئی
جناب سید ظہیر الحسن صاحب ٹونڈلہ
جناب محمد عبد الصمد خاں صاحب اورنگ آباد دکن
جناب شیخ بسم اللہ صاحب گور کھپور
جناب حاجی غلام حیدر صاحب اٹک
جناب قاضی شرف الدین صاحب بھوسادل
جناب مسٹر جی ایم نورانی صاحب بمبئی
جناب محمد فیاض خانصاحب اودیپور
جناب منشی محمد امیر خاں صاحب گرداور الہ آباد
جناب شیخ محمد ابراہیم صاحب حسین پور
جناب منشی عزیز الدین صاحب جھانسی
جناب مولوی محمد لقمان صاحب رامن گاؤں
جناب بسم اللہ خاں صاحب ناندوہ
جناب قاضی محمد حمید الدین صاحب رائچور دکن
جناب محمود احمد صاحب حیدر آباد دکن
جناب قمر الدین احمد صاحب موضع کملاہا
جناب مسٹر احمد خانصاحب معلم بخارا شریف
جناب محمد ابو الحسن صاحب فیض پور
جناب قاضی محمد اکبر مظفر الدین صاحب نوشہرہ

جناب ابوالمآثر کاتب صاحب ہمستان الکلکوٹ — جناب منشی مردان خان صاحب چھپرولا
جناب نواب لیاقت علی خانصاحب حیدرآباد دکن — جناب نذیر احمد خان صاحب حیدرآباد
جناب محمد مصطفےٰ خانصاحب رائے پور — جناب منشی عظیم خان تمازی ٹکپلا
جناب پیرزادہ سید عبداللہ صاحب نصیرآباد — جناب منشی عبدالسلام صاحب مرسہ
جناب منشی شیخ محمود حسن صاحب حلقہ کبڑ — جناب اشفاق احمد صاحب اجمیر شریف
جناب منشی محمد عثمان صاحب کنرکپور — جناب خان جان محمد صاحب لاڈیول
جناب جلال الدین احمد صاحب محبوب نگر — جناب محمد ظہیر الدین صاحب مکامہ ضلع پٹنہ
جناب حکیم غلام محمد یوسف صاحب ڈڈو — جناب سردار عبداللہ خان صاحب بہاولپور
جناب عبدالوارث صاحب رائچور — جناب پیر مملوک علی صاحب جالندہر
جناب مولوی تسلیم احمد صاحب شیرکوٹ — جناب منشی حسام الدین صاحب جالندہر
جناب میاں فضل کریم صاحب امرت سر — جناب عبدالمجید و مقیم صاحب مونگیر
جناب شیخ غلام شاہ صاحب احمدآباد — جناب بابو محمد عبداللہ صاحب رسالپور
جناب عبدالرحمن صاحب ملتان چھاؤنی

باقی دو مسئلوں کو بھی جلد توجہ فرمانی چاہیئے تاکہ یہ جنگ کا زمانہ بہ آسانی گزر جائے اور انکے سبب جو کاغذ وغیرہ بعد بعد مہنگا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اسکا اثر نظام المشائخ پر نہ پڑنے پائے ۔

عصمت — یعنی وہ لاجواب ماہوار رسالہ جو مولانا راشد الخیری مظلہ العالی اور شیخ محمد اکرام صاحب کی ایڈیٹری میں ۶۴ صفحے پر ملک کے بہترین اہل قلم کے مضامین سے شائع ہو رہا ہے اور جسکا ہر پرچہ لکھنے گھر میں ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جدید فیشن کے مقابلہ میں صرف عصمت ہی اسوقت سینہ سپر ہے۔ چندہ سالانہ ہے۔ نمونہ مفت

منیجر عصمت دہلی

ایسا کرتا ہے تو رعایا اسکو معزول کر دیتی ہے۔ جیسے خلافت اسلامیہ۔

(۲) جمہوری۔ ملک کا بندوبست و انتظام کسی ایک قانون کے موافق رعیت کے قبضہ میں ہو سلطانی حقوق سے رعایا آزاد ہو سلطنت کے کام ملکی چندے سے نوبت بہ نوبت رعایا کے افراد انجام دیں۔ خاص رعایا کی مصلحت کے موافق باہمی مشورہ و صلاح سے انتظامی ضوابط وضع کریں۔ جیسے امریکہ کی سلطنت ہے۔

رعیت کی حفاظت عزیز بہن شایستہ رعیت کے ہاتھ میں حکومت کے کل کاروبار ہونے چاہئیں یا ہوتے ہیں۔ اس سے قومی یا ملکی اتحاد مستقل ہوتا ہے تمام افراد ملک متحد رہتے ہیں ضرورت کے وقت ملک کا ہر فرد سپاہی اور ہر ایک پیسہ سلطنت کا خزانہ ہو جاتا ہے۔ ایسی سلطنتوں پر کوئی نگاہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس اصول کے نمایاں ثمرات خلافت راشدہ میں دیکھو۔

مہذب رعایا کو حکومت میں شامل نہ رکھنا خودکشی ہے۔ اپنے ملک کا سب سے بڑا خطرہ اسی مقام سے پیدا ہوتا ہے۔

۱۷۸۹ء میں فرانس کا انقلاب اس کا جلوہ تھا۔ یا جیسا کہ حال میں روس کا ایوان استبدادیت دست جمہور نے منہدم کر دیا ہے جس قدر رعایا قابل ہوتی جائے اسی قدر اسکو ملکی کاروبار میں شریک کرنا چاہیئے۔ ہندوستان ہوم رول مانگ رہا ہے مگر گورنمنٹ برطانیہ اور انڈیا کہتی ہے کہ تم ابھی اس لایق نہیں ہو۔ واقعی جب ہم اس لایق ہو جائینگے گورنمنٹ بلا طلب دیدے گی۔

اور جب ہی ہوم رول کارآمد ہو سکتا ہے۔ جب اہل ملک اپنے میں اسکے لیے حقیقی اہلیت پیدا کرلیں۔

سیاست عزیز بہن سیاست کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) سیاست ناقصہ۔ اسکی غایت صرف مخلوق پر حکمرانی کرنا ہے۔

یہ مقصد ظلم و غلبہ سے خالی نہیں نتیجہ ظاہر ہے کہ زوال کیونکہ رعایا ہی دشمن ہو جاتی ہے۔ اور یہ سب دشمنوں سے زیادہ خطرناک دشمن ہے، یہ ثمرہ ہے مدنیت **غیر فاضلہ** کا

(۲) **سیاست فاضلہ** جو نتیجہ ہے مدنیت فاضلہ کا، اسکی غرض انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، انصاف عدل پر اسکا مدار ہوتا ہے، سلطنت کے واسطے سب بڑی نعمت و قوت رعایا کی جان نثاری و فداکاری ہے۔

سیاست فاضلہ حکمرانی کے جملہ راستوں اور طریقوں کی اصلاح کرتی ہے۔

وہ حالت مجموعی جو افراد انسانی کے جمع ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ اپنی درستی کے لیئے سیاست فاضلہ کی دو صورتوں میں محتاج رہتی ہے۔

(۱) **پہلی صورت**۔ مذہبی احکام۔

(۲) **دوسری صورت**۔ مناسب اور حسب ضرورت ملکی قواعد۔

تاکہ وہی حالت مجموعی کی ترتیب اور تالیف حکمت و انصاف پر نشو و نما پائے۔ جسکے وسیلہ سے انسان اپنے کمال و ترقی کی جانب متوجہ ہو سکے۔

سیاست فاضلہ۔ مجموعہ ہوا کرتی ہے چار چیزوں کا۔

(۱) **پہلی چیز**۔ **ملکی قانون**۔

(۲) **دوسری چیز**۔ **ملکی امن و آزادی**۔

(۳) **تیسری چیز**۔ **آدمیوں کی ذاتی قابلیتیں**۔

(۴) **چوتھی چیز**۔ **املاک (حقیقوں) کی حفاظت**۔

(۱)

ملکی قانون[1] معاملات کو فیصلہ کرنے۔ معاملات کو رجوع کرنے حقوق کو ثابت کرنے حقوق کو پانے۔ جرایم کی پاداش ترتیب دستاویزات غیر منیہ وغیرہ کے لیئے ایک دستور العمل ہوتا ہے۔

جو نہایت غور اور مشاورت عامہ کے بعد جاری کیا جاتا ہے، نہ بدوں خاص ضرورت ومشکلات کے اسمیں کچھ ترمیم وتنسیخ کی جاتی ہے۔ اجرا کے بعد سے تنسیخ کے وقت تک، حاکم و محکوم اسکے دونوں یکساں پابند رہتے ہیں۔

جب قانون سازی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو ایک قابل جماعت زیر تجویز قانون کا مسودہ مرتب کرکے ملک میں پیش کرتی ہے، وہ برسوں مشتہر ہوتا ہے، تاکہ اس کے ناقص پہلوؤں پر رعایا اپنے خیالات واعتراضات پیش کرسکے، کیونکہ قانون رعایا اور حکومت کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے۔ جسکو بلا قاعدہ اور از خود توڑنے کا کوئی فریق مجاز نہیں، ہندوستان میں "وائسرے بہادر کی کونسل کا یہ ہی کام ہے"

ملکی امن [۲] تمام انسانی خواہشات کا، اپنے اپنے وقت پر پورا ہونا آزادی کہا جاتا ہے

وآزادی آزادی مطلق بھی اسیکو کہتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک جایز۔ جو قانون مروجہ کے تحت میں ہو۔

دوسری ناجایز۔ جو قانون مروجہ کی مخالف ہو۔

جایز آزادی تین گروہوں پر تقسیم ہوتی ہے۔

پہلا گروہ **آزاد مطلق** جو اپنی ذات اور حقوق کے قانون کے اندر خود مختار ہیں، جیسے غیر ملازم تاجر، پیشہ ور وغیرہ۔

دوسرا گروہ **مطیع**۔ جنکے حقوق اور ذاتیات کسی غیر کے متعلق ہیں، مگر اسی قانون مروجہ کے موافق جیسے ملازم یا محکوم وغیرہ۔

تیسرا گروہ **مجبور مطلق** جن کی ذاتیات اور حقوق اسی قانون مروجہ کی رو سے غیر کے تحت میں ہیں جیسے قیدی اور عرب میں غلام وغیرہ۔

بس امن وآزادی کا معیار یہ ہے کہ ہر ایک گروہ اپنے اپنے حقوق کے موافق آزادی سے بہرہ ور ہو۔ اگر توازن غلط ہوا تو یہ ہی ظلم ہے۔ خواہ بصورت کمی ہو یا بصورت زیادتی۔

آدمیوں کی ذاتی قابلیتیں (۳) قابلیت کے لحاظ سے تمام افراد انسانی تین قسموں پر منقسم ہیں۔

(۱) وہ جو طبعًا نیک اور اچھے ہیں اور ان کی نیکی دوسروں تک پہونچتی ہے۔ یہ لوگ فاضل و عقل مند ہیں انکو حکومت میں شریک بنانا ضروری ہے۔ ایسے ہمیشہ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

(۲) وہ جو طبعًا نیک ہیں نہ بد۔ یہی لوگ امن و حفاظت والے ہیں۔ انکو آزاد رکھنا چاہیئے تاکہ حسب قابلیت کمال پیدا کریں۔ ایسے بھی بہت ہوتے ہیں،

(۳) وہ جو طبعًا شریر ہیں ان کی شرارت اوروں تک پہونچتی ہے۔ یہ جماعت تھوڑی ہوتی ہے۔ شرارت بر حسب اہمیت جرایم ان کو سزا دینا حکومت کے لیے ضروری ہوتا ہے لوگ امن و آزادی کے دشمن ہوتے ہیں لیکن سزا اور قصور دونوں کو ہر حالت میں وزن کرنا چاہیئے قصور سے زیادہ یا کم اگر سزا ہوگی تو ظلم کہلائے گا۔ جو بدامنی کا باپ ہے اور بدامنی بربادی کی ماں ہے۔

املاک دو صورتوں پر منتقل ہوتی ہیں۔

املاک (ملکیتوں) کی حفاظت (۱) جایز یعنی ملکیت کا مالک رضامندی سے باخذ معارضہ اپنی ملک کو دوسرے کی جانب منتقل کر دے۔ اور اپنی خوشی سے دوسرے کو متصرف کرادے۔ جیسے کسی نے اپنا گھر، یا گھوڑہ یا زیور فروخت کیا، قیمت پوری پالی۔ مشتری کو بائع نے قبضہ دیدیا،

(۲) ناجایز یعنی کسی نے فریب یا ظلم سے کسی کی ملک کو بلا رضامندی حاصل کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور غصب کر لیا۔ پس ان صورتوں میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ حق کی حمایت اپنی قوت سے کرے۔ ایک کو دوسرے کی ملک پر ناجایز طریقہ پر قابض نہ ہونے دیجیے۔

عزیز جہان ہر چیز اسی وقت تک قایم رہ سکتی ہے۔ جب تک اسکی بقا کے واسطے سامان اور قوت فراہم رہتی ہے۔ مدنیت فاضلہ کے بقا منحصر ہے۔

جنگ سلطنت کی قوت پر سلطنت کی قوت ہے۔ فوج اور فوج کا نتیجہ ہے جنگ اسلیئے کچھ بیان اس قوت اور جنگی امورات کا بھی معلوم کرلو۔ کیونکہ جو چیز مدنیت فاضلہ کی دشمن ہوگی اس سے حکومت کو جنگ کرنا لازمی ہے۔ تمہارے سمجھنے کیواسطے میں جنگ کے کلیات مختصراً بتلاتا ہوں۔

الف۔ مخالفوں اور دشمنوں سے نجات پانے کے دو طریقے ہیں۔

(۱) مدارا۔ اس کا نتیجہ دوستی اور مروت ہے۔ یہ طریقہ زیادہ پرامن و محفوظ ہے،

(۲) جنگ۔ اس کا نتیجہ فتح یا شکست ہے۔

مگر بصورت فتح بھی تکلیف اور نقصان سے بچا نہیں جاسکتا کہ جنگ کے لیے لازمی ہے۔ ناگزیر ہے۔

جہاں تک ممکن ہو جنگ کو ٹالتا رہے اور حکمت سے کام چلاتا رہے۔

دیکھو اور تاریخ سے پوچھو۔ جب اسکندر نے دارا کے ملک پر اسکے غدار ارکان کے ذریعہ سے فتح پائی۔ اور دیکھا کہ فتح پانے کے بعد بھی حالت اطمینان نہیں عجم والوں کے پاس سامان جنگ بے شمار اور ضرورت سے زیادہ ہے۔ وہ وقت بہت قریب ہے کہ عجم والے دارا کے خون کا مطالبہ کرنے اٹھ کھڑے ہوں تو ایسی صورت میں اپنا ابائی ملک روم بھی جاتا رہے گا۔

حکیم ارسطو نے مشورہ دیا کہ انکو مختلف الاعراض کردیا جائے۔ تاکہ یہ آپس میں مشغول ہوجائیں۔ چنانچہ سکندر نے عجم کا تمام ملک سرداران عجم پر بچیدہ طور پر تقسیم کردیا، پہلے ایک دارا تھا اب بہت سے دارا بنا دئے۔ چنانچہ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسوقت سے اور شیر بابکان کے طویل زمانہ تک عجم والوں کو خانہ جنگیوں سے فرصت نہ ہوئی۔ اور سکندر محفوظ رہا۔ اس قسم کی تدابیر کو حکمت عملی کہتے ہیں۔

جنگ ہمسروں کی امداد اور ملک کی شرکت سے کرنا بہتر ہوتی ہے۔

جنگ ہمیشہ چار مقاصد پر پیدا ہوتی ہے اگر ان چاروں امورات سے جدا ہو کر کوئی وجہ جنگ کی ہوگی تو نتیجہ مشتبہ ہے۔

(۱) کسی غلبہ کا دفع کرنا خواہ تجارتی ہو، یا اور کسی قسم کا۔

(۲) یا ملک کی حفاظت کے لیئے۔

(۳) محض اجرائے خیر کے لیئے جیسا کہ آج کل یورپ کی ہر جنگ وسعت آزادی و اشاعت تہذیب کے لیئے ہوتی ہے۔ (چنانکہ می واید)

(۴) انتقام حاصل کرنے کے لیئے کسی کھوئی چیز کو دوبارہ پانے کے لیئے۔

ان حالات میں ہمیشہ ملک ساتھ ہوتا ہے۔ ان وجوہات کے علاوہ اگر کوئی وجہ ہوتی ہے تو مہذب رعایا شریک نہیں ہوتی مدد سے پہلوتہی کرتی ہے۔

عزیز بہن ہر ملک کے چار رکن ہوتے ہیں۔

فوج { (۱) اہل سیف (۳) اہل تجارت
(۲) اہل قلم (۴) اہل صناعت

ان کی فراہمی میں اعتدال اور ملکی نسبت کا لحاظ رکھا جاتا ہے اس بنا پر وہ جماعت جو مدنیت فاضلہ کی حفاظت کرنے والی ہے۔ اسی قدر ہونی چاہیئے جو محفوظ کی تعداد ہے یعنی محفوظ کے برابر محافظ ہونے ضروری ہیں۔ کیونکہ مخالف کی تعداد نامعلوم ہوتی ہے۔ اسلیئے ہر ملک کی جس قدر آبادی ہو اسی مقدار میں فوج ہونی چاہیئے۔ مگر یہ ہر ملک کے لیئے قطعی ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہو تو ملک فلاکت کا شکار ہو جائے۔

اسلیئے تمام ملک کے نوجوان لڑکے اپنے اپنے وقت میں فوجی تعلیم و تربیت سے بخوبی واقف کر دیئے جائیں۔ تاکہ تعلیم ہی کے زمانہ میں دونوں قسموں کی ترتیب سے فارغ ہو جائیں۔ اور ضرورت کے وقت تمام ملک فوج ہو سکے۔ محفوظ کی جگہ ہر اک محافظ ہو جائے، جسکے لیئے لازمی ہے کہ ملک میں ملی مدارس اور جنگی مدارس ساتھ ساتھ لازمی طریقہ پر ہوں،

افسوس ہندوستان اس عزت سے محروم ہے مزید برآں ممنوع الاسلحہ بھی ہے

عزیز بہن علم الاخلاق کی تینوں منزلیں معیشت، تدبیر منزلی، تمدن، سیاست تمہارے سمجھنے کو نہایت مختصر الفاظ میں بیان کر چکا ہوں اب تمہیں ان سے کام لینا چاہیئے۔ اور اپنے گھر اور خاندان کو سنوارنا چاہیئے۔

تمہارا گھر قلعہ ہے۔ تمہارے حالات و تعلقات وسایل سلطنت ہیں۔ ان کا مالک یعنی بادشاہ تمہارا شوہر ہے۔ تم اس سلطنت کی وزیر ہو۔ تمہاری اولاد جو جوان صاحب شعور ہیں وہ اس سلطنت کے ارکان ہیں۔ تمہارے خاندان اور چھوٹے بچے اور رشتہ دار اور ملازم تمہاری رعایا ہیں۔ تمہارا مذہب تمہاری سلطنت کا قانون ہے۔

اگر تمہارا انتظام اچھا ہے تو تمہاری سلطنت آباد و بحال مستقل، اگر تمہارا انتظام خراب ہے تو تمہاری سلطنت برباد، تمہارا حسن تدبیر یہ ہے کہ تمہاری سلطنت (گھر) ہر وقت ترقی کرتا رہے۔ اور تم اور تمہارے زیر ہمت جتنے بھی ہوں وہ مدنیت فاضلہ و تکمیل نفس میں ہر وقت ترقی کرتے رہیں۔ تاکہ حقیقی مسرتیں اور ازلی شرافتیں اور دائمی زندگی تم کو حاصل رہے۔

ہر وہ لڑکی جو آج لڑکی ہے کل ضرور ماں بنے گی۔ اس ماں بننے والی لڑکی کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ ملک اور قوم کی ترقی کا انحصار صرف میرے ہی آغوش شفقت میں ہے۔ پس تمہاری گود میں جو بچہ پل پھول کر پروان چڑھے۔ اس کے واسطے لازمی سمجھو کہ:۔

(۱) علم و عمل کے لیئے شرم کا سبب نہ ہو۔

(۲) مذہب کے لیئے ننگ کا موجب نہ ہو۔

(۳) حکومت کے لیئے تکلیف دہ نہ ہو۔

(۴) قوم کے لیئے ذلت کا باعث نہ ہو۔
(۵) میدان جنگ سے خایف نہ ہو۔
(۶) تہذیب کے لیئے عار نہ ہو۔
(۷) خاندان کے لیئے بار نہ ہو۔

دودھ پلانے کے وقت سے اس وقت تک جبکہ وہ دنیا میں اپنی ذات کے لیئے تم سے جدا ہو کر جد و جہد شروع کریں۔ تم انکو صرف ان کے فرایض یاد دلاتی رہو۔ ان میں شریف جذبات پیدا کرتی رہو۔ جو پیدا ہوں ان کی پرورش کرتی رہو۔

اچھا بہن خدا حافظ! اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں تاکہ تمہارے مطالعہ کے لیئے "**عارقات سلطانی**" لیکر آؤں +

عمرت دراز باد!

تمہارا دعاگو بھائی **ظفر احسن علوی** ابن **احمد حسین علوی**
ناظم دایرۃ الادب دہلی
ساکن قصبہ **جنجہانہ** ضلع **مظفر نگر**
۳۱۔ مارچ ۱۹۱۰ء یوم جمعہ
وقت عصر

معذرت

خدا شاہد ہے غلطیوں کو چھپاتا ہے۔ غفور ہے معاف کرتا ہے معزز ناظرین و ناظرات تم بھی میری غلطیوں سے اگر حوصلہ رفیق ہو درگزرو +

جنگ کے ختم ہونے کی خوشی

آپ کو اتنی نہیں ہو سکتی جتنی اس سے ہوگی کہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی دوائیاں جو آں محترم کو تمام ہندوستان کے سفر اور سیاحت مصر و شام و حجاز میں نامدار اطبا اور کامل فقرا سے حاصل ہوئی تھیں لاگت کی لاگت بک رہی ہیں، حضرت خواجہ صاحب کے یہ سب نسخے حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب بہادر، ڈاکٹر انصاری و حکیم تفضل حسین خانصاحب طبیب خاص ہز ہائی نس نواب صاحب رام پور کو بھی دکھا لیے ہیں۔ اور ان تینوں ماہران فن نے انہیں پسند فرمایا ہے۔

مجرب نظر بہشت

طیس معدہ ایک رتی بھر کھانا کھانے کے بعد پانی سے یا یونہی کھا لیجئے معدہ کی پرانی شکایتوں میں فوری اثر محسوس نہیں ہوتا دو چار دن لگاتار کھاؤ تو معلوم ہونے لگتا ہے اور چالیس دن کھانے سے تو برسوں کے خراب ہوئے معدے فطری حالت پر درست ہو جاتے ہیں، بلغمی کھانسی کے بیمار سوتے وقت ایک رتی کھا لیں، آرام کی نیند آئے گی۔ کھانسی نہ ستائے گی، غریبوں میں بانٹنے کی چیز ہے، سب سے بڑی خیرات ہے چالیس دن کی خوراک کی شیشی قیمت صرف ۱۰ ار

تین دن کی ۲ محصول علاوہ

سات چھارے

ایک چھوارے کو رات کے وقت آدھ سیر دودھ میں ڈالدو اور دودھ کو جوش دو۔ جب دو ایک جوش آجائیں۔ تو چھارہ دودھ سے نکال کر ٹھنڈا کرلو۔ اوپر سے لپٹا ہوا سوت کھول کر پھینک دو اور چھوارہ اندر کی دو اسمیت چبا کر کھالو۔ اوپر سے دودھ پی لو۔ دودھ گائے کا ہو تو اچھا ہے ورنہ بھینس بکری کا لے لو۔ سات دن کے بعد مادہ گاڑھا ہو جائے گا۔ جریان رک جائیگا احتلام جاتا رہے گا۔ پورا فائدہ نہ ہو تو ایک ماہ کا وقفہ دے کر پھر استعمال کرو لگاتار چودہ دن یا اکیس دن استعمال کرنا بعض مزاجوں کو نقصان دیتا ہے اس لیئے وقفہ دینا ضروری ہے، دودھ ریاح پیدا کرتا ہو۔ تو جوش دیتے وقت ادرک کی ڈلی یا سونٹھ کی گرہ پان کی جڑ تھوڑی سی ڈالدو ریاح دفع ہو جائے گی۔ قبض ہو تو چار ماشے اسبغول پھانک کر یہ دودھ پیو قیمت صرف ایک روپیہ علاوہ محصول

نگہبانِ جریان

صبح کے وقت ایک گولی دودھ یا تازہ پانی یا شیرہ بادام سے کھالو اور برابر چالیس دن کھاؤ دوران استعمال میں مرچیں کم کھانا۔ اور لال تو بالکل نہیں ترشی اور بادی کا بھی پرہیز کرنا۔ چالیس گولیوں کی قیمت عہ۔ علاوہ محصول

پشت پناہ

یہ بے ضرر گشتہ ہے ہر عمر، ہر مزاج اور ہر موسم میں موافق آتا ہے معدہ درست ہو جائے تب اس کا استعمال مفید ہوگا۔ بالائی یا مکھن کے ساتھ چار چاول روزانہ چالیس دن تک کھاؤ۔ جریان کی مفرد اور اکسیر دوا ہے، مرچ، ترشی، بادی کا پرہیز ۴۰ خوراک کی ایک شیشی قیمت صرف عہ علاوہ محصول

روح پرور

یہ بھی ایک بے ضرر گشتہ ہے، پرتاثیر جڑی بوٹیوں سے پھونکا گیا ہے، جریان قوت باہ اور اعضائے رئیسہ کو بے حد مفید

ہمیشہ استعمال رہے تو دل و دماغ کو چونچال ہشیار رکھتا ہے، آدمی عادت سے زیادہ دوگنی محنت کرنے لگتا ہے، بھوک بڑھ جاتی ہے، کھانا خوب ہضم ہونے لگتا ہے بینائی میں ترقی ہوتی ہے۔ خون جسم کا بڑھ جاتا ہے۔ چہرہ پر شگفتگی پیدا ہوتی ہے، اول اول دو چاول بالائی یا مکھن کے ساتھ کھاؤ۔ اور جب مزاج کے موافق آجائے۔ تو چار چاول تک بڑھا دو۔ چالیس خوراک کی قیمت صرف عمر بھر میں خوراک کی ۱۰ محصول علاوہ

غلط کار کا سہارا

شیشی میں سے ایک ماشہ دوا نکال کر ذرا گرم کر لو تاکہ پگھل جائے اور پھر عضو پر سر اور نیچے کی سیون بچا کر مل دو اس کے بعد بنگلہ پان آگ سے سینک کر لیپٹ دو اور اوپر سے کچا سوت مروجہ طرح لپیٹ دو اور گیارہ رات لگاتار بلا ناغہ استعمال کرو۔ ٹھنڈے پانی سے طہارت نہ کرنا۔ اور مرچ ترشی بادی کا پرہیز رکھنا اگر مزاج گرم ہے تو شاید کچھ دانے پیدا ہونگے اور ان میں سوزش و خارش معلوم ہوگی ایسے شخص کو دو روز طلا بند کر کے چنبیلی یا تل کے تیل کی مالش کرنی چاہیئے۔ آبلہ نہ پڑے گا اور عضو کی خرابی دور ہو جائے گی۔ رگوں کا خراب پانی تحلیل ہو جائے گا۔

بعض مریضوں کی حالت بہت خراب ہوتی ہے اور گیارہ دن میں فائدہ نہیں ہوتا۔ ان کو دوبارہ گیارہ دن استعمال کرنا چاہیئے۔ بعض مریض ایسے ہوتے ہیں کہ کبھی یا جڑ کا پتلا پن۔ یا ابھری ہوئی رگوں میں اصلاح نہیں ہوتی ان کو اس سے مایوس نہ ہونا چاہیئے اگر ظاہری حالت میں فرق نہ آئے تو پروا نہیں اندر کے پٹھوں میں ایک قوت پیدا ہو جائے گی۔ اور جب قوت کی دوا۔ اور اچھی غذا استعمال ہوگی تو اعصاب اصلی کام دینے لگیں گے، گو ان کی ظاہری حالت ناقص ہے کچھ حرج نہیں یہ طلا از بس مفید و مجرب ہے کبھی خطا نہیں کرتا۔ اور اس کا تو علاج ہی نہیں کہ عضو کی حالت فالج زدہ کی طرح بے کار ہو گئی ہو۔ ایسے مخلوق طلا کو بدنام نہ کریں اور لگاتار ۴۰ دن استعمال کرتے رہیں

خدا میں سب قدرت ہے بالکل بے کاروں کو بھی وہ نواز دیتا ہے۔ گیارہ دن کے استعمال کے قابل قیمت صرف ایک روپیہ، علاوہ محصول

شفائے آتشک پہلے ہلکا سا جلاب لے لو اس کے بعد صبح کے وقت دو گولیاں بالائی میں لپیٹ کر دونانہ کھالیا کرو۔ اکیس دن برابر استعمال ہے، اس زمانہ میں گوشت مرچیں کھٹاس مٹھاس بالکل نہ کھاؤ، البتہ گھی خوب کھاؤ۔ بیالیس گم لیوں کی شیشی ہے اکیس دن کے استعمال میں آتشک خواہ کیسی ہی پرانی ہو بغیر کسی خارجی تکلیف کے جاتی رہے گی قیمت صرف دو روپے (۲) علاوہ محصول

لطف مزید یہاں بیوی کے جائز تعلقات بڑھانے کا عجیب نسخہ ہے پھر مرد کسی غیر عورت کا تصور نہیں کرتا۔ دونوں میں بے حد انس اور لگاؤ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً عورت تو مرد سے عشق کا سا تعلق رکھنے لگتی ہے، اس دوا میں یہ بھی شرط ہے کہ ناجائز کام میں استعمال نہ کی جائے۔ جو ایسا کرے گا خطا پائے گا،

وقت سے کچھ پہلے مرد اپنے عضو پر سرا در سیون بچا کر مل لے۔ خوشبودار چیز ہے، ہمیشہ نیت کو نیک رکھو لکا حی گہری الفت بڑھانے کا خیال رکھ کر استعمال کرو گے تو آخرت کا ثواب بھی اور دنیا کا مزا بھی۔ قیمت ۸

بواسیر شکن خونی ہو یا بادی ہر حالت میں ایک گولی تازہ پانی سے صبح کے وقت کھالو، اکیس دن لگاتار استعمال کرو، بعض مزاجوں میں خشکی پیدا کرتی ہے۔ اگر ایسا ہو۔ تو گائے کا مکھن کھانا چاہیئے۔ بادی چیز اور مرچ کا پرہیز، قیمت صد علاوہ محصول،

خوش ایام ایام نہ کتے ہوں یا بے قاعدہ اور کم آتے ہوں۔ تو لگاتار چالیس دن تک ایک گولی روز شربت بزوری معتدل دو تولہ یا عرق کو ۲ تولہ کے ساتھ صبح کے وقت کھائی جائے شربت اور عرق نہ ملے تو نیم گرم پانی سے کھلا دو چالیس دن لگاتار کھانی چاہیئے جنکو ایام بالکل نہ کتے ہوں وہ چالیس دن کھائیں اور جنکو کم یا بے قاعدہ آتے ہوں وہ گیارہ دن استعمال کریں۔ اولاد نہ ہونا عموماً ایام کی خرابی سے ہوتا ہے اور عورت کے اکثر امراض ایام کے نادرست ہونے سے ہوتے ہیں۔ اس لیئے یہ گولیاں بہت سے نسوانی امراض کا سدباب کرینگی۔ سمگولیاں ہر محلہ

یہ سب دوائیاں منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

فہرست کتب اعمال قرآنی

سورۂ فاتحہ کے مجرب اعمال سینہ بسینہ عملیات کا مجموعہ ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربی۔ علامہ بونی وغیرہ نامور بزرگان دین سے منقول ہیں، ہر دینی و دنیاوی مقصد کے لیئے تیر بہدف تاثیر ہے قیمت صرف ۳ ر

مجموعہ اعمال آیۃ الکرسی اور آیت کریمہ ونادعلی معہ اسناد و خواص کے قیمت ۰۲ ر

مجموعہ اعمال سورۂ یٰسین شریف مع موکل و طریقہ زکوٰۃ قیمت ۰۲ ر

اعمال سورۂ مزمل مع موکل و طریقہ زکوٰۃ قیمت ۰۲ ر

اعمال سورۂ اخلاص با موکل معہ طریقہ زکوٰۃ قیمت ۰۲ ر

مفید الکونین اعمال کی نہایت عمدہ کتاب ہے قیمت ۵

خاکسار عالم غلام نظام الدین تاجر کتب چاندنی چوک دہلی

فبشّر الذّین امنوا

اللہ جل شانہ کے کرم خاص سے دنیا میں پہلی مثال منظوم ترجمہ کلام اللہ شریف پارۂ اول جس میں مسلمانوں کا قدیم ترجمہ نثر بھی عربی متن کے تحت میں شامل ہے۔ مصدقہ جمہور اہل اسلام و اکابر علمائے کرام مرتبہ افسر الشعرا حضرت آغا شاعر صاحب دہلوی چھپکر شایع ہوگیا ہے۔ اگر آپ کو اپنے مذہب کی حقانیت قانون الٰہی کی واجب التعمیل و المعظم صداقت اور آسمانی ہدایت کو نہایت منقح۔ آسان اور دل کش لفظوں میں دیکھنا ہو۔ تو ایک پارہ فوراً منگالیں ورنہ طبع ثانی کا انتظار سخت ناگوار ہوگا۔ صرف ۰۰ ہ کاپیاں باقی ہیں۔ سو میں سے ایک گرانقدر تصدیق از خامۂ تقدیس مآب مولانا حسن نظامی دہلوی

"جناب آغا شاعر صاحب نے ایک عجیب و غریب چیز سنائی یعنی قرآن پاک کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا نہایت شیریں اور موثر فقرے ہیں۔ درحقیقت جناب آغا کو جو عبور زبان اردو پر ہے اس کی بنا پر ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ منظوم ترجمہ اردو زبان میں سب سے پہلا اور بےمثل ترجمہ ہوگا۔ اور مسلمانوں کے بچے عورتیں اور معمولی سمجھ کے افراد مطالب قرآنی کے حفظ کرنے میں آسانی حاصل کرسکیں گے۔ حسن نظامی"

لکھائی چھپائی و کاغذ نہایت بیش قیمت و نظر فریب ہے ہدیہ صرف ایک روپیہ فی پارہ تین پاروں کے خریدار کو محصول معاف

سول ایجنٹ خلیفہ محمد سالم اینڈ کو کمارہٹی کالکا شملہ ریلوے

نگاہ بد سے رکھتا ہے اماں میں باہمن کے چین سے پہرے یہاں میں

خوبصورت آرام دہ اور زمانے کے حسب حال

ہونے کے علاوہ پردہ کا پورا لحاظ ہے ہر ایک عضو کا مکمل پردہ کرتا ہی خوبی ہے کہ پردہ کے وقت برقعہ ورنہ جزو لباس ہے۔ فہرست مفت، التصویر مفت

برقعہ نواز

پتہ خاتون اسٹورز چاندنی چوک فوارہ دہلی

ممتاز قبض کشا

صرف تین پیسہ چیزوں کا مرتب

بلا استاد کی مدد کے انگریزی سکھانے کا آسان طریقہ

انگلش ٹیچر

اس لاجواب کتاب میں گرامر، ٹرانسلیشن ایڈیم اور لیٹر وغیرہ درج ہیں لفظوں کے معنی اور تلفظوں کے معنی اور تلفظ اردو میں لکھے گئے ہیں بول چال اور روزمرہ کے ضروری الفاظ و محاورات کے لیٹر رائٹر بھی شامل ہیں جس میں تیس قسم کے خط عرضیاں درخواستیں شادی کے رقعے مبارک باد اور ہمدردی کے خط معہ ان کے اردو ترجمے کے درج ہیں ہر بات ایسی آسان طریقہ سے سمجھائی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو ذرا بھی دقت نہیں ہوتی یہ طالب علم کو عموماً اور ان لوگوں کے لیے خصوصاً تالیف کی گئی ہے جو انگریزی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے اس کے مطالعہ سے معمولی لکھا پڑھا شخص بھی ایک ماہ میں لکھ پڑھ اور بول سکتا ہے حجم ۱۰۰ صفحہ اور قیمت صرف عہ

عبد الحکیم و حافظ عبد المجید فراشخانہ دہلی سے منگائیے

معزز دوستوں اگر حسن کی خواہش رکھتے ہو تو خوبصورتی کا سبب

اصلی حسن افزا صابون

جو گورنمنٹ عالیہ سے رجسٹری شدہ ہے استعمال کیجیے جس نے اپنے سفید استعمال سے ملک عرب عدن، بصرہ پرس، ممباسہ، افریقہ برٹش ایسٹ افریقہ و تمام انڈیا میں اسقدر شہرت حاصل کی ہے کہ محتاج بیان نہیں ہزاروں سیاہ فام لالہ رو ہو گئے جس نے ایک مرتبہ بجربہ کیا وہ ہمیشہ کے لیے اس کا گرویدہ بن گیا۔ تازہ تازہ پھولوں اور نفیس خوشبوؤں سے تیار کیا جاتا ہے۔ کالا رنگ کھلایا ہوا چہرہ گلاب کی پتی کی مانند خوبصورت اور ریشم کا مانند ملایم ہو جاتا ہے۔ جرمے کے تمام داغ دھبے وغیرہ دور کر کے چہرے کو خوبصورت بنا دیتا ہے اور رخسار پر سرخی کی سی سرخی آنے لگتی ہے قیمت فی بکس ۳ عدد معہ ایک صابون والا

منیجر دواخانہ فیض عام فراش خانہ دہلی

جس کا درد ہو وہی جانتا ہے دوسرا نہیں جان سکتا ہے

افسوس ہے کہ لاعلاج مرض کی بازاری دوا زیادہ تر دھتورہ بھنگ وغیرہ سے بنائی جاتی ہے جو بجائے فائدہ کے سخت مضر ہے، ڈاکٹر برمن کی کیمیائی اصول سے دمہ کی بنی ہوئی

دمہ

دمہ کی دوا ایک انمول جوہر ہے یہ صرف ہماری ہی بات نہیں بلکہ ہزاروں مریض شفا پاکر مداح ہیں آپ نے بہت خرچ کیا ہوگا لیکن ایک مرتبہ اسے بھی آزمالیں اس سے نقصان نہیں قیمت عہ فی شیشی محصول ڈاک ۵ ر اس دوا کے پہلے ہی ہفتہ کے استعمال سے دمہ دب جاتا ہے اور کچھ روز میں بالکل جاتا رہتا ہے

فصلی بخار اور طحال کی دوا

آج کل سینکڑوں اشتہار فصلی بخار و طحال کے آپ دیکھتے ہونگے اسمیں عموماً کونین رہتی ہے اس لئے یہ دوائیں بخار کو کچھ وقت تک روک دیتی ہیں لیکن آرام نہیں کرسکتی ایسے بخار کو کچھ وقت تک روک دیتی ہیں ڈاکٹر صاحب نے اس کے لیے بھی بے نظیر دوا ایجاد کی ہے جس کے بعض اثرات یہ ہیں۔ ملیریا کے کیڑوں کو مارتی ہے۔ اس لیئے چار پانچ خوراک کے بعد بخار غائب ہو جاتا ہے۔ اور خون کو گاڑھا کرکے اس کی ضرابیوں کو مٹاتی ہے۔ تلی کو گلا کر اصلی مقدار میں چھوڑ دیتی ہے قیمت فی شیشی ۱۴ شیشی خوردہ محصول ڈاک ۵ ر دو شیشی ۸ ر

کلوراڈائن

یہ انگریزی غائگی دوا ہے۔ ریاحی درد، مروڑ خواہ کسی صورت سے ہو۔ اس کی ایک ہی دو خوراک سے جاتی ہے، آؤں۔ دست اور پیچش کے لیئے نہایت مفید ہے ڈاکٹر صاحب نے انگلینڈ کے مشہور دواخانہ سے بنوائی ہے۔ قیمت ۸ ر اور ایک درجن کے چار روپے محصول ۵

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت سٹریٹ کلکتہ

زبانِ غیب کی پکار

دینی رجسٹر میں نام لکھوا دو

اب میں ہر مہینے ایک دینی کتاب لکھ دیتا ہوں۔ بعض خط مہینے میں دو کتابیں بھی ہو جاتی ہیں۔ ساری دنیا کاغذ کی گرانی کے سبب تصنیف و تالیف کو بند کر رہی ہے مگر مجھ پر خدا کا فضل ہے کہ وہ اچھے اور اعلیٰ کاغذ دیتا ہے۔ مفید مضمون عطا فرماتا ہے اور اپنے بندہ سے دین و ملت کی خدمت لے رہا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس عالمگیر قحط اور قلت کے زمانہ میں اپنے بندہ کو ہمت دی ہے کہ دوسرے ہر قسم کے کاغذ بند کر دیتے ہیں اور مجھ کو دیگر مصنفین کی طرح ناقدری کی شکایت نہیں ہوتی۔ کتابیں کثیر تعداد میں چھپتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ بک کر ختم ہو جاتی ہیں۔ مضر صحت صرف آگاہ کرنے کی ہوتی ہے کہ مطبع نے کاغذ کے کارخ اور بلکہ بار بار شہادتیں دینے اور خریداروں کو بھی کتابیں [illegible] کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور مجھ کو یہاں بہت دشواریوں و مشکلات پیش آتی ہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنا نام دینی رجسٹر میں اس اجازت کے ساتھ لکھوا دیں کہ آئندہ جو کتاب مفید و اخلاقی تصنیف کروں وہ بلا قیمت ان کے پاس بذریعہ وی پی بھیج دی جائے۔

اگر کسی کو کتاب کی قیمت وصول کی ہدایت کی جاتی تو مگر اس سے [illegible] پڑتا ہے کمیشن کٹ کر جو کچھ بچتا ہے وہ محصول ڈاک بھی نہیں نکلتا۔ اس لئے اطلاع ہے سب دوستوں کو دیدیجئے اور آپ بھی غور ایک کارڈ لکھ کر حقہ الشائع دہلی کے نام بھیجدیجئے تاکہ آپ کا نام منقل حنفیہ میں درج کر دیا جائے اور ہر تازہ کتاب گھر بیٹھے آپ کو پہنچ جایا کرے۔ اس میں سہولت ہے۔ میری سب کتابوں کی لکھائی چھپائی بھی اچھی کرائی جاتی ہے۔ اور کاغذ بھی عمدہ لگایا جاتا ہے۔ عام اخباروں اور رسالوں کے برخلاف میرے ہاں نمبر کاغذ کا آخر تک ایک سا استعمال ہوتا ہے۔ ہوا نہ خدا نے چاہا تو آئندہ بھی اگر قیمت بھی اصلی لاگت اور عملہ کے خرچ کے موافق رکھی جائے گی زیادہ نفع نہیں لیا جائے گا پس آپ اس سے بڑھ کر اور خدا کا نام لیکر جلد سے مستقل خریدار بنجائیے۔ ہر مہینے ایک کتاب یا دو کتابیں آپ کو پہنچتی رہیں گی۔ مجھے اپنے دوستوں، عزیزوں اور علمی دینی قدردانوں سے توقع ہے کہ وہ اس تحریر پر ضرور توجہ کرینگے اور [illegible] اسلامی

[illegible] بھیجنے کے فوراً دینے پر میری [illegible] لکھ کر ہوگی۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ [illegible]

گلہائے معرفت

وہ تر و تازہ پھول جن کی مہک نے دنیائے ادب کو معطر کر دیا۔ یعنی حضرت مولانا سید نذیر الحسن صاحب فتح الٰہی کے لاجواب اور مقبول عام مضامین کا بیش بہا مجموعہ العرفان جو کہیں نشتر کی طرح کلیجے کے پار ہو رہا ہے۔ اور کہیں مسیحا کی طرح زخموں پر مرہم رکھ رہا ہے اور کسی جگہ تصوف کی صورت میں لکھ تڑپا تا ہے کسی جگہ توحید کے رنگ میں مژدہ وصال پہنچاتا ہے کہیں حسن عقیدت کے موتی لٹا رہا ہے کہیں سائنس و فلسفہ کی کسوٹی پر خیالات پرکھ رہا ہے۔ مولانا کی بے مثیل قابلیت اور جادو نگار قلم کا سکہ مملکت تصوف اور سلطنت علوم پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور یہ خداداد خصوصیت ہے کہ مولانا کی چند سطریں پڑھکر ناظرین پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے فلسفیانہ طرز استدلال کے ساتھ عشق و محبت کے باریک نکات اور تصوف کے پیچیدہ مسائل کا حل دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہری اور باطنی دونوں آنکھیں اپنے مطلب کے پھول اس چمن میں مہکتے ہوئے دیکھیں گی۔ روح۔ مادہ۔ مذہب۔ توحید۔ کونسا مضمون ایسا نہیں جسکو پڑھکر قابل مصنف کی درازی عمر کی دعا نہ نکلتی ہو سرور دو عالم کی حیات مبارک کا ذکر، سبحان اللہ سبحان اللہ نثر کے ساتھ نظم۔ سوز و گداز۔ تیر و نشتر۔ ہر شعر دل مسل دیتا ہے۔ یہ نادر اور بے مثیل سرمایہ العرفان کے نام سے بقیمت تین روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصول ڈاک۔۔۔۔۔۔

منیجر نظام المشائخ دہلی سے ملیگا

دنیا کی آبادی پر ہمیشہ تعالیٰ صدقہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے
مجسٹرڈ نمبر ایل ۳۳۱

جلد ۱۰

نظام المشائخ

قسم سوم

قسم سوم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی تسلی و تسکین کا ماہوار پیام

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ
جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جوانہزادہ حضرت سلطان
نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی
وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۲ روپیہ شاہی

مقام اشاعت دارالسلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

نوٹ (۱) ۔۔۔ نوٹ (۲) ۔۔۔

OSMANIA UNIV
LIBRARY
HYDERABAD

آج کل

نظام المشائخ دو ہزار

مثل رہا ہے اور فقر بفضلہ کی اشاعت میں ترقی ہے۔ مشتہرین ضرور اپنے اشتہار اسمیں درج کرا کر فائدہ اٹھائیں

نرخنامہ

مقدار	ایک بار	ستماہی	ششماہی	سالانہ
¼ صفحہ	۴	۱۰	۱۸	۳۰
نصف صفحہ	۷	۱۸	۳۰	۵۰
پورا صفحہ	۱۲	۳۰	۵۰	۸۰

نظام المشائخ کے قواعد وضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر چاند کی ٹھیک چوتھی تاریخ کو جو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رح کا یوم عرس ہے شائع ہوتا ہے۔ مضامین اسمیں مذہبی اخلاقی اصلاحی مگر سب صبغے فیا نہ رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحریروں میں انشاپردازی اور دیگر لیپسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر سالہ بیاہ تاریخ تک نہ پہنچے تو دیر سویر کا خیال کرکے دس بارہ تاریخ تک انتظار کیجئے۔ اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیئے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو۔ براہ عنایت چوتھی ماہ ہلالی سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں ورنہ پرچہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کر دینی کافی ہے (۴) خط وکتابت میں اپنا نام و پتہ نہایت صاف خوش خط لکھیے اور خریداری کا نمبر ضرور بتلایئے۔ جوابی امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجئے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

نمبر ۶	بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۵ ہجری	جلد ۱۷

فہرست مضامین

شمارہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	دہ قادیان شریف	سیدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	۳
۲	تصوف و اسلام	جناب مولوی عارف حسن صاحب عارف ہسوی	۱۹
۳	جلالی عید	خان بہادر جناب مولانا میرزا سلطان احمد صاحب	۳۱
۴	متاع درد	جناب ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادی	۴۲
۵	جنت کی ڈاک	جناب مولانا ابوالاعظم سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی	۴۷
۶	حمد و نعت	جناب حافظ امام الدین صاحب رام نگری	۵۳
۷	حج کعبہ	جناب مولانا ابوالاعظم سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی	۵۴
۸	عید قربان سے	جناب مولانا ابوالفخر شیخ عاشق حسین صاحب سیماب اکبرآبادی	۵۴
۹	زاہد شب بیدار	جناب ماسٹر سید محمد باسط علی صاحب باسط بسوانی	۵۷
۱۰	فغان یتیم	جناب حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی	۵۸
۱۱	آئینہ	جناب مولوی سید غلام مصطفےٰ صاحب تبسم	۶۰
۱۲	غزل فارسی	جناب ابواکمل عبدالقادر صاحب ضیا سہارنپوری	۶۲
۱۳	یاران نظام المشائخ		۶۳

ہندوستان ہی کا نہیں
انگلستان کا پریس تک چیخ اُٹھا ہے!

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پراں کر دیئے!

آپ جس پرچے کو جی چاہے اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ سب کے چہرے زرد ملیں گے اب خطیب و نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی سرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو۔ لیکن

کب تلک یارب چھپائیں درد دل

خطیب و نظام المشائخ کے مالک کے پاس تیسرا لیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اُٹھائے چلا جائے ناظرین اگر خطیب و نظام المشائخ کو انکی بہترین شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اُٹھائیں۔

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک **مدد امداد** پیش کرتا ہوں جب تک جنگ ہے اس میں ۸ رسالانہ کم از کم سب کو دینا پڑیگا اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو

خاکسار واحدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

وہ قادیان شریف

غریب تصوف کا حریف

جب زمین نہ تھی۔ آسمان نہ تھا۔ سورج چمکا۔ ہوا جھوم جھوم کر چلی۔ اور کُن کے کرشمے نے کائنات کی رنگا رنگ بہار نمایاں کی۔ پانی کو بہنے کا حکم ملا۔ خاک کو قیدی بنایا گیا۔ آگ پردوں میں چھپائی گئی تو ضد، عکس، عداوت، اختلاف نے کُن کو سنوارنا شروع کیا زہر کا عکس تریاق۔ آندھی تریاق کی۔ زہر۔ پیاس کا دشمن پانی۔ بھوک کا نعیم کھانا۔ گرمی کی حریف سردی۔ نیکی کا عدو شر۔ ان خطوں کے لکھے ہوئے کُن نے بذریعہ اپنی فطرت کے ان

اختلافات کو دنیا کی محفل میں سجایا۔ جب اس طلسمات ہستی کی نمائش میں نمرآید اور دہلوی
ذوق ہجوم کر بولے۔ اس جہان کو تو اختلاف ہی زیبا ہے +

اسلام تو یاقی تھا۔ کتنے زہر اسکے مقابل ہو کر بے اثر ہوئے۔ اسلام آب سرد تھا
کتنی گرمیاں تہذیبی کر دیں۔ اسلام ایک خدائے ابد تھا۔ کس قدر بھوکیں اسنے
سیر کر دیں +

مگر بدی نہ ہوتی۔ کفر کی ظلمت نہ پائی جاتی تو اسلامی نیکیوں کا امتیاز کیونکر
ہوتا۔ اسکی نورانیت کیسے ظاہر ہوتی +

سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے چپ چاپ پتھر مسافروں کو بتاتے ہیں کہ اب منزل
اتنے میل باقی ہے۔ اور اتنا راستہ طے ہو گیا ان پتھروں کی زمین سفید ہوتی ہے۔ اور حرف
کالے۔ راستہ کا شمار ان حرفوں ہی سے ہوتا ہے۔ مگر یہ کالے حرف سفید زمین میں ایسے ہی
ہیں جیسے نیکیوں کی سفیدی میں گناہوں کی سیاہی۔ گناہ بھی باعث ہدایت ہوتے ہیں
گنہگار نہ ہوں تو نیک کاروں کا امتیاز نہ ہو سکے۔ حضرت لقمانؑ نے فرمایا تھا کہ میں نے عقل
احمقوں اور بے عقلوں سے سیکھی +

تصوف روح اسلام ہے۔ اسکو بھی قدرتاً اور فطرتاً حریفوں کا سامنا رہا۔ اس نے بھی
اپنی مدت جیسے کی طغیان و عصیان کی گھٹاؤں میں چمکا چمکا کر خلقت کے دل چھینے۔ اور عداوت کے
تیر چہرے پہ کھا کھا کر دنیا کو اپنی سرخروئی دکھائی +

یہ مسلمانوں کی چودھویں اور عیسائیوں کی بیسویں صدی ضد اور عداوت کا ایک نیا
جلوہ لیکر آئی ہے۔ اس میں ہر ملک، ہر قوم، ہر فرقہ، ہر فرد دوسرے کو فنا کر کے زندہ
ہونا چاہتا ہے۔ اس زمانہ میں بقا کا مدار دوسرے وجود کی تباہی پر ہو گیا ہے +

دیکھا نہیں۔ یورپ کی عقلمند قومیں کیسی لڑ کر فنا ہو رہی ہیں۔ سنا نہیں ہندوستان
کی اقوام میں کیسی باہمی کشاکش ہو رہی ہے۔ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اسکے سوا کوئی پیٹ بھر

روٹی نہ کھائے۔ سیراب ہوکر پانی نہ پیے۔ عزت اور فراغت سے سوائے اُسکے کسی کی زندگی بسر نہ ہو۔

غریب تصوف کو بھی آجکل بے شمار حریفوں کا سامنا ہے۔ قرن اول سے آجتک صوفیوں اور تصوف کے اتنے بے شمار اور لاتعداد اعدادتوں کا کبھی مقابلہ پیش نہ آیا تھا جتنا آجکل ہے۔

پالیٹکس کی تیز نظریں اسکو اور اسکی مرکزیت کو گھور گھور کر دیکھتی ہیں۔ تمدن کی دنیا پرست خواہشات کو اس سے عداوت ہے۔ طبائع کی مائل بگناہ آزادیاں بھی کسی چیز کو خلاف طبیعت پاتی ہیں تو وہ تصوف ہی ہے۔ کیونکہ تصوف ایک فلسفہ کی حیثیت بھی رکھتا ہے سادی مذہبیت کو تو وہ خلاف عقل کہکر اڑا جاتی ہیں مگر تصوف سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ ہمیں ان کی عقلی گرفت کے جنجال بھی پائے جاتے ہیں۔

مگر اس صدی نے سب سے زیادہ عملی اور حرکت کناں حریف ایک اور پیدا کیا ہے جس کی ہر ضرب صوفی کے سینے پر پڑنا چاہتی ہے۔ اس حریف کی پیدائش ایک ایسے خطہ میں ہوئی ہے جسکو اب تک تو پنجاب کا ایک قصبہ قادیان کہتے ہیں مگر جو عنقریب

سائنس شناس فلاسفروں کی کونسل

کے غور و خوض کرنے سے چند غیر معمولی گیسوں اور نور یافت دھاتوں کا مرکب ثابت کیا جائے گا۔ اور عقلی دلائل اور مادی براہین اس خاکستانی تودہ کو آسمان۔ سورج۔ مریخ۔ اور تمام کرہ جات علوی سے جداگانہ ساخت کی ہستی بیان کریں گی۔ اور خلقت ایمان لائیگی کہ سطح میں جو جو گیسیں اور قوتیں دریافت ہوئی ہیں وہ روز ازل سے موجود تھیں۔ مریخ کی جدید و قدیم تحقیقات جو جو عجائبات اسکی اندرونی و بیرونی جسامت میں محسوس کرتی ہے۔ قادیان میں اس سے کروڑوں حصہ زیادہ عجائب و غرائب پائے جاتے ہیں۔ قدیم زمانہ کے عامل آمتل یا مریخ کے اعمال پڑھتے پڑھتے تھک گئے۔ مگر کامل تمکن کاری کی تسخیر انکو میسر نہ آئی۔ قادیان نے چند چھاپہ کے کاغذات کو جنبش دیکر

مریخی مقتل خانہ ہر آنکھ کے سامنے رکھدیا۔ عبداللہ آتھم۔ لیکھرام۔ اور ہندوستان کے تمام طاعونی مُردے اسی مریخانہ قوت کا شکار ہوئے۔ یورپ میں لاکھوں انسان اسی غیبی تیغ نے حلال کر ڈالے۔

دورِ جدید کی اختراعات باوجود اسکے کہ انسانی عقول کو حیران کرنے والی ہیں لیکن قادیانی ایجادوں کے آگے انکی کوئی قدر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یورپ کی ایجادیں عقل انسانی کو تعجب میں ڈالتی ہیں اور قادیان کی ایجادات عقلوں کو سلب کر لیتی ہیں۔

قادیان جب ضلع گورداسپور میں نصب کیا گیا ہوگا تو عجب نہیں کہ اس زندہ دل خطہ نے خدا سے پناہ مانگی ہو۔ اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر کہا ہو کہ الٰہی مجھ میں اس بارِ امانت کے تحمل کی سہار نہیں۔ کیونکہ یہ تیری قدوسیت اور تمام ملکوتی صفات کے برعکس محض جہنمی وجلالی وقہاری شان کا ظہور معلوم ہوتا ہے۔

اس قادیان نے پہلے دن شربت کا (یا چھ چھ کا) پیالہ پیکر پان کا بیڑا ہاتھ میں لیکر قسم کھائی تھی کہ میں ہندوستان کے صوفیوں کا بیج کھو کر رہونگا۔ اور ساری عمر تصوف و اہل تصوف کی تباہی و بربادی میں صرف کر دونگا۔

سب سے پہلے قادیان نے جبکہ اسکو یہ یقین ہوا کہ وہ معمولی خاک کا پتلا نہیں ہے بلکہ آسمانی ریڈیم کی ایک شعاع ہے پکار کر کہا کہ صوفیوں کی بیعت گمراہی ضلالت کی بیعت ہے۔ قادیان میں آؤ اور مجھ سے بیعت کرو کہ میں ایک ایسی بارود کا مجموعہ ہوں جس سے ہندوستانی اوتاروں کا کوہ شامخ انوار کی گنبد بک اور مجازی کرامات کا شعلہ ہے جو مجھ سے بیعت نہ کرے گا اسکو میں بددعا کا شتابہ لگا کر اڑا دونگا۔

اس پکار کا جواب لَآ اِلٰی هٰؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰؤُلَآءِ افرد نے دیا۔ اور بچارے ریڈیم کی ڈبیہ میں اسیر قفس ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ قادیان کی جرأت بڑھ گئی اور اُس نے لگاتار حملے تصوف پر شروع کر دیئے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن وہ یورش برابر جاری ہے

حالانکہ قادیان نے باعتبار ایک صفت اوتاری کے کئی چولے بدلے۔ اور دو جسم جنما ترا کے اس زمین پر جستم ہوئے۔ مگر صوفیوں کی بیخکنی کا جو کام شروع کیا گیا تھا اُسمیں کمی نہ آئی

راج کنور کی پُستک

قادیانی مہاراج کے کنور میرزا محمود کو جب سے راج تلک ملا ہے وہ بھی اپنے عجب آتما پتا کے قدم بقدم صوفیوں پر بان (ہندوؤں کا ایک آتشی تیر) مارنے میں کمی نہیں کرتے ابھی حال میں اُنہوں نے ایک پُستک شائع کی ہے۔ جسکا نام ذکر الٰہی رکھا ہے۔

قادیان نے اس کتاب کے ساتھ حسن نظامی کو ایک خط بھی بھیجا ہے کہ ذرا اسپر ریویو کرتے وقت مذہبی تعصب کو دخل نہ دیجئے گا۔

حسن نظامی نے دل سے پوچھا۔ تجھ میں تعصب ہے؟ اس نے جواب دیا۔ جس دل میں وحدت و یکتائی کا دریا بہتا ہے۔ وہاں تعصب کی غلاظت جم ہی نہیں سکتی۔ البتہ کلام ربانی کی ہدایت ہے کہ آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ کان کا بدلہ کان۔ اگر کوئی شخص بے تعصب صوفی کے ایک طمانچہ مارے گا تو وہ حضرت مسیح کے ارشاد پر عمل کرنے کو دوسرا رخسارا سکے آگے نہیں کرے گا کہ اسکو بھی نواز دیجئے۔ بلکہ حکم قرآن کے بموجب بہت شائستگی سے تول کر۔ اور پورے اندازے اسی قسم کا جمتول تھپڑ جواب میں پیش کرے گا اور ثابت کردے گا کہ مرد مسلم کمزور مار کھانے کی نشانی نہیں ہے۔

نعوذ باللہ (بعقیدہ اہل انجمن) میرزا محمود صاحب مسیح موعود کے فرزند ہونے کے اعتبار سے خدا کے پوتے کی حیثیت میں زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ حسن نظامی یا کسی بندہ کی طاقت نہیں جو انکے کلام الہامی کی تنقید کرسکے۔ البتہ ذکر کلمۃ اللہ کی تلقین ہے کہ معبودان باطل کو کلمہ مٹادو۔ اسواسطے میں نام نہاد کتاب ذکر الٰہی پر کلمہ کا قلم اٹھاتا ہوں۔ اور اُن کی الوہیت باطلہ کو نفی کرکے الا اللہ مارتا ہوں۔ تاکہ ذکر نفی اثبات کی حقیقت قادیان کے بلند از آسمان اور پست از زمین عقیدہ تک پہنچ جائے۔

زبان و عبارت

باعتبار زبان و عبارت کے یہ کتاب قادیانی طول کلامی کا ایک مکمل نمونہ ہے ۱۴۶ صفحہ کی کتاب پر ۸۶ صفحوں کی تو صرف تمہید ہے۔ جس سے کتاب کی انشا پردازی بخوبی معلوم ہو سکتی ہے +

ادب انجیلی کی اشاعت

قادیان ہمیشہ دعوے کیا کرتا ہے کہ وہ عیسائیت مٹانے کو پردۂ غیب سے آیا ہے مگر اس نے عیسائیت کے ایک نقطہ کو بھی کتاب دہر سے دور نہ کیا۔ البتہ انجیل کے طرز ادب کو اردو زبان میں خوب رواج دیدیا۔ ہر سلیم الفطرت شخص غور کر سکتا ہے کہ قادیانی کتابوں۔ اخباروں۔ رسالوں کی زبان اردو ترجمۂ انجیل کے قدم بقدم استعمال ہوتی ہے وہی محاورے ہیں۔ وہی پیرایۂ ادا ہے۔ وہی بندشیں ہیں۔ وہی بستدار اور اس کی خبریں ہیں۔ گویا جناب مسیح موعود اصل انجیل کے مردہ لٹریچر کو اردو زبان میں زندہ کرنے کو مبعوث ہوئے تھے۔ اس کتاب ذکر الٰہی میں بھی وہی انجیلی طریقہ برتا گیا ہے۔ اور کوئی سطر اس غرض کی ادائیگی سے قاصر نظر نہیں آتی +

دوسری بات طول کلامی بھی قادیانیوں کا شیوہ خاص ہے جو مطلب ایک فقرہ میں آسکتا ہو اسکو یہ فرقۂ مقدس پورے ایک رسالہ میں ادا کرتا ہے جسکو پڑھتے پڑھتے متلی ہونے لگتی ہے ۔

علم ادب سے بے بہرہ لوگ جناب میرزا غلام احمد صاحب حکیم کی عبارت پر بہت واہ واہ کیا کرتے ہیں۔ مگر ان کی کتابوں میں یہی طول کلامی کے سمندر نظر آتے ہیں جن کا نہ ادھر کا کنارہ دکھائی دیتا ہے نہ ادھر کا ۔

میرزا محمود صاحب کی کتاب ذکر الٰہی ایک عجوبہ داستان ہے۔ ۱۰ صفحہ تک تو معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت اقدس ولعلے کیا ارشاد فرمانا چاہتے ہیں۔ عبارت خبط۔ فقرے بے

ترکیبیں غلط۔ اور زبان کی خوبی تو بس سر دھننے کے قابل ہے۔ غالباً ہر وہ شخص جو اس آسمانی زبان کے مطالعہ سے بچائے ہوئے سن کو دو منٹ میں کمہ کر دیتا ہے۔ اگر جناب میر دہلوی (نام ہٹاؤ) زندہ ہوتے تو یقیناً ایک ایجی ٹیشن ہوم رول کی جدوجہد سے بڑھ کر اس قادیانی زبان اردو کے خلاف برپا کرتے۔

فرشتوں کی قادیانی شکل

تمہید پر تنقید کرنا بڑے دل گردے والے کا کام ہے۔ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس ان مل اور بے جوڑ عبارت کا ذکر آتھی کی بحث سے کیا تعلق ہے۔ لہٰذا میں صرف اصل مضمون ذکر آتھی پر کچھ لکھنا شروع کرتا ہوں لیکن پہلے ایک لطیف واقعہ سننے کے قابل ہے کہ فرشتوں کی شکل بھی قادیانی ہے۔

اس جدید دریافت اور عجیب انکشاف کی حقیقت یہ ہے کہ جب جناب میرزا محمود احمد صاحب ذکر آتھی کا لکچر دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا:۔

"فرشتوں کا آنا کوئی خیالی بات نہیں بلکہ یقینی ہے۔ میں نے خود فرشتوں کو دیکھا ہے اور ایک دفعہ تو بہت بے تکلفی سے باتیں بھی کی ہیں"۔

اس بیان کو سنکر (کتاب میں لکھا ہے) ایک شخص نے حاضرین میں سے سوال کیا کہ جن فرشتوں کو آپ نے دیکھا ہے ان کی شکل کیا تھی؟

یہ سوال معلوم نہیں مومنین قادیان کے کسی فرد کا تھا یا کسی مومن آسمان کو یہ جرأت ہوئی تھی۔ قادیانی مومن کے دل میں شاید اسوقت منافقت پیدا ہو گئی ہو گی جو اس نے حضرت کے سلسلہ کلام میں برہمی ڈالی۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ دیکھنے والے اور سننے والے باپ بیٹا سب کچھ دیکھ سکتے ہیں اور سب کچھ سن سکتا ہے۔ آسمان کا دروازہ قادیان کے لئے بند نہیں ہوا ہے۔

بہرحال اس سوال کا جواب جناب میرزا محمود احمد صاحب سے بن نہ پڑا تو انہوں نے فرمایا

سعدی حکمت عملی کے بیان میں یہ ارشاد فرمایا:-

"فرشتوں کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں اور میں نے انکو مختلف رنگوں میں دیکھا ہے۔ اور بعض کے تو ایسے رنگ تھے جو دنیا میں ہیں ہی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ فرشتے اپنی اصل شکل میں انسان کو دکھائی نہیں دے سکتے۔ اس لیے وہ کبھی کسی انسان کی شکل میں اور کبھی کسی اور شکل میں نظر آتے ہیں"

اس سوال و جواب کی نوعیت ایک جداگانہ مضمون لکھنے کی طالبگار ہے۔ تاہم مختصار کے ساتھ یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ سائل کے سوال کا جواب میرزا صاحب نے کیا دیا۔ جن فرشتوں کے رنگ کی مثال دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی صورت کا سوال ہی جہت ہے۔ انکو تو میرزا احمد جانیں یا انکے والد ماجد۔ البتہ یہ دریافت طلب امر ہے کہ جن فرشتوں کے رنگوں کی مثال دنیا میں ہے۔ وہ کس شکل کے ہوتے ہیں۔ کالے ہندوستانی یا گورے یورپین یا زرد چینی جاپانی۔ یا سیاہ فام افریقی؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ سے انسان کی شکل میں ملاقات ہوتی تھی یا اس مبہم اور حیران کرنے والی کسی اور شکل میں۔ جسکا بھید قادیان کے حرم محترم کے بام نشین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

کتاب ذکر آنہی میں مذکور نہیں ہے کہ سائل نے اس جواب کے بعد سکوت کیا یا کچھ اور پوچھا اسلیے مجکو اس استفسار کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ جناب میرزا محمود احمد صاحب دفن[1] نے ان فرشتوں سے کس زبان میں باتیں کی تھیں۔ پنجابی میں۔ یا اپنی قادیانی اردو میں۔ یا یورپ و ایشیا کی کسی دوسری زبان میں۔ یا اس عبرانی میں جو مفتی محمد صادق صاحب نے انکو سکھائی تھی یا آپکے والد ماجد نے آپ کو ملکوتی زبان کا عرفان بھی ورثہ میں عطا فرمایا تھا۔

جناب میرزا صاحب مرحوم سے تو خدا تعالیٰ عربی۔ انگریزی۔ روسی۔ ہندی۔ فارسی

[1] سب دامد، تخفیف قادیان کا مخفف قن ہے جیسے علیگڈھ کالیج

بعض اوقات نامفہوم زبانوں میں کلام فرمایا کرتا تھا۔ اسواسطے ہر بندگان سے زبان کو آرزو خواہش ہے کہ فرشتوں کی زبان کا علم حاصل کریں۔ لہذا اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جناب میرزا محمود نے فرشتوں سے اُردو میں بات چیت کی تو فوراً انجمن ترقی اُردو کے غیر من قادیانیت سکریٹری مولوی عبدالحق صاحب بی اے سے کہ مجبور کیا جائے کہ وہ کم از کم ہمارے لغت اردو۔ قادیانی دیکھ قبول کریں۔ کیونکہ قادیان نے اُردو کی فوقیت کا ایک نیا آسمانی ثبوت مہیا کیا ہے۔

ایڈیٹر مخزن کو بھی لکھا جائے کہ آئندہ وہ اپنے رسالہ کے سرورق پر یہ بھی لکھا کرے (اتنے کروڑ اردو بولتے ہیں۔ اتنے کروڑ اُردو سمجھتے ہیں۔ اتنے کروڑ میں اردو کا رواج ہے۔ اور اتنے فرشتوں کی قومی زبان اُردو ہے)۔

ذکر الٰہی کی بحث

اب کتاب کے اصل مضمون کی بحث ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے مضمون ہذا کے عنوان اور تمہید کا خیال کر لینا چاہیئے۔ کہ وہاں تصوف کے حریفوں کا شمار شروع کیا گیا تھا اور قادیان کی ابتدائی عداوت صوفیائے کرامؒ کو اشارۃً بتایا تھا۔

ذکر الٰہی کا لکچر بھی جناب میرزا محمود احمد صاحب نے اُسی دیرینہ عداوت کے اصول پر دیا ہے۔ اپنے والد ماجد علیہ الغفران یا خلد آشیان یا خاک مکان یا بہشتی مقبرہ کے میزبان۔ (کیونکہ وہ مردہ مہمانوں کو پانسو روپیہ فیس لیکر قبروں کے میزخانہ ہوٹل میں ٹھیرایا کرتے ہیں) نے ساری عمر صوفیوں پر حملے کیے لہذا انکی پیری مریدی چین کر اپنے قبضہ میں کرنی چاہی مگر بدقسمتی سے ناکام دنیا سے سدھارے۔ صاحبزادہ صاحب صوفیوں کے ذکر شغل کی بنیاد کھوکھلی کرنی چاہتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ۲۸۔ دسمبر ۱۹۱۶ء کے جلسہ میں جو قادیان میں ہوا تھا۔ ذکر الٰہی کے عنوان سے ایک مہمل تقریر فرمائی تھی۔ جو اب ایک کتاب کی صورت میں شائع ہوئی ہے۔ اس ساری تقریر کا مقصود اصلی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مشائخ صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم کے ہاں جو ذکر شغل ہوتا ہے وہ بدعت ہی خلاف اسلام ہے۔ اور سراسر مخالف قرآن ہے۔ میرزا

محمود احمد اتنا کو بھی اپنے والد ماجد کی طرح شائستہ بنانے اور لکھنے کی لیاقت نہیں ہے اس لیے انکی یہ تقریر درجہ نا ملائم و غیر مہذب ہے۔ انہوں نے ذکر اللہ کے قدح کو بھنگ، افیون اور کوکین کے نشوں سے مشابہت دی ہے۔ اور المرء یقیس علی نفسہ (آدمی اپنی حالت کو دوسروں پر قیاس کیا کرتا ہے) کے اعتبار سے اپنے مخفی حالات کو (غالب) مثالوں میں پیش کیا ہے۔

ان کا دعوے ہے کہ تلاوت قرآن کا اثر ہے ہوشی اور غفلت ہوشی نہیں ہے جو وجد و حال کے نام سے صوفیوں میں مروج ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ ابن مغل زادہ نے چند آیات قرآنی بھی ثبوت میں پیش کی ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ یہی وہ آیات ہیں جنسے ابن المغل کا تمام منصوبہ نابود ہو جائے گا کیونکہ ان میں صوفیوں کے وجد و حال کا علانیہ ثبوت پایا جاتا ہے۔

خدا کی شان ہے مغل بچہ جسکے اجداد نے خلافت اسلامیہ کو بغداد میں زیر و زبر کر دیا جنکی تلواروں سے اکابر سادات و علماء و مشائخ لاکھوں کی تعداد میں شہید ہوگئے جنہوں نے قرآن کی جسمانی و روحانی سلطنت کو شدت کفر میں ملیامیٹ کر دینے کی کوششیں کیں آج قرآن کا عارف بنتا ہے اور تبلیغ قرآن کے لیے اپنی اس ہستی کو جس میں مسلم کش اور قرآن پاش مغلوں کا خون گردش کر رہا ہے سامنے لاتا ہے۔

حیف ہے ان اشخاص کی عقلوں پر جو دشمن قدیم خاندان کے عرفان قرآن پر یقین رکھتے ہیں اور اسکی نفسانی خواہشات کی آلودہ تاویلوں کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

ذرا دیکھئے فرزند مغل ابن مغل ابن مغل ذکر الٰہی کے خلاف کیا زہر افشانی فرماتے ہیں ساری عبارتوں کا نقل کرنا تو محال ہے کہیں کہیں سے اقتباس کر کے ملاحظہ اس تقریر کا پیش کیا جاتا ہے جو مغل زادے صاحب نے ذکر الٰہی پر فرمائی تھی۔ پہلے تو گریٹ مغل میرزا غلام احمد صاحب کے الفاظ نقل کیے ہیں جنہوں نے حضرات صوفیائے کرام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

تمہارے طوطے کی طرح وظائف پڑھنے کا کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا"۔

اس جملہ پر گریٹ مغل کے نبیرہ صاحب یعنی میرزا محمود (قن) یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں:۔

"اس طریق سے حضرت مسیح موعود نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے اور مراقبہ میں یہ لوگ مذمت کے قابل تھے"۔

اسکے بعد جناب میرزا محمود احمد صاحب (قن) یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ذکر اللہ کو ان صوفیا اور گدی نشینوں نے ایسے رنگ میں استعمال کیا کہ بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا۔ اب ذکر اللہ کیا ہے کہ دل سے آواز کا نکل کر سر تک پہنچائی جائے۔ اور پھر سر سے چیخا جائے کہ سارے محلہ پر آرام حرام کر دیا جائے اسکو وہ قلب پر ضرب لگانا کہتے ہیں۔ گویا انکے نزدیک دل ایسی چیز ہے کہ جس میں لا الہ الا اللہ کو زور سے گھسیڑا جاتا ہے"۔

اسی بحث میں دوسری جگہ ذکر الٰہی کی لذت کی نسبت فرماتے ہیں:۔

"وہ لذت ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ نسیم، کوکین یا بھنگ پی کر حاصل ہوتی ہے ..... اگر رام رام بھی کہیں تو بھی ویسی لذت محسوس ہو"۔

اسکے بعد قرآن شریف کی آیات پیش کر کے فرماتے ہیں:۔

"قرآن کریم سے جو ذکر الٰہی کرنے کی حالت معلوم ہوتی ہے اس میں یہ کہیں نہیں کہ ذکر الٰہی کرتے ہوئے غشی آجاتی ہے۔ اور بیہوشی طاری ہو جاتی ہے یا سننے والے سر مارنا یا اچھلنا شروع کر دیتے ہیں"۔

ذکر الٰہی کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (الانفال) پھر فرماتا ہے تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ (الزمر) پھر ارشاد ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا (مومن جب ذکر الٰہی کرتے ہیں تو ڈرتے ہیں اور رقت)

اور ذکر الٰہی سے ان لوگوں کو پہر یشانی آنے لگتی ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ پہر انکی کھالوں اور دلوں (جسمانی و باطنی حالتوں) میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے + جب اُنکے سامنے خدا کی آیات پڑہی جاتی ہیں تو وہ سجدے کرتے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں +

حضرت ابن المغل مولانا میرزا محمود احمد صاحب (قن) ان آیات مقدسہ پر یہ حاشیہ چڑہاتے ہیں :-

"گرنا چنا کودنا۔ بیہوش ہونا۔ اور نعرے چیخنا بھی ہوتا تو خدا تعالیٰ انکو بھی بیان کر دیتا۔ اور فرما دیتا کہ مومن وہ ہوتے ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو اپنے کپڑے پہاڑ کر پرے پھینک دیتے اور کودتے اور شور مچانے لگتے ہیں۔ یا اُلٹے لٹک کر سر ہلانا اور حال کہیلنا شروع کر دیتے ہیں" +

حضرت مغل زادے صاحب کو اگر حقائق قرآنی کے فہم سے ذرا بھی بہرہ ہوتا تو اہل الذکر کی شان میں یہ گستاخیاں ہرگز نہ فرماتے۔ کاش انسے کوئی پہلے کہدیتا کہ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (اہل ذکر سے پوچہ لو اگر تم کو معلوم نہیں ہے) انہوں نے جن الفاظ کریہہ سے اولیائے کرام کے وجد و حال کا مضحکہ اڑایا ہے وہ اگر چہ ان کا نسلی ورثہ ہیں تاہم انکی ظاہری شان کے شایاں نہ تھے +

جن فقروں میں صوفیوں کے حال کی تصویر دکھائی ہے وہ سراسر غلط ہیں لوجہ آزاری کی نیت سے لکھے گئے ہیں۔ صادق اہل حال کی یہ کیفیت نہیں ہوا کرتی۔ چند بناوٹی لوگوں کی حالت سے تمام صوفیائے کرام پر عمومی قیاس کر لینا اور بے تکان حملہ کر بیٹھنا مغل زادے ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ گر پڑنا۔ رونا۔ بیقرار ہو جانا۔ دل و جسم کا اثر قبول کرنا تو الٰہی آیات سے ثابت ہے۔ جنکو مردہ مسیح کے زندہ بچے نے پیش کیا ہے۔ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ یہی کہ وہ روتے ہوئے سجدے کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ سجدہ نماز

مراد ہوتا تو خرو اکا لفظ نہ آتا۔ گرنا اور حالت بکا میں گرنا ایک بے اختیارانہ حالت کو نمایاں کرتا ہے۔ جس سے بیہوشی ظاہر ہے۔ کیونکہ ہوش وحواس کی سلامتی کسی انسان کو گرنے نہیں دیتی۔ اور اس سے وہ سکون ثابت نہیں ہوتا جسکو ابن المغل نے اس آیت سے کالکر بیان کیا ہے ابن المغل نے وجل اور اقشعرار (ابن المغل نے اسکو اقشرار لکھا ہے) اور لین کے معنی سکون کے لکھے ہیں کاش اُنکے والدہ جد زندہ ہوتے۔ اور اپنے لخت جگر کی عربی دانی کو دیکھکر اُنکو چھاتی سے لگاکر پیار کرتے۔ اور کہتے کہ ماں میں صدقے ہو۔ وجل (خوف) اقشعرار (رونگٹے کھڑے ہو جانا۔ پسریری آنا) اور خرو اسجدا و بکیا کے معنی سکون۔ تم نے خوب ہی پیدا کیے۔ علم الاجسام و علم الاعصاب و علم الاحساس کا حق ادا کر دیا +

میں ابن المغل صاحب کی تشریحات پر لغانی گفتگو کرنے سے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ احوال السلف وصحابہ رضہ واولیاء رح پیش کروں جو مولانا حق کی دلیل سکون کو ساکن کر دے +

ابن المغل حق صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن پڑھنے اور سننے سے بیہوشی نہیں ہوتی۔ حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا تو آپ بیہوش ہو گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شیبتنی سورۃ الھود (سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا) اور ظاہر ہے کہ انقلاب احوال سکون سے نہیں ہوا کرتا +

اور روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو آپکے سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی تھی جیسے ہنڈیا پک رہی ہے +

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک دفعہ کسی شخص نے یہ آیت پڑھی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ۔ تو آپنے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور لوگ آپ کو اٹھا کر مکان پر لائے +

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی قاری سے یہ آیت سنی ھٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ۝ تو آپ کو غش آگیا +

حضرت ابو جریر تابعی کے سامنے حضرت صالح مری نے تلاوت قرآن کی۔ اور وہ چیخ مار کر گر پڑے۔ اور انتقال ہو گیا +

حضرت علی بن فضیل رض کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی یَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو غش کھا کر گر پڑے +

حضرت جنید بغدادی رحمۃ نے حضرت سری سقطی کی خدمت میں ایک شخص کو بیہوش دیکھکر حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ قرآن کی کوئی آیت سن کر غش آگیا ہے +

حضرت بکر بن معاذ رض نے یہ آیت سنی وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ۔ تو انکو غش آگیا +

غرض اس قسم کے بیسیوں واقعات آثار صحابہ رض و احوال اولیاء رحمہم میں مذکور ہیں اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے انکو احیاء العلوم کے آٹھویں باب سماع میں لکھا ہے اور میں نے یہ چند حالات میں نے نقل کیے ہیں +

صوفیوں کا طریق ذکر

میرزا محمود احمد صاحب قن نے اعتراض کیا ہے کہ حضرات صوفیائے کرام میں جو طریقے ذکر شغل کے جاری ہیں وہ خلاف اسلام ہیں۔ اور بدعت ہیں۔ اور ان سے جو تاثیرات ظاہر ہوتی ہیں وہ بھنگ اور کوکین کی لذتوں کی مثل ہیں۔ اس بیان میں جیسے جیسے مبالغے اور مغالطے انہوں نے استعمال کیے ہیں وہ تو انہی کو مبارک رہیں۔ البتہ ان کے اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے کہ صوفیوں کا طریق ذکر خلاف اسلام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن شریف میں ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (جب تم نماز ادا کر چکو تو ذکر الٰہی کرو کھڑے ہو کر۔ بیٹھ کر۔ اور اپنے پہلوؤں پر) حضرات صوفیائے کرام اسی آیت کے مطابق کھڑے ہو کر۔ بیٹھکر اور پہلوؤں پر

ذکر کرتے ہیں۔ جنوب کے لفظ سے ذکر قلب صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ قلب پہلو میں ہے۔ قیام و قعود کے ذکر کے بعد جنوب کے ذکر کو مخصوص طور سے فرمانا اس بات کو صاف کرتا ہے کہ ذکر قلب کی تخصیص ضروری ہے۔

اب رہا یہ امر کہ صوفیوں کی موجودہ مراسم ذکر اور طریقے جن پر اعتراض کیا جاتا ہے اور انکو بدعت بتایا جاتا ہے۔ کیونکر ثابت ہوئے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اذکار کے بیسیوں طریقے احادیث میں مذکور ہیں اور ایسی کوئی صورت موجود نہیں ہے جس سے ایک مخصوص حالت کا حصر ہو سکے۔ ذکر خفی کے جو طریقے صحابہؓ اور آنحضرتؐ کے معمولات میں تھے۔ انکی تصویر فوٹو کے ذریعہ کسی نے نہیں اتاری تھی جو یہ دعوے کیا جائے کہ وہ نفی اثبات یا پاس انفاس کے اشغال اور طریقوں سے کرتے تھے۔ اور صوفیوں نے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے یہ بہرحال ثابت ہے کہ آنحضرتؐ اور تمام صحابہؓ حکم ذکر کی تعمیل فرماتے تھے۔ اور انہوں نے سوائے فرائض کے دیگر امور عبادت کی کوئی مخصوص ہیئت مقرر نہیں فرمائی ہے اس لیے ہر عابد اور ذاکر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے جسم و اعضاء کو خشیۃ اللہ سے متاثر کرنیکے لیے ذکر کی کوئی ہیئت مقرر کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج جسمانی کی ہدایات بھی تلقین فرمائی ہیں۔ اور بعض ادویات مسلمانوں کو بتائی ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان معالجوں ادویات کے سوا اور کسی دوا اور علاج میں تاثیر نہیں ہے کیونکہ حضورؐ نے اپنے فرمودہ پر کلیۃً حصر نہیں کیا تھا۔ اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ ان علاجوں کے سوا تم کسی علاج یا کسی دوا پر یقین نہ کرنا۔ آپ کا سکوت یہ ظاہر نہیں کرتا کہ بعد میں علم طب نے جو ترقی کی اور طرح طرح کے علاج نکالے وہ بدعت ہیں۔ اگر یہ بدعت ہے تو مولانا ثانی کے والد ماجد اور انکے خلیفہ اول حکیم نور الدین صاحب مرحوم (قادیان) سے بڑھ کر بدعتی تھے جو خلاف سنت معالجات

کیا کرتے تھے ۔

اس طرح جسمانی علاج کے خود ساختہ طریقوں کو بدعت نہیں کہہ سکتے ۔ اسی طرح صوفیوں کی ہیئت ذکر کو بھی بدعت کہنا غلطی ہے ۔ وہ بھی مطالعہ نفس اور مشاہدہ جسم سے پیدا ہوئی ہے ۔ اور کامل صوفیائے کرام نے جسم انسان کے درجات و کیفیات کا عرفان حاصل کرکے خاص خاص اعصاب و اعضا پر ذکر الٰہی کی ضرب لگانا مفید سمجھا ہے میرزا محمود احمد (قن) اگر اسکو بھنگ کا نشہ کہتے ہیں تو انکو چاہیئے کہ ٹھیکہ دار آبکاری سے سر جوڑکر ماتم کریں ۔ کیونکہ صوفی ذکر سے بھنگ و شراب و کوکین کا نشہ حاصل کرلینگے تو نشہ فروش کی دکانداری مات ہو جائے گی ۔ اور پھر جناب قن صاحب کو چندہ دینے میں ٹھیکہ داروں کو مشکلات پیش آئیں گی ۔

چونکہ مضمون کو ایک ہی اشاعت میں شائع کرنا مقصود ہے اسواسطے یہ سیرری ریویو کر دیا گیا ۔ خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو اس کتاب ذکر الٰہی کے دیگر خرافاتی و ہفوانی اقوال پر آیندہ فدا اور تفصیل و وضاحت سے گفتگو کی جائے گی ۔

امید ہے کہ قادیان شریف اور اسکی تجارتی کتاب کو میرے اس ریویو سے خاصی شہرت حاصل ہوگی ۔ اور یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے اپنے قدیمی مسلک سکوت کے خلاف قادیان کے ملاء اعلیٰ سے اسطرح خطاب کیا لیکن یقین ہے کہ اب میری مثال تمام حجرہ نشین صوفیائے کرام کو آمادہ کرے گی کہ وہ قادیانوں کی زیادتیوں کو معاف کرنا چھوڑ دینگے ۔ جیسے کہ میرے شیخ الطریقت حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی نے چشتی سیف سے قادیان کے ہیلناک کان کو دم فرمایا تھا ۔

میرزا قن کو چاہیئے کہ وہ اپنی عادت کو نہ چھوڑیں اور والد ماجد کے قدم بقدم چلتے رہیں کیونکہ یہی وہ روش ہے جو سوئے صوفیوں کو قادیانی عداوت کے خطرہ سے آگاہ کریگی ۔

حسن نظامی

تصوف اور اسلام

اگرچہ زمانہ حاضرہ میں تصوف کی اسقدر گرم بازاری ہے کہ بچہ بچہ اس سے واقف اور اسکے ہمہ گیر اور عام اثر سے متاثر ہے۔ تقریباً دنیا کی دو تہائی آبادی صوفی مشرب ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ صحیح طور پر واقف و متاثر ہے۔ یا خاصہ اجتماعی کی بنا پر غلط طریقہ پر ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تصوف کی ہمہ گیری نے اس دور دراز میں بھی وہ رسوخ و اثر حاصل کر لیا ہے کہ دنیا کا کوئی عقیدہ کوئی طریقہ اور کوئی مشرب اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ہم اس وقت اسکے عام اثر اور ہمہ گیر قبولیت سے اسکے استحسان پر استدلال نہیں کرینگے۔ اسلیے کہ ہم اس امر سے بے خبر نہیں ہیں کہ کسی امر کی قبولیت عامہ اس کے مستحسن ہونے کی معقول دلیل نہیں ہو سکتی۔ مگر اسکے ساتھ ہی اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیائے اسلام پر تصوف اور اہل تصوف کا جسقدر احسان ہے۔ اس کی شکر گزاری سے عالم انسانیت سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

اس فن یا اس علم کے حسن و قبح کے متعلق اولاً آپ کو خود اس فن کا مطالعہ کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ اسمیں تو کوئی قبح نہیں ہے جس سے انسانی دنیا کو کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اسکے بعد اسکے آثار و نتائج دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسے نکلے۔ اگر مفید ہیں تو امر زیر بحث کے مفید و نافع ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور اگر اسکے برعکس نتائج برآمد ہوں تو دیکھنا چاہیے کہ آیا نفس امر زیر بحث ہی کا یہ خاصہ ہے یا عوارض خارجہ نے نتائج کو غیر مفید و غیر مطمئن بنا دیا ہے۔ تصوف کے متعلق اس طریقہ پر اگر آپ غور کرینگے تو شاید بآسانی آپ کسی مطمئن نتیجہ تک پہنچ سکیں۔

جہانتک خالص علم یا فن تصوف کا تعلق اسکے حسن یا قبح سے ہے عالباً کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ بیکار ہے۔ اسکی تمام غرض و غایت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اخلاق حسنہ کو متجلی اور دائم اخلاق کو دور کیا ایسی معتدل حالت پر لایا جائے کہ ایک انسان اعلیٰ صفات و خصائل کے ساتھ پاکیزہ زندگی بسر کرے۔ اسکے قواعد و قوانین تمام تر اسی اصول پر مبنی ہیں رہے اسکے نتائج جو اس تحریک کے بعد شائع ہوئے۔ اسکی نسبت تاریخ سب سے بہتر شاہد عادل ہے۔ اسلام اور دنیا کے اسلام کو جسقدر اس سے فائدہ پہنچا ہے تاریخ کے صفحات اس سے بھرے پڑے ہیں۔ ہمیں ہندوستان میں جو مسلمان صورتیں آج نظر آرہی ہیں وہ انہی نفوس قدسیہ کے انوار باطن کے نتائج حسنہ ہیں جو آج بھی متصوفین کے رکن اعلیٰ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ وقت جس قدر مشاہیر تصوف ہیں انکی زندگی کو دیکھو کہ کیسے فضائل حسنہ اور اخلاق حمیدہ سے متصف تھے انسانیت کے اعلیٰ معیار پر تم کسی کو جانچنا چاہوگے تو شاید ان قدسی صفات متصوفین سے زیادہ کوئی دوسرا ٹھیک نہ اُترے گا۔ کیا انکی پاکیزہ و شائستہ زندگی انکے مشرب حقہ کے مستحسن ہونے کی دلیل نہیں ہے؟

دنیا میں کوئی تحریک خواہ کسیقدر نتائج خیر و مفید کیوں نہ ہو یہ ناممکن ہے کہ اس کے مخالف نہ پیدا ہوں نہیں بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہوگا کہ اس تماشاگاہ عالم کی کوئی بات اختلاف سے پاک نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مشاہدات تک کے لوگ منکر ہوتے ہیں اسیطرح تصوف کی نسبت بھی اگرچہ واضح دلائل سے اسکا حسن ثابت ہے مگر جن لوگ اسکے بھی مخالف ہیں جن میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جو اس وجہ سے تصوف کا مخالف ہے کہ اسکے خیال میں تصوف کوئی مفید چیز نہیں بلکہ اسکے فلسفیانہ اصول و عقائد سے اسلامی قومیت میں اضمحلال پیدا ہوگیا۔ اسکی وجہ سے مسلمانوں میں قرن اول کے سے صفات نہ رہے۔ وہ اولوالعزمانہ فضائل جنسے قومیں ترقی کرتی ہیں فنا ہوگئے۔ بیجا قناعت مذموم توکل اور شاہ کن عجز و انکسار کی تعلیم سے رفتہ رفتہ طبائع میں ایک قسم کی دنائت پیدا ہوگئی جس سے قومی ترقی کی روح مضمحل کردہ گئی۔

غرضکہ تصوف کی تعلیم انسان کو بالکل ناکارہ اور عضو معطل کر دیتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے موجودہ تنزل کو تصوف کا رہین منت تصور کرتے ہیں۔ اور موجودہ اہل تصوف کی حالت زار سے اسکے مذموم و قبیح ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

موجودہ متصوفین کی ردی حالت سے ہمکو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہمیں کلام نہیں کہ زمین پر بسنے والوں میں اس فرقہ اور طبقہ سے زیادہ خراب و خستہ اور ردی و ذلیل حالت شاید کسی کی نہ ہوگی۔ مگر ان کی حالت سے اصل تحریک کے قبیح پر استدلال کرنا کسی طرح جائز اور ستر ین انصاف نہیں کہا جا سکتا۔ اسکی بالکل ایسی مثال ہے جس طرح کوئی منکر اسلام مسلمانوں کی موجودہ خراب حالت سے نفس اسلام کی نسبت فاسد خیالات کا قیاس کرے۔ اہل تصوف کی موجودہ روش یقیناً قابل اصلاح ہے۔ لیکن اس سے نفس تصوف پر قیاس قائم کرنا صریح غلطی ہے اسکے لیے جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا اعاظم رجال تصوف کے سوانح حیات کا مطالعہ اور خود فن تصوف پر غور و فکر کرنی چاہیئے۔ مثلاً ہیسے تصوف کبھی مذموم قناعت اور بیجا توکل کے عادی نہیں رہے۔ اور نہ حوصلہ شکن تعلیم انہوں نے دی۔ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت نظام الدین اولیاء اور اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جو متصوف تصوف کے عمود تھے مگر دولت و ثروت میں بھی مشہور زمانہ تھے۔ اسی طرح یہ الزام بھی سراسر غلط ہے کہ ان کی بیجا قناعت و توکل کی تعلیم ترقی کی روح فنا کر دیتی ہے۔ ان حضرت کی پہلی شرط بیعت یہ ہوتی ہے کہ اکل حلال پیدا کرو۔ اسی طرح نہایت ریاضت و مشقت بھی اس فن کی لازمی تعلیم ہے ان حالات کے ہوتے کون کہہ سکتا ہے کہ اہل تصوف تعطل و تکاہل کے ناشر ہیں۔

دوسرا گروہ اہل ظواہر کا ہے جو مفید و غیر مفید ہونے سے بحث نہیں کرتا بلکہ وہ صرف اس نظر سے تصوف کرنا جائز کہتا ہے کہ اسکے نزدیک کتاب و سنت سے اسکا اثبات نہیں ہوتا۔ اور قرن نبوت و عہد صحابہ میں اسکا ثبوت نہیں ملتا۔ اسلیئے اسکو غیر مشروع سمجھتے ہیں۔ ہمکو اس وقت اسی طبقہ سے بحث ہے۔

ارباب ظواہر کے تمام اعتراضات فرداً فرداً رفع کرنا تو اس ایک مضمون میں دشوار ہے۔ کیونکہ اسکے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ لیکن بعض اعتراضات یا اہل تصوف کے بعض ایسے معمولات جن کی نسبت بظاہر کتاب و سنت کی مخالفت کا شبہ پڑتا ہے اُنکی یہاں تصریح ہو سکتی ہے چنانچہ ہم اس مضمون میں بعض اہم امور پر احادیث نبوی سے روشنی ڈالیں گے۔

اگرچہ کتب تصوف بغور مطالعہ کرنے سے خود یہ شبہ رفع ہو سکتا۔ لیکن بعض بزرگوں کی یہ کوشش یقیناً مشکور ہوگی کہ اُنھوں نے اعاظم امور تصوف کے شواہد قرآن و حدیث سے نکالکر علیحدہ جمع کردیئے ہیں۔ اس مضمون میں ہم انہیں سے استفادہ کرتے ہیں +

ارباب ظاہر شروع سے بیعت طریقت ہی کو بدعت کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو قسم کی بیعت کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک کفار سے جو مشرف باسلام ہونے کے وقت لی جاتی ہے۔ اور دوسری بیعت جہاد۔ تیسری بیعت کوئی نہیں ہے لیکن اعتراض محض اسوجہ سے ہے کہ نظر وسیع نہیں۔ ورنہ محققین صوفیائے کرام کے تمام مراسم کی بنیاد کتاب و سنت سے ملتی ہیں۔ اس بیعت ہی کے متعلق دیکھئے۔ عن عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسعۃ او ثمانیۃ او سبعۃ فقال الا تبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبسطنا ایدینا وقلنا علام نبایعک یا رسول اللہ قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وتصلوا الصلوٰۃ الخمس وتسمعوا وتطیعوا واسر کلمۃ خفیۃ قال ولا تسئلوا الناس شیئاً فلقد رأیت بعض اولئک النفر یسقط سوط احدھم فما یسأل احداً ینادلہ ایاہ۔ اخرجہ مسلم وابوداؤد والنسائی +

ترجمہ حضرت عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ نو تھے یا آٹھ یا سات آپنے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے رسول سے

بیعت نہیں کرتے۔ چنانچہ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور عرض کیا کہ یارسول اللہ کس بات پر بیعت کریں آپنے فرمایا۔ ان امور پر کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور اُسکے ساتھ شریک نہ کرو پنجگانہ نمازیں پڑھو۔ اور احکام سنو اور تسلیم کرو۔ ایک بات آہستہ ارشاد فرمائی۔ وہ یہ کہ کسی سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے اُن مبائعین میں سے بعض حضرات کی یہ کیفیت دیکھی ہے کہ اگر اتفاقاً چابک گر جاتا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگتا کہ اُٹھا کر اُنکو دیدے +

اس حدیث نبوی سے بیعت طریقت کا اثبات ہوتا ہے اس لیئے کہ جس بیعت کا ذکر اسمیں ہے وہ نہ تو بیعت جہاد ہے اور نہ بیعت کفار ہے۔ بیعت طریقت کا حاصل اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ مرید سے احکام کی پابندی اور ظاہری و باطنی اعمال کے اہتمام کا معاہدہ کیا جاتا ہے +

اہل تصوف کے ہاں دستور ہے کہ وہ اپنے شیوخ کے احکام کی نہایت سختی کیساتھ پابندی کرتے ہیں۔ اور اس معاملہ میں انتہا درجہ کا غلو اُن کی عادت ہو جاتی ہے اس امر کا ثبوت بھی اس حدیث سے ملتا ہے کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود صرف یہ تھا کہ کسی سے کوئی چیز طلب کرو۔ مگر صحابہ کرام نے غایت محبت اور کمال لذت سے وہ صورتیں بھی ترک کردیں جنپر ظاہر الفاظ کا شبہ بھی تھا یعنی اپنی چیز بطور استعانت کے مانگنا بھی چھوڑ دیا +

طلب سوال کے ترک کو آپنے چپکے سے ارشاد فرمایا۔ اس سے صوفیائے کرام کی مخفی تعلیم کا ثبوت ملتا ہے جو وہ بعض مریدین کو خاص مصالح کی بنا پر دیتے ہیں +

بعض بزرگوں کا کلام ظاہر عبارت کے لحاظ سے خلاف کتاب و سنت نظر آتا ہے۔ مگر وہ توجیہ سننے کے بعد صحیح اور واقعہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اسکی وجہ بیخودی اور غلبہ حال آخر ہوا کرتا ہے۔ اور کسی ایسے کلام سے شیخ کا مقصود یہ ہوا کرتا ہے کہ طالب کا

شوق بوجہ عدم تعین معانی کے اور زیادہ بڑھے۔ بظاہر ایسا کلام کرنا خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مگر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ بازار میں تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا کہ تم کو یہاں دیکھتا ہوں۔ اور مسجد میں رسول اللہؐ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ یہ سنکر لوگ اُدھر چلے۔ مگر واپس آکر کہنے لگے کہ ہم نے تو وہاں کچھ بھی تقسیم ہوتے نہیں دیکھا۔ صرف ایک قوم قرآن پڑھنے میں مصروف تھی۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہی تو رسول اللہؐ کی میراث ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا مقصود اس مبہم کلام سے لوگوں کو شوق دلانا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لوگوں نے اس قول کی تکذیب کی۔ مگر اصل مراد معلوم ہونے پر اس مبہم کلام کا مطابق واقع کے ہونا تسلیم کر لیا گیا۔ اور کسی نے توجیہ سننے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا۔

بعض خاندان صوفیائے کرام میں دستور ہے کہ بیعت کے بعد کوئی نام تجویز کر دیتے ہیں۔ جسمیں شاہ وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں۔ مثلاً افضل شاہ۔ اکمل شاہ۔ رحمت شاہ برکت شاہ وغیرہ۔ اسکی اصل بھی احادیث میں موجود ہے۔ حضرت قیس بن ابی عزیزہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہؐ کے زمانہ میں سمار یعنی دلال کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ مگر حضورؐ نے ہمکو اس سے اچھے نام سے موسوم فرمایا۔ اور کہا اے جماعت تاجروں کی (وہ لقب عمدہ بھی ہے) بیع و شراء میں کبھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے۔ تم لوگ صدقہ کی آمیزش کر دیا کرو۔ یہ روایت ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ سے منقول ہے۔

یہ بھی بزرگوں کا دستور ہے کہ وہ خطرات و وساوس کے وقت اور جمع خاطر کے لیے بعض اشغال بتلا دیتے ہیں۔ جس سے طالب کی طبیعت یکسو ہو جاتی ہے۔ اور طمانیت خاطر کے ساتھ مجاہدات میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس کی اصل بھی سنت سے ثابت ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے نماز کے متعلق وساوس و خطرات کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ایک شیطان ہے جسکا نام خنزب ہے۔ جب ایسی کیفیت ہوا کرے تو استعفار کیا کرو۔ اور بائیں جانب تھتکا رویا کرو۔ یہ دوسرا فعل مخصوص ہے

یکسوئی اور پہلے خیال سے علیحدگی کے لیے حضور نے ارشاد فرمایا ہے لیکن نیت کرنے سے قبل کے لیے۔ اسی طرح سترہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اگر نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے تاکہ سترہ ہو جائے۔ اگر کوئی چیز نہ دستیاب ہو تو اپنی چھڑی کھڑی کرلے چھڑی بھی نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے۔

ظاہر ہے کہ محض خط کھینچ لینے سے کسی قسم کی آڑ نہیں ہو سکتی۔ لیکن جو فائدہ ہے وہ اس سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یعنی توجہ کو یکسوئی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی ارشاد پر قیاس کر کے صوفیائے کرام اس قبیل سے مرید کے وساوس کے دفعیہ کے لیے تدابیر و حیل بتلاتے ہیں جسکو ظاہر بین حضرات غیر شرعی کہتے ہیں۔

صوفیا کے متعلق یہ اعتراض بہت شد و مد سے کیا جاتا ہے کہ وہ نہ صرف تکثیر تعلقات کو پسند ہی نہیں کرتے بلکہ اسکے ترک و انقطاع میں اسقدر غلو اور مبالغہ کرتے ہیں کہ رہبانیت پیدا ہو جاتی ہے جو شرعاً مذموم ہے۔ لیکن اس فعل کے جواز کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

عن ابی الدرداء قال جاء اودان لی متجرا علی درجة جامع دمشق اصیب قبله کل یوم خمسین دینارا اتصدق بها فی سبیل الله و تفرقنی الصلوٰة فی الجماعة ومالی تجربهم ما احل الله تعالیٰ ولکن اکره ان لا اکون من الذین قال الله تعالیٰ فیهم رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله اخرجه رزین

حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اسکو مکروہ سمجھتا ہوں کہ میری تجارت جامع مسجد دمشق کی سیڑھیوں پر ہو جس سے مجھکو پچاس دینار روزانہ نفع ہو اور انکو میں اللہ کی راہ میں خرچ بھی کر دیا کروں اور جماعت کی کوئی نماز بھی قضا نہ ہو مگر اسکی یہ وجہ نہیں کہ میں اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرتا ہوں۔ مگر مجھکو یہ بات پسند نہیں [illegible] داخل نہ ہوں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں

جن کو تجارت اور خرید و فروخت اسکے ذکر سے باز نہیں رکھ سکتی ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں بھی اس مذاق کے لوگ موجود تھے جو ذکر و شغل کے لیئے مباح تعلقات تک کو ترک کر دیتے تھے ۔ اور کثرت تعلقات کو پسند نہیں کرتے تھے ظاہر ہے کہ صحابی رسول اللہ کسی ناجائز و غیر مشروع فعل کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا ۔ اسلیئے اس قسم کی یکسوئی اور کم تعلقی کو جائز و مستحسن خیال فرماتے تھے صوفیائے کرام بھی چونکہ ارباب ذکر ہوتے ہیں اسلیئے اگر وہ زیادہ تعلقات کو پسند نہیں کرتے تو ان پر ترک سنت یا ارتکاب بدعت کا الزام عائد نہیں ہو سکتا ۔ البتہ یہ طریقہ ہر شخص اختیار نہیں کر سکتا صرف خواص امت کے لیئے جائز ہو سکتا ہے ورنہ اگر ہر شخص اس پر کاربند ہو جائے تو اسلامی قومیت چند روز میں کمزور و مضمحل ہو کر تباہ و برباد ہو جائے اور چونکہ صوفیائے کرام خواص امت میں ہوتے ہیں اور ان کا کام رشد و ہدایت ہوتا ہے ۔ اسلیئے مخصوص طور سے انکے لیئے جائز و مباح ہو سکتا ہے ۔

اس خیال کی مویدایک اور حدیث ہے :-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ یا ابن آدم تفرغ لعبادتی املاصد رک غنی و اسد فقرک وان لا تفعل ملأت یدیک شغلا ولم اسد فقرک ۔ اخرجہ الترمذی ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اولاد آدم ! تو میری عبادت کے لیئے فارغ ہو جا میں تیرے سینہ کو غنا سے بھر دونگا اور تیری محتاجی کو دور کر دونگا ۔ اور اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تیرے دونوں ہاتھ مشاغل و تعلقات سے بھر دونگا اور تیری محتاجی کو بند نہ کرونگا ۔

اس حدیث سے بھی متصوفین کی رسم کم تعلقی کا ثبوت ملتا ہے لیکن واضح رہے کہ اسکا منشا جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے فراغ للعبادۃ ہونا چاہیئے ۔ ورنہ اگر

یہ کم تعلقی آرام نفس کی خاطر اور مشقت سے اعراض کی بنا پر اختیار کی جائے تاکہ یہی بے تعلقی عند الناس مقبول ہو کر موجب اندیاد دولت ہو جائے تو وہ نہ صرف ناجائز بلکہ حرام اور موجب خسران عظیم ہوگا ۔

اسی طرح مشائخ طریقت کی متوکلانہ زندگی اور قبول نذر و ہدایا پر لوگ معترض ہوتے ہیں حالانکہ بصراحت حدیث اسکی اباحت متعین ہے ۔

عن الحنف بن قیس فی حدیث طویل قال قلت ای لابی ذر ما تقول فی ھذہ العطاء قال خذوہ فان فیہ الیوم معونۃ فاذا کان ثمنا لدینک فدعہ اخرجہ الشیخان ۔

احنف بن قیس سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ آپ سلاطین و امراء کے وظائف و عطایا کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ لیلیا کرو کیونکہ اس سے اس زمانہ میں فراغت قلب و جمع خاطر کے لیے مدد ملتی ہے مگر جب وہ تمہارے دین کا معاوضہ ہو جائے تو ترک کر دینا ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فراغ عبادت کے لیے نذر و ہدایا قبول کر لیجائیں تو کوئی حرج نہیں ۔ اور اسپر تعطل و بیکاری کا الزام عاید نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ صوفیائے صافیہ چونکہ ہمہ وقت اذکار و اشغال میں مصروف رہتے ہیں ۔ اور دوام ذکر و دوام حضور کے لیے ضروری ہے کہ مخل اشغال نہ ہوں تاکہ طبیعت یکسو رہے اور پراگندہ نہ ہو ۔ اس لیے اگر وہ متوکلانہ زندگی بسر کریں اور حلال و طیب اموال امراء کو اطمینان و تقویت خاطر کے لیے قبول کریں تو خلاف سنت نہ ہوگا ۔

لیکن حسن نیت کی شرط لازمی ہے ۔ اگر مصلحت اجازت نہ دے ۔ یا اور کوئی دینی و مذہبی نقصان کا اندیشہ ہو تو اسکا رد واجب ہو جاتا ہے ۔ مثلاً آج کل تو محض جلب منفعت اور نذر و ہدایا کی طمع میں مشرب درویشی اختیار کرنے کی حرص ہو جاتی ہے

اور اس کے ذریعہ بلا محنت و مشقت خوب دولت جمع ہو جاتی ہے۔ ذکر و اشغال اور فراغ خاطر و دلجمعی بالکل بے معنی سے لفظ رہگئے ہیں۔ اس لیے اہل اللہ اور سچے مشائخ طریقت کو چاہیے کہ وہ اس رسم کو قطعاً بند کردیں تاکہ یہ فتنہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔ جب نفع کی کوئی صورت نہ رہیگی تو مجبوراً اطلاع اور اہل غرض اس مشرب کو اختیار کرنے سے گریز کرینگے۔ اور اپنے لیے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرینگے اور اسوقت صرف سچے طالبین ہی اس مشرب میں داخل ہونگے۔ درویشی اور مراسم اہل تصوف تو خیر لیکن انکے اذکار و اشغال سے ارباب ظواہر قطعاً انکار کرتے ہیں اور دین میں انکی کوئی اصل نہیں بتلاتے۔ اور اس لیے انکو تمام تر بدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ خصوصاً حلقہ بنا کر ذکر کرنے اور مراقبہ وغیرہ کو۔ لیکن اس انکار کی وجہ بھی عدم وسعت نظر ہے۔ ورنہ اگر کافی تلاش و تدبر سے کام لیا جائے تو اس کی اصل بھی سنت و حدیث سے مل سکتی ہے۔

ذکر حلقہ کا فائدہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے جمع ہو کر ذکر کرنے سے دل لگتا ہے ایک قسم کی مسرت و خوشی حاصل ہوتی ہے۔ بہت بڑی سستی اور کاہلی دفع ہوتی ہے۔ اور مداومت ذکر میں سہولت حاصل ہوتی ہے۔ انہیں منافع و مفاد کی غرض سے مشائخ نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ جس کی اصل ذیل کی حدیث میں موجود ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ تعالیٰ یتلون کتاب اللہ ویتدارسون بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملئکۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ اخرجہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے گھروں میں کوئی مجمع ایسا نہیں جمع ہوتا کہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوں اور باہم اسکو پڑھتے پڑھاتے ہوں۔ مگر یہ کہ تسکین جلی اُسپر نازل ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت اُن کو ڈھانپ لیتی ہے اور ملائکہ اسکو گھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ سے اُن کا ذکر فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں بغرض ذکر کے مجتمع ہونے کی توصیف کی گئی ہے۔ صوفیا کے مروجہ ذکر بھی بالکل اسی کے مشابہ ہیں۔ ان میں بھی قرآن پاک کی آیات ہی کا ذکر کیا جاتا ہے اس لیئے اس کی سند اس حدیث سے ملتی ہے۔ علی ہذا مراقبہ کے اصول بھی حدیث میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:- کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل یعنی دنیا میں تو اس طرح رہ جس طرح مسافر بلکہ اس طرح کہ گویا راہ میں گزر رہا ہے۔ ترمذی نے اس قدر اور اضافہ کیا ہے کہ:- وعد نفسک من اھل القبور۔ یعنی اپنے نفس کو اہل قبر میں سے شمار کر۔

مراقبہ کے معنی کسی خاص مضمون کو اکثر اوقات یا کسی وقت معینہ تک تصور کرتے رہتے ہیں تاکہ اس تصور کے غلبہ سے اس مضمون کے مقتضا پر عمل ہونے لگے۔ مثلاً موت کے مراقبہ سے اسکا جو اثر مرتب ہوگا وہ یہی ہوگا کہ دنیاوی تعلقات میں کمی واقع ہوگی بیت کی طرح شہوت، غضب اور دیگر اخلاق ذمیمہ مضمحل ہو جائینگے۔

اس حدیث میں مراقبہ ہی کی تعلیم دیگئی ہے۔ کیونکہ اہل قبور میں شمار کرنیکے معنی یہی ہیں کہ اسکا تصور کیا جائے۔ اسی طرح مسافر کی طرح رہنے اور راستہ میں سے گزرنے کا فعل بھی قلب سے متعلق ہے اور یہی مراقبہ ہے۔

صوفیہ کرام نے مراقبہ کی بہت سی قسمیں کی ہیں جو حالات مختلفہ میں فائدہ بخشتی ہیں۔ چنانچہ ایک مراقبہ قلبی ہے۔ جسکا مدعا یہ ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھی جائے تاکہ جہاں کچھ تغیر ہو فوراً اسکا تدارک کیا جائے۔

عبداللہ بن ابی بکر سے ایک روایت ہے کہ ابو طلحہ انصاری اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتفاقاً ایک جنگلی کبوتر اڑا اور راستہ تلاش کرنے لگا مگر باغ بیحد گھنا اور گنجان تھا۔ اس لیے اسکو راستہ ڈھونڈنے میں تکلف ہوا ابو طلحہ نے نماز کے اندر ہی یہ کیفیت دیکھی تو بہت خوش ہوئے کہ میرا باغ اس قدر گنجان ہے۔ اسکے بعد پھر نماز

کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مگر اب دیکھتے ہیں تو یہی نہیں یاد رہا کہ کتنی نماز پڑھی۔ ابو طلحہ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ مال (باغ) تو میرے لیئے بہت بڑا فتنہ ہو گیا کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کہ یہ باغ فی سبیل اللہ جہاں جی چاہے صرف فرما دیجئے۔ اس حدیث سے مراقبہ قلبی کی اصل ملتی ہے۔

غرضیکہ مستند صوفیائے کرام کے تمام افعال و احوال اور انکے ذکر و شغل کے طریقہ اور انکے مراسم و عادات اگر غور سے دیکھئے تو اسکا ثبوت اور اسکی شہادت یقیناً کتاب و سنت سے آپ کو ملیگی۔ اسلیئے محض ظاہر حالات کو دیکھکر یا جاہل پرست متصنع اور نمائشی درویشوں کی ناپاک زندگی سے متاثر ہو کر نفس تصوف اور اہل تصوف سے انکار کر دینا نہ صرف ایک قسم کی زیادتی ہے بلکہ سچے طالبان حق کو صراط مستقیم اور رشد و ہدایت کے طرق قویم سے روکنا ہے اور اس سے بڑھکر خسران دین و خذلان شرع مبین اور کیا ہو سکتا ہے؟

اسمیں کلام نہیں کہ موجودہ حالت بہت خراب ہے۔ کثرت زیادہ تر مبتدع اور اہل غرض کی ہے۔ چونکہ امر حق اور طلب صادق سے انکے صدور خالی ہوتے ہیں اس لیئے افراط و تفریط ان کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ ظاہری پابندیوں کو طریقت اور فضول مراسم غیر مشروعہ کو عین حقیقت سمجھتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف اس لیئے کہ بغیر اسکے انکے پیشہ کی گرم بازاری ممکن نہیں۔ لہذا ایسے منافق مشائخ اور ایسے مبتدع درویش نما قزاقوں کو درویشی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ انپر اور انکے حالات باطلہ و ناسقہ سے اصل تصوف اور پاکباز اہل تصوف کی نسبت برے خیالات قائم کر لینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

عارف سہوی

۸۶

جلالی عید

انسانی سرشت دو ہی رنگ رکھتی ہے

(۱) جمالی۔

(۲) جلالی

انسان جمالیت بھی رکھتا ہے۔ جلالیت بھی۔ چونکہ خدا کی ذات میں بھی جمالیت اور جلالیت ہے۔ اور انسان خدا کی بنائی ہوئی مخلوق ہے۔ اس واسطے اس میں بھی ان دونوں صفات کا کچھ نہ کچھ اثر ہے۔ انسان اگر ایک طرف صابر بردبار اور متحمل ہے تو دوسری طرف قاہر اور جابر بھی ہے۔ یہ دونوں صفتیں یا یہ دونوں خاصے جب تک اعتدالی رنگ میں استعمال پاتے ہیں۔ اُس وقت تک انسانی زندگی کے واسطے اُن کی ویسی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے اور صفات اور قوتوں اور جذبات کی۔ اسلام بھی دونوں کیفیتیں جمالی اور جلالی رکھتا ہے۔ قرآن مجید پڑھکر دیکھ لو وہ بھی یہ دونوں شانیں لیئے ہوئے ہے۔ اگر ایک طرف اخیر تک باب رحمت کھلا ہے تو دوسری طرف جباری اور قہاری کی وعیدیں بھی رونما ہیں۔

رسول کریم (صلعم) بھی دونوں شانیں رکھتے تھے۔ اگر ایک طرف جمالیت تھی تو دوسری طرف جلالیت بھی۔ جمالیت اور جلالیت میں اگرچہ ایک نسبت بھی ہے۔ مگر فرق بھی بہت کچھ ہے۔ جمالیت میں لینت، بردباری، صبر و شکیبائی ہوتی ہے اور جلالیت میں صبر و شکیبائی کے ساتھ استقلال، ہمت اور ایک قسم کی جباری بھی ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی اسکے بردباری اور استقامت بھی پائی جاتی ہے۔ دنیا میں یہ دونوں طاقتیں کام کر رہی ہیں۔ ان ہی دونوں پر انسانی زندگی

کی اقتصائی ضروریات کا مدار اور حصر ہے۔ جو قوم صرف جمالیت ہی رکھتی ہے۔ وہ بھی ایک گھاٹے میں رہتی ہے۔ اور جو صرف جلالیت ہی رکھتی ہے وہ بھی حد اعتدال سے گزر جاتی ہے۔ عملی رنگ میں اسلام دونوں قسم کی کیفیتیں دکھاتا ہے۔ کیونکہ اسلام کے لانے والے ہی یہی دونوں رنگ رکھتے ہیں۔ اسلام ایک طرف عاملانہ رنگ رکھتا ہے اور دوسری صوفیانہ۔ اسلام کے عاملانہ عناصر اور علمائے کرام جمالیت رکھکر بھی جلالیت رکھتے ہیں۔ اور اُن کی زندگی کا جزو اعظم باوجود جمالیت رکھنے کے بھی کچھ کچھ جلالیت ہوتا ہے۔ لیکن صوفیائے کرام باوجود جلالیت رکھنے کے بھی جمالیت میں زیادہ تر مستغرق رہتے ہیں +

مسلمانوں میں یہ دو عیدیں جو آتی ہیں یہ بھی جمالیت اور جلالیت رکھتی ہیں۔ چھوٹی عید (عید الفطر) جمالیت رکھتی ہے اور بڑی عید (عید الضحیٰ) جلالیت گو چھوٹی عید میں بھی ایک حد مناسب تک جلالیت ہوتی ہے مگر اُسکا غالب رنگ جمالیت ہی ہوتا ہے۔ بڑی عید کا رنگ غالب جلالیت ہے۔ ان دونوں عیدوں کا صرف یہی منشاء نہیں ہے کہ:۔

شیریں و نمکین غذائیں کھا پی کر یا بکروں کو ذبح کرکے اور سیویاں ہضم کرکے انہیں گزار دیا جاوے۔ بلکہ یہ کہ مسلمان ان دونوں رنگوں میں رنگے رہیں اور اپنی زندگیوں میں ان دونوں صفات اور ان دونوں جذبات کا عاملانہ ثبوت دیں اور ان دونوں رنگوں کو عملی رنگ میں زندہ رکھیں +

عید رمضان وہ صبر و بردباری سکھاتی ہے جو عید البقر میں عملی رنگ میں دیکھنی پڑتی ہے۔ عید رمضان باب الایثار ہے اور عید البقر منزل یا مرکز عمل۔ عید رمضان میں لوگ عموماً میٹھی چیزیں کھاتے پیتے ہیں۔ کیونکہ مہینہ بھر کی تلخکامیوں کی یہی امید رکھ سکتی تھیں۔ لیکن بڑی عید میں نمکین اشیاء پر زیادہ زور ہوتا ہے جو [illegible]

لذتیں بھی جمالیت اور جلالیت رکھتی ہیں +

شیرینی جمالیت رکھتی ہے۔ اور نمک جلالیت۔ بہت سے انسان میٹھوں کے بعد میٹھی چیزیں کھاتے ہیں۔ لیکن نمک ایک دن بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ انسانی لذاتی اسباب میں سے شیرینی دوم درجہ رکھتی ہے۔ اور نمک اول درجہ پر۔ نمک ہر چیز میں بقول بعض حکیموں کے ہوتا ہے۔ لیکن شیرینی ہر چیز میں نہیں ہوتی +

طبیب بعض وقت تندرستوں کو بھی استعمال شیرینی سے منع کرتے ہیں اور عموماً انسان زیادہ شیرینی پسند بھی نہیں کرتا۔ خلاف اس کے نمک انسان کی ایک دائمی غذا ہے۔ ہر حالت میں اسکا استعمال ہوتا ہے۔ نمک خود اپنا استعمالی طریقہ بتاتا ہے اور شیرینی میں یہ طاقت نہیں +

اخلاقی رنگ میں بھی نمک زیادہ تر موثر ہے۔ نمک حرام تو کہا جاتا ہے۔ شیرینی حرام نہیں کہا جاتا۔ اس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ نمک کی کیا کچھ قدر و قیمت ہے اور اُس میں کیسی جلالیت ہے۔ یہ تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے خوب حق نمک ادا کیا۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں نے حق شیرینی ادا نہ کیا۔ لوگ نمک کا ہی نام لیتے ہیں برفی اور لڈو وغیرہ کا کوئی نہیں لیتا +

عید رمضان میں لوگ صرف روزے رکھکر ہی عید منا لیتے ہیں۔ اور عید قربان میں حیوانی قربانیاں ہی دینی پڑتی ہیں۔ ایک تو یہ یادگار ابراہیمی ہے۔ اور پھر ایک دوسرے رنگ میں یہ یادگار ایک شان جلالیت ہی لیے ہوئے ہے۔ جلالیت ہی کا یہ اثر تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بغیر کسی عذر اور رنگ کے اپنے لخت جگر کو لے قربانی دینے کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ جب آنکھیں میچ کر فرزند دلبند کے گلوئے مبارک پر چھری رکھی ہوگی۔ جلالیت کا عالم اُس وقت زمین و آسمان کی نظروں میں جو کچھ سماں رکھتا ہوگا۔ اُسکا اندازہ وہی وقت وہی وقت اور وہی گھڑی کر سکتی ہے

جلالیت ہی تھی جس نے تمام قسم کی محبت والفت کا نشہ اُتار دیا تھا ؎

خالی نبود بر سرِ من غمزہ را آں چشم دل نگار بہ من آنچہ خواست کرد

جمالیت میں بھی ایک قسم کی شوخی ہوتی ہے۔ لیکن جو شوخی اور جو جذبہ جلالیت رکھتی ہے وہ جمالیت میں کہاں! عید رمضان عموماً رنگ جمالیت رکھتی ہے اُسمیں جلالیت بہت کم ہوتی ہے غلسفین دونوں عیدوں کا یہ ہوا کہ عید رمضان جمالیت سکھاتی اور روزوں کی وجہ سے انسان کے جذبات میں ایک قسم کا سکون پیدا کرتی ہے۔ اور بقر عید یہ تبلیغ کرتی ہے کہ اگر تم دنیا میں کسی عزت واحترام اور خودداری سے رہنا چاہتے ہو تو اسکی پہلی شرط ایثار ہے۔ خدا چند بکروں اور چند اونٹوں کا بھوکا نہیں یہ تو صرف ایک رنگ جلالیت دکھایا جاتا ہے۔ ہر کوئی ابراہیم نہیں کہ خدا کے راستہ میں اپنا بیٹا پیش کردے۔ وہ بھی ایک آزمایش تھی۔ اب اُسی ابراہیمی آزمایش کا یہ ہلکا اور دوسرا رنگ ہے۔ گویا یہ ایک دوسری قسم کی بالواسطہ جلالیت ہے۔

اس رنگ ثانی کا منشا یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے تمام جذباتی پدرانہ تاثرات کو مار کر جلالیت ربانی کا ساتھ دیا تھا اُسی طرح پر ایک دوسرے نرم رنگ میں اور لوگ بھی ساتھ دیں۔ وہ اگر اصل تھا تو یہ اُسکی ایک نقل ہے۔ وہ بھی خدا کی راہ میں تھی۔ اور یہ بھی خدا کی راہ میں۔ قرآن مجید میں بہت جگہ فی سبیل اللہ کہا گیا ہے۔ یہ قیید بھی ایک فی سبیل اللہ ہی کا رنگ رکھتی ہے یعنی تمہارا ایثار ہر ایک قسم کا فی سبیل اللہ ہونا چاہیئے۔ خدا بھی تمہیں اُسکا اجر دیگا اور خدا ہی پر اُسے چھوڑ دو۔

عید رمضان روزے ختم کرا کر ایک میٹھی عید ہی کا سماں دکھاتی ہے۔ لیکن عید قربان وہ سماں اپنے ساتھ لاتی ہے جو عید رمضان سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جس کی بابت قرآن بھی ناطق ہے۔ وہ کون سا سماں ہے جسے بالفاظ دیگر حج کہتے ہیں۔ یہ سماں

اور یہ موقع وہ ہے جو صرف عاجزانہ اور مرتاضانہ رنگ ہی نہیں رکھتا بلکہ بہادرانہ اور سپاہیانہ و مستمندانہ رنگ بھی +

عید النحر سے حج کیوں قریب تر رکھا گیا یا اُسکے قدرتی ہی یہ کیوں آتی ہے ؟ اسواسطے کہ حج بھی ایک جلالیت رکھتا ہے۔ اسمیں بھی ایک جلال ہے ایسا جلال کہ جس کی نظیر اس وقت ساری دنیا میں نہیں ملتی ہے۔ عرصہ عرفات میں جاکر تم دیکھ سکتے ہو۔ جبل نور کا نظارہ تمہاری تسکین کرسکتا ہے کہ اس میں کسقدر جلالیت ہے وہ مجمع جو اس میدان میں چند گھنٹوں کے لیے جمع ہوتا ہے۔ یہ صدائے حال منادی کرتا ہے کہ میں سر سے پاؤں تک ایک تصویر جلالیت ہوں۔ عرصہ عرفات کی چٹانیں عرصہ عرفات کی پہاڑیاں۔ عرصہ عرفات کی گھاٹیاں۔ عرصہ عرفات کی چپہ چپہ زمین۔ روڑے اور کنکریاں۔ جلالیت میں رنگی ہوتی ہیں۔ جب خطبہ سنایا جاتا ہے۔ اس وقت بحر جلالیت کی لہریں تو جلالی رنگ میں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔ ایسا معلوم ہی نہیں ہوتا بلکہ غور کرنے والے بچشم یقین دیکھ بھی لیتے ہیں کہ توحید کے دریا اُمڈے آرہے ہیں اور ہر چیز وحدت کی شہادت دے رہی ہے۔ چاروں طرف خدا ہی خدا دکھائی دیتا ہے۔ جسوقت چاروں طرف سے لبیک لاشریک لک کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ اُسوقت گویا خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ توحید ہی توحید سنائی اور دکھائی دیتی ہے۔ اسکے ساتھ ہی جب لاکھوں بندگان خدا ایک ہی لباس میں دکھائی دیتے ہیں۔ تو توحید کا سماں ایک اور صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ ایک طرف وحدت خدائی کا تماشا ہوتا ہے اور دوسری طرف وحدت انسانی کا۔ کثرت میں وحدت جلوہ نما ہوتی ہے۔ اور وحدت میں باعتبار خالقیت اور قادریت نظارہ کثرت ایک اونچی پہاڑی پر ذرا عینک دل سے دیکھو تو سہی کہ میلوں میں کیا کچھ نظر آرہا ہے۔ میلوں میں ایک ہی سماں بلکہ ایک ہی نظارہ دکھائی دیگا۔ جلالیت کا دونوں رنگوں میں وہ عالم

ہوتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے ؎

بہ قصد کعبہ غمزہ و ناز کشیدہ اند بتاں لشکرے کہ نتواں گفت

جس طرف دیکھو جلالیت اور وحدت ہی کا سماں ہوتا ہے۔ اگرچہ لاکھوں آدمی نظر آتے ہیں مگر ایک ہی رنگ میں۔ نہ قوم رہتی ہے نہ ملک و مرز و بوم نہ رنگ چنانچہ سب شخصیتیں ملی رنگ سے رنگی جاتی ہیں۔ عرفات میں پہنچکر یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ:۔

قوم و ملت میں کیا کچھ فرق ہے اور مساوات کے کیا معنی ہیں۔ ایک بادشاہ اور بادشاہ زادہ اُسی خاموشی اور اُسی مسکینی و عجز سے چلتا ہے جو ایک غریب کے حصہ میں آیا ہے۔ امیر کا حوصلہ نہیں پڑتا کہ کسی اپاہج اور غریب کو یہ بھی کہے کہ ذرا ہو ہٹ جاؤ۔ نہ پولیس ہوتی ہے نہ فوج نہ پہرہ نہ چوکی۔ خدائی فوجداروں کی حفاظت میں مساوات کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ اور جلالیت کی جبروت ؎

عشق آں گل بر دل من زور آوردہ است بلبل طبعِ مرا دیگر بہ شر آوردہ است

کیا یہ سماں اور یہ جلالیت یہ پتہ نہیں دیتیں کہ عید الاضحیٰ کی حقیقت، غائی کیا ہے۔ سمجھنے والے سمجھ جائیں گے کہ اس کا منشاء کیا ہے اور اسکی ضرورت کیا تھی یاد ہو ہی اسکا مدعا نہیں بلکہ ملی رنگ کی یادگار بھی دیکھو عید رمضان بھی ۳۰ دن کی محنت و ریاضت کراکر ہی آتی ہے۔ وہ ایک جماعتی رنگ تھا اور یہ ایک جدانی رنگ ہے۔ اُسکی اخوت اور مساوات کا کچھ اور ہی سماں تھا اور اسکا کچھ اور۔ اس دوسری عید کے ساتھ ایک ایسی عید بھی آتی ہے جو چند روز بعد میں رہ کر ادا کرنی پڑتی ہے۔ وہ کیا ہے؟ حج +

حج کی غایت محض عرصہ عرفات کی حاضری ہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی حج معادی منظور بھی رکھا ہے اور معاشرتی بھی۔ تمدنی بھی۔ ملی بھی دنیاوی بھی مذہبی بھی گویا عید بقر اتنی چیزیں اپنے ساتھ لاتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر ایثار نفس ایثار ذات

ایثار مال اور ایثار خیالات بھی یہ وہ باتیں ہیں جو اگرچہ عید رمضان میں بھی کسی حد تک ہوتی ہیں۔ مگر عید البقر میں انکی خصوصیت ہوتی ہے۔ اس میں ایک خصوصیت سے دکھایا جاتا ہے کہ دیکھو ایک بکرا اور ایک اونٹ خدا کی رضا میں اس استقلال کے ساتھ اسقدر اذیت اور تکلیف گوارا کرتا ہے۔ اور ابراہیمی یادگار کی یاد میں اپنی جان دیتا ہے۔ اور تمہارے تصرف اور تمہارے حکم سے پہلو تہی نہیں کرتا۔ بلکہ ایک خاموشی کے ساتھ لیٹ جاتا ہے۔ لیکن انسان اپنے دادا کی یادگار میں بہت ہی کم حصہ لیتے ہیں۔ اور جب اُنہیں اپنی خود غرضیوں اور جذبات متمردہ کے بکروں کی قربانی دینی پڑتی ہے تو اُن کا دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور انکا ایثار صرف سلام علیک تک ہی ختم ہو جاتا ہے۔ قومی اور نسلی سلسلوں میں انکی خود غرضیاں انہیں روکتی اور انکی ہمتوں پر حملہ کرتی ہیں۔ گویا ایسے لوگ اخلاقی پہلو سے کوئی صفت ہی نہیں رکھتے ؎

دم آخر شنیدم کو کہن گفت بلا سخت ست ایں کار آزمودم

مساوات اور اخوت کی قدر کرنا بھی ایک قربانی یا ایک ایثار ہے۔ دیکھو جب کبھی ایک امیر کسی غریب یا کسی فقیر سے آشنا ہوتا ہے تو اس زمانہ میں باوجود مسلمان ہونے کے اُسکے مغرور دل و دماغ میں کیا کچھ گزرتی ہے۔ مسجدوں میں بعض امیر صرف اس واسطے نہیں جاتے کہ غریبوں کا پڑوس ہوگا۔ یا میلے کچیلے لوگوں میں کچھ وقت بیٹھنا ہوگا۔ مسجدوں میں اس واسطے جانا پسند نہیں کرتے کہ وہاں اُن کے رتبہ اور درجہ کے لوگ نہیں ہوتے۔ کیا جو شخص اس زمانہ میں یہ کرتا ہے وہ اپنے خیالات کا تزکیہ نہیں کرتا ہے +

عید قربان کی تو سالانہ قربانیاں ہیں۔ تزکیہ خیالات کی قربانیاں جو ہر روز دینی چاہئیں سب سے پہلے اُن کا تہیہ ضروری ہے۔ سال بھر میں ایک بکرا ذبح کر دیا یا

قربانی دیدیا تو اسکا کتنا بڑا ثواب ہو سکتا ہے۔ بات تو تب ہے کہ ہم سال بھر میں بہت سی اخلاقی اور ملی اصلاحیں بھی کریں۔ ایسی قربانیاں کون سی ہو سکتی ہیں؟

(الف) خود غرضی کی قربانی۔

(ب) شخصیت کی قربانی۔

(ج) حسد و بغض کی قربانی۔

(د) امارت کی قربانی۔

(ھ) طمع و حرص کی قربانی۔

(و) ملی ایثار کی قربانی۔

(ز) معاشرتی قربانی۔

یہ وہ قربانیاں ہیں جن کی ہر انسان کو ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ بقول حضرت اقبال "خودداری رکھنا بھی ایک قربانی ہے۔ خودداری ہی ایک ایثار ہے جو لوگ خودداری رکھتے ہیں وہی قوم و ملت کے ارکان صحیحہ ہیں۔ اُن ہی پر ملت کا انحصار ہے۔ اور یہی قربانی عید کی قربانیوں سے زیادہ تر اجر و ثواب رکھتی ہے۔ جب کوئی مستطیع کسی عید بقر پر قربانی نہیں دیتا تو جہاں وہ خود افسوس کرتا ہے بعض دوست یا لوگ بھی اُسے شرمندہ کرتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ لوگ بہت سی ضروری اخلاقی قربانیاں ہر روز ترک کرتے ہیں۔ انکی بابت کچھ بھی نہیں خیال کیا جاتا ع

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

ملت و قوم کو اگرچہ مذہبی اور ایثاری رنگ میں سالانہ قربانیوں کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن زیادہ تر اخلاقی قوتوں اور خودداری کی ہے عزت و حمیت کی ضرورت ہے۔ یہ وہ بکرے اور یہ وہ اونٹ ہیں جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتے۔ یہ وہ قربانیاں ہیں جو کوئی کوئی ہی دیتا ہے۔ یہ وہ عید قربان ہے جو ہر دن ایک مرتبہ

آتی ہے۔ یہ وہ قربانی ہے جس کی چھری دل و دماغ پر پھرتی ہے۔ یہ وہ ایثار ہے جس کی زد دل و دماغ پر پڑتی ہے ؎

رفت دل و رحمت زدست مرا داغ بجائے دل نشست مرا

دونوں عیدوں میں اصلی مراد ایثار ہی ہے۔ عید رمضان میں کسی اور قسم کا ایثار ہوتا ہے۔ اور عید البقر میں کسی اور پیمانے اور کسی اور صورت کا۔ عید رمضان میں ایثار کی زد براہ راست انسان کے دل و دماغ پر بلا کسی واسطہ اور حجاب کے پڑتی ہے اور عید البقر میں ایک واسطہ درمیان میں لایا جاکر موثر ہوتی ہے۔ اُس میں بھی ایک حکمت ہے۔ پہلے شعبہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ صبر و تحمل اور تکلیف سے کیا کچھ تکلیف ہوتی ہے اور دوسرے شعبہ میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ:-

بالواسطہ ایثار یوں ہوتا ہے۔ دونوں رنگوں میں انسانوں کو ایثار کی تکلیفات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ دوسرے رنگ عید بقر میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ محض تم ہی رمضان میں صبر و تحمل اور بردباری سے کام نہیں لیتے دیگر مخلوق بھی اس سے خالی نہیں ہے حیوانات میں بھی یہ جوہر اور یہ ہمت موجود ہے حیوانات بھی اس سے کام لیتے ہیں گو وہ انسان کی طرح قوت ناطقہ اور عقل و فراست نہیں رکھتے مگر قدرت نے انکی فطرت میں بھی یہ جوہر رکھ چھوڑا ہے ؎

جلالیت سے یہ مراد نہیں کہ لوگ ایک دوسرے سے لڑتے پھریں۔ یا ملکی افراد اور ملکی اقوام میں لڑائی۔ فساد پھیلائیں بلکہ یہ کہ اخلاقی رنگ میں جلالیت کا ثبوت دیں۔ جب ایک شخص سچ بولتا ہے تو باوجود اسکے نرم حالت ہونے کے بھی اُسکا ایک رعب ہوتا ہے۔ اور لوگوں میں اُسکو ایک عزت اور ایک احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے ؎

لوگ کہتے ہیں دولت و ثروت میں رعب اور اثر ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں صداقت

میں زور ہوتا ہے اور سیرت و کیرکٹر میں رعب و اثر ایک صحیح سیرت دولت اور فروت پر ایک اثر اور ایک غلبہ رکھتی ہے ۔

ایک بدرویہ آدمی بھی صاحب سیرت ہونے کی صورت میں ایک رعب اور ایک اثر رکھتا ہے۔ معیار سیرت یہی ہے کہ ایک بُرے آدمی میں بھی پائی جاوے۔ اگر ایک شخص برائی میں بھی برائی کا اعتراف کرنے کی جرأت رکھتا ہے تو یہ اُسکی سیرت کا ثبوت ہے بہ نسبت جرم کرنیکے اقبال جرم مشکل ہے۔ جرم چوری کیا جاتا ہے اور اقبال کھلے طور پر ہوتا ہے۔ اسی واسطے ہر مذہب میں توبہ کی عظمت کی جاتی ہے۔ توبہ کیا ہے؟ اقرار گناہ حضرت فرماتے ہیں التائب من الذنب کمن لا ذنب له ۔

یہ دونوں عیدیں بار بار کیوں آتی ہیں؟ اس واسطے نہیں کہ ہم سوئیاں اور مجرب گوشت کھائیں بلکہ اسواسطے کہ ہمارے جو فرائض ہیں اُن کا سالانہ محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ ہم نے ترقیات اور تنزلات کے درجے کہاں تک اس سال میں ادا کیے۔ ہیں۔ اور اگلے سال ہماری ہمت اور خیالات کا کیا رنگ ڈھنگ ہے۔ تجارت اور اقتصادیات میں ہم نے کہاں تک ترقی کی۔ زراعت وغیرہ میں ہماری کیا کیفیت رہی۔ علوم و فنون کی منڈی میں ہمیں کن نگاہوں سے دنیا دیکھتی ہے یا دنیا کی منڈی میں ہمارا نمبر کیا ہے۔ دونوں عیدیں ایک مجمع یا ایک مذہبی معادی جلسہ اور میٹنگ ہوتی ہے۔ لیکن ایسا مجمع ایسی میٹنگ جس میں تمدنیات اور معاشرت کی تکلیفات ہوتی ہیں۔ کیا عید کی نمازیں لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی کیسی حالت ہے اور اُن کی معاشرت کا پیمانہ کیا ہے۔ اُنکے لباس اُنکی نشست و برخاست اُنکی گفتگو۔ اُن کے اخلاق کیا کچھ نمونہ پیش کرتے ہیں ۔

حکیم ارسطو کہا کرتا تھا۔

بولو! تاکہ میں تمہیں پہچان سکوں ۔

اسی طرح دونوں عیدیں اور دونوں عیدوں کے مجمعے کہتے ہیں۔
دیکھو اور نظر کرو تاکہ
اپنی قوم کے تمدن۔ خوش حالی اور فارغ البالی کا موازنہ کر سکو۔
سوچو کہ دوسری اقوام کے مجامع۔ اور تمہارے مجامع میں کیا کچھ فرق ہے
جانچ کرو کہ کسقدر مسلمان عیدگاہوں میں آتے ہیں۔
دیکھو کہ تمہاری قوم کے بچوں کی پیشانیاں کیا کچھ پیشین گویاں کر رہی ہیں
ذرا گہری نظر سے دیکھو کہ تمہاری عورتوں میں ان دنوں کس قسم کا جوش مسرت
پایا جاتا ہے۔
کیونکہ جس قوم کے بچوں اور عورتوں میں مسرت نہیں اور جس قوم کے مرد فرسودہ
طبیعت دکھائی دیتے ہیں وہ قوم کسی مرض میں مبتلا ہے۔
دیکھو تو سہی کہ اس مجمعے میں اُمنگ بھی پائی جاتی ہے۔ اگر ہر سال بھی تم نہیں
دیکھتے تو کیوں نہیں غور کرتے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ کیا جن لوگوں نے سال
حال میں مسلمانوں کی انجمن حمایت اسلام اور سکھ صاحبان
کے قومی جلسہ کو دیکھا ہے وہ ان باتوں کا موازنہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اور
کیا اُن کا دماغ اور دل دونوں اس تفاوت کی بابت سوچتا نہیں رہا ہوگا
اور کیا اُن کا دل سکھ بھائیوں کو مبارک باد کہنے پر تیار نہیں ہوا ہوگا؟

آئینہ خاطر یم و لیکن ز چند گاہ
در خاکدان دہر غبارے گرفتہ ایم

سلطان احمد از گوجرانوالہ

۵۶

متاعِ درد

در بازارِ جاں

"ریل گاڑی چلی آتی ہے۔ کیسی گڑگڑاہٹ ہے۔ دل دہلا جاتا ہے۔ ایلو وہ تو ٹن کی ٹن میں پل پر سے گزر کر اسٹیشن سے بہت قریب آگئی۔ اسکی چیخ کس غضب کی ہے۔ کانوں کے پار ہوئی جاتی ہے۔ پھر ایک زلزلہ خیز گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی صاحب وہ تو بات کرتے طبیعت قدم کے ہاتھ آگئی۔ انجن کا شور سنتا اور دیکھتا کیسا ہیبتناک ہے! الٰہی تیری پناہ! اب وہ ایک دم ٹھیر گئی۔ نہ وہ گڑگڑاہٹ ہے نہ چیخ نہ سنسناہٹ صرف ایک شائیں شائیں سننے میں آتی ہے اور بس اچھا تو اسے چھوڑیے۔ ادھر سے اُدھر تک ساری ٹرین کی سیر کیجیے۔

مسافر اُترنے چڑھنے شروع ہو گئے۔ کیا پہلے انہی کی کیفیت دیکھیں؟ نہیں۔ پہلے ایک بار ساری ٹرین پر سرسری نظر ڈال لیں +

اوہو۔ اس میں تو مسافر گاڑیوں کے پیچھے بہت ساری مال گاڑیاں بھی جڑی ہوئی ہیں۔ یہ لاکھوں من بوجھ کیسے کھینچتا ہوگا؟ چھکڑوں میں سو پچاس من ہی بوجھ لادا جاتا ہے۔ مگر بیل بے چارے کھینچتے کھینچتے ہلکان ہو جاتے ہیں تھوڑی دیر کے لیے ان بے زبانوں کی مصیبت کا تصور باندھو تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ بیل جاندار ہیں۔ مگر انجن کی شاقہ محنت پر کسی کا دل نہیں کڑھتا۔ حالانکہ وہ بے چارہ بھی سیکڑوں گھوڑوں کی طاقت سے اپنی کٹھن ڈیوٹی کو انجام دیتا ہے۔ اس کا درد ہمارے دل میں کسوجہ سے پیدا نہیں ہوتا؟

اِس واسطے کہ ہم نے اِسے بیجان سمجھ رکھا ہے۔ آہ! یہ انسان کی بھول ہے۔ سوچو تو۔ کیا وہ جانداروں کی طرح بلکہ اُنسے بھی سوا کام نہیں کرتا سیا کھاتا پیتا بولتا چالتا نہیں؟ پانی پینے میں تو وہ اور یہ یکساں شریک ہیں۔ رہا کھانا۔ آپ شاید یہ کہیں کہ انجن تو کوئلے کھاتا ہے۔ کوئلہ بھی غذا ہے؟ مگر کیا جانداروں کی غذائیں مختلف نہیں ہوتیں؟ کوئی مخلوق نہایت لطیف و لذیذ کھانے کھاتی ہے کوئی گھاس پات۔ کوئی اِس سے بھی گئی گزری روئیدگی۔ اونٹ کتنی جفاکشی اور صبر و استقلال سے ناشکرے انسان کی خدمت کرتا ہے اور اُسکی غذا کیا ہے؟ نیم جیسی کڑوی ٹہنی یا کانٹے وغیرہ۔ مگر افسوس انسان اپنے سوا کسی اور کی قدر ہی نہیں جانتا۔ یہ اُسی کفرانِ نعمت کی سزا ہے کہ کل تک جو چھوٹے تھے۔ آج وہ بڑے کیے جا رہے ہیں اور بڑائی کا پتلا انسان کمال بے دردی سے گھاس کی طرح کٹ رہا ہے۔ اور پھونس کی طرح آگ میں بھسم ہو رہا ہے۔ مگر جن ضروریات زندگی کو وہ نہایت بے توقیری سے دیکھتا۔ حقیر سمجھتا۔ اور بے دریغ بڑے اسراف کے ساتھ اُنکو خرچ کرتا تھا۔ وہ روز بروز سخت کم یاب و گراں ہوتی جاتی ہیں۔

ایک وہ وقت تھا کہ کورے کاغذ کی ردی کو بھی خدا کے پیارے[1] کہیں پڑا پائے تو ادب و تعظیم سے اُٹھا لیتے تھے کہ اِس پر خدا اور اُسکے برگزیدوں کی باتیں لکھی جاتی ہیں مگر اِس زمانہ میں کاغذ کی وہ بے قدری بلکہ بے ادبی روا رکھی گئی ہے کہ خدا و رسول کا کلام بھی لکھا ہوا پاؤں میں رُلتا پھرتا ہے۔ اور بے ادب بدنصیب اسکی پروا نہیں کرتے۔

دیا سلائی کتنی مفید و ضروری چیز ہے۔ قدرت نے اپنے دیگر عطیات کی طرح اسے بھی اِس قدر ارزاں کر دیا تھا کہ تھوڑی مدت گزری۔ پیسے کے دو دو بکس اچھے سے اچھے ملتے تھے۔ انسان کی ناشکری کی سزا اُسے خدا جانے کن کن شکلوں میں

---

[1] شاید امام ابوحنیفہ رح کا ذکر ہے ۱۲ منہ

ملتی ہے۔ وہی دیا سلائی کے بکس۔ اعلیٰ نہیں گھٹیا قسم کے اُسوقت سے پانچ چھ گنی قیمت پا رہے ہیں۔ اور کل کی خبر نہیں ؛

سوئیاں جن کے بغیر ہمارا شادی غمی کا کوئی کام نہیں چل سکتا۔ پیسے کی پھر تو گلی گلی بکتی پھرتی تھیں۔ اور تھوک دار سوداگروں کو چالیس پچاس سے کیا کم پڑتی ہونگی مگر انسان کو ناشکری کی سزا اور چھوٹوں کو بڑائی ملنی ضرور تھی۔ دیکھ لو اب وہی سوئیاں پیسے کی دو تین ہی مشکل سے پڑتی ہیں ؛

ہاں تو انسان واقع میں بڑا ناشکرا ہے۔ دیکھو متاع دنیا کیسی قیمتی و قابل قدر چیز ہے کہ اس بغیر آدمی انسان ہی نہیں کہلا سکتا۔ پھر لطف یہ کہ قدرت نے جسمانی ضروریات زندگی کی طرح اسے بھی بہت ہی ارزاں اور بالکل عام کر دیا ہے جو چاہے ہر جگہ اس سے بآسانی متمتع اٹھا سکتا ہے۔ لیکن آہ! بہت تھوڑی آنکھیں ہیں جنہیں اس پونجی کی شناخت ہو۔ بہت تھوڑے دماغ ہیں جو اسکے نشیب و فراز کو قابل غور و لائق توجہ سمجھتے ہوں۔ اور بہت ہی تھوڑے دل ہیں جنس اسکی دیکھ بھال کا چسکا ہو ؛

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی عقیدتمند کہیں بالائی کے لڈو بطور نذر لایا۔ آپنے کسی مرید کو دیدیئے۔ اس نے ایک ایک لڈو کے دو دو لقمے کر دری سی دیر میں کہانی برابر کیئے۔ بات آئی گئی ہوئی۔ چند روز بعد حضرت نے دریافت فرمایا۔ میاں فلانے! ایک دن ہم نے تم کو کچھ لڈو دیئے تھے کیا ہوئے عرض کیا۔ حضور! وہ تو میں نے اُسوقت کھا لیئے۔ بہت تعجب اور افسوس کے ساتھ ارشاد ہوا کہ اوہو! تم نے یوں ہی کھا لیئے۔ شاید تم کو انکا کھانا نہیں آتا۔ مرید بہت حیران ہوا۔ اور بولا۔ یا حضرت! لڈو دں کا کھا لینا کونسا مشکل یا پیچدار کام ہے۔ حضور ہی فرمائیں کیسے کھانے چاہئیں تھے! اتفاق سے

پھر کسی نے نذر کے طور پر دیئے ہی بالائی کے لڈو پیش کیے۔ جنہیں دیکھکر حضرت کو پچھلے لڈو یاد آ گئے۔ اور مرید سے استفسار فرمانے کا خیال پیدا ہوا تھا تو اب اسکے پوچھنے پر اپنے ایک لڈو اٹھایا۔ اسمیں سے ذرا سا ہور ان مبارک پر رکھا اور فرمانے لگے کہ لوفوۃ! اسمیں کیا کیا چیزیں پڑی ہوں گی۔ انہیں کتنے آدمیوں نے کتنی محنت سے کس کس طرح تیار کیا ہوگا۔ خدائے تعالیٰ کا کیسا احسان عظیم ہے کہ متظہر کو یونہی بے مشقت مل گئے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم (ملخصاً) غرض آپ ایک ایک ذرہ پر اسکی ساری ہسٹری دہراتے اور شکر حق بجا لاتے کہ متظہر کا منہ اور یہ نعمت! خدایا محض تیرا فضل و احسان ہے ورنہ میں نے تو اسکا مستحق بننے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا" یہ ہیں متاعِ درد کے گرشمے۔ جو انسان کو خدا سے ملا سکتے ہیں اگر ان کی قدر ہو۔

انجن کی جاں کاہی اور شاقہ محنت پر خیال کرکے دلمیں درد پیدا نہیں ہوتا تو اچھا۔ لو آؤ۔ اور کہیں اسکی تلاش کریں۔ وہ تو ہر جگہ قدم قدم پر موجود ہو سکتا ہے بشرطیکہ آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے نہوں اور دل و دماغ میں خود فراموشی و رعونت کے تالے نہ لگے ہوئے ہوں۔

اے انسان! ہاں غافل انسان! بے درد و خود غرض انسان! تو زمین کا سینہ چاک کرکے اپنی کھیتی باڑی بوتا ہے اور تجھے کچھ ترس نہیں آتا۔ کیوں؟ وہ بیجان ہے۔ اچھا سہی۔ تو درختوں کا کلیجہ چیر کر اپنے رہنے سہنے کے مکان اور سیکڑوں سامان تیار کرتا ہے مگر تیرا جی نہیں کڑھتا کہ وہ بھی تیرے نزدیک زمین کی طرح تو نہیں مگر ہے اک طرح بے جان ہی۔ مانا۔ تو پہاڑوں کے اعضا کو پاش پاش کرکے اپنے صدہا کام نکالتا ہے۔ لیکن تجھے ذرا درد نہیں آتا۔ اسلیئے کہ وہ بھی تیری ہی من گھڑت اصطلاح میں حیوان یا ذی روح نہیں بلکہ جمادات کی قسم ہیں۔ خیر یہ بھی تسلیم۔ مگر کیا جاں دار بھی

اور خود تیرے ہی بنی نوع میں متاع درد کا کچھ گھاٹا ہے ؟ ۔

ذرا آنکھ کھول اور دیکھ ۔ تیرے گرد و پیش کتنی بیکس بے بس ۔ بیمار لاچار اپاہج محتاج ۔ اور ترس کھانے کے قابل ہستیاں موجود ہیں ۔ کبھی تو نے عالم خیال میں انکی حالت اپنے اوپر وارد کر کے اندازہ کیا کہ وہ کس تلخی اور بے چینی کی زندگی بسر کرتے ہوں گے کبھی تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے انکی مصیبت کا ذرا سا بھی بوجھ ہلکا کرنے کی تو نے پروا کی ؟ خدارا سچ بتا کبھی یہ بھی سوچا کہ تو اُن کی جگہ ہوا اور وہ تیری جگہ ۔ تو آدم کی اولاد بھائی بھائی ہونے کے دعوے پر تیرا دل انسے کیا کیا توقعات رکھیگا ؟ مگر آہ ! اے کافر نعمت ! بنی نوع کی ہمدردی تو درکنار تُو تو اُس خدا کا بھی شکر گزار نہیں جو قادر ہے کہ تیری حالت اُن سے بھی بدتر کر دے مگر تجھے کبھی اسپر غور کرنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ اُن احسانات کا مجھے کیا حق حاصل تھا اور اب انکی وجہ سے مجھ پر کیا کیا فرائض عاید ہوتے ہیں ؟

خدا ہی تیری آنکھیں کھولے اور تجھے اسبات کی سوجھ بوجھ پیدا ہو کہ دنیا و مافیہا میں یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ؟ میری ذمہ داریاں اسمیں کیا کیا ہیں ۔ اور ان سب کیطرف سے آنکھیں میچے رکھنے پر میرا کیا حشر ہونا ہے ؟ ۔

اطراف عالم میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو رہا ہے ۔ کارخانہ قدرت بدستور جاری ہے مگر قدرت کے کرشموں نے صفحہ ہستی پر ایک ہلچل ڈال رکھی ہے ۔ انسانی اخلاق و تمدن پیہم بدل بدلکر صدیوں پیچھے ہٹ رہا ہے ۔ ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں نفسانیت اور خودغرضی کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھ رہی ہیں ۔ کیا یہ سب کچھ یونہی بلاوجہ اور بغیر کسی حکمت و مصلحت کے ہو رہا ہے ؟ حاشا و کلا ۔ مگر آہ کتنے ہیں جو آسمان کے تیور پہچانتے اور ان انقلابات کی کُنہ جانتے ہوں ۔ جاننا کیسا ۔ انکی پرواہی نہیں کرتے ۔ واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔ ۔

احمد حسین مرادآبادی

جنت کی ڈاک

رات ہے۔ اندھیرا ہے۔ میدان ہے سنسان ہے۔ باغ ہے بیچراغ ہے۔ چراغ بے نور ہے۔ اہل ہوش ہیں۔ خود فراموش ہیں۔

افسردہ اور داغ بدل چاند ستاروں سے کہہ رہا ہے۔ اے نورانی بچو! اے نیلگوں گہوارے کی جھولنے والی مستیو! اے بلند فضا کے بچنے والے جگنوؤں آنکھیں کھولو زیادہ پاؤں نہ پھیلاؤ۔ چند گھڑی کے مہمان ہو۔ تم چراغ سحری ہو۔ میں آفتاب لب بام ہوں۔

افق مشرق سے ادھر آفتاب نکلا۔ پھر کچھ نہیں۔ ہم ہیں نہ تم نہ انجمن ہے نہ شمع ہے نہ نور ہے نہ ظہور ہے۔

چنداں بود کرشمۂ نازِ سہی قداں کایں بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

الٰہی خیر۔ آندھی آئی اُفوہ بڑے زور کی آندھی۔ بادل گرجے۔ بجلیاں چمکیں موسلا دھار بارش ہوئی۔ کڑکڑ کڑ۔ کہیں بجلی گری۔ ایک جھونپڑے میں دو چھوٹے چھوٹے بچے سوتے سے اُچھل پڑے۔ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ ان میں ایک تو چلا چلا کر ماں کو پکارتا ہے مگر جو اس سے بھی کم عمر ہے۔ گھبرا گھبرا کر دوسرے کی صورت دیکھتا اور منہ بنا بنا کر بسورتا ہے۔

ان بچوں کے پاس ہی ایک بڑھیا عورت سو رہی تھی۔ وہ بیچاری بھی آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ بچوں کو گود میں لیکر لگی سمجھانے۔ مگر بچے ہیں کہ رو رو کر اپنی جان ہلکان کیے دیتے ہیں۔ اماں اماں کہکر چیختے ہیں۔ مگر ماں ہے کہ جواب نہیں دیتی۔ بچوں کے بلکنے پر اسکا دل نہیں پسیجتا۔ شاید گھر میں نہیں ہے۔ کہیں مہمان گئی ہوگی۔

مگر اتنے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر کوئی ماں کہیں مہمان نہیں جا سکتی۔ اب روتے روتے بچوں کو پورا ایک گھنٹہ گزر چکا۔ بڑھیا لاکھ سمجھاتی ہے مگر ان کا رونا نہیں تھمتا

رٹ لگی ہوئی ہے کہ اماں کو بلادو۔ امی جان کہاں گئیں؟ اماں! اماں! کون جواب دے؟ کوئی ہو تو بولے؟

تین دن ہوئے فالج کی شکایت سے ماں کا انتقال ہوگیا۔ دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو بڑھیا نانی کے حوالے کرکے چل بسیں۔ باپ ماں سے ایک مہینہ پہلے ہی رخصت ہوگیا۔ اب یتیموں کا اللہ بیلی۔ ان میں ایک بچے کی عمر تین برس ہے۔ دوسرے کی چار برس۔ آج رات کے ہولناک واقعہ نے تین دن کی مردہ ماں کی یاد تازہ کردی۔ بڑھیا ہر چند چاہتی ہے کہ بچے کسی طرح سوجائیں۔ ماں کی یاد بھول جائیں۔ گلے سے لگاتی ہے۔ پیار کرتی ہے۔ سمجھاتی ہے۔ مناتی ہے۔ کبھی کہتی ہے کہ تمہاری ماں مہمان گئی ہیں۔ کل صبح تک ضرور آجائیں گی کبھی کہتی ہے۔ تمہارے لیے کھلونے لینے مینا بازار گئی ہیں بس اب ملاقی ہونگی۔ لو پیارو سوجاؤ۔ صبح ماں سے مل لینا۔ یہ کہکر خود بھی چپکے چپکے روتی جاتی ہے۔ بچے سنبھلتے نہیں۔ سنبھلیں کیونکر؟ تسکین ہو تو کس طرح۔ بڑھیا کی گفتگو میں کوئی بھی تو حرف صداقت ہوتا۔ ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

بڑھیا کو سمجھاتے سمجھاتے۔ بچوں کو روتے روتے صبح ہوگئی۔ نہ خود سوئے نہ بڑھیا کو سونے دیا۔ صبح ہوتے ہی بڑا بچہ بکنے لگا۔ نانی اماں! تم نے کہا تھا کہ اماں صبح کو ضرور آجائیں گی۔ لیجئے اب تو صبح بھی ہوگئی۔ اب اماں کب آئیں گی۔ اتنا کہہ کر نہایت بیصبری سے جوابکے انتظار میں بڑھیا کی صورت دیکھنے لگا۔

بڑھیا۔ بیٹا! اب کچھ اور باتیں کرو۔ ماں کی یاد دل بہلادو۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایسی جگہ گئی ہیں کہ پھر واپس نہیں آسکتیں۔

بچہ (نہایت گھبراہٹ کے ساتھ) یہ کیوں!۔ اچھا وہ نہ آئیں کیا ہم کو بھی نہیں بلاسکتیں؟

بڑھیا (آہستہ سے) خدا نہ کرے (زور سے) ماں جب انکو اجازت ہوگی تو

تم کو بھی بُلالیں گی ۔

بچہ ۔ آخر اماں ایسی کہاں گئیں جو واپس آنے میں اسقدر بے بس ہیں ۔

بڑھیا ۔ اللہ میاں کے پاس جنت میں ۔

بچہ ۔ جنت کیا ہوتی ہے ؟

بڑھیا ۔ جنت ایک باغ ہے جسکو اللہ میاں نے اپنے نیک بندوں کے لیئے آسمان پر بنایا ہے ۔

بچہ ۔ اچھا ہم اپنی ماں کو ایک خط کیوں نہ بھیجیں ۔ شاید ہماری حالت پر رحم کرکے اللہ میاں سے ہمارے پاس آنے کی اجازت لے سکیں یا ہمیں کو بلوالیں ۔

بڑھیا بھیجو گے کس کے ہاتھ ۔

بچہ ۔ جس طرح اور سب خط بھیجتے ہیں ۔ اسی طرح اسکو بھی ڈاک خانہ میں ڈال آئینگے ۔

بڑھیا ۔ وہاں ڈاک کے ذریعہ کوئی خط نہیں جاسکتا ۔ کوئی ڈاکیہ وہاں تک خط نہیں پہنچا سکتا ۔

بچہ ۔ اچھا تو ہم اپنا خط اپنے کبوتر کے گلے میں کیوں نہ باندھ دیں ۔ اسکو تو کوئی نہیں روکے گا ۔ وہ سیدھا ہمارا خط لیکر اڑتا ہوا جنت کی دیوار پر جا بیٹھے گا امی جان اپنا کبوتر پہچان کر اسکے گلے سے ضرور خط کھول لیں گی ۔

امی جان کہتی تھیں کہ پرانے زمانہ میں دور دراز ملکوں میں کبوتر ہی خط پہنچایا کرتے تھے ۔ اتنا کہکر بڑھیا کے جواب کا انتظار کیئے بغیر بڑا بچہ بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا اور قلم دوات لیکر شکستہ حرفوں میں اپنی شکستہ حالی کا دُکھڑا اس طرح لکھا

نظم

اپنے بچوں کو اماں سنبھالو　　خاک پر لوٹتے میں اُٹھالو
تم جہاں ہو ہمیں بھی بُلالو　　اپنے زانو پہ دم بھر سُلالو
پیاری اماں گلے سے لگالو

خاک پہ ہم گریں تم اٹھالو پھر بگڑ جائیں ہم تم منالو
ہم یتیموں کے دلکی دعا لو پیار سے ہاں ذرا پھر بلالو
پیاری اماں گلے سے لگالو

شام غم کی بھی ہے کچھ سحر ہے؟ آہ مظلوم میں بھی اثر ہے؟
بیکسوں پر بھی اماں نظر ہے؟ ہم یتیموں کی کچھ بھی خبر ہے؟
پیاری اماں گلے سے لگالو

اٹھ گیا جب تمہارا سہارا کون ہے اب جہاں میں ہمارا
رو گئے ننھے دل پارا پارا ضبط کا اب نہیں ہم میں یارا
پیاری اماں گلے سے لگالو

اک نظر آنکھوں سے کب تک رواں ہو؟ چشم مشتاق سے کیوں نہاں ہو؟
دے دو آواز اماں کہاں ہو؟ اپنے بچوں پہ گر مہرباں ہو؟
پیاری اماں گلے سے لگالو

ہم نے گر دل دکھایا ہے تمہارا عفو کر دیجئے گا خدارا
آہ کوئی نہیں اب ہمارا اپنے بچوں سے کب تک کنارا
پیاری اماں گلے سے لگالو

رات بجلی نے تڑپا کے مارا رہ گئے ڈھونڈتے ہم سہارا
دل پسیجا نہ اماں تمہارا لاکھ رو رو کے ہم نے پکارا
پیاری اماں گلے سے لگالو

ادھ موئے ہو رہے ہیں تعب سے ہوش اڑنے لگے ہیں بجلی نے شب سے
ننھی جانیں تڑپتی ہیں تب سے ماتھ پھیلائے ہیں ہم نے کب سے
پیاری اماں گلے سے لگالو

باندھ کر نامہ شوق یکسر آج ہم بھیجتے ہیں کبوتر
جلد تر دو جواب اسکا مادر! آخری عرض ہے یہ مکرر
پیاری اماں گلے سے لگالو

خط تمام کرکے چھجے میں لگے ہوئے گھڑے کے سر سے صمنک ہٹائی۔ اس میں سے کبوتر نکال گلے میں خط باندھکر قبلہ رخ اڑادیا اور دونوں بچے یاس و حسرت بھری نگاہوں سے یہ شعر پڑھتے ہوئے۔

Fly away birdie to heaven
Find our dear Mamma there

(ترجمہ)
لے اے پرند راہِ باغِ جناں خدارا
تو ہی ہماری ماں کو پہنچادے خط ہمارا

اُسوقت تک دیکھتے رہے جبتک وہ نظروں سے غائب نہیں ہوگیا۔

امجد حیدرآبادی

ایڈیٹر صاحب نظام المشائخ

اسلام علیکم۔ آپکے رسالہ نظام المشائخ بابت ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ ہجری میں میرا مضمون "ایک کیڑے کی خندق" کے عنوان سے چھپا ہے۔ اُسمیں صفحہ ۱۵ پر لفظ "کیپ" غلط لکھا گیا ہے جسکی تکیف لکھا تھا جس کی اصل غالباً قیف ہے۔
نیز اسی مضمون کے صفحہ ۱۹ پر لفظ بہتائی ہوئی غلط ہے اصل میں پہنپنائی ہوئی ہے اسکی اصلاح شائع کردیجئے۔

حسن نظامی

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD

حمد و نعت

(۱)

ہر لب پر ہے چرچا تیرا ہر سر میں ہے سودا تیرا
جلوہ ذرہ ذرہ تیرا قبضہ چپہ چپہ تیرا
عرش سے لیکر فرش تلک ہے شاہی تیری قبضہ تیرا
واجب و یکتا ذات ہے تیری کوئی نہیں ہے ہمتا تیرا
خاک نہ سلجھا فلسفیوں سے لاینحل ہے معما تیرا
کس کا تو معبود نہیں ہے کون نہیں ہے بندہ تیرا
جن و بشر سے سنگ و شجر تک سب پڑھتے ہیں کلمہ تیرا
باغ میں بلبل شیدا تیری دشت میں آہو جویا تیرا
جرم و گنہ ہی فطرت میری رحم و عفو ہے شیوہ تیرا

حافظ بیچارہ سے یارب
ہووے شکر ادا کیا تیرا

(۲)

کس نے ثانی دیکھا تیرا کس نے ہمسر پایا تیرا
نوع بشر میں جن و ملک میں کون ہوا ہمسر پلہ تیرا
سبحان اللہ سبحان اللہ صلی علے کیا کہنا تیرا
سب سے اعلے ذات ہے تیری سب سے ارفع رتبا تیرا
عرش سے فرش تلک جو کچھ ہے بے شبہہ ہے صدقا تیرا
بیروں تر از حد بیاں ہے عزت تیری رتبا تیرا

رات سے کالی زلفیں تیری چاند سے روشن مکھڑا تیرا
شرمندہ خورشید فلک ہو دیکھ کے رونے زیبا تیرا
شرمندہ شمشاد چمن ہے دیکھ کے قد زیبا تیرا
مرہی گئے بہزاد و مانی کھینچ نہ سکا پر نقشا تیرا
حافظ کو ہو ناز نہ کیوں کر
کہلاتا ہے شیدا تیرا

تلمیذ ارحمن حافظ امام الدین رام نگری

۵۶
حج کعبہ

ہے خدا کا لاکھ احساں کہ زمانہ حج کا آیا بصد آرزو و ارماں چلے کعبہ کو فدائی
تھا ہر ایک سر پہ سودا تھی ہر ایک دل میں خواہش کہ کسی طرح ہو آخر دربار تک رسائی
یہ گناہگار بیحد یہ سیاہ کار اجلہ بہزار شوق نکلا بہ لباس بینوائی
جو سمایا شوق ناگاہ ہوا قافلہ کے ہمراہ تھی خدا کی یاد لیکن بہ ثبات خود نمائی
وہ صعوبتیں سفر کی وہ تراکم و تلاطم وہ بھنور کہ جس میں پہنسکر نہ ہو صورت رہائی
ہوا تیس دن میں حاصل کہیں خاتمہ سفر کا کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی
وہ مکان رب کعبہ نظر آرہا ہے دیکھو یہی یار کی گلی ہے یہی در خدائی
ہوئے سب حرم میں داخل ہوئے سب سے خدا واصل چلا میں بھی ساتھ سب کے بخیال جبہہ سائی
وہیں ناگہاں کسی نے مجھے بس یہ کہکے روکا
"تو برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی"

امجد حیدرآبادی

۵۲

عیدِ قرباں سے

جو گھبراتا ہوں شامِ غم کے آثار پریشاں سے
تو یوں رو رو کے کہتا ہوں "ہلالِ عید قرباں سے"
کہ اے روشن جبیں دلدار
مجھے پاس آ کے تسکیں دے
جمالِ نازنیں دکھلے
اُتر آ چرخِ گرداں سے
ٹپکتا ہے سکوں ظالم ترے رخسارِ تاباں سے

یہ تاریکی یہ سناٹا یہ آہوں کے سیہ بادل
ارے کیوں کر نکل آیا سوادِ شامِ ہجراں سے
مگر تو سرنگوں کیوں ہے؟
نظر آتا ہی کیوں شرمندہ؟
تری حیرت فزوں کیوں ہے؟
کہ نکلا ہے خمیدہ سر
تری تصویر ملتی ہے مری تصویرِ حیراں سے

گدازِ سوزِ غم کو لب تک آنے کی کہاں فرصت
کہ اب شعلے نکلتے ہیں مرے چاکِ گریباں سے

ہوا جاتا ہوں خاکستر
مٹا جاتا ہوں دم بھر میں
مثالِ کاہِ جل جل کر،
کہ ہے تقدیر چکر میں،
کوئی درماں چھڑک دے اپنے دستِ نور افشاں سے،

ستارے آسماں پر کیوں نہ چشمک زن ہوں رہ رہ کر
انہیں تو لاگ ہے آفت زدوں کے داغِ پنہاں سے

یہ راتوں کو چمکتے ہیں،
گلِ تنویر بن بن کر،
مرے دل میں کھٹکتے ہیں،
زیانِ تیر بن بن کر،
گرا کرتے ہیں نشتر سے فضائے انجمستاں سے،

مدینہ ہیں اماں پائے گی عصیاں شعاری کو
مگر کس طرح نکلوں ہند کے تاریک زنداں سے

نہ قوت ہے نہ یارا ہے،
نہ ہے اُمید آزادی،
غمِ فرقت نے مارا ہے،

بنوں کیوں کر نہ فرمایئے ●
اعانت خواہ ہوں تیری شعاعِ بدر ساماں سے

تنِ کاہیدہ میرا اور تری کرنوں کا جھولا ہو
اڑوں اس طرح نکہت جیسے اڑتی ہے خیاباں سے
پہنچ جاؤں مدینے میں
مزہ آجائے جینے کا
دلِ بے صبر سینے میں
ندیدہ ہے مدینے کا
اگر تو لے چلے مجکو تو میں چھٹ جاؤں حرماں سے

مری یہ حسرتِ زیبا ہلالِ عید پوری کر
کہ میں تنگ آگیا ہوں اپنی امیدوں کے ہیجاں سے
خدا رکھے تجھے روشن
نگاہیں تجھپہ ہوں قرباں
مرا غمخوار و مونس بن
کہ پورا ہو مرا ارماں
مجھے لٹکا کے نیچل ضوفگن کرنوں کے داماں سے

مجھے اپنے "مجازی چاند" پر قربان ہونا ہے
پہنچانا سینۂ لازم سے پہلے عیدِ قرباں سے

سیماب اکبرآبادی
(صدیقی لاہوری اکبرآبادی)

زاہدِ شب بیدار

وقت ہے لیلائے شب کا دن گیا پہرات ہے — عالمِ ریشن سراسر پردۂ ظلمات ہے
ہے خموشی چار سو کیا بات ہے کیا بات ہے — حافظ و ناصر ہمیشہ اک خدا کی ذات ہے

مست و غافل ساری دنیا اس گھڑی ہے خواب میں
سر جھکائے بیٹھا ہے زاہد مگر محراب میں

کام ہے اسکو فقط تسبیح سے تہلیل سے — اور علومِ باطنی کی بے بہا تحصیل سے
کیسی لذت پا رہا ہے فضل کی تکمیل سے — دل کو روشن کر رہا ہے عشق کی قندیل سے

بادۂ عرفاں سے وہ سرمست ہے سرشار ہے
یہ وہ پینے والا ہے جو پی کے بھی ہشیار ہے

بادۂ عشقِ حقیقی کا چھلکتا جام ہے — نوشِ جاں زاہد کرے یہ مئے گلفام ہے
جو اسے پی لے اُسے دنیا سے پھر کیا کام ہے — ہے وہی رندِ حقیقی رند اس کا نام ہے

بادۂ عرفاں پیے انساں اگر مینوش ہو
نورِ حق آنکھوں میں پھر جائے جو وہ مدہوش ہو

بیخودی ہے کسقدر کیا لطف استغراق ہے — سامنے محراب کعبہ ہے حرم کا طاق ہے
ساغرِ جم کا دل زاہد چہ اب اطلاق ہے — آنکھیں دونوں بند ہیں پیشِ نظر آفاق ہے

ظاہر اپنا ہوا ہے وہ زمیں کے فرش پر
دل پہ اُس مردِ خدا کا ہے خدا کے عرش پر

بند کرنا آنکھ کا اس بات کی تمہید ہے — دیدۂ دل سے کسیکا اشتیاقِ دید ہے
مرشدِ کامل کی اپنے ہر طرح تقلید ہے — یہ ریاضت یا مشقت گویا اسکی عید ہے

یہ عبادت یار کی صورت اسے دکھلائیگی
لطف کا انجام ہوگا۔ یہ گلے ملوائے گی

اس طرف تسبیح پھیری ہاتھ میں گربار بار — اُس طرف اشک مسلسل کا بھی یہ ٹوٹا نہ تار
روتے روتے ہوگیا جب ہجر میں بے اختیار — یار کے اوصاف کا کرنے لگا دلمیں شمار

بیخودی کہتی ہے اب تسبیح سے کیا کام ہے
ہر نفس سے جب نکلتا یار ہی کا نام ہے

کیا مجال آجائے اسکے شغل میں کوئی خلل — یاد حق سے کیا شگفتہ ہوگیا دل کا کنول
کیا جواب اسکا ملے۔ ہی یہ مسئلے بے بدل — بیٹھکر دیکھا ہے جسپر شیخ نے حسن ازل

اہل ظاہر کہہ رہے ہیں یہ بچھا تھا فرش پر
اہل باطن کہہ رہے ہیں اڑ گیا تھا عرش پر

راہ اب بھلاتا ہے اپنے دل مہجور کو — ہر گھڑی تدنظر کہتا ہے اسکے نور کو
ڈھونڈھتا ہے پھر کسیکے جلوہ مستور کو — دیکھنے والا ہے وہ ہر دم چراغ طور کو

گوشۂ خلوت سے اٹھکر اب کدہر جائیگا وہ
دید کا لپکا پڑا ہے۔ رو کے مرجائے گا وہ

باسط بسوانی

فغان یتیم

ہے رنج و درد میں ڈوبی ہوئی فغاں میری — بھری ہی حسرت و حرماں سے داستاں میری
لہو رلاتی ہے یہ چشم خوں چکاں میری — عجیب ضیق میں ہے جان ناتواں میری

کہوں تو کس سے کہوں ماجرائے غم اپنا
سنے تو کون سنے قصۂ الم اپنا

ستم رسیدہ ہوں آوارۂ وطن ہوں میں — اسیرِ دامِ ملال و غم و محن ہوں میں
غریب و بیکس و ناچار و خستہ تن ہوں میں — ذلیل بندۂ خلاقِ ذوالمنن ہوں میں
گواہ۔ ذلت و خواری شکستہ حالی ہے
یتیم کا کوئی ہمدرد ہے نہ والی ہے

میں بے زبان ہوں کیونکر کہوں فسانۂ غم — کروں تو کس سے کروں آہ! شکوۂ عالم
مصیبتوں میں نہیں کوئی مونس و ہمدم — نہیں ہے کوئی بھی پرسانِ حال ہائے ستم
ہماری آہ میں کچھ بھی نہیں اثر افسوس
یتیم کی نہیں لیتا کوئی خبر افسوس

نڈھال ہو گیا فاقوں سے میرا جسمِ نزار — نہ چین دن کو میسر نہ رات کو ہے قرار
پڑا ہوں بسترِ غم پر میں صورتِ بیمار — دکھاؤں آہ! کسے داغِ سینۂ افگار
نہ ہونے نے نہ شفیقے نہ ہمدمے دارم
زدردِ دل بہ کہ گویم عجب غمے دارم

عجیب ڈھنگ ہے رنگِ چرخِ مینائی — کہ بیکسی کی ہے چاروں طرف گھٹا چھائی
ہزار حیف ہے خلقِ خدا تماشائی — کوئی نظر نہیں آتا وفا کا شیدائی
وہ بے وفا ہے جسے وفا کی تھی امید
چھپا ہے ابرِ سیہ میں خلوص کا خورشید

خبر لو جلد کہاں تک میں رنج و غم کھاؤں — کسے کسے میں یتیمی کے داغ دکھلاؤں
تمہارے تحفۂ اخوت کا کچھ تو بھید پاؤں — کہیں غیر کے ہاتھوں میں مفت بک جاؤں
مدد کا وقت ہے اے ہاشمی مسلمانو
ستم زدوں پہ خدارا کرم مسلمانو

شہیدِ گردشِ لیل و نہار ہم بھی ہیں — خزاں رسیدہ گلِ نوبہار ہم بھی ہیں

نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں تمہاری قوم کی اک یادگار ہم بھی ہیں

جگر کو تھام لو دل سوز ہے فغانِ یتیم
سُنا رہا ہے تمہیں اوج داستانِ یتیم

اوج گیاوی

آئینہ

جلوۂ حُسن پہ جو مرتا ہے الفت آئینہ رو سے کرتا ہے
مگر آئینہ رو کو آئینہ زینت و زیب کا ہے گنجینہ
آئینے کو یہ پیار کرتا ہے پیار بھی بار بار کرتا ہے
آئینے کا ہے سامنا پہروں زلف کا ہے سنوارنا پہروں
دل، یہ کہتا ہے صورت اچھی ہے شاہد آئینہ۔ بات سچی ہے
دیکھتا ہے کبھی خم ابرو تیر مژگاں کبھی۔ کبھی گیسو
سرخیٔ پاں کو دیکھتا ہے کبھی خط و خال کو دیکھتا ہے کبھی
گوش و بینی پہ ہو نظر ہر بار ہے تجلی حُسن کو ہر بار
مائل اُس پر اگر طبیعت ہو جیسی صورت ہو ویسی سیرت ہو
حُسن کی پھر بہار ہو دونی زینتِ حُسن میں ہو افزونی
آدمی کیا۔ فرشتہ قائل ہو کیا پری۔ حورِ خلد مائل ہو
اے بشر! جاہ و مال پہ نہ اکڑ اپنے حُسن و جمال پر نہ اکڑ
دیکھکر آئینہ نہ بن خود بیں آدمیت کا یہ نہیں آئیں
ہو اگر آئینے کی مجھ کو چاہ آئینہ آگے تیرے ہو اک چاہ
کر بشر شکرِ نعمتِ یزداں کہ بنایا گیا ہے تو انساں

ناک، آنکھ اور کان سب ہیں درست ہاتھ اور پاؤں بھی ہیں کام میں چست

اے بشر! غور کر تو انساں ہے کیسا خالق کا تجھ پہ احساں ہے

آنکھ دی آنکھ میں دی بینائی دی زباں اور زباں میں گویائی

جان دی کیسی یہ عنایت ہے عقل دی کیسی یہ کرامت ہے

تیری صورت ہو زشت اگر انساں آئینہ دیکھ کر نہ ہو حیراں

صورت اچھی تو ہو نہیں سکتی گو اٹھائے تو کیسی ہی سختی

سعی کر۔ تاکہ اچھی سیرت ہو آدمی ہے تو آدمیت ہو

تجھ میں پیدا ہو خلق کا جوہر نہیں امکان سے ترے باہر

تیری اچھی نہیں اگر سیرت کام کیا آئے ظاہری صورت

بیش قیمت اگر ترا ہو لباس کیا تری عزت اہل عقل کے پاس

گو پہن لے تو جامۂ دیبا آئینہ دیکھ کر نہ ہو زیبا

تجھ سے کہدیگا صاف آئینہ پہلے اپنا تو صاف کر سینہ

کچھ سمجھ میں تری اگر آئے عقل پھر راہ راست پر لائے

عقل سے کچھ تو کام لے انساں آئینہ دیکھ کر نہ ہو حیراں

آئینہ اتنا کام آتا ہے تیری صورت تجھے دکھاتا ہے

کوئی مطلوب ہو اگر تیرا آئینے میں نظر نہ آئے گا

قلب تیرا بنے گر آئینہ حال دنیا ہو تجھ پہ آئینہ

دیکھ لے اسمیں صورت مطلوب نظر آئے گی طلعت محبوب

نفس امارہ کو نہ کر غالب اپنا دل آئینہ بنا طالب!

بس یہی قلب۔ جام ہے جم کا ہے سکندر کے آئینے سے سوا

جوہر انساں کا نیک سیرت ہے یہی انسان کی شرافت ہے

ہم کو لیکن اسی سے غفلت ہے — ہائے کیسی ہماری نکبت ہے
سب نمایش کا کام کرتے ہیں — زینتِ ظاہری پہ مرتے ہیں
حُسنِ باطن کا کچھ خیال نہیں — دین بگڑے تو کچھ ملال نہیں
ہوئے دنیا کے اور نہ دیں کے ہم — نہ رہے حیف ہی کہیں کے ہم
اے خدا! سب ہیں تیری ہی بندے — سب کو توفیقِ نیک تو ہی دے
تجھ سے ہر دم ذہین کی ہے دعا — فضل اُس پر بھی کر خداوندا!

ذہین۔ حیدرآبادی

غزل فارسی

از جناب ابوالحکم عبدالقادر صاحب رضا سہارنپوری

دائم از صہبائے عشقِ کبریا مستانہ باش — ہر دم از سودائے زلفِ مصطفےٰ دیوانہ باش
یار خود در دل بنہ در دشتِ یار خانہ باش — جانِ خود آباد کن در شہرِ یار ویرانہ باش
بندِ عشقش را بدست آر و آزادانہ باش — بندۂ شاہے شو و بر ماسوا شاہانہ باش
با وجودِ حق شہودِ غیر را باطل شمار — خواہشِ مطلوب جوئی از خودی بیگانہ باش
دستِ رد زن اے جواں بر جملہ دنیا و دل — چوں زناں غافل مشو در راہِ حق مردانہ باش
خواہ ہر سوئے تو گردد مظہرِ کشف و شہود — در دعا صد زباں پیوستہ ہمچو شانہ باش
کن تبکیرِ ریاضت پست غولِ نفس را — روبہی بگذار ہاں مردِ جری شیرانہ باش
در رہِ آں لم یزل باید نہ بر جائے قیام — کن تمکن در ترقی طالبا یک جانہ باش
بے عملہائے تو امید جنت باطل ست — کن ندامت پیشتر و انگہ بفکر و انہ باش
باعثِ تسکیں پئے جانِ رضا دیدارِ تست — اے بقربانت روم یکدم صبا از آستانہ باش

تمت

یارانِ نظام المشائخ

(۱) جناب سید حسام الدین صاحب گیلانی کے تین روپوں میں سے نظام المشائخ عہ والا
علی احمد صاحب طالب علم ہمیر پور کے نام مفت جاری کر دیا گیا ۔
(۲) عبد العزیز صاحب نظامی راولپنڈی کے بدلہ میں منشی محمد میاں خانصاحب سفرنی
امراوتی کے نام نظام المشائخ مفت جاری کر دیا گیا ۔

جن حضرات نے توسیع اشاعت میں سعی کی اُن کے اسمائے گرامی بتفصیل یہ ہیں ۔

جناب محمد اکرام حسین صاحب سنگاریڈی نے جناب محمد اعظم صاحب ٹریژری اسسٹنٹ مظفر نگر
جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب قادری جالنہ نے جناب محمد حسین الدین جالنہ کو
جناب عبد اللطیف خانصاحب بھوپال نے جناب محمد لعل صاحب عرف لالہ خاکروب بھوپال کو
جناب حکیم محمد چراغ صاحب لاہور نے جناب عبد الغفور صاحب لاہور کو
جناب پیرزادہ جیون بخش صاحب بابا لائل پور نے مسٹر نور الٰہی صاحب گوجرہ کو
جناب شیخ بشیر احمد صاحب قلعہ شنکر گڈھ نے جناب بابو گل محمد صاحب شنکر گڈھ کو
جناب داؤد بھائی عبد الکریم صاحب بمبئی نے جناب ملا رحمت علی صاحب رکیپ روڈ بمبئی کو
جناب مولانا مولوی سید ابو محمد اسرائیل صاحب نے جناب سید عبد القادر صاحب
بمبئی کو خریدار بنایا ۔

جو خود خریدار ہوئے

جناب حکیم محمد شمس الدین خاں صاحب ڈرائنگ ماسٹر گلبرگہ شریف
جناب شیخ عبد الرشید صاحب کنک

جناب شیخ وزیر صاحب جلگاؤں

جناب مقصود احمد صاحب کورہ

جناب عباس خاں صاحب راز مقام وہولیہ

جناب قادر محی الدین صاحب سنڈا منگلم

جناب آنریری سکرٹری صاحب مجمع الاحباب رنگون۔

جناب محمد یونس صاحب حسینی بریلی

جناب فتح محمد صاحب پٹواری نہر حلقہ گڑھ

جناب محمد عبدالرحیم صاحب سب انسپکٹر پولیس تعلقہ بست نگر۔

جناب حاجی سعداللہ صاحب موضع جبی

جناب یاور حسین صاحب سکرٹری مسلم لائبریری فیروزپور ضلع آگرہ

جناب سید احمد علی صاحب وکیل بیدر دکن

جناب محمد سردار صاحب جمعدار رسالہ نمبر ۱ لکھنؤ

جناب منشی ابوالقہر محمد مبارک حسین صاحب لہرپایہ اے

جناب فرخ حسین صاحب گنیدر متوہ

جناب سید عبدالحسین صاحب میرج

جناب محمد امین صاحب موضع رمضان پور

جناب سید محمد ادریس صاحب سب انسپکٹر پولیس جھجھ

جناب ایم عبدالصمد صاحب مدرس ویراجنداپٹ

جناب نواب محمد زین العابدین صاحب فاروقی۔ حیدرآباد دکن

جناب عبدالعزیز صاحب موضع چیلنیاں

جناب عمرالدین صاحب پرے والے۔ جناب ڈاکٹر عثمان نواز جنگ صاحب حیدرآباد دکن

تمت

نظام المشائخ ایجنسی دہلی کی کتابیں

تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی		تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی	
میلاد نامہ مع رسول بیتی	ایکروپیہ	بھاگ بیتی	چھ آنے
محرم نامہ	بارہ آنے	کرشن بیتی	دو روپے
روزنامہ سفر مصر و شام و حجاز با تصویر	تین روپے	مجموعہ خطوط خواجہ صاحب	بارہ آنے
,, ,, ,, ,, بے تصویر	ڈیڑھ روپیہ	بچوں کی کہانیاں	چھ آنے
سی پارہ دل مجموعہ مضامین خواجہ صاحب	ڈیڑھ روپیہ	جرمن نامہ	تین آنے
کم نوعمر	ایکروپیہ	فرانسیسی درویش	تین آنے
انتخاب توحید	ایکروپیہ	شیخ سنوسی	پانچ آنے
بچوں کی تعلیم	بارہ آنے	رسول کی بیعت	دو آنے
چٹکیاں گدگدیاں	آٹھ آنے	فلسفہ شہادت	دو آنے
تسخیر مہر و قہر	آٹھ آنے	**تصنیفات علامہ راشد الخیری**	
اردو دعائیں	چھ آنے	شام زندگی	ایکروپیہ
اتالیقی خطوط نویسی (مکمل)	دس آنے	ایام الصبا	بارہ آنے
روزنامچہ ہفتہ	آٹھ آنے	سات بہنوں کے اکلوتے بھائی	چھ آنے
اسلام کا انتظام	چار آنے	**متفرقات**	
اسرار	چار آنے	مشاہیر یونان و روما (ترجمہ انگریزی)	
پورا میگزین	بارہ آنے	اورنگ زیب عالمگیر (انگریزی)	

سب مولانا کی تصنیف ہیں تین کتابیں اور جلد مل سکتی ہیں جن کا نام نشان نہیں ہے ان کی فرمائش نہ کی جائے کیونکہ ان کا اب کہیں نام و نشان باقی نہیں سارا مال صاف ہو چکا ہے اور مصنف اب تصنیف و تالیف میں وہ مزہ کہاں سے لائیں گے اور نہ ہی ہمت کہ دوبارہ اس کام میں مشغول ہوں

متفرقات	قیمت علاوہ محصول	متفرقات	قیمت
کلیہ اخبار بینی (از مسٹر برنی بی اے)	دس آنے	داتا گنج بخش (منشی محمد الدین فوق)	ایک روپیہ
جذبات بھاشا (از مولانا نیاز فتحپوری)	بارہ آنے	زیر عشق (از شاد اکبرآبادی)	چار آنے
مقدمات الطبیعیات (از مرزا کوکب)	ڈیڑھ روپیہ	حالات خضر (ملا واحدی)	ڈیڑھ آنہ
ایپرونی (از پروفیسر برنی بی اے)	ایک روپیہ	اڈیٹر کا خنجر (مولوی ظفر علی خاں)	دو آنے
خلافت اندلس مکمل (از نواب ذوالقدر جنگ بہادر)	چار روپے	حیات مولانا سید احمد بریلوی	دو روپے
دریائے لطافت (انشاء)	ڈیڑھ روپیہ	حیات مولانا روم	بارہ آنے
فلسفہ اجتماع (مسٹر عبدالماجد بی اے)	ایک روپیہ	حیات حضرت رابعہ بصری	چار آنے
فلسفہ جذبات (" ")	ایک روپیہ	حیات امام مالک	تین آنے
انتخاب نظام المشائخ (ملا واحدی)	بارہ آنے	حیات امام مسلم	چار آنے
پندرہ سو بعد کیا ہوگا (مولوی محفوظ علی بی اے)	ڈیڑھ آنہ	الوارث	آٹھ آنے
دلی کی عید پیر بادشاہ (استان گو)	ایک آنہ	ابراہیم ادہم	آٹھ آنے
شکوہ (ڈاکٹر اقبال)	دو آنے	دانع دہلوی	چھ آنے
العائلہ (حکیم غلام غوث)	چھ آنے	میلاد النبی	چھ آنے
وجدانی نشتر (منشی محمد الدین فوق)	عمر	تاریخ جواہر	تین آنے
		عطر گل ۴ عدد برائے صحت راحت ۳	

ہر درد کی دوا

ضم گٹھیا کے درد بیلی کے درد اعصاب کی ہر قسم کی تکلیف وباء دغیرہ کی بہترین دوا ہے۔ سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب اس کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں

حضرت خواجہ حسن نظامی ہم احسان احسان کمپنی دہلی کی تاسیس کو ان کی جملہ اقسام کی انگریزی ادویات فروخت ہوتی ہیں جس نے ایک خاص کی سرائے مرہم تیار کیا ہے جسکا نام ضم ہے اس کی ایک شیشی میرے پاس آزمائے اور رائے لکھنے کو بھیجی گئی تھی اشتہار میں اس کی بہت سی صفات درج تھیں اور لکھا تھا کہ وہ ہر قسم کے درد کو مفید ہے۔ اتفاق کی بات دو سے دن ایک بیضہ آیا جس کے دونوں گھٹنوں میں ورم اور درد تھا اور تکلیف ایسی سخت تھی کہ بیچاری کو کسی پہلو قرار نہ تھا میں نے ضم گھٹنوں پر ملوائی اور آگ سے سینک کر روڑ بند ہوا دیا۔ تھوڑی دیر میں کمی ہوئی۔ سوجن اترگئی اور پھر تین دن کے بعد مریضہ بالکل اچھی ہوگئی اس تجربہ کی بنا پر مجکو یقین ہے کہ ضم کی مشتہرہ صفات میں ضرور صداقت ہے۔ حسن نظامی

ضم کی چھوٹی شیشی کی قیمت ۱؎، بڑی شیشی کی قیمت ۲؎ علاوہ محصول

احسان احسان کمپنی چاندنی چوک دہلی سے منگائیے

عالم پاک کی خاک

چٹکی میں میٹے بیمار

چند روز سے ایک اشتہار ان صفحات پر خاک کی چٹکی کے عنوان سے چھپ رہا ہے لوگوں نے سمجھا ہوگا کہ یہ بھی اشتہاری بدعت ہے مگر مومن لوگوں نے اس کو منگوایا اور استعمال کیا انکی تعریفوں نے ڈاک بٹھا رکھی ہے حقیقت حیران ہے کہ اس بے اثری کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو خاک کی چٹکی میں مدتوں کے درد دکھ دور کر سکتے ہیں۔ اطلاعوں سے پایا جاتا ہے کہ اس چٹکی نے برسوں کے قبض کو دور کر دیا ہے اداس چہرے مسکرا دیے ٹوٹی ہوئی ہمتیں بلند و بالا کر دیں موذی مرض جریان نے جن لوگوں کو زندہ درگور کر رکھا تھا اب وہ پھر بدن میں نئے عزم کے ولولے اور جذبے پاتے ہیں اس گفن سے خدا نے اُن کو نجات دی معدے کے سدا بیمار لکھتے ہیں کہ ہزاروں چورن کھائے نمک استعمال کیے رات کا کھانا چھوڑا مگر خاک فائدہ نہیں ہوا بمجبت معدہ کے ہاتھوں کہاں تک مزہ بھی جاتا رہا لیکن اس چٹکی نے مسیحا کا کام دیا سات دن کے اندر بھوک کا یہ عالم ہو گیا کہ چار چار دفعہ رات دن میں کھاتے ہیں اور سب ہضم ہو جاتا ہے روکھی سوکھی روٹی پر اگور مہ کا مزا دیتی ہے جگر کے مریض لکھتے ہیں کہ خدا دراز دشمنوں کا یرقان کے منہ سے نکال لیا۔ جگر نے زندگی خراب کر رکھی تھی بدن میں خون کا نام نہ رہا تھا جو کھاتے تھے انگ نہیں لگتا تھا خبر نہیں کہاں غائب ہو جاتا تھا جو کچھ صورت دیکھتا رہتا کہ میاں حال ہے خیر تو ہے تمہاری تو دن بدن حالت ہی خراب ہوتی جاتی ہے جب سے اس چٹکی کو استعمال کیا ہے ہاتھ پاؤں میں سیبی اور پرانی آنکھ چہرہ پر سرخی آگئی ہے ہم تو ایسی اکسیر کا دوا می استعمال رکھیں گے ان سب تعریفوں اور کامیابیوں کو معلوم کر کے ہم نے خدا کو لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ یہ سب اسی کی کارسازیاں ہیں بندہ ہر حال میں بندہ ہے اس نے اپنی قدرت سے دکھا دیا کہ ولایت والے جن دواؤں کی مٹھیاں بھر بھر کر روپیہ لیتے ہیں ہندوستان میں خدا کے بندے چند پیسوں میں ان سے بڑھکر دوا دیتے ہیں آج کو اگر یہ کہہ دیں کہ ہم موتی تولا لاکھوں روپیہ کی دوا کو اپنے ہاتھ سے تیار کرتا ہے تو عام مخلوق کے نزدیک کیسے قابل اعتبار ہو مگر ہم فروخت کرتے ہیں تو اس دوا میں اس سے زیادہ تاثیر ہے جو کہا ہے بھی مراد کی ہے ان سب لوگوں کے ہمیشہ سے استعمال میں رکھنے کا ارادہ کیا ہے انکو یقینی فائدہ۔ آٹھ دن کی دوا عمر میں ضرور جاتی ہے دنیا کی عمر میں

المشتہر منیجر رسالہ نظام المشائخ و خطیب دہلی

میاں پوت

نئی روشنی کے نئے بہوت ہیں مگر دیکھنے میں میاں پوت ہیں

بالکل اچھوتا انوکھا۔ اخلاقی۔ ظریفانہ ناول پڑھیے اور ہنستے ہنستے لوٹ جائیے پسند ہونے کے میاں پوت خود ذمہ دار ہیں ۲۰۰ صفحات پر کمیت صرف ۴ ر برسات کا تازیانہ تین دلچسپ اور معقول نظموں پر کماں، ساون اور ریا مجموعہ کا مجموعہ قیمت ارتہ ذیل ہر مصنف سے طلب کیجیے

ماسٹر باسط بسوانی بسواں ضلع سیتاپور (اودھ)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہاتھ کا لکھا ہوا اور مرشدہ خط جو آپ نے حضرت ساوی بن مسند کے نام لکھا تھا اور جسے بیحد تحقیق کے ساتھ اصلی شان میں تلاش کیا گیا۔

"ارشاد احمد"

میں موجود ہے۔ علاوہ اس خط کے اس کتاب میں جناب رسول کریم کے وہ تمام اقوال جنکا تعلق روزانہ زندگی سے ہے بعبارت عربی درج ہیں اور اُن کا ترجمہ نظم اُن کے نیچے لکھا ہوا ہے۔

مولفہ

ابوالمفخر جناب مولانا سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی

قیمت فی کتاب ۳ر محصول ۲ جلدوں تک ۲ر ۵ کتابوں کی قیمت مع محصول صرف ۱۰ لی جائے گی جلد طلب فرمایئے ورنہ اس نایاب متبرک تحفے سے محروم رہنا پڑیگا۔

وارثی اینڈ سنس کیسہ پائے آگرہ

سنہ ۱۹۱۷ کی آخری یادگار

سوگواریری

بالکل نیا اور منفرد طریقہ سوگ تاول نئی طرز سے چھاپا گیا ہے ہمدردوں کے لیے مراسم اور حسن و ذوق سے بیحد کہتے والوں کے لیے دردول ہر پسند نہ آئے تو ہمارا ذمہ قیمت فی جلد ۸ر ہر ذوق جلد ۔ پچھتاوے ۔ عروس ماتم ۔ عاشقانہ خطوط ۔ فریب وفا یہ تمام کتابیں ۔ ۳ر روانگی تک تحفہ قیمت پر روانہ جائیں گی ۔ اگر اب بھی آپ ان سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ہمارا کچھ قصور نہیں۔

منیجر نظامیہ پریس بکسبی منڈوی جہام آگرہ

فبشر الذین آمنو

اللہ جل شانہ کے کرم خاص سے دنیا میں پہلی مثال کی منظوم ترجمہ کلام اللہ شریف پارہ اول جس میں مسلمانوں کا قدیم ترجمہ مشرحی لی متن کے تحت میں شامل ہو بصدقہ جہور اہل اسلام کا اکابر علمائے کرام مترجمہ افسر الشعرا حضرت آغا شاعر صاحب دہلوی چھپکر شائع ہوگیا ہے اگر آپ اپنے مذہب کی حقانیت قانون الہی کی واجب التعمیل والتعظیم صداقت اور آسمانی ہدایت کو نہایت فصیح آسان اور دلکش لفظوں میں دیکھنا ہو تو ایک پارہ منگا لیں ورنہ طبع ثانی کا انتظار سخت ناگوار ہوگا صرف ۵۰۰ کاپیاں باقی ہیں سو میں سے ایک کرانقدر تصدیق از خامہ مقدس مآب مولینا حسن نظامی دہلوی

"آج جناب آغا شاعر صاحب نے ایک عجیب و غریب چیز مسائی یعنی قرآن پاک کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے نہایت شیریں اور موثر فقرے ہیں درحقیقت جناب آغا کو جو عبور زبان اردو پر ہے اس کی بنا پر یہ شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ منظوم ترجمہ اردو زبان میں سب سے پہلا اور بےمثل ترجمہ ہوگا۔ مسلمانوں کے بچے خاص کر لڑکیاں اور عجوبی ہر کے اوراد و مطالب قرآنی کے حفظ کرنے میں آسانی حاصل کریں گے حسن نظامی"

مکمل چھپائی و کاغذ نہایت عمدہ خوبصورت و نظر فریب ہے بدیں صرف یکروپیہ فی پارہ تین پاروں کے خریدار کو محصول معاف

سول ایجنٹ خلیفہ محمد سالم اینڈ کو کمارٹھی کالکا شملہ ریلوے۔

نگاہ بد سے کرتا ہے ان کی حفاظت جن کے چہرے پر ہے جہاں میں
خوبصورت آرام دہ اور زمانے کے حسب حال
ہونے کے علاوہ پردہ کا پورا ضامن ہے ہر ایک حصہ کا مکمل پردہ کرتا ہے خوبی یہ ہے کہ پردہ کے وقت پردہ نشین دیکھ سکتی ہے مگر غیر مرد نہیں دیکھ سکتا قیمت فی عدد صرف
پتہ خاتون اسٹور زچاندنی چوک نزد دہلی

میں خوبصورت نوجوان لیڈی ہوں

اور ایک نہایت خوش رو نوجوان سے شادی کرنا چاہتی ہوں

رنگ کے چھپیلے حسن کے دلدادہ نوجوانو خبردار رہو جاؤ

حسن و خوبصورتی پیدا کرنے والا چہرہ کی رنگت سفید چمکدار کرنیوالا

پری جمال صابون

جو ایک خاندانی طبیب کی ایجاد ہے جسنے اپنے مفید ہونیکی وجہ سے دنیا بھر میں نام پیدا کرلیا ہے فوراً منگا کر استعمال کرو یہ صابون تازہ تازہ خوشبوؤں سے تیار کیا جاتا ہے کالا رنگ کھلایا ہوا چہرہ صرف سات روز میں گلاب کی پتی کی مانند خوبصورت اور مخمل کی طرح ملائم ہو جاتا ہے مہاسے دور کرتا ہے فی بچس میں مکمل مع صابن دانی

روغن پری بہار گیسو دراز

یہ سر میں لگانیکا خوشبودار پر بہار تیل بالوں کو خوشنما بناتا ہے خشکی منع کرتا ہے بالوں میں نرمی چمک چمکیلے انتہا پیدا کرتا ہے۔ بال لمبے اور ریشم کی طرح ملائم ہو جاتے ہیں اس کی بھینی بھینی خوشبو سے دماغ معطر رہتا ہے بہت نفیس شیشی دس تولہ ایک روپیہ (صہ)

حکیم محمد یعقوب خاں مالک دواخانہ نورتن دہلی بازار فراش خانہ

شان دار قرآن مجید معمولی چھپائی

یہ قرآن مجید متوسط قطع نہایت پاکیزہ چھپائی صاف کاغذ سفید مثل مبتدیوں کیلئے اس سے بہتر قرآن مجید شائع نہیں ہوا صحت کا یہ عالم ہے کہ لاکھ ایک غلط کی ذمہ داری باوجود کاغذ گرانی کے ہدیہ مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ

انگلش ٹیچر یعنی انگریزی سیکھنیکی آسان کتاب

اگر آپ انگریزی زبان جلدی عمدہ طور سے سیکھنا چاہتے ہیں تو اس انگلش ٹیچر کو ضرور منگائیے اس لاجواب کتاب میں گرامر ٹرانسلیشن اور لیٹر رائیٹنگ وغیرہ درج ہیں لفظوں کے معنی اور تلفظ انگلش اردو میں لکھے گئے ہیں بجز عدالتی و ہر موقع کے فقرے تقریباً ہر قسم کے خط درج ہیں۔ ۵۰۰ صفحہ مجلد قیمت صرف ایک روپیہ صہ

المشتہر۔ ایچ۔ محمد یوسف خان منیجر شہرت الیکٹرک دہلی

مراد آباد میں مُردہ زندہ ہوگیا

میں سالگرام ساکن مراد آباد یا بچسال سے سستی نامردی جریان احتلام وغیرہ میں مبتلا ہو کر بظاہر زندہ مگر بباطن مردہ تھا صدہا علاج کئے مگر فائدہ ندارد آخر حکیم دوست محمد خاں کا بنایا اکسیر باہ مردہ زندہ کرنے کی مسین مشہور چالیس گولیاں بیشی طلا استعمال کی حلف سے لکھتا ہوں کہ تین یوم میں مجکو سے امر عرض ہی فائدہ ہوگیا تو جو لوگ مندرجہ بالا امراض میں مبتلا ہیں وہ بہت جلد حکیم صاحب سے مس اکسیر باہ منگوا کر استعمال کریں یقیناً آرام ہوگا بجز اکسیر باہ سستی نامردی جریان احتلام وغیرہ کی ایک نہایت مجرب بینظیر دوا ہے جسی کہ انگریزوں ڈاکٹروں حکیموں کے منگوائی ہے اگر باقاعدہ استعمال سے آرام نہو تو قیمت واپس ہوگی قیمت اکسیر باہ مبلغ پانچ روپیہ ہے مگر تھوڑے ہی دنوں تک ہے رعایتی جلدی کریں تاکید ہے۔ یہ دوا ہر موسم میں یکساں مفید ہے

اکسیر بہا یہ دوا ان لوگوں کے لئے مفید اور بے بہا ہے جنکے لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں اس کے استعمال سے اُن کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ حمل کے تیسرے ہی مہینہ سے کھانی چاہئے اُن کے ہاں ضرور لڑکا ہوگا۔ قیمت ۳ روپے لڑکا پیدا ہو تو قیمت واپس

اکسیر سورا ک وقوحہ سوزاک پیشاب جلن بول قرحہ کی مجرب دوا، گھنٹہ میں آرام قیمت ۲ روپے

اکسیر آتشک پھلبہری پرانے سے پرانے آتشک پھلبہری و برص کی بے ضرر نادر مجرب دوا صرف ایک ہفتہ میں آرام قیمت صہ

اکسیر خنازیر خنازیر بجران گنشہ مالا۔ گل گنشہ کی مجرب اکسیر بے نظیر دوا ایک ہفتہ میں کلیۃً آرام قیمت صہ

پتہ حکیم مولوی دوست محمد خاں (خاندانی) ڈاکخانہ ازمرٹانڈہ ضلع ہوشیارپور پنجاب

پانچہزار روپیہ نقد انعام

فخر دکن حضرت جناب حکیم محمد عبدالقادر صاحب مدظلہ کا عطیہ سفوف قادری کہ جسکے استعمال سے باضہ کی کل شکایت رفع ہو کر کل امراض جسمانی کلی طور پر دفع ہو جاتی ہے اور مخصوص غلط کاروں کے حق میں تریاق ہے قیمت کچھ بھی نہیں محض فاہ عام کے خیال سے لاگت ہی پر بیچی جاتی ہے فی شیشی پر ایک لاکھ شیشیاں لٹایا جائیگا اور بندرہویں دسمبر ۱۹۲۱ء کو پانچہزار نقد بذریعہ وی پی خریداروں میں قسم کیا جائیگا جلدی کیجئے ام کے ام گنجلیوں کے دام۔ بخشوں کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ واحد ایجنسی نہایت آسان

پتہ ادارہ سفوف قادری "دہام نگر" ڈاکخانہ (ضلع بالیہ سرنی سلین ریلوے)

رسالہ ذخیرہ

سال السلہ دکن سے نہایت آب و تاب کے ساتھ ہر انگریزی مہینہ کے آخر میں بطرز مشہور رسالہ ادب لہ آباد سے شائع ہوتا ہے معلومات مفیدہ کا خزینہ اور اردو زبان کا سرگرم معاون ہے ملک کے مستند اہل قلم اس کو اپنے کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف ہیں نظم و نثر کا اتنا ذخیرہ ہوتا ہے کہ کئی سال مطالعہ کے لیے کافی ہے نمونہ کا پرچہ منگا کر دیکھئے صرف ۴ کا ٹکٹ بھیجنا ہوگا مفت نمونہ نہیں ملتا۔

المشتہر۔ مینجر رسالہ ذخیرہ۔ حیدرآباد دکن۔

اگر

آپ اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو تندرست رکھنا چاہتے ہوں تو

لال شربت

بلا دیر کلیجہ کی کمزوری و کدانسی و لاغری کو دور کرنا چاہتے ہو تو

لال شربت

پیدائش کے وقت سے ہوشیار ہونے تک دوا یکساں قائمہ کرتی ہے پینے میں شیریں اور رنگ سرخ ہونے کی وجہ سے لڑکے خوشی سے پیتے ہیں۔

آپ بھی اپنے بچے کو استعمال کرا کے آزمائش کر لیجئے قیمت ۱۲ فی شیشی محصول ڈاک ۴

موت کی گولیاں

۳۰ برس سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو رہی ہیں طاقت دینے والی مشہور دوائیں تھوڑس آئیکنا ڈایمنا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں اس لیے مغز دیدہ رگ اور خون کو طاقت دینے کا خاص قوی رکھتی ہیں زیادہ محنت جوانی کی خرابی بے اعتدالی خواہ کسی وجہ سے ہو ان گولیوں کے استعمال سے اول ہی روز فائدہ ظہور میں آتا ہے۔ بدن میں قوت اور مزاج میں گرمی معلوم ہونے لگتی ہے چہرہ پر رونق اور جوانی میں ضعیفی کی سی حالت ٹوٹے ہوئے جسم میں دوا جوش لاتی ہے قیمت ۳۰ گولیوں کی شیشی دو ہفتہ کی خوراک کا ایکہ روپیہ محصول ڈاک ایک سے ۴ شیشی تک ۵

دیکھئے جناب ڈیئر صاحب مخبر دکن کیا تحریر فرماتے ہیں جبنے ڈاکٹر صاحب کی تعریف پر خیال کر کے تیس گولیاں منگائیں اس کے تیر بہدف اثر اور فوائد پر نظر کرتے ہیں تو ان گولیوں کی قیمت بجائے ایک روپیہ کے سو روپیہ رکھنی چاہیے تھی۔

ہمیشہ تندرست رہنے کی ترکیب

آپ جانتے ہیں انسان کی زندگی خون سے ہے اپنے خون صاف رکھنا ضرور ہے اسکی ترکیب آسان ہے۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کا کائی اوڈار سالسہ مفید ثابت ہوا ہے اس میں کسی چیز کا پرہیز نہیں ہے یہ سالسہ صاف کرکے اس میں پوٹاس آیوڈائڈ وغیرہ کچھ ایک معجون ادویات ملا کر تیار کیا ہے اسلیئے تمام سالسوں سے زیادہ مفید ہے گرمی آتشک گنگھا وغیرہ پارہ ملی ہوئی ادویہ کے استعمال سے خون بگڑ گیا ہو تو اسکو استعمال کیجئے خون بگڑنیکی وجہ سے آتشک گنگھا ایسے عارضے میں پارہ ملی ہوئی ادویہ سے خون بگڑ جاتا ہے۔ پوری حالات فہرست منگا لیجئے قیمت ۱۲ محصول ڈاک ۲

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تار چند دت اسٹریٹ کلکتہ

رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۳۱

دنیا کی آبادی میں ہر شخص تمہارا حصہ صرف ایک سطر ہے لیکن کتاب ہر شخص کی ایک صفحہ

نظام المشائخ

جلد ۱۳ نمبر ۵ قسم سوم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی، تاریخی و تمدنی ماہوار رسالہ

مذہب، اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ

جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جواہر زادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مصولڈاک بیرونی ۴ روپیہ

مقام اشاعت دارالسلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

نوٹ (۱) ہر مراسلہ میں اپنا پورا نام اور پتہ لکھنا ضروری ہے۔ (۲) ہر مضمون کے ساتھ ٹکٹ واپسی کا ہونا ضروری ہے۔ (۳) ہر مضمون کا ذمہ دار مضمون نگار ہے۔ (۴) ہر مضمون کا ذمہ دار مضمون نگار ہے۔

ہندوستان ہی کا نہیں

انگلستان کا پریس چیخ اٹھا ہے

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پراں کر دیئے

آپ جس پرچہ کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے سب کے چہرے زرد ملیں گے۔ اب خطیب و نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی سُرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو۔ لیکن

کب تلک یارب چھپائیں درد دل

خطیب و نظام المشائخ کے مالک کے پاس قیصر ولیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اُٹھائے چلا جائے۔ ناظرین اگر نظام المشائخ کو اس کی بہتر شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو کچھ خود بھی تکلیف اُٹھائیں۔

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک مدد امداد پیش کرتا ہوں جب تک یہ جنگ ہے اس میں ۸ رسالانہ کم از کم سب کو دینا پڑیگا۔ اور اس سے زیادہ جس میں جتنی قدرت ہو۔

خاکسار واحدی

نظام المشائخ

شمارہ ۱ | بابت محرم الحرام سنہ ۱۳۳۶ ہجری | جلد ۱۸

فہرست مضامین

شمارہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	حمد کا سجدہ	سیدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی	۳
۲	خطابہ الم	جناب مولانا ابوالکلام آزاد	۷
۳	عبس و تولی	جناب مولانا رشید الخیری الدہلوی	۱۷
۴	شاہ محمدی	جناب مولوی حکیم ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی	۲۳
۵	الحسن	جناب مولوی سید ظفر حسن صاحب علوی	۳۱
۶	سماع	جناب مولوی محمد شفیع الدین خاں صاحب مرادآبادی	۴۲
۷	باطنی جہاد کا اعلان	سیدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی	۴۷
۸	فغان مسلم	جناب محمد عبدالحکیم خاں صاحب نشتر جالندہری	۵۴
۹	قومی غزل	جناب محمد شکور صاحب	۵۷
۱۰	نقیب یاسی	جناب خواجہ محمد حسن صاحب بدر جلالی بی اے	۵۸
۱۱	سلام	جناب منشی محمد عزیز اللہ صاحب رسا	۵۸
۱۲	جو کچھ ہے سب خدا کا	حضرت اکبر الہ آبادی (لسان العصر)	۵۹
۱۳	متاع	جناب سید حسین حیدرآبادی	۵۶
۱۴	[illegible]	جناب مولانا نوازش علی صاحب مست حیدرآبادی	۶

معذرت

نظام المشائخ کا یہ پرچہ جسے ۱۰ محرم کو نکلنا تھا۔ اب آپ کی خدمت میں پہنچتا ہے۔ اسکی نسبت ایک عذر یعنی کارکنوں کی علالت کا حال تو میں پہلے مطبوعہ کارڈ کے ذریعہ عرض کرچکا ہوں۔ اسکے بعد جب لوگ کچھ روبصحت ہوئے اور کام پر آنے لگے تو دسہرا اور محرم کے قصے نے مزید دیر کرادی۔ ہندوؤں کو اس موقع پر کچھ شکایتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ انہوں نے ۸ - ۹ دن تک اظہار ناراضی کی غرض سے دکانیں بند رکھیں۔ اور چونکہ تمام تجارتوں کی طرح کاغذ کا لین دین بھی برادران وطن ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اسلیئے ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ اور عشرہ محرم اور پریس نہ چل سکا۔ خیر خدا خدا کرکے مشکل آسان ہوئی۔

اگلا نمبر رسول نما ہوگا اور دستور قدیم کے موافق صفر و ربیع الاول دو مہینوں کا سمجھا جائے گا۔

یزید نامہ

کا اس رسالہ میں کچھ اقتباس ہے۔ اور چند اور مضامین ہیں انھیں بے لطف تو کبھی نہ کہنا چاہیے لیکن بعض طبیعتوں کو وہ بے وقت ضرور معلوم ہونگے کیونکہ یزید نامہ شائع ہوکر بہت سے حضرات کے پاس چلا گیا۔ اور دوسری تحریریں کل کی نسبت آج اپنے اثر میں کم ہوگئیں۔ لہذا ہم سب دوستوں سے اوپر کے واقعات کا واسطہ دیکر معافی مانگتے ہیں۔

خاکسار

واحدی

نظام المشائخ

حمد کا سجدہ

سبحان ربی الاعلیٰ۔ ذی شان تو تعالےٰ۔ سبحان ربی العظیم۔ ازلی و ابدی و قدیم۔ رقم ساجد۔ راقم ساجد۔ قلم سر ٹیکے ہوئے۔ مسطر پیشانی جھکائے ہوئے معبود کی عبادت۔ عابد کی سعادت۔ سجدہ میں حمد بجالاؤں۔ یا حمد کو سجدہ میں جھکاؤں۔ زبان جسم اور قلم ظاہر کی ثنا سنو گے یا کنز مخفی کے وقت ان اصطلاحوں کی سماعت کا خیال ہے بندہ کو یہ بھی آتا ہے اور اس میں بھی کمال ہے۔

حمد سجدہ کرے گی تو سبحان ربی الاعلیٰ نہیں۔ کچھ اور کلمے زبان پر لائیگی رب اور اعلیٰ تو بہت سنا۔ سبحان۔ بھی بے شمار انسانوں کے نوک زبان رہا۔ اب تو تم نے جمال کو جلال سے۔ خیر کو شر سے۔ مہر کو قہر سے۔ تر کو خشک سے۔ دن کو رات سے

سردی کو گرمی سے ٹکرا ٹکرا کر۔ لڑا لڑا کر ایک نیا پردۂ ناسوت بنایا ہے۔ اور اس میں برقی شراروں کی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ اس نمود جدید کی زبان بھی نئی ہے۔ آن بھی نئی ہے۔ بان بھی نئی ہے۔ تیور بھی نرالے ہیں۔ لہجے بھی انوکھے ہیں تو سجدہ کی حمدیہ گفتگو بھی نئی و ممتاز ہونی چاہیئے +

بوندیاں خاک پر آئیں۔ سبزیاں آنکھیں ملتی ہوئی مٹی سے باہر نکلیں۔ بود خشک تھی وہ نابود ہوئی۔ دوسری بود ہری و سرسبز بنکر منظر شہود پر لہرائی۔ تم نے کہا میں خزانہ مخفی تھا۔ دکھانے کی ترنگ میں یہ محفل سجائی ہے۔ اپنی نظر دوسروں کے دیدہ میں لگائی ہے۔ دید کی بساط فرش خاک پر بچھ گئی۔ بیچاری مٹی کو گھاس کی کونپلوں نے پہونکیں مار مار کر بکھیر دیا۔ دیبا زمین کی چھاتی چھیلتے ہوئے بہنے لگے۔ پہاڑ پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے۔ ہوا خلا کے سکون میں خلل انداز ہو چکی حیوان رکوع و سجود کرتے ہوئے نقل و حرکت کرنے لگے۔ تو انسان کا پردہ اٹھایا۔ وہ بیچارہ اس عجیب تماشہ سے پہلے کچھ ڈرا۔ کچھ گھبرایا۔ پھر نہیں۔ تم نے کیا کان میں کہدیا۔ کہ انگڑائی لیکر ہوشیار ہوا۔ اور ربنا ما خلقت ھذا باطلا کہکر سیروا۔ سیروا فی الارض کہنے لگا۔ آدمؑ و ادریسؑ۔ نوحؑ و ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے پتلوں میں اسی مخفی خزانہ کے نور خانہ نے شعاعیں ڈالیں۔ اور قصر عبادت میں ساجد و مسجود کے جلسے ہونے لگے۔

جلال و جبروت کو ان مظاہر نبوتیہ میں نمایاں تو کیا تھا۔ مگر ضرورت ایک مخصوص شہود اور ظہور کی تھی جو بدی بنکر نیکی سے ممتاز ہو۔ جو شر ہو کر خیر کے عرفان کلی کا معیار بنے۔ اس لیئے فرعون و نمرود۔ ہامان و شداد کے تاریک مجسمے قہر و جبر کی آتشی شمعیں لیکر۔ منم۔ منم کہتے ہوئے نمودار ہو گئے +

اب خیر کو شر سے ٹکرانے کا موقع ہاتھ آیا۔ نوحؑ کو کشتی میں تیرایا۔ انکی قوم کو غوطے دیئے۔ اور سانس گھونٹ گھونٹ کر پاس بلایا۔ ابراہیمؑ کو اپنی محبت کا دیوانہ بن

دیکر بت شکنی کرائی۔ ادھر آگ جلوائی اور شان اعجاز کے ظہور کی ٹھیرائی۔ آگ میں ابراہیمؑ جاتے تھے۔ خیر کے سینے شر کی تیزی سے پھٹے جاتے تھے۔ مگر تم دید کے مزے اُڑاتے تھے۔ اکیلے موسیٰؑ کو فرعون کے جم غفیر میں جھونک دیا۔ مانا کہ ساتھ رہے حمایت کی۔ ہر آزار سے بچایا۔ مگر یہ تو ثابت ہوا کہ خیر کو شر سے ٹکرایا۔ عیسیٰؑ پر اسرار و رموز کا بادل برسایا۔ مگر خیر و شر کی کشاکش اُنپر بھی بھیجی۔ کانٹوں کا تاج۔ قید اور صلیب۔ گھر کے دروازے تک ٹھوکریں۔ آسمان پر اٹھا کر خیر کی فوقیت پر مُہر لگائی۔ مگر دنیا میں تو قیامت تک کے لیئے باپ۔ بیٹے اور روح القدس کی تثلیثی دھوم مچوادی +

پہلے تو ایک ایک شان اور ایک ایک صفت کا ظہور ہوتا تھا۔ حجاز کے کوہستان پر نظر ڈالی تو ساری صفات کے ظہور و کشود کی موج آگئی۔ آئینہ کل بنا دیا۔ اور اپنی ہر شان و صفت کو اس آئینہ میں سما دیا۔ جب یہ کر چکے تو اس آئینہ میں صورت ذاتی کو جھک کر دیکھا۔ دیکھنا تھا کہ دل دے بیٹھے۔ خود ہی اپنی ہی نمود پر فریفتہ ہو گئی۔ اور بے اختیار اُس جمال صفات آرا پر درود پڑھنے لگی۔ تم نے دل لگایا تھا تو خود ہی درود پڑھا ہوتا۔ مگر جوش محبت میں فرشتوں کو بھی حکم دیا کہ "میری" اس چیز پر درود پڑھو۔ پھر سب آدمیوں سے بھی خطاب ہوا کہ تم بھی صلوٰۃ و سلام بھیجو۔ انکار کی مجال کسکو تھی سب کی زبان سے نکلا۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد +

حمد نے سجدہ کیا تو اپنی اور حامد کی تاریخ پیدائش سجدہ میں پڑھی۔ اب نعت کے سجدے کا وقت آیا تو قلم عبد محبوب کے قواعد ادب کا خوف دل میں لایا۔ کچھ رُکا۔ کچھ ہٹا کچھ سوچا اور ستانہ وار چلایا +

سرِ وحدت کی نعت سجدہ میں جاتی ہے تو مقام محمود کہلاتی ہے۔ اور یہ وہ جگہ ہے جہاں کے مرموز و مستور ہونے کی قلب قوسین اوادنیٰ کے الفاظ خبر دیتے ہیں۔ قلم کے اس قول نے قدم خیال کو روک دیا۔ وہ آگے نہ بڑھا اور دل کو ماتھے

تمام کر کہنے لگا صلی اللہ علیک یا محمد۔ صلی اللہ علیک یا محمدؐ ۔

اب آل و اصحاب کے سلام کی باری تھی۔ لکھتے تو لکھدیا کہ آل و اصحاب پر سلام مگر سلام نے مڑکر کہا۔ حمد و نعت کو تو سجدے کرا دیئے۔ اور مجھکو قیام ہی میں رکھا۔ اگر میرا قیام منظور ہے تو نعت کو رکوع میں رکھو اور حمد کو سجدے میں ۔

مگر پہلے میری حقیقت ذاتی و صفاتی پر غور کرو۔ اول میری جسمانیت روحانیت کو سمجھو۔ کیونکہ اسکے بغیر نہ حمد مقبول ہو نہ نعت۔ میں سلام ہوں۔ اول بھی میں۔ آخر بھی میں مجھی سے اسلام ہے۔ اور میرا ہی دم مسلمانوں کو مسلمان کہلاتا ہے۔ آل و اصحاب اور پیغمبران قدیم میرے ہی ذریعہ اور وسیلہ سے یاد کیئے جاتے ہیں ۔

حسن نظامی

یہ کوئی خاص مضمون نظام المشائخ کے لیئے نہیں لکھا گیا۔ بلکہ محرم نامہ کے حصۂ دوم **یزید نامہ** کا ایک بالکل ابتدائی ٹکڑا ہے۔ اسکے آگے "اسم سلام کا کلام" تھا۔ جسے میں نے اسلیئے چھوڑ دیا کہ کچھ زیادہ دام خرچ کر کے پڑھیئے گا۔ **یزید نامہ** محرم نامہ کی طرح حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی بےنظیر کتاب ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ محرم نامہ ہی کے برابر **یزید نامہ** کی قدر کیجائیگی۔ آپ حضرت خواجہ صاحب نے شہادت کربلا کے بعد کے حالات لکھے ہیں جو اردو میں پہلے کبھی نہیں آئے حالانکہ بہت ضروری اور دلچسپ ہیں۔ حضرت کی طرز تحریر اور انداز بیان کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ **یزید نامہ** کی چند سطریں جناب کی نظر سے گزر جانی چاہئیں پھر اسے کسی دوسرے وقت کے لیئے اٹھا کر رکھدیجئے تو ہم آپکے قابل ہو جائیں۔ ضخامت غالباً اپنے دو سو صفحے رہیگی۔ اور قیمت عہ یا عہ۔ ابھی زیر طبع ہے۔ لہذا ٹھیک ٹھیک قطعی بات نہیں بتائی جا سکتی۔ لیکن جبتک یہ محرم کا نظام المشائخ شائع ہو **یزید نامہ** کا تیار کر لینا یقینی ہے۔ انشاء اللہ۔ درویش پریس دہلی میں چھپ رہا ہے اور صرف

یزید نامہ تیار ہو گیا ہے ضخامت ۲۴۵ صفحے قیمت عہ، علاوہ محصول ڈاک ۔

۵۸

خطابۂ الم!

و

توصیہ شہادت

یعنی واقعۂ عظیمۂ شہادت حضرت سید الشہداء علیہ وعلی آبائہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک نئی بصیرت

جو مولانا ابوالکلام آزاد نے ۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ ہجری کو مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال کلکتہ کی ایک غیر معمولی مجلس میں دیا تھا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

قال اللہ تعالیٰ۔ الحمد للہ رب العلمین ۵ الرحمٰن الرحیم ۵ ملک یوم الدین ۵ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۵ اھدنا الصراط المستقیم ۵ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۵

شمعہا بردہ ام از صدق نجاک شہدا تا دل و دیدۂ خونابہ فشانم داؤد

برادران عزیز!

آج جس حادثۂ کبریٰ اور شہادتِ عظمیٰ کے تذکار و درس کے لیے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں۔ وہ وقائع و حوادثِ اسلامیہ کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے، جو تاریخ اسلام کی اولین صدی سے لیکر اس وقت تک اپنے عجیب و غریب تاثر ماتم و درد اور حیرت انگیز بقائے ذکر و تاثیر کے لحاظ سے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تمام حوادث مخزنۂ عالم میں ایک عدیم النظیر امتیاز رکھتا ہے۔ اگر وہ تمام آنسو جمع کیے جائیں جو ۶۱ھ سے

لیکر اس وقت تک اس واقعۂ جانسوز پر بہائے گئے ہیں، اگر وہ تمام دود آہ و فغاں سوزاں یکجا کیا جا سکے جو ان تیرہ صدیوں کی لاتعد و لاتحصیٰ اسلامی نسلوں کی صدا ہائے ماتم کے ساتھ بلند ہوتا رہا ہے۔ اگر درد و کرب کی وہ تمام چیخیں اضطراب و الم کی وہ تمام پکاریں سوزش و تپش کی وہ تمام بیقراریاں اکٹھی کیجا سکیں جو اُس حادثۂ کبریٰ کی یاد نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے اندر ہمیشہ پیدا کی ہیں تو اے عزیزان ماتم شعار! کون کہہ سکتا ہے کہ خوں فشانیہائے حسرت کا ایک نیا اٹلانٹک اوقیانوس سطح ارضی پر بہ نہ جائے گا؟ دود آہ و فغاں کی ہزارہا بھٹیاں بھڑک نہ اٹھیں گی؟ اور درد و الم کی چیخوں، حسرت کی صداؤں، تڑپ کی بے چینیوں کے ہنگامۂ خونیں سے تمام عالم ایک شور زا نالہ و بکا نہ بنجائے گا؟

تاہم میں جو پیغام پہنچانیکے لیئے آج آیا ہوں، وہ اس تذکرے سے بالکل مختلف ہے۔ میں غم و الم کی شدت و کثرت کے اعتراف کی تاریخ نہیں ہوں۔ بلکہ اس عدیم النظیر شدت و کثرت کے بعد بھی آنسوؤں کی طلب ہوں، آہوں کی صدا ہوں، بیقراری کی پکار ہوں۔ اضطراب کی دعوت ہوں۔ اور آہ! آہ! اے صد ہزار آہ و حزاں! کہ غم کے لیئے بہکاروں، اور درد و الم کے لیئے یکقلم پیاس ہوں۔ پس میں آج اُن آنکھوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو بہت رو چکی ہیں، مجھے اُن آنکھوں کا سُراغ بتلاؤ جو اب بھی رونے کیلئے نم آلود ہیں! میں اُن دلوں کی سرگزشت نہیں سُنتا جو تڑپتے تڑپتے تھک چکے ہیں میں اُن دلوں کی تلاش میں نکلا ہوں جو اب بھی تڑپنے بلا ہونے کے لیئے مضطرب ہیں! مجھے اُن زبانوں سے کیا سروکار جن کو فغاں سنجیہائے ماضی کا دعا ہے؟ آہ! میں تو اُن زبانوں کے لیئے پکار رہا ہوں جن کے اندر غم و ماتم کی بھٹیاں سُلگ رہی ہیں! اور اُن کا دھواں آج بھی کائنات نشاط نادانی کی اُس تمام فضائے مغلظت کو مکدر کر رہا ہے جسکو عیش و عشرت کے قہقہوں میں نہ دیکھنے کی ایک آدمی نصیب کیا ہے

نہ داغ تازہ میخارد، نہ زخم کہنہ مے کارد!
ہدہ یارب دلے کیں صورتِ پیکاں نمیخواہم

(دعوت درد)

ماں یہ سچ ہے کہ رونے والے اس پر بہت روئے، ماتم کرنے والوں نے ماتم میں کمی نہ کی، آہ و نالہ کی صداؤں نے ہمیشہ ہنگامۂ الم کی مجلس طرازیاں کیں، اور یہ سب کچھ اب تک اتنا ہو چکا ہے جتنا آج تک شاید ہی دنیا کے کسی حادثۂ غم کو نصیب ہوا ہو۔ تاہم تم یقین کرو کہ بایں ہمہ اس حادثۂ عظیمہ کی دعوت اشک و حسرت اب تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکی دعوت درد کے اندر جو حقیقی طلب تھی وہ اب تک لبیک کے سچے استقبال سے محروم ہے۔ تیرہ صدیاں مع اپنے دوران محرم و عشورہائے تم کے اس پر گزر چکی ہیں لیکن اب تک خاک کربلا کے وہ ذرات خون آشام جن کو آج بھی اگر چھوا جائے تو خون شہادت کے مقدس قطرے اس سے ٹپک سکتے ہیں، بدستور آنسوؤں کے لیے پکار رہے ہیں، خوں فشانیوں کے لیے داعی ہیں، آہ و فغاں کے لیے تشنہ ہیں، اضطراب و التہاب کے لیے بیقرار ہیں، اور فضائے ریگ زار کرب و بلا کا ایک ایک گوشہ اب تک دیدہ ہائے اشک افشاں، جگرہائے سوختہ، دلہائے دونیم، اور نہاں ہائے ماتم سرا کے لیے اسی طرح چشم براہ ہے، جس طرح ۶۱ھ ہجری کی ایک آتش خیز دوپہر میں خون کی ندیوں کی روانی، تڑپتی ہوئی لاشوں کے ہنگامۂ احتضار، اور ظلم و مظلومی، جرح و مجروحی، قتل و مقتولی کے ہنگامۂ الیم کے اندر سے نالہ ساز طلب و فغاں فرمائے دعوت تھا!

شدیم خاک ولیکن ہنوز بے تربت ما — تراں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

لیکن اگر یہ دعوت درد محض اس پانی کے لیے ہے جو ندیوں کی جگہ آنکھوں سے بہے، اگر یہ طلب غم محض ان صدقوں کے لیے ہے جن کا غوغا درختوں کے جسد

چڑیوں کے گھونسلوں۔ درختوں کے سیران کی جگہ انسانوں کی زبانوں سے بلند ہو
اگر یہ انتظارِ الم محض اُس ماتم کے لیئے ہے جو پتھروں کے ٹکرانے کی جگہ انسانی دست و
سینہ کی ٹکر سے ہنگامہ ساز ہو، تو اے برادرانِ غفلت شعار! ولے چشمان خواب
آلود! بلاشبہہ یہ سب کچھ ہو چکا، اور بلاشبہہ سوال کو جواب، دعوت کو لبیک، اور
طلب کو مطلوب مل چکا۔ اگر انسان کا بچہ بھوک سے روتا اور روٹی کے لیے آنکھوں کو
سُرخ کر لیتا ہے تو انسانوں کے بڑے بڑے گروہ کیوں نہیں آنسو بہا سکتے؟ اگر
درختوں کے جھنڈ ہوا سے ہلکر چند لمحوں کے لیئے دنیا کو شور و غوغا سے لبریز کر دیسکتے
ہیں تو آدم کی اولاد اپنے آہ و بکا سے کیوں آسمان کو سر پر نہیں اُٹھا سکتی؟ اگر جان و
بے روح پتھر دوسرے پتھر پر گر کر رعد و برق کا ہنگامہ پیدا کر دیسکتا ہے، تو تم کہ روح
اور ارادہ رکھتے ہو، اپنے دست ہائے ماتم کناں سے کیوں ایک ہنگامہ زار و دہشت گرم
نہیں کر سکتے؟ کیا تم کو دنیا کی ان آنکھوں کی خبر نہیں جو روتی ہیں۔ حالانکہ اُنسے ایک آنسو
بھی نہیں بہا؟ کیا تم نے اُن زبانوں کے متعلق کچھ نہیں سُنا جو چیختی ہیں۔ حالانکہ اُنہوں
نے ایک چیخ بھی نہ پائی؟ اور کیا تم نے اُن جسموں کا تماشا نہیں دیکھا جو تڑپ و بالا ہوتے ہیں
حالانکہ انکو ایک تڑپ بھی نصیب نہ ہوئی؟ پھر کیا اِس غفلت آباد ہستی میں وہ دل بھی
نہیں ہیں جو گو دل ہیں، مگر دل نہیں ہیں۔ کیونکہ دل کی طرح نہیں سوچتے؟ کیا وہ
کان بھی نہیں ہیں جو گو سامع ہیں، مگر کان نہیں ہیں، کیونکہ نہیں سنتے؟ اور کیا ایسی
آنکھیں بھی نہیں ہیں، جو گو بصیر ہوں، مگر آنکھیں نہیں ہیں، کیونکہ نہیں دیکھتیں؟ لھم
قلوب لا یفقھون بھا، ولھم اذان لا یسمعون بھا، ولھم اعین لا یبصرون
بھا، اولئک کالانعام بل ھم اضل، واولئک ھم الغفلون!

پس اے عزیزانِ من! دعوتِ عالم کی یہ پاک دعوتیں صرف اُس روحانی آب، تسلسل صدا
اور ہنگامۂ غوغائی کے لیے نہیں ہوتیں جو آنسوؤں، فغانوں، اور ماتموں کے نام سے

ظہور میں آجائیں۔ اور اس کا یہی مقصد ہوتا تو اُسکے لیے انسان کی کوئی خصوصیت نہ تھی کتنے ہی سمندر پانی سے بھرے ہوئے ہیں، اور کتنے ہی جنگل شور و غوغا سے ہنگامہ زار ہیں۔ بلکہ یہ دعوت، یہ پکار، یہ طلب، یہ "بل ہن قریب" فی الحقیقت اُن آنسوؤں کے لیے ہے جو صرف آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ دل سے بہیں، وہ اُن آہوں کا دھواں مانگتی ہے جن کی لپیٹیں صرف منہ ہی سے نہیں بلکہ اعماق قلب سے اُٹھیں، وہ صرف ماتھوں ہی کے ماتم کے لیے نہیں پکارتی بلکہ دل کے ماتم کی محض ایک صدائے حقیقت کے لیے تشنہ ہے۔ اگر تمہارے پاس اسکے لیے آنکھوں کا آنسو نہ ہو تو اُسے کوئی شکایت نہیں لیکن آہ تمہارے [illegible] اگر تمہارے [illegible] کوئی زخم نہیں جس سے پانی کی جگہ خون بہے! اگر تمہاری [illegible] کی چیخ نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن آہ یہ کیا ہے کہ تمہارے [illegible] کی ایک ٹیس، عبرت کی ایک ٹپک، بصیرت کی ایک تڑپ [illegible] کا ایک اضطراب بھی نہیں ہے؟

طوفاں کو رو رہا ہے اے چشم خانہ؟
رو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

اللہ اللہ سید الشہداء مظلوم کی مظلومی اور یا للعجب غفلت و نادانی کی بے پایانی اس سے بڑھکر دنیا میں "مظلومی" کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمنوں اور دوستوں دونوں نے اسپر ظلم کیا۔ دشمنوں نے اسکی شہادت عظیمہ کی عظمت مٹانی چاہی، مگر دوستوں نے بھی اسکی شہادت کی اصلی حقیقت و بصیرت سے غفلت کی۔ دشمنوں نے اسپر ظلم کیا کیونکہ اس کی مظلومی پر انہیں رونا نہ آیا۔ پر اُن دوستوں نے بھی ظلم کیا جو گو روئے مگر اسکی اصلی تقدیس و شرف کے لیے سچائی اور عمل کا ایک آنسو بھی نہ بہا سکے۔ دشمن تو دشمن تھے۔ اس لیے انہوں نے اس کی دعوت حق کو مٹانا چاہا، مگر دوست دوست ہو کر بھی اسکی دعوت کی پیروی نہ کر سکے! وقوہم ینظرون الیک وہم لا یبصرون!

پس سچا ماتم وہی ہے جو صرف ماتھے ہی کا نہیں بلکہ دل کا ماتم ہو، اور دعوتِ دین کا اصلی جواب وہی ہے جو عبرت و بصیرت کی زبان سے نکلے۔ تمہاری آنکھیں اُس حادثے پر بہت رو چکی ہیں۔ مگر اب تک تمہارے دل کا رونا باقی ہے۔ اور اگر رونا ہے تو اپنے دل کو رولاؤ۔ ورنہ صرف آنکھوں کی اس روانی کو لیکر کیا کیجئے جس میں دل کی اشک افشانی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حالانکہ انسان کی ساری کائنات حیات صرف دل ہی کی زندگی سے ہے: فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

آج ہمارا اجتماع اسلیئے ہے کہ اس حادثۂ عظیمہ پر غور و فکر کی ایک نئی صف ماتم بچھائیں۔ اور اُن حقیقتوں اور بصیرتوں کی جستجو میں نکلیں جنپر آنکھوں کی اشک افشانیوں سے زیادہ دل کے زخموں سے خون بہتا ہے۔ اور ماتموں سے زیادہ روح پر ماتم طاری ہوتا ہے۔ فذکر ان الذکری تنفع المؤمنین ۔

(حقیقت تذکار مشاہیر)

سب سے پہلی چیز جو اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ اس واقعہ کی یادگار اور اُس کا دائمی تذکار ہے ۔

دنیا میں ہر قوم نے اپنے ماضی کے اُن واقعات و حوادث کی ہمیشہ تعظیم کی ہے جن کے اندر قوم و ملک کے لیئے کوئی غیر معمولی تاثیر یا عبرت پائی جاتی تھی۔ اور ہمیشہ اُن انسانی برائیوں اور عظمتوں کی یاد کو یادگاروں، تہواروں، عمارتوں، تاریخوں، قومی روایتوں، اور قومی مجمعوں کے انعقاد کے ذریعہ زندہ رکھنا چاہا ہے۔ جن کے اندر خود اُس قوم کی کوئی عظمت اور بڑائی پوشیدہ ہے ۔

یہی چیز ہے جسکو تمام اقوام متمدنہ نے "مشاہیر پرستی" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے

اور یہی چیز ہے کہ ہر قوم اپنی قومیتوں کے بڑے بڑے بانیوں، مذہبی معلموں، محب الوطنوں، اور قومی شہیدوں کی یاد کو کبھی بھی مفقود ہونے نہیں دیتی +

ہومر نے الیڈ لکھی۔ کالڈیا کے مجری[۵۱] کتب خانے میں وہ اینٹیں رکھی گئیں جنہیں نامور ان ملت کے مناقب محفوظ کندہ تھے۔ عرب جاہلیت نے اپنے سلسلۂ انصاب کا ایک حرف ضائع ہونے نہ دیا۔ اور ذوالمجیہ اور عکاظ میں اسلاف کے مفاخر و معانی کی داستانسرائے قائم کی۔ مصریوں نے ایسے ایسے مینار بنائے جو ہزاروں برسوں کے بعد بھی اپنی قدیم اولیں کی طرح محکم و استوار ہیں۔ اور پھر انکے اندر اپنے نامور دں کی لاشوں کو حنوط (ممی) کرکے محفوظ کر دیا۔ ہندوستان نے مہابھارت کے معرکے کو قومی روایتوں میں داخل کر دیا۔ اور رومالیک کی سحر طرازیوں نے نسلی مفاخر کی روح کو پژمردگی سے بچایا۔ اقوام قدیمہ کے یہ تمام اعمال صرف اسی حقیقت کے لیے تھے کہ اسلاف و مشاہیر کی یاد زندہ و قائم رکھی جائے +

آج اوقیانوس کا بحری مسافر واشنگٹن کے بت کو ساحل امریکہ پر دیکھکر دور سے پکار اٹھتا ہے، یورپ کے بڑے بڑے شہروں اور انکی محکم نوآبادیوں کی شاہراہوں اور باغوں میں جا بجا سنگی بت نصب نظر آتے ہیں۔ شکسپیر کا مولد اب تک قائم ہے ملٹن کی میز کو مرنے نہیں دیا جاتا۔ جانسن کے آثار اب بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے میلان میں ایک جگہ یہ سنگی کتبہ تم پڑھو گے "پاک مینز بنی نے یہاں اپنا بچپن گزارا تھا"۔

یہ سب کچھ بھی اسی مشاہیر پرستی کی ایک زیادہ خوشنما و دلفریب شکل ہے جو پہلے محض قومی روایتوں اور افسانہ طرازیوں کے ذریعہ قائم رکھی جاتی تھی +

---

[۵۱] مجری کتب خانہ سے مقصود تمدن بابل و کالڈیا کا وہ عہد مغلی ہے جبکہ کتابیں پتھروں اور دیواروں کی چھالوں کی جگہ پتھر پر کندہ کرکے لکھی گئیں۔ اور جن کا بڑا ذخیرہ بابل کے آثار منتہ میں موجود ہے +

لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس تذکار و یادگار کا اصلی مقصد کسی واقعہ کو محض یاد رکھنا، یا کسی نام کو فراموش نہ ہونے دینا ہی نہیں تھا۔ بلکہ کچھ اور ہی مقصد تھا کیونکہ اگر یہی مقصد ہوتا تو اسکے لیے کسی خاص نام، کسی خاص واقعہ، کسی خاص حادثہ میں کوئی ممتاز خصوصیت نہ تھی۔ پچھلوں کو اگر محض یاد ہی رکھنا ہے تو اسکے لیے بڑا اور چھوٹا ادنیٰ و اعلیٰ، نیک و بد سب یکساں ہیں۔ کونسی وجہ ہے کہ کارتھیج کے مشہور ہنی بال کو یاد رکھا جائے۔ اور ٹیٹس کو یاد نہ رکھا جائے جو اسی عہد میں گزرا تھا؟

سو وہ اصلی روح حقیقت جو اجتماع انسانی کی اس سب سے زیادہ پرانی رسم کے اندر کام کر رہی ہے، دراصل ناموں، وجودوں، شخصیتوں اور محض تذکرہ و یادآوری سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ اس سے اصلی غرض یہ تھی کہ جو اعمال حسنہ، عزائم مہمہ، نتائج عظیمہ اور بصائر و مواعظ جلیلہ اُن مشاہیر اور نامورں کی زندگی سے وابستہ ہیں اور جن کی یاد اور تذکرہ کے اندر قوموں اور ملکوں کے لیے سب سے زیادہ موثر اور نافذ دعوت عمل و اتباع ہے، انکی یاد کو ہمیشہ حی و قائم رکھا جائے۔ اور مختلف ذریعوں سے ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں جن کی وجہ سے کبھی بھی آیندہ نسلیں ان اعمال حسنہ کے نمونوں کو اپنی نظروں سے اوجھل ہونے نہ دیں۔

پس یادگار دراصل انسانی افراد کی نہ تھی، بلکہ انسان کے بہترین اعمال کی تھی اور تذکرہ اور یادآوری شخصوں اور حادثوں کی نہ تھی۔ بلکہ اُن سچائیوں کی تھی جو وہ اپنی زندگی کے اندر رکھتے تھے۔ خدا نے ذات کی بڑائی اور عظمت صرف اپنی ہی کبریائی کیلئے مخصوص کر لی ہے اور دنیا کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف "عمل" کی بڑائی ہے، دنیا میں کوئی انسان بڑا نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ بڑا صرف ایک ہی ہے اور وہ فاطر السموات والارض ہے۔ البتہ "عمل" بڑا ہو سکتا ہے اور اس کی بڑائی سے اسکے عامل کے اندر بھی نسبتی اور اضافی بڑائی آ جاتی ہے۔ پس ہماری تعظیمیں، ہمارے تقدیس، ہمارے احترام

وشرف جو دنیا میں کیا جا سکتا ہے، یا تو خدا کے لیئے ہو، یا پھر خدا کی سچائی اور اُس کے قرار دیئے ہوئے اعمال حسنہ کے لیئے خود انسان کی ذات کا اسمیں کوئی حصہ نہیں الحمد للہ رب العلمین میں "الحمد" کے الف لام کا یہی مطلب ہے۔ جسے میں نے آغاز تقریر میں تلاوت کیا اور انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم + سے اسی پر روشنی پڑتی ہے اور یریدون ان یحمدوا بما لم یفعلوا + (یہ بدبخت چاہتے ہیں کہ اُنکی تعریف و ثنا ان اعمال کے لیئے کی جائے جو اُنھوں نے نہیں کیئے۔ حالانکہ "حمد" کا استحقاق تو اعمال ہی کو تھا) اسی کی مزید توضیح کرتا ہے۔ وما یعقلھا الا العلمین +

ایک عالمگیر غلطی

لیکن دنیا کا خسران صرف اسی میں نہیں ہے کہ وہ سچائی کی طرف نہیں بڑھتی بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ بسا اوقات اسکی جانب قدم تو اُٹھاتی ہے، پر ایسا ہوتا ہے کہ راہ ہی میں گم ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح اسکی طرف نہ چلکر اس سے محروم تھی، ٹھیک ٹھیک اسی طرح اسکی طرف چلکر بھی محروم رہتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ قرآن حکیم نے انسان کے نقصان و خسران کے جو مختلف حالات بیان کیئے ہیں۔ اُن میں سے ایک زیادہ عام اور زیادہ پیش آنے والی حالت کیلئے "ضلالت" کا لفظ اختیار کیا ہے اور اسی سورۂ فاتحہ میں (جسکے ماتحت آج کی تقریر ہے) "مغضوب علیھم" کے ساتھ ایک اور گروہ کا باسم "الضالین" تذکرہ کیا گیا ہے۔ "ضلالت کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ تم کو معلوم ہے کہ "گمراہی"۔ اور "راستے میں بھٹک جانے" کے ہیں۔ اسی لیئے متحیر اور غیر متعین نظر رکھنے والے پر بھی "ضال" کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ کوئی متعین راہ اُس کے سامنے نہیں ہوتی۔ پس قرآن کریم نے نوع انسانی کی بدحالی و تباہی کی سب سے بڑی عام حالت کو اسی لفظ سے تعبیر کیا۔ اور اس میں بڑا نکتہ یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کو اُٹھنے اور چلنے

سے انکار نہیں ہوتا۔ وہ سفر تو کرتا ہے۔ پر ہوتا یہ ہے کہ منزل مقصود کی حقیقی شاہراہ اس پر نہیں کھلتی اور وہ راہ ہی میں بھٹک کر رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ باوجود چلنے کے منزل مقصود سے اسی طرح محروم رہتا ہے، جس طرح وہ شقی و جاحد محروم رہا جسنے چلنے کا قصد ہی نہیں کیا تھا۔ یہی حقیقت اصطلاح قرآنی میں "تحبط اعمال" کی ہے جسپر جا بجا مختلف پیرایوں میں زور دیا گیا ہے کہ "حبطت اعمالھم" (انکی تمام محنتیں، کوششیں، اور راہروی کی مشقت بالکل اکارت گئی۔ اور اسکا کوئی پھل انہیں نہ ملا)۔

چنانچہ اس "ضلالت عمل" کی ایک عمدہ مثال دنیا کی عالمگیر "مشاہیر پرستی" بھی ہے جو مقصد کے لحاظ سے ایک نہایت اہم، عظیم المنفعۃ، حیات پرور اور سعادت بخش حقیقت تھی۔ لیکن باایں ہمہ اس بارے میں ہمیشہ قوموں نے غلطی کی، اور اکثر حالتوں میں سخت ٹھوکر کھائی۔ وہ دنیا کی عالمگیر ضلالت کبرے جو اسکے ہر عمل میں حقیقت اور مقصد کو فنا کرتی اور ظواہر و رسوم کی اس سے پوجا کراتی ہے۔ افسوس کہ اس حقیقت کے لیے بھی ہلاکت بخش ہوئی۔ اور گمراہیوں اور حقیقت ناشناسیوں سے اس طرح اس عمل عظیم کو آلودہ کر دیا گیا کہ بسا اوقات ہدایت کی جگہ ضلالت کا ایک بہت بڑا پتھر ثابت ہوئی +

(البلاغ)

پُرتاثیر خطیب

اخباری منبر کے اردو خطیب کے خطبے سنو جو ہفتے دین و دنیا کی بھلائی کے پُرتاثیر وعظ سناتا ہے اُردو زبان اسکے نرالے بیان پر جھومتی ہے۔ کہنہ مشق راستے اس خضر کے سامنے ماتھا باندھے چلے آتے ہیں مشہور ماہوار رسالہ نظام المشائخ کے دفتر سے نکلتا ہے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے عصا میں اب زیادہ تر اسی میں چھپتے ہیں چندہ سالانہ ۶ شش ماہی ۳ ۱۲ خریداران نظام المشائخ سے سالانہ ۵ شش ماہی ۲ ۱۰ ہفت روزہ ہفت منبر خطیب دہلی

عکسِ تولّی

توجہ کی ضرورت ہی نہ مراقبے کی حاجت، چشمِ بینا وا ہو، تو گلشنِ حقیقت کے گلہائے رنگیں آنکھوں کے سامنے کھلے ہوئے ہیں، عقل کی کوتاہی، اور توہم کا پیر ہے کہ یہ گلستان کسی کے واسطے خارستان ہے، کسی کے لیے چٹیل میدان، عقل کے زعم پر، ناعاقبت اندیشی کے گڑھوں میں پھینے والو، آؤ، فضائے تیقن میں بال کے سچے پروں سے اڑو، حقیقت، آناً فاناً کہیں سے کہیں پہنچا دے گی۔ سنبھلکر دیکھنا، تجلی طور نہیں، پردہ راز ہے، راز و نیاز، مزہ دیگا۔ محمود کی آنکھ سے دیکھو ہر پھول ایاز نظر آئے گا۔

کیسا مبارک وقت ہے۔ کفر و ضلالت کی تاریکی دور ہو چکی۔ انوارِ رحمت چہار دانگ عالم برس رہا ہے۔ مسجد الحرام آنکھ کے سامنے ہے۔ محبوب خدا تشریف رکھتے ہیں۔ ان کے کیسی خوش نصیب ہونگی وہ نظریں جو خالق الموجودات کے پیارے کے چہرۂ انور پر پڑ رہی ہیں۔ دوست پروانوں کی طرح شمع اسلام پر گر رہے ہیں، اور دشمن ساکت و متحیر اس جمالِ جہاں آرا کو ٹکٹکی لگائے تک رہے ہیں۔ ایک طرف عبد المطلب کے بیٹے عباسؓ۔ خطاب کے بیٹے عمرؓ ان پھولوں کو جو دہنِ مبارک سے جھڑ رہے ہیں جھولی میں بھر رہے ہیں دوسری طرف شعبہ کے بیٹے عتبہ اور ربیعہ ہشام کا لڑکا ابوجہل کباب کی طرح جل بھن رہے ہیں، بلبل ہجو سرمادی لیکن یادگل میں مہک ہے۔ پیارے کی زبان اپنے محبوب صفت شجاعت کی عظمت و قدرت میں سرگرم ہے اور ایک گروہ جہنم جھوم جھوم کر ہر بات کا مزہ لے رہا ہے۔ اور لحہ لحہ مسجد صداقت یا رسول اللہ کے نعروں سے

گونج جاتی ہے۔ دوسری طرف اس بلا کا سناٹا ہے کہ سامعہ کام کرتی ہے نہ باصرہ۔ جو ہے وہ گم سم خاموش بیٹھا ہے۔ دفعتاً دروازۂ مسجد سے لکڑی کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔ یہ ایک نابینا کی صدا تھی جس کا نام عبداللہ تھا۔ تکلف کا وقت نہ تھا۔ دنیا کو دین پہ ترجیح دینے والے وہ تھے کہ محبوب خدا کے سوا کوئی شے دکھائی نہ دیتی تھی۔ معمول یہ تھا کہ خلوص کے علاوہ کسی چیز کا گزر ہی ممکن نہ تھا بات تیز ہی تھی اور موقع نازک۔ خدا کا ذکر بت پرستوں کے سامنے۔ اور مسلمان کرنا کافروں کا۔ خاموشی کا منظر اور سامعین کے تیور۔ کامیابی کی توقع دلا رہے تھے۔ اور پوری امید تھی کہ آج مسجد کی دیواریں ہشام کے کلمۂ توحید کو آغوش میں لیں گی۔ مسلمان کیا خود مسلمانوں کے آقا نے بھی یہی خیال کیا کہ عبداللہ نابینا ہیں۔ مجلس کا رنگ اور مجلس والوں کا ڈھنگ نہ سمجھ سکیں گے۔ بنا بنایا نقشہ سب برباد ہو جائے گا۔ ہمارا پیارا ہم مسلمانوں ہی تک محدود نہ تھا۔ ہمارا پیارا ہمارے خدا کا پیارا۔ خیال کیوں غلط ہوتا۔ وہی ہوا۔ عبداللہ الاللہ کہکر حضور کے نزدیک آ بیٹھے۔ کیسے سردار اور کس کے قریش۔ چھوٹتے ہی کہنے لگے۔ پہلے میری سن لیجئے کہ اکیلا اتنی دور سے فقط اس لکڑی کے سہارے بغیر کسی ساتھی اور رہبر کے آیا ہوں فلاں سورۃ بھول رہا ہوں۔ ذرا اسکو بتا دیجئے۔

محبوب خدا اپنے ساتھیوں کا کام کر رہے تھے۔ اسلام کے متعلق حسنات کی غیر متناہی کائنات کی تسبیح توحید کی تفسیر۔ شرک کی مذمت میں بہتر مصروف رہے۔ عبداللہ سیدھے سادے مسلمان۔ وہ کیا جانتے کہ معاملہ کیا ہے۔ وہی کہے چلے گئے۔ پھر اپنے آقا کی طرف متوجہ ہوا۔ جلد سے آقا کو اپنے مالک کی باتوں میں لطف آ رہا تھا۔ عبداللہ کے متواتر تقاضوں سے پیشانی مبارک پر بل آ گیا۔ رخ قریش کی طرف کر لیا۔ اور سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ عبداللہ کیا جانتے تھے کہ کیوں کر ہے۔ فرماتے ہیں

اور مخاطب کون ہے۔ دو چار دفعہ کہہ سُن لکڑی اشاسیدھے ہوئے۔ حضور اسی طرح قریش کی طرف متوجہ تھے کہ چہرۂ اقدس کا رنگ بدلنے لگا اور یہ سورۃ نازل ہوئی۔

مفسرین کا اس سورۃ میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ عبس وتولی ان جاءہ الاعمیٰ۔ تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس لیئے کہ اُسکے پاس ایک اندھا آگیا۔ یہاں اندھے کی آمد کا اظہار کس لیئے ہوا؟ بعض کہتے ہیں کہ واقعہ ہے بیان ضروری تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ عتاب ہے کہ ہم نے تو اُن کو رحمۃ للعالمین بنایا اور مستحق تلقین محتاج و فقراء زیادہ ہیں۔ ایسی حالت میں یہ تیوری کا بل شانِ رسالت سے بعید تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ کمال عتاب یہ ہے کہ اپنے رسول کو ایک نابینا کی حمایت میں خطاب سے بھی محروم کر دیا۔ کیونکہ خدا کی مرضی سے غائب تھے اور اسی لیئے جس وقت یہ آیتیں نازل ہونی شروع ہوئی ہیں تو رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ اور خوف کے مارے ایک رنگ آرہا تھا ایک جارہا تھا۔ جب لفظ کلا کا نزول ہو چکا۔ کہ اچھا آئندہ ایسا نہ ہو اُسوقت رنگ ٹھیک اور خوف و ہراس دور ہوا۔ چنانچہ خود حضور اکرم عبداللہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اُنکو ساتھ لاکر اپنی چادر مبارک بچھائی کہ اسپر بیٹھیے۔ اور اسکے بعد سے ہمیشہ یہ قاعدہ رہا کہ جب وہ آتے اُن کی بہت کچھ وقعت اور تعظیم کرتے اور فرماتے مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی۔ خوش آمدید ہو تو ہے وہ جسکے واسطے میرا رب مجھ سے خفا ہوا۔ عبداللہ کی وقعت آپ کے دل میں اتنی تھی کہ دو مرتبہ اپنی عدم موجودگی میں آپنے اُن کو اپنے بدلے نماز میں امام مقرر فرمایا۔ اور سفر کو تشریف لے گئے۔ بعض کا خیال ہے کہ عبداللہ ظاہری بصارت سے محروم تھے۔ لیکن آپ کی آنکھیں نورِ اسلام سے روشن تھیں۔ چنانچہ انس بن مالک فرماتے ہیں کہ خلافت فاروقی میں جب قادسیہ کی لڑائی ہو رہی تھی تو ایک شخص جسکے آگے سیاہ نشان تھا۔ کفار پر شجاعانہ حملے کر رہا تھا۔ اور [illegible]

تھا۔ نظر آیا قریب جاکر دیکھا تو یہ عبداللہ تھے ۔

عتاب باری کو بعض نفس اسی وجہ پر محمول کرتے ہیں کہ حضور اسوقت اُمراء و وزراء کی باتوں میں محو تھے اور خدا کی حضوری سے علیحدہ تھے گو مقصد محویت تلقین توحید تھا۔ مگر طالب حضوری حق کے مطلب سے غفلت کی۔ اس لیئے غائب کا اطلاق جائز ہے اور غائب سے خطاب جائز نہیں اسلیئے خطاب نہ کیا گیا ۔

اگر کوئی رئیس ایک خادم اس لیئے نوکر رکھے کہ بھولے بھٹکوں کو راستہ بتادیا کرے۔ اور وہ نوکر سب کو راستہ بتائے مگر اندھے دھندوں کی پروا نہ کرے تو وہ ضرور قابل سرزنش ہے ۔

داستان قصاب ختم ہوئی اسے چشم بینا ان ہی کانٹوں میں اپنا پھول دیکھتی ہے محبت کے اس بحر ناپیدا کنار میں عقل سلیم اپنے ہی خطرہ میں ڈر شاہوار سے مالا مال ہوگئی۔ نزول بس انخاض عاشقانہ اور انتہائے فریفتگی کا ثبوت ہوتی جیسے خلیل القدر پیغمبر کو جو کلیم اللہ تھے حکم ہوتا ہے اذھب الی فرعون فرعون کے پاس جا اور اس حکم پر بس نہیں بلکہ یہی فرمایا ہے فقولا الی ان تزکی ۔ جا بھی اللہ خوشامد بھی کر اور ایسا اپنے محبوب کو ایک نابینا فقیر کی خاطر داری کا حکم دیتے ہیں۔ کیا مزے کی باتیں ہیں اپنے پیارے کی اتنی بات بھی ابھی نہیں معلوم ہوئی کہ اندھا فقیر اس درست نامراد جائے۔ اسلام کی تعلیم اور ہمدردی رہ جائے تو رہ جائے ہمارے کام بگڑتے ہیں تو بگڑیں مگر تیری ذات پر حرف نہ رہے۔ یہ عیاں ہے کہ باعتبار خصوصیت انبیاء اور معمولی انسان میں کچھ بھی مابہ الامتیاز نہیں لیکن فرق عظیم یہ ہے کہ محبوب کی تربیت خود کرتے ہیں اور دوسروں کی تربیت بدرجہ اکمل اُسی وقت ہوسکتی ہے کہ اُسکی تربیت میں کوئی کسر نہ رہجائے۔ اس لیئے کہ پہلے تخلق باخلاق اللہ حاصل ہو جو مرتبہ وصول کے واسطے

لازمی ہے۔ اور نیز فنائے نفس کے لیئے۔ اسکے بعد فنائے نفس کا سلسلہ شروع ہو ایسی حالت میں یہ واقعہ محبوب ذوالجلال کے مراتب و مناصب کے منافی نہیں بلکہ ثبوت شفقت و عین محبت خالق الموجودات کی طرف سے اپنے محبوب کی ہے +

خود مفسرین کے واسطے یہاں اشکال ہے۔ بظاہر کوئی حرکت اس معاملہ میں حدود شرع سے متجاوز نہیں۔ اسلیئے نزول عبس کو عتاب باری سے تعبیر کرنا کسی طرح جائز نہ ہوگا +

یہ شرع کا اصول مسلمہ ہے کہ نفع عام نفع خاص پر مقدم ہے۔ مخالفین جن سے آپ گفتگو فرما رہے تھے چوٹی کے گنہگار تھے ان کا راہ راست پر آنا تمام شہر کا مسلمان ہو جانا تھا۔ اور عبداللہ کیطرف متوجہ ہونا کام کرنا تھا ایک تن واحد کا علاوہ ازیں معاملہ ہے۔ دعوت اسلام و تلقین قرآن کا اور دعوت اسلام فقہا کی رائے میں قابل ترجیح ہے۔ اور اسکی مثال ایسی ہے کہ دو شخص حاضر ہوئے۔ ایک طالب قرآن اور دوسرا طالب اسلام۔ تو یہ دونوں گویا مریض ہیں جو طبیب سے علاج کے خواہشمند ہیں۔ اور پہلا مریض ایسا ہے کہ رفتہ رفتہ روبصحت ہو جائے گا۔ لیکن دوسرا ایسا ہے کہ اگر پوری توجہ نہ ہوئی تو سرسام اس کا دماغ مختل کر دے گا۔ یہ ہی غور طلب ہے کہ نابینا کے سامنے تیوری چڑھانا اور منہ پھیرنا کیوں قابل گرفت ہے۔ اسکے نزدیک دونوں صورتیں برابر ہیں وہ منہ نہیں دیکھ سکتا۔ خواہ ادھر رخ مبارک نہ پھرایا ہو تاوقتیکہ اسکے متعلق کوئی حکم ہی نازل نہ ہوا تھا کہ چھوٹتے ہی غصہ کی یہ حد ہو جاتی ہے +

جو دل لطف محبت سے باخبر ہے اس مزے سے پورے استفادہ میں وہی سمجھ سکتے ہیں کہ محبوب کی ہر ادا کیسی پیاری ہوتی ہے۔ یہ رخے کی تیوری چڑھا آنا معمولی منظر نہ تھا۔ اتنا اچھا معلوم ہوا کہ اسکی یادگار ہمیشہ کے لیئے چھوڑ دی۔ دوسروں کے

مُنہ سے سنتے ہیں اور سُنیں گے یعنی حافظ اور قاری تا قیامت اس واقعہ کو تازہ کرتے رہیں +

اگر غصہ ہے تو کسقدر محبت میں ڈوبا ہوا ہے کہ سبحان اللہ خود ہی تادیب فرماتے ہیں۔ خود ہی معذرت کرتے ہیں۔ تاکہ ہم جو بھی چاہے کہہ لیں۔ دوسرے کے دلمیں خیال فاسد بیٹھکر سوء ادب نہ ہو جائے ایک باپ ہے کہ بیٹے پر خفا ہو رہا ہے اور خفا ہوتے ہوتے اسکی بلائیاں بھی کہہ جاتا ہے۔ ایک عاشق ہے کہ شکوہ شروع کرتا ہے مگر اس خیال سے کہ ناگوار نہ ہو خود ہی اظہار بے گناہی کرتا ہے۔ وہی لفظ کہکر خود ہی وجہ فرما دی کہ اندھا تھا +

ذرا اس اغماض کو تو دیکھو کہ گلہ شکوہ شروع ہوتا ہے تو اس طرح کہ نام بھی نہیں لیتے خطاب تک نہیں +

تیوری چڑھائی ایک چڑھانے والے نے۔" پھر شکایت کرتے کرتے جو جوش محبت ہوتا ہے تو خطاب کر بیٹھتے ہیں یہ دریائے محبت کی لہریں ہیں جنکا ہر قطرہ حقیقی محبت کا پتہ دے رہا ہے۔ ہم تو عَبَسَ وَتَوَلّٰی کے معنی یہ سمجھتے ہیں +

سرِ محفل بھی سے پردہ کرنا تھا تمہیں منظور
اداسپر یہ قیامت غیر کے دامن سے مُنہ ڈھانکا

راشد الخیری

عائشہ صدیقہؓ

مصنفہ مولانا نیاز فتحپوری

مع مضمون افتتاحیہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب و دیباچہ مولانا سیماب اکبرآبادی

قیمت ۱۲ر علاوہ محصول

دفتر نظام المشائخ شہر دہلی سے منگائیے

۵۸۷

شانِ محمدی

قیس تشنہ لب

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا　　صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

لیلیٰ کے حسن کا دیوانہ ایک مجنوں تھا۔ جسے قیس عامری بھی کہتے ہیں مگر زلف محمدی کے گرفتار ایک نہیں ایک لاکھ اور بے شمار تھے جن کی نسبت خدا فرماتا ہے والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الف بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم۔ یعنی اے حبیب ہم نے ہی آپ کی الفت عاشقوں کے دل میں ڈالدی ہے۔ اگر آپ زمین سے آسمان تک کی دولت انہیں دے ڈالتے تو بھی آپ کی الفت پیدا نہ کر سکتے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ ہم نے ہی آپ کی الفت کا بیج لوگوں کے دل میں بو دیا ہے۔ اب میں نام کس کس کا لوں۔ آپکے چاہنے والوں میں سے ایک نوجوان **قیس بن حرمہ** بھی تھا۔ اسکی معاش تو یہ تھی کہ جنگل میں گیا لکڑیاں کاٹیں گٹھا باندھا۔ مدینہ کے بازار میں لایا۔ لکڑیاں دو چار پیسہ کو بک گئیں تو اناج خرید ا بیوی کو لاکر دیا وہ کوٹنے پیسنے میں لگیں۔ اور قیس رسول اللہ ﷺ کے حضور میں آگیا ساری رات تک کر ایسی جگہ بیٹھا کہ حضور انور ﷺ کا چہرہ اچھی طرح دکھائی دے۔ اسی ٹکٹکی باندھکر دیکھنا شروع کیا۔ تو رات کی آدھی بیت گئی۔ جب حضور محلسرا میں تشریف لے گئے تو یہ ٹھنڈے سانس بھرتا کلیجہ پکڑے گھر آیا۔ روکھی سوکھی روٹی کھائی اور پڑ رہا۔ مگر فراق میں نیند کیسی کروٹیں بدلتے بدلتے صبح ہو گئی اور دیوانہ متوالا قیس مسجد نبوی میں آیا۔ اور آپکے راستے چشم کر بیٹھا تو اس وقت تک نہ اٹھا جب تک آپ قیلولہ کے لیے دولت خانہ

میں نہ گئے۔ اسی ذوق شوق میں بہت سی راتیں بہت سے دن گزر گئے۔ ایک دن قیس بن حرمہ گھر آیا تو بیوی بولیں۔ تم دن رات رسول اللہ کی ہی خدمت میں بیٹھے رہتے ہو۔ آنکھوں سے کلیجے ٹھنڈک۔ مگر ذرا بال بچوں کا بھی خیال رکھا کرو۔ رمضان کا مہینہ ہے۔ سویرے سے کچھ کما لاؤ تو روزہ کھولنے سے پہلے کچھ پکا لوں +

قیس سچ کہتی ہو۔ اچھا میری کلہاڑی اور رسی تو لاؤ میں جنگل میں سے لکڑیاں کاٹ لاؤں +

بیوی لو یہ کلہاڑی ہے۔ اور یہ رسی ہے۔ نوجوان قیس کلہاڑی اور رسی لیکر چلدیا۔ مگر میرے دوستو! حجاز کے جنگل ہندوستان کے جنگل جیسے نہیں ہیں جنمیں ڈھاک اور کیکر کے پیڑ کوسوں تک کھڑے ہوئے ہیں۔ شہر سے نکلکر چار قدم گئے اور چکرا بھرا ایندھن گھر لے آئے۔ حجاز کے جنگلوں میں پیڑ خال خال ہیں کوسوں بھٹکتے چلے جاؤ تو کہیں جا کے ایندھن ہاتھ لگے۔ چل چلاتی دھوپ نے میں گرم ہوا گرم نہ سر پر ٹوپی۔ نہ پاؤں میں جوتی۔ تمنہ میں روزہ۔ قیس کئی کوس مارا مارا پھرا اور مشکل سے کچھ لکڑیاں ملیں۔ گٹھا سر پر رکھ کر بھاگا بھاگ شہر کو آیا۔ بازار میں پہنچا۔ شام تک گٹھا لیئے کھڑا رہا۔ مگر کسی نے پوچھا تک نہیں۔ جب دیکھا کہ روزہ کھولنے کا وقت آن ہی لگا۔ گھڑی دو گھڑی اور کھڑا رہا تو مغرب کی نماز میں بھی خلل آئے گا۔ یا یوں ہی گھر آیا۔ گٹھا ایک کونہ میں ڈال دیا۔ اور بیوی سے کہا صبر کرو۔ آج لکڑیاں نہیں کہیں اسلیئے اناج بھی نہیں آیا۔ روزہ پر روزہ رکھنا پڑے گا +

بیوی جیسی اللہ کی مرضی۔ ہم ہر حال میں خوش ہیں۔ قیس کئی کوس جنگل میں دوڑا دوڑا پھرا تھا۔ تھکن کے مارے سر چکرا رہا تھا۔ جوں توں کر کے اُسنے روزہ کھولا۔ مغرب کی نماز پڑھی اور پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی عشا کے وقت بیوی نے شانہ ہلا کر کہا۔ اٹھو نماز پڑھو۔ اُٹھا تو پیاس لگ رہی تھی۔ کیونکہ بس چلو پھر

پانی سے روزہ کھولا تھا مگر پانی نہیں پی سکتا تھا کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کو رمضان میں رات کو بھی کھانے پینے کی سونے سے پہلے پہلے اجازت تھی۔ اگر کوئی اول ہی شام سو رہے تو پھر آنکھ کھلنے کے بعد چاہے ساری رات پڑی ہو۔ مگر کھانا پینا سب حرام قیس نے منہ سے اُف بھی نہ کی۔ مگر انسان تھا۔ بھوک اور پیاس دونوں ساری نہیں۔ تڑپ تڑپ کر رات کاٹی۔ صبح ہوئی تو بیوی نے دیکھا۔ میاں نہ کھانے پینے سے نڈھال ہو گیا ہے۔ اپنے دل میں کہنے لگی۔ الٰہی! بارہ پہر کا روزہ اس سے کیونکر کٹیگا۔ جو یکایک اُسے کچھ خیال آیا۔ اور اُسنے چونک کر قیس سے کہا۔ آج تم سویرے سے حضور میں چلے جاؤ اور شام تک وہیں رہو۔

قیس (ہنسکر) بیوی تم سچ کہتی ہو۔ میرا دل بھی یہی چاہتا ہے۔ بلبل گل کے پاس۔ پروانہ شمع کی نزدیکی میں چکور چاند کے اردگرد ہی چین سے رہتی ہے قیس بھی حضور اقدس کی خدمت میں پہنچکر مگن ہو گیا۔ حضرت مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اور سیکڑوں صحابی حاضر تھے جو دن ڈھلا۔ ظہر کا وقت آیا۔ حضور نے فرمایا ارحنا یا بلال (یعنے اے بلالؓ! اذان کہکر ہمیں راحت پہنچاؤ) بلالؓ نے اذان کہی۔ اذان سُننے کے بعد حضورؐ نماز کے لیئے اُٹھے۔ اور آپکے ساتھ سب حاضرین کھڑے ہو گئے۔ مگر قیس بے چارہ مشکل سے کھڑا ہوا۔ کیونکہ بھوک پیاس نے اسکے کلیجہ کو بھون دیا تھا۔ کھڑے ہوتے ہی وہ لڑکھڑایا اور چکر کھاکر زمین پر گر گیا۔ کچھ دیر میں اُسے ہوش آگیا۔ حضورؐ نے جلدی سے قیس کا سر اُٹھاکر اپنے زانو مبارک پر رکھ لیا۔ چاروں طرف سے صحابہ دوڑے۔ کسی نے پنکھا ہلایا۔ کسی نے تلوے سہلائے۔ بہت دیر ہو گئی۔ مگر قیس کو ہوش نہ آیا۔ قیس کے گھر میں بھی خبر پہنچ گئی۔ اُسکی بیوی برقع اوڑھکر مسجد میں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ شفیق رسول (صلعم) مہربان رسول اپنے غلام کا سر زانو پر رکھے بیٹھے ہیں۔ اور چہرۂ مبارک پر پریشانی چھا رہی ہے۔

حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) اے قیس بن حرمہ کی اہلیہ! کچھ تمہارا خاوند علیل ہے جو یکایک بیہوش ہو گیا۔

قیس کی بیوی ۔فداک امی و ابی۔ بیمار تو کچھ نہیں ہے۔

حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کوئی نہ کوئی وجہ تو غش کی ہے۔

قیس کی بیوی ۔ایسا نہ ہو۔ سچا حال کہنے سے لونڈی ناشکر بندوں میں گنی جائے۔

حضور (صلے اللہ علیہ وسلم)۔ نہیں نہیں واجبی بات تو کہنی لازم ہے۔

جب حضورؐ نے اجازت دیدی تو قیس کی بیوی نے قیس کے روزے پر روزہ رکھنے کا حال سب حضورؐ میں عرض کر دیا۔ حضورؐ کا دل اس قصہ کو سُنکر بھر آیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ آپنے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "رب العزت! تو دانا بینا ہے۔ میری امت بہت کمزور ہے اور تیرے رحم اور کرم کی امیدوار ہے۔ حضورؐ کا اتنا کہنا اور دریائے رحمت کا جوش میں آجانا۔ قیس کو ہوش ہوا۔ اور جبرئیل علیہ السلام یہ مژدہ لیکر خدا کے پاس سے آئے۔ کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر۔ رات بھر کھانے پینے اور سب باتوں کی اجازت مل گئی۔ سونے جاگنے کی شرط خدا نے اُٹھا دی۔ یہ آیت سورۂ بقرہ سیقول میں موجود ہے اور اسکی شانِ نزول میں اختلاف ہے مگر اسمیں سب کا اتفاق ہے کہ حضورؐ کے فرمانے کا خدا کو بڑا پاس تھا۔ بڑا لحاظ تھا جس طرح حضور خدا کے مطیع تھے اسی طرح خدا کو آپ کی خوشنودی مطلوب تھی۔ ولسوف یعطیک ربک فترضی۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ معاذ اللہ انبیاء مرسلین خدا کی کتاب لیکر دنیا میں اس حیثیت سے نہیں آیا کرتے ہیں۔ جس طرح عدالت کے چپراسی کہ مدعی مدعا علیہ کو سمن یا اطلاع نامہ دیا اور اپنا رستہ لیا۔ بلکہ ان حضرات کی آمد ایسی ہوتی ہے جیسی لارڈ وایسرائے یا

گورنر جنرل کی آئین ملکی و قوانین مالی وغیرہ کی کتاب اُنکے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور اُس میں شاہنشاہ کی طرف سے یہ مرقوم ہوتا ہے کہ آنے والے ہمارے جانشین ہمارے مشیر ہمارے معتمد ہیں۔ انکے احکام ہمارے احکام۔ اِن کی اطاعت ہماری اطاعت انکی خوشنودی ہماری خوشنودی۔ ان کا فرمان ہمارا فرمان۔ انکی نافرمانی ہماری نافرمانی ان کی بے ادبی ہماری بے ادبی ہے۔ ویسے تو سارے نبی اور رسول برحق ہیں مگر ہمارے حضور پیغمبر آخر الزمان خاص الخاص رسول اور خدا کے محبوب ہیں تبشیلاً جو باتیں اوپر لکھی گئی ہیں۔ انکی دلیلیں قرآن میں موجود ہیں۔ دیکھئے۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ اے محمدؐ! تم نے جو دشمن کی طرف تیر مارا وہ آپنے نہیں مارا تھا بلکہ اللہ نے مارا۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم جو لوگ آپسے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُنکے ہاتھوں پر ہے اللہ تو ہاتھ پاؤں کچھ بھی نہیں رکھتا۔ اگر اُسکے ہاتھ تھے تو رسول ہی کے ہاتھ تھے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جسنے رسول کی اطاعت کی اُسنے اللہ کی اطاعت کی۔ ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ تمہیں جو کچھ رسول عطا فرمائیں وہ لیلو۔ اور جس بات سے رسول تمہیں روکیں اُس سے الگ رہو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو بااختیار بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ اُن کی مٹھی میں سب کچھ تھا جسے اُنہوں نے دیا اُس نے سب کچھ پایا۔ اور جسے انہیں نے نہیں دیا یا جن لوگوں نے اُن کے انعام سے انکار کیا۔ وہ محروم رہے۔ جیسا کہ سیاق کلام اللہ کہتا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیرًا۔ یعنی جو کوئی ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول اللہ کو یا آپکے قول کو معطل اور بے کار سمجھے اور مومنین کے اس رستہ کو چھوڑ کر دوسرے سے چلا آتا ہے چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانی چاہیئے تو ہم اُسے

اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ آپ کی ذات وصفات کو یہود ایسا جانتے تھے جیسا اپنی اولاد کی ذات صفات کو یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ ولے بر حال ہمارے کہ ہم مسلمان کہلائیں۔ اور ہماری سمجھ میں حضور کے مراتب نہ آئیں میں آپ کی صفت وثنا کیا کر سکتا ہوں۔ تمام قرآن مجید حضور کی صفت وثناسے بھرکر چھلک رہا ہے۔ مگر ادب اور اُس اُلفت کی نظر درکار ہے۔ جسکا ذکر خدا نے قرآن میں کیا ہے۔ آپ کی ظاہری تعلیم کے ساتھ باطنی اصلاح بھی تھی کیونکہ بغیر باطنی اصلاح کے ظاہری تعلیم بے کار کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ چنانچہ آپ کی اس باطنی اصلاح کی نسبت خدائے رب العزت فرماتا ہے ھوالذی بعث فی الامیین یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ یعنی خدا نے جو رسول اُمّی عربوں میں بھیجا ہے اُس کی تعلیم کا یہ ڈھنگ ہے کہ پہلے تو اُن کے سامنے کچھ آیتیں پڑھتا ہے اور اُسکی برکت سے اُنکے دل کفر دنیا داری کی سیاہی سے پاک ہوکر آئینہ بن جاتے ہیں۔ جب اُنکے دل شفاف ہوجاتے ہیں تو پھر اُن میں کتاب اور حکمت بھر دیتا ہے حکمت ارسطو اور بقراط کی نہیں بلکہ اسرار معرفت اور وحدت وجود کی حکمت بس وہی طریقہ باطنی اصلاح کا ہم فقیروں میں سلسلہ بسلسلہ چلا آتا ہے خواہ نقشبندیہ ہو یا قادریہ یا سہروردیہ یا چشتیہ وغیرہ چنانچہ حضرت محب النبی مخبر جہاں فخر زماں مولانا فخر الدین چشتی نظامی دہلوی قدس سرہ العزیز ایک بار بڑے تزک واحتشام سے سفر میں تھے آپکے ہمراہی سب عربی عراقی گھوڑوں پر سوار تھے آپکی اس شان وشوکت کو دیکھکر ایک راہگیر نے آپسے دریافت کیا جناب آپ کون لوگ ہیں؟ آپنے فرمایا۔ ہم بیوپاری لوگ ہیں۔ راہگیر نے کہا۔ آپ کس چیز کا بیوپار کرتے ہیں۔ فرمایا۔ محبت کا۔ راہگیر نے کہا آپکی دُکان کہاں ہے؟ فرمایا۔ ہمارے بیوپار کی بڑی کوٹھی تو مدینہ شریف میں ہے اور اسکی شاخوں کی دکانیں ایک اجمیر شریف میں اور ایک دہلی میں ہے۔ راہگیر نے آپ کی ان باتوں کو حیرت کے ساتھ سنا اور کہنے لگا۔ سچ تو یہ ہے کہ آپکا بیوپار سونے چاندی کے بیوپار سے

ص ۳ بھی بڑھ چڑھکر ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو کسی دن اسکی بھی کچھ حال سنایا جائیگا۔ ۱۲ فخر زمانی

ناصر نذیر فراق دہلوی۔

الحسنؑ

ولادت

حضرت امیرالمومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ کی صُلب اور جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا۔ بنت حضور سرورِ عالم و عالمیان حبیب خدا۔ خاتم الانبیاء سیدنا محمدؐ بن عبداللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن مبارک سے ۱۵۔ رمضان المبارک ۳ھ ہجری کو صبح کے وقت جمعہ کے روز جناب امام حسن علیہ السلام رونق افروز عالم اسباب ہوئے +

چند بیانات سے پایا جاتا ہے کہ ولادت باسعادت ۱۵ شعبان المعظم ۳ھ کو ہوئی۔ بعض نے ۱۵ شعبان بیان کی ہے۔ لیکن ہمکو پہلا بیان زیادہ درست معلوم ہوتا ہے +

حضرت زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام کا بیان ہے کہ جب تایا صاحب قبلہ کی ولادت کا وقت قریب آیا (تو جناب سرورِ کائنات فخر موجودات خداہ امی و ابی نے اسمار بنت عمیس۔ اور امہ امینہ) کو جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت و اعانت کے واسطے یہ ہدایت فرما کر بھیجا تھا کہ (تم فاطمہؓ پر) آیۃ الکرسی اور معوذتین پڑھکر دم کرنا +

(حضرت اسمار بنت عمیس کا بیان ہے کہ ہم نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور مولود مسعود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت پڑھی۔ جب سرکار دوعالم تشریف فرما ہوئے تو صاحبزادہ کی ولادت پر اظہار مسرت فرمایا۔ اور حضور والا شان نے دعا فرمائی۔ اللھم انی اعیذہ بک وذریتہ من الشیطان الرجیم +

یا اللہ اپنے لخت جگر کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

حضرت اسماء نے کمال تحیر آمیز لہجہ میں جناب سرکار دو عالم سے عرض کیا کہ مشل اور عورتوں کے صاحبزادی کو کسی نجاست کی تکلیف نہیں ہوئی تو اسپر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے خدا نے فاطمہؓ کو حیض و نفاس سے پاک رکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فاطمہ زہرا کہا جاتا ہے۔ زمانہ حمل کے متعلق مورخین کہتے ہیں کہ ۶ ماہ جناب ممدوح بصورت جنین بطن مادر میں رہے۔

نام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب ممدوح کا نام حسن تجویز کیا تھا لیکن جناب سرکار دو عالم نے حسن تجویز فرمایا۔ مگر مجکو اس روایت پر یقین نہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ حضورؐ کے ہوتے ہوئے جناب مرتضیٰؓ نام رکھنے میں سبقت فرماتے۔ اسکے مقابلہ میں مجکو یہ روایت درست معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے وقت حضور سرکار دو عالم نے جناب مرتضیٰؓ سے دریافت فرمایا کہ فور منظر کا کیا نام رکھا ہے۔ اسپر جناب مرتضیٰؓ نے عرض کیا کہ میں آپکے ہوتے ہوئے نام کیونکر رکھ سکتا تھا۔ تب حضورؐ نے بھی یہ ہی ارشاد فرمایا کہ میں بھی نام میں رب العزت کے حکم پر سبقت نہیں کرتا کہ اسی درمیان میں خادم دربار رسالت حضرت جبرئیل امین تشریف لائے اور عرض کیا کہ رب العزت بعد سلام کے فرماتا ہے کہ آپنے علیؓ کو ہارونؑ کا رتبہ عنایت فرمایا ہے۔ پس انکے بیٹے کا بھی وہی نام رکھیئے جو ہارون کے بیٹے کا تھا۔ سرکارؐ نے فرمایا کہ وہ نام بھی بتلاؤ تو جناب امینؑ نے عرض کیا۔ شبّر۔ شبّیر۔ بشر۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ تو عربی زبان نہیں میری زبان میں انہیں کے ہم معنی نام بتلاؤ۔ جناب امینؑ نے اسکا ترجمہ حسن حسین محسن کیا۔ چنانچہ جناب ممدوح کا نام حسب ارشاد رب العزت حسن رکھا گیا۔

تاریخ الخلفا اس موقع پر ایک لطیفہ پیش کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے نام مخلوق سے مخفی فرمائے تھے تا اینکہ جناب سرور دو عالمؐ نے پنجتن نام اپنے نواسوں کے نام رکھکر بتلائے۔

حلیہ

رنگ سفید سرخی مائل۔ قد متوسط۔ آنکھیں نہایت رسیلی تھیں۔ بیاض گردن چاندی کی صراحی معلوم ہوتی تھی۔ رخسار مبارک نہایت درجہ نرم تھے۔ سینہ مبارک سے ناف تک نہایت باریک و نرم بالوں کا ایک خط تھا۔ ریش مبارک گھنی ہوئی تھی۔ سر کے بال گھونگر والے تھے جو اکثر اوقات شانوں پر پڑے رہتے تھے۔ تمام اعضا نہایت فراخ مگر بے حد نرم تھے۔ سینہ بہت فراخ تھا۔ مختصر یہ ہے کہ اپنے برگزیدہ عالم نانا جان سے بالکل مشابہت تھی +

حُسن صورت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ جناب امام حسنؓ سے زیادہ کسی کو سرور دو عالمؐ سے مشابہ نہیں دیکھا خود جناب مرتضیٰؓ فرمایا کرتے تھے کہ حسنؓ سر سے سینہ تک اپنے نانا جانؐ سے مشابہ ہیں +

مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص جناب سرور کائناتؐ کی خواب میں زیارت پاتا۔ لوگ اُس سے پوچھتے کہ یہاں کسکی شکل سے ملتی ہے۔ پس اگر وہ کہتا کہ جناب امام حسن علیہ السلام رضی اللہ عنہ سے۔ تو اُسکو سمجھتے کہ واقعی اسکو دولت دید نصیب ہوئی۔ ورنہ جھٹلایا جاتا۔ آپکے چہرۂ مبارک پر ایسا نمک تھا جس سے اس وقت تک سب محروم تھے۔ جب بال سفید ہونے شروع ہوئے تو کبھی کبھی آپ مہندی بھی لگا لیتے تھے۔ حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی کو چھیڑا کرتے تھے کہ بھی حسنؓ نے نانا جان کا نقشہ اُڑا لیا۔ جناب مرتضیٰ مسرت سے مسکرایا کرتے تھے +

حالات بچپن

حضور سرور کائناتؐ کو اپنے دونوں نواسوں سے بیحد محبت تھی جسکا اظہار زبان و افعال سے ہمیشہ ہوتا رہتا تھا۔ سفیان بن الحارثؓ بخاری مسلم۔ ترمذی میں براء بن عازبؓ

حافظ ابو نعیم ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بخاری مسلم۔ ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے ۔

کہ اکثر امام حسن علیہ السلام جب حضور سرور کائنات نماز میں مصروف ہوتے تھے کبھی پشت پر کبھی گردن پر کھیلتے کھیلتے چمٹ جاتے یا بیٹھ جاتے تھے۔ اور حضور والا جاہ منتظر رہتے تھے کہ حسن خود ہی اتر جائیں۔ بعض اوقات سجدہ میں بہت بہت عرصہ تک حضور کو اسی انتظار میں ہی رہنا پڑا کہ آپ اتر جائیں۔ کبھی خود اتارنے میں سبقت نہ فرماتے کہ کہیں ننھا سا دل آزردہ نہ ہو جائے ۔

اکثر منہ چومتے۔ پیار کرتے اور فرماتے کہ اے رب العزت! میں اپنے لخت جگر کو بہت دوست رکھتا ہوں اور اسکو بھی بہت دوست رکھتا ہوں جو اسکو دوست رکھے تو اسکو اور اسکے دوست کو دوست رکھ ۔

بارہا حضرت نے فرمایا کہ میرے بچہ کے باعث دو بڑی جماعتوں میں صلح واقعہ ہوگی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں جناب سرور عالم کے ساتھ تھا حضور والا جاہ بنی قینقاع کے بازار سے ہوتے ہوئے جناب فاطمہ جنت کے دولتخانہ پر پہنچے۔ فرمایا میرا بچہ کہاں ہے۔ صاحبزادہ صاحب کو تشریف لانے میں کچھ دیر ہوئی تو میں نے خیال کیا کہ شاید فاطمہ جنت نہلا دھلا رہی ہونگی کہ اتنے میں صاحبزادہ صاحب باہر سے دوڑتے ہوئے آئے۔ اور سرکار والا جاہ کے سینہ مبارک سے چمٹ گئے۔ حضور نے گود میں اٹھا لیا۔ پیار کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے کہ اے تمام خداوندوں کے خداوند! میں اس بچے کو بہت دوست رکھتا ہوں تو اپنی دوستی کا اس پر سایہ ڈال! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس روز سے میں نے سرکار والا جاہ کی زبان مبارک سے سنا۔ امام حسن سے زیادہ کوئی چیز مجھکو محبوب نہ رہی ۔

ابن عاکر کا (بحوالہ حذیفہ) بیان ہے کہ جناب سرور عالم نے عام طور پر خطاب فرما کر

ارشاد فرمایا کہ خدا کے بندو! گوش دل سے سُنو۔ حسنؑ بن علیؑ کو رب العزت کی بارگاہ سے اس درجہ بزرگی اور مرتبہ ارزانی ہوا ہے کہ اسقدر بزرگی اور مرتبہ سوائے یوسف بن یعقوبؑ کے اور کسیکو نہیں ملا۔ ابو داؤد میں بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ میرا بچہ جنت کے نوجوانوں کا سردار ہے۔

طبرانی کبیر میں انسؓ سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز بہت سے صحابہ حاضر ہے۔ اور سرکار والا جاہ عالم خواب میں استراحت فرما رہے تھے کہ اسی درمیان میں جناب حسن علیہ السلام چپکے چپکے تشریف لائے اور حضرت کے سینہ مبارک پر بیٹھ گئے۔ ہم سب خاموش رہے۔ لیکن اتفاقاً صاحبزادہ صاحب کا پیشاب سینہ پر ہی خطا ہو گیا۔ میں اس ارادے سے کہ صاحبزادہ صاحب کو سینہ مبارک سے ہٹا دوں۔ حضورؐ کے قریب ہوا تو جناب والا کی آنکھ کھل گئی اور چہرہ پر ناگواری کے آثار مجکو محسوس ہوئے۔ حضور والا نے فرمایا۔ انس! خرابی ہو۔ میرے فرزند کو مجھ سے جدا نکر۔ خدا کی قسم اسکی آزردگی سے مجکو تکلیف ہوتی ہے۔ اور جو شخص میری تکلیف کے درپے ہوگا۔ اُسکو خدا تکلیف دے گا ان باتوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سرکار دو عالم کو جناب ممدوح کی خاطر کسقدر عزیز تھی اور کس درجہ الفت فرماتے تھے۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک روز رسول خدا جناب امام حسنؑ کو اپنے دونوں شانوں پر سوار کرائے ہوئے ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ کسی نے امام حسنؑ کو خطاب کر کے کہا کہ میاں صاحب زادے! بڑی اچھی سواری پائی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہی سوار بھی تو بہت ہی اچھا ہے۔

تعلیم و تربیت

اس زمانہ میں مدارس و مکاتب۔ کالج و یونیورسٹیز یا جنگی مدارس تو تھے ہی نہیں۔ ہر شخص معلم اور ہر گھر اسکول تھا۔ جس خوش نصیب نے انا مدینۃ العلم و علی بابہا کے

آغوشوں میں تربیت پائی ہو۔ اُسکی نسبت یہ رائے قائم کرنا کہ اُن کا مبلغ علم کسقدر بلند ہے ایک صنعت گریاں ہی ایک منٹ اور ایک سیکنڈ میں تمام علوم و معارف پر عبور پا جانا ایک اور ہی بات تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ مورخین نے اِس خاص عنوان پر کچھ بھی تو نہیں لکھا۔

اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ جناب ممدوح سن بلوغ سے پہلے ہی ایک علامہ و حکیم و شیخ الوقت کے رتبوں سے زیادہ بلند پایہ پا چکے تھے۔ اور کیوں نہ پا جاتے۔ جن کے استاد۔ جناب رسولِ خداؐ۔ جناب شیرِ خداؑ۔ جناب خاتون جنتؑ ہوں۔ فن خطابت تو قومی اور ملکی حصہ تھا۔ عرب کے چھوٹے چھوٹے۔ بڑے بڑے اسپیکروں کو گونگا کیا کرتے تھے۔ غیر عرب کا نام اسی خصوصیت سے معجم ہوا۔

سایۂ رسالت کا جدا ہو جانا

یہ گستاخی تو مجھ سے ہو نہیں سکتی کہ جناب ممدوح نے ابھی ہوش بھی نہ سنبھالا تھا لیکن اسقدر ضرور عرض کروں گا کہ ہنوز ساتواں سال ختم ہی ہوا تھا کہ جناب سرورِ عالمؐ عالمیان نے سنہ ہجری میں اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ اور قدرت نے صاحبزادہ صاحب کو نانا جانؐ کے آغوشِ محبت و تربیت سے جدا کر دیا۔ قلب پر اس حادثۂ عظیمہ نے جو کچھ اثر کیا ہوگا اُسکا اظہار قلم و زبان سے کب ممکن ہے۔ تاہم شفقت پدری نے بظاہر اِس صدمہ کو زیادہ تاب شکن ثابت نہ ہونے دیا۔ گو وہ ناز برداریاں جو سرکارِ عالمؐ فرمایا کرتے تھے۔ اب کہاں۔ دوسرے صغر سنی ہی رخصت ہو چکی تھی۔ ذمہ داری کے دن آنے والے تھے۔ جنکے لیے ممدوح کو تیار ہونا تھا۔ پہلے زیادہ کیا۔ تمام اوقات، نانا جانؐ کی خدمت میں گزرتے تھے۔ اب حضرت قبلہ والد صاحب کی خدمتگزاری میں صرف ہوتے ہیں۔ اور اُن تمام صفات کی تکمیل ہوتی جاتی ہے۔ جن کا تخم حضور سرورِ عالمؐ نے جناب ممدوح کے سینہ میں رکھدیا تھا۔

ذکاوت ذہانت

صاحب تفسیر واحدی کا بیان ہے کہ اسنے ایک شخص نے اپنا واقعہ یوں نقل کیا :-

کہ ایک روز مدینہ کی مسجد میں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہت بڑے مجمع میں حدیث روایت کر رہا ہے۔ موقع پاکر میں نے پوچھا کہ شاہد و مشہود کے کیا معنی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ شاہد سے مراد یوم جمعہ ہے اور مشہود سے عرفہ کا دن مراد ہے۔ میں یہ جواب سنکر خاموشی کے ساتھ آگے چلدیا۔ دیکھا ایک اور صاحب ایک جماعت کو مخاطب کئے ہوئے ہیں۔ موقع پاکر میں نے اُن سے بھی یہی سوال کیا انھوں نے فرمایا کہ شاہد سے مراد یوم جمعہ ہے اور مشہود سے قربانی کا دن میں یہاں سے بھی آگے چلا تو ایک طرف کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سمت خاص میں ایک نوخیز جوان جسکے چہرے پر نورانی شعاعیں ہجوم کر رہی تھیں۔ کمال طلاقت لسانی سے بہت بڑے مجمع کو مخاطب کئے ہوئے ہے اور عجیب نکات بیان کر رہا ہے۔ اس نورانی شخص کی وجاہت نے ضرور مجکو مرعوب کیا۔ مگر موقع پاکر اُسنے بھی وہی سوال میں نے کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اے سائل! شاہد محمد ہیں اور مشہود قیامت کا دن۔ کیا تو نے نہیں سُنا۔ جناب رب العزت کا ارشاد ہے۔ انا ارسلناک شاھدًا ومبشرًا ونذیرًا (اے پیغمبر! ہم نے تم کو خلائق کا حال دیکھنے والا۔ مسلمانوں کو خوشخبری سنانے والا۔ کافروں کو ڈرانے والا بھیجا ہے۔ پھر دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے ذلک یوم مجموع لہ الناس وذلک یوم مشہود۔ یعنی قیامت کا وہ دن جسکے لیئے سب لوگ جمع ہونگے۔ وہ دن خاص کیا گیا ہے۔ کیا فرقان حمید کی ان دونوں آیتوں کو ملانے کے بعد ثابت نہیں ہوتا کہ شاہد کون ہے اور مشہود کون ہے +

میں یہ جواب پاکر بہت مسرور ہوا۔ لوگوں سے معلوم کیا تو پہلے شخص عبداللہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسرے عبداللہ بن عمر تھے۔ اور تیسرے نوخیز شاہد رعنا حسن بن علی کرم اللہ وجہہ تھے۔

اہل علم اور نکتہ رس اندازہ فرما سکتے ہیں کہ جناب ممدوح کا جواب کس درجے بلند و پر معنی ہے۔ یہی وہ فیض تھا جو انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا کی آغوش تربیت میں حضور ممدوح پا چکے تھے۔

ابھی شباب نے پورے طور پر قدم بوسی نہ کی تھی کہ ایک روز جناب ممدوح نے غسل فرمایا۔ عمدہ لباس زیب بدن کیا۔ خوشبو ملی۔ ریش مبارک میں جسے ہنوز پورے طور پر نشو و نما بھی نہ پایا تھا۔ شانہ فرمایا۔ ایک سبک رفتار عربی نژاد پر سوار ہو کر شاید بطور تفریح یا بطور مشق فن حرب ایک جانب کو تشریف لے چلے۔ ابھی تھوڑی ہی دور تشریف لے گئے تھے کہ دور سے ایک خستہ حال محتاج گرفتار تکلیف یہودی نے غل مچایا کہ حضرت برائے خدا توقف فرمایئے۔ اور میرا انصاف فرماتے جایئے۔ میرا معاملہ آپکے ساتھ ہے۔ آپ حیران ہوئے کہ اسکے ساتھ میرا تو معاملہ کچھ بھی نہیں تاہم اخلاق نبوی نے آگے نہ جانے دیا۔ توقف فرما کر آپنے استفسار فرمایا کہ کہو کیا بات ہے۔ یہودی نے کہا کہ آپکے نانا جان تو فرمایا کرتے کہ الدنیا سجن المؤمن و جنت الکافر۔ یعنی دنیا مومن کے واسطے قید خانہ ہے اور کافر کے واسطے جنت ہے مگر باوجودیکہ آپ بنجال خود مومن ہیں۔ لیکن دنیا میں جنت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور میں باوجودیکہ آپکے زعم میں کافر ہوں دنیا میں دوزخ کی زندگی بسر کر رہا ہوں انصاف فرمایئے۔ کیا وجہ ہے کہ میں معاملہ کو برعکس سمجھوں۔

جناب ممدوح نے ارشاد فرمایا کہ اے پیر مرد! اگر تجکو معلوم ہو جائے کہ مومن کے واسطے رب المومنین نے آخرت میں کیا کیا انعام مخصوص فرمائے ہیں تو ہر مومن تم کو قید خانہ میں معلوم ہو۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کفار کے واسطے اُس قہار و قادر و

قیوم نے کن کن شدائد و مصائب کو مہیا فرمایا ہے تو تجکو ہر کافر اس وقت جنت میں معلوم ہو معاملہ اسی طرح ہے جس طرح سے کہ تو نے سُنا نہ کہ جس طرح دیکھتا ہے +

عبادت

آپ ابتدا ہی سے کثرت عبادت میں بے حد مستعد تھے اور ایسے اشغال کا ورد فرماتے تھے جو نفس پر بہت ہی شاق ہوتے تھے۔ ابونعیم محمد بن علی سے اور جناب امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب امام حسنؑ نے پندرہ حج پیادہ پا ادا کئے حاکم عبداللہ بن عبید بن عمیر کی شہادت اگر سامنے رکھی جائے تو پچیس حج ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بات نہ تھی کہ سواریاں اور بار برداری کے لیئے جانور مہیا نہ تھے بلکہ یہ سب کچھ جناب ممدوح نے اپنے نام کے لیئے قبول فرمایا ہوا تھا۔ سواریاں ہمیشہ سفر میں کوتل چلا کرتی تھیں۔ حاکم کی روایت کو اگر ہم چھوڑ دیں تو مضائقہ نہیں۔ پندرہ حج کیا تھوڑے ہوتے ہیں۔ ابونعیم نے جناب امام کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے۔ مجھے نہایت شرم آتی ہے کہ خدا سے ایسے حال میں ملاقات کروں کہ اسکے گھر کا حج پیادہ پا نہ کیا ہو پس اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو ذات ایسی تاب شکن و صبر آزما کام پر اسقدر دلیر ہو کہ پندرہ حج پیادہ پا کرے وہ نوافل و سنت و ورد و تلاوت و اوراد میں کسقدر مشغول رہتی ہوگی۔ عنفوانِ شباب اور اسقدر سخت مجاہدات درحقیقت یہ روحانی قوت تھی جو ہمیشہ آپ پر سہل رہتی تھی +

سخاوت

کریم ابن کریم کی سخاوت محتاج بیان نہیں تاہم مالف کے اس جزو کو اور اخلاق کے اس تاج کو بیان کرنا بھی چاہیئے۔ ایک شخص جسکا نام اور حوالہ تجکو دریافت نہیں ہو سکا۔ لیکن اکثر اہل تصانیف اسکو نقل کرتے آئے ہیں۔ حضرت رب العزت سے سوال مانگ رہا تھا۔ جناب ممدوح بھی اُدھر جا نکلے۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ بھئی تمہارا سوال تو

مجھسے پورا ہونا معلوم" ہاں اگر معذور جانکر جو کچھ تھوڑا سا میرے پاس ہے تم قبول کرلو تو حاضر کروں۔ اُس خوش نصیب نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی حضور عنایت فرمائینگے وہ میرے لیئے بہت ہوگا۔ تمام عمر مرہون منت رہونگا جناب ممدوح نے اپنے تحویل دار کو یاد فرمایا۔ پوچھا کچھ ہے؟ عرض کیا۔ پچاس ہزار تو موجود ہیں۔ آپنے دریافت فرمایا کہ بہتی پانسو درہم اور بھی تو تھے عرض کیا ہاں وہ بھی حاضر ہیں۔ حکم ہوا یہ سب ان کی خدمت میں پیش کردو۔ ہمارے لیئے اللہ کا نام کافی ہے۔ کہاں ایسے سخی کوئی اور مذہب بھی پیش کرسکتا ہے؟

ابوالحسن درانی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن جعفر حسن بن علی حسین بن علی رضی اللہ عنہم باہم ہمسفر ہوئے اور مکہ معظمہ کی زیارت کیلئے تشریف لے چلے۔ سوء اتفاق سے راہ میں سواریاں جنپر زاد راہ بار تھا گم ہوگئیں اور حضرت قافلہ سے چھوٹ گئے جب بھوک پیاس نے غلبہ پایا تو ادہر اُدہر دیکھنے لگے ایک بلند جگہ پر خیمہ نظر آیا۔ سب حضرات خیمہ کے دروازے پر جا پہنچے تو ایک سالخوردہ عورت کو وہاں پایا اُس سے اُن میں سے کسی صاحب نے دریافت فرمایا۔ یہاں کوئی چیز پینے کی بھی ہے۔ اُسنے کہا دودھ والی بکری ہے دیکھو وہ کونے میں بندھی ہے۔ اُسکا دودھ نکالکر پی لو۔ آپنے دودھ نکالکر پیا۔ پھر دریافت فرمایا کوئی کھانے کی چیز بھی ہے؟ بڑھیا نے کہا کہ بر خوردار یہی ایک بکری ہے اگر تمہارا جی چاہے تو اسکو ذبح کرکے پکاؤ کھاؤ۔ آگ لکڑی بھی حاضر ہے۔ چونکہ بھوک غالب تھی آپنے اُسکو انعام الٰہی خیال فرماکر ذبح فرمایا۔ پکایا کھایا خدا کا شکر ادا فرماتے ہوئے چلنے کو تیار ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت اُس مہماں نواز بڑھیا سے فرمانے لگے کہ ہم قریش ہیں۔ مدینہ سے حج کو جاتے ہیں۔ اگر بخیر و عافیت وطن پہنچے۔ اور تجھسے ملاقات میسر ہوئی تو تیرا شکر ادا کرینگے۔ یہ تینوں حضرات تو قدم براہ ہوئے اور تھوڑی دیر بعد بڑھیا کا تنگدل شوہر بھی وارد ہوا۔ بڑھیا نے نہایت خوشی کے لہجہ میں بیان کیا

کہ اتفاق سے آج تین قریشی آئے تھے وہ خدا جانے کیوں بھوکے پیاسے تھے آج بکری تو میں نے ان کے مدارات میں خرچ کردی۔ تنگ دلی کا برا شوہر یہ سنکر بہت غضبناک ہوا۔ اور جو اُسکے جی میں آیا۔ فیاض بڑھیا کو کہتا رہا۔ انجام جب ہو رہا۔ بکری زندہ تو ہو ہی نہیں سکتی تھی +

ادھر یہ حضرات بعد فراغت حج بیت اللہ اپنے اپنے گھروں میں مع الخیر پہنچگئے قصہ آتا جاتا رہا +

ایک مدت دراز کے بعد وہ ضعیفہ کسی حادثہ کا شکار ہوکر مدینہ آئی۔ اور اتفاقاً اس کوچہ سے گزری۔ جہاں امام حسن علیہ السلام تشریف رکھتے تھے حضرت نے پہچان کر فوراً بلایا۔ عزت سے پاس بٹھاکر پوچھا۔ کیا تم پہچانتی ہو۔ بڑھیا نے عرض کیا کہ بخدا نہیں۔ میں بالکل ناواقف ہوں۔ ممدوح نے سفر کا قصہ بکری کی تواضع کا پتہ دیا۔ بہتیرا یاد دلایا۔ لیکن یہ عرب کا خاصہ ہی نہ تھا کہ کسی کے ساتھ وہ نیکی کرکے یاد بھی رکھتے +

سید ظفر احسن علوی

رہنمائے سیر دہلی

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی تازہ تصنیف ہے۔ الفاظ میں نئی اور پرانی دہلی کا پورا نقشہ اُتار کر رکھدیا ہے۔ گھر بیٹھے دہلی کی سیر کرنی ہو تو اسے منگایئے۔ الفاظ کی تصویروں کے علاوہ عمارات و مقامات مشہورہ کے کئی فوٹو بارہ کے قریب الگ ہیں۔ اردو زبان میں ایسی کتاب کوئی نہ تھی۔ بہت چکنے۔ بہت سفید قیمتی کاغذ پر چھپی ہے۔ بہت خوبصورت جلد بندھی ہے قیمت صرف عہ علاوہ محصول +

المشتہر مینیجر نظام المشائخ و خطیب دہلی

سماع اور اُسکے آداب

خال میں ایک عنایت فرما مولوی صاحب سے سماع کے متعلق گفتگو ہوئی۔ وہ عالم فاضل ضرور ہیں۔ لیکن تصوف کے کوچہ سے نابلد۔ ہیں باسباب ظاہر موجودہ سماع کا مخالف لیکن بباطن موافق ہوں۔ اور وہ بالکل ہی منکر ہیں۔ یہ تو بڑا فرق ہے۔ آخر اس ضعف کی حالت میں دو گھنٹے برابر اُن سے باتیں کرتا رہا۔ اور بزرگان دین کے اقوال و احوال سے سیری کردی۔ مولوی صاحب قائل تو ہو گئے۔ لیکن سماع سُننے پر رضا مند نہوئے خیر۔ اُن کی مرضی۔ ضرورت تو یہ تھی کہ خیالات کی اصلاح ہو جائے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے مولوی اور صوفی ایک دوسرے کے یوں مخالف ہیں کہ مولوی صاحبان کا فرقہ کتب تصوف کا مطالعہ کرنا اور علمائے اسلام کے اصلی خیالات کو دیکھنا شان کے خلاف اور تضیع اوقات سمجھتا ہے (لیکن میرا روئے سخن اُن بزرگ مولویوں کی جانب نہیں ہے جو ظاہر و باطن کے مالک ہیں اور اُن میں سے اکثر بزرگوں کی خدمت میں مجھے بھی نیاز حاصل ہے) رہے صوفی۔ اُن کی نسبت مجھ سے زیادہ میرے محترم جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نظام المشائخ میں تحریر فرما چکے ہیں ؎

گوئے توفیق و کرامت در میاں افگندہ اند کس بمیداں در نمے آرد سوار اں را چہ شد

سماع اور آداب سماع کے متعلق یہ خیالات میرے اختراع نہیں ہیں۔ بلکہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رح اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رح کے ارشادات ہیں۔ اس لیئے اگر کوئی صاحب میرے اوپر اعتراض فرمائیں تو سمجھ لیں کہ اُس کا اثر کہاں تک پہنچے گا میں موجودہ سماع کا خود قائل نہیں لیکن سماع اصلی کا انکار اپنے مشرب کے خلاف سمجھتا ہوں زیادہ کیا عرض کروں +

سماع کے مقامات تین ہیں :-

(۱) فہم

(۲) وجد

(۳) حرکت

فہم دنیا جانتی ہے کہ ہر شخص میں عقل کا تھوڑا بہت مادہ ضرور ہوتا ہے۔ اور اُسی لحاظ سے وہ اپنے امور کو انجام دیتا ہے۔ سماع کو بھی اگر اُسنے اپنی طبیعت کی غفلت یا کسی مخلوق کے خیال سے سُنا تو حقیقت میں نہایت بُرا کیا۔ صوفیائے کرام اسکو جائز نہیں سمجھتے۔ آجکل یہ طریقہ بہت رائج ہے۔ اور میں تو اسکا سخت مخالف ہوں۔ ایسے اشخاص ادنےٰ درجہ کے طبقہ میں رکھے جانیکے قابل ہیں البتہ جس شخص پر دین اور اللہ کی محبت غالب ہو۔ اُسکے واسطے جائز ہے۔ سمجھنا چاہیئے کہ تصوف کے راستہ میں دو درجوں سے سابقہ پڑتا ہے (۱) مرید (۲) فنا فی المرشد یا فنا فی اللہ۔

مرید کو راہ سلوک کی طلب میں قبض۔ بسط۔ آسائش۔ دشواری مختلف احوال پیش آتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ محدود سا رہتا ہے۔ لیکن جب وہ ایسی باتیں سنتا ہے جنمیں عتاب۔ قبول۔ رد۔ وصل۔ ہجر۔ قرب۔ بُعد۔ رضا۔ سخط۔ امید۔ یاس۔ خوف۔ امن وفائے عہد۔ بدعہدی۔ شادیٔ وصال۔ غم فراق کا ذکر ہوتا ہے تو جو اُسکے باطن میں ہوتا ہے اُسمیں ایک قوی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مختلف حالتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اسی واسطے مرشد کامل مریدوں کو سماع سُناتے ہیں۔ تاکہ مراتب کی ترقی ہو لیکن قاعدہ کے ساتھ۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ درجوں کی حد سے گزر گیا ہو اور حالات و مقامات کو پیچھے چھوڑ چکا ہو۔ گویا وہ اس حال کی انتہا کو پہنچ گیا ہو جسے ماسوے اللہ یا فنا و نیستی کیطرف اضافت کرتے ہیں تو اُسکا سماع فہم معنی کی راہ سے نہیں ہوتا بلکہ گانے کے ساتھ ہی

وہ نیستی تازہ ہو جاتی ہے اور بالکل آپ سے باہر اور اس عالم سے بیخبر ہو جاتا ہے۔ بیہوشی تک اثر ہوتا ہے کہ گر آگ میں گر جائے تو خبر نہو۔ کتابوں میں اس قسم کی سیکڑوں مثالیں نظر سے گزری ہیں۔ یہ سماع کامل کہلاتا ہے۔

وجد۔ جب فہم سے فارغ ہوا تو حال کے درجہ میں آیا۔ اسی کو وجد کہتے ہیں۔ وجد کے معنی ہیں کسی چیز کو پالینا یعنی وہ حالت جو پہلے نہ تھی مگر اب پیدا ہو جائے۔ وجد کے دو جنسوں پر تقسیم کی (۱) اصول (۲) مکاشفات۔ جنس احوال میں مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں اور جب کوئی حالت زیادہ ہو جاتی ہے تو آدمی مست ہو جاتا ہے۔ جنس مکاشفات۔ جب دل صاف ہوتا ہے تو صوفیاء کو کل حالات نظر آنے لگتے ہیں اور یہ پہلی جنس سے افضل ہے۔

ارباب ظاہر اعتراض کر سکتے ہیں کہ اگر تصوف کے واسطے سماع کی ضرورت ہے تو خوش الحان قاریوں سے قرآن پاک کیوں نہ سنا جائے؟ آیتوں پر وجد بھی بہت آتا ہے اور اثر بھی نہایت ہوتا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے:۔

(۱) کل آیات قرآنی عاشقوں کے حال کے مناسب نہیں۔ اُن میں دنیا اور دین دونوں کے احکام ہیں۔ اور وہ جملہ مخلوق کے واسطے شفا ہیں۔ مثلاً جب قاری میراث کی آیتیں پڑھے گا تو اُن سے صوفی پر کیا اثر ہوگا۔ اب یا تو وہ آیتیں تلاش کی جائیں جن میں خوف و رجا، عشق و وصل کے بیانات ہیں۔ یا قرأت موقوف کی جائے۔ غرض ان دونوں صورتوں میں تضییع قرآن ہے۔ اس سے یہی بہتر ہے کہ صوفیائے کرام کا کلام جو درحقیقت حال ہے سنا جائے۔

(۲) قرآن مجید ایک ہے۔ اُس میں اللہ پاک نے مختلف مضامین بیان فرما دیئے۔ نعوذ باللہ کس کی مجال ہے کہ مثل اسکی دوسرا بیان کر سکے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک چیز بار بار کسی کے سامنے دُہرائی جائے گی تو گو پہلے کوئی اثر ہو لیکن بعد کو نہیں ہو سکتا۔ لیکن صوفیائے کرام کا کلام نو بنو ہے۔ ایک کچھ کہتا ہے۔ دوسرا کچھ۔ کُلَّ جَدِیْدٌ لِذِیْذٌ

کے لحاظ سے صوفی پر اس کا اثر ہر بار پڑے گا۔ اور یہی سماع کا اصلی مقصد ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جب عرب حاضر ہو کر اول مرتبہ قرآن مجید سنتے تو روتے روتے بیہوش ہو جاتے تھے۔ حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کُنَّا کَمَا کُنْتُمْ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُنَا (ہم بھی مثل تمہارے تھے مگر اب سخت دل ہو گئے) اس کا منشا یہ ہے کہ پہلے ہم پر بھی ایسا ہی اثر ہوتا تھا۔ مگر سنتے سنتے طبیعت ساکن ہو گئی اور قرآن پاک پر قرار پا لیا۔ لیکن سماع میں ضرورت سکون نہیں ہے۔

(۳) **حرکت**۔ سماع میں حرکت غیر اختیاری ہے۔ جو شخص مغلوب اور بے اختیار ہو گا وہ اگر رقص کرے یا کپڑے پھاڑ ڈالے تو ماخوذ نہ ہو گا۔ بعض لوگ محض حاضرین پر رعب جمانے کیواسطے مجلس سماع میں کودنے لگتے ہیں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حرکت بین نفاق اور حرام ہے۔ لیکن حضرت ابو القاسم نصیر آبادی رح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی قوم سماع میں مشغول ہو تو غیبت سے تو بری رہے گی۔ حضرت ابو عمرو بن نجید رح کا ارشاد ہے کہ سماع میں جھوٹا حال آنا تیس برس تک غیبت کرنے سے بہتر ہے۔ لیکن اولیٰ و انسب یہ ہی ہے کہ صوفی ضبط کرے۔ اور مثل حضرت ابا بکر صدیق رضہ کے اپنے آپ پر قابو حاصل کرے۔ یہ ہی درجہ بہت بڑا ہے۔

حضرت خواجہ جنید بغدادی رح ارشاد فرماتے ہیں کہ سماع کیواسطے زمان مکان اور اخوان کی شرط ہے۔ کیونکہ اگر سماع نماز کیوقت ہو گا یا کھانے کے درمیان میں یا پراگندگی کے وقت تو بے فائدہ ہو گا۔ اس لیے سکون کی ضرورت ہے۔ مکان صاف ستھرا ہو۔ حاضرین سب کے سب اہل سماع ہوں۔ اگر متکبر۔ اہل دنیا یا منکر سماع متکلف ہونگے تو کوئی نتیجہ نہ ہو گا۔ عورتیں موجود نہوں۔ اہل سماع جب بیٹھیں تو ادب یہ ہے کہ سب گردن جھکا لیں۔ ایک دوسرے پر نظر نہ کریں۔ درمیان میں بات چیت نہ کریں نہ ادھر اُدھر دیکھیں۔ نہ جنبش کریں۔ دل کو خدا کی جانب متوجہ کریں۔ انتظار کریں کہ

غیب سے کیا عطا ہوتا ہے۔ اگر غلبات وجد کی وجہ سے کوئی شخص اُٹھ کھڑا ہو تو سب کو اتباع کرنا چاہیے۔ یہ اگرچہ بدعت ہے۔ لیکن بدعات حسنہ بھی ہوتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جماعت تراویح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے اور یہ نیک بدعت ہے۔ البتہ وہ بدعت مذموم ہے جو سنت کی مخالف ہو۔ چونکہ حسن خلق اور لوگوں کا خوش کرنا شریعت میں محمود ہے۔ اور ہر قوم کی ایک عادت بھی ہوا کرتی ہے۔ اگر کوئی شخص اسکے خلاف کرے تو دل شکنی کا باعث ہوتا ہے۔ جیسے ہم ہندوستانی پان یا حقہ لیکر تسلیمات کرنے کے عادی ہیں۔ اسکے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔ خَالِقِ النَّاسَ بِاَخْلَاقِهِمْ (ہر ایک کے ساتھ اسکے اخلاق کے موافق برتاؤ کرو) اس لیئے کھڑا ہو جانا بیٹھنے کی بہ نسبت بہتر ہے +

میں نے مختصر طور پر اپنے مکالمہ کی حالت کو عرض کر دیا۔ اگر کوئی اور صوفی مشرب صاحب اس مبحث پر مفصل تحریر فرمائیں تو مناسب ہے +

محمد شفیع الدین خاں مراد آبادی

اتالیق خطوط نویسی

(حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدروسہ شاہیر ہند کے خطوط کا نہایت دلچسپ مجموعہ)

خط و کتابت آجکل ہر آدمی کی زندگی کا ضروری حصہ ہے عورتوں اور مردوں کو یکساں ضرورت ہے کہ مختصر الفاظ میں زیادہ اور طویل مطلب ادا کرنا سیکھیں۔ خواجہ صاحب نے اسی ضرورت کو مدنظر رکھکر یہ کتاب لکھی ہے۔ اسکے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں خواجہ صاحب کے خطوط ہیں اور خط لکھنے کا ڈھنگ سیکھنے والے کو سیکھا یا ہے۔ دوسرے حصہ میں ہندوستان کے نامور مسلمانوں کے خطوط کا مجموعہ ہے مثلاً نواب محسن الملک مولانا شبلی مولانا ابوالکلام آزاد۔ ڈاکٹر اقبال حضرت اکبر۔ مولانا ظفر علی خاں مرزا قادیانی وغیرہ وغیرہ غرض دونوں حصے حقیقتاً خط و کتابت کا طریقہ جاننے کیلئے اسم با مسمیٰ اتالیق ہیں

قیمت ہر دو حصہ ۱۰ر

منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

باطنی جہاد کا اعلان

صد حسین است در گریبانش

یادش بہ شر۔ میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا نام سنا ہوگا۔ اس صدی کے ممتاز بے ادبوں میں تھے۔ کسی نبی۔ کسی ولی اور کسی واجب الاحترام بزرگ کو انہوں نے بہتی اور بازاری آوازہ کشی سے باقی نہیں چھوڑا۔ عنوان میں جو فقرہ ہے یہ اُن ہی مغل زادے صاحب کا فرمودہ ہے۔ انہوں نے تو یہ فرمایا تھا۔ "صد حسین ست در گریبانم" (سیکڑوں حسین میرے گریبان میں پڑے ہوئے ہیں) مگر مجھ سے یہ بے ادبی نہ ہو سکی کہ "گریبانم" لکھکر اپنی ذات کو اس کفر کا ہدف بناتا۔ اسواسطے "گریبانش" کر دیا۔ تاکہ سو رادبی کے وہی مرتکب رہیں۔

بازار میں بود و باش رکھنے والے لوگ طرز خطاب کی تہذیب سے عموماً بے بہرہ ہوا کرتے ہیں۔ میرزا صاحب کبھی بازاروں میں نہیں رہے۔ خبر نہیں یہ سوقیانہ روش انہوں نے کہاں سے سیکھی تھی۔ میرے خیال میں یہ انکے فلسفۂ تدبیر اجتماع کا ایک نکتہ تھا جس سے وہ طبائع کو چونکا کر اپنی طرف متوجہ کرنے کا مقصد پیش نظر رکھتے تھے۔ اپنی بیوی کو اُم المومنین۔ اپنے گھر کو حرم۔ اپنے کنبہ کو خاندانِ نبوت کہوانا اور اپنے نام کیساتھ علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھوانا اسی مصلحت اجتماع کے ماتحت تھا کہ خلقت اس عجیب و غریب طرز حالات و خطابات سے متعجب ہو اور بہر کیف دل میں اُنکی حقیقت معلوم کرنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ اور جب وہ ان کی تحریریں پڑھے تو کسی نہ کسی طرح دام فریب میں پھنس جائے۔ کیونکہ وہ تحریریں عموماً قرآن و حدیث کے حوالوں اور انکی غلط تاویلوں

کے لباس میں ہوتی ہیں۔ ایک سیدھا سادہ مسلمان خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ اُن میں معقولیت کا خیال کرنے لگتا ہے +

یہ گستاخانہ فقرہ۔ "صد حسین ہست در گریبانم" بھی اسی اصولِ سیاسی تدبیری سے ارشاد فرمایا گیا تھا کہ شیعان حسین علیہ السلام اور محبان اہل بیت۔ اہل سنت و جماعت اس سے بھڑکیں گے۔ اور انکو قدرتاً میرزا صاحب کے موجود ہونیکا حس پیدا ہوگا۔

قادیاں کے گستاخ فرقہ کا اصولی جواب تو یہ ہے کہ انکو منہ نہ لگائے اُن سے بات نہ کرے۔ اور اُن کی طومار خرافات کتابیں اُٹھا کر دور پھینک دے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو جماعت ضالہ قادیانیہ کے مکر و فریب سے بھولے مسلمانوں کو بذریعہ تحریر و تقریر آگاہ کرتے رہیں۔ اُنکی خاموشی بھی مضر ہے اور عوام کی توجہ بھی خطرناک ہے +

میں ایک زمانہ میں بسبب اخلاق و مروت کے میرزا صاحب آنجہانی کے بعض حالات کا مداح تھا اور مرزا صاحب بھی میرے ساتھ بہت ملنساری کا برتاؤ رکھتے تھے جب وہ مرے ہیں تو میں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ صوفیوں کے مختلف سلاسل کیطرح اُن کی جماعت کو بھی ایک سلسلہ سمجھنا چاہیئے۔ مخالفت اور جھگڑے کی ضرورت نہیں اور میری اس تحریر پر اہل سنت و جماعت فرقہ نے برہمی کا اظہار کیا تھا مگر جب میں نے اس جماعت کے اہم اور کارکن افراد کو اندر کی تاریک اور مکروہ زندگیوں میں مبتلا دیکھا اور اُنکے مکارانہ طرز عمل مشاہدہ کیئے تو مجھے اُن سے قطعی نفرت ہوگئی۔ اور میں نے سابقہ خیالات سے توبہ کرلی +

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری و دیگر واقف کار حضرات کے قطع نظر غالباً اہل دہلی میں جتنا علم مجکو اس گروہ مقدس کے حالات عجیبہ کا ہے اُتنا اور کسی کو کم ہوگا اُنکی ظاہرداریاں۔ اُنکی دنیاوی حکمت عملیاں۔ اور اُنکا گندم دکھا کر جَو فروخت کرنا میں نے

اچھی طرح دیکھکر اور سمجھکر اُنکے خلاف قلم اُٹھایا ۔

اس جماعت کے کارکن لوگوں کی نسبت میری یہ رائے ہے مگر جو بیچارے یہ کا فرضی سبز باغ دیکھکر اُنکے جال میں پھنس گئے ہیں اُنکو میں اس الزام سے بری سمجھتا ہوں ان میں میرے بعض پُرانے دوست بھی ہیں۔ جو مجکو ہر بیماری کے وقت قادیانی بنانے کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اور اُنکو توقع تھی کہ ایک دن میں اُن کی طرح اس گمراہی عظیم کا شکار ہو جاؤں گا ۔

مجھے اپنے اِن کمزور دماغ اور کمزور ارادہ احباب کی حالت پر رحم آتا ہے جو قادیانی تحصیلدار کے کا شتکار بن گئے ہیں۔ یا قادیانی چرواہے کے آگے بکریاں بنکر سر جھکائے دودھ دے رہے ہیں ۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے اور غالباً میرے قدیمی دوست ایڈیٹر صاحب الحکم اور ایڈیٹر صاحب بدر نے بھی اسکو فراموش نہ کیا ہوگا کہ اُنکے میرزا صاحب جب درگاہ حضرت محبوب الٰہی میں حاضر ہوئے اور مزار مبارک کے پہلو میں مراقب رہکر اُنہوں نے دعائیں مانگیں تو وہ ان دونوں ایڈیٹروں کو ہمراہ میرے حجرے میں بھی تشریف لائے تھے۔ اور اُسوقت ہمراہیوں کو علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ حجرے میں صرف وہ تھے۔ اُنکے یہ دو ایڈیٹر تھے۔ اور میں تھا اُسوقت اُنہوں نے ایک نہایت گستاخانہ مشاہدہ یا خواب بیان کیا تھا۔ جس کا مفہوم غالباً یہ تھا:۔

"تم نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم تشریف لائے اور اُنہوں نے ہمارے سر کو اپنے زانو پر رکھ لیا۔ پھر حضرت علی رض آئے اور اُنہوں نے ہمکو ایک کتاب دی جسکی جلد ابریشم کی تھی۔ پھر حسنین رض تشریف لائے جن کے چہرے مغموم تھے۔ پھر ایک بی بی صاحبہ تشریف لائیں جن کی نسبت بتایا گیا کہ وہ فاطمہ رض ہیں۔ اُنکی صورت بالکل ہماری بہن کی سی تھی" ۔

یہ پہلا موقع تھا جب میں نے سیدۃ عالم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مغل زادی کے ساتھ مشابہت دیتے ہوئے سُنا۔ اور میرے دل کی حالت مارے غصہ کے غیر ہوگئی۔ مگر مرزا صاحب کے تاویلی الفاظ سنکر میں نے ضبط کیا اور خیال ہوا کہ اُن کا منشا بے ادبی کرنے کا نہیں ہے جیسا کہ وہ ظاہر کرتے ہیں۔

مگر بعد کے واقعات و حالات نے میرے عقائد کو بدل دیا۔ میں نے اس معاملہ میں صلح کلی اور رواداری کو ایک سخت گناہ خیال کیا اور اپنے قادیانی احباب کی ناراضی سے بے پروا ہوکر کھلم کھلا اصلیت پر بحث شروع کردی جس سے قدرتاً قادیانی کیمپ میں ایک تہلکہ مچگیا اور اُنکے امام و مقتدی سب کے سب کچھ آپ ہی آپ سرگوشیاں کرنے لگے۔ اور اسکے بعد میرے ایک دوست کی معرفت جو اپنی جسمانی ناتوانی کے سبب بہت بودے عقائد کے ہیں اور قادیانی ہوگئے ہیں ایک الٹی میٹم بھجوایا جس کا آخری فقرہ یہ تھا کہ:-

"نتیجہ اچھا نہ ہوگا"

جوں ہی یہ اعلان جنگ میری آنکھوں کے سامنے آیا۔ مجھے "صد حسین است در گریبانم" کا مقولہ یاد آگیا کہ قادیان کے مرشد اعظم نے یہ جملہ کہکر اپنے کردار اور اعمال کا ثبوت دیا تھا۔ یعنی وہ کہہ گئے ہیں کہ تم ایک حسینؑ کا ماتم لیئے پھرتے ہو۔ میرے گریبان میں تو سیکڑوں حسینوں کا خون ہے۔ میں تو اب بے رحمی و بے دردی سے حق و دین کے گلے پر چھریاں چلاؤنگا کہ تم یزید کو بھول جاؤگے۔ اور تم کو میرے اُوپر کوٹ (میرزا صاحب کا مقبول لباس تھا) پر حق کی کٹی ہوئی گردنوں کا ایک ہار نظر آئیگا جو پورے سو دانے کے ایک زنار کی طرح میرے سینہ پر آویزاں دکھائی دے گی۔

میں اس پیام جنگ کا جواب ماہ محرم میں بہت خوشی اور شوق شہادت کے ساتھ یہ دیتا ہوں کہ بسم اللہ! اپنے شمر۔ عمرو سعد۔ ابن زیاد۔ اور خولی کو آگے بڑھایئے۔ اور

اور بنی فاطمہؓ کے گلوں کو اپنے خنجروں سے آزمایئے ۔

آؤ بنی امیہ المومنین کے لشکر والو! آگے آؤ۔ میں تمہارے سامنے اکیلا کھڑا ہوں مجکو تمہارے ستمناک تیروں کی کچھ بھی پروا نہیں ہے۔ میں تمہارے چمک دار خنجروں۔ اور نوک دار برچھیوں اور خون چاٹنے والی تلواروں سے ذرا بھی نہیں ڈرتا۔ میں تن تنہا تم سب کے حربوں کو اپنے سینہ پر لونگا اور دکھادوں گا کہ کہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میدان سے منہ نہیں پھیرا کرتی۔ وہ دشمن سے ایسا لڑنا جانتی ہے۔ جس سے تیرہ سو برس تک دنیا گونجتی رہتی ہے ۔

تم میری بے کسی پر قہقہہ نہ لگاؤ۔ تم یہ نہ کہو کہ اس سید کے ساتھ تو کوئی بھی نہیں۔ اور ذرا غور سے دیکھو کہ میری پشت پر نورانی قوت موجود ہے۔ میرے سر پر حسبنا اللہ و نعم الوکیل کے نعرے فرشتے لگا رہے ہیں۔ مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے اپنے دامن کا سایہ کر رکھا ہے۔ جب وہ آقا۔ سرور دو جہاں۔ پناہ بے پناہاں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانی و باطنی تسلیوں کے ساتھ مجھ غلام کے ہمراہ ہے تو میں تم درندگان صحرائی کی کیا پروا کر سکتا ہوں نہ میں تمہاری طرح لوگوں سے چندہ مانگ کر اپنی جیب مضبوط کرونگا نہ تمہاری مثل اپنے حمائتیوں کو آوازیں دونگا نہ تمہاری مانند جم غفیر ساتھ لیکر آگے بڑھونگا۔ میں تو ایک بے توکل کی طرح اکیلا ہی تمہارا اعلان جنگ سن کر میدان میں آن کر کھڑا ہو جاؤنگا۔ اگر تم اپنے کسی فدائی کو بھیجکر میرے قتل کا ارمان نکالنا چاہوگے تب بھی میں حاضر ہوں۔ اور تم کو بہت متعدی لطف اسکا آجائیگا۔ اور اگر تم اپنے آنجہانی مغل صاحب کی سنت کے موافق مجھ پر انگریزی عدالت میں دعوے کروگے۔ اُسوقت بھی مجکو پشت پھیرنے والا نہ دیکھوگے۔ اور اگر تم کو پیشین گوئی کرنے اور اثر دعا دکھانے کا خیال ہے تو اسمیں بھی غیب کی قوتیں میری زبان کے ساتھ تم کو نظر آئیں گی ۔

آگے بڑھو۔ لکھنا پڑھنا بہت ہو چکا۔ زباں درازیوں کی حد ہو گئی۔ اب باطنی طاقتوں کا کرشمہ بھی تو دکھاؤ۔ میرے بزرگوں نے اس سے روکا ہے۔ اور منع کیا ہے کہ وہ ان خرافات تماشوں میں اپنی مخفی ہمتوں اور غیبی تصرفات کو ظاہر نہیں کیا کرتے مگر جب تمہاری زباں درازیاں حد سے بڑھیں گی تو مجبوراً کوئی خدا کا بندہ اپنے پروردگار سے ان قوتوں کے استعمال کی اجازت بھی لیگا۔ اُسوقت تم کو معلوم ہوگا کہ درویشوں کا خرقہ خالی نہ تھا۔

اجمیر شریف میں بلاوا

میں تمہارے امیر المومنین میرزا محمود احمد کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اجمیر شریف میں آئیں۔ میں بھی دہلی سے وہاں حاضر ہو جاؤنگا۔ آستانہ خواجہ غریب نواز کی مسجد میں میرزا صاحب میرے ساتھ کھڑے ہوں۔ اور اپنی باطنی قوتوں کے تمام حربے مجھ پر آزمائیں اور جب وہ اپنی ساری کرامت آزما چکیں تو مجھکو اجازت دیجائے کہ میں حضرت یہ کہوں۔

"اے خدا! بطفیل اس صاحب مزار کی حقانیت کے اپنی صداقت کو ظاہر کر۔ اور ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو اسکو اسی وقت اور اسی لمحہ میں ہلاک کر دے"۔

اور اسکے بعد میرزا محمود کو اجازت دیجائے کہ وہ اپنے الفاظ میں جو دعا چاہیں کریں۔ میعاد صرف ایک گھنٹہ کی مقرر کیجائے یعنی دونوں آدمیوں میں سے ایک پر ایک گھنٹہ کے اندر اس دعا کا اثر ظاہر ہونا چاہیئے۔

میرزا صاحب دیکھ لیں گے کہ قدرت کیا تماشا دکھاتی ہے۔ کون مرتا ہے اور کون زندہ رہتا ہے۔

کب تک کاغذی گولے چلاؤ گے کبتک پیشگوئیوں سے خلقت کو ڈراتے رہو گے مردانگی ہے۔ صداقت ہے تو آؤ۔ اس آزمایش گاہ کی سیر کرو۔ جہاں ایک گھنٹہ کے اندر

سب کچھ نظر آجائے گا۔ ڈرو مت۔ میرے پاس اُڑنے والا زہریلا گیس نہ ہوگی نہ میں تم کو دیکھوں گا جس سے تم کو اندیشہ ہو کہ مسمریزم یا ہپناٹزم کے ذریعہ مار ڈالا۔ میں تم سے دس قدم کے فاصلہ پر تمہاری طرف سے منہ پھیر کر گنبد خواجہ کی جانب رخ کر کے کھڑا ہونگا ۔

اگر تم کو یہ **مباہلہ** منظور ہو تو ربیع الاول ۱۳۳۶ ہجری کی چھٹی تاریخ کو اپنے حواریوں کو لیکر اجمیر شریف آجاؤ۔ اور مسجد میں پوری جماعت کیساتھ آؤ۔ اور میں بالکل اکیلا آؤنگا۔ مسجد میں ہی میرے پاس کسی دوسرے کو کھڑے ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔ تاکہ تمکو یہ اندیشہ نہ ہو کہ میرے آدمی تم پر حملہ کر کے مار ڈالیں گے ۔

گورنمنٹ سے اجازت لینا اور انتظام کرنا یہ سب تمہارے ذمہ ہوگا۔ اور تمکو بامضا ایک تحریر دینی پڑے گی کہ اگر میں آج مر گیا تو میرے وارث حسن نظامی پر خون کا دعوے نہ کرینگے نہ سرکار کو اسمیں دخل دینے کا اختیار نہ ہوگا ۔ ایسی ہی تحریر میں بھی اپنے وارثوں سے سرکار میں داخل کرا دونگا ۔

دیکھو بہت آسان بحث ہے۔ بہت جلدی ہندوستان کی ایک مصیبت ختم ہو جاتی جو تمہارے وجود سے پیدا ہو گئی ہے۔ اس میں دیر نہ کرو۔ ایسا موقع تو قسمت ہی سے آیا کرتا ہے۔ دیر نہ کرو اور فوراً اس دعوت کو قبول کر لو ۔

جب تم اس ارادہ سے اجمیر شریف آؤ تو اپنی والدہ صاحبہ سے دودھ بخشوا کر آنا۔ اور ریلوے کمپنی سے ایک گاڑی کا بندوبست کرا لینا جسمیں تمہاری لاش قادیان روانہ ہو سکے۔ اور نیز اپنی اہلیہ صاحبہ سے مہر بھی معاف کرا لینا۔ اور قادیان کو والدہ ماجدہ کی قبر بہت دیر غور سے دیکھ کر آنا کہ پھر تم کو زندگی میں وہ در و دیوار دیکھنے نصیب نہ ہونگے اور ضرورت ہے کہ وصیت نامہ بھی مکمل کر دینا اور جانشین کے مسئلہ کو بھی طے کر کے آنا ۔ میں اسواسطے کہتا ہوں کہ مجھے اپنے برحق ہونے اور تمہارے مرزیکا پورا یقین ہے اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ خواجہ اجمیر کی عزت

۴ باطنی جہاد الحق اور مباہلہ کے متعلق ہماری یہ تحریر بھی ہندوستان کے ہر اخبار میں شائع ہونی چاہیئے۔ اسکے علاوہ پمفلٹ کی شکل میں بھی ہر جگہ تقسیم کرنا چاہیئے۔ اور ہر ایک ہندو مسلمان کو اس کا علم ہونا چاہیئے۔ حسن نظامی

۴۶

فغانِ سلم[1]

اُٹھ شہنشاہِ زمن! تیرا ثنا خواں آیا
تیری سرکار میں اک داد کا خواہاں آیا

نیم جاں، آہ بلب، سوختہ ساماں آیا
ہند سے سوئے عرب ایک مسلماں آیا

شہسوارِ عربی! قوم کی حالت سُن لے
مبتلا جس میں ہُوئی اُمتِ مصیبت سُن لے

اے فلک! ٹوٹ نہ پڑ دیکھ سنبھل جا، تھم جا
اے زمیں! پھٹ نہ ابھی ہوئے دے محشر برپا

عمل قوم کا سُن قصہ جو ہے درد بھرا
چارہ گر جسکا مسیحا بھی نہیں ہو سکتا

ہائے کس مُنہ سے کہوں مجھکو حیا آتی ہے
شرم بھی قوم کے افعال سے شرماتی ہے

جو بنے قوم کے رہبر وہی عیار ہوئے
بوریا زہد کا تھا دام، ریا کار ہوئے

دانہ و دام میں نادان گرفتار ہوئے
جھوٹے غمخوار تھے، بدنام ہوئے خوار ہوئے

خاک تاثیر ہو ملاؤں کے سمجھانے میں
ڈنکے مسجد میں تو ہیں رات کو میخانے میں

نہ رہے شاہ سوار اور وہ تازی نہ رہے
تھے جو فرزندِ عرب آج وہ غازی نہ رہے

خود سے ساجد ہوئیں ساجدہ نمازی نہ رہے
اب وہ حجاج بھی اے میر حجازی نہ رہے

ولولہ نام کو اور جوش ذرا بھی نہ رہا
قافلہ دور گیا شور درا بھی نہ رہا

وہ ارادے نہ رہے ہائے وہ اب دل نہ رہا
باغ ویران ہوا شورِ عنادل نہ رہا

جس کی لَو سب کو تھی وہ رونقِ محفل نہ رہا
کارواں جائے کدھر رہبرِ منزل نہ رہا

اے براقِ نبوی! قوت پرواز دکھا
کبکِ طاؤس کو طنازیِ رفتار سکھا

وہ بھی کیا وقت تھا جب خسرو دوراں ہم تھے
انس و جن تابع فرماں تھے سلیماں ہم تھے

جنپر اسلام تھا نازاں وہ مسلماں ہم تھے
سجدہ کرتے تھے فلک جسکو وہ انساں ہم تھے

[1] نظام المشائخ میں شائع ہونے کے بعد میر صاحب کی اجازت کے بغیر کوئی صاحب اس نظم کے چھاپنے کے مجاز نہیں۔ (ایڈیٹر)

ہفت اقلیم میں تھا سکہ ہمارا جاری
مثلِ خورشید عجب تھا ہمارا ساری

رایتِ اسلام کا اسپین میں گاڑا ہم نے
دشتِ قپچاق میں اعدا کو پچھاڑا ہم نے

جنگ سے پائے ثبات اٹکا اکھاڑا ہم نے
ہر جگہ جیت لیا جا کے اکھاڑا ہم نے

پیر سِن اپنا تھا ایتھنز اپنا تھا روما اپنا
اور یونان کے ساحل تھا قبضہ اپنا

ہر کہ و مہ کی زباں پر تھا فسانہ اپنا
عسقلان اور فلسطیں تھا نشانہ اپنا

تھا جو بیگانہ، بنا تھا وہ یگانہ اپنا
شورِ تکبیر تھا میداں میں ترانہ اپنا

آج تک گونج رہی ہے وہ صداؤں میں
مستِ پندار اچھل پڑتے ہیں میخانوں میں

ہم تھے نقارۂ توحید بجانے والے
حرفِ باطل کا نشانہ سے مٹانے والے

قبلۂ دل کو لاتوں سے گرانے والے
کلمۂ بت کو محمل کا پڑھانے والے

کوہ فاراں سے جو خورشید نبوت چمکا
یاالٰہی تھا وہ نگیں حلقۂ نشیں خاتم کا

پیٹھ جاتے تھے رگِ کفر میں نشتر بنکر
دل پہ کفار کے چل جاتے تھے خنجر بنکر

خانۂ شرک جلا دیتے تھے اخگر بنکر
سامری فن کو نگل جاتے تھے اژدر بنکر

جبلِ دشت سے اب تک صدا آتی ہے
فوجِ اسلام کی بن بن کے قضا آتی ہے

اب ہی ہم ہیں کہ مجبور ہیں، نادار بھی ہیں
شرع سے دور ہیں قرآن سے بیزار بھی ہیں

سب سے جھوٹے بھی، ریاکار بھی، مکار بھی ہیں
بدعمل بھی ہیں، ریاخوار بھی، میخوار بھی ہیں

ہیں سیہ کار مگر بد ہیں الٰہی! توبہ
زشت کردار مساجد میں الٰہی! توبہ

کل ہمارے جو قدم چومتے تھے زن ہوکر
کستے ہیں ہم پہ اب آوازے فوازن ہوکر

پیش آتے تھے جو کل مورِ ہمہ تن ہوکر
مار بنکر کبھی ڈس لیں کبھی ناگن ہوکر

ننگِ اسلاف ہیں دشمن اسلام ہیں ہم
ہے یہی جد کہ اب مورد آلام ہیں ہم

اب وہ میخانۂ توحید کے میخوش کہاں
خدمتِ قوم میں اسلاف کے ہمدوش کہاں

پائے نامور کہاں، جذبہ کہاں، جوش کہاں
مئے غفلت میں ہیں قعیدے ہوئے اب جوش کہاں

اہل اسلام کے دل خنجر فولاد ہوئے
اور پابندیٔ اسلام سے آزاد ہوئے

تھا جو اعجاز ترقی وہ اب اعجاز نہیں
یاد وہ پہلے طریقے نہیں انداز نہیں

چشم بینا ہو تو پوشیدہ کوئی راز نہیں
کون سنتا ہے کوئی گوش برآواز نہیں

کون ہے اب جو مساجد نئی آباد کرے
شرک کی بیڑیاں کاٹے ہیں آزاد کرے

کیوں ہے جاتے ہو تم خوگر آرام بہت
دین و دنیا کے تمہارے لیے ہیں کام بہت

کلمہ پڑھ کے بتوں سے ہوئے تم رام بہت
کر چکے دہر میں اسلام کو بدنام بہت

سوتے ہیں پاؤں شب قبر میں کیا پھیلا کر
رمضاں بھر جو بسر کرتے ہیں روزے کھا کر

راہ حق میں جو فنا ہو وہ جگر پیدا کر
جس میں اسلام کا سودا ہو وہ سر پیدا کر

عرش ہلجائے دعا میں وہ اثر پیدا کر
آگ گردوں میں لگا دے وہ شرر پیدا کر

ہمہ تن خیر بھی دنیا میں بشر ہوتے ہیں
وقت بدیں ہی ہر اک کی سپر ہوتے ہیں

راحت و عیش کے خرمن کو جلاؤ اٹھو
عمر ہے ریگ رواں نقش جماؤ اٹھو

سکۂ توحید کا ہر دل پہ بٹھاؤ اٹھو
وقت دولت ہے نہ یوں مفت گنواؤ اٹھو

نفس پر کھینچ کے تلوار مجاہد ہو جاؤ
نہ کہ صید خم فتراک معاند ہو جاؤ

خوف مرحب ہے تو تم حیدر کرار بنو
مزرع عیش جلانے کے لیے نار بنو

نفس سرکش کے لیے خنجر خونخوار بنو
تیغ براں بنو برچھی بنو تلوار بنو

باڑھ اس صارم ہندی کی نہ کرنے پائے
اور جانب نگہ قہر نہ پھرنے پائے

اٹھ کے اب پیروی سید لولاک کرو
طعمۂ آتش سوزاں خس و خاشاک کرو

خس و خاشاک سے وحدت کا چمن پاک کرو
پاک کرنے کا عمل بھی ہے یہ ادراک کرو

نصرت قوم میں ہاتھوں کو زر افشاں کر دو
حسن توحید کو خورشید درخشاں کر دو

جانتا بھی ہے کہ کون اے فلک پیر ہیں ہم
جوش اسلام کی مٹتی ہوئی تصویر ہیں ہم

ٹکڑے کر ڈالے جو کاذب کے وہ شمشیر ہیں ہم
سینۂ ظلم جو چھلنی کرے وہ تیر ہیں ہم

مذہبی بحث میں اب منہ کوئی کھولے تو سہی
سامنے آکے ہمارے کوئی بولے تو سہی

مسلموں میں نہ اخوت ہے نہ یکتائی ہے
اُن کی تفریق کی ہر قوم تماشائی ہے

گلشنِ لطف و مودّت میں خزاں آئی ہے
پھوٹ کی جھوٹ کی ہر سمت گھٹا چھائی ہے

چمکے پھر چاند اندھیرے میں اُجالا کر دے
آکے منہ اس شبِ دیجور کا کالا کر دے

اُٹھ گئی دل سے مسلمانوں کے اُلفت تیری
مٹ گئی صفحۂ عالم سے شریعت تیری

چھپ گئی پردۂ باطل میں حقیقت تیری
غرق تا فرق معاصی میں ہے اُمت تیری

الغیاث اے رہ دیں ہمکو بتانیوالے
المدد! نوحؑ کی کشتی کو بچانیوالے

جوشِ اسلام پھر اک بار دلوں میں بھر دے
جھلملاتی ہوئی اس شمع کو روشن کر دے

بغض و تفریق کے آنکھوں سے اندھیرے پردے
اوجِ اقبال پر اُنہیکے لیئے شہپر دے

مرتے مرتے ہی ہم اسلام کی تائید کریں
جان ہو جائے جو قربان تو ہم عید کریں

نشتر جالندھری

۵۸۶

قومی غزل

خالقِ کونین مکاں جب مہرباں ہو جائیگا
ذرّۂ ناچیز مہرِ آسماں ہو جائے گا

جب کلام اللہ اپنا حرزِ جاں ہو جائیگا
اسمیں مطلق شک نہیں جنت مکاں ہو جائیگا

جب عمل ہوگا ہمارا احمدیؐ اخلاق پر
پھر تو اک عالم ہمارا مدح خواں ہو جائیگا

کلمۂ توحید کے جب غلغلے ہونگے بلند
سکۂ اسلام ہر دل پر رواں ہو جائیگا

نعرۂ تکبیر سن کر گونج اُٹھینگے دشت کوہ
اور رگوں میں خونِ اسلامی رواں ہو جائیگا

گلشنِ اسلام میں جسوقت آئے گی بہار
یہ چمن رشکِ گلستانِ جناں ہو جائیگا

پرچمِ اسلام لہرائے گا کُل عالم میں پھر
پیرو اسلام جب پیرِ جواں ہو جائیگا

جب چلے گی گلشن عالم میں اسلامی ہوا
پھر تو یہ ہندوستاں بھی بوستاں ہو جائیگا

بارش ابر کرم ہوگا کرم فرما اگر
فیض اسلامی کا اک دریا رواں ہو جائیگا

شاہد بزم ازل جب رخ سے اٹھائے گا نقاب
محو حیرت دیکھکر سارا جہاں ہو جائیگا

خدمت دین مقدس جو کرینگے دوستو
بالیقیں انکا مکاں باغ جناں ہو جائیگا

سن کے مژدہ آمد فصل بہاری کا شکور
خود بخود سارا جہاں عنبر فشاں ہو جائیگا

(البریں) محمد شکور۔ کانپور

۵۸۶

نعتیہ رباعی

رتبہ خدا نے ایسا بنایا حضورؐ کا
اونچا ہے عرش اعلےٰ سے پایہ حضورؐ کا

کی عمر بھر اگرچہ بہت پھر کے جستجو
پایا نہ آفتاب نے سایہ حضورؐ کا

بدر جلالی۔ بی اے

۵۸۶

سلام

تعزیہ خانوں میں ہے غم کی گھٹا چھائی ہوئی
ماتم شبیرؑ میں کیا یہ بھی ہے آئی ہوئی

شیر میدان وغا تھے جتنے چھوٹے بڑے
لشکر اسلام میں جب صف آرائی ہوئی

ذوالفقار حیدریؓ پر شاہ کا پہنچا ہے ہاتھ
موت پہنچی نرغۂ اعدا میں گھبرائی ہوئی

آمد عباسؑ سے لشکر میں ہل چل پڑ گئی
شمر کہتا تھا ہماری آج رسوائی ہوئی

لاشیں شہزادوں کی دیکھیں جب تو زینبؑ نے کہا
پہلے مادر تھی تمہاری آج سے دائی ہوئی

مالک تطہیر جس کی ماں تھی اسکی بیٹیاں
ننگے سر دوڑے پھریں خلقت تماشائی ہوئی

زینبؑ دلگیر بولی نام رخصت کا نہ لے
دیکھ اے اکبرؑ تری مادر ہے دکھ پائی ہوئی

اس طرف تو بن رہی ہے بیکسوں کی جان پر
اور تری اے گردش تقدیر اگرائی ہوئی

مادرِ اکبرؓ یہ بولی دیکھ کر روئے پسر
مجھ کو آئے اے علی اکبرؓ! تری آئی ہوئی

دوپہر میں لُٹ گئے سب گلشنِ زہراؓ کے پھول
رہ گئیں وہ ایک کلیاں وہ بھی مرجھائی ہوئی

گھر لُٹا خیمہ لُٹا قیدی بنے اہلِ حرم
تیرے دل کی تو مگر اے چرخ منہائی ہوئی

زندگی بھر تو رہے زندانِ غم میں اے رسا
بعد مرنے کے قبر میں بھی قید تنہائی ہوئی

محمد عزیز اسد رسا۔ بہانبی

جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و گماں ہمارا

کالج میں ہو چکا جب امتحاں ہمارا
سیکھا زباں نے کہنا ہندوستاں ہمارا

رتبے کو کم سمجھ کر اکبر یہ بول اُٹھے
ہندوستان کیسا سارا جہاں ہمارا

ہر گوشۂ جہاں سے لیکن صدا یہ اُٹھی
جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و گماں ہمارا

(ان الارض یرثہا من یشاء والعاقبۃ للمتقین)

(لسان العصر اکبر الہ آبادی)

محتاج

بخت بیدار نہیں حُسن کا اے دل محتاج
ہم نے دیکھے ہیں بہت حور شمائل محتاج

جن کو دعوے تھا خدائی کا وہ ہیں زیر زمیں
اب بھی کیا پند کا ہے ایبل غافل محتاج

کہیں تدبیر سے تقدیر بھلی ہوتی ہے
دیکھئے عیش میں جاہل ہے تو عاقل محتاج

گوشہ گیروں کے قدم چومنے آتے ہیں سبھی
کیونکہ خشکی و تری کا نہیں ساحل محتاج

قوت دانائی سہی دولت ناداں لیکن
جائے عبرت ہے کہ جاہل کے ہیں عاقل محتاج

اپنی تدبیر پہ کرتے ہیں بھروسا اکثر — اِس لیئے رہتے ہیں نادان کے عاقل محتاج
آدمی علم کا محتاج ہے ایسا سیفی — جیسا ہے راستی کا دعوے باطل محتاج

سیفی از حیدرآباد

۴۸۶
انجام

شہر سے فاصلے پہ جا بیٹھا — ایک امرد شریر بد کردار
دل میں تھا قصد مردم آزاری — دیکھتا تھا اِدھر اُدھر ہر بار
ایک درویش اُدھر سے آنکلا — زیب تن جُبہ۔ زیب سر دستار
بھاگا دستار لیکے وہ بدخو — دیکھتا رہ گیا یہ نیک شعار
دور سے ایک شخص نے دیکھا — بھاگا جاتا تھا جانبِ گلزار
متصل ہی تھا ایک قبرستان — مجھے جہاں سایہ دار چند اشجار
وہاں درویش آکے بیٹھ گیا — پہنچا اتنے میں رہرو ہشیار
کہا درویش سے کہ وہ بدخو — بھاگا جاتا تھا جانبِ گلزار
تم نے کیوں اسطرف کی راہ نہ لی — اِس جگہ آکے کیوں لیا ہے قرار
کہا درویش نے کہ اے بھائی — تم نہیں جانتے ہو یہ اسرار
کہیں جائے وہ۔ یہ ہی قبرستان — یہیں آئے گا اک دن آخر کار

جو ہوا ہے صفت امرد آخر بیں
وہی ہوتا ہے مرد نیک شعار

نوازش علی مست از حیدرآباد

ہوالکل

جشن و نمبر سال ۱۹۲۱ء

پسین

نظام المشائخ

روحانی تعلق و تسلسل کا ماہوار پیام

رسول نمبر

خدا منتخبین اور تاج رسالت کے سلامت کے

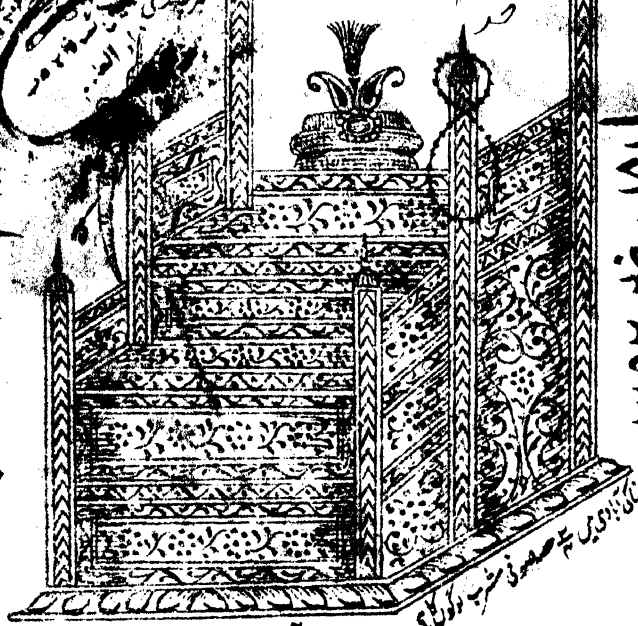

جلد ۱ نمبر ۲ ۹۲

مرتبہ

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ (رسالہ نظام المشائخ) مع محصول ڈاک قسم اعلیٰ ۴ قسم اوسط ۳ قسم عام ۲ شش ماہی

عہ ۲ عہ ۱۴ نمونہ ۶ ۴ ۲ علی الترتیب

مقام دہلی کوچہ چیلاں

در ویش پریس دہلی میں بہتمامی دارہ مدیر محمد الواحدی چھپا

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

یعنی آگے چلیں گے دم لیکر

حیات بعد الموت

جس کا

انگلستان کی مشہور مصنفہ فلارنس میریٹ کی

کتاب

دیرازنو ڈیتھ

سے

مسٹر اختر محمد خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر نے ترجمہ کیا ہے

ضخامت قریباً چھ سو صفحہ۔ اصل قیمت **للعہ** روپیہ

۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۰ء تک درخواست کرنے والوں کو صرف ۴ عہ میں دی جائے گی

بشرطیکہ وہ عہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں۔ یا اس اعلان کا حوالہ دے کر وی پی منگائیں

محصول بہر صورت بذمہ خریدار

المشتہر نظام للشاخ دہلے

درویش پریس بک ڈپو دہلی

پروپرائٹر

ملا محمد ابو احمدی

مدیر خطیب و نظام المشائخ دہلی

فہرست الفہرست

تصنیفات مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی

میلاد نامہ	صفحہ دیکھئے		تسخیر مہر و قہر اعمال حزب البحر	صفحہ	دیکھئے
محرم نامہ	" "		رسول کی عیدی	"	"
یزید نامہ	صفحہ ۲	"	غدر دہلی کے افسانے باتصویر	"	"
روزنامہ سفر حجاز و شام مصر	" "		بیوی کی تعلیم	"	"
روزنامچہ خواجہ حسن نظامی	" "		کرشن بیتی	صفحہ ۵	"
مفلسی کا علاج	" "		رہنمائے میر جلی	"	"
سی پارہ دل	صفحہ ۳	"	چٹکیاں اور گدگدیاں	"	"
انتخاب توحید	" "		جگ بیتی	صفحہ	"
اردو دعائیں	" "		بچوں کی کہانیاں	"	"
اتالیق خطوط نویسی	صفحہ	"	مجموعہ خطوط خواجہ حسن نظامی	"	"
اسرار	صفحہ	"	مشیخ سنوسی	"	"
اسلام کا انجام	" "		پورا میگزین	"	"

مصنفات مصورِ غم علامہ راشد الخیری

ازھار	صفحہ ۷	دیکھئے	طوفانِ حیات	صفحہ ۹	دیکھئے
امت کی مائیں	״	״	سراب مغرب	״	״
شام زندگی	صفحہ ۸	״	نجات روحوں کے اعمالنامے	״	״

زنانہ لائبریری کی رونق

بچوں کی پرورش	صفحہ ۱۰	دیکھئے	تہذیب النسواں مع تربیت الانسان	صفحہ ۱۰	دیکھئے
تربیت الاطفال	״	״	سبیل الجنان	״	״
ہدایات تیمارداری	״	״	سرگزشت	״	״
ہدیۃ الزوجین	״	״	تنگ	صفحہ ۱۱	״
ہندوستانی گھریلو تیمارداری	״	״	سوال و جواب تندرستی	״	״
معیشت و معاشرت	״	״	تاول قادر بیان	״	״

اردو کے بہترین مصنف

مرواریدِ ثلاثہ	صفحہ ۱۲	دیکھئے	حیات ابدی	صفحہ ۱۵	دیکھئے
خطبات غریبہ اردو	״	״	حضرت داتا گنج بخش	״	״
گلہائے معرفت	صفحہ ۱۳	״	حیات داغ	صفحہ ۱۶	״
سیرت عائشہ صدیقہؓ	״	״	حیات حالی	״	״
سوانحعمری حضرت سید احمد بریلوی	״	״	آئینہ خودشناسی	״	״
حالات حضرت مولانا روم	״	״	میلاد النبی	״	״
تذکرہ بہادران اسلام	صفحہ ۱۴	״	تاریخی جواہر	״	״
وجدانی لشتر	״	״	حالات ابراہیم ادہم	״	״
جذبات مسلم	״	״	دیوان ذوق	״	״
الوارث	صفحہ ۱۵	״	کلید اخبار دینی	״	״
حیات امام مالک	״	״	جذبات بہاشا	״	״
حیات امام مسلم	״	״			

سب کتابوں کے ملنے کا پتہ منیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی

۱۵۶

درویش پریس بک ڈپو دہلی

اُن کتابوں کے نام و حالات اور ضخامت و قیمت جو اس وقت طیار ہیں

تصنیفات مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی

میلاد نامہ مع رسول میتی

اردو زبان میں آجتک جسقدر مولود کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں یہ کتاب اُن سب سے نرالی ہے اور ہمیں تمام معتبر اور صحیح روایتوں کو جمع کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے حالات سے شروع کیا ہے اور ولادت کا بیان نظم و نثر کی زیبائش سے علیحدہ کرکے بچپن جوانی کے کل واقعات لکھے ہیں،

پھر تتمہ الموسوم بہ رسول میتی میں سالت سے لیکر وفات تک کے حالات ہیں۔ گویا آنحضرت کی مختصر اور پوری سیرت در مولودِ شریف ہے آخر میں آپ کے اخلاق و عادات و لباس و طعام وغیرہ کی کیفیت ہے۔

میلاد نامہ کی زبان ایسی سادہ اور دلچسپ ہے کہ بچے اور عورتیں بلا اٹکان پڑھتے چلے جاتے ہیں، یہ کتاب ہندوستان بھر میں مقبول ہوئی ہے، شائع ہوتے ہی آٹھ دن میں ہاتھوں ہاتھ پانسو سے زیادہ فروخت ہوگئی اب ربیع الاول تک شاید دوبارہ چھپوانی پڑے کیونکہ لگاتار مانگ چلی آتی ہے قیمت ایکروپیہ علاوہ محصول

محرم نامہ

یہ وہی کتاب ہے جسکا خلاصہ شیعہ سنی دونو فرقو نمیں پڑھا ہوا ہے اور جسکی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ شہر دہلی کر سینکڑوں دفعہ چھپ ہوگئی تھیں اور شائع ہوتے ہی چار دنمیں ایک ہزار فروخت ہوگئی، محرم ۱۳۲۸ھ کی بہ نسبت زیادہ ہر دلعزیز کتاب ہے اسکی نسبت سنی علما اور شیعہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ ایسی صحیح کتاب آجتک نہیں لکھی گئی جسمیں آنحضرت کی وفات سے لیکر چاروں خلافتوں اور اُنکے جھگڑوں کا اتنا صاف صاف اور پورا بیان ہوا اور پھر کسی فریق کو خلاف کی گنجائش نہ ہو علما کے تمام مشہور لوگوں کے خط آئے ہیں کہ محرم نامہ اردو کی بہترین کتاب ہے اور اس قابل ہے کہ ہر مسلمان کے گھر میں ہو تاکہ وہ اسلام کی ابتدائی سچی تاریخ سے خبردار ہو اور جھگڑوں کی حقیقت جان جائے۔

محرم نامہ میں کربلا کی دردناک لڑائی کا نظارہ ایسا لکھا ہے کہ ہر بات آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے پڑھنے والے اور سننے والے بے قرار و بیتاب ہو جاتے ہیں، جنگ جمل اور جنگ صفین کا پورا اور سچا حال محرم نامہ کے سوا کسی اردو کتاب میں نہیں ہے قیمت ۱۲ علاوہ محصول

یزید نامہ

یہ محرم نامہ کا دوسرا حصہ ہے، مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں، مدینہ منورہ و مکہ معظمہ کی بے ادبیاں ارض پاک میں یاران رسول کا قتل، قرن اولیٰ کے سیاسی کارنامے کربلا کے بعد کی سرگزشت، حریفان بنی فاطمہ کی نامعلوم فتنہ کاری، یزید و دیگر شاہان بنی امیہ کی باطل شعاری، یزید کا حشر شریروں کا انجام، خدا کا فیصلہ

یزید نامہ

میں ملاحظہ فرمایئے جو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے حال ہی میں تصنیف فرمایا ہے اور جس کے لوگ سال بھر سے منتظر تھے اس میں اس امام الائمہ کا بھی مفصل بیان ہے جو خانوادۂ اہلبیت

شیعۂ سنی کو مطلب کی آواز

دیگا اور بتایا ہے کہ یہ وقت قریب آن لگا، یزید نامہ ہر یادگار تحفہ ہے خود پڑھیئے، دوسروں کو سنایئے، روئیے رولایئے، مظلوم کے صبر سے واقف ہو ظالم کا دم واپسیں دیکھ لو، ایسے غمناک حالات اور عبرت انگیز تصویریں ہیں تاریخ شہادت میں نایاب تھیں، حضرت خواجہ صاحب کا پہلا جھوٹا ہاتھ ہاتھ تحریر اور بھی لکھائی، اچھی چھپائی، سفید دبیز عمدہ کاغذ ضخامت پونے دو سو صفحے قیمت صرف عہ (سوا روپیہ) جلدی منگایئے درخواستیں اس کثرت سے آرہی ہیں کہ غالباً دو ہفتہ کے اندر اندر پہلا ایڈیشن ختم ہو جائیگا

روزنامہ سفر حجاز و شام و مصر

اردو زبان میں بہت سے سفرنامے ہیں مگر یہ سفرنامہ سب سے نرالا، سب سے انوکھا اور بالکل عجیب چیز ہے اس کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے سب سے پہلا اور سب سے آخری سفرنامہ یہ فقرہ یقیناً درست ہے کیونکہ اردو میں اس سفرنامہ سے پہلے اس طرز کا کوئی سفرنامہ نہ تھا اس واسطے سب سے پہلا ہے اور نہ امید ہے کہ اس وضع اور شان و جلیلی عبارت کا اور کوئی سفرنامہ ہو سکے گا، لہٰذا سب سے آخری بھی یہی ہے۔

اسمیں مصر کے حالات، عجائبات، سیاسی تمدنی مذہبی کیفیتیں ایسے انداز سے تحریر ہوئی ہیں کہ تمام مصر سامنے آجاتا ہے، فرعون کی لاش کا فوٹو، حضرت یوسف پیغمبر کا اصلی مرقع نہایت کوشش اور صرف کثیر سے حاصل کر کے اسمیں شامل ہوا ہے۔

اسی طرح بیت المقدس، ملک شام، اور مدینہ منورہ کے دلچسپ حالات ہیں اور عکسی تصویریں ہر موقع کی دی ہیں، ۴۰ کے قریب تو اسمیں فوٹو ہیں، الفاظ کی تصویریں الگ ہیں۔

یہی وہ سفرنامہ ہے جو گھر بیٹھے اسلامی دنیا کی سیر کرا سکتا ہے کیونکہ ایسی عمدگی سے لکھا گیا ہے کہ ہر بات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جما نظر آتا ہے، قیمت باتصویر تین روپے بلا تصویر عہ (ایک روپیہ آٹھ آنہ)

روزنامچہ خواجہ حسن نظامی

سنہ ۱۹ کا روزنامچہ ہے جسمیں حضرت خواجہ صاحب نے گجرات بمبئی کاٹھیاوار وغیرہ کے دلچسپ حالات سفر لکھے ہیں بعض زیارتوں اور مقامات تاریخی کا بیان ہے اور سومنات کے مندر کی کیفیت تو ایسی ہے کہ اسی ایک کی خاطر ہزاروں آدمی روزنامچے کو خریدتے ہیں قیمت ۸

مفلسی کا علاج

حضرت خواجہ صاحب کی سب سے پہلی تصنیف ہے قیمت ار

سی پارۂ دل

اس کتاب میں خواجہ صاحب کے وہ تمام مضامین ہیں جو آجتک ہندوستان کے مشہور رسالوں اور اخباروں میں چھپے بعض مضامین تو وہ ہیں جو نایاب ہو گئے تھے اور ایک ایک اشرفی قیمت دینے پر بھی دستیاب نہ ہوتے تھے سنہ ۱۹۱۱ء میں ایک مجموعہ مضامین چھپا تھا، مگر وہ ناتمام تھا اس میں یہ نئے مضامین نہ تھے جو اس تازہ مجموعہ میں ہیں

خواجہ صاحب نے اردو زبان میں ایک نئی وضع انشاپردازی کی ایجاد کی ہے۔ یہ ہندو اور مسلمان دونو تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی دلپسند اور چھوٹے بڑے ادنیٰ اعلیٰ کی سمجھ میں آنیوالی اور دلپر اثر کرنے والی عبارت کوئی نہیں لکھ سکتا۔ لہذا اگر کسی شخص کو اس کا ثبوت آنکھ سے دیکھنا ہو تو یہ مجموعہ مضامین منگا کر دیکھے، عبارت آرائی تصوف، اور سوز و درد کا ایک باغ لگا ہوا نظر آئے گا قیمت ڈیڑھ روپیہ

انتخاب توحید

اخبار توحید میرٹھ کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے صرف پانچ مہینے جاری رہا، مگر مقبولیت کی کیفیت یہ تھی کہ ہندوستان کا کوئی گاؤں اس کے ناظرین سے خالی نہ تھا یہی وہ اخبار تھا جس کے ایک مضمون کہو تکبیر کو ہندو مسلمانوں نے بطور خود چھپوا چھپوا کر تقسیم کیا اور اس طرح ایک کروڑ کے قریب اسکی اشاعت ہوئی یہی وہ مضمون تھا جس کے ترجمہ تمام ترکی عربی اخباروں نے شائع کیے اور باوجود ضبط ہو جانے کے اب تک ہزاروں آدمیوں کو حفظ یاد ہے اخبار توحید کے چیف ایڈیٹر حضرت خواجہ صاحب تھے اور اس کے اکثر مضامین آپ ہی کے لکھے ہوئے ہوتے تھے یہ انتخاب اسی اخبار توحید کے مضامین کا ہے جس میں خواجہ صاحب کے تمام مشہور مضامین یکجا کر دیے گئے ہیں قیمت علاوہ محصول صرف (عہ) ایک روپیہ

اردو دعائیں

یہ بھی حضرت خواجہ صاحب کی بہت مشہور و مقبول تصنیف ہے جس میں انسان کی تمام ضروریات زندگی کے لیے اردو زبان میں دعائیں ہیں، ہر دعا خواجہ صاحب کی مخصوص شگفتہ عبارت میں ہے بچوں اور عورتوں کا جی ان دعاؤں میں بہت لگتا ہے چند روز میں ہاتھوں ہاتھ بک گئیں تو دوبارہ دوگنے اضافہ کے ساتھ چھپیں، اسکول کے بچوں اور عورتوں میں مفت تقسیم کرنے کے لائق یہی کتاب ہے قیمت ۶ (چھ آنہ)

اتالیق خطوط نویسی

خط و کتابت آج کل ہر آدمی کی زندگی کا ضروری حصہ ہے عورتوں اور مردوں کو یکساں ضرورت ہے کہ مختصر الفاظ میں زیادہ اور طویل مطلب ادا کرنا سیکھیں خواجہ صاحب نے اس ضرورت کو مدنظر رکھکر یہ کتاب لکھی ہے اسکے دو حصہ ہیں پہلے حصہ میں خود خواجہ صاحب کے خطوط ہیں اور خط لکھنے کا ڈھنگ بہت ہی بہتر طریقہ پر بتایا گیا ہے دوسرے حصہ میں ہندوستان کے نامور مسلمانوں کے خطوط کا مجموعہ ہے مثلاً نواب محسن الملک مولانا شبلی مولانا ابوالکلام، ڈاکٹر اقبال، حضرت اکبر مولانا ذکاء اللہ میرزا قادیانی وغیرہ حضرات غرض نمونہ حقیقتاً خط و کتابت کا طریقہ جاننے کے لیے ہم بھی ایک حصہ

اسرار

جیسا نام ہے ویسی ہی باتیں ہیں، بابیہ فرقہ کے بانی جناب بہاؤ اللہ آفندی نے رموز تصوف کے متعلق لکھی ہے یہ کتاب حضرت خواجہ صاحب کو جناب بہاؤ اللہ کے فرزند اور جانشین جناب عباس آفندی نے بزمانہ سفر مصر بطور یادگار ملاقات دی تھی خواجہ صاحب نے اس کا اردو ترجمہ شائع کر دیا، اصل فارسی بھی ہے اور ترجمہ بھی پہلی اشاعت جلد ختم ہو گئی تو دوبارہ چھپی، قیمت ۴ر

اسلام کا انجام

مصر کے شیخ المشائخ حضرت علامہ توفیق بکری کی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے صوفی اسلام کے انجام کی نسبت کیسی فلسفیانہ مدبرانہ رائے رکھتے ہیں اور ان کے دماغ کا پایہ ہندوستانی مشائخ سے کتنا بلند ہے یہ کتاب بھی شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گئی تھی اب دوبارہ چھپی ہے قیمت ۴ر

تسخیر مہر و قہر اعمال حزب البحر

عملیات کی ہزاروں کتابیں ہیں اور حزب البحر شریف کے میسوں طریقے بازاروں میں چھپے ہوئے بکتے ہیں مگر حضرت خواجہ صاحب نے جس مدلل اور موثر طریقے سے یہ کتاب لکھی ہے اس کی مثال کہیں نہ ملیگی یہی وجہ ہے کہ چند روز میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا، دوبارہ چھپی اور وہ بھی قریب الاختتام ہے، ہندوستان کے شہرہ آفاق بزرگ حضرت مولانا سید شاہ سلیمان صاحب پھلواروی اس کتاب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں

"کہ میں خواجہ صاحب کی تمام تصانیف میں اس کو اول درجہ کا سمجھتا ہوں"

قیمت آٹھ آنے (۸ر) علاوہ محصول

رسول کی عیدی

یہ چھوٹی سی خوبصورت کتاب ہے جس میں مزید ار نظم و نثر بچوں کے خوش ہونے اور دینی محبت پیدا کرنے کی درج ہوئی ہے، کئی دفعہ چھپ چکی ہے عیدین اور میلاد کے موقع پر سینکڑوں کی تعداد میں لوگ خرید کر بچوں کو تقسیم کرتے ہیں قیمت صرف ۲ر

غدر دہلی کے افسانے باتصویر

یہ کتاب غم اور عبرت کی داستان ہے دہلی کے غدر ۵۷ء میں بیگمات اور شاہی خاندان پر جو مصیبتیں پڑیں انکا سچا حال خود اُن لوگوں کی زبانی سنکر حضرت خواجہ صاحب نے اپنی مشہور طرز تحریر میں لکھا ہے، یہ کتاب قریب ختم ہے اور مصلحت جنگ کے سبب شاید دوبارہ شائع نہ کیجائیگی اس کی قیمت بھی بڑھ گئی ہے قیمت سابقہ ۴ر موجودہ ۶ر

بیوی کی تعلیم

یہ اُنیس سبقوں کا مجموعہ ہے جو حضرت خواجہ صاحب نے اپنی اہلیہ کو بطور تعلیم لکھکر بھیجے تھے ان اسباق میں خانہ داری کی وہ سب باتیں آگئی ہیں جو ہندو مسلمان اور یورپین گھروں میں مروج ہیں اور ان باتوں کو ایسے طریقے سے لکھا ہے کہ ہر ہندو مسلمان عورت صرف یہ ایک کتاب پڑھ کر تمام قابل اصلاح خرابیوں سے آگاہ ہو سکتی ہے اور جن چیزوں سے ملک ہندوستان تباہ و برباد

ہو رہا ہے انکو ٹھیک طور پر درست کر سکتی ہے چند سبقوں کے عنوان یہ ہیں۔

دین۔ تعلیم و تربیت دمڑی۔ ناک، میاں، بیوی بچے، اوپری ملل، بیاج، شادی، غمی، اندرونیاز لباس، مکان، کھانا، پینا، کئی بیویاں، عرس و محرم، پیر، مسلم لیگ، کانگرس

یہی وہ کتاب ہے جسپر ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور مردوں اور عورتوں نے دیباچے لکھے ہیں جو اس کتاب کے ساتھ شائع ہوے ہیں، سب نے تسلیم کر لیا ہے کہ عورتوں کے لیے یہ اکیلی کتاب کتابوں سے زیادہ مفید ہے، ہر ہندوستانی گھر میں خواہ وہ ہندو کا ہو یا مسلمان کا اس کتاب کا رکھنا ضروری ہے یہ ایسی کام کی کتاب ہے کہ زکواۃ کے روپے سے غریب عورتوں میں تقسیم کرنی چاہیئے کیونکہ اس کے پڑھنے سے عورتوں کو بہت آسانی کے ساتھ گھر چلانا آجائیگا شوہروں سے برتاؤ کرنا سیکھ جائیں گی، اور اپنے خانگی بیہودہ رسم و رواج کی اصلاح کرنے کا شوق پیدا ہو جائے گا۔

جو لوگ اپنی بیویوں کو تعلیم دینا اور اپنے کام کا بنانا چاہتے ہیں، ان کو یہ کتاب ضرور خریدنی چاہیئے اردو زبان میں آجتک ایسی کوئی کتاب نہ تھی قیمت عہ

کرشن بیتی

ہندوؤں کے مشہور اوتار سری کرشن جی کی لائف آجتک اردو زبان میں کوئی اس قابل نہ تھی، جس سے مسلمانوں کو سری کرشن کا اصلی اور پورا حال معلوم ہوتا خواجہ صاحب نے نہایت محنت اور تحقیق کے ساتھ کرشن بیتی لکھکر یہ کمی پوری کر دی ہر موقع کی عکسی تصویریں صرف کشمیر سے حاصل کر کے انمیں شریک ہوئی ہیں یہ اعتبار عبارت آرائی و بہ اعتبار تحقیق حالات خواجہ صاحب کا یہ ایک شاندار کارنامہ ہے نہایت اعلیٰ کاغذ پر بہت اہتمام سے چھپی ہے قیمت عہ

رہنمائے سیر دہلی

بالکل تازہ تصنیف ہے الفاظ میں نئی اور پرانی دہلی کا پورا نقشہ اُتار کر رکھدیا ہے گھر بیٹھے دہلی کی سیر کرنی ہو تو اسے منگائیے، الفاظ کی تصویروں کے علاوہ عمارات مقامات مشہورہ کے عکسی فوٹو بارہ کے قریب لگے ہیں اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہ تھی۔ بہت چکنے بہت سفید قیمتی کاغذ پر چھپی ہے بہت خوبصورت جلد بندھی ہے قیمت عہ

چٹکیاں اور گدگدیاں

سوز و غم کے مضمون پڑھتے پڑھتے جی اُکتا گیا تھا حضرت خواجہ صاحب نے دل لگی کی کتابیں لکھدی ہیں ایسی ہنسی کے مضامین ہیں کہ پڑھنے اور سننے والے مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ جائیں گے اور پھر خوبی یہ کہ ہر ظرافت میں کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ ضرور نکلتا ہے، گویا مذاق بھی ہے اور نصیحت بھی۔

یہ کتاب تین عنوانوں میں تقسیم ہے پہلے عنوان میں تو وہ ہنسی ہے جس کا تعلق مذہبی باتوں سے ہے یعنی جس مذاق سے مذہب کا شوق پیدا ہوتا ہے اور مذہبی خرابی سے غیرت آتی ہے،

دوسرا عنوان معاشرت اور رہنے سہنے کی باتوں کا ہے انمیں وہ مذاق ہے کہ ہندوستانی خود بخود شرما کر اپنی

حالت درست کرلیں، تیسرے عنوان میں صرف انشا پردازی کی ظرافت ہے،

دراصل یہ مجموعہ ان مضامین کا ہے جو مختلف اخباروں اور رسالوں میں خواجہ صاحب نے لکھے تھے، غرض ہر اعتبار سے یہ کتاب اردو زبان میں اپنا ثانی نہیں رکھتی قیمت صرف آٹھ آنے (۸ر) علاوہ محصول

جاگ بیتی

اسکا دوسرا نام خواجہ حسن نظامی کی کہانیاں ہے، یہ چھوٹے چھوٹے قصوں کی کتاب ہے، ہر قصہ غم والم کی داستان ہے جس میں عبرت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے اور دلچسپی بھی ہے وہ چھوٹے قصوں کے مقابلہ میں یہ مفید اور مزیدار کہانیاں ہر شخص کو پڑھنی چاہئیں قیمت چھ آنے ۶ر

بچوں کی کہانیاں

ہندوستانی گھروں میں عورتیں بچوں کے سامنے جو بیہودہ کو جو مزیدار کہانیاں کہا کرتی ہیں، اس قابل نہیں کہ ایک کتاب کی شکل میں انہیں جمع کر دیا جاتا، کیونکہ نئی روشنی کے اثر سے اب ہمارے پرانے دستور بدلتے جاتے ہیں، اندیشہ تھا کہ کہیں ان کہانیوں کا رواج بھی نہ مٹ جائے اور مسلمانوں کا خانگی نصاب تعلیم مغلی ڈھونڈھے بھی نہ ملے، یہ کہانیاں بچوں کی سمجھ اور عقل کے موافق ہوتی ہیں اور ان سے بچوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے، اس واسطے لیلے خواجہ بانو یعنی اہلیہ خواجہ صاحب نے ان کہانیوں کو قلمبند کیا ہے جن میں پہلے تو وہ کہانیاں ہیں جو بہت چھوٹے چھوٹے بچوں کے سامنے کہی جاتی ہیں اور اس کے بعد وہ ہیں جنکو ذرا بڑے اور سمجھدار بچے سنتے ہیں، اردو زبان میں آجتک ایسی کتاب نہ تھی، یہ کتاب حضرت خواجہ کی نظر اصلاح سے گزر کر شائع ہوئی ہے قیمت صرف چھ آنے ۶ر

مجموعۂ خطوط خواجہ حسن نظامی

حضرت خواجہ صاحب کے نہایت دلچسپ اور پر معانی خطوط کا یہ مجموعہ اردو زبان میں بے مثل چیز ہے، بیٹی کے نام، بیوی کے نام، دوستوں کے نام، مریدوں کے نام، رنگا رنگ خطوط اس مجموعہ میں ہیں، جن سے مختلف جذبات کی انشا پردازی ظاہر ہوتی ہے قیمت ۱۲ر

شیخ سنوسی

خواجہ صاحب کی مشہور کتاب ہے جسمیں حضرت امام مہدی کا حال ہے یہ کتاب چھ سات دفعہ تو حلقۃ المشائخ نے شائع کی اور بمبئی وغیرہ میں چور کتاب فروشوں نے پوشیدہ پوشیدہ ہزار ہا کئی دفعہ چھاپی اور دونوں جگہ فوراً بک گئی گجراتی مرہٹی بنگالی زبانوں میں اس کے کئی کئی ترجمے ہوئے غرض آجتک ایک لاکھ کے قریب اس کی جلدیں شائع ہو چکی ہیں قیمت پہلے چار آنہ تھی مگر اب بڑھ گئی ہے اور ۵ر ہے کیونکہ جب تک جنگ ہے دوبارہ نہیں چھپے گی جسقدر کاپیاں باقی ہیں وہی فروخت کیجائیں گی، اسواسطے مجبوراً قیمت بڑھا دی گئی،

پورا میگزین

چھوٹے چھوٹے رسالوں کا دلچسپ مجموعہ ہے جس کو خواجہ صاحب نے جنگ یورپ کی شروعات کے وقت لکھا تھا اس میں حسب ذیل سات رسالے ہیں،

توپ خانہ۔ بندوق۔ ہوائی جہاز۔ بم۔ مچھر کا
اعلان جنگ بلبشی کا میدان جنگ۔ جرثمن
شہزادہ کی لاش ان رسالوں میں پچیسی کے ساتھ

تصوف کے نکتے لکھے گئے ہیں اور امن کی خوبیاں
بیان ہوئی ہیں۔

مجموعی قیمت ۵ ر

تصنیفات مصور غم علامہ راشد الخیری

الزہرا

تعلیم نسواں کی آڑ میں جس سنگدلی سے مغربی طوفان مشرقیان مشرق کو پامال کر رہا ہے وہ کسی باخبر سے پوشیدہ نہیں جن خوبیوں پر مسلمانوں کو ہمیشہ ناز رہا اور جن باتوں پر وہ سدا فخر کرتے رہے آج انکا شائبہ بھی نظر نہیں آتا، نماز۔ روزہ۔ خلق۔ محبت، خلوص ہمدردی۔ سلیقہ کفایت شعاری کی بجائے اسوقت وہ لڑکیاں پیدا ہو رہی ہیں جو اسلام سے کوسوں دور اور مغربی رنگ میں چمکنا چور دکھائی دیتی ہیں، ایسے نازک موقع پر کہ یہ مشرقی مہمان دم توڑ رہا ہے اور اگلی خوبیاں حالت نزع میں ہیں اشد ضرورت ہے کہ لڑکیوں کی نظر سے وہ کتابیں گذریں جو انکو سعادت مند اولاد، سلیقہ شعار بیوی، سچی مسلمان اور کامل انسان بنا سکیں، کتاب زمانہ کی رفتار کو ہاتھ سے نہ دے۔ اور نہایت خاموشی سے اپنی بچیوں میں ان جواہرات سے لبریز ہو جنکی چمک آنکھوں کے ساتھ دل کو بھی منور کر دے۔

لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل جو کتابیں اسوقت موجود ہیں ان میں یہ دیکھکر کس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ بنت الرسول سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کے کارناموں سے زمانہ لڑکیاں قطعاً محروم ہے کتاب کی تکمیل چند اشکال کا کام نہ تھا، مگر میرا دل یہ چاہتا تھا کہ یہ واقعات اس بلبل خوش الحان کے نغموں میں ادا ہوں جس کا قلم تمام ہندوستان کو مسخر کر چکا ہے یعنی علامہ راشد الخیری مظلہ العالی۔

مولانا کا قلم بنت الرسول کی داستان کہہ نہیں سکتا کہ کتاب کس پایہ کی ہے۔ تاریخ میں ایک بیش بہا اضافہ کے علاوہ الزہرا آپ بتائے گی کہ میاں بیوی کس طرح رہتے ہیں، مائیں بچوں کو کس طرح پالتی ہیں، دنیا کے ساتھ دین کیونکر میسر آسکتا ہے، باپ بیٹوں کے تعلقات کیا ہوتے ہیں اور انسانی ہستی کیا معنی رکھتی ہے الزہرا نہ فسانہ نہیں بنت الرسول کے حالات و سوانح ہیں۔ اور یہ واقعات ایسے دردانگیز ہیں کہ پڑھتے پڑھتے بچی بندھ جاتی ہے۔ باوجود مورخانہ حیثیت کے، اس قدر دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی نیت سیر نہیں ہوتی

خاتمہ پر ایک مفصل بحث شہادت اہل بیت پر ہے اور میدان کربلا کے واقعات جس طرح ادا کیے گئے ہیں انکی بابت صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ "مرحوم کا بیان اور مولانا کی زبان"، اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، اور دوسرا چھپکر حال میں طیار ہوا ہے ضخامت قریباً ۱۰۰ صفحہ، ہر جزو قیمت علاوہ محصول ڈاک بارہ آنہ ۱۲

امت کی مائیں یعنی لہات المومنین کی سوانح عمریات زیر طبع ہے قیمت غالباً روپیہ یا سوا روپیہ ہوگی۔

شام زندگی

زندگی کی بہار ہندوستان میں صدیوں سے خزاں سیٹ سمجھی جاتی ہے خلقت جی رہی ہے مگر مرنے سے بدتر ہے جینے کی بنیاد گھرداری پر ہے اور گھرداری عورت کا دوسرا نام ہے، عورت کی حالت یہ ہے کہ نہ وہ اپنی آدمیت کا حس رکھتی ہے نہ مرد کی طلب لیست کو سمجھتی ہے، مرد و زن میں عورت حیوان ہے، عورت کہتی ہے مرد نادان ہیں نہ انکو صبح زندگی کی خبر اور نہ انکو شام حیات سے سروکار مولانا راشد الخیری دہلوی نے قلم اٹھایا اور صبح زندگی کا خاکہ کھینچکر دکھادیا کہ ناحق زندگی کو گری کرتے ہو جینے کی ابتدائی بہاریوں ہوتی ہے، عورتوں نے مردوں نے جو اس خاکہ کو جس کا نام صبح زندگی تھا دیکھا پڑھا، تو جانا کہ زندگی شروع کرنے کا ہم سب کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو کتاب صبح زندگی میں ہے مولانا راشد زندگی کو دوپہر کی دھوپ میں چھوڑ کر چپ ہو گئے تو ہنسنے کے چاروں کھونٹ سے آوازیں آئیں کہ زندگی کو شام تک پہنچاؤ ادھر میں نہ چھوڑو، انہوں نے قلم برق رقم پر انگلی رکھدی اور شام زندگی چمک کر نمودار ہو گئی، شام زندگی کتاب ہے صبح زندگی سے زیادہ دلچسپ ہے، عورتیں اس کتاب کو پڑھ لیں تو ان کو اپنی زندگی کا مزا بھی آجائے اور مردوں کی زندگی بھی بہشت بنجائے، شام زندگی ایک دلچسپ قصہ ہے، درد و غم کا افسانہ ہے بیظیر اردو کا شہکار ہے۔ جو پڑھ ہنسے روئے، مزے لے اور پھر پڑھے پھر سوچے اور بے اختیار ہو کر پھر پڑھے، کسی طرح جی نہ بھرے، یہ عجیب جادو اس کتاب میں ہے اور تاثیر کی یہ حالت ہے کہ پڑھنے والا اسے خود بیتی تصور کرتا ہے زندگی کے نقص محسوس کرتا جاتا ہے انکی اصلاح کی تدبیریں ذہن میں ہمانی شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ داستان تو مکاشفہ غیبی نے مجھ پر چھوڑی ہے وجہ یہ ہے کہ عقل شعاع مصنف نے ضرورتوں کو پڑھکر یہ کتاب لکھی ہے شام زندگی ہر گھر میں زندگی پیدا کر دے گی اس کو پڑھکر عورتیں اپنے بھولے فوائض جان جائیں گی اور انکو شہزادیوں کی طرح نیک بیویوں کی مانند اور سلیقہ مند گھر والی کی مثل خاوند کا دل موہنا اور سارے کنبہ سارے شہر ساری قوم اور سارے ملک کی واہ واہ حاصل کرنا آجائے گا، کتاب شام زندگی عورتوں سے زیادہ مردوں کو مفید ہو گی، کیونکہ مرد اگر عورتوں کے طریق حیات اور جذبات سے آگاہ ہوں گے تو اُن کے گھروں میں بہشت اُتر آئے گی اور وہ دیکھیں گے کہ زندگی اسکا نام ہے، شام زندگی مولانا راشد الخیری کی بہترین تصنیف ہے، شام زندگی اردو ادب کی لاجواب نشانی ہے۔

شام زندگی اصلاح معاشرت کی اثر دار داستانی ہے شام زندگی دہلی کی آواز ہے جس سے اس مردہ شہر کی حیات کا ثبوت ملتا ہے آپ خریدئے گھر کے لیے منگائیے بچوں کو لیکر دیکھئے، دوستوں میں تقسیم فرمائیے زندگی کو نہ بھولیے، دیکھئے! دیکھئے اس کتاب کا جینا جاگنا جگانا، ہنسانا اور باتوں باتوں میں دل کے اندر اُتر جانا دیکھئے۔

اس کتاب کے تین ایڈیشن قریب قریب ختم ہو چکے ہیں۔

قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

علاوہ محصول

طوفان حیات

جس نے ایک دنیا میں دھوم مچادی اور جس کی تعریف میں اخبارات رطب اللسان ہیں اور جس کا استقبال اردو علم ادب نے نہایت شاندار کیا اس کتاب کی ہیروئن مسٹر کی زندگی اسقدر پر لطف اور پیچیدہ ہے کہ پڑھنے والا حیران ہو جاتا ہے۔ رسوم قبیحہ جنہوں نے مسلمانوں کا خاکہ اُڑا دیا اس فصاحت اور خوبصورتی سے بیان کی گئی ہیں کہ اس کے پڑھنے کے بعد پھر گھر میں ایسی رسوم کا نشان باقی نہیں رہتا۔ مسٹر کہ جو عام طور پر دنیائے نسواں پر قابض ہے **طوفان حیات** کے مطالعہ سے ہزاروں کوس دور بھاگ جاتا ہے، اور انسان خدائے واحد کی عظمت کے آگے سر جھکا دیتا ہے کتاب اسقدر دلچسپ ہے کہ بغیر ختم کیے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا واقعی اسقدر دلآویز کہ ہچکی بندھ جاتی ہے، پہلا ایڈیشن ختم کے قریب ہے اور روز خواستگاری کی کثرت اسقدر زیادہ ہے کہ اگر فوراً فرمائش نہ دی گئی تو دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت صرف عمدہ ایک روپیہ

سراب مغرب

مولانا کی تصنیف جس کا دنیائے نسواں کو مدتوں سے انتظار تھا اور اردو لٹریچر جس کے واسطے بیحد تعلیم نسواں کے مسئلہ میں اس فیصلہ کی اشد ضرورت تھی کہ غیر مسلم ذرائع سے مستفید ہونا کہاں تک جائز ہے حضرت مصنف کا فیصلہ قابل دید ہے قصہ اس قدر دلچسپ اور دلکش ہے کہ ہر لفظ کلیجہ کے پار ہوتا ہے اور آنکھیں روتے روتے طوفان بپا کر دیتی ہیں **سراب مغرب** کتاب نہیں ایک جادو ہے جس کو پڑھکر ناظر ساکت ہو جاتا ہے اکرم کے ہاتھوں آبروئے سادات کا انجام نیشن جدید کے تاریخ پارٹیز کا حشر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے مولانائے محترم کی تصنیف کا اعلان کے بعد نام تک نہیں رہتا اس لیے اگر درخواست فی الفور نہ بھیجی گئی تو تاخیر کا ذمہ وار پریس نہ ہوگا۔

قیمت (۸) آنہ علاوہ محصول

سات روحوں کے اعمالنامے

عالم ارواح کی سیر کرنی ہو یا پردہ موت کو ہٹا کر کچھ دیکھنا ہو تو **سات روحوں کے اعمالنامے** ملاحظہ فرمایئے جو مولانا رشید الخیری مدظلہ کا دوسرا کتابی مضمون ہے جس کو پڑھ کر ہر ناظر کی ادھر ہچکی بندھ گئی اور اُدھر مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ گئے رلا دینے کے چند عشق و محبت کے گر [illegible] کے سنظر غرض انسانی زندگی کا کوئی [illegible] ہے جس سے سات روحوں کے اعمالنامے محروم [illegible] یہ مضمون [illegible] یہ سلسلہ نکل چکا تھا مگر اس کی طلبی اس قدر زیادہ ہوئی کہ اب اسے کتابی صورت میں شائع کرنا پڑا۔

اس ہمت پر جناب مصنف نے ایسے لطیف و پر مغز نظارے دکھائے ہیں کہ حیات و ممات دونوں کی سچی تصویر آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہے۔

قیمت

عمدہ محصول

زنانہ لائبریری کی رونق

(عالی مرتبت خواتین کی تصانیف)

بچوں کی پرورش

زچہ خانہ کی احتیاط، بچوں کی رضاعت، غذا، امراض، نگرانی صحت، متعدی امراض سے حفاظت زہریلے جانوروں کے کاٹنے کا دفعیہ، اتفاقی حوادث میں تیمارداری عام ممنوعات قیمت صرف چھ

تربیت الاطفال

بچوں کی تربیت اخلاق کے اصول جن پر والدین کو کاربند ہونا چاہیے قیمت صرف ۸ ر

ہدایات تیمارداری

میں ڈاکٹری اصول کے مطابق تیمارداری کے ضروری طریقے مندرج ہیں قیمت ۲ ر

ہدیۃ الزوجین

شوہر و زوجہ کے شرعی و قانونی حقوق و اختیارات و فرائض انہیں پر امور خانہ داری کی بنیاد ہے قیمت ۸ ر

ہندوستانی گھروں میں تیمارداری

یہ میجر آر جے ملیکم صاحب بہادر کی کتاب انڈین ہوم نرسنگ کا ترجمہ ہے اور اس قابل ہے کہ تمام خواتین اسکا مطالعہ کریں اسمیں علاوہ ۲۲۳ صفحوں کے ۴۰ نقشے اور تین ضمیمے بھی ہیں قیمت چھ

معیشت و معاشرت

خانہ داری کا دوسرا اور سیر حاصل حصہ میں معاشرتی و خانگی زندگی کی تمام ضروری و کارآمد باتیں اور ہدایتیں نہایت تحقیق اور دلچسپ پیرایہ میں لکھی گئی ہیں مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا قیمت معیشت ۱۲ ر و قیمت معاشرت ۴ ر

تہذیب النسواں و تربیت الانسان

(مولفہ خلد مکان نواب شاہجہان بیگم صاحبہ) امراض مخصوصہ نسواں کی طبی احتیاطیں، خانہ داری کی ضروری اور کارآمد باتیں، مسائل ضروری متعدد بار شائع ہو چکی ہیں اور اب ہر پہلو سے سرکار عالیہ نے خاص طور پر ترمیم فرمائی ہے ۴۰۰ صفحے قیمت ۴ ر

سبیل الجنان

اس کتاب میں ارکان اسلام پر حضور سرکار عالیہ دام اقبالہا کی نہایت مفید تقریریں ہیں جو عورتوں اور ہونے والے ہر ایک ہمدرد اور دلسوز واعظ کو خاصکر عورتوں کے لیے اس سے بہتر مذہبی امور کی سمجھانے والی کوئی کتاب نہیں قیمت ۴ ر

سرگذشت

ہندوستانی گھروں کی بعض غیر مہذب و تمدنی حالتوں کا فوٹو (مصنفہ زہرا بیگم لطیفی صاحبہ) قیمت ۳ ر

نٹنگ

یہ کتاب سوئی کے اونی و ریشمی اور سوتی کاموں کے سکھانے کے لیے سب سے بہترین اُستاد ہے اور اسوقت تک اُردو میں اس سے بہتر کتاب تصنیف نہیں ہوئی ہر کام کے سمجھانے کے لیے نقشے بھی دیے گئے ہیں جن کے بلاک انگلستان سے تیار کرائے گئے ہیں اور جن کی تعداد ۵۵ ہے قیمت ۶ ؎

سوال و جواب تندرستی

اسمیں تندرستی کے مضامین کو بطور سوال و جواب کے سلطانیہ گرلس اسکول کی ایک متعلمہ نے مرتب کیا ہے صفحے ۱۴۴ قیمت ۶ ؎

ناول نادریان

یہ حیلہ جناب سہیل صاحب کا تصنیف کردہ دردانگیز اور دلچسپ ناول ہے صفحات ۳۴۴ قیمت ۸ ؎

۸۵

پُرتاثیر خطیب

اخباری منبر کے اردو خطیب کے خطبے سنو جو ہر ہفتے دین و دنیا کی بھلائی کے پُرتاثیر وعظ سُناتا ہے اور دنیا ان اسکے نرالے بیان پر جھومتی ہے کھوئے ہوئے اتحاد کے خضر کے سامنے ہاتھ باندھے چلے آتے ہیں مشہور لاہور رسالہ نظام المشائخ کے دفتر سے نکلتا ہے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے مضامین زیادہ تر اسی میں چھپتے ہیں چندہ سالانہ ۶ شمارہ ۱۳ سہ ماہی ۱۵ خریداران نظام المشائخ سے ۶ شمارہ چہ ماہی ۱۳

نمونہ مفت

منیجر خطیب دہلی سے منگائیے

اُردو کے بہترین مصنف

مروارید ثلاثہ

مندرجہ ذیل ہر سہ کتب جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے کی لکھی ہوئی ہیں جو آج کل انگلستان میں اشاعت اسلام کر رہے ہیں۔

(۱) **براہین نیر** حصہ اول (معروف بہ زندہ و کامل الہام) قیمت ۱۲ ار یہ کتاب ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جس میں تہذیب قمدن کے کامل قوانین موجود ہیں اس ضمن میں مصنف نے ایک بنکمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل دوسرے مذاہب کے عقائد اور اصولوں پر نہایت فاضلانہ بحث کی گئی ہے

(۲) **ام الالسنہ** (معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان) قیمت ۱۲ ار یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے، اپنی نوع کی یہ پہلی کتاب ہے روانگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے ہمیں یہ دکھلایا گیا ہے کہ عربی الہامی زبان ہے اور کل دنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں اور ابتدا میں سب ملکوں کے آباؤ اجداد عربی الاصل تھے یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۳) **اسوہ حسنہ** (معروف بہ زندہ و کامل نبی) قیمت صرف ۸ ر اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے، یہ کتاب مقبولیت عام حاصل کر چکی ہے اسکو پڑھکر ماننے کے سوا چارہ نہیں ہوتا کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے تو آپ کی ذات پاک ہی ہے۔

محصول بذمہ خریدار۔

خطبات غربیہ (اردو)

(قیمت فی خطبہ ۲۰ ر محصول بذمہ خریدار)

بانش چھپکر تیار ہیں کاغذ کی قلت کی وجہ سے بہت ہی قلیل تعداد میں چھپوائے ہیں جو پہلے ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں جو اب خریداری کا ہے عجلت سے بڑھائیں ورنہ بعد میں مایوس ہونا پڑے گا

خواجہ کمال صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری اڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ انگلینڈ کے یہ وہ معرکتہ الآرا خطبے ہیں جو ان محترم نے اپنے قیام لندن میں آشنایان اسلام کو اسلام سے معرف کرانے اور پُر حقانیت اسلام متحقق کرنے کے لیے انگلستان فرانس اور سکاٹ لینڈ کے مختلف مقامات پر خطبے لکچر اور تقریروں کی شکل میں دیے اسکے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اسکے اصول سے واقف ہو جاتا ہے بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اسے فضیلت کا قائل ہونا پڑتا ہے، ان خطبوں میں سے چند خطبات ہمنے بعض احباب کی بار بار فرمائش پر اردو میں ترجمہ کرائے ہیں ان خطبات کے مضامین کے بیان کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں چھ جلدوں میں حسب ذیل نام پر ترتیب دیا ہے۔ (۱) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۱ موسوم بہ "مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات"، (۲) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۲ موسوم بہ "توحید و دعا" تصاویر (۳) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۳ موسوم بہ "خطبات عیدین"، (۴) سلسلہ غربیہ نمبر ۴ موسوم بہ "دہریوں اور ملحدین کو خطاب"، (۵) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۵ موسوم بہ "اسلام اور دیگر مذاہب"، (۶) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۶ موسوم بہ "حقوق نسواں"

نوٹ مکمل سٹ کے خریدار سے علاوہ محصولہ اکائی روپیہ۔

خطبات ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپے ہوئے ہیں۔

گلہائے معرفت

وہ ترو تازہ پھول جن کی مہک نے دنیائے ادب کو معطر کر دیا یعنی حضرت مولانا سید شاہ نذیر الحسن صاحب فتح پوری کے لاجواب و مقبول عام مضامین کا بیش بہا مجموعہ العرفان جو ہمیں نشتر کی طرح چبھنے کے پا رہا ہے اور کہیں مسیحا کی طرح زخم پر مرہم رکھ رہا ہے اور کسی جگہ تصوف کی صورت میں دلکو تڑپاتا ہے کسی جگہ توحید کے رنگ میں مژدہ وصال پہنچاتا ہے کہیں حسن عقیدت کے موتی نثار ہا ہے کہیں سائنس و فلسفہ کی کسوٹی پر خیالات پرکھ رہا ہے مولانا کی بے مثیل قابلیت و جادو نگار قلم کا سکہ مملکت تصوف اور سلطنت علوم پر بیٹھا ہوا ہے اور یہ خداداد عطیہ ہے کہ مولانا کی چند سطریں پڑھ کر ناظرین پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے فلسفیانہ طرز استدلال کے ساتھ عشق و محبت کے باریک نکات اور تصوف کے پیچیدہ مسائل کا حل بیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ظاہر ہے اور باطنی دونوں آنکھیں اپنے مطلب کے پھول اس چمن میں مہکتے ہوئے دیکھیں گی روح مادہ، مذہب، توحید کوئی ایسا مضمون نہیں جسکو پڑھکر قابل مصنف کی درازی عمر کی دعا نہ نکلتی ہو۔ سرور دو عالم کی حیات مبارک کا ذکر سبحان اللہ سبحان اللہ نثر کے ساتھ نظم سوز و گداز تیر و نشتر ہر شعر دل مسل دیتا ہے نادر و بے مثیل سرمایہ العرفان کے نام سے بقیمت تین روپیہ آٹھ آنہ ہے ملیگا

سیرت عائشہ صدیقہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی میں اردو زبان میں سب سے پہلے یہی کتاب لکھی گئی ہے سرورق پر آپ کے مزار مبارک کا فوٹو ہے اس کے بعد حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا افتتاحیہ مضمون پھر مولینا سیماب اکبرآبادی کا دیباچہ اس کے بعد چودھری دلورام صاحب کوثری کی ایک نظم مناقب حضرت ممدوحہ میں درج ہے، کتاب مولانا نیاز محمد خانصاحب نیاز فتحپوری کی جدت طبع کا نمونہ ہے نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر بڑی خوبصورت چھپی ہے ہر زنانہ اسکولوں میں بطور لٹریچر پڑھانی چاہیے مستورات کو تحفہ بھیجنے اور بہنوں بچیوں کو انعام دینے کے لیے اس سے بہتر چیز ملنی محال ہے۔ قیمت ۱۲ ر

سوانح عمری حضرت سید احمد بریلوی

حضرت مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی کے پیر اور ہندوستان کے مشہور مجدد حضرت شاہ سید احمد بریلوی کی سوانحعمری ہے آپ تیرہویں صدی ہجری کے ممتاز اولیا میں شمار کیے جاتے ہیں آپ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ آپنے مشرکانہ رسوم کی اصلاح کے لیے بڑے بڑے کام کیے آپ کے حالات دلچسپ سبق آموز اور عبرت انگیز ہیں اُن کے لاکھوں ماننے والوں کو ان سے بیخبر نہ رہنا چاہیے نئی روشنی کے لوگ بھی انہیں مزے لیکر پڑھتے ہیں اور پرانی وضع کے صحیح کے لیے تو ہیں سب کچھ ہے قیمت ۶ ر

حالات حضرت مولانا روم

یہ کتاب جو حال ہی میں دوبارہ طبع ہوئی ہے پہلے ایڈیشن کی نسبت اسمیں بہت سے مضامین اور رقعہ مولویہ کے قیمتی نوادر کو گئے ہیں حضرت مولانا روم کے مفصل حالات زندگی ۱۲

تذکرہ بہادران اسلام

الملقب بہ

اصلاح امت

مصنفہ مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی

مصنف سوانحعمری خالد ابن ولید اس کتاب میں حالات و واقعات و اطوار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغزوات بہادران بنی امیہ مثل عقبہ بن نافع فہری رحشان غسانی موسیٰ بن نصیر طارق بن زیاد فاتحان افریقہ و اندلس (سپین) ہارون الرشید مامون الرشید معتصم باللہ عباسی کے رومیوں سے جہاد اور خاندان عباسیہ کا عروج و زوال سلجوقی وغیرہ واقعہ بحیرہ روم کی اسلامی فتوحات، مذاہب باطلہ زنادقہ قرامطہ اسماعیلیہ ملاحدہ کا انحلال بعدہٗ شاہان سلجوقیہ طغرل بیگ الپ ارسلان ملک شاہ کی اسلامی خدمات حسن بن صباح کے فتن یورپ کے متفقہ حملات بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ اور شام کی بربادی خادم الاسلام عماد الدین زنگی کی مسلمانوں کے دلوں میں جانشینی روح پھونکنا اور غازی نور الدین محمود کا افواج یورپ پر اسلامی سکہ بٹھانا اور مجاہد فی سبیل اللہ سلطان صلاح الدین کا غازیہ حملیات سے بیت المقدس اور کل شام کو عیسائیوں سے پاک کرنا اور دیگر فتوحات سے تیسری صلیبی جنگ کا خاتمہ بعدہٗ خاندان ایوبیہ صلاحیہ کے حالات نیز تاتاریوں کے مسلمانوں پر ظالمانہ سفاکانہ حملات و خلیفہ و مسلمانوں کی تباہ شدہ حالات کا نقشہ پھر صداقت اسلام سے خود بخود تاتاریوں کا حلقہ اسلام میں داخل ہو کر موجب ترقی اسلام ہونا اس کے بعد اندلس (سپین) کے مسلمان مشہور سلاطین بنی امیہ کی ملکی جنگی ترقیات اور زوال اور عیسائیوں کے حملات اور مجاہدین سلاطین امراء کو مرابطین موحدین بنی مرین کا بار بار مسلمانان اسپین کی مدد کر کے ان کو سنبھالے رکھنا، آخر خانہ جنگی بیدینی نفاق بداخلاقی فساد اعتقاد سے سپین (اندلس) کو ہمیشہ کے لیے اپنے وجود سے خالی کرنا، عیسائیوں کے بیگانہ مسلمانوں پر تابڑ توڑ مظالم لاکھوں کو جبراً عیسائی کرنا لاکھوں کو بے خانماں کرنا اور ہزاروں کو حرق اغراق کی سزائیں دینا بعدہٗ ملجائے اسلام خلافت پناہ خاندان عثمانیہ کے مفصل حالات اور اس خاندان کی ترقی و تنزل کے موجبات اور یورپین پولیسی و سلطنت کی مشکلات اور موجودہ پیچیدگیوں اور ان کے دافع علاج کے متعلق مفصل بحث کی ہے تقطیع ۲۰×۲۶ کل صفحات ۵۳۸ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ

وجدانی نشتر

اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے جس میں اہل اللہ کے لیے رازونیاز و سوز و ساز سکون اضطراب اور وجد و حال کا یہ ایک لازوال روحانی خزانہ جمع کیا گیا ہے جس کی قدر و قیمت اس وقت ہو سکتی ہے جب اس کے معلوم ہو کہ اس میں عربی، فارسی، اردو، پنجابی اور ہندی سب زبانوں کی چاشنی ہمیں موجود ہے ان زبانوں کے وہ اشعار اور قرآن شریف کی وہ آیتیں وجدانی نشتر میں درج ہیں جن کے سننے یا پڑھنے سے اہل وجد صاحب دل اور اہل اللہ بزرگوں پر حالت طاری ہو گئی تھی قیمت عہ

جذبات مسلم

تمام جید مصنفین و شعرائے باکمال اردو مثلاً حضرت مولانا الطاف علی خان صاحب نبیرہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب و ڈاکٹر اقبال لسان العصر اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی شبلی و غیرہ کا منتخب کلام فی جلد عہ

الوارث

سرمست بادہ الست حضرت مولینا حاجی حافظ سید وارث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بہت سے اضافوں کے ساتھ چھپا ہے جس میں حضرت حاجی صاحب کا فوٹو اور ان کے مزار مقدس کا نقشہ بھی اضافہ کیا گیا ہے اور اس ساری خدمات کا کریڈٹ حضرت مولینا سید غفور شاہ صاحب الحسامی الوارثی کو ہے جن کی کوشش سے کتاب دوسری بار طبع ہوئی ہے عاشقان حضرت ممدوح و مریدان سلسلہ وارثی کے ہر ایک خادم کو اس کا ایک ایک نسخہ منگا کر پڑھنا اور حصول برکت و ثواب کے لیے گھر میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔ قیمت بارہ آنہ ۱۲ر

حیات امام مالک

حنفی مسلمانوں میں چار طریقے ہیں جو چاروں اماموں سے چلے ہیں ان میں ایک حضرت امام مالک ہیں جن کی حیات طیبہ قابل تقلید ہے۔ آپ مدت العمر مدینہ منورہ سے باہر نہیں گئے اس شوق میں کہ اسی خاک پاک میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہو، شہر سے دو میل باہر جاکر آپ قضائے حاجت فرماتے تھے، ایسا ادب اور شوق خدا ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔ یہ کتاب آپ کے حالات میں ہے ۲ر

حیات امام مسلم

حدیث کی سب سے صحیح کتاب صحیح مسلم اور اس کے بعد صحیح بخاری ہے صحیح مسلم کے جامع امام مسلم تھے جنہوں نے کئی لاکھ حدیث جمع کی اور پھر تحقیق و جانچ سے اس کا انتخاب کرکے صحیح مسلم کا مجموعہ تیار کیا، اسی کتاب سے معلوم ہوگا کہ آپ نے کتنی محنت اس کام میں اٹھائی اور حیات جاوید حاصل کرگئے قیمت فی جلد چار آنہ (۴ر)

حیات ابدی

حضرت رابعہ بصری مشہور خدا پرست بی بی تھیں اور حضرت حسن بصری کا زمانہ آپ نے دیکھا تھا، یہ ایسی صالحہ خاتون تھیں کہ بڑے بڑے مقبول بارگاہ ربانی اولیا ان کے درجے کو نہیں پہنچے، آپ کے حالات مستورات کے پڑھنے کے قابل ہیں لکھائی چھپائی اور کاغذ کی عمدگی قابل دید ہے۔ قیمت ۴ر چار آنے

حضرت داتا گنج بخش

خصوصاً صوفیانہ لٹریچر میں جو ممتاز درجہ سوانحعمری حضرت داتا گنج بخش کو حاصل ہے وہ اسی سے ظاہر ہے کہ دسمبر کے اوائل میں کتاب شائع ہوئی اور آخر دسمبر تک یعنی صرف ایک ہی مہینہ تک نصف سے زیادہ فروخت ہوگئی، حضرت داتا گنج بخش کون تھے، اسلام کو ان پر کس قدر فخر ہے....

..... اسلامی سلطنت اور اسلام کو روحانی طور پر انہوں نے کس مضبوطی سے ہند میں قائم کیا حضرت خواجہ معین الدین اجمیری اور حضرت بابا فرید الدین گنجشکر مولانا جامی اور اسلام کے دیگر بزرگوں کی نظروں میں حضرت داتا صاحب کی کس قدر عزت تھی آج سے نو سال پہلے پنجاب و افغانستان کی پولیٹکل حالت کیا تھی اور صوفیا کے متعلق کس قسم کے خیالات تھے یہ سب باتیں آپ کو داتا گنج بخش صاحب علیہ الرحمۃ کے حالات میں ملیں گی جس کو ہندو و سکھ بھی مسلمانوں کی نسبت کم شوق سے نہیں خریدا، حجم ۱۰۸ صفحے قیمت صرف ۱۰ر

حیات داغ

ملک الشعرا جہاں استاد مرزا داغ صاحب دہلوی کے حالات زندگی مع انکی تصویر کے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ کاغذ نفیس اور شاندار قیمت ۶ر

حیات حالی

شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی کے باتصویر حالات زندگی۔ قیمت صرف ۶ر

آئینہ خودشناسی

خداشناسی وخدارسی کا سچا رہبر تصوف کی بے نظیر اور لاجواب کتاب چھ سال کے عرصہ میں دس بار طبع ہوچکی ہے ۲ر

میلاد النبیؐ

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد میں بہت ہی اچھی کتاب ہے قیمت ۱۲ر

تاریخی جواہر

شبلی نعمانی اقبال اور اظہر دہلوی کی تاریخی نظموں کا مجموعہ قیمت ۲ر

حالات ابراہیم ادہم

یہ حضرت ابراہیم ادہم کی دیکھنے کے لائق سوانحعمری ہے قیمت ۲ر

دیوان ذوق

خاقانی ہند استاد بہادر شاہ حضرت ذوق دہلوی کا بے مثل کلام قیمت ۴ر

کلید اخبار نبی

ابھی تک یہ مشکل در نہوئی تھی کہ انگریزی سے ناواقف حضرات بھی اردو اخبارات سے ایسا ہی فائدہ اٹھاسکیں جیسا کہ انگریزی داں اٹھاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اخباری انشا میں انگریزی الفاظ کی مداخلت روز بروز زیادہ ہوجاتی ہے ترجمہ یا شرح ہر موقع پر کیسے زیب قلم ہو لہذا ان تمام لغات انگریزی و محاورات و اصطلاحات و اسمار کو بطور فرہنگ اس کتاب میں جمع کردیا گیا ہے اور ہر فقرہ کی اور ہر لفظ کی جو علی العموم استعمال ہوتے ہیں یا جن کے استعمال ہونے کا گمان غالب ہے اردو میں توضیح و تشریح کردی ہے اب مستورات بھی فائدہ اٹھاسکتی ہیں رقیقت اردو داں طبقہ کے واسطے اخبار نبی کا لطف چھیڑ دیا گیا ہے آپ کے مصنف مسٹر پرنٹی بی۔ اے کا شکرگزار ہونا چاہیے تقطیع بڑی مجلد کاغذ سفید و لائق نہایت خوشخط قیمت ۱۰ر

جذبات بھاشا

اسکو کتاب نہ کہیے، شنگرف عشاق ہے جس سے شہر چھپتے ہیں اور تفتہ و زخم خوردہ دلوں کو سرتاسر ہیونگ دیتے ہیں مشہور انشا پرداز مولانا نے اس نے مصور جذبات بھاشا زبان کے ان مشہور و سحر نگار شاعروں کا جنکو دنیا سے رخصت ہوئے چار پانچ سو سال ہوئے خاص خاص کلام انتخاب کرکے اردو کے مینا بازار میں نہیں بڑے انداز خاص پر سجایا ہے پھر ان کی پوری تشریح و توضیح اردو میں کی ہے ترانہ اردو بھاشا شعرا پر بہاچہ میں لکھا تاریخی حالات نہایت مختصر مگر جامع کی ہے ہر ہر شاعر پر دل سے چاہا ہے اردو دنیا میں اس کتاب کی بہت ضرورت تھی اسکے مطالعہ کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعری رقیقت کس چیز کا نام ہے اور سچی شاعری کس کو کہتے ہیں ہر کس و ناکس کو یہ کتاب ہر قیمت ۲ر

نظام المشائخ

نمبر ۲ و ۳ | بابت صفر و ربیع الاول ۱۳۳۶ھ ہجری النبوی | جلد ۱۰

فہرست مضامین

شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	حمد و نعت	جناب مولانا ابوالاعظم سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی	۳
۲	مجالس میلود	جناب مولوی فاضل حکیم مرزا محمد نذیر صاحب عرشی	۶
۳	حب رسول	جناب مولانا محمد ظہور الدین صاحب مراقب ربانی	۱۰
۴	آفتاب حقائق نما	جناب مولانا حکیم سید نواب علی صاحب برق سابق پرنسپل مدرسہ آصفیہ کاکناڈہ	۳۴
۵	رسول شاہد	جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ایم آر اے ایس	۵۵
۶	کامل و مکمل انسان	جناب مولانا عارف حسن صاحب عارف ہسوی	۶۷
۷	فرمان خاک ثو عالم پاک	سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	۸۳
۸	ترحم یا رسول اللہ	جناب مولانا عارف ہسوی	۸۸
۹	نعت	جناب منشی محمد نذیر حسین خانصاحب اکسیر	۹۲
۱۰	اپنے جگر کے ٹکڑے میں آ	جناب حکیم محمد افتخار علی صاحب جگر بسوانی	۹۲
۱۱	مدینۃ الرسول	لسان الہند جناب مولانا مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی	۹۳
۱۲	مدینے میں گر نہ گئی اٹھ	جناب ماسٹر باسط علی صاحب باسط بسوانی	۹۴
	.....	.....	
۱۳	مجلس نعت	جناب سید حسین صاحب سیفی حیدرآبادی	۹۵

لہ سخت افسوس ہے کہ اس مضمون میں صفحہ ۵ پر ایک آیت غلط لکھی گئی جو در اصل یوں ہے۔ الم تر کیف مد الظل و لو شاء لجعلہ ساکنا ثم جعلنا الشمس علیہ دلیلا ۰ کیا رموشی / دیکھا کہ خدا نے سایہ کو کس طرح پھیلایا اور اگر خدا چاہتا تو اسکو ساکن کر دیتا۔ پھر ہم نے آفتاب کو اسپر رہنما بنایا ۰ (ایڈیٹر)

گزارش

نظام المشائخ ہر مہینے ۶۴ صفحے پر نکلتا ہے۔ اس حساب سے ہمیں اس رسول نمبر میں جو صفر و ربیع الاول دو مہینوں کا پرچہ ہے۔ ۱۲۸ صفحے دینے چاہیئے تھے مگر پچھلے دنوں پریس کی جو حالت رہی۔ اُسے ہم محرم کے نظام المشائخ اور اپنے ایک مطبوعہ عریضے میں ظاہر کر چکے ہیں۔ اُس نہ ملنے کی کمیوں کا خمیازہ آجتک بھگتنا پڑا اور اگر ہم رسول نمبر کو پوری ضخامت تک پہنچانا چاہتے تو اس کا بھی وقت پر شائع ہونا مشکل و محال ہو جاتا۔ لہذا ۱۲۸ صفحے کی بجائے ۹۶ صفحے یعنی معمول سے صرف ڈیوڑھا حجم کر دینا کافی سمجھا گیا۔ اور یہ باقی کے ۳۲ صفحے خدا کو منظور ہوا تو ربیع الثانی کے رسالے کے ساتھ ادا کر دیئے جائینگے۔

الحمد للہ اب پریس بخوبی چل رہا ہے۔ خطیب ہفتہ وار چھپنے لگا اور نظام المشائخ کی راہ میں کسی رکاوٹ کا اندیشہ نہیں۔

اس دفعہ کا رسول نمبر صورت کے اعتبار سے گو ہمیشہ کے برابر شاندار نہیں ہے تاہم معنوی خوبیاں اسمیں آپ بہت زیادہ پائیں گے۔ اور اُمید ہے کہ ان کی قدر کریں گے۔

خاکسار

واحدی

مدیر خطیب و نظام المشائخ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسول نمبر

نظام المشائخ

حمد و نعت

مناجات

او میرے مالک! او عرش والے!	جلوے ہیں تیرے سب سے نرالے
ہم غمزدوں کا غمخوار ہے تو	ستار ہے تو غفار ہے تو
تعریف تیری میری زباں پر	اللہ اکبر، اللہ اکبر
ہوں سر سے پا تک تصویر عصیاں	اعمالِ بد سے ہر دم پریشاں
ہر دم ہے لب پر نالہ و آہ	مِنْ کُلِّ ذنبٍ اَستغفرُ اللہ

کب تک پکاروں شام و سحر گاہ یا اللہ! اللہ! اللہ! اللہ!!!
کیوں زندگی ہے برباد میری کیوں بے اثر ہے فریاد میری
گر تو کہے گا "بدکار ہے تو" میں بھی کہوں گا "غفار ہے تو"
سب نے کیا اب ہم سے کنارا لے دیکے ہے اک تیرا سہارا
مقصد جب اپنا تجھ سے نہ پائیں کس کو پکاریں؟ کس در پہ جائیں؟
ہے بیکسوں کو تیرا سہارا بندہ نوازا! پروردگارا!

تیرے سوا اب ہو کون میرا؟
بے چارہ اجمل بندہ ہے تیرا

رباعیات

ناکام کو کامگار کرنے والے! بیڑا مشکل میں پار کرنے والے
آرام سے گہوارۂ تربت میں سلا او ماں سے زیادہ پیار کرنیوالے

ضائع فرمانہ سرخروئی میری مٹی میں ملا نہ گرمجوشی کو مری
آتا ہوں کفن پہنکے اے رب غفور! دھبہ نہ لگے سفید پوشی کو مری

سبحانہ ما اعظم شانہ

گر دو عشیری بتاج گوہر اللہ اکبر، اللہ اکبر
شاہ دو عالم بے تخت و افسر اللہ اکبر، اللہ اکبر
والضحیٰ تا سے زلف پیچاں والشمس ضحائے روئے رخشاں
در جسم خاکی نور مطہر اللہ اکبر، اللہ اکبر

اے مہ لقائے! شیریں ادائے! — بر آبِ تیغت جانم فدائے
کن ذبح بازم گر بار دیگر — اللہ اکبر، اللہ اکبر
اے در کفِ تو ہر دو عالم — اے در لبِ تو اعجازِ عیسیٰؑ
با شوق دارم سر زیر خنجر — اللہ اکبر، اللہ اکبر
آن جانِ عالم بیروں برآمد — صد جانِ عالم بیروں آمد
ہم خلق قائل ہم بندہ پرور — اللہ اکبر، اللہ اکبر
آں مظہرِ حق محبوبِ خالق — چوں رخ نماید چوں صبحِ صادق
گوید بلالؓ از آوازِ خوشتر — اللہ اکبر، اللہ اکبر
پروائے عالم امجد ندارد — کاؤس و کے را کے بر شمارد
ساقی کوثر دہد او ساغر — اللہ اکبر، اللہ اکبر

معراج

یک شب خجستہ کون و مکان — در شوقِ رب دو جہان
بگذشت از فرقِ آسماں — بَلَّغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
از پرتوِ ماہ عرب — در جلوۂ محبوبِ رب
زد غلغلہ بر خورشید و شب — کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
بدرِ امم فخرِ حرم — نکہتِ شمیمِ خیر الامم
کہف الورٰے شاہِ ہدیٰ — حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
امجد! ندادہ در جہاں — کائے صاحبِ دیں نشاں
خواہید گر آرامش اماں
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

امجد حیدرآبادی

۴۸۶

مجالسِ مولود

اور

انکے جواز و عدم جواز کی بحث

یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت شرط ایمان ہے اور محبت بھی ایسی، کہ پدر و مادر، زن و فرزند، مال جاہ وغیرہ تمام چیزوں کی محبت سے بڑھکر ہو۔ پس ایسے وسائل کیونکر نامشروع ہو سکتے ہیں جنسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ترقی ہو۔ یا بالفاظ دیگر جنسے جذبہ ایمان کو تازگی اور دین کو قوت حاصل ہو۔

گو آج امت محمدیہ کا ہر ایک فرد بظاہر یہ دعوے رکھتا ہے کہ اس کا دل حُبِ رسول سے معمور ہے۔ لیکن اگر بہ نگاہ تحقیق دیکھا ہے تو ثابت ہوگا کہ حالات اسکے بالکل برعکس شہادت دے رہے ہیں۔ اگر ان خاص ہے عاشقان رسول اللہ کو مستثنےٰ رکھا ہے۔ جن کے لیئے آپ کی یاد غذائے روح ہے۔ وقلیل ماھم۔ نیز ان نام نہاد مسلمانوں کو بھی نظر انداز کر دیا جائے جو فرائض پنجگانہ تک سے بیخبر ہیں۔ اور صرف عام نمازی و روزہ دار عاملین بالشرع مسلمانوں کو دیکھا جائے تو سو میں سے پانچ بھی ایسے نہ نکلیں گے جو رسول کی سچی محبت تو محبت آپکے ذاتی خاندانی حالات سے بھی پوری واقفیت رکھتے ہوں کیا یہی تقاضا ہے سچی محبت کا؟ محبت تو چاہتی ہے کہ محبوب کا ذکر و روزباں ہو۔ اُس کے حالات و واقعات معلوم کرنے کی لوگ جائے۔ اسکی تازہ بتازہ اور نو بنو خبر حاصل کرنیکی طلب و تجسس جاری رہے۔ قیس عامری کو لیلےٰ کی محبت تھی تو اُسکی یاد میں جو غزل کہتا تھا۔ ایک ایک شعر میں لیلےٰ کا نام تین تین مرتبہ دُہراتا۔ قانون شاعری نے بھی اس تکرار لفظی میں اسے معذور رکھا تھا۔ کیونکہ لیلےٰ کے بار بار نام لینے سے اُسکو ایک خاص حظ

حاصل ہوتا تھا۔ وہ جب دیکھتا کہ نجد کی طرف سے کوئی جانور اُڑا آتا ہے تو بے بس ہو کر اُسی سے پوچھنے لگتا کہ لیلےٰ کا کیا حال ہے۔ کیونکہ اُسے لیلےٰ کا حال معلوم کرتے رہنے کی دُھن لگی ہوئی تھی۔ اور اس دُھن میں اُسے یہ تمیز نہ رہی تھی کہ مخاطب میرا جواب دے سکتا ہے یا نہیں۔ اب علم مسلمانوں کے دلوں کو ٹٹول کر دیکھا جائے کہ کیا یہاں کوئی ایسا کنج مخفی موجود ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قسم کی محبت کا کم از کم دسواں حصہ ہی ودیعت رکھا گیا ہو۔ زبانی پوچھو تو کوئی مسلم اقرار نہیں کرے گا کہ مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوری پوری محبت نہیں۔ کیونکہ اُنکو اپنے سر پر لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ الخ کی تیغ سیاست لٹکتی نظر آرہی ہے۔ لیکن جب پوچھا جائے کہ تجھکو اپنے عزیزوں آشناؤں اور اُنکے رشتہ داروں کے حالات تو خوب معلوم ہیں۔ اگر آنحضرتؐ کی محبت ان سب سے بڑھکر ہے تو آپکے حالات سے بھی پوری واقفیت ہونی چاہیئے۔ بتاؤ۔ آپ کی صاحبزادیاں کون کونسی تھیں۔ اور اُن کے نکاح کہاں کہاں ہوئے تو یقیناً بغلیں جھانکنے لگیگا مجھے اسی قسم کے ایک متقی و نمازی قرآن خواندہ مسلمان کے متعلق تجربہ ہو چکا ہے جسے یاد کرکے مجھے اب بھی تعجب اور افسوس آتا ہے۔ اُسنے مجھ سے سوال کیا تھا کہ بی بی فاطمہؓ رسول اللہؐ کی کیا تھیں؟

اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو کسی ایسے وسیلہ عظمیٰ کی اشد ضرورت ہے جو ان کے دلوں میں محبت رسولؐ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو از سر نو پر تنویر بنا دے اور ایمان کے اس ضروری شعبے کو جو قومی ادبار کے باعث کمزور ہوتا جا رہا ہے تازہ کر دے ایسا وسیلہ عظمیٰ ذکر میلاد کے سوا اور کوئی نہیں۔ اسکے بعد ضرورت ہے کہ اس محبت آمیز و شوق انگیز عمل کا دائرہ اثر صرف ایک کنبے یا گھر ہی میں محدود نہ ہو بلکہ ایسی مجلس عام ہو جس کی برکات سے محلہ یا شہر کے عام افراد متمتع ہو سکیں۔ پھر اسکے بعد لازم ہے کہ اس حصول برکت کا موقع کسی خاص فرد یا جماعت کی وقتی و ہنگامی تحریک پر موقوف نہ رہے بلکہ اسکے

لیے کوئی خاص موقع اور تاریخ معین ہو تاکہ یہ تحریک عالمگیر ہو جائے۔ اور تمام اسلامی دنیا پر اسکا اثر پڑے۔ اور وہ تاریخ یوم ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی۔

بدقسمتی سے ہم میں ایسی **متعصب جماعتیں** موجود ہیں جو استمساک بالسنہ کے دعوے میں بات بات پر شرک و بدعت کا فتوے لگا دینے کی عادی ہیں۔ ایک فعل جو اصولاً اسلامی تعلیم کے منافی نہیں۔ اور ضرورت زمانی اسکی داعی ہے۔ یہ حضرات محض اسلیئے اُسے حرام قرار دینگے کہ بخاری شریف میں اسکی کوئی نظیر مروی نہیں

آجکل جو لوگ اپنی مجتہدانہ منزلت کے زعم میں اسقدر خیرہ سر ہوں کہ ائمہ مجتہدین جیسے پاک نفوس کی عظمت و عزت کو خاطر میں نہ لاتے ہوں۔ وہ مولود جیسی بدعات حسنہ کو جو کچھ بھی سمجھیں ہم کو اسکی رتی بھر پروا نہیں۔ ہاں شکایت ہے تو ان **حضرات حنفیہ** سے ہے جو ان مجالس کے فوائد و عوائد کا اقرار اور انکی ضرورت کا اعتراف کرنے کے باوجود محض اسلیئے اسکے جواز میں تامل کرتے ہیں کہ لوگوں کو تاکید کے ساتھ بلانا، تاریخ معین ہونا، غیر واجب امر کو واجبات کی طرح قابل اہتمام سمجھ لینا۔ اصول دین کے خلاف ہے۔ نیز سلف صالحین سے اس قسم کی مجالس منقول نہیں ہیں۔ بیشک سلف صالحین سے اس قسم کی محفل منقول نہیں۔ لیکن بہت سے امور ایسے ہیں جو بوجہ عدم ضرورت سلف صالحین کے عمل میں نہ آئے تھے مگر آئندہ زمانہ میں ان کا اقتضا دیکھکر علمائے عہد نے جو وارث انبیاء ہیں انکو قابل عمل قرار دیا۔ خود تقلید امام معین اس قبیل سے ہے صحابہ کے عہد میں اسکے مفہوم کو بھی کوئی نہ جانتا تھا جبکہ اسکی ضرورت نہ تھی۔ وجہ یہ کہ ان لوگوں کو عہد نبوی کے قرب کی بدولت وہ صفائے باطن، خلوص نیت، اصابت نظر اور صفائی فکر حاصل تھی کہ وہ تقلید کی قید کے محتاج نہ تھے۔ پھر جب بعد زمان کے باعث یہ اوصاف کم ہو گئے۔ اور تفرقا ہوا سے دین میں فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہو گیا تو

وقتی ضرورت دیکھکر علمائے زمانہ نے تقلید امام معین واجب قرار دیدی۔ حالانکہ اسکا وجوب نہ کسی آیت سے بالصراحت ثابت ہے نہ کسی حدیث صحیح سے۔ حتی کہ شاہ ولی اللہ صاحب جیسے زبردست محدث کو بھی تقلید شخصی کا وجوب ان الفاظ میں تسلیم کرنا پڑا:۔ وَبِالْجُمْلَةِ فَالتَّمَذْهَبُ لِلْمُجْتَهِدِيْنَ سِرٌّ اَلْهَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْعُلَمَاءَ وَ جَمَعَهُمْ عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ يَشْعُرُوْنَ اَوْ لَا يَشْعُرُوْنَ[1] ترجمہ "الغرض مجتہدوں کی تقلید کرنا ایک اسراری امر ہے جو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں ڈالا اور سب کو اس پر متفق کر دیا۔ خواہ وہ اس کی حکمت سے واقف ہوں یا نہ ہوں"۔

مجالس میلاد کی بھی یہی صورت ہے کہ صحابہؓ و تابعینؒ کو اسکی ضرورت نہ تھی صحابہؓ تو خود اس گلزار رسالت کے سدا بہار پھول کے عادل تھے جب انکی آنکھیں ہی آپکے دیدار سے مشرف تھیں وہ ذکر و اوصاف سننے کے محتاج کیونکر ہوتے۔ تابعین بھی قرب عہد کی بدولت آپ کی محبت و الفت میں اسقدر سرشار تھے کہ ان کو نہ تجدید حب کی ضرورت تھی نہ اسکے لیے کسی زائد تدبیر کی حاجت۔ لیکن آجکل بُعد زمان کے باعث دینی جوش سرد پڑ گئے۔ اسلامی سرگرمیاں مدہم ہو گئیں۔ دلوں پر تکاسل و تغافل کا تسلط ہو گیا۔ اور طبائع غیر اقوام کے جاہ و جلال سے متاثر ہو گئیں۔ حوادث و فتن نے حالات کی کایا پلٹ کر دی۔ آج سخت ضرورت ہے کہ حضرت کا اسوۂ حسنہ اسلامی دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ تاکہ بجھی ہوئی طبیعتیں گرما اٹھیں۔ تیرہ سو سال پیشتر آپکے اُسوہ حسنہ نے عرب کے جاہل و وحشی گروہ کو دنیا کی بہترین قوم بنا دیا تھا تو کیا آج اس سے ایک بگڑی ہوئی قوم درست کرنے کا کام لینا غیر مفید اور بدعت سیئہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور اس مدعا کے لیے صرف ترمذیؒ و بیہقیؒ کے لکھے ہوئے صفحات کی حفاظت پر اکتفا کرنا مفید نہیں کہ جمعہ کے جمعہ میں بیٹھکر پڑھ لیا کریں اور بس۔ بلکہ

---

[1] رسالہ انصاف در شاہ ولی اللہ ص ۶۲

وسیع اہتمام اور زبردست تدابیر کی حاجت ہو تاکہ عوام کے دلوں تک اس کا اثر پہنچے اگرچہ قرون اولیٰ سے کوئی اسکی نظیر مروی نہیں۔ اور بخاری شریف کی کوئی روایت اسکی تائید نہیں کرتی۔ صرف موجودہ ہنگامی ضرورت ہی اسکے جواز کے لیے کافی سند ہے +

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس مسئلہ پر نہایت عمدگی سے بحث کی ہے انھوں نے جہاں مروجہ مولود کی بعض مکروہ و منہی عنہ صورتیں بیان کرکے ان سے احتراز کرنے کی قابل قدر ہدایت فرمائی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ مولود کی مجلس جو تمام قیود مباح کے ساتھ ہو اگرچہ اس قسم کی محفل سلف صالحین سے منقول نہیں۔ مگر بوجہ مخالف نہ ہونے قواعد شرعیہ کے ممنوع بھی نہ کہی جائیں گی۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں[۱]:-

جس امر میں کراہت عارضی ہو اختلاف ازمنہ و امکنہ و اختلاف تجربہ و مشاہدہ اہل فتوے سے اسکا حکم مختلف ہو سکتا ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ ایک زمانہ میں ایسے امر کو جائز رکھا جائے اس وقت اس میں وجہ کراہت کی نہیں تھی اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہدیا جائے۔ اس وقت علت کراہت کی پیدا ہوگئی یا ایک مقام پر اجازت دیجائے۔ دوسرے ملک میں منع کردیا جائے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مساجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی افسوس فتنہ کا احتمال نہ تھا۔ اور صحابہ نے بدلی ہوئی حالت دیکھکر ممانعت فرمادی"+

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر جو فیصلہ کن فتوے دیا ہے[۲]۔ وہ حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:-

انصاف یہ ہے کہ بدعت اسکو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کرلیا جائے۔ کما نظیر من التامل فی قولہ علیہ السلام مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ الخ

---

[۱] اصلاح الرسوم صفحہ ۹۰ + [۲] رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۲۔ حاجی امداد اللہ صاحب کی شان و عظمت کے اظہار کے لیے صرف اتنا بتادینا کافی ہے کہ آپ مولانا مولوی محمد قاسم رح مولانا مولوی رشید احمد رح مولانا مولوی اشرف علی سلمہ وغیرہ علمائے عظام کے پیر و مرشد ہیں +

پس ان تخصیصات کو اگر کوئی شخص عبادت مقصودہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ فی نفسہ مباح جانتا ہے۔ مگر انکے اسباب کو عبادت جانتا ہے۔ اور ہیئت مسببہ کو مصلحت سمجھتا ہو تو بدعت نہیں۔ مثلاً قیام کو اتنا عبادت سے تعبیر نہیں کرتا۔ مگر تعظیم ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت جانتا ہے۔ اور کسی مصلحت سے اسکی یہ ہیئت معین کر لی۔ اور مثلاً تعظیم ذکر کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر کسی مصلحت سے خاص ذکر ولادت کا وقت مقرر کر لیا اور مثلاً ذکر مولد کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر بمصلحت سہولت دوام یا کسی اور مصلحت سے ۱۲ ربیع الاول مقرر کر لی"۔

تخصیصات اشغال مراقبات و تعینات رسوم مدارس خانقاہات اسی قبیل سے ہیں۔ اور اگر ان تخصیصات کو قربت مقصودہ جانتا ہے مثل نماز و روزہ کے تو بیشک اس وقت یہ امور بدعت ہیں۔ مثلاً یوں اعتقاد کرتا ہے کہ اگر تاریخ معین پر مولود نہ پڑھا گیا یا قیام نہوا یا بخور و شیرینی کا انتظام نہوا تو ثواب ہی نہ ملا تو بیشک یہ اعتقاد مذموم ہے کیونکہ حدود شرعیہ سے متجاوز ہے۔ جیسے عمل مباح کو حرام اور ضلالت سمجھنا بھی مذموم ہے"۔

اعتقاد ایک امر باطن ہے۔ اسکا حال بدون دریافت کیے ہوئے یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ محض قرائن تخمینیہ سے کسی پر بدگمانی کرنی اچھی نہیں۔ مثلاً بعض لوگ تارکین قیام پر ملامت کرتے ہیں تو ہر چند کہ یہ ملامت بیجا ہے۔ کیونکہ قیام شرعاً واجب نہیں پھر ملامت کیوں۔ بلکہ اس ملامت سے شبہ اصرار کا پیدا ہوتا ہے۔ جس کی نسبت فقہاء نے فرمایا ہے کہ اصرار سے مستحب بھی معصیت ہو جاتا ہے۔ مگر ہر ملامت سے یہ قیاس کر لینا کہ یہ شخص معتقد وجوب قیام کا ہے درست نہیں"۔

بعض اہل علم صرف جاہلوں کی بعض زیادتیاں دیکھکر جیسے موضوع روایات پڑھنا۔ گانا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ مجالس جہلا میں واقع ہوتا ہے۔ عموماً سب موالید پر ایک حکم لگا دیتے ہیں یہ بھی انصاف کے خلاف ہے۔ مثلاً بعض واعظین موضوع روایات بیان کرتے ہیں۔ یا ان کے

وعظ میں بوجہ اختلاط مردوں عورتوں کے کوئی فتنہ ہوجاتا ہے تو کیا تمام مجالس وعظ ممنوع ہوجائینگی ع "ہر کیکے تو گلیے را سوز"۔

اور مشرب فقیر کا یہ ہے۔ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھکر ہر سال منعقد کرتا ہوں۔ اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں"۔ انتہی۔

علامہ **حافظ سیوطی** رح نے اپنے رسالہ "حسن المقصد فی عمل المولد" میں لکھا ہے کہ بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ ماہ ربیع الاول میں مولد نبوی کی مجالس منعقد کرنے کا کیا حکم ہے۔ ایسی مجالس جائز ہیں یا ناجائز ہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اصل عمل جس میں لوگوں کا اجتماع اور قرأۃ قرآن اور آنحضرتؐ کی پیدایش کے متعلق روایات کا بیان اور پر طعام کا کھانا کھلانا داخل ہے۔ ایک بدعت حسنہ ہے۔ جسپر کرنے والے کو ثواب کی امید ہے کیونکہ اسمیں آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تعظیم اور آپ کی ولادت پر اظہار مسرت پایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس قسم کی مجالس کی بنیاد شاہ اربل ملک المظفر ابو سعید کوکبری ابن زین الدین علی بن بکتگین نے رکھی ہے۔ یہ ایک نامور۔ عالی حوصلہ اور نیک دل بادشاہ تھا۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ ربیع الاول کے مہینے میں مجلس مولد منعقد کیا کرتا تھا۔ اور اس موقع پر ایک اجتماع عظیم ہوتا تھا۔ شیخ ابو الخطاب بن دحیہ نے اُسکے نام پر کتاب۔ "التنویر فی مولد البشیر النذیر" تصنیف کی۔ جسکے صلہ میں اُس نے مصنف کو لاکھ دینار دیا۔ سبط ابن جزی نے لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ مظفر کی ضیافت مولد میں شامل ہوا تو دیکھا کہ مہمانوں کے سامنے خوان پر پانچہزار سر گوسفند۔ دس ہزار مرغ بریاں۔ ایک لاکھ زبدیہ اور تیس ہزار طشت حلوائے موجود تھا۔ اس مجمع میں ملک کے بڑے بڑے علماء و فضلاء و صوفیاء بلائے جاتے اور اُنکو خلعت فاخرہ اور نقد انعامات سے مالا مال کردیا جاتا تھا"۔

لہ منقول از حجۃ اللہ علی العالمین مولفہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی صفحہ ۲۳۶۔

علامہ صوف نے آگے چلکر ان لوگوں کی خوب تردید کی ہے جو مولود کو بدعت مذمومہ کہتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"شیخ الاسلام حافظ العصر ابوالفضل ابن حجر سے مولود کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔ مولود کا اصل عمل تو بیشک بدعت ہے۔ کیونکہ سلف صالح سے منقول نہیں تاہم مرجع مولود میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں اور خرابیاں بھی۔ تو جو مجلس ان خرابیوں سے پاک ہو وہ بدعتِ حسنہ ہوگی"۔

شیخ الاسلام نے یہ بھی لکھا ہے کہ "مجھکو مجلس مولود کے جواز کا ثبوت صحیح حدیث سے ملتا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپنے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو اُن لوگوں نے جواب دیا۔ آج اللہ تعالی نے فرعون کو غرق کیا تھا اور موسی علیہ السلام کو نجات بخشی تھی۔ پس ہم اللہ تعالی کے شکر کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سُن کر آپنے فرمایا ہمکو موسیٰ کے ساتھ تم سے بڑھکر تعلق ہے (یعنی ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں کہ یہ روزہ رکھیں) اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب کسی خاص دن میں اللہ تعالی نے کوئی نعمت عطا فرماکر یا کسی زحمت سے نجات بخش کر اپنے بندوں پر احسان کیا ہو۔ اسکے شکر کے ساتھ کرنا بہتر ہے۔ اور ہر سال جب وہ دن آئے تو اس احسان کی یادگار میں شکر کرنا چاہیئے۔ شکر کئی قسم کی عبادتوں سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً سجود سے۔ روزہ سے۔ صدقہ سے۔ تلاوت کلام اللہ شریف سے۔ اور غور کرنا چاہیئے کہ اہل عالم کے لیئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بڑھکر کوئی نعمت ہے؟ پس بہتر ہے کہ ہر سال جب وہ دن آئے تو آنحضرتؐ کی پیدائش کے دن کی یادگار میں اللہ تعالی کا شکر بجالانا چاہیئے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی نجات کی یادگار میں عین روزِ عاشورہ کا دن روزہ رکھا جاتا ہے"۔

"رہا یہ سوال کہ یوم ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا کرنا چاہیئے۔ سو بہتر

تو یہ ہے کہ صرف وہی اعمال و افعال بجا لائے جن سے اللہ تعالیٰ کا شکر مفہوم ہو مثلاً تلاوت، اطعام، نعت گوئی وغیرہ باقی جو کچھ سماع اور دل لگی وغیرہ کے سامان اسکے ساتھ شامل کیے جاتے ہیں تو اُن میں سے جو افعال اس خاص روز مسرت میں خوشی بجا لانے کے لحاظ سے مباح ہو سکیں۔ ان کے الحاق میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو افعال حرام یا مکروہ یا خلاف اولیٰ ہیں اُن سے پرہیز کیا جائے"۔

علامہ سیوطی اسکے بعد لکھتے ہیں۔ "مجھے بھی ایک اور اصل سے اس مسئلہ کی تخریج سمجھی ہے چنانچہ بیہقی نے انس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ نبوت کے بعد کیا۔ حالانکہ احادیث میں وارد ہے کہ آپکے دادا عبدالمطلب آپکی پیدائش سے ساتویں روز آپکا عقیقہ کر چکے تھے۔ اور عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا پس آپ کا یہ فعل اس معنی پر حمل کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو رحمۃ للعالمین اور امت کے لیے صاحب شریعت بنا کر بھیجا تو یہ عقیقہ اپنی پیدائش کے لیے اللہ کا شکر کرنے کی غرض سے کیا تھا جیسے کہ آپ اپنے آپ پر درود بھی بھیجا کرتے تھے۔ پس ہمارے لیے بھی مستحب ہے کہ آپ کی پیدائش پر اللہ کا شکر کرنے کی غرض سے مجمع کریں۔ کھانا کھلائیں اور دیگر کار ثواب کریں۔ اور جس طرح اظہار شکر ہو سکے کریں"۔

امام القرأت **حافظ شمس الدین بن الجزری** نے اپنی کتاب "عرف التعریف بالمولد الشریف" میں لکھا ہے کہ ابولہب کی موت کے بعد اسکو کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہے۔ اس نے کہا دوزخ میں ہوں مگر ہر پیر کی رات عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور ان دو انگلیوں کے درمیان سے مجھے ٹھنڈا پانی چوسنے کو ملجاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ پیر کے دن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے تو میری کنیز ثویبہ نے آکر مجھکو یہ بشارت دی تھی جسکے شکریہ میں نے ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ پس ابولہب جیسا کافر جس کی مذمت پر قرآن ناطق ہے۔ آنحضرت کی پیدائش کی رات خوشی منانیکا ثواب

جہنم کے اندر پڑا پارہا ہے تو غور کرو کہ ایک مسلم وموحد امت حضرتؐ کا امتی جو آپکے مولد مبارک کا اعلان کرے اور اسپر مقدور بھر خرچ کرے۔ کسقدر ثواب پا سکتا ہو؟ بخدا! اللہ اسکو جنت میں داخل کرے گا"۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے اپنی کتاب "مورد الصادی فی مولد الہادی" میں لکھا ہو کہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ ابولہب کے لیے پیر کے روز عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی پیدائش کی خوشی میں اپنی کنیز ثویبہ کو آزاد کردیا تھا۔

إِذَا كَانَ هٰذَا كَافِرٌ جَاءَ ذَمُّهُ ۔۔۔ وَتَبَّتْ يَدَاهُ فِي الْجَحِيمِ مُخَلَّدًا

جب یہ کافر کہ جسکی مذمت قرآن میں نازل ہوچکی ہو اور دوزخ میں ہمیشہ کیلئے اسکے ہاتھ ملعون ہیں

أَتَى أَنَّهُ فِي يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ دَائِمًا ۔۔۔ يُخَفَّفُ عَنْهُ لِلسُّرُورِ بِأَحْمَدَا

اسکے لیے مروی ہو کہ ہمیشہ پیر کے دن اس سے عذاب کم کردیا جاتا ہو کیونکہ اسنے حضرتؐ کی خوشی

فَمَا الظَّنُّ بِالْعَبْدِ الَّذِي كَانَ عُمْرُهُ ۔۔۔ بِأَحْمَدَ مَسْرُورًا وَمَاتَ مُوَحِّدًا

تو اس بندے کے متعلق کیا خیال ہو جو عمر بھر حضرتؐ کی خوشی مناتا رہا اور توحید پر مرا ہو۔

حافظ ابن رجب اپنی کتاب "لطائف المعارف" میں لکھتے ہیں "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپنے فرمایا یہ میری پیدائش کا دن ہے۔ اور اسی روز مجھپر نبوت نازل ہوئی ہو۔ یہ حدیث ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں مروی ہو۔ اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہو کہ جن جن ایام میں اللہ تعالیٰ نے کوئی بڑی نعمت بخشی ہو ان کی یادگار میں ان ایام کے اندر روزہ رکھنا مستحب ہو۔ اور اس امت کے لیے تمام نعمتوں سے بڑی نعمت حضور سرور کائناتؐ کی پیدائش ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر یہ (بڑا) احسان کیا ہے کہ

ان میں خود انہی کی جماعت میں سے رسول بھیجا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ امت کے لیئے بعثت رسولؐ کی نعمت آسمان، زمین، چاند، سورج، ہوا، بارش، رات، دن وغیرہ تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہ تمام نعمتیں تمام بنی آدم کے لیئے عام ہیں خواہ وہ اللہ کا کفر اور اسکے مرسلین سے انکار ہی کردیں۔ لیکن آنحضرتؐ کی پیدایش سے دنیا و آخرت کے مصالح کا انجام ہوا ہے۔ اور اللہ کے دین پاک کی تکمیل ہوئی ہے جس کی بدولت بندے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرسکتے ہیں۔ پس جس روز ایسی نعمت حاصل ہوئی اسکی یادگار میں روزہ رکھنا اچھا ہے۔ اسکی نظیر عاشورہ کا روزہ ہے جس روز اللہ نے نوحؑ کو طوفان سے اور موسیٰؑ کو فرعون سے بچایا تھا" الخ +

علامہ سید احمد حلان سیرت نبویہ میں لکھتے ہیں کہ "لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ جب آنحضرتؐ کی پیدایش کا ذکر سنتے ہیں تو آپ کی تعظیم کے لیئے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور یہ قیام مستحب ہے۔ کیونکہ اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور بہت سے علماء نے اسپر عمل کیا ہے +

جلبی نے سیرت میں لکھا ہے کہ **امام سبکیؒ** کے پاس ایک مرتبہ علمائے عصر کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ اتنے میں کسی نے یہ دو شعر آنحضرتؐ کی مدح میں باآواز بلند پڑھے

فَلْيَمْدَحِ الْمُصْطَفٰى الْخَطُّ بِالذَّهَبِ	عَلٰى وَرَقٍ مِّنْ خَطِّ اَحْسَنِ مَنْ كَتَبَ
حضرتؐ کی مدح اگر آب زر سے لکھی جائے	لکھنے والا بھی بہترین کاتب ہو
وَاِنْ تَنَهَّضَ الْاَشْرَافُ عِنْدَ سَمَاعِهٖ	قِيَامًا صُفُوْفًا اَوْ جُثِيًّا عَلَى الرُّكَبِ
اور اسکو سن کر نامی گرامی لوگ تعظیماً صف بصف	یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہوجائیں تو یہ تعجب ہے

امام سبکی یہ سنتے ہی کھڑے ہوگئے۔ اور آپکے ساتھ تمام حاضرین بھی کھڑے ہوگئے +

حکیم عرشی

۷۸۶

حُبِّ رسولؐ

اسرارِ ازل خزینۂ او — محرابِ ابد مدینۂ او
بر بامِ ابد صدائے کوسش — پیشانیٔ عرش خاک بوسش
بنیانِ عرب ز خانۂ او — تختِ عجم آستانۂ او
ہر گیسوئے او بباد شبگیر — آویختۂ عرش را بزنجیر
از یوسفیش بہشت خرگاہ — صد تیغ و ترنج بر کفِ ماہ

روئے زمین پر جسقدر مسلمان ہیں۔ عالم فاضل۔ جاہل اَن پڑھ۔ بوڑھے۔ جوان۔ مرد عورت۔ وہ مذہب و مشرب کے لحاظ سے خواہ کچھ ہی عقائد رکھتے ہوں۔ مگر خدا اور رسولؐ کی محبت کم و بیش سب کے دل میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اُس محبت کا اظہار اور دعوے ہر ایک مشرب اور طبیعت میں جداگانہ ہے۔ تاہم یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں طبقہ کے مسلمانوں میں خدا و رسول کی محبت نہیں ہے۔ ہاں باہمی اختلاف سے اگر کسی پر یہ جرم عائد بھی کیا گیا ہے یا کیا جائے تو وہ محض یک طرفہ یا تو بہتان ہی یا الزام! کم سے کم اتنا کہدینا کافی ہے کہ جس زبان پر ایک بار کلمہ شریف آگیا۔ اُس کے دل میں کچھ نہ کچھ اُسکی پاس داری ضرور ہوگی +

جن لوگوں پر یہ الزام ہے کہ خدا و رسول کی محبت انکو نہیں ہے یا انہوں نے گستاخیاں کی ہیں۔ یا یہ محبان خدا و رسول کو بُرا کہتے ہیں تو یہ بات ایک بحث طلب ہے۔ اگر اُسکو بالتفصیل بیان کیا جاوے تو رسول نمبر ایک مولویانہ بحث کا رسالہ بن جائے گا ہمارا مطلب اس موقع پر صرف حُبِّ رسول کا وہ معیار مقرر اعتدال بنا دینا ہے کہ جسکے ادھر اُدھر ہو جانے سے مذکورۂ بالا الزامات خود بخود

عاید ہوجاتے ہیں۔ اور ہر ایک سمجھدار اور منصف مزاج آدمی اُس معیار کو پیش نظر رکھکر اپنے دعوائے محبت کو خود جانچ سکتا ہے کہ میں اپنے دعوے میں کہاں تک ٹھیک ہوں

عقل و نقل کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر ایک کام اُسی وقت تک اچھا اور قابل تحسین ہو سکتا ہے۔ جبتک کہ درجۂ اعتدال پر (جو بالخصوص اُسکے لیئے مقرر ہے) عمل میں لایا جائے۔ مثلاً نماز مغرب کی تین رکعت فرض مقرر ہیں۔ اور اگر کوئی شخص چار رکعتیں پڑھنی اختیار کرے۔ اور یہ خیال کرے کہ میں اصل سے بھی زیادہ کام کر رہا ہوں مجھکو بہت زیادہ اجر ملیگا تو یقین کامل ہے کہ یہ ایک رکعت کی ایزادی پانچوں نمازوں کو لے بیٹھے گی۔ یا اگر کوئی شخص بحالت ضعف یا کم فرصتی بلا عذر چار فرضوں کو دو دو یا تین تین دو دو کر کے پڑھے تو اُسکو بجائے ثواب کے سخت عذاب کا امیدوار ہونا پڑے گا یا نہیں۔ ایسے ہی ہر ایک رکن اور عمل کو قیاس کرنا چاہیئے۔ ظاہر میں یہ شخص بے نمازی بھی ہے۔ مگر معیار اور اعتدال سے منحرف ہے جس نے اُسکو بجائے ثواب کے اگر عذاب کا مستحق سمجھا جائے تو تعجب نہیں ہے۔

اسی مثال پر حُب رسول کو قیاس کرنا چاہیئے۔ اگرچہ ہر شخص کو بیا بندی اپنے مشرب کے حُب رسول کا دعوے ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حُب رسول کا جو معیار خدا اور رسول نے مقرر کر دیا ہے وہ شخص اُسی معیار پر دعوے دار ہو کر قائم ہے یا کہ افراط تفریط میں پڑکر حد سے نکل گیا ہے۔

جاہل اور بے پڑھے لوگ تو اس معیار پر کسے نہیں جا سکتے کیونکہ اُنکی زندگی تو دنیا دین کی شاہراہوں پر آندھی کیطرح ہے۔ دوسرے کی لاٹھی تھام کر چل رہے ہیں دیکھنا تو اُن کو ہے جنکے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ اور جو اس آزاد عہد میں ایک ایک لاٹھی کے تلے بہتیروں کے گلے کے گلے ہانکے پھر رہے ہیں۔

اس وقت تمہید کے ضمن میں یہ بات جتلا دینی نہایت ضروری ہے کہ حُب رسول

بھی منجملہ اُن فرائض ضروریہ کے ہے جن کے بدون کسی مسلمان کو چارہ نہیں ہے۔ مگر کس حد تک؟ حد اعتدال کے اندر! افراط اور تفریط سے کامل احتیاط اور حفظ مراتب کا پورا پورا خیال ہو۔ عرفی کی طرح فانخاں کی محبت نہیں اور نہ فیضی کی سعی بتق اکبر یہ ایسا نازک معاملہ ہے کہ بال برابر بھی اوپر نیچے ہو جانے سے ایمان کا سلامت رہنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ عرفی جیسا دیدہ دہن اور یتبعون الغاوون کا مصداق شاعر جسنے اپنے ممدوح کو خدا سے بھی دو دو ہاتھ اونچا کرکے بٹھا دیا ہے جب اس پلصراط پر قدم رکھتا ہے تو چیخ اُٹھتا ہے ؎

عرفی مشتاب ایں رہ نعت ست نہ صحرا ست ۔۔۔ آہستہ کہ راہ بردم تیغ ست قدم را

واللہ در من قال ع با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار۔

حُبِ رسول کے دعوے دار کو ضرورت ہے کہ حد اعتدال کو نگاہ رکھے قولاً اور معیاراً پورا اترے فعلاً۔ ورنہ خسر الدنیا والآخرۃ۔ اور محتاط کو لازم اور واجب ہے کہ بیمار کا سا پرہیز بھی نہ جائے۔ جیسا کہ فی زمانہ ایک فرقہ کا مسلک ہے کہ کہیں بندش اشعار میں اگر یا رسول اللہ شاعر نے محمدیا تو ناک چڑھا کر مشرک اور بدعتی کہدیتے ہیں اور روزمرہ کے محاورات اور شاعرانہ خیالات کو فتوے کی رگڑ سے ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ روزانہ بول چال میں یہ لوگ ہزارہا کلمات ایسے کہہ جاتے ہیں جنمیں شرک کا پورا پورا شائبہ موجود ہوتا ہے۔ جوشاندہ پیکر بھیں گے۔ اوہو! کل بڑی تکلیف تھی آج جوشاندہ نے بڑا فائدہ دیا۔ مقدمہ جیت گئے تو بڑائیں گے کہ وہ ہمارا وکیل بڑا ہوشیار ہے۔ غضب کا بولنے والا ہے۔ ہم تو بالکل مایوس ہو گئے تھے لیکن اُس نے جج کے حضور میں وہ وہ دلائل بکھیرے کہ مقدمہ جیت کے چھوڑا یہ وکیل نہ ہوتا تو مقدمہ جیت جانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اگر کوئی حرف گیری کرے کہ میاں! شافی مطلق اور ناصر و معین تو خدا ہے تم کیا کلمے کہہ رہے ہو؟ فوراً جواب

دینگے کہ ہم دل سے تھوڑا ہی کہہ رہے ہیں! اُس غریب شاعر کے شاعرانہ جذبات
بھی رسولؐ تو شرک ہوگئے! اور تمہارے کلمات صریح شرک نہیں! ان کا پرہیز ہیضہ
کا پرہیز ہے۔ خالص تیل سے جو سیال ہو پرہیز ہے۔ اور تیل کی بنی ہوئی چیزیں
کڑوی کسیلی سب ہضم خواہ سڑہ ہی پڑ جائے۔

حبِ رسولؐ

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم
وعشیرتکم واموال ۱ قترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا
ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی
سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم
الفٰسقین

اسلام بہیئت مجموعی ایک ہی قانون شریعت کے تابع ہے۔ مگر فروعی طور پر اُسکے ضمن
میں بہتر در بہتر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اور یہ اختلافات صحابہ کرامؓ سے لیکر
زمانۂ حال تک روز بروز ترقی پذیر ہیں۔ اسقدر عرصہ میں ایک بھی مختلف فیہ مسئلہ
قوی سے قوی دلیل کے مقابلہ میں طے نہ ہو سکا۔ اگرچہ یہ اختلاف اسلام کی عظمت و
شان کا مظہر ہے۔ مگر بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کا اس بساط اختلاف پر معرکۃ الآرا
ہونا ہر یک حریف کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ فوجی رسّا کھینچائی سے کم نہیں
اگر حریف کو کھینچ بھی لیا تو خود گردن کے بل گر پڑے۔ اور اگر حریف کھینچکر لے گیا
تو خود منہ کے بل گرے اور حریف کو گھٹنوں کے بل! قرون اولیٰ میں تو یہ بات فلسفہ
کے سبب سے پیش آئی تھی۔ کبھی تو فلسفی کھینچے جا رہے ہیں کبھی متکلمین! جن کی رزمانہ
کش مکش سے طرح طرح کے مذہب نکل پڑے۔ افراط تفریط نے اصل پگ ڈنڈی سے

الگ چلنے والوں کو بھٹکا دیا۔ اور وہ مذہبی بھول بھلیاں میں پڑکر کچھ کا کچھ کہہ گئے۔ جو لوگ حد کے اندر رہکر سیدھی راہ پر چلے تھے۔ اُن کے درمیان اب آکر جو تا چل گیا۔ فلسفہ نے تو جب سے کوٹ پتلون پہن لیا ہے۔ اور کیک بسکٹ کا مزہ چکھ لیا اپنے مشاغل میں ایسا مشغول ہو کہ مسائل اسلام کے ساتھ اسکو یوں ہی گاہے ماہے معمولی پونہچا کلائی کرنیکے سوا بھلے کی سی نبرد آزمائی کا خیال بھی نہیں گزرتا۔ اسلامی پٹھے جو ہمیشہ حریف کو پچھاڑنے کیلئے کثرت اور ورزش کرتے اور نئے نئے داؤ پیچ ایجاد کرتے تھے۔ اُنھوں نے جب دیکھا کہ قدیمی اور پرانا حریف دنڈ۔ مگدر۔ کشتی کو چھوڑ کر ڈنبل اور مُکا مارنے کی ورزش کرنے لگ گیا اور بھاری بھاری گاڈر اُٹھانے اور موٹی موٹی زنجیریں توڑنے کی پریکٹس کر رہا ہے۔ اور ہماری اس مشق اور کثرت کو کسر شان سمجھتا ہے مجبور ہو کر آپس میں بازیاں لگانے لگے۔ سب سے اول جو اکھاڑا الگ ہوا اسکو لوگوں نے وہابی کا خطاب دیا۔ اور اُنھوں نے اپنے آپ کو صوحل ظاہر کیا۔ اور اب تک وہ دونوں نام برابر لیے جا رہے ہیں۔ مگر دونوں غلط! وہابی تو اس لیئے غلط ہے کہ وہ لوگ عبدالوہاب نجدی کے پوری طرح پیروکار نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ اسکا پیروکار ایک بھی ہندوستان میں نہیں ہے۔ سب سے اول مسئلہ تو عبدالوہاب کا حرمت تمباکو کا ہے۔ کل محرمات شرعی سے وہ لوگ تمباکو کو زیادہ حرام جانتے ہیں۔ پھر جو لوگ حقہ تمباکو استعمال کرتے ہوں اُنکو وہابی کہنا سراسر غلطی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے جن لوگوں کو وہابی کہتے ہیں وہ حقہ خوب پیتے ہیں اور تمباکو کی تجارت کرتے ہیں۔ بھلا پھر وہابی کیسے؟ اگر عقائد کا ذکر کیا جاوے تو جناب من فعل کو قول پر ہر طرح ترجیح ہے۔ یہ ایک مذاقیہ بات ہے۔ مگر ہاں درحقیقت جیسا کہ قادیانی۔ چکڑالوی وغیرہ فرقے باقاعدہ ہندوستان میں موجود ہیں۔ اسطرح باقاعدہ وہابی کہیں نہیں ہیں۔ ہندوستان میں لفظ وہابی علماء میں بطور گالی کے استعمال ہوتا ہے۔ سو گالی غصہ میں جسکو چاہو دیدو۔

اور ان کا اپنے آپ کو موحد کہنا بالکل ناانصافی اور ہٹ دھرمی ہے کیونکہ موحد کے مقابلہ میں مشرک ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اور اُن کے مدمقابل جو لوگ ہیں وہ سب کے سب موحد اور پکے موحد اور اسرار توحید کے حامل اور بحر توحید کے شناور ہیں یہ مصنوعی وہابی جو اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں غلط کہتے ہیں ساری صراح۔ قاموس ڈھونڈھ ماریں تو بھی توحید کے معنی نہیں بتا سکتے۔ بہت کرینگے تو لفظی معنی دو کا ایک کہدینگے۔ اور بس!

ان کا مبلغ علم محض لفظی ترجمہ ہے۔ لفظی ترجمہ سے آگے ترقی کرنے والا اُن کے عقائد میں بدعتی یا بعض وقت مشرک سمجھا جاتا ہے۔ یا بہت رعایت کی تو مقلد یا شیعوں سے مستعار مانگ کر سُنّی محمدیا۔ یہ بھی اُس شخص کے ساتھ رعایت ہے جسکا نام سادہ ہو اور اگر اُسکے نام سے آگے لفظ صوفی چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی۔ حنفی۔ مالکی وغیرہ لگا ہوا دیکھ پائیں تو وہ ہی لقب بدعتی وغیرہ اسکے لیے تیار ہے۔ اس گناہ عظیم کا مرتکب کبھی بھی اس خطاب سے چھوٹ نہیں سکتا۔ یہ لوگ نہ وہابی ہیں نہ اکیلے موحد بلکہ غیر صوفی غیر چشتی غیر حنفی غیر مقلد ہیں۔ ان کے یہاں طرز عمل میں محبت سے اچھلتے ہیں پختہ ہو کر عشق ہو جاتی ہے سخت احتیاط کیجاتی ہے۔ کیونکہ خدا اور رسول کے ساتھ محبت کا دعوے کرنا گستاخی ہے۔ اور اس سے صوفی چشتی۔ نقشبندی ہونیکا دعوے ہے اور چونکہ انکو عامل بالحدیث ہونے کا دعوے بھی ہے۔ اور صحاح ستہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ صوفی حنفی چشتی وغیرہ وغیرہ کہیں پائے نہیں جاتے لہذا وہ کام ہی کیوں کریں جس سے انسان حنفی چشتی۔ نقشبندی صوفی ہو جائے اگر غور کیا جائے تو یہ ان کا خیال ایک حد تک ٹھیک بھی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید اور حدیث شریف اپنے صاف ترجمے کے اعتبار سے مذہبی۔ تمدنی۔ سیاسی قوانین کا اچھا خاصا مجموعہ ہے۔ ان پر عمل پیرا ہونیکے علاوہ خواہ مخواہ عاشق زار بننے پھرنا کونسا

عقل کا کام ہے۔ تعزیرات ہند کہیں نہیں کہتی کہ میرے مصنف پر یا بادشاہ پر عاشق ہو جاؤ۔ نہ مجموعہ دیوانی کہیں کہتا ہے کہ دیوانے بن جاؤ۔ وہ تو یہ کہتی ہیں کہ فیڈ سے ڈرو۔ عبور دریائے شور کا کام مت کرو۔ ریجیٹیشن مت مچاؤ۔ ایسا اتفاق مت کرو جس سے کوئی دفعہ یا اُس کا کوئی جزو تم پر صادق آجائے وغیرہ وغیرہ عشق و محبت کا اُس میں کہیں بھی ذکر نہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو مجرم قرار دیکر پاگل خانہ بھیجدیا جائے گا۔ اور چونکہ عشق و محبت میں آزادانہ خیال اور متمردانہ اقوال پائے جاتے ہیں۔ لہذا ایسے شخص کا وہی حال ہوگا جیسے اسوقت آزاد منشوں کا ہو رہا ہے۔

شروع شروع میں اس اکھاڑے نے آپے سے باہر ہو ہو کر خوب قلا بازیاں کھائیں۔ اور حنفیوں چشتیوں۔ نقشبندیوں کو خوب خوب چیلنج اور الٹی میٹم دیئے مگر چونکہ عاشقان خدا اور رسول کے ساتھ نبرد آزما ہونا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ ولاھم یموتون۔ ایسوں سے بھلا کون لڑ سکے۔ بجز رسوا بانکے رہ گئے۔ مگر ایک سُنہ زور پٹھا جو ہزار بار تارے دیکھکر بھی آنکھ نیچی نہ کرے۔ اُس نے جب دیکھا کہ عاشقان پیمبر میں اسقدر بل ہے کہ اکیلا ہزار ہزار سے لڑ جاتا ہے ہونہہ ہمیں کچھ نہ کچھ بھید ہے۔ تو آؤ۔ عاشق پیمبر کیوں نہیں کیونکہ ما کان علیہ اجداد نا ما آیاؤ نا خود پیمبر بن جاؤ۔ اور جیسا کہ پیمبر اپنے عاشقوں کے ہوتے لڑنے سے آرام میں رہتا ہے۔ ہم بھی اپنے چیلے چانٹے سامنے کر دیا کرینگے۔ روز روز ان دیوانگان رسول سے کون لات مکے کھائے۔ پھر یہ سوچا کہ پیمبر تو خود انا بشر مثلکم ہے کچھ مزا نہ آئے گا۔ لطف جب ہے کہ کچھ خدائی کا بھی حصہ شامل ہو۔ کتب تواریخ دیکھتے دیکھتے دو مرسل ایسے ملے جن کو کچھ کچھ خدائی میں بھی شرکت حاصل ہے۔ ایک پیمبر دوسرا اوتار۔ (ایک آدھا خدا دوسرا ½ خدا) اب کیا تھا فوراً ½ پیمبری اور ½ خدائی کا دعوے دھر تارا۔ اور غیر صوفی۔ غیر چشتی غیر نقشبندی غیر حنفی غیر متعلد سب خطاب

چھوڑ کر نئے نئے خطاب اختیار کر لیے کیونکہ اُن جدا جدا خطابات کے اختیار کرنے میں اصل مطلب فوت ہوتا تھا۔

اب آیت مندرجۂ عنوان کے عملدرآمد کی کچھ ضرورت نہ رہی کیونکہ فتربصوا کی تہدید سے وہ ڈرے جو اس کا مصداق ہو۔ یہاں تو بعد الغویتنی کا بھی اقرار نہیں ہے سب ٹھاٹھ گھر کا ہی ہو گیا۔ چلو چھٹی ہوئی۔

دفع الوقتی یا زمانہ کا رنگ دیکھکر یا تالیف قلوب کی غرض سے یا نتیجہ کا شکار کھیلنے کے لیے اگر حُب رسول کا دعوے کسی نظم و نثر میں دکھایا بھی گیا ہو تو وہ قابل پیروی نہیں کیونکہ حُب رسول کا معیار جو آیۃ مندرجۂ عنوان میں قائم کیا گیا ہے۔ اُس کا مقابلہ حالات معلومہ سے کرنا کافی ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی انارکسٹ، بدمعاش۔ قلمِ برداشتہ میں بم گراتا پھرے۔ اور اخباروں میں خیر خواہی سرکار کے مضامین شائع کرے۔ اور حضور ملک معظم کی شان میں قصیدے اور سہرے لکھکر طبع کرائے تو وہ ہمیں بدل مدلکر فدائیان سرکار کو مذاجل کرتا ہے۔ انصاف کرو سرکار اسکو کیا صلہ دے گی۔

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ الآیۃ

آیہ مندرجۂ عنوان حب رسول کے مقابلہ میں تمام دنیوی ٹھاٹھ کو ہیچ ثابت کرتی ہے اور یہاں حُب رسول کی آڑ میں شکار پھانسا جاتا ہے۔ بلکہ یوں سمجھو کہ رسالت محمدؐ کے قصر میں جہاں پر اور لوگ داخل ہو کر فیض اسلام اور نعمت ایمان حاصل کرتے تھے اُس کی شرقی دیوار میں روزن کر کے اُسپر انگریزی ساخت کے گاڈر رکھ رکھکر الگ بلڈنگ بنایا ہے اور یونانی فرنیچر سے آراستہ کر کے اسمیں اجلاس جما یا گیا۔ اور جب اسمیں امریکن پیانو اور بنڈ باجن کی بانسری اور جمنوں کی تن لکڑی کی تیار شدہ سارنگی اور امروہہ مراد آباد کے بنے ہوئے رسی طبلے باہم سُر اور گت ملاتے ہیں تو پنجابی ڈوم

اور دوارکا کی سکھیاں گلا ملا ملا کر پیز بکالتی ہیں۔ اُسوقت قصر محمدیہ کے متکلف پریشان ہوتے ہیں۔ اور بے پڑھے جاہل لوگ دہما چوکڑی سنکر متوالے ہو ہو کر مغرب کیجانب سے مشرق کی طرف رخ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قصر محمدی ویران ہو کر ہمارا ابلق لنگ لقمۃ التموت بن جائے۔ اور ہمارے جاہل فدائی دنیا میں خونریزیاں کریں نہ راجہ ہے نہ پرجا۔ ہم ہی ہم ہوں۔ یریدون ان یطفئوا نور اللہ فاواھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکٰفرین ۔

حُبِّ رسولؐ

اب حُبِّ رسول کے دعویدار دو قسم کے لوگ باقی رہے۔ ایک صوفی مشرب اور دوسرے علماء۔ صوفی مشرب سے مراد وہ علماء ہیں جنمیں تصوف کا رنگ غالب ہے اور علماء مطلق سے وہ بزرگ مراد ہیں جن میں شریعت کا پہلو غالب ہے۔ یہ دونوں اصحاب ایک ہی سرکار کے ملازم ہیں۔ اور ایک ہی قانون کے پابند ہیں فرق صرف وردی کا ہے۔ طبقہ صوفیاء تو فوجی وردی سے آراستہ ہیں۔ اور فرقہ علماء پولیس کی وردی زیب تن کیے ہوئے ہیں۔ اپنے اپنے منصب کے اعتبار سے دونوں سرکار عالیہ کے سرفروش بندے ہیں۔ جیسے انتظام سلطنت کے لیے یہ دونوں محکمے دایاں بایاں بازو ہیں۔ اسیطرح انتظام دین کے لیے یہ دونوں مشرب رکن رکین ہیں۔ باقی اُنکے علاوہ جسقدر اور دعویدار ملازم ہیں وہ سب چپرے کے نوکر۔ اور رشوت خوار رشوت کو حق کہکر وصول کرنے والے ہیں۔ اپنی نوکری اور ٹیپ ٹاپ سے مطلب ہے۔ کوئی ناظر کوئی قرق امین کوئی اہلمد کوئی قانونگو کوئی منصف۔ مگر حق (رشوت) لیے بدون قلم کو دوات میں نہیں ڈبوتے۔ اگر سرکار کو سرفروشوں کی ضرورت پڑجائے تو اُن میں سے ایک بھی نظر نہ آئے گا۔ وہی کالی پیلی۔ خاکی وردی والے سرفروش دیوار آہن کی طرح سینہ سپر ہو سکتے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ

یہ دونوں سرفروش اس معیار محبت پر کس درجہ تک کھرے اترتے ہیں۔

اتنا اور بتا دینا ضروری ہے کہ ان دونوں بزرگ لوگوں سے مراد صوفیائے کرام و علمائے محققین ہیں۔ باقی جو اس فرقہ اور لباس میں اکثر دنیا طلب لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان سے قطع نظر ہے۔ وہ حب رسول کے عوض میں حب الدنیا کے خریدار ہیں اور ان کی دشمنی احباب حق سے بہت زیادہ ہے۔ نفسانیت اور حکومت کی آزادی کی وجہ سے ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ارباب تحقیق کی نظروں میں سب ہویدا ہیں مگر چونکہ لباس خدا ان کی وجہ سے معاملہ حق و باطل کا خلط ملط ہو گیا ہے۔ اس لئے کھوٹے کھرے کی نکال پرکھ رکھنی دشوار ہے۔ خدا اور رسول نے جو اپنی حمیت کے بارہ میں ارشادات نافذ فرمائے ہیں۔ انکو ہر ایک دعویدار کے حالات کے ساتھ مطابق کرنے سے حقیقت حال خود بخود منکشف ہو جائے گی۔ اس صورت میں اب چار گروہ ہوئے علمائے حقہ، علمائے دنیا طلب، صوفیائے حقہ، صوفیائے دنیا طلب۔ حب رسول کا ایک قاعدہ کلیہ باندھکر عام رائے لگا دینے سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے چشم دید اور آپ بیتے حالات ان چاروں اصحاب کے تحریر کریں۔ کیونکہ آنکھ سے دیکھے ہوئے مشاہدات ایک عام دلیل پر زیادہ روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اپنے چشم دید حالات بیان کرنے سے خدانخواستہ کسی کی توہین یا تذلیل مراد نہیں ہے بلکہ مضمون ہی خود مجبور کر رہا ہے کہ جس حالت میں اسکے ناظر و مخاطب موجود ہیں انکے روبرو زمانہ کی جیتی جاگتی تصویریں کیوں نہ پیش کیجائیں۔ تاکہ ہر ایک شخص عبرت حاصل کرکے اپنے زمانہ کے مکاران قرآن دریغل سے اپنی جان و مال کو بچائے اور اس معیار محک پر ہر ایک دعوے دار کے حال کو مطابق کرے اور کس کر دیکھ لے۔

قرآن کریم کا حکم تو آیت مندرجہ عنوان سورہ توبہ رکوع ..... سے ظاہر ہے۔ احادیث

نبویہ بھی اس بارے میں جسقدر وارد ہوئی ہیں وہ بھی سب کی سب متفقہ طور پر مضمون آیت کی موید ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ جب تک بندہ خدا اور رسول کو اہل و عیال مال اور تمام خلق سے زیادہ دوست نہ رکھے۔ اُسوقت تک ایماندار نہیں ہوا۔

خدا اور رسول نے اپنی اپنی محبت کے لیئے اہل و عیال۔ زر و مال کا جا بجا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہی چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو اپنے دام میں لانیوالی ہیں لہذا ہم بھی چار بزرگ اپنے کو منتخب کرکے پیش کرتے ہیں۔ اور انکے دعوائے محبت کا ان چیزوں (مذکورہ بالا) سے مقابلہ کرتے ہیں۔

طبقۂ علماء

ایام طالب علمی میں اور اُسکے بعد ایک عرصہ تک خدا کے فضل و کرم سے ایک بزرگ کے ظل عاطفت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ جن کی تمام عمر قال اللہ و قال الرسول کی تعلیم میں وقف رہی۔ بلا ملازمت بلا تنخواہ عمر بھر درسِ دین دیا۔ حالانکہ اُن کی شخصیت کے مقابلہ میں ہزاروں روپیوں کی تنخواہ دینی اور سرکاری مدارس میں اُنکے قدموں پر نثار رہتی تھی مگر للّٰہیت کی دلدادگی نے ان کو مسند فقر سے ہلنے تک نہ دیا۔ اور تفسیر و حدیث کے مفت درس دینے کو اپنے پر فرض رکھکر ساری عمر اسمیں پوری کردی۔ کہنے کو تو یہ بات آسان ہے۔ مگر قرون اولیٰ کے سوا کوئی اسکی نظیر زمانہ موجودہ میں پیش کرے تو ہم جانیں۔ مجرد نہ تھے۔ اچھا کنبہ تھا۔ ضروریات عیالداری اُنکو کبھی بھی مال و دولت پر مجبور نہ کرسکیں۔ چھوٹے صاحبزادے مرحوم کو بتقاضائے سن کشتی کا شوق ہوگیا۔ دو تین بار جیسا کہ باپ کا حق ہے سمجھایا جب اُن کی سمجھ میں بات نہ آئی تو گھر سے نکالدیا۔ اور چھ ماہ تک لختِ جگر کی صورت نہ دیکھی۔ بعض حاشیہ نشینوں نے سفارش کی تو فرمایا کہ خدا اور رسول کے حکم کے مقابلے

میں الفت پسری کو کیسے ترجیح دیدوں۔ چھ ماہ کے بعد کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ صاحبزادے کا شوق عارضی مدہم ہوگیا۔ اور شرافت و اصلیت نے تقاضائے سن کو شرمیت دیکر باپ کے قدموں پر لاگرایا۔ اگر کوئی کہے کہ بعض باپ سخت دل ہوتے ہیں تو یہ بات بھی نہ تھی۔ کیونکہ ایام جدائی میں محبت پدری نے باپ کو ہنسنے تک نہیں دیا تھا۔ اور اتباع شریعت نے جوش محبت اور فرط الفت کو دم مارنے کی بھی اجازت نہ دی۔ علماء حقہ کی حُبِّ رسول کا یہ نمونہ ہے +

اب سنئے دوسرے علماء جن کو اہل و عیال زر و مال کے مقابلہ میں حب رسول کا محض دعوےٰ ہی دعوےٰ ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے :-

ایک مشاعرہ میں جانیکا اتفاق ہوا۔ اچھے اچھے شاعر تشریف لائے تھے بہت بڑے ہال میں مجمع تھا۔ شعراء باری باری منبر پر آکر اپنی اپنی غزل پڑھتے تھے ہر قسم کے اور ہر مذہب کے شعراء شریک تھے۔ ایک شاعر صاحب جن کا تخلص مجھے یاد نہیں رہا البتہ نام یاد ہے۔ اور صورت اور قطع و ضع بھی یاد ہے۔ انگریزی بال رکھے ہوئے اور اُسپر بانکی طرز سے گول ٹوپی طرفے شکستہ اوڑھے ہوئے۔ اور قیمتی کپڑے کی روئی دار اچکن حیدرآبادی قطع کی زیب تن کیے ہوئے۔ اور کندے دار ریب پاجامہ نہایت چست ڈاٹے ہوئے۔ ڈاڑھی میں قینچی کی محض کتر بیونت کے سوا اُسترہ لگا ہوا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ غزل سنانی شروع کی۔ طرز ادا اور لہجہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس بہاری بہر کم جسم میں سادہ لوحی کا مادہ بھی ہے۔ کوئی شعر نہیں جو مجمع نے دو یا سہ بارہ نہ پڑھوایا ہو۔ اور غیر معمولی داد نہ دی ہو۔ ایک ایک شعر پر وہ کہرام مچتا تھا کہ الامان الامان۔ پڑھے لکھے اور مہذب لوگ شاعر غیر شاعر سب چپ تھے محض نوجوان اور باریش مصرع کے اُٹھانے میں حصہ لیتے تھے۔ اُس بندے نے بھی اُس زمین میں کھود کھود کر قافیے نکالے بلکہ ایک قافیے کو تین تین چار چار بار مروڑ مروڑ کر باندھا تھا۔ غزل

سہ مطلع تھی۔ سارے شعر ایک سو پندرہ تھے۔ جو شعر اتفاق سے اچھا ہوتا اُس پر بہت شور رہوتا تھا۔ مگر جو شعر سکتہ دار یا تقطیع سے نکلا ہوا یا گھٹا ہوا ہوتا تھا (ایسے اکثر تھے) اُس پر قیامت ٹوٹ پڑتی تھی۔ میں نے اپنے احباب سے اُن کی تعریف پوچھی تو معلوم ہوا کہ یہ صاحب عزیز اور داماد اُس جید عالم کے ہیں۔ جن کے فضل و کمال۔ جاہ و جلال۔ زہد و تقوے کے مقابلہ میں لگے پچھلے ماضی و حال کے صوفیا و علما کا علم و عمل ایک سیاہ دھبہ اور بدنما داغ دکھائی دیتا ہے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقامات کے مشاہدہ کے لیئے روحانی دوربین ایجاد کی تھی۔ انھوں نے روحانی قرابین ایجاد کی ہے۔ اُنکی دوربین سے ہر ذکی و غبی طالب مقامات کے مشاہدہ سے فیضیاب ہوتا ہے۔ اُنکی قرابین سے ہر مسلمان زندہ اور مردہ دانا گیا ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں　　تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

خاص ولایت کے بنے ہوئے کپ سے وضو فرماتے ہیں۔ اور لالین کے لمپ سے مطالعہ کتب فرماتے ہیں۔ مگر ترکی کیپ کو (بدنیوجہ کہ اُسکو علیگ اور ندوی استعمال کرتے ہیں) من تشبہ بقوم فانہ منہم کی دلیل سے حرام جانتے ہیں۔ قرآن و سنت کی اس سختی سے پابندی ہے کہ بفحوائے آیۂ ان الارض یرثہا عبادی الصالحون۔ بعض عزیزان متوفی کی جائداد منقولہ غیر منقولہ اس خوف سے کہ اگر ترکہ کے مسئلہ میں منقسم ہوگئی تو چپہ چپہ ہوجائیگی لال فتوے کے روسے اپنے قبضے میں ہی رکھی تاکہ مسلمان کی جائداد بکھری بکھری نہ پھرے۔ اور حقدار تو نوکری چاکری کرکے گزر اوقات کر ہی رہے ہیں۔ وہ اگر جائداد کے جھگڑوں میں پڑگئے تو ناحق حیران ہونگے ایک عالم کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو حیران و پریشان ہونیسے ہدایت کرے۔ والفتنۃ اکبر من القتل۔

طبقۂ صوفیاء

قیام لاہور کے زمانہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور ایک عرصہ تک فیض صحبت سے مستفیض ہوتا رہا۔ اُن کا ایک سنٹ اور ایک سائنس بھی قال اللہ قال الرسول سے خالی نہ رہتا تھا۔ توکل اور اخلاص اُن سے بڑھکر آجتک کہیں نہیں دیکھا گیا۔ حب رسول میں اُنکو بمقابلہ اور صوفیاء کے زیادہ انہماک ہے۔ حتی کہ عملی طور بھی ہزارہا روپیہ اسمیں صرف کرتے ہیں۔ پیری مریدی نہیں کرتے۔ مگر بوجہ سید ہونیکے پنجابی لوگ اپنی اصطلاح کے لحاظ سے اُنکو پیر صاحب کہکر پکارتے ہیں۔ وضعداری اور وقار میں نمونہ ہیں۔ پابندی اوقات میں تو ایک زبردست طاقت رکھتے ہیں نفراست المومن کا تجربہ اگر ہم نے دیکھا تو وہاں سیکڑوں بار دیکھا۔ اُنکے ایک ہی لڑکا ہے۔ گھر سے انتقال ہو گیا۔ وہ لڑکا وہیں اُن کی خدمت میں شب و روز رہتا تھا۔ مگر طبیعت آزاد اور کچھ کچھ جنگجو واقعہ ہوئی تھی۔ اس لیے بعض شوقوں نے اسکو آوارہ کر دیا تھا۔ لیکن محض اس حد تک کہ نماز کی پابندی نہ کرتا تھا۔ پیر صاحب نے بہت سمجھایا۔ ڈانٹا۔ مارا۔ سزائیں دیں۔ مگر نوجوانی نے لاپرواہی نہ چھوڑی۔ آخر الامر باپ نے باتباع حکم خدا و رسول اپنی خانقاہ سے نکالدیا۔ اور ہدایت کردی کہ یہ مردود ہرگز ہرگز یہاں نہ آنے پائے۔ سردی کا موسم ننگے پاؤں ننگے بدن۔ لاہور کے کوچہ و بازار میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اگر کسی نے پیر صاحب سے ذکر بھی کر دیا تو خفا ہو گئے اور پھر ہدایت کردی کہ اُسکا ذکر میرے پاس نہ کرو۔ جب تائب ہوگا میں خود بلوالونگا۔ کئی بار توبہ کی۔ باپ نے سینے سے لگایا۔ پھر نماز میں سستی کی تو پھر بیک بینی و دوگوش نکالا گیا۔ برسوں یہی حال رہا۔ اکلوتے فرزند کی بمقابلہ حب رسول باپ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ باپ کا استقلال دیکھکر ایک بار خدا نے ایسی ہدایت کی کہ پھر بیٹا باپ کا نمونہ بن کر خانقاہ میں داخل ہوا۔

وطن میں ایک پیر صاحب سے سابقہ پڑا۔ جو پیری مریدی کرتے ہیں۔ نہایت خوبصورت اور سباب پیری سے آراستہ و مسلح بزرگ ہیں۔ میرے ساتھ بالخصوص بہت انس رکھتے

گئے۔ حتیٰ کہ مجھے اپنے خاص عقیدت مندوں میں درج فرمالیا۔ جس کی خاص وجہ میرا کشیر النسبا ہونا ہے۔ ایک عرصہ تک اُن سے ربط ضبط۔ خلوت جلوت رہی۔ مثنوی شریف کے نکات بہت یاد تھے۔ میلاد کا طرز بھی نرالا تھا۔ ہر مجلس کے موافق میلاد کہہ لیتے تھے میرے یہاں ایک دفعہ اتفاق سے تشریف لائے تھے۔ ظاہری حالات سے بہت لوگ گرویدہ ہوئے۔ کیونکہ اسکا ڈھنگ اُنکو خوب یاد تھا۔ مثلاً ایک بار دہلی سے میرے پاس خط آیا کہ میں نابھہ آنے والا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ دہلی کے عمائدین پیچھا نہیں چھوڑتے پرسوں جامع مسجد میں فقیر کا وعظ تھا۔ کوئی چالیس ہزار کا مجمع تھا۔ جمعہ سے لیکر عصر تک عوارف معارف بیان ہوتے رہے۔ کل آنے کا پختہ ارادہ تھا اور اسٹیشن تک آبھی گیا تھا۔ مگر پیچھے سے پھر کئی آدمی پہنچ گئے۔ اور واپس لاکر چھوڑا۔ کوئی پانچ آدمی اسٹیشن تک مشایعت کے لیے گیا تھا۔ کیا کروں۔ آیا دوون کے لیے تھا۔ اب پھنس گیا ہوں۔ آج سبز منڈی میں وعظ ہے۔ فقیر نہ بھی ٹھیرتا مگر متھرا کے دو تین ساہوکار یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اُن کا رجحان اسلام کیطرف ہوگیا ہے۔ خدا نے یہ کام فقیر سے لینا تھا۔ کل امید ہے کہ اُن کی ہدایت کا وقت آگیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ باقی عند الملاقی۔ مکرر آنکہ۔ نواب وقار الملک بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔ جامع مسجد میں وہ بھی وعظ میں تھے۔ مجھ سے نہایت تپاک کے ساتھ ملے۔ اور درخواست کی کہ آیندہ اجلاس کانفرنس پر آپ ضرور کچھ نہ کچھ تقریر فرماویں۔ فقیر کو اُن کی اس درخواست پر تعجب بھی آتا ہے اور ہنسی بھی۔ فقیر کا کام نہیں کہ ایسے جلسوں میں شریک ہو۔ لیکن اگر خدا کو نیچریوں کی ہدایت کا کام اس فقیر سے لینا ہے تو مجبوری ہے۔ فقط والسلام والدعاء +

کچھ عرصہ بعد مجکو دہلی کا سفر درپیش آگیا۔ نئی سڑک جو چاوڑی بازار سے گھنٹہ گھر کو گئی ہے۔ اُس بازار میں دیکھوں تو پیر صاحب خراماں خراماں آرہے ہیں۔ عمامہ لمبا عصا، تسبیح کچھ بھی پاس نہ تھا۔ تنگ پاجامہ۔ ٹخنوں سے اونچا اور سیاہ اچکن کلی دار

اور سر پر دوپرکہ ٹوپی۔ ہاتھ میں معمولی بید کی چھڑی۔ میں اُنکو اس سادگی میں دیکھکر ششدر رہ گیا۔ مصافحہ ہوا۔ خیریت پوچھی۔ اور میں اُنکے ساتھ ساتھ ہو گیا۔ شام تک ساتھ رہا۔ کسی نے اُنکو سلام تک نہ کیا۔ دوسرے دن خواجہ باقی باللہ شاہ صاحبؒ اور قدم شریف ہوتے ہوئے سبزمنڈی میں اور روشن آرا باغ میں گئے۔ مگر کسی نے بھی اُن کو پوچھا تک نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ سب گپ تھی۔ سولہ سترہ دن رہکر میں اُنکے ساتھ اُنکے گھر پر چلا گیا۔ (محض تحقیق کے لیئے) وہاں جاکر وہ وہ باتیں معلوم ہوئیں جنکا تحریر میں لانا۔ خلاف تہذیب ہے۔ پیر صاحب کئی بھائی ہیں اور سب اپنے اپنے فن میں اُستاد اور کامل ماہر ہیں۔ پیر صاحب اکثر باہر ہی رہتے ہیں۔ روپیہ پیسہ ڈاک میں ارسال کرتے رہتے ہیں۔ اُنکے بڑے بھائی گھر کی خبرگیری رکھتے ہیں۔ اور اپنی جورو کو بوجہ اس کے کہ پیر صاحب ہمہ صفت موصوف جوروسے لڑنے لگی تھی۔ طلاق دیدی۔ اور چونکہ پیر صاحب تو تارک الدنیا ہیں۔ گھر کا اندر باہر کا کام سب اُن کے بڑے بھائی انجام دے لیتے ہیں پیر صاحب نے اندر سونا تک ترک کردیا۔ کیونکہ ذکر فکر میں حرج ہوتا تھا۔ اور چونکہ اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ اس لیئے وطن میں جمعہ بھی نہیں پڑھتے۔ کیونکہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ اور صوفی سفر در وطن کے سخت پابند ہوتے ہیں۔ یا ممکن ہے کہ کسی خاص وجہ سے لوگ اُن کو مسجد میں نہ آنے دیتے ہوں۔ اُنکے بڑے بھائی صاحب تو نمازیں ایک عرصے سے ختم کرچکے۔ چوڑیدار پاجامہ جس کے نیفہ ریشمی کمربند کی ہڑیں رانوں میں ہلتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ اور رنگی ہوئی ڈاڑھی پر مقراض کی استرکاری عجب بہار دے رہی تھی اُنگلیوں میں بہ پورا انگوٹھیاں اور ایک ہاتھ میں حنا بھی لگی ہوئی تھی۔ اُنکے سونے کے کمرے میں ایک بوتل بھی ہم نے دیکھی جسپر انگریزی لکھی تھی۔ شاید کوئی انگریزی عرق کسی علاج میں ڈالنے کو رکھا تھا۔ مگر بُو اُسمیں ضرور کسی حرام چیز سے ملتی تھی۔ ہم نے اِن کا ذکر اس بحث میں لیئے کیا کہ اس شخص کو اپنے تمام مواعظ میں اور ذکر میلاد میں سوائے

مضامین حب رسولؐ کے اور کچھ نہیں آتا۔ ہر وقت بات بات میں یہی ذکر ہوتا ہے کہ حبیب پاکؐ کی محبت پیدا کرو۔ ہمکو جو کچھ ملا ہے۔ سب حبیب پاکؐ کی محبت کا طفیل ہے ہم حیران ہیں کہ کیا حبیب پاکؐ کی محبت اسیکا نام ہے کہ بھائی بندوں کی محبت کے مقابلہ میں حبیب پاکؐ کے حکم کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔ کیا حبیب پاکؐ اُس شخص سے خوشنود ہونگے جو اُن کے احکام کی تو پرواہ نہ کرے۔ اور اُن کے نام پر فرمائشی آہیں مارے۔ حالانکہ اُنہوں نے اپنی محبت کے لیے فَاتَّبِعُوْنِیْ کی شرط لگادی۔ ہزار میلاد کرالو کروڑ حج کرلو۔ جب تک خدا و رسولؐ کے احکام کی پابندی نہوگی محبت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ حب رسولؐ کے یہی معنی ہیں کہ اُن کے احکام کی دل سے عملاً و قولاً پابندی کیجائے ورنہ یہی کہنا پڑے گا کہ حب دنیا پر حُب رسولؐ قربان کردی ؎

اللھم ارزقنی حبک وحب من احبک وحب ما یقربنی الی حبک
واجعل حبک احب الیّ من الماء البارد ؎

محمد عربی کا بروے ہر دو سراست
کسیکہ خاک درش نیست خاک برسر او

احقر مراتب [illegible]

پُر تاثیر خطیب

اخباری منبر کے اُردو خطیب کے خطبے سنو جو ہر ہفتے دین و دنیا کی بھلائی کے پُر تاثیر وعظ سُناتا ہے اُردو زبان اسکے نرالے بیان پر جھومتی ہے۔ کہتے ہوئے راستے اس خضر کے سامنے ہاتھ باندھے چلے آتے ہیں ہشیوار رسالہ نظام المشائخ کے دفتر سے نکلتا ہے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے مضامین اب زیادہ تر اسی میں چھپتے ہیں چندہ سالانہ ۶ ششماہی ۳ خریداران نظام المشائخ سے سالانہ ۴ ششماہی ۲ [illegible] منیجر خلیق دہلی

۸۶

آفتاب حق نما

اے مدنی برقع و مکی نقاب
سایہ نشیں چند بود آفتاب

جب رات اپنی ردائے ظلمت کرۂ ارض پر پھیلاتی ہے تو کواکب فلکی اپنی نورانی قندیلیں روشن کرکے شمع راہ نجاتے ہیں۔ جب تاروں کی چھاؤں بھی ناکافی ہوتی ہے تو نقاب تاریک کو سرکاکر عروس فلک بھی لجائی ہوئی چشم تماشا کو روشن کردیتی ہے۔ جب کاروباری ضروریات کے لیئے کسی بڑے معاون کی رہنمائی کے بغیر کام نہیں چلتا تب مشرق سے ایک شعلہ جوالہ سنہرا غبار اڑاتا ہوا نمایاں ہوتا ہے۔ اور انتہائی جاہ و جلال سے یہ بقعہ نور سریر فلک پر جلوہ گر ہوجاتا ہے جس کی تجلی ریزی اور ضیا باری سے کائنات سفلی کے اہم مقاصد پورے ہوجاتے ہیں +

کرۂ ارضی میں اُسکے احکام نافذ اُسکے قوانین جاری۔ مردہ زمین میں اُسکی حرارت نافذہ سے استعداد حیات۔ معدنیات میں اُسکی تیز شعاعوں سے سختی۔ احجار شریفہ میں اُسکی رنگیں کرنوں سے چمک دمک۔ نباتات میں اسکے فیضان سے نشوونما حیوانات میں اُسکی گرمی سے قابلیت حرکت واحساس۔ طبقات ہوا میں اُسکی تاثیرات سے ہل چل۔ سیارات فلکی میں اُسکے تجاذب سے گردش +

اسی طرح اور بالکل اسی طرح عالم روحانی کا بھی ایک نظام ہے جسکے اقمار و کواکب سے اقلیم صداقت۔ روشن رہی اور جسکے آفتاب حقیقت سے کائنات حقانیت کی ابدی روشنی قائم ہے اور قائم رہے گی +

یھدی بہ اللہ من یشاء الی صراط مستقیم جسکو چاہتا ہے اپنی روشنی سے راہ دکھاتا ہے

مادی آفتاب کی پھیلی ہوئی زنجیر جس طرح اجرام فلکی کو اپنی کرنوں میں اسیر رکھتی ہے اُسی طور پر آفتاب روحانیت کے عمل انجذابی سے تمام روحیں وابستہ ہیں۔ اور قلوب سلیمہ اُسکے پرتو سے متجلی ہیں۔

آفتاب تاباں نے کبھی اقلیم عقلیت پر حکومت نہیں کی۔ نیر اعظم نے کبھی دل کی ظلمت کو روشن نہیں کیا۔ چاند ستاروں نے کبھی ضمیر کو منور نہیں کیا۔ یہ ظلمت فروزی یہ جلوہ ریزی۔ یہ تابانی یہ درخشانی آفتاب نبوت کی ہے۔ جس سے ابد تک مملکت روح میں اُجالا رہے گا۔

چو غلام آفتابم کز آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

سطح بحث کا ارتفاع اور عنوان زیر غور کا تعمق ایسا نہیں ہے کہ ہم لفظ "حقائق" پر غور نہ کریں۔ اور دیکھیں کہ فلسفہ جو تعلیمات حقائق کا مدعی اعظم ہے کیا وہ "آفتاب حقائق نما" کہلانے کا مستحق ہے؟

فلسفہ کا موضوع حقائق موجودات ہیں اور اُس کی غایت حقیقت کائنات میں غور و تفحص وہ اجزاء کائنات کی انتہائی تحلیل کا ذمہ دار۔ وہ نظام ہستی کو آخری حد پر پہنچانیکا ضامن وہ مقصد تخلیق عالم پر روشنی ڈالنے کا کفیل ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا اُس نے ان امور پر تیقن آفریں طریق سے غور کیا ہے۔ اور اسکی تحقیقاتیں طمانیت کی آخری حد تک پہنچگئی ہیں

(۱) کائنات کیا چیز ہے اسکے ترکیبی اور تحلیلی اجزا میں کیا ترتیب ہے؟

(۲) کائنات میں درحقیقت کون طاقت عمل پیرا ہے اور اسکی لازمی صفات کیا ہیں؟

(۳) مجموعہ کائنات میں انسانیت کا کیا درجہ ہے؟

(۴) مقصد تخلیق عالم آخر کیا ہے؟

اگر فلسفۂ قدیم یا جدید نے ان سوالات کو حل کر دیا ہے تو بلاشبہ وہ آفتاب حقائق نما ہے اور اگر اُسنے ان ابحاث کو اور پیچ در پیچ بنا دیا ہے تو وہ ظلمات اوہام کا مجموعہ ہے اس

شیطانی کا تودہ۔ توہمات ابلیسی کا پشتارہ اور ہوائے نفس کا خزانہ ہے جس کی روشنی تاریکی جگاون رات جس کی صبح۔ شام جس کا علم جہالت۔ جس کی بنیاد لاادریت ہے، انبیائی تعلیمات کے غلط اور امیزش نے دورِ اول کے فلسفیوں کو یہ کہنے پر مجبور کیا تھا کہ کائنات چند بسائط اور مرکبات مادیات۔ روحانیات اور عقلیات کا امکانی مجموعہ ہے جو اپنی ہستی میں ایک مستغنی ہستی کی دست نگر ہے۔ یہ سطحی غور اگرچہ اصلیت سے زیادہ دور نہ تھا۔ لیکن اجزار کائنات کی ترکیب و تحلیل کا پیچ در پیچ سلسلہ اور صفات علت العلل کا نقشہ ایسا مبہم تھا کہ قیاسی فلسفہ دائرہ ہستی کے تنزل ادوار نقاپر کچھ نہ کہہ سکا نہ وہ اصل کائنات کو بتا سکا نہ علت موجدہ کے اوصاف پر کوئی سچی روشنی ڈال سکا۔ یہاں تک کہ اُسکی آزادی تک مسلوب کردی وہ یہ بھی نہ بتا سکا کہ نیست ہست کیونکر ہوگیا اور عدم نے وجود کی تاثیر کو کیونکر قبول کیا۔ جبکہ عدم کوئی شئے نہیں ہے۔ اس پریشان خیالی نے دیمقراطیس اور اپیکورس جیسے ملحد سرزمین یونان سے اُٹھائے۔ جنہوں نے وحدت وجود مادی کی بنیاد قائم کی اور محسوس اجزار عالم کو اصل ہستی قرار دیکر علت غیر مادی سے بھی انکار کردیا۔ وہ مقصد آفرینش عالم و آدم بھی ظاہر نہ کرسکا نہ وہ خدا اور انسان سے کوئی رابطہ قائم کرسکا +

ہندوستان کے فلسفی اسکولوں میں سانکھہ فلاسفی مذہب نما الحاد تھا جس نے تین انادی ہستیاں تسلیم کیں۔ اور اسکی آواز بازگشت آج وہ سیاسی فرقہ ہے۔ جس کے شور و غل نے کان بہرے کردیئے ہیں۔ البتہ ہندو ویدانت حقیقت سے قریب تر تھا جسنے تعینات عالم کو مظہر ہستی مطلق تسلیم کیا۔ مگر وہ بھی عینیت اور ظلیت کے باریک فرق کو نہ بتا سکا جس سے اختلاف تعینات کا اصلی راز سربمہر رہا۔ ان مذاہب نے تناسخ کو مانکر رتبہ انسانیت کو بھی ذلیل اور پست کردیا +

یورپ میں جب ابیکورس کی بوسیدہ بدیوں کا ڈھانچ از سرِ نو قائم کیا گیا اور اُسپر لامذہبی کی داغ بیل ڈالی گئی تو مادہ قوت اور حرکت کو اصل کائنات خیال کیا گیا اور

تخلیق عالم کو حرکت ذرات کا اتفاقی نتیجہ سمجھا گیا۔ جس کی ارتقائی صورت موجودہ نظام ہے ؛

البتہ حکمائے الٰہیین کے پیرو ایک غیر مادی وجود کو تخلیق عالم کی آخری کڑی سمجھتے رہے جو کائنات و نسق کائنات سے مختتم تعلق ہو۔ اُنکے نزدیک مادہ۔ قوت اور عقل اصل کائنات ہو۔ جس کی وجہ سے مادہ میں انتظام قائم ہے ؛

بارکلے اور بعض دیگر حکمائے مادہ کو بھی غائب کر دیا اور عالم کو مجموعہ اعراض قرار دیا۔ جو ایک روحانی ہستی کے اشکال و صور کمیات و کیفیات وغیرہ ہیں۔ یہ خیال بھی یورپ کے عام الحاد میں حقیقت سے قریب تر اور عقلی غور و خوض کا انتہائی جد و جہد تھا لیکن حقیقت روز روشن نہ ہو سکی۔ یہ تھیوریز روز بنتی اور بگڑتی رہیں۔ کبھی مادہ کی غیر مخلوقیت اور بقا کا زور رہا۔ کبھی روح مادی اور دماغی ترکیب کا نتیجہ اور ایک مادی قوت سمجھی گئی۔ کبھی سرے سے مادہ ہی غائب ہو گیا۔ کبھی روح مادی چیز سمجھی گئی اور آج مادہ روح ہو گیا ہے۔ یعنی برقی قوت جو روح کی طرح لطیف ہو۔ اصل کائنات کہی جاتی ہے جسکو الکٹرن تھیوری کہا جاتا ہو۔ جدید فلاسفی کا یہ زمانہ معراج ہو۔ لیکن جس قدر ان گتھیوں کے کھولنے کی کوشش کیجاتی ہے اُتنی ہی گرہ اور سخت ہوتی جاتی ہے۔ بیشک

دلیلیں فلسفے کو نور باطن کر نہیں سکتیں کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

اسرار کائنات جیسے پہلے حجاب کتمان اور پردۂ استتار میں تھے ویسے ہی اس وقت بھی ہیں۔ راز ہستی جیسا پہلے روپوش تھا۔ آج مختفی ہے۔ محسوسات کے دائرہ سے قدم باہر نکلا۔ اور ٹھوکروں پر ٹھوکریں شروع ہو گئیں۔ تمام قیاسی اور ذہنی جد و جہد کا حاصل بجز بے حاصلی کے اور کچھ نہیں ہے ؎

صدیوں فلاسفہ میں خیال و بیں رہی لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

انہیں پریشان خوابوں نے موجودہ عہد کے قابل عزت اور مشاہیر حکما کو

حیرت و استعجاب تشکیک اور لاادریت کے گرداب میں ڈالدیا اور وہ نظریات کی بابت خواہ وہ فلسفے کے ہوں یا مذہب کے مشکوک اور متردد ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک مذہب متشککین بھی یورپ میں پیدا ہو گیا جو خدا ماوے اور روح اور مذہب کی بابت نہ منکر ہیں نہ مثبت ؎

چہ مجال ظاہر عقل کو بھوائے وصف تو پر زند محدود درک نہ میری کہ بحسن وہم گمانہا

یہ ہے فلسفے کی کائنات۔ یہ ہے علم استدلالی کی بساط۔ یہ ہے عقلیت کا زور اور یہ ہے حکمت وہمیہ کی وہ روشنی جسنے بے بصیرتوں کو چندھیا دیا ہے ؎

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست بر عاشقاں جز خدا ہیچ نیست

سنا جاتا ہے کہ عہد قدیم میں ایک حقائق طلب گروہ حکمائے اشراقیین کا تھا جو سلک اعتدال سے الگ رہکر مجاہدات و ریاضات یکسوئی خیال اور عزلت گزینی کی صفائی سے حقائق ہستی کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا۔ افلاطون اس گروہ کا قافلہ سالار کہا جاتا ہے۔ آج بھی ہندوستانی جوگیوں کے متبع اور دیگر مذاہب باطلہ کے فقرا اس روش کے کم و بیش پیرو نظر آتے ہیں۔ مگر غور طلب یہ ہے کہ کیا صوفی نما گروہ اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب ہوا؟

بلاشبہہ یہ طریق غور زیادہ قابل اعتماد تھا۔ مگر وہ کون طاقت ہے جو آبائی تعلیم کے مستحکم نقوش سوسائٹی کی مضبوط زنجیروں توہمات نفس کے پھندوں نجات دیکر جمال شاہد حقیقی کو دکھا سکتی ہے ؎

جب خود حکمت اشراق کے علمبردار (افلاطون) کا یہ حال ہو کہ وہ قدامت روح کا قائل ہو کر اسے تناسخ کے چکر میں پھنسائے اور انسانیت کو نہایت ذلیل اور پست کر دے تو اور بے چارے کس قطار و شمار میں ہیں۔ وہ تقلید آبائی کا طوق کس طرح گلے سے اتار سکتے ہیں وہ سوائے نفس کے مغالطوں کے کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں۔ وہ احکام روح و نفس میں

کیسے فرق کر سکتے ہیں۔ اُن کی روشنی میں بھی خواہشات کا دھواں موجود ہے انکی صفائی میں بھی خبث باطن شریک و سہیم ہے۔ یہی سبب ہے کہ اُنکے دور از کار خیالات۔ ناقص توحید اُن علمی اور اخلاقی نتائج کے پیدا کرنے سے قاصر ہے جو عالم کے نظم کلی اور انسان کی مدنیت پر خصوصیت سے اثر انداز ہیں ؎

آنکھیں نہیں کھلیں گی رستہ نہیں ملے گا گر بزم دل میں روشن شمع ہدیٰ نہیں ہے

علم الحقائق کے اگلے اقمار و کواکب

انسان نے جب اس ناسوتی عالم میں قدم رکھا اور ہوش سنبھالا تو سب سے پہلے اسکی نظر اپنے آپ پر پڑی۔ اور وہ یہ غور کرنے لگا کہ میں کون ہوں کیا ہوں۔ خود بخود ہوں یا میری ہستی عطیہ غیر ہے۔ میری ہستی اگر عطیہ غیر ہے تو اُسکا سرچشمہ کون ہے اور اُس سرچشمہ سے اسکو کیا تعلق ہے۔ میں کیوں ہوں اور کائنات میں میرا کیا رتبہ ہے ؟

یہ سوالات قدرتی تھے جو اُسکے باطن سے اُٹھے۔ اُنکے حل کرنے میں وہ سرگردان رہا۔ وہ دور عقلیت نہ تھا کہ عقل کے غلط فتووں سے وہ اُلٹی سیدھی باتیں بنا سکتا وہ عہد فلسفہ منطق نہ تھا کہ استدلال کے لولے لنگڑے پاؤں سے چلکر مکڑی کے تار پود سے کوئی گھر تیار کر سکتا۔ اُسکو صرف یہی چارہ تھا کہ وہ خلوت میں اپنے آپ پر غور کرے۔ انسان عام طور پر تعلیم و تلقین کا محتاج ہے۔ اس لیئے سوالات زیر غور کا جواب وہ اپنی طبیعت سے نہیں دے سکتا تھا۔ اگر اسکے ابنائے جنس ہوں گے تو وہ بھی اُسکی طرح جاہل ہوں گے اور اگر وہ تنہا ہوگا تو کسی بیرونی اعانت اور اعلےٰ فیضان کا محتاج ہوگا۔

اِن دقیق سوالات پر کیا منحصر ہے۔ مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے وہ مادی ضروریات اور ناسوتی اسباب میں بھی خارجی ہدایت کا ضرورتمند تھا۔ جس مبدء فیاض نے اُسے غیر محدود کمالات اور بیشمار قوتوں سے سربلند کیا اور اسباب ہستی سے کام لینے کا سلیقہ

بتایا۔ اُسنے اُسکو سوالات زیر غور کی اُلجھن سے بھی نجات دی۔ اُسپر علم لدنی کی روشنی چمکی۔ آفتاب ہستی کا پرتو پڑا۔ اُسکی پاکیزہ اور سادہ روح کو غیبی نور نے گھیر لیا۔ اور تسکین کی ٹھنڈک نے اُسکی ملکوتی قوتوں کو مطمئن ہی نہیں کیا بلکہ خلافت اور نیابت کا تاج بھی اُسکے فرق اقدس پر رکھدیا۔

وہ پہلا انسان جسکے ساتھ تعلیمات ربانی کا آغاز ہوا پہلا حقیقت شناس تھا جو سوالات مذکورہ کی عقدہ کشائی میں اپنے نبی نوع کا ہادی اور معلم بن گیا۔ اور کمزور فطرت اور ضعیف العقل اشخاص اُسکے نقش قدم پر چلنے لگے۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ۔ ہم نے تجھپر وحی کی جیسے نوحؑ اور اس کے بعد کے نبیوں پر کی تھی۔

جب دنیا گہوارے میں تھی عقلیت کا بچپن تھا تو رہنمایان حقائق علوم ربانی کے عملی نتائج پر زور دیتے رہے اور انسانیت کے اس رشتہ کے مضبوط کرنے میں اُنکی کوشش محدود رہی جو اُسے الوہیت کے ساتھ حاصل ہے۔ توحید خدا شناسی۔ خدا ترسی کے وقتی اور مقامی قوانین پر دار مدار رہا۔ حضرت نوح و ابراہیم۔ موسیٰ اور داؤدؑ ایک ہی علم الحقیقت کے علم بردار تھے۔ اور بہت ممکن ہے کہ دیگر اقوام و ممالک بھی ایسی پاکیزہ روحوں سے خالی نہ رہے ہوں۔

وما من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ کوئی امت ایسی نہیں جسمیں کوئی ڈرانیوالا نہ گزرا ہو۔

انکے الہامات کی تہ میں اسرار حقیقت پوشیدہ رہے۔ اُنکی خطیبانہ تعلیمات جذبات عوام سے اپیل کرتی رہی۔ انسانوں کے دماغ اسرار و معارف کو سمجھنے کے قابل نہ تھے۔ اسلیئے صرف عملی نتائج پر کفایت کی گئی۔ مگر چونکہ علم الحقیقت اور توہم پرستی ہمیشہ دست و گریباں رہی۔ تنزیہ و تقدیس اور تجسم و تشبیہ میں ہمیشہ تصادم۔ توحید و تثلیث میں ہمیشہ تزاحم رہا۔ ابلیسی جہل مرکب اور طاغوتی نجاست نے عطر صداقت کو ہمیشہ خراب کرنے کی کوشش کی

اس لیئے حق و باطل کی جنگ انسانی پیدائش سے لیکر ہر زمانہ میں قائم رہی۔ یہانتک کہ روحانیت کا سفینہ بصبح سفر مین شام میں نمودار ہوا۔ اور حقیقت شناسی کا مقدمۃ الجیش نظر آیا۔ جس نے آتے ہی اپنی روحانی اعجاز کاریوں سے جامد اور متقشف یہود کے پتھریلے دلوں میں ہل چل ڈالدی۔ حضرت مسیحؑ نے مادیت پر ایک کاری زخم اور بھرپور ہاتھ لگایا لیکن یہود کی تجسم پرستی نے سخت مقاومت کی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حق و صداقت اپنا وقتی جلوہ دکھاکر پھر روپوش ہوگیا۔ اور ہمہ گیر دشت نے مسیحی معارف کو بھی مادیت سے ملوث کردیا۔ خود مسیحؑ کی عبدیت پر الوہیت کی وارنش کردی گئی۔ علم و جہالت ہدایت و ضلالت کی کشمکش میں مسیحی مقصد فوت ہوگیا۔ اور دنیا پھر نمود آفتاب کے انتظار میں مصروف ہوگئی۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

آج سے تیرہ سو برس پہلے کا نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ اور جاہلیت کا وہ ہولناک سماں پیش نظر ہے۔ جس کی تاریخ کا ہر ورق سیاہ اور جسکے قرون مظلمہ "ظلمت فوق بعض" ہیں استبدادی قوتوں کی عام کشاکش کا سلسلہ غیر مختتم ہے۔ شاہی خانگی کی بدیم و ایران وغیرہ میں غرباء کے ایک قطرہ خون کو بھی انکے بدن میں کھنا نہیں جانتی تھی۔ قوت کا غلبہ مغلوں کی چیرا چپک لیجانے میں منحصر۔ خوف و اضطراب کا تسلط صدیوں سے قائم۔ امن و امان کی مٹی خراب۔ رعایا دست سلاطین میں کالہ بیجان۔ استقلال شخصی کا جنازہ بے گور و کفن۔ خونخوار ہیبتریہ خدائی گلہ پر مسلط۔ نور فطرت ظلمت اوہام میں پوشیدہ۔ تثلیث کے چشمے جاری۔ توحید کا دریا خشک۔ حقانیت سابقہ کی صورت مسخ۔ اور مذہب اباحین نے ہر ناجائز چیز کو جائز کردیا ہے۔

اُمت عربیہ کے قبائل بد سے بدتر۔ مشرکین عرب کی نادانی نقطہ کمال پر۔ مٹھائی کے بت بنکر پوجے جاتے ہیں۔ اور جب بھوک معلوم ہوتی ہے تو وہی اُٹھاکر چٹ کرلیئے

جاتے ہیں۔ عصمت وعفت بلا قیمت۔ نظام اجتماعی کا شیرازہ منتشر۔ عقائد فاسدہ کا مرکز ارض حجاز اور جہالت عامہ کا صدر مقام عرب ہے۔ جہاں اصنام پرستی۔ کواکب پرستی آتش پرستی۔ روح پرستی۔ تثلیث پرستی۔ الحاصل تمام شیطانی پرستشوں کا قدیم راسخ تھا۔ کرۂ زمین کے دیگر متمدن قطعات بھی روایت کے آخری نوبت پر پہنچ گئے تھے اور ہندوستان میں دام مارگی۔ شہوت پرستی میں پڑے ہوئے بھی زندگی کے اکثر شعبوں میں اپنی حیات کا ثبوت دے رہی تھی۔ بدھ دیو جی کی روحانیت کا دور ختم ہو کر ویدانت کا آوازہ بھی بلند ہوا تھا مگر شنومت نے بودھ مت کا کھنڈن کرنیکے بعد اوتار پرستی کا جون اختیار کیا تھا۔ وہ قدوسی ہستی جسم و جان۔ زمان و مکان۔ رنگ و صورت میں قید کر دی گئی تھی۔ اور وہ مفاسد عالم دور کرنیکے لیے انسانی قالب میں لاکر مجبور و مضطر قرار دیجی تھی چین میں کنفیوشس کی حکیمانہ تعلیم کا صرف نام و نشان باقی تھا۔ مورت پرستی اور مردار خواری میں بے امتیازی چینیوں کا مایۂ تمیز تھی۔ متمدن اور شائستہ دنیا کی جب یہ حالت تھی تو وحشی افریقہ اور نیم متمدن یورپ کس قطار و شمار میں تھا۔

عالم انسانیت جب یہ منحوس ایام ختم کر رہا تھا کائنات روحانی جب یہ بدترین حالت دیکھ رہی تھی۔ علم الخلائق جب یہ کڑیاں جیل رہا تھا تو رحمت الٰہیہ بزبانِ حال کہہ رہی تھی ؎

اے مدنی برقع و مکی نقاب خیز کہ شد مشرق و مغرب بخواب

بر بحر کی طوفانی پل چل میں ۲۰۔ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۱۲۔ ربیع الاول سال حمل کو ایک یتیم بچہ سرزمین حجاز۔ خاندان قریش۔ شہر مکہ میں ایک شریف بیوہ کے شکم سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ برس ہو کہ ماں بھی اُسے آغوش تربیت الٰہی میں دیکر دنیا سے اٹھ جاتی ہے۔ اُسکا متروکہ پدری صرف پانچ اونٹ چند بھیڑ بکریاں اور ایک لونڈی تھی آٹھویں سال عبد المطلب جیسے شفیق دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ جاتا ہے اور تنگ حال

چچا ظاہری پرورش کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ کیا کوئی مہذب اتالیق اسکی تربیت کیلئے مقرر ہوتا ہے؟ کیا کوئی یونانی فلاسفر اسکا استاد بنتا ہے؟ کیا کوئی رومن کا مقنن آئین شناسی میں اسکا ہادی قرار پاتا ہے؟ +

ہاں وہ آغوش رحمت الٰہی میں ضرور پلا۔ علم لدنی کے دامن تربیت میں یقیناً پرورش ہوا۔ بندگان اصنام میں رہکر اسنے عبدیت کامل کی تیاری کی۔ غلامان اوہام میں پلکر اسنے خیال اور وہم کے پردوں کو پھاڑ ڈالا +

دنیا جس تیزی سے دوزخ کی طرف دوڑ رہی تھی اسی ترقی رو کے ساتھ آپ خزائن حقیقت کی طرف بڑھ رہے تھے +

آپ کی پیدائش عجیب آپ کا نشو نما خرق عادت تھا۔ فقر جس کی گھٹی میں پڑا وہ استغنا کی انتہائی سطح پر نظر آئے۔ جس کی قوم نے سلطنت کا خواب بھی نہ دیکھا وہ بڑھے تو خود سلطنت پر لات مار کر فقیروں کو تاجدار بنا دے۔ یہ اعجاز نہیں تو کیا ہے۔

تہیدست سلطان پشمینہ پوش ۔۔۔ غلامی خرد بادشاہی فروش

آفتاب حقیقت کا جلوہ

نگاہ عارف تو دیکھ لیتی ہے پہلے تیور کو اٹھکر ۔۔۔ وہ بزم میں لاکھ بیٹھیں نظر نہ کو چھپا کے

کائنات کی روحانیت کبریٰ کو عالم ناسوتی میں آئے ہوئے چالیسواں سال تھا۔ آپ ماحول سے غیر متاثر گرد و پیش سے متنفر۔ سوسائٹی سے بیزار اور خرابی قوم و تباہی عالم سے بیقرار تھے۔ عزلت گزینی اور خلوت نشینی سے سروکار تھا۔ یہاں تک کہ حرا کے غار میں حجاب ناسوتی آنکھوں سے اٹھ گیا۔ ملکوتی قوتیں زندہ ہو گئیں لاہوتی تجلیات نے گھیر لیا اور جبروتی آفتاب نے بلندی سے پردہ اٹھا دیا +

وہ کون علم تھا جسنے اُمّی محض کو سرچشمہ معارف بنایا؟ وہ کون عرفان تھا جسنے سینہ محمدی کو مطلع آفتاب حقائق بنایا؟ وہ کیا استغنا تھا جس نے ایک یتیم اور غریب کی نگاہوں میں دولت دنیا کو خاک قرار دیا؟ وہ کون حیات آفرین اعجاز تھا جس نے صداقت کی ریزہ ریزہ ہڈیوں کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا؟ +

یہ کچھ نہ تھا مگر آفتاب ازل کی چمک۔ کوئی چیز نہ تھی مگر وحی ربانی کی روشنی جس سے کائنات روحانی کی ابدی زندگی قائم ہے۔ آپنے متبعین اور مادحین کو للکارا کہ حجاب طبیعت سے آنکھوں کو آگے بڑھائیں اور سرِ وجود سے روشنی حاصل کریں آپنے صنادید کفر کو ڈانٹ بتائی کہ عام صف غربا میں اگر ایک بالاتر ہستی کے آگے جھک جائیں۔ آپنے پیشوایان ملت کو درجۂ ربوبیت سے اتار کر عزت انسانی کی حد بندی کر دی۔ آپنے غلامان عادت اور اسیران رسم کو تقلید آبائی کی ذلت سے بچایا۔ آپ نے انسانیت کی قدر و قیمت کو بلند کیا۔ آپنے آزادی فکر اور حریت ارادہ کی وقعت قائم کی۔ آپنے بتایا کہ کائنات انسان کے لیے ہے اور انسان خدا کے واسطے۔ آپنے معرفت ذات و صفات و حقائق موجودات کی قابلیت انسان میں بتائی مگر ذاتی عقل کو ناکافی اور بتوسط نور نبوت اُسمیں غیر متناہی علوم الٰہیہ کی استعداد ظاہر کی +

آپنے تمام افراد انسانی کو دعوت دی کہ وہ آپ کو حشرات الارض نہ سمجھیں بلکہ وہ ایک عرفانی روح کے مظاہر ہیں جن کا عارضی تعلق بدن کے ساتھ ہے۔ آپ نے کافۂ انام کو تبلیغ کی کہ وہ اس دار فانی میں منزل آخرت کے لیے اخلاص کا ابدی توشہ تیار کریں +

یہ ضعف و ناتوانی میں ربانی طاقت تھی۔ یہ عجز میں جلال و جبروت کا فوق العادہ غلبہ تھا۔ یہ جہالت کے سمندروں میں رشد و ہدایت کا تلاطم تھا۔ یہ سرزمین شرک میں وحدت کا بہو نچال تھا جسنے اُن سربمہر دفائن کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا جو یونان

کے افلاطون و ارسطو، مصر کے اقلیدس۔ ایران کے زرتشت اور ہندوستان کے گوتم وکناد کو خواب میں بھی نظر نہ آئے تھے۔ اور آج تیرہ سو برس کے بعد اگر کسی کو پہنچے ہیں تو آپ کی خفیہ یا علانیہ حلقہ بگوشی سے +

علمہ شدید القوی۔ (ترجمہ) اُسے سخت طاقت والے نے تعلیم کیا +

حقائق محمدی کے جواہر ریزے

جس عنوان کی اہمیت پر ہم نے زور دیکر یہ دکھایا ہے کہ فلسفۂ مشائی و اشراقی اسپر روشنی ڈالنے سے قاصر رہا۔ اسکو حضور نبی کریم ؐ کی خصوصیت و حدانی ثابت کئے بغیر اسکے محض تحکم اور ادعا ہوگا۔ جب تک ہم آپ کی زندہ تعلیمات کے گراں بہا اور انمول موتی دُرج کتمان سے نکالکر پیش نہ کریں +

وہ پہلا سوال "کائنات کیا چیز ہے" اسکے جواب میں حکما کی پریشان خیالیاں ظاہر ہوچکیں۔ اب بغور دیکھنا چاہیئے کہ حقائق شناس کامل نے اپنی ربانی تعلیمات میں اسکی بابت کیا بلیغ آیت پیش کی ہے +

الم تری کیف مد الظل وجعل الشمس علیہ دلیلاً ۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ کس طرح عکس کو پھیلایا اور اُسپر آفتاب کو دلیل بنایا +

یہ ایک مختصر آیت ہے جس کی شرح کے لیئے سو نصوص اور فتوحات بھی ناکافی ہیں۔ مگر ضرورۃً کچھ کہنا ہی پڑتا ہے +

ظلت کو پھیلانا۔ اور آفتاب کو اُسپر دلیل بنانا غور طلب ہے۔ جنکو فہم قرآن حکیم سے حصہ ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہی ظل حقیقت عالم اور اصل کائنات ہے جسکی نشانی اور ثبوت ظل آفتاب کا امتداد ہے۔ فطرت کشفی اور بصیرت قلبی عقل نبوت کی رہنمائی میں دیکھکر ہمیشہ یہی کہتی رہی کہ "العالم ظل من ظلال اللہ" اُنکے اس عرفانی

یقین کی کوئی فلسفہ تردید نہیں کر سکتا اور نہیں کہہ سکتا کہ وجود عالم وجود حقیقی کا پرتو نہیں ہے +

میں کہتا ہوں اور بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ موجودات کی اصلیت نیستی نہیں ہو سکتی ہے۔ جو چیز ہستی سے خود خالی ہو وہ کسی کو کب موجود کر سکتی ہے۔ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ سلسلۂ ہستی ایک ذاتی وجود پر منتہی ہوتا ہے۔ جسکے وجود سے موجودات پائے جاتے ہیں۔ اس حد پر پہنچکر یہ سوالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ کائنات کی ہستی موجود اصلی کے وجود سے بالکل جداگانہ ہے یا بالکل متحد یا عکس اور پرتو جو نہ بالکل غیر ہوتا ہے اور نہ عین۔ اگر بالکل مغائر کہی جائے تو سوال ہوگا کہ کائنات کی یہ ہستی اور کس سرچشمۂ وجود سے آئی ہے؟

اسکے جواب میں تین ہی شقین ہیں۔ یا کہا جائے کہ نیستی سے آئی تو یہ صورت پہلے ہی باطل ہو چکی ہے یا کہا جائے کہ وجود حقیقی خدائے پاک کے سوا اور بھی ہیں جنسے کائنات کو ہستی حاصل ہوئی تو یہ صورت مسلمہ توحید کے خلاف ہے۔ سوائے اسکے سوال اسوقت بھی قائم رہے گا۔ یا ہستی عالم کو بعینہ خالق عالم کی ہستی تسلیم کیا جائے۔ جیسا کہ ویدانت میں مانا گیا ہے تو اسوقت کائنات کو بھی مثل خدا کے کامل الوجود کامل الصفات ازلی اور ابدی ہونا چاہیئے۔ حالانکہ اس کا نقصان حدوث اور فنا محسوس و مشاہد ہے۔ علاوہ اسکے یہ سوال بھی ناقابل جواب ہے کہ پاک ہستی صورت تعینات میں آکر ناپاک کیوں ہوئی۔ غیر مقید اور غیر محدود مقید اور محدود کیوں ہوا۔ کامل۔ ناقص کے لیئے بنا؟ یہ بھی خلاف قیاس ہے کہ ایک ہی چیز ایک وقت میں کامل بھی ہو اور ناقص بھی غیر محدود بھی ہو اور محدود بھی۔ مطلق بھی ہو اور مقید بھی۔ جب جواب کی دونوں پہلی صورتیں ناقابل تسلیم ہوئیں تو پھر میری ہی صورت رہ گئی کہ ہستی کائنات وجود حقیقی کا عکس اور پرتو ہے۔ بعینہ جس طرح نور

آفتاب سے کائنات منظر میں اُجالا ہوجاتا ہے۔ اُسی طرح آفتاب وجود نے نیستی پر اپنا عکس ڈالا اور اپنا نور پھیلایا جس سے کائنات موجود ہوگئی۔ یہی حقیقت تھی جسے نہایت نکتہ سنجی کے ساتھ آیہ کریمہ میں بیان کیا گیا۔ الم تر الی کیف مد الظل وجعل الشمس علیہ دلیلا ۔

سوال کا دوسرا حصہ کہ عالم کے اجزا ترتیبی کیا ہیں۔ اسکے جواب میں چند آیات و احادیث پر غور کرنا ہوگا۔

مشہور حدیث قدسی ہے :-

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ۔	میں خزانہ مخفی تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا ۔

دوسری حدیث بھی قابل توجہ ہے :-

اول ما خلق اللہ العقل ۔ یا	جسے سب سے پہلے خدا نے پیدا کیا وہ عقل ہے یا
اول ما خلق اللہ نوری ۔	جسے سب سے پہلے خدا نے پیدا کیا وہ میرا نور ہے

آیات ذیل بھی لائق غور ہیں ۔

اذا قضی امرا فیقول لہ کن فیکون ۔	جب خدا کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو کہدیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے ۔
قل الروح من امر ربی ۔	کہدو اے محمد روح خدا کا امر ہے ۔
فاستوی الی السماء وھی دخان ۔	پس وہ بلندی کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا
ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقناھما ۔	بیشک زمین و اجرام علویہ باہم جڑے ہوئے تھے پس ہم نے انکو جدا کردیا ۔

احادیث و آیات بالا کی اجتماعی ترتیب سے اجزا ہستی کا مرتب خاکہ پیدا ہوجاتا ہے جب نور سے کیف اور مخفی گنج ہستی نے چاہا کہ اپنے کو روشناس خلق کرائے تو سب

پہلے اُنے عقل رسالت یا نور نبوت یا روح اعظم کو اپنے خلق کامل سے ظاہر کیا۔ اور اُسکے توسط سے ارواح عالم امر فوراً پیدا ہوگئیں۔ پھر بتوسط عالم امر اُسکا فیض ہستی عالم خلق کیطرف متوجہ ہوا اور عالم محسوس کی لطف صورت کا ظہور ہوا۔ جسے ایثر یا ایتھر کہا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اسکی لطافت میں کثافت آتی گئی۔ جس سے اجرام فلکی اجتماعی صورت میں نمودار ہوئے وہ سب ایک تھے لیکن تاثیر قدرت نے اُنکو جدا کر دیا۔ کسیکا نام اجرام علوی ہوا۔ اور کوئی حصہ "ارض" کہلایا +

زمین پر جسقدر برودت اور کثافت اور انجمادی حالت نے ترقی کی۔ اُسی قدر اُنمیں موالید ثلثہ کے پیدا کرنے کی استعداد بڑہی۔ اول جمادات اور پھر جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوان پیدا ہوا۔ ان موالید کا مادہ تو ایک تہا اور اُسمیں ارتقائی عمل قائم رہا۔ مگر حیات نباتی اور حیوانی عالم حیات کا فیضان ہے۔ جس کا براہ راست تعلق ایک حی القیوم ہستی سے ہے۔ پھر جب عارف کامل کی ضرورت ہوئی تو اسی حیوانی حالت سے عالم امر کی مخلوق کا مجہول الکیف تعلق پیدا کیا گیا۔ اور خلیفۃ اللہ فی الارض یعنی انسان پیدا ہوگیا +

خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے انسان کو اچھی ترکیب سے پیدا کیا۔ پھر

ثم رددنٰہ اسفل سافلین + اُسے میں

لقد کرمنا بنی آدم + ہم نے بنی آدم کو معزز بنایا ہے +

یہی وہ دائرۃ الوجود ہے جس میں تنزل اور ارتقائے اظلال ہستی کا مرقع پیش نظر ہوجاتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ کائنات تجرد اور لطافت سے مادیت اور کثافت کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ اور پھر اُسپر ایک وقت آئے گا کہ کثافت کا چولا اُتار کر لطافت اور نورانیت کی طرف سمٹ جائے گی +

زمانہ موجودہ کی انتہائی تحقیقاتیں اور حکمائے جدید کی نظریات تخلیق عالم صرف

عالم خلق تک محدود ہیں۔ وہ نور تہیوری (خانۃ النجوم) سلوتہیوری (مسلہ بیوت) ڈارون تہیوری سے ایک قدم آگے نہیں بڑھے لیکن عرب کے ایک اُمّی نے دس پندرہ سو برس پہلے کہدیا جو اُن کی ناقص تحقیقاتوں سے کہیں کامل اُن کی محسوس پرستی سے کہیں اعلےٰ اُن کی پست خیالی سے بدرجہا بلند اور اُنکے اوہام سے نہایت ارفع ہے ؎

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

دوسرا سوال کہ کائنات میں کن صفات کی طاقت عمل پیرا ہے؟ پہلے سوال سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ عقلائے عالم کے اختلافات اور مذاہب کے ابھاؤں میں ایک نبی حقیقت کے صحیح صفات کا نقشہ قائم کرنا بغیر نبی تائید کے نہایت دشوار تھا۔ یہ صرف قرآن حکیم ہے جو نہایت بلند آہنگی سے کہتا ہے کہ نبی خزانے محض میرے الفاظ اور معانی میں مخزون ہیں اور تمام کتب خانہائے ہستی اُنسے خالی ہیں +

صفات الوہیت کا نقشہ ہم آیات قرآنی ہی سے پیش کرتے ہیں جنکے بیان کرنے میں تمام حکماء و عقلاء نے کچھ نہ کچھ ٹھوکریں کھائی ہیں اور مذہبی اختلافات انہیں مغالطات کے نتائج ہیں +

صفات ثبوتیہ

الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر + کیا وہ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا درحالیکہ لطیف و خبیر ہے

یہ آیت ہر جدید نیلے دہریت اور الحاد کو جڑ سے کھود کر پھینکنے پر تلی ہوئی ہے جب خلق ایجاد اور ترتیب اجزا کا نام ہے تو یہ بغیر علم کے کیونکر ممکن ہے۔ اجزاء ہستی کی ترتیب توافق تناسب بغیر مرتب و منتظم کے کیونکر ممکن ہے +

ما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا + کوئی پتہ ہی ایسا نہیں گرتا جس کو وہ نہ جانتا ہو +

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلق عالم کے بعد وہ عالم کے تمام تغیرات استحالات زوال اور فنا سے نہ صرف واقف ہے بلکہ اُسکے علم کے مطابق یہ سب ظہورات ہستی ہیں +

اگر اُس بالاتر ہستی میں علم ایجادی و تفصیلی نہ مانا جائے تو مذہب کی بنیاد ہی کھوکھلی رہجاتی ہے۔ اس لیے کہ منکرین خدا ایک آخری طاقت سے منکر نہیں ہیں بلکہ منکر ہیں تو اسکے کہ وہ بالعلم و شعور کے کام کرتی ہے اور وہ ایک اندھی طاقت ہے جسکے نتائج اتفاقاً حکیمانہ ہیگئے ہیں خود اُسکے علم و مرضی کو اسمیں کوئی دخل نہیں سبحان اللہ عما یصفون +

لا الہ الا ھو الحی القیوم +

اس آیت سے بھی الحاد کا بخیہ اُدھڑ جاتا ہے۔ اسکا منشار یہ ہے کہ حیات کا اصلی سرچشمہ ایک زندہ ازلی اور ابدی ہستی ہے۔ مادہ اور قوت جب خود حیات سے خالی ہیں تو انسے حیات کیونکر پیدا ہوسکتی۔ لفظ قیوم سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قیام ہستی عالم ایک موجود حقیقی کے وجود سے ہی جسکی ہستی ذاتی ہے۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جس سے ظلمت عالم پر روشنی پڑتی ہے۔ کیونکہ ظلال صاحب ظل سے قائم ہوتے ہیں +

فعال لما یرید + جو چاہتا ہے کرتا ہے +

انہ علی کل شئ قدیر + بیشک تو ہر چیز پر اختیار رکھتا ہے +

آیات مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی مشیت اور قدرت کے احکام ہستی میں نافذ ہیں۔ اور اُسکی بالاتر طاقت کے سامنے عالم کی تمام قوتیں سرفگندہ ہیں وہ یونانی حکماء کا مجبور و معطل و مضطر خدا نہیں ہے کہ صرف سلسلۂ اسباب و علل کی آخری کڑی ہو اور موجودہ نظام ہستی میں اُسکی مرضی کو کوئی دخل نہو +

صفات سلبیہ یا صفات تنزیہی

لیس کمثلہ شیٔ ۔ اسکی مثال کوئی چیز نہیں ہے ۔
افمن یخلق کمن لا یخلق ۔ کیا مخلوق مثل غیر مخلوق کے ہے ؟ ۔

ان آیات سے تقدیس و تنزیہ وجوب و استغنا بصیورتی ہر نگی اور بے کیفی الٰہی کے درجات بہت بلند نظر آتے ہیں سب سے چھوٹی اور بے چگونی ہی ذات بحت ہی اور بصیورتی ہی اصل ہستی ۔ جو خیال میں وہم میں عقل میں فہم میں آجائے وہ خدا نہیں ہے ؎

اے تو بروں ز فہم ما در تو خیال کے رسد ۔ وصفت تو عقل را لاف کمال کے رسد

تنزیہ و تقدیس کا یہ اعلیٰ تخیل جسے قرآن حکیم نے پیش کیا ہے ۔ تمام اگلے اور پچھلے مذاہب اس سے خالی ہیں ۔ ایسا ارفع ترہستی کے اوصاف کا اس سے بلند تر نقشہ کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ مشابہت مخلوقات سے من جمیع الوجوہ پاک ہے ۔ اور تمام نقصانات و احتیاجات سے منزہ ۔ تنزیہ اور تقدیس کا یہ آوازہ اس وقت بلند کیا گیا جب انسانی دماغ نشو و نما کی آخری منزل پر تھا اور عقلیت نے دور شباب میں قدم رکھا تھا ۔ اور اسی وجہ سے اسلام کی تعلیم بلحاظ حقائق و معارف کامل اور مکمل ہے ؎

جہاں کی بزم میں میں لیکے جب ام الکتاب آیا ۔ گئے ایام طفلی نوع انساں کا شباب آیا

تیسرا سوال کہ کائنات میں انسانیت کا کیا درجہ ہے ۔ اسکی بابت دیگر مذاہب کے اعتقادات پر ہلکی روشنی پڑ چکی ہے ۔ مگر ہم پھر بوضاحت بتا دینا چاہتے ہیں کہ کسی طرف تو انہوں نے انسانیت پر الوہیت کا لباس پہنا دیا ہے ۔ اور بعض خاص انسانوں کو مظہر ربوبیت مان لیا ۔ مگر عام طور پر انسان کو اسقدر ذلیل اور پست کیا کہ اصنام پرست اقوام نے اسے سور گدھے ، بندر وغیرہ کی جونوں میں بحساب مدت تک قید کرانا مذہبی عقیدہ سمجھ رکھا ہے ۔ عیسائیوں کے عقیدہ میں انسان باپ کا مجسمہ ہے جو کبھی غیر گناہ کے پاک و صاف ہو ہی نہیں سکتا ۔ اور برائی کی یہ حرماں نصیب مخلوق خدا کی سلطنت میں غیر

خون مسیح کے معاوضے کے داخل ہی نہیں ہوسکتی۔ اُسکے مقابلے میں انسان کی عزت کا درجہ قرآن حکیم نے جن الفاظ میں یہ دکھایا ہے وہ بھی ملاحظہ طلب ہے۔

کائنات کی روحانیت عظمیٰ کی بابت جب یہ ارشاد ہے تو اور نبی۔ رشی و منی کب مظہر ذات احدیت ہوسکتے ہیں۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد۔ کہدو اے محمد میں مثل تمہارے آدمی ہوں میری طرف قرآن کی وحی ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ انسانیت کو اسقدر عزت دی گئی ہے کہ اگر اس کے بعد کوئی مرتبہ ہے تو وہ الوہیت ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ میں زمین میں نائب پیدا کرنے والا ہوں۔

لقد کرمنا بنی ادم۔ ہم نے بنی آدم کو عزت دی۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے آدمی کو اچھی ترکیب میں پیدا کیا۔

خلق ادم علی صورتہ۔ آدمی کو اپنی کیفیت اور صفت پر پیدا کیا۔

قرآن حکیم نے اصنام پرستوں کے تناسخ کی بھی تردید صاف الفاظ میں کردی ہے۔

اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر۔ کیا ہم نے تم کو ایسی عمر نہیں دی کہ ہم کو تم یاد کرتے

فذوقوا فما للظٰلمین من نصیر۔ پس عذاب بھگتو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

چوتھا سوال کہ "مقصد آفرینش عالم و آدم کیا ہے"۔ درحقیقت مذاہب کا لب لباب اسی پر مبنی ہے۔ قرآن کریم نے اس مقصد کو جن الفاظ میں دکھایا ہے۔ آج دور غفلت اُسپر جسقدر فخر و ناز کرے بیجا نہ ہوگا۔

خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ تمہارے لیئے زمین کی سب چیزیں پیدا کی گئی ہیں۔

الم نجعل الارض مھادا والجبال اوتادا۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو مثل میخ کے نہیں بنایا؟

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ ہم نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیئے کہ وہ عبادت کریں ۔

اس قبیل کی جملہ آیات کا منشا یہ ہے کہ عالم انسان کے لیئے ہے اور انسان معرفت حق کے واسطے ۔ انسان کا جاذبہ روحانی اور تقاضائے ملکوتی اُسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس ہستی کی طرف منجذب ہو ۔ جن کے اوصاف کاملہ کا وہ ظل خاص ہے ؎

ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش ۔۔۔ باز جوید روزگار وصل خویش

عبودیت جو نتیجہ عرفان ہے ۔ انسانیت سے غیر منفک ہے ۔ عرفان کی ترقی سے خالق انسان کا کوئی فائدہ نہیں ۔ بلکہ جس طرح ہر فوع کا ایک کمال ہے ۔ اسی طرح انسان کا یہ خاص کمال ہے ۔

ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ ۔۔۔ جو کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیئے کرتا ہے

ان اللہ لغنی عن العلمین ۔ ۔۔۔ بیشک خدا دونوں عالم سے بے نیاز ہے ۔

افعال الٰہی حکمت سے خالی نہیں مگر یہ حکمت اُسکی ذاتی غرض پر مبنی نہیں ۔ بلکہ وہ حکمت بھی سراسر انسان کے فوائد سے وابستہ ہے ۔ یہ مقصد ضرور حکیمانہ ہے مگر اس سے الوہیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا ۔

ربنا ما خلقت ھذا باطلا ۔۔۔ اے رب ہمارے تو نے اسکو بے کار نہیں پیدا کیا ۔

دنیا اس قدر علمی ترقی پر بھی اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکی ۔ جیسا تاریکی کے زمانہ میں ریگستان عرب کے ایک ظاہری اُمّی اور باطناً عالم علم لدنی نے کہدیا تھا اور ہم چیلنج دیتے ہیں کہ کسی حکیم ۔ کسی فلاسفر ۔ کسی سائنٹسٹ ۔ کسی نبی ۔ کسی رشی کسی منی کے اگلے یا پچھلے زمانہ میں یہ حقائق ہستی مقابلۃً پیش کیئے جائیں تو ہم اُسکو سب سے پہلے لبیک کہنے کے واسطے حاضر ہیں ۔

یہ حقائق محمدی کے بحر محیط کی ایک موج تھی ۔ یہ اُس دریائے ناپیدا کنار کا ایک

قطرہ تھا جن کے ثبوت میں ہم فلسفہ و منطق کے رہین منت نہیں بلکہ ان عرفانی صداقتوں کے لیے وہ طریقہ بھی پیش کیئے دیتے ہیں جو حق کی بجلی چمکاکر ظلمت اوہام اور تاریکی باطل کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیتا ہے جس قوت قدسیہ کی روشنی میں نظریات بدیہیات ہو جاتے ہیں۔ خود قرآن حکیم اُس مسلک کیطرف اشارہ کرتا ہے +

سنریہم ایٰتنا فی الآفاق وفی انفسکم حتی یتبین لھم انہ الحق + قریب ہے کہ ہم اپنی نشانیاں عالم میں اور تمہارے نفوس کے اندر دکھائینگے یہانتک کہ ظاہر ہو جائیگا اُنپر کہ وہ حق ہے

وفی انفسکم افلا تبصرون + اور اپنے اندر نہیں دیکھتے ہو +

یہی آیات انفسی اکتشاف حقائق ملت کا بہترین ذریعہ ہیں جن کا دیباچہ اولاً اپنا عرفان ہے۔ مگر معرفت نفس تنہا کافی نہیں بلکہ نور نبوت کی روشنی حقیقت نفس انسانی کو کہولتی ہے اور یہی تیرہ آفرینش آدم سے اسوقت تک قائم رہا ہے +

واتبعوا النور الذی انزل معہ + اُس نور کی پیروی کرو جو اُسکے ساتھ اُتارا گیا ہے +

وابتغوا الیہ الوسیلۃ + اُسکی طرف وسیلہ تلاش کرو +

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا + خدا کی رسّی سب ملکر تھام لو +

یہ نور نبوت تھا جو واسطہ تخلیق آدم تھا۔ اور یہی عقل کل وسیلہ معرفت اور ذریعہ درک حقائق ملت ہے ؎

دیدہ عقل در حسد تا ز راہ لحد رسی باحد
دو جہاں را بزیر حکم در آر یک خرد را بہ مصطفےٰ بہ شمار

خادم برق

چودھویں صدی ہجری کی اسلامی صناعی یعنی عربی فارسی اردو کے مطبوعی قطعات ہر وضع کے نہایت فرش خط خوش وضع خوش رنگ عمدہ کاغذ ہمارے پاس موجود ہیں اور شائقین کی مرضی کے مطابق بھی تیار کیئے جاتے ہیں جو صاحب دیکھنا چاہیں وہ ہمارے پاس تشریف لائیں تصویریں اتار دیں اور ان سے اپنے مکانوں کو مزین کریں۔ پیرو مجاب کے اصحاب فرمایش بھیجیں +
(اے۔ کے برادرز نمبر ۹۴ چتہ لال میاں دلی سے طلب فرمایئے)

رسول شاہد

(اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ)

آیت تحت عنوان میں مولائے کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر شاہد ہوگا۔ جیسے کہ وہ بشیر و نذیر ہے۔ ایسا ہی وہ ایک شاہد صادق کا بھی درجہ رکھتا ہے۔ بشیر اور نذیر کے مقابلے میں شاہد صادق کا درجہ بالاتر ہے۔ کیونکہ مبشر اور نذیر صرف احکام کی تبلیغ ہی کرتا ہے۔ جو حکم ملتا ہے وہ سنا دیتا ہے۔ لیکن ایک شاہد اپنی شہادت میں اور بھی بہت سے امور پر روشنی ڈالتا ہے۔ اور نشیب و فراز سے آگاہ کرتا ہے۔ اور اُس صورت میں وہ ایک ذمہ داری اپنے اوپر لیتا ہے۔

اور اسکی ذمہ داری پر فیصلہ ہوتا ہے۔ جو کچھ شاہد صادق کہہ دیتا ہے وہی قبول کیا جاتا ہے۔ بشیر اور نذیر تبلیغ احکام کرکے خاموش ہو جاتا ہے۔ بفحوائے ما علینا الا البلاغ۔ لیکن ایک شاہد صادق شہادت کے ساتھ ہی بزور صداقت کفیل بھی ہوتا ہے۔ ایسے شاہد کی ذمہ داری دونوں طرف موثر ہوتی ہے۔ ایک طرف وہ عدالت پر بھی اثر ڈالتا ہے اور دوسری طرف جن کے حق میں وہ گواہی دیتا ہے۔ اُنہیں بھی متاثر کرتا ہے۔

دنیا کے ہر معاملہ کے واسطے کسی نہ کسی شاہد صادق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بغیر شاہد صادق کے۔ بعض معاملات سُلجھتے نہیں ہیں۔ شہادت کی قسمیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں:-

(الف) شہادت مطلوبہ

(ب) شہادت پیش کردہ

(ج) شہادت واقعیہ

(د) شہادت تفسیر واقعات

پہلی قسم کی شہادت نبیوں کیطرف سے عموماً بہ یوم حشر لیجاوے گی۔ اس دن اقوام کے امام سامنے کھڑے کیے جاوینگے۔ اور اُن کی موجودگی میں اُنکے اعمال نامے پیش ہونگے اور اُنہیں فیصلہ سُنایا جائے گا جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ یوم ندعوا کل اناس بامامھم ۔

شہادت پیشکردہ سے وہ شہادت مراد ہے جو بندوں یا خدا کی طرف سے رفع حجت کے واسطے پیش کیجاوے گی۔ اُمتیں اپنے اپنے اماموں کے روبرو بہ عجز و نیاز اپنی صفائی میں نبیوں کو پیش کریں گی۔ بدیگر الفاظ یہ کہ لوگ اُن کی شفاعت کے خواہاں اور متمنی ہونگے۔ جب ایک شفیع کسی امت کی شفاعت کرے گا تو گویا وہ طالب آمرزگار ہوکر اس بات پر گواہی دے گا کہ باوجود ان کم زوریوں اور ان نقائص کے بھی یہ اُمت رحمت کی خواہاں ہے اور مرحمت یزدانی سے یہ بات بعید نہیں ہے ۔

شہادت واقعیہ وہ ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بخود بہ مصداق رحمۃ للعالمین دیں گے۔ اُمت کی ہمدردی اور دلسوزی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر آمادہ کریگی کہ واقعات کا اظہار کریں۔ اور وہ یہ کہ تیری رحمت کے آگے گردیدگان محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بمصداق قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ بالخصوص بخشش اور رحمت کی زیادہ تر امید ہے۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت لیکر یہ عرض کرینگے۔ اور منشاء اللہ انکی شفاعت واقعیہ مقبول ہوکر انکے قدموں کے طفیل امت محمدیہ کامران ہوگی ۔

چوتھی قسم شہادت تفسیر واقعات ایک ایسی شہادت ہے کہ جو دیگر تمام شہادتوں سے

اعلیٰ اور ممتاز ہے۔ اِس شہادت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم اُن تمام واقعات کی تفسیر کرتے ہیں جو آپکے دورِ نبوت میں سرزد ہوتے ہیں۔ اور جن کی تفسیر اُمت اور افراد امت کیواسطے ایک ضروری مرحلہ ہے۔ اور جسکے بغیر نہ تو دین کامل ہوتا ہے اور نہ دنیا۔

یہ شہادت کیا ہے۔ رسالت اور نبوت کے فلسفۂ حقہ سے ہمت کے لوگونکو بمراحل مختلفہ آگاہ کرنا اور اُنہیں شرعی اور روحانی رنگ میں اُن نکات اور اُن غوامض سے علمی اور عملی پہلو سے خبردار کردینا جو ایک امت کیواسطے ضروری اور لابدی ہیں اور جن کے بغیر کوئی امت معادی اور معاشرتی رنگ میں سرسبز نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:۔

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم ایتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون۔

اس آیت میں الفاظ ذیل قابل غور ہیں:۔

(الف) رسولا منکم۔

(ب) آیات اللہ

(ج) تزکیہ

(د) تعلیم کتاب

(ھ) تعلیم حکمت

(و) تعلیم حقائق مخفیہ

پہلے جملہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ رسول جو تمہارے سامنے ہماری جانب سے بطور ایک شاہد کے بھیجا گیا ہے۔ تم ہی میں سے ہے۔ وہ بھی ایک انسان اور بشر ہے۔ کیسا انسان اور کیسا بشر۔ جو اپنے وہبی ملکہ اور اقدس فطرت کے اعتبار سے ایک خصوصیت کا

اگرچہ یہ کوئی فرشتہ نہیں ہے۔ ایک انسان ہے۔ لیکن ایک ایسا انسان جسکے ذمہ
ہمت پر خدمات رسالت رکھی گئی ہیں۔ اگر فرشتوں میں سے کوئی رسول یا کوئی
شاہد تمہاری طرف بھیجا جاتا تو اس رنگ میں انسان شرفیاب نہ ہوتا تم ہی میں سے
رسول اور شاہد بنانا۔ انسانی شرف کی ایک دلیل ہے ۔

دوسرے جملہ آیات اللہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ رسول اور یہ شاہد تم پر آیات اللہ
کا انکشاف کرے گا۔ اور تمہیں اُن باتوں سے آگاہ کرے گا جو خصوصیت سے آیات اللہ
ہیں۔ اور جن کا معلوم کرنا انسان کے واسطے لازمی ہے۔ آیات سے مراد قرآن مجید
کی آیات ہی نہیں ہیں۔ بلکہ قدرتی آیات ہیں۔ قرآن مجید کی آیات میں کیا ہے؟ اُن
آیات کا ذکر جو اس کائنات میں ہر جا طرف پائی جاتی ہیں۔ اور خود انسان اُن میں سے
اکثر کا مرجع ہے۔ جیسا آیات میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ تم ہماری قدرتوں زمین و آسمان
پر غور کرو تو اُن کا منشا رسولے اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ جو تمہارے ارد گرد
آیات پائی جاتی ہیں۔ اُنپر غور کرنا ہی عبادت اور ریاضت ہے۔ اور قرآن مجید اِن ہی
کی بابت توجہ دلاتا ہے ۔

یتلوا علیکم اٰیٰتنا کا یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید میں جو آیات آئی ہیں رسول
وہ تم کو سُناتا ہے۔ تو یہ بھی اُسکا مطلب ہے کہ اُن آیات کی تفسیر بھی کرتا ہے۔ تفسیر
کیا ہوئی۔ اُن آیات کا مطلب سمجھانا۔ اور اُن آیات کی طرف توجہ دلانا۔ جو اُن آیات
قرآنی کی غرض اصلی ہیں۔ بعض لوگ جو یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ رسول کریم کا
صرف اسی قدر فرض تھا کہ جو کچھ اُنپر وقتاً فوقتاً نازل ہوا وہ سُنا کر خاموش رہے
ایک غلطی اور نسخ القص رسالت کو محدود کرنا ہے ۔

کیا رسول کریم کا فرض صرف اس حد تک پورا ہو جاتا تھا جو ذات اقدس ہم میں ۶۳
سال تک رہی ہو اُس کی ڈیوٹی صرف سنا دینا ہی تھا۔ یہ ایک غلط قیاس ہے۔ وہ سنانے

بھی تھے۔ اور سمجھاتے بھی تھے۔ جس طرح اُستادوں سے شاگرد سوال کرتے ہیں۔ اُسی طرح اُنسے بھی لوگ آیات اللہ سُنکر استفسار کرتے تھے۔ اور وہ جواب دیتے تھے۔ اور لوگ اُن کا فرمودہ یاد رکھتے تھے اور اُن پر عمل کرتے تھے رفتہ رفتہ اُن ہی تفسیرات اور ارشادات کا دوسرا نام حدیث اسوۂ حسنہ رسول اور اقوال رسول کریم ہوگیا۔ کیا جو ذات مقدس ۶۳ سال تک ہم میں رہے اور لوگ صرف اُنہیں ہی اپنا ہادی سمجھیں۔ اُن کی زندگی مبارک خاموشی سے گزر سکتی ہے؟۔ یتلوا علیکم آیاتنا سے صرف یہی مراد نہیں کہ صرف قرآن مجید کی آیات ہی سُنائی جاتی تھیں بلکہ یہ بھی کہ اُن آیات کی تفسیر اور تصریح بھی کیجاتی تھی۔ اور قرآنی آیات کے سوائے قدرت کی اور آیات کی بھی تبلیغ کی جاتی تھی +

تیسرے لفظ تزکیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ رسول تمہیں ہماری آیات ہی نہیں سناتا بلکہ تمہارا تزکیہ بھی کرتا ہے۔ تزکیہ تین قسم سے ہو سکتا ہے۔ بذریعہ اقوال۔ بذریعہ افعال۔ بذریعہ عمل۔ اور ہی تین امور کا نام بالفاظ دیگر اُسوۂ حسنہ رسول ہے۔ جو لوگ احادیث صحیحہ کی ضرورت اور احترام سے اعراض کرتے ہیں۔ اُنہیں ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیئے کہ اگر رسول مقبول نے سوائے قرآنی آیات کے سُنانے کے اور کچھ کہا سُنا ہی نہیں تو یہ تزکیہ کیا مراد رکھتا ہے۔ ارشاد یہ ہوتا ہے کہ:۔

رسول تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ یعنی تمہیں نشیب و فراز اور اچھائی و برائی سے آگاہ کرتا ہے۔ وہ سوائے اسکے اور کسی طرح ممکن نہیں کہ آیات قرآنی سُنا کر اُن کی تفسیر کیجاوے۔ اُن کے متعلق سوالات کا جواب دیا جاوے۔ اُمت کی تربیت کیجاوے۔

چوتھا فقرہ اسی کی تشریح میں واقعہ ہوا ہے۔ تعلیم کتاب سے مراد کیا ہے۔ کیا تعلیم میں صرف سنا ہی جاتا ہے؟ کیا معلم کتاب کے چند فقرات سُنا کر خاموش رہتا ہے اور شاگرد اُس سے کوئی سوال نہیں کیا کرتے؟ اور کیا شاگردوں کے دلوں میں بعض شبہات

نہیں گزرتے ؟ جب رسول معلم کتاب تھے تو یہ قرار دینا کہ اُنہوں نے سوائے آیات سنانے کے اور کچھ کہا ہی نہیں ایک فریب خیال ہے۔ معلم جب کتاب سمجھاتا ہے تو اُس کے مشکل فقرات کی تفسیر بھی کرتا ہے۔ اُن کے نکات پر بھی روشنی ڈالتا ہے اور اپنے ذہنی ملکہ سے اُن پر شہادت دیتا ہے۔ اور ایک شاہد صادق کی حیثیت سے واقعات پر روشنی ڈالتا ہے۔ اُن زوائد کا نام جو تفسیر اور تعلیم کتاب میں بیان ہوئے تھے۔ بالفاظ دیگر اسوۂ حسنہ رسول۔ اقوال رسول اور احادیث رسول ہے۔

پانچویں فقرہ میں یہ کہا گیا ہے کہ رسول تمہیں نہ صرف کتاب کی آیات ہی سناتا ہے اور نہ صرف اُن کی تشریح ہی کرتا ہے بلکہ تمہیں حکمت کی بھی تعلیم دیتا ہے حکمت کی تعلیم کیا ہے ؟ اُمت کو اُن امور سے آگاہ کرنا۔ جو ایک امت کے واسطے علمی اور عملی رنگ میں لازمی ہیں۔ اور جن کے بغیر کوئی اُمت احترام اور عزت نہیں پا سکتی۔ جب رسول حکمت کی تعلیم دیتا ہے تو دو حال سے خالی نہ ہوگی یا تو قرآنی آیات کی تفسیر اور یا اُن ہی قرآنی آیات کے تحت امور زائد کی تشریح کرنا اور دیگر ضروریات امت اور مناظر قدرت کی جانب توجہ دلانا وہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ یا تو افعال و اعمال سے جو اسوۂ حسنہ ہوگا اور یا اقوال سے جو احادیث ہونگی۔

ایک دوسری آیت میں اسکی یوں بھی تشریح کی گئی ہے یامرھم بالمعروف وینھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبائث الخ۔

حکمت کیا ہے ؟ وہی باتیں جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں۔ امر بالمعروف میں سب حکمتیں اور سارا فلسفہ آگیا۔ یہ امر بالمعروف آیات اللہ اور آیات قرآنی کے ماتحت ہوتا ہے۔ ایک نبی ۶۳ سال تک۔

(۱) امر بالمعروف۔

(۲) تفصیل مناہی

(۳) تفصیل طیبات

(۴) تفصیل خبائث

میں گزار دیتے ہیں۔ اور جب اُن کے اقوال صحیحہ پیش ہوتے ہیں تو بعض کہنے والے کہہ دیتے ہیں کہ ان کا کیا اعتبار اور ان کی کیا ضرورت۔ سبحان اللہ کیا عقل ہے اور کیسی تعظیم رسول مقبول۔ منکرات اور خبائث سے صرف حلت و حرمت اشیاء ہی مراد نہیں بلکہ اس میں سب کچھ آگیا۔

ایک دوسری آیت میں کہا گیا ہے:۔

وما علی الرسول الا البلاغ المبین۔

کوئی معترضین سے پوچھے کہ اس بلاغ مبین سے کیا مراد ہے؟ مراد اس سے تبلیغ عامہ۔ تبلیغ کاملہ اور تبلیغ جامعہ ہے۔ نہ صرف یہ کہ چند آیات ملہمہ سُنائیں اور خاموش رہے۔

پھر دوسری آیت میں رسول کریم کو سراج منیر بھی کہا گیا ہے۔ کیا سراج منیر وہی ہوتا ہے جو صرف اپنی ہستی ہی دکھا سکے اور کسی منظر پر روشنی نہ ڈالے۔

پھر ایک دوسری آیت میں کہا گیا ہے۔ وما ینطق عن الھوٰی۔ یہاں بولنے سے مراد معمولی بولنا نہیں ہے۔ بلکہ وہ بولنا جو ایک معلم اور ایک ہادی کے رنگ میں ہو جب رسول امورات خاصہ میں صرف اُس مولا کی مرضی کے سے بولتے تھے تو یہ کہنا کہ جو کچھ اُنھوں نے قرآنی آیات کے سوائے خاص رنگ میں کہا سُنا ہے وہ سب کا سب نعوذ باللہ لائق توجہ نہیں۔ تو دوسرے الفاظ میں ناچار یہ کہنا پڑے گا کہ وہ اس رنگ میں ایسا ہی بول جاتے تھے جو کوئی وقعت اور قیمت نہ رکھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ آیت وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی میں تو فعل رسول اللہ کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور جب رسول تغیر آیات اللہ میں کہہ کہتے ہیں تو اُسی

قیمت کچھ نہیں لگائی جاتی ۔

چھٹے فقرے میں ارشاد ہوتا ہے کہ رسول وہ باتیں بھی تمکو سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے یعنی حقائق مخفیہ اور رموز لدنیہ کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اور ان مراحل یا اُن کوچوں سے بھی تمہیں آگاہ کرتا ہے جن سے تم ناواقف محض ہو۔ یہ حقائق اور یہ مراحل کیا ہیں؟

(الف) آیات قرآنی کی تفسیر۔

(ب) دیگر آیات اسکی تصریح

(ج) روحانیات کی تعلیم

(د) وجدانیات کی تبلیغ

(ھ) تصوف کی تکمیل

یہ پانچوں باتیں مذہب کا فلسفہ یا مذہب کا نچوڑ ہیں۔ یہ فقرہ بالوضاحت اُن فرائض اور اُن ذمہ داریوں کی تشریح کرتا ہے۔ جو رسول کریم پر مولائے کریم نے عائد کر رکھی ہیں اور جن کے مقابلہ میں قدرت نے اُنہیں ایک شاہد صادق اور شاہد ماہر کا رتبہ بخشا تھا۔ اس کی بابت آیت سخت عنوان میں ایک تحدی کے ساتھ یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ جو رسول ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں وہ ہر ایک رنگ میں تم پر شاہد ہوگا۔ معلم حکمت سے اور کون شخص زیادہ تر شاہد ہو سکتا ہے۔ جب بعض لوگ ذرا یہ ذہنی سے یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ رسول کا کام صرف چند آیات قرآنی کا سنا دینا ہی تھا تو ایک حیرت ہوتی ہے جس رسول پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے جسے بار بار الہام ہوتا ہے جو سوائے الہام پانے کے اکثر کام نہیں کرتا اُسکی شان میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صرف ایک رسول تھا بس۔ دیکھتے نہیں کہ اس رسول مقبول کے ذمہ ہمت پر کسقدر فرائض لگائے گئے ہیں۔ بار بار پڑھو۔ وہ آیات جو رسول کے بارے اور رسول کے احترام میں نازل ہوئی ہیں

اُنہیں ان مختلف آیات میں

(۱) معلم آیات

(۲) معلم کتاب

(۳) مزکی

(۴) معلم حکمت

(۵) مبشر

(۶) نذیر

(۷) معلم حقائق مخفیہ

کہا جاتا ہے۔ اور ہم اُن کی خدمات اور اُن کی رسالت کا خاتمہ صرف قرآنی آیات سنانے تک ہی ختم کر دیتے ہیں +

قرآن تو یہ کہتا ہے کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اور ہم کہتے ہیں کہ رسول مقدس کا اسوۂ حسنہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں تھا کہ وہ چند قرآنی آیات سنا کر خاموش رہتے تھے۔ اسوۂ حسنہ کا مفہوم افعال، اعمال اور اقوال تینوں پر حاوی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول مقبول ہم میں ۶۳ سال تک رہے کیا ہے نہ تو اُنہوں نے ہمیں کچھ کہا اور نہ رموز قرآنی کی تشریح کی اور نہ امت کے سوالات کا کوئی جواب دیا۔ خدا تو کہتا ہے۔ ان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول۔ اور ہم یہ تاویل کرتے ہیں کہ نہیں رسول کیطرف جانا درست نہیں۔ کیونکہ اس میں قرآن مجید کی وقعت گھٹتی ہے۔ اگر رسول واقعی کوئی حیثیت نہیں رکھتا تو پھر صرف الی اللہ کہنا ہی کافی تھا۔ رسول کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جب ایک رسول تنازعات میں فیصلہ کر سکتا تھا تو اُس کا صرف قرآن مجید کی آیات کا سنا کر ہی خاموش رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تنازعات کے فیصلہ میں آیات کے سوائے اُن ہی کے تحت کی کُل اور باتیں بھی آجاتی

ہیں وہی رسول کا اسوہ حسنہ اور اقوال واحادیث ہیں مُرَدَّدہ کی ضمیر رسول کی زندگی تک ہی راجع نہیں بلکہ اسکے بعد تک بھی جیسے کہ الی اللہ کی ضمیر یعنی جب کبھی تم میں کوئی بات پیدا ہو تو تم قرآن مجید اور اسوہ حسنہ رسول کیجانب رجوع لاؤ۔ ایسے شاہد صادق کے اسوہ حسنہ پر عملاً غور نہ کرنا اور اُسے چھوڑ دینا وہ کمی ہے جس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوسکتا رہی یہ بات کہ قرآن مجید کے خلاف جو اقوال جو احادیث اور جو اُسوہ ہے اُسکا فیصلہ کیونکر ہو۔ جب قرآن مجید موجود ہے تو پھر اس میں کیا دقت ہے۔ قرآن اول اور احادیث یا اسوہ حسنہ رسول بعد میں۔ کیا رسول اس قرآنی دائرہ سے باہر جاسکتے ہیں؟

ایسے رسول شاہد صادق کے اسوہ حسنہ محققہ کی بابت اعراض دنیا ہی سے نہیں بلکہ خدا سے بھی اعراض ہے۔ جو شخص اپنے رسول کیواسطے اُسکی شہادت کے واسطے غیور نہیں وہ اسلامی نقطۂ خیال سے توجہ کے قابل نہیں۔ **نظم**

در دلم جوشد ثنائے سروے	آنکہ در خوبی نہ دارد ہمسرے
آنکہ مجذوب عنایات حق است	ہم چو طفلِ پروریدہ در برے
آنکہ در... وکرم بحرِ عظیم	آنکہ در لطفِ اتم یکتا دُرے
آں رخ فرخ کہ یک دیدار او	زشت رو را مے کند خوش منظرے
آں دل روشن کہ روشن کردہ است	صد درون تیرہ را چوں اخترے
احمد آخر زماں کز نورِ او	شد دل مردم زخور تاباں تر ے
از بنی آدم فزوں تر در جمال	وز لآلی پاک تر از گوہرے
بر لبش جاری ز حکمت چشمۂ	در دلش پُر از معارف کوثرے
پہلوان حضرت رب جلیل	بر میاں بستہ ز شوکت خنجرے
آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید	کس ندیدہ در جہاں از مادرے
روشنی از وے بہر تار مے رسید	نور او رخشید بر ہر کشورے

آیتِ رحماں برائے ہر بصیر — حجتِ حق بہرِ ہر دیدہ وری
اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر — زیں چہ باشد حجتِ روشن تری
شد عیاں از وے علی وجہ الاتم — جوہرِ انساں کہ بود آں مضمری
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال — لاجرم شد ختم ہر پیغمبری
چشمِ من بسیار گردید و ندید — چشمہ چوں دینِ او صافی تری
سالکاں را نیست غیر از وے امام — رہرواں را نیست جز وے رہبری
نے بہ حلمش کس رسید و نے بزور — در شکستہ کبر ہر مستکبری
او چہ میدارد بروجِ کس نیاز — مدح او خود فخر ہر مدحت گری
اوّل آدم آخر شاں احمد است — اے خنک آنکس کہ بیند آخری

اس رسول شاہد صادق کا قدم قدم اور ایک ایک نقطہ ہمارے واسطے ایک اسوۂ حسنہ اور صراطِ مستقیم ہے۔ رسول کی محبت جو پر خدا کی محبت موقوف ہے اسی صورت میں یقینی ہے کہ جب اسکے افعال اور اقوال ہمارے واسطے ایک سند اور ایک اُسوۂ حسنہ ہوں۔

اگر رسول کے افعال اور رسول کے اقوال ہمارے واسطے سند نہیں ہیں۔ اور ہم اُنکے بغیر اندر نہیں ہو سکتے تو پھر لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ ضم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صرف لا الٰہ الا اللہ ہی کافی ہے۔ محمد رسول اللہ کا ساتھ ضم کیا جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ایک طرف خدائی احکام قرآن مجید واجب العمل ہیں تو دوسری طرف اسوۂ حسنہ رسول بھی واجب التعظیم اور واجب العمل ہے دیکھو کلمہ شریف میں ہی رسول شاہد واقع ہوا ہے۔ جب تک اس شاہد کو ساتھ نہ لیا جائے۔ تب تک کلمہ کی بھی تکمیل نہیں ہوتی۔

مسلمانوں کا ایمان دو ہی جہت رکھتا ہے۔ "اللہ" اور "رسول"۔ جس ایمان

میں رسول کی شق نہیں وہ ایمان ہی نہیں۔ دنیا کی اور قومیں بھی اپنے اپنے رنگ میں ایک خدا مانتی ہیں۔ مگر انہیں اسی واسطے مسلمان نہیں کہتے کہ وہ رسول کریم کی اتباع اور تائید نہیں کرتے۔ اور انہیں ایمان کا جزو نہیں سمجھتے۔ جب رسول کی ذات جزو ایمان ہے تو جو کچھ رسول نے اپنی زندگی میں افعالی۔ اعمالی اور اقوالی رنگ میں کیا ہے اور جو ثابت ہو اسکی تقدیس بھی واجب ہے۔ اور بغیر اسکے گزارہ نہیں۔ اور نہ کوئی مسلمان بغیر اسکے مسلمان ہو سکتا ہے۔ جب تک فلسفہ قرآن کے ساتھ فلسفہ رسول نہ پڑھا جاوے تب تک فلسفہ قرآن بھی پورا پورا سمجھ میں نہیں آتا۔ فلسفہ رسول اسی وقت سمجھ میں آتا ہے۔ جب رسول کے واسطے ہم غیرتمند ہوں۔ رسول کے واسطے غیرتمند ہونا ہی ایمان کا شروع اور ایمان کا خاتمہ ہے ؎

نور شاں یک عالمے را در گرفت	تو ہنوز اے کور در شور و شرے
مے پریدم سوئے کوئے او مدام	من اگر میدہ شتم بال و پرے
ہر کہ بے اوزد قدم در بحر دیں	کرد در اول قدم گم معبرے

سلطان احمد گوجرانوالہ

میلاد نامہ مع رسول بیتی

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی تازہ تصنیف۔ اردو زبان میں آجتک جسقدر مولود کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں یہ کتاب ان سب سے نرالی ہے۔ اور اسمیں تمام معتبر اور صحیح روایتیں جمع کی گئی ہیں۔ آنحضرت صلعم کے بزرگوں کے حالات سے شروع کیا ہے اور ولادت کا بیان نظم و نثر کی زیبایش سے قلمبند کرکے بچپن جوانی کے کل واقعات لکھے ہیں پھر تتمہ الموسوم بہ رسول بیتی میں رسالت سے لیکر وفات تک کے حالات ہیں گویا آنحضرت کی مختصر اور پوری سیر اور سوانحعمری ہے آخر میں آپکے اخلاق و عادات۔ آداب طعام وغیرہ کی کیفیت ہے میلاد نامہ کی زبان آسان اور اسلوب ایسا ہے کہ بچے اور عورتیں بلا تکان پڑھتی چلی جائیں بہت زود فہم ہوئی ہے۔ اور بہ ابہا تمگ چلی آتی ہے قیمت مہ علاوہ محصول

منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کریں

۴۸۶

کامل و مکمل انسان

اس خیال والوں کی کبھی کمی نہیں رہی کہ مذہب ایک اصولی شے ہے۔ اور انسانی بادی بغیر مذہب کے بھی عمدہ اور کامیاب زندگی بسر کرسکتی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ عقل خود ایک رہبر ہے۔ اچھے برے میں تمیز کرسکتی ہے۔ مضار و مفاد اور معائب و محاسن کو پہچانتی ہے۔ اور انسان کو صراط مستقیم پر چلانے کی قوت رکھتی ہے۔ اس لیے کسی خارجی قوت کی ضرورت نہیں کہ وہ ان کی رہنمائی کرے۔ عقل کا فتوے ہمیشہ درست اور صحیح ہوتا ہے۔ اُس میں غلطی کا امکان نہیں ہے +

اس خیال کی صحت پر وہ ایسے لوگوں کی مثالیں بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں جو مذہب کو لغو اور فضول سمجھنے کے باوجود پاکیزہ اخلاق رکھتے تھے۔ اور صفات حمیدہ سے انکی زندگی من کل الوجوہ مزین و مرصع۔ اور بہت سے قائلین و متبعین مذہب سے انکی اخلاقی حالت بہتر و افضل تھی +

یہاں تک بھی کوئی حرج نہ تھا۔ اگر عقل سلیم کو ہی رہبر و رہنما تسلیم کرلیا جاتا اور اُسکو ہی رشد و ہدایت کا ایک ذریعہ کہا جاتا۔ مگر ستم تو یہ ہے کہ مذہب کو بالکل دور انکار بلکہ مضر اور غیر مفید بتایا جاتا ہے۔ اور اسکو ناقض امن، محرک شر، اور جہالت و تاریکی کا قائم مقام کہکر مشاورت عقل کو کافی تسلیم کیا جاتا ہے +

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ عقل سلیم انسانی رشد و ہدایت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اور اسمیں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ ضلالت و گمراہی اور حق و صداقت کو جدا جدا کردے مگر مشکل یہ ہے کہ اول تو عقول ہی میں تفاوت ہے۔ اگرچہ بعض کا ایک طبقہ ایسا ضرور ہے جو یہ کہتا ہے کہ تمام عقول انسانی مساوی پیدا کی گئی ہیں بعد میں علم و تجربہ انکو جدا کردیتا ہے مگر

ایک بڑا گروہ اس خیال کا موید ہے کہ خود عقول بھی تفاوت درجات انسانوں میں رکھی جاتی ہے۔ اور علم و تجربہ کے بعد بھی انمیں تفاوت باقی رہتا ہے اور مساوات قائم نہیں ہوتی اب اگر پہلا قول تسلیم کرلیا جائے کہ عقل میں کوئی تفاوت فطرتاً نہیں ہوتا جب بھی کم از کم یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بغیر علم و تجربہ کے کوئی عقل انسانی قابل وثوق رشد و ہدایت کا سامان فراہم نہیں کرسکتی۔ اور ظاہر ہے کہ ہر انسان اسقدر علم و تجربہ حاصل نہیں کرسکتا کہ وہ افلاطون ثانی اور ارسطوئے زمان ہوجائے اگر ایسا ہوتا تو ہر پتہ ہے لگے انسان کو ارسطو اور افلاطون کا دل و دماغ کا مالک ہونا چاہیئے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ دنیا میں ہمیشہ ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ رہی ہے اور رہے گی جو عقل سلیم سے بے بہرہ یا کم از کم اصابت رائے کی قوت سے محروم ہوتے ہیں۔

جب عقل انسانی کی یہ کیفیت ہے کہ ہزار میں پانچ آدمی بھی مشکل ایسے پیدا ہوتے ہیں جو کسی نازک و پیچیدہ مسئلہ پر صحیح رائے قائم کرسکیں تو تمام عالم انسانیت کے لیئے صرف عقل کو کس طرح ذریعہ ہدایت بنایا جاسکتا ہے۔

اسکے علاوہ خود دنیائے علم و عقل میں اختلافات کا ایک طوفان عظیم برپا ہے ایک طبقہ دوسرے گروہ کے مسلمات کو جو ناقابل تردید دلائل پر مبنی ہوتے ہیں اس قسم کے عقلی براہین سے غلط قرار دیتا ہے۔ آج اقلیم تفلسف میں ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جسپر کلیتہً تمام طبقات حکما کا اتفاق ہو۔ بلکہ بخلاف اسکے ویسے ہی مدلل اور رفیع عقلی دلائل سے ہر مسئلہ کی دوسرے گروہ کی طرف سے تردید کردیگئی ہے۔

اسکو بھی جانے دیجے۔ فلسفہ کو لیجئے جس کی بنیاد تمامتر عقل پر ہے مگر کسقدر حیرت ہے کہ کل تک جو مسلمات مسائل فلسفہ کی جان اور بالکل صحیح و درست تسلیم کیئے جاتے تھے آج اُن کا بطلان ہوگیا۔ اور تمام عالم اسکے غلط ہونے پر متفق و متحد ہے۔ جب فلسفہ کی بنیاد ظن و قیاس پر ہے۔ اور آج جو مسئلہ صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ کل غلط ہوجاتا ہے

تو عام عقول کا کیا ٹھیک ہے۔ اور وہ کیونکر صحیح راہ ہدایت کی تلاش و جستجو میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔

اصل یہ ہے کہ دنیائے علم و عقل بوجہ اپنے اختلافات اور تفاوت عقول کے عملاً رشد و ہدایت سے عاجز ہے۔ اگر آج مذہب کی قیود اٹھالی جائیں تو ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو جائے۔ ہر شخص خود مختارانہ اپنی عقل کو صائب اور اسکے فتوے کو سب سے زیادہ صحیح سمجھنے لگے۔ کیونکہ جب عقل محض معیار صحت قرار دیجائے گی تو اسکا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ ہر ناکس و کس کو اپنی عقل پر اعتماد ہوگا اور وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں صرف اپنی عقلی مشاورت عقل کو کافی سمجھے گا۔

اگر تفاوت عقول کو نظر انداز بھی کر دیا جائے۔ اور اس امر کو تسلیم کر لیا جائے کہ دنیا کی آبادی علم و تجربہ سے اس درجہ تک ترقی حاصل کر سکتی ہے کہ ہر شخص میں حق و باطل اور عیب و صواب کو جدا کرنے کی قوت تمیزی پیدا ہو جائے گی تو اس کا کیا جواب ہے کہ جذبات متضادہ اور عقول انسانی کا تباین و تعاکس بھی رفع ہو جائے گا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ شراب کا پینا سخت مضر ہے۔ ہزاروں لاکھوں دلیلوں سے اسکی حرمت ثابت ہے۔ مگر بایں ہمہ حظ نفس کی خواہش اسپر غالب آتی ہے۔ لاکھ عقلی دلیلیں ایک طرف ایک نفسانی خواہش ایک طرف۔ اسی طرح ہزاروں معائب ہیں جن کو عقل بھی مذموم ٹھیراتی ہے مگر غریب جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے۔

ہزاروں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ دنیائے علم و عقل کی ضرب المثل ہستیاں خواہش نفس سے مجبور ہو کر مذموم عقلی معائب میں مبتلا ہو گئیں مثلاً سقراط و افلاطون وغیرہ جب ان حضرات کی یہ کیفیت ہے کہ جذبات سے مغلوب ہو کر عقل کی مشاورت سے جدا ہو گئے تو دوسرے کم درجہ لوگوں کا کیا اعتبار۔

ایک شخص نہایت دانشمند اور نیک ہے۔ اور ہر امر کے خطا و صواب کو اچھی طرح جانتا ہے

مگر جب خلوتکدۂ نیاز میں پہنچتا ہے تو ایک حسین و جمیل عورت بانہزاران ناز و کرشمہ اور ناصیہ زیبائی و رعنائی اسکو ناجائز طور سے اپنی طرف راغب کرنا چاہتی ہے موقع ایسا ہے کہ کبھی کسیکو کانوں کان خبر نہیں ہوسکتی۔ رسوائی و ذلت کا کوئی اندیشہ نہیں خدا کا خوف پہلے ہی سے ندارد ہے۔ صرف عقل اس فعل کو مذموم قرار دیتی ہے۔ لیکن اسکے جذبات مجبور کر رہے ہیں۔ اب ایسے وقت میں فرمائیے کونسی قوت اسکو باز رکھ سکتی ہے یقیناً سوائے مذہب کے کوئی نہیں۔ کیوں کہ مذہب اس دنیا کے علاوہ ایک دوسری دار آخرت بتلاتا ہے۔ جہاں حسن و قبح کی سزا اور جزا مقدر ہے۔ چونکہ وہ خوف ہر طرح کی خلوت میں بھی قائم رہتا ہے۔ اسلئے وہ ایسے نازک مواقع پر انسان کے جذبات بہیمیہ غالب آجاتا ہے۔ بخلاف عقل کے کہ اسکی قوت بسا اوقات جذبات سے مغلوب ہوجاتی ہے۔ لہذا عالم عالم انسانیت کے لیئے ضروری ہوا کہ اُن کی رشد و ہدایت کا کوئی ایسا موثر ذریعہ ہو جو ہر اعلےٰ اور ادنےٰ اور ہر خاص و عام کو صراط مستقیم پر رکھے۔ جو قوتیں قدرت نے انسان میں ودیعت کی ہیں انکو اعتدال پر رکھکر ایسی زندگی بسر کرے جو ہر طرح مفید اور منشائے فطرۃ صحیحہ کے مطابق ہو ایسی موثر قوت جو ہر حالت میں خواہ خلوت ہو یا جلوت مجمع ہو یا تنہائی۔ انسان کے قوائے متضادہ کو معتدل حالت میں رکھے صرف مذہب ہے۔ چونکہ مذہب کا نشو و نما ہمیشہ معجزانہ حیثیت اور مافوق العادۃ طریق سے ہوتا ہے۔ اس لیئے طبائع انسانی پر اسکا اثر نہایت مستحکم اور مستقل ہوتا ہے۔ اور محض اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ اپنے رسول اور پیغامبر کو اسطرح پر مبعوث فرماتا ہے کہ اسکے احکام و اوامر کی تصدیق کرنی عقلاً واجب ہو۔ یعنی بغیر کسب و کوشش اور بلا ریاض و محنت محض اپنے فضل و کرام سے اپنے بندوں میں سے کسیکو اپنی رسالت کیلئے چن لیتا ہے اور اُس سے علم و حکمت کے ایسے ایسے مسائل بیان کراتا ہے جو کسب و ریاض کے بعد بھی حاصل چونکہ عقل و دانائی کی باتیں نیز کامل قانون بتلانا بغیر کسی دارالحکمۃ میں نوی ادب کئے اور عقلاء کی صحبت سے مستفید ہوئے اور درس و تدریس کے ناممکن اسلیئے اگر ایسی باتیں کسی اُمّی محض کیجانب سے سُنی جائیں تو یہ بدیہی محال ہوتا ہے اور عقلاً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ شخص یقینی رسول اور خدا کا پیغامبر و قاصد ہے۔

مجکو نہیں معلوم کہ دوسرے مذاہب رسالت کو بغیر کسب و ریاض کے محض فضل ایزدی اور موہبت الٰہی پر مبنی سمجھتے ہیں یا کیا۔ لیکن مسلمانوں کا یہ سچا عقیدہ ہے کہ رسول یا نبی کے لیے کسب و کوشش کی ضرورت نہیں بلکہ سعی و کوشش محض بیکار ہے۔ جس کو خدائے تعالیٰ چاہتا ہے۔ اُسکو اس مرتبہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور یہ اسکی عادت جاریہ ہے کہ وہ ایسے علیم الحکیم طریقہ سے اپنے رسول کو مبعوث فرماتا ہے کہ اسکے منجانب اللہ مامور ہونے میں کسیکو کلام نہیں ہو سکتا۔ یعنی کسی ایسے وجود کو منتخب کر لیتا ہے جو نہ تو کبھی کسی بیت الحکمت میں گیا نہ عقلاء کی صحبت اختیار کی نہ انکی کتابوں سے استفادہ کیا۔ لیکن جب درجۂ نبوت سے سرفراز ہوا تو جسقدر کسب و ریاض سے لوگوں نے علم و حکمت حاصل کیا تھا وہ سب سے بڑھ گیا۔

چنانچہ امام غزالیؒ معارج القدس میں فرماتے ہیں۔ اعلم ان الرسالۃ اثرۃ علویۃ وخطوۃ ربانیۃ وعطیۃ الٰھیۃ لا یکتسب بجھد ولا ینال بکسب اللہ اعلم حیث یجعل رسالۃ۔ یعنی رسالت ایک علوی اثر ہے۔ ایک ربانی امر ہے اور ایک الٰہی عطیہ ہے۔ نہ تو یہ کوشش سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسب سے پایا جا سکتا ہے۔ اور اسی کو جانتا ہے کہ وہ کس طرح رسالت سے سرفراز فرماتا ہے۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ النبی متوسط الامر کما ان الملک متوسط الخلق والامر کما اوحی فی سماء امرھا بواسطۃ ملک کذلک اوحی فی کل زمان امرہ بواسطۃ نبی فذلک ھو التقدیر وھذا ھو التکلیف۔ یعنی رسول خدا کا حکم پہنچانے میں واسطہ ہوتا ہے۔ اور جس طرح فرشتہ کی وساطت سے تمام آسمانوں میں اُسکے حکم کی وحی کی اسی طرح ایک نبی کی وساطت سے ہر زمانہ میں اپنے امر کی وحی کی۔ پس پہلی وحی تقدیر ہے اور دوسری تکلیف۔

امام ابن حزم ملل و نحل میں فرماتے ہیں۔ وھی (ای النبوۃ) بعثۃ قوم قد خصھم

اللہ تعالیٰ بالفضیلۃ لا بعلۃ الا انہ شاء ذالک فعلھم اللہ العلم بدون تعلم ولا تنقل فی مرا ولا طلب لہ۔ یعنی نبوت ایک گروہ کا مبعوث کرنا ہے جنکو خدائے تعالیٰ نے فضیلت کے ساتھ مخصوص کردیا ہے۔ لیکن کسی سبب کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیئے کہ وہ ایسا چاہتا ہے۔ سو خدا انکو علم سکھاتا ہے بغیر تعلیم کے اور بغیر درجہ بدرجہ ترقی کرنیکے۔ اور بغیر تلاش و طلب کے *

غرضیکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسالت و نبوت محض اللہ کے فضل پر منحصر ہے کسب و تلاش سے نہیں مل سکتی۔ اور اس کی غرض و غایت سوائے اسکے کچھ نہیں تاکہ رسول کی بعثت ایک معجزانہ حیثیت اختیار کرلے تاکہ لوگ اُسکے افعال و اقوال کی تقلید و اتباع میں زیادہ بجوع ہوں اور یہ شبہ باقی نہ رہے کہ یہ منجانب اللہ مامور نہیں ہے جب لوگوں کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ اللہ کا رسول ہے تو فطرۃً خلق اللہ اسکی طرف رجوع ہوتی ہے۔ اور اسکے اقوال و افعال اور احکام و اوامر کی تصدیق و تقلید کرتی ہے۔

چونکہ نبی اللہ کی طرف سے مامور ہوتا ہے۔ اور وہ بالواسطہ ملک علام الغیوب کی تقلید ہوتا ہے۔ اس لیے اُس کی تعلیم میں نقص کا شبہہ نہیں ہوتا نہ عقلاً نہ فطرۃً اسکی تعلیم غلط ہوتی ہے۔ بلکہ اسکی تعلیم عین حکمت اور اُسکے احکام از سرتاپا مطابق فطرۃ ہوتے ہیں *

اس لیئے دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کرجائے۔ اور اُسکی دماغی اور ذہنی قوائے خواہ کسقدر عروج و ارتقا کے منازل طے کرلیں، سائنس و فلسفہ خواہ بالکل بے شبہہ اصولوں پر قائم و مستحکم ہوجائے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہ مذہب اور اُسکے انسانیت بخش قوانین سے مستغنی اور آزاد ہوجائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جسقدر فلسفہ کی بنیادیں صحیح اصولوں پر قائم ہوتی جائینگی۔ اسیقدر مذہب کی ضرورت اور زیادہ بڑھتی جائے گی اور اسکی حقانیت کے اور زیادہ مستحکم ثبوت بہم پہنچتے جائینگے۔ کیونکہ فلسفہ کے آخری نتائج اگر عقل سلیم پیشہ

* شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں بھی خیال ظاہر فرمایا ہے *

رفیق رہی ہو تو عموماً خدا ترسی و خدا شناسی کی صورت میں جلوہ طراز ہوا کرتے ہیں لیکن ایسی مقدس ہستیاں اور ایسے مبارک وجود اس نیلگوں آسمان کے نیچے ہمیشہ کم رہے ہیں۔ اور ہمیشہ کم رہیں گے جو خداوند علیم و حکیم کی عطا کی ہوئی بصیرت و بصارت سے اسکے فطری مقتضا کے مطابق کام لیں اور نواسیس فطرت کے تدبر و تفکر سے معرفت الٰہی کے منازل طے کریں۔

اس لیے فطرۃ انسانی کو صحیح راستہ پر لانے اور چلانے کے لیے ہمیشہ مذہب کی ضرورت رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی تاکہ انسان کے وہ اخلاق متضادہ جو قدرت نے ودیعت فرمائے ہیں۔ مذہب کی موثر تعلیم سے ایک ایسے معیار پر آجائیں کہ اسکی انسانیت بدرجۂ اتم تکمیل کو پہنچ جائے۔

ظاہر ہے کہ اس طبقہ مرسلین میں جو وجود اور ہستی بدرجۂ کمال انسانیت میں اکمل و ممتاز ہوگی۔ اسیکا پیشکردہ مذہب تمام بنی نوع انسان کے لیے تکمیل انسانیت کا بھی ضامن ہوگا۔

لیکن اہل مذہب اقوام میں ایسی قوم کوئی نہیں ہے جو اپنے ہادی و مصلح کو مکمل انسان نہ سمجھتی ہو۔ اس لیے یہ دعوے کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے زائد مکمل و کامل تھے۔ اول تو ایک طرح کی سوء ادبی ہے۔ دوسرے غیر مسلم اقوام اسکو تسلیم بھی نہیں کر سکتیں۔

لیکن ہم رسول عربی کی شخصیت کو اس طرح نمایاں نہیں کرتے کہ دوسروں کی اس سے تنقیص لازم آتی ہو بلکہ ہم اسوجہ سے رسول عربی صلعم کو سب سے زیادہ کامل و مکمل سمجھتے ہیں کہ ان کی بعثت مقدسہ ایسے وقت میں ہوئی جبکہ انسانیت تمدن بھی ترقی کرکے اپنے فطری منشا تک پہنچ چکی تھی۔ اور جب عالم انسانیت اپنے تمام قوائے عقلی و ذہنی و مادی و روحانی کے اعتبار سے درجۂ کمال تک پہنچ گئی۔ اسوقت ہمارے

رسول مبعوث ہوئے۔ اور ایسی شریعت انکو دیگئی جو اس حالت کے لیئے موزوں و مناسب تھی بخلاف پہلے رسولوں اور نبیوں کے چونکہ اُن کے زمانے میں انسانیت دورِ ارتقار سے گزر رہی تھی۔ اور عالم انسانیت کے درجۂ تکمیل تک ترقی نہیں کر چکی تھی اسلیئے اُن کو ایسی شریعت نہ دیگئی جو اس زمانے کے مناسب حال تھی یہی وجہ ہے کہ جب کبھی دنیا دورِ ارتقار کی ایک منزل سے گزر کر کسی دوسری منزل میں پہنچی تو مشیت الٰہی نے اُن کی ہدایت کے لیئے ایک نبی مبعوث فرمایا +

چنانچہ یکے بعد دیگرے جوں جوں انسانی حالت میں ترقی رونما ہوتی گئی انبیار و رسل مبعوث ہوتے گئے اور شرائع میں بھی اسی نسبت سے ہدایت عامہ کی صلاحیت خدائے تعالیٰ پیدا کرتا گیا۔ یہاں تک کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُسوقت مبعوث کیئے گئے۔ جب دنیا ترقی کرتے کرتے آخری نقطۂ انسانیت پر پہنچکر ٹھیر گئی چونکہ شریعت احکام الٰہیہ اور افعال و اقوال رسل کا نام ہے اس لیئے ہر زمانہ میں خداوندی احکام بندوں کی حالت کے مطابق نازل ہوتے رہے۔ اور انبیار و رسل سے بھی وہی افعال و اقوال صادر ہوئے جن کی ضرورت اُس زمانے میں واقع ہوئی +

اس لیئے ہم فی نفسہٖ اپنے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں پر ترجیح نہیں دیتے بلکہ محض اسوجہ سے کہ اُن کو قدرت نے ایسا موقع عطا فرمایا جس میں وہ مکمل طور سے ترقی یافتہ[1] عالم انسانیت کے لیئے ایک مکمل شریعت پیش کر سکے۔ اور ایسے اقوال و افعال کا صدور خدائے تعالیٰ نے اُن سے کرایا کہ وہ کامل و مکمل اسوۂ حسنہ بن گئے۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا رسول اُسوقت مبعوث ہوتا تو یقیناً اسکے ذریعہ بھی ایسی ہی شریعت خدا کی طرف سے پیش کیجاتی اور اُس سے بھی ایسے ہی اخلاق فاضلہ کا صدور ہوتا۔ کیونکہ اُس وقت دنیا کو ایک

[1] انسانی ترقی سے مراد صرف اخلاق و تمدن کی ترقی نہیں ہے بلکہ انسانی طبیعت کی ترقی مقصود ہے جو اصول ارتقار کے ماتحت تدریجی طور سے اُس نے قرنہا قرن میں حاصل کی ہے جیسا کہ موجودہ فلاسفہ مغرب کا خیال ہے اور بعض امور کو نظر انداز کرنے کے بعد یہ رائے بہت حد تک درست ہے "

ایسی ہی شریعت اور ایسے ہی اسوۂ حسنہ کی ضرورت تھی جو ہر طرح پر کامل ترقی یافتہ انسان کے لیے ذریعۂ ہدایت بن سکے۔ یعنی ہم یہ نہیں سمجھتے کہ دوسرے انبیاء و رسل میں ایسی شریعت پیش کرنے کی صلاحیت نہ تھی یا جن اخلاق فاضلہ کا ظہور رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ دوسرے اس سے محروم تھے۔ نہیں بلکہ صلاحیت تو تھی مگر اُس وقت ضرورت نہ تھی۔ اور اُن میں یہ تمام اخلاق فاضلہ موجود تو تھے مگر اُن کے اظہار کا انکو اس وجہ سے موقع نہیں ملا کہ اُس وقت کی اقوام و اُمم کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی۔

غرضکہ ہمارے رسولؐ کو صرف اس وجہ سے فضلیت حاصل ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو تکمیل شریعت کے لیے آخر میں مبعوث فرمایا اور ایسا وقت و موقع عطا فرمایا کہ نسبتاً مکمل تر شریعت آپ پیش کر سکے۔ اور ان اخلاق فاضلہ کا اظہار بھی آپ فرما سکے جو دوسرے بوجہ ناموزونیت وقت نہ کر سکے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم تمام سابق انبیاء و رسلؑ کی تقدیس کو فرض سمجھتے اور اُن کی شریعتوں کو جانب اللہ یقین کرتے ہیں۔ لیکن عالم انسانیت کے تغیر و انقلاب کی وجہ سے اُسکو ناکافی اور موجودہ زمانہ کے لیے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

بہرحال اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ہم اپنے رسولِ عرب اور ہادیٔ اعظمؐ کی فضلیت کا جہاں کہیں بھی ذکر کریں گے اُسکا مطلب یہی ہوگا کہ آپ کو خدائے قدوس نے ایسا موقع عطا کیا کہ آپ تکمیل انسانیت کا مظہر بن کر دنیا میں جلوہ طراز ہوئے۔ قرآن حکیم میں یہی ارشاد ہوا ہے کہ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض۔ اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ صفات کمال کے اظہار کے مواقع کسی کو کم ملے کسی کو زیادہ اور کسی کو پورا پورا موقع ملا۔

اس بحث کے بعد اب ہمارا یہ دعوےٰ اگر واقعات کو پیش نظر رکھا جائے تو غلط

نہیں ہو سکتا کہ ہمارے رسول اللہ مکمل انسان تھے۔ اور ان کی لائی ہوئی شریعت اسی انسان کامل کا پیش کیا ہوا اسوۂ حسنہ تمام عالم انسانیت کی ہدایت یابی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ انبیاء و مرسلین میں سے جسکو ہر قسم کے اخلاق کی تکمیل کے مواقع زیادہ ملیں گے۔ اسیکا اسوۂ حسنہ زیادہ مکمل ہوگا۔ اور چونکہ ہمارے نبی کریم خاتم الانبیاء تھے۔ اس لیے رسل سابقین کے اخلاق و احکام کے اظہار کے علاوہ آپ نے دوسرے اعلیٰ اخلاق کا بھی اظہار کرایا گیا۔ تاکہ شریعت مکمل ہو جائے اور ایسا اسوۂ حسنہ قائم ہو جائے جو آئندہ ہر زمانہ کے لیے موجب ہدایت بن سکے۔

ہمارا یہ دعوے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت انسان کے کامل و مکمل تھے اس کی تصدیق حضور کے سوانح طیبہ سے ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کی کوئی سی شاخ لے لیجئے۔ ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں آپ کا اسوۂ حسنہ کمال تعدیل و اعتدال کے ساتھ رہنمائی نہ کرتا ہو۔

مذہب کے اہم اجزاء دو ہیں۔ عقائد و اعمال۔ عقائد کو دیکھئے کہ جسقدر اہتمام کے ساتھ حضور نے توحید خالص کو پیش کیا۔ کسی نبی نے نہیں کیا۔ قرآن حکیم کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس میں توحید کو واضح اور روشن دلائل سے ثابت نہ کیا گیا ہو۔ یہ اسلام ہی کی تعلیم کی برکت ہے کہ آج بت پرست قومیں بھی توحید کی کسی نہ کسی رنگ میں قائل ہیں۔ حضور روحی فداہ نے عبد و معبود کے تعلق کو الگ کر کے ان تمام مفاسد کا انسداد کر دیا جو توحید خالص کو غیر اللہ کی شرکت سے آلودہ کر دیتے تھے۔ اور اس امر میں یہاں تک قدغن فرمایا کہ اپنی پوزیشن کی نسبت بھی کسی قسم کے شبہ کی گنجایش باقی نہ چھوڑی۔ یعنی توحید و رسالت کو صاف صاف الگ الگ ظاہر فرما دیا۔ انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ۔ اور عبدہٗ و رسولہٗ کے درس کو اس بلند آہنگی کیساتھ بلند کیا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس غلط بحث کا انسداد ہو گیا۔ آج کچھ اوپر سوا تیرہ

صدیاں گزرنے کے بعد بھی ایک وجود ایسا پیدا نہیں ہوا جسنے رسالت کو توحید کے اندر شامل کرکے خداوند وحدہ لاشریک لہٗ کی توحید کو دوئی سے الوہیت کیا ہو۔ اسی طرح اعمال میں افراط و تفریط کو مٹاکر اعتدال و تعدیل قائم کی۔ معاش و معاد کی راہیں بتائیں۔ اور اُنکے لیے ایسے قوانین مقرر فرمائے جو نہ صرف ممکن العمل تھے بلکہ عملاً واجب العمل بھی تھے اور ہیں اور رہیں گے۔

آپ کی حیات مقدسہ از سرتا پا اصلاح تھی تمام عمر کبھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا۔ جس میں ہدایت انسانی کی صلاحیت نہو۔ یا انسانی زندگی کا کوئی شعبہ آپ کی رہنمائی سے تشنہ ہو۔ اگر حضور کے اسوۂ حسنہ کی اتباع و پیروی کیجائے تو بیک وقت دینی و دنیاوی ترقی انسان حاصل کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کسی حیثیت سے نامکمل نہیں۔ اگر ان اخلاق کو لیجئے جو راہ معاد کی منازل کی ترقی کا زینہ ہیں۔ مثلاً حلم و تواضع۔ رحم و رافت۔ جود و کرم۔ عفت و عصمت انتقار و ورع۔ خوف و خشیت۔ زہد و تقوےٰ۔ تو ان صفات کے آپ پیکر اعظم تھے سیر و تاریخ کی کتابیں اس قسم کے محامد و فضائل سے معمور ہیں۔ حلم و تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ سخت سے سخت اور درشت سے درشت باتیں آپ کمال خندہ پیشانی سے سُن لیتے تھے۔ ایک مثال ایسی نہیں پیش کی جاسکتی کہ بے ادب کفار کی گستاخیوں کا آپنے ویسا ہی سخت جواب دیا ہو۔ رحم و رافت کی یہ حالت تھی کہ اُن دشمنان و اعدا سے کبھی انتقام کی خواہش تک نہیں کی جو حضورؐ کو طرح طرح کی روحانی و جسمانی تکالیف پہنچایا کرتے تھے۔ جود و کرم کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی آپ کے در سے محروم نہیں پھرا یہاں تک کہ اگر کچھ پاس نہوا تو فرمادیا کہ میرے نام سے قرض لیلو جس وقت ہوگا میں ادا کردوں گا۔ بعض لوگ بے ادبانہ اور سخت گستاخانہ سوال کرتے تھے مثلاً ایک شخص نے کہا کہ اے محمد یہ مال اللہ کا ہے۔ کچھ تیرے باپ کا نہیں ہے جو تو

اس قدر مجھکو بھی دے۔ چنانچہ آپنے اُس کی گستاخی کو نہایت تحمل و بردباری سے سُنا۔ اور فرمایا۔ سچ ہی۔ یہ سب مال و منال اللہ کا ہی۔ اس کے بعد جسقدر وہ طلب کرتا تھا اُس سے زیادہ عطا فرماکر اُسکو رخصت کر دیا۔ عفت و عصمت کی نسبت معاند سے معاند دشمن سے دشمن اور سخت بدبین و عیب چین گمراہوں نے بھی کبھی اس قسم کا شبہہ ظاہر نہیں کیا۔ زہد و تقوے۔ ورع و اتقا کا یہ عالم تھا کہ رات رات بھر نوافل میں گزار دیتے تھے۔ یہاں تک کہ پائے مبارک ورم کرتے تھے۔ خوف و خشیت کی یہ کیفیت تھی کہ اکثر باوجود وعدۂ جنت کے رویا کرتے تھے۔ یہانتک کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوجاتی تھی۔

دوسری طرف ان اخلاق کو لیجئے جو حیات معاشی کے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ مثلاً شجاعت و دلیری۔ عزم و استقلال۔ محنت و مشقت۔ ہمت و جرأت۔ جوش و ولولہ۔ تدبر و تفکر۔ حزم و احتیاط وغیرہ۔ ان میں سے ہر ہر صفت کے اظہار کا موقع حضورؐ کو ملا۔ اور آپنے ہر قوت کے استعمال میں دنیا کو یہ بتلادیا کہ قوائے فطری کو مقتضائے فطرت کے مطابق اس طرح استعمال کرنا چاہیئے۔

غرضکہ حضورؐ میں وہ تمام قوتیں موجود تھیں جو ایک مکمل انسان میں ہوتی ہیں اور ان سب کے استعمال کے مواقع آپکو عطا کئے گئے تھے اور آپنے انکو علی وجہ البصیرت بالکل فطرۂ سلیمہ کے مطابق استعمال کرکے عالم انسانیت کے لیئے اسوۂ حسنہ قائم کر دیا۔ آپ اگر ایک طرف محفل معاد کی رہنمائی کی شان میں سراج منیر اور نور مبین کے خلعت سے سرفراز تھے تو دوسری طرف فکر معاش کے رہبر اعظم تھے۔ دنیائے نبوت و عہد رسالت کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ اس شان کمال اور اس علوئے مرتبت کا کوئی دوسرا وجود اس دنیا میں نہیں پیدا کیا گیا۔ وہ مسیح ابن مریمؑ کی طرح محض رہبان نہ تھے کہ تمام عمر گدایانہ زندگی بسر کرنے کا وعظ کہتے رہے۔ بلکہ وہ تمام قوائے

فطری سے کام لیتے۔ اور اسکو باحسن وجوہ اعتدال پر لانے کی ہدایت فرماتے رہے۔
اگر چشم انسانیت تعصب سے کور نہیں ہوئی تو رسول اللہ کی حیات مقدس کو دیکھو کہ
انسانیت کے تمام اوصاف حمیدہ سے کسقدر معمور ہے۔ بدیں سے بدیں موجود بھی کوئی
نقص کوئی عیب ایسا نہیں بتلا سکتا۔ جو اعلیٰ انسانیت کی معیار سے گری ہوئی ہو کوئی
شخص ہزار سعی و کوشش کرے مگر ایک مثال بھی ایسی نہیں پیش کر سکتا جو معقولیت
کے ساتھ اعلیٰ معیار کو ملحوظ رکھکر آپکے مقابلہ میں لائی جا سکے۔

دنیاوی تدبر میں دنیا کی کوئی ہستی اس ذات پاک کا مقابلہ نہیں کر سکتی
جس نے عرب چرواہوں کو حکمرانی کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچا دیا۔ اور ایسے زریں و بیش بہا
اصول حکومت کے تعلیم فرمائے کہ دنیا باایں ہمہ ادعائے ترقی و عروج آج تک اس سے
بہتر کیا معنی اسکے برابر بھی نہ پیش کر سکی۔ عبد و معبود کے تعلقات کو ایسے خوشگوار
طریقہ سے ذہن نشین کرایا کہ صدیوں کی ضلالت و گمراہی لمحوں میں کافور ہو گئی۔ وہی
خاک ضلالت جو ہر قسم کے معائب و ذمائم کا معدن تھی۔ چند برسوں میں یکسر اقلیم سعادت
بن گئی۔ وہ ارض پاک جو انسانی گمراہیوں سے جہنم کدہ بن گئی تھی۔ اسی ایک انسان
کے انفاس قدسی سے بہشت زار ہدایت بن گئی۔

وہ وحشی قوم جو بھائیوں کا خون بہانا ایک معمولی کام سمجھتی تھی۔ ایسی متمدن
ہو گئی کہ دنیا کی کھوئی ہوئی امن و سلامتی کو پھر دوبارہ قائم کر دیا۔ اور خود ہی امن و
سلام کے محافظ بن گئے۔ علم و حکمت جسکا جنازہ مسیحیوں کی جہالت سے اٹھ چکا تھا
اس معلم حکمت کی تعلیم سے پھر دنیا اس سے روشناس ہوئی۔

یہ اسی ایک ہادی اعظم کی معجز نمائیاں تھیں جسکو قدرت نے وہ تمام صفات
کمال عطا فرمائے تھے جو انسانیت کے برتر سے کے لیے لازم و مخصوص ہیں۔

دنیائے ہدایت پر تم ایک وجود بھی ایسا نہیں بتا سکتے جسکو اپنے کاروبار ہدایت

میں اسقدر جلد اور اسقدر وسیع کامیابی حاصل ہوئی ہو۔ یہ کیوں؟ محض اس لیئے کہ خداوند قدوس نے اپنے رسول عرب کو تمام قوتیں عطا فرمائیں۔ اور ان قوتوں کو بطریق احسن اس ہادی اعظم سے صادر کرایا۔

ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاق فرمائیاں چھپی ڈھکی نہیں ہیں تاریخ و سیر کی کتابیں اسکی شاہد ہیں بلکہ غیر مسلم اقوام کی تاریخیں بھی باوجود انتہائے تعصب کے انکے فضائل و محامد سے معمور ہیں۔

اگر ایک یتیم کو دیکھکر حضورؐ کے دریائے رحمت و رافت میں بیتابانہ جوش آجاتا تھا تو ساتھ ہی ضلالت و گمراہی کے مقابلہ میں کوہ استقلال تھے اور اسکے لیئے کوئی رحم نہ تھا۔

وہ عفو و کرم کے بادشاہ اور بخشش و عطا کے شاہنشاہ تھے۔ لیکن حدود اللہ کے جاری کرنے میں عدل و معدلت گستری کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا حلیم و بردبار تھے مگر ضلالت و عدوان کے مقابلہ میں کبھی عجز کا اظہار نہیں کیا۔ اور حق و صداقت کے نشر و اعلان میں ائمۃ الکفر کی ابلیسانہ مخالفتوں کے باوجود بھی کبھی نہیں رکے۔

فیاض تھے مگر مسرف نہ تھے۔ رحم و رافت کے پیکر تھے مگر خدائی مجرم کیلئے نہیں۔ شجاع و بہادر تھے مگر اظہار حق کے لیئے عادل تھے لیکن صرف مسلمانوں کے لیئے نہیں۔ رحیم و کریم تھے مگر تمام عالم کے لیئے۔ فاتح تھے مگر مفتوح کے لیئے سراپا لطف و کرم۔ دشمنان حق و آپ پر خداوند قدوس کی نصرت بخششوں کے ساتھ غالب ہوئے مگر مظلومیت کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح پیش آئے۔ جیسا کہ کریم ابن کریم پیش آیا کرتے ہیں۔ سختی و سچائی کے دشمن کو جس طرح کبھی معاف نہیں کیا۔ اسیطرح اپنے ذاتی اغراض سے کبھی بدلہ لینے کی خواہش نہیں کی۔ تکلیفیں اٹھائیں مگر کبھی انتقام

نہیں لیا تاہم انتقام کو ناجائز نہیں بتلایا۔ کیونکہ اقتضائے فطرت کے مطابق تھا اور فیصلہ عرب کا وہ ہادی اعظم جو ابراہیم کی دعا اور مسیح کی خوشخبری سے فاران کی چوٹیوں اور غار حرا کی تنہائیوں میں نبوت کے خلعت سے سرفراز ہو کر ظلمت آباد دنیا کی ہدایت فرمائی کے لیے آیا تو ہر حیثیت سے مکمل تھا اسکی شریعت اور اُسکا اسوۂ حسنہ بھی خود اسیطرح تمام انسانی شعب حیات کے لیئے کامل و مکمل تھا اور رہیگا ۔

یقیناً اِس ضلالت آباد عالم میں ہدایت فرمائی کے مجد و شرف کا اس سے زیادہ کوئی مستحق نہیں جو ریگستان حجاز سے محیر العقول طریق سے اُٹھا اور جسنے بغیر درس تدریس اور تعلیم و تعلم کے علوم آلہیہ سے بذریعہ موہبت خداوندی کے سرفراز ہو کر دنیا کی کایا پلٹ دی جو نہ کبھی کسی بیت الحکمت میں داخل ہوا نہ درس عقلا میں شریک ہوا نہ علم و تجربہ سے واقف ہوا۔ مگر جب اُسنے ہدایت کی آواز بلند کی تو ارسطو کی مجالس عقل ماند پڑ گئیں افلاطون کے فلسفہ و الٰہیات کا چراغ گل ہو گیا اور تمام حکما کی حکمتیں اور تمام عقلا کی عقلیں ہباءً منثورًا ہو گئیں ۔

دنیا اِس دور کو ایام جاہلیت کے نام سے یاد کرتی ہے اور یہ صحیح بھی ہے، مگر کیسی خوش نصیب تھی وہ جاہلیت جس کے لیئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ہادی اعظم پیدا کیا گیا اور کیسا مبارک تھا وہ دور جس کی اصلاح کے واسطے ایسا کامل و مکمل رسول مبعوث ہوا۔ اور آہ کیسے بدنصیب ہیں ہم لوگ کہ باوجود اسکے متبع اور امتی کہلانیکے واقعۃً اس سے دور جا پڑے ہیں ۔

اُس شخص سے زیادہ بدبخت کون ہو سکتا ہے جسکے سر پر سایہ انداز ہو مگر وہ اس کے نیچے سے بھاگ رہا ہو۔ جسکا گھر علم و حکمت سے معمور ہو اور وہ جہالت میں پڑا اس سے گریز کر رہا ہو۔ یا بہشت زار باغ اُسکے صحن میں موجود ہو اور اسکے گلہائے روح افزا و خوشبو غذا سے محروم ہو۔ اور گندگی کی عفونت زار میں زندگی بسر کر رہا ہو۔

یقین کیجئے کہ آج ہماری حالت بالکل ایسی ہی ہے کہ دنیا کے مقدس ترین انسان کا اسوۂ حسنہ خدا کی افضل و اکمل ترین کتاب ہمارے پاس موجود ہے مگر ہم سب فراموش کرکے زاویہ ضلالت و گمراہی میں بیٹھے ہیں ۔

رسول نمبر کا منشا جہاں تک ہم سمجھے ہیں غالباً صرف یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ کی مدح و ستایش کا ایک دفتر ہر سال جمع ہو جایا کرے۔ اور بس کیونکہ وہ ممدوح جس کی ثنا و صفت کلام ربانی میں موجود ہے۔ ہماری ثنا خوانی اور انسانی مدح طرازی سے بے نیاز و مستغنی ہے بلکہ انسانی حیطۂ امکان سے باہر ہے کہ وہ اُس ذات پاک کا حق مدح پوری طرح ادا کرسکے جسکا مداح خود وہ خالق ارض و سما ہو جس نے اس نیرنگ ہستی کو نبوت و رسالت کے خلعت سے سرفراز فرمایا ۔

بلکہ مقصد اصلی یہ ہے اور یہی ہونا چاہیئے کہ مسلمان اس وجود اعظم و اقدس کے حالات و واقعات اور اسکے اخلاق و محامد سے مطلع ہوکر اُس کے اتباع میں سعی بلیغ کریں۔ اور اپنے تئیں اس ورطۂ ہلاکت سے نجات دلائیں جس میں عدم اتباع شریعت کی وجہ سے ہم مبتلا ہوگئے ہیں۔ اور روز بروز اوج کمال سے قعر ذلت کی طرف گرتے چلے جارہے ہیں ۔

ہمارے سامنے آپ کی لائی ہوئی کتاب اللہ اور آپ کا پیش کیا ہوا اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ اگر ہم اُسپر عمل کریں تو آج ہماری تمام ذلت و خواری اور ساری نکبت و بربادی دور ہو جائے۔ اور ہم پھر ایک دفعہ اس اوج و رفعت کے قصر بلند اقبال پر پہنچ جائیں جہاں اب سے چند صدیاں پہلے اقامت فرماتے ۔

عارف ہسوی

فرام خاک تو عالم پاک

مٹی کا گھٹ۔ مٹی کا مٹھ۔ مٹی کا گھوڑا۔ مٹی کا جوڑا۔ مٹی سے آنا اور پھر مٹی ہی میں جانا ہے۔

خاک کا پتلا جان لیکر آیا۔ بے جان تھا جاندار کہلایا۔ مٹی کی زبان بولنے لگی تو حیوان ناطق اور بولتا جیو مشہور ہوا۔ مٹی کے دل میں جان نے خون کا حوض بنایا۔ پینے کا پانی واٹر ورکس میں کیوں رکھا کہ اپنے دلکو بلڈ ورکس (خونی کارخانہ) دیکھا تھا۔ اسی شیشہ خونیں سے جسم کی رگ رگ میں نلوں کے پانی کی طرح خون تقسیم ہوتا تھا۔ اس نے بھی پمپ لگائے۔ سڑکوں اور مکانوں۔ جھونپڑوں اور ایوانوں میں جو شیلے پانی کے فوارے چلائے۔ دل بھی خون کو پکاتا تھا۔ اسکے میل کچیل کو پھیپھڑے کے فلٹر میں چھان چھان کر نازک مزاج نازک اندام اور نازک طبع رگوں کو پلاتا تھا۔ پیکر خاک نے بھی پانی کو اونٹایا۔ چھانا۔ ٹھنڈا کیا اور ستھار فتا کر پیاسے حلق میں ٹپکایا۔

مٹی کا دماغ۔ مٹی کا بھیجا۔ کیسے میں سفید گودا۔ الجھی ہوئی گوری ڈوریاں جن پر ننھی ننھی لال لال رگیں۔ ہڈی کا پیالہ۔ ہڈی کا سرپوش ایک جھلی سے جکڑا ہوا۔ بھیجا ہوا مگر حقیقت میں فرعون بنانے والا۔ نمرودی و شدادی خیالات کا مخزن۔ اور نیکی کے دم میں آئے تو حکیم و فلاسفر۔ پیغمبر اور ولی بنانے کی مشین سراپا ایمان سراپا دین۔

مٹی کی آنکھ۔ مٹی کی پتلی۔ مٹی کی پلک۔ اور مٹی ہی کی وہ نوکیں جو دید کی شعاع پر سوار ہو کر طلبگار کے سینہ پر سنگین کیطرح زخم ڈالتی ہیں۔ مٹی کا سفید

ڈیلا جسپر لال لال رگوں کے پُرخمار ڈورے مٹی کے پپوٹے۔ اور مٹی ہی کی وہ زمین جسپر پلکوں کا باغ جما ہوا ہے۔ مٹی کا سرمہ اُس زمین کو سیاہ کرتا ہے تو دیدار باز کے پرتمنا خون کو بھی جلا کر کالا کر دیتا ہے۔

مٹی کی آنکھ کے اندر جاؤ تو حجابات اور پردوں کا ایک عظیم الشان محل خانہ بنا ہوا پاؤ۔ اعصاب کی ڈوریاں ان پردوں کو کھولتی اور باندھتی ہیں۔ نگاہ کی حد کو دور اور پاس لاتی اور لے جاتی ہیں۔

مٹی کے آدمی نے اسی مٹیالی آنکھ کو دیکھا تھا جو فوٹو گراف کی ایجاد اسکے ذہن میں آئی۔ چشم کا باطن غور سے دیکھا۔ سیاہ پردہ پر خاکی دنیا کی تصویریں جمتی نظر آئیں تو اُس نے بھی سیاہ پلیٹ بنائے اور اُن پر عکس اُتار اُتار کر جمائے۔

مٹی کے کان اور مٹی ہی کے وہ پٹھے جنکو سماعت کا حس دیا گیا ہے۔ دیکھئے میں جلی ہے۔ حقیقت میں سرِ قدرت کی تجلی ہے۔ پیکر گوش کا مخفی سوراخ اس خرقہ پوش کا حجرۂ خلوت ہے۔ اُسکو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ سب کو دیکھتا اور سُنتا ہے۔

مٹی کی زبان۔ بے ہڈی کی لال بوٹی بتیس دانتوں میں قید۔ بیشمار پٹھوں اور رگوں کا اُلجھا ہوا گچھا۔ مگر حروف و الفاظ ڈھالنے کی کل۔ حلق کی آواز میں معنی پیدا کرنے کی مشین۔ مزے اور ذائقے کی رسیا۔ ترشی و تلخی۔ شیرینی و نمکینی کی ان کہنی فوتوں کو پلک مارتے پہچان لینے والی۔

ذرا اس چہرے کو بھی دیکھو۔ جس کی آنکھ و زبان کا ذکر ہوا۔ رخسار ہیں۔ پیشانی ہے اور سب کے وسط میں ایک گاؤدم دیوار کھڑی ہوئی ہے۔ اُسکا نام ناک ہے۔ یہ خاک سے بنی ہے اسکے اندر بھی خوشبو بدبو کے عرفان کی طاقت قدرت نے بھری ہے۔

ان خاکی اعضا کو دیکھو اور خاک سے عالم پاک کیطرف اپنی ذہنی اور دماغی غور کو لے جاؤ۔ بیجا سر کی ہڈیوں میں پوشیدہ ملیگا۔ آنکھ کا نور بھی حلقۂ چشم کے پردۂ ستور میں

چھپا ہوا ہوگا۔ کان کا سننے والا پردہ بھی سوراخ گوش کے اندر محجوب پایا جائے گا۔ چکھنے اور بولنے میں مدد دینے والی زبان بھی تالو دانت اور ہونٹوں کی کوٹھڑی میں مقفل دیکھو گے۔ ناک کی قوت شامہ بھی نظروں سے مخفی پاؤ گے۔

جبتک تم خاک میں اسیر رہتے ہو۔ اور اپنا سفر عالم پاک کی طرف شروع نہیں کرتے چشم و گوش۔ زبان و بینی۔ دماغ و قلب کی جسمانیت سے آگے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا لامکاں کیوں ہے۔ صورت امکان کیوں نہیں رکھتا۔ صفات کی مورتوں میں ذات کی قوتوں کو کیوں چھپائے رکھتا ہے اور اسکے عرفان کے شہر میں جانے کو خاکی دروازوں سے کیوں گزرنا پڑتا ہے۔

لیکن جب تم کو فرام خاک تو عالم پاک کا بحث ملتا ہے اور سلوک کی ریل ناسوتی اسٹیشن سے ملکوتی اسٹیشن کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ جسمانی شہروں سے نکل کر روحانی دیس میں قدم رکھتے ہو تو وجوب و امکان۔ سکر و ہوش۔ وجود و عدم۔ بود و نابود ہست و نیست۔ لاو الا۔ فنا و بقا کے تماشے نظر آتے ہیں۔ نفوس کی جسمانیت و مادیت کا عرفان۔ حقائق اصلی اور معانی لدنی کے تعارف تک پہنچاتا ہے۔

آدمؑ پیکر خاک۔ نوحؑ تصویر تراب۔ ابراہیمؑ وجود خاکستانی۔ موسیٰؑ بھی اسی خاکی بستی کی نشانی۔ اگرچہ کہا اَرِنِیْ۔ اور سنا لَنْ تَرَانِیْ۔ عیسیٰؑ کلمۂ یزدانی از خاک رفتہ بر فلک رسیدہ مگر از عنصر خاک آنا دنگشتہ۔

وعبدہٗ المحبوب ورسولہ المطلوب محمد رسول الناطق والسالک نبی الحاضر والغائب بشری قالب میں مٹی کا طلسم خانہ۔ وید میں آدم ابن آدم بشنید میں انی بشرٌ مثلکم کی صدا۔ مگر یوحیٰ الیّ کے اضافہ سے ہوش ربا۔

آدمؑ سے لیکر اس دم تک خاک نے عالم پاک تک سفر عروج میں ہمیشہ کوشش کی۔ مگر وہ عالم پاک جو افلاک و عرش و کرسی سے اور تمام الفاظ امکانی سے اعلیٰ و ارفع ہے

کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ کوئی اول میں رہا کوئی وسط میں اور کسی کو انتہا تک بھی رسائی میسّر آئی لیکن انتہا کے ظاہر نے اپنے باطن تک کسی کو نہ آنے دیا۔ یعنی انتہا کا چہرہ دوسرے کی نسبت کی نصیب نہ ہوئی۔ اور چہرہ کے اندر تک کی کیفیات تو کوئی بھی حاصل نہ کر سکا۔

ابن ہاشم۔ ابن عبد مطلب۔ ابن عبد اللہ۔ ابن آمنہ عبدیت و بشریت کی چادر اوڑھے مسافر عالم پاک کی شکل میں نمودار ہوئے اور فرمایا۔ خاک سے آیا ہوں عالم پاک کو جاؤں گا۔ جسکو چشم بینا ملی تھی اُس نے کہا۔ آپ تو خود عالم پاک ہیں۔ آدمؑ و نوحؑ ابراہیمؑ و موسیٰؑ ہارونؑ و عیسیٰؑ سب نے اپنا بشری سفر آپکے حصول کی خاطر اور آپ کو منزل مقصود سمجھ کر شروع کیا تھا۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ خود انتہا ہو کر منتہیٰ کی طلب فرماتے ہیں۔ آخر میں آئے۔ ختم نبوت کا پیام لائے۔ کیا اسمیں یہ اشارہ نہیں کہ سفر کی منزل اُخریٰ خود جناب ہی کی ذات بابرکات ہے۔ قَابَ قَوْسَیْنِ کس کی شان میں آیا ہے۔ اور پھر اَوْ اَدْنیٰ کی تشریح نے آپکے علوِّ مدارج کو کہاں تک پہنچایا ہے اَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ تک سُنا تو خیال ہوا تھا کہ بشری عبدیت مراد ہوگی مگر مَآ اَوْحیٰ نے تو ششدر کر دیا۔ اپنے بندے پر وحی نازل کی۔ پہلے حصے کے معنی تھے جس سے معلوم ہوا کہ شاید اُس وحی کا ذکر ہے جو اور پیغمبروں کے پاس بھی آیا کرتی تھی لیکن مَآ اَوْحیٰ کے معنی دیکھکر تامل ہوا کہ بات غالب کچھ اور ہے۔ کیونکہ انسان اپنی زبان میں بولا کرتا ہے۔ ہم نے کچھ کہا۔ ہم نے کچھ سنا۔ تو یہ کچھ کا لفظ سامعین سے کہا کرتا ہے کہ مجھ میں کچھ راز ہے۔ مجھ میں کچھ ناگفتنی حالت ہے۔ مجکو سمجھنا آسان نہیں۔

جب پروردگار نے مَآ اَوْحیٰ کے مفہوم کو مستور رکھا تو ہم مسافران خاک کی کیا مجال جو اس حقیقت مرموز پر بحث کریں۔ اور اپنی خاکی زبانوں کو اس پر گفتگو کرنے کی اجازت دیں۔

ہمارا فرض تو یہ ہے کہ اس عبدہٗ و رسولہٗ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

اور اسکی لائی ہوئی کتاب قرآن کی تلقین کو سامنے رکھیں اور اپنے وجود خاکی سے آگے بڑھ کر عالم پاک تک جانے کی تیاری کریں +

جسم کی شناخت ہو۔ نفس کی پہچان ہو۔ حواس ظاہر و باطن سے آگاہی حاصل کیجائے۔ تاکہ عنصر خاک سے رہائی پاکر وہی عالم پاک میسر آئے جس کی خاطر دنیا کا یہ کٹھن اور دشوار سفر شروع ہوا تھا +

خرام خاک تو عالم پاک کا سفر کچھ اسباب چاہتا ہے۔ جنکے بغیر یہ سفر ہی محال و ناممکن ہے۔ اول کلمہ وحدت کا اقرار زبان سے اور تصدیق دل سے کرنی پڑتی ہے۔ پھر پانچ وقت کی مقرر عبادت حق یعنی نماز ہے۔ تیسرے ایک مہینہ کے روزے ہیں جو رمضان میں رکھے جائیں۔ چوتھے زکوۃ ہے۔ پانچویں حج ہے۔ ان اسباب خمسہ سے ظاہر و باطن کے حواس خمسہ درست ہوتے ہیں۔ اور انسان خاک سے روانہ ہوکر عالم پاک تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے +

مگر ان اسباب پنجگانہ میں ایک روح اور باطنی کیفیت کی از حد ضرورت ہے اور وہ الفت رسول ہے۔ اور اطاعت رسول ہے کہ ان کی محبت و طاعت خدا کی محبت و اطاعت ہے۔ اور خدا سے جب یہ معاملہ قائم ہوجاتا ہے تو خاک کا مسافر عالم پاک میں پہنچ جاتا ہے +

حسن نظامی

۴۸۶

ترحم یارسول اللہ

ارض پاک کے تاجدار! ذرا خواب راحت سے بیدار ہو۔ اور اپنے ایک خستہ حال ہندی بندہ کی فریاد غم بھی سن لے۔ تیری سرکار ہمیشہ سے عاجز نواز اور تیرا دربار سدا سے بیچارگی کا چارہ ساز رہا ہے۔ مگر میں کبھی تیری طرف نہیں آیا۔ کیونکہ اے آقا جو بیکسوں کا آخری ٹھکانا ہے جو انتہائی مایوسیوں کے بعد آخری میں تلاش کیا جاتا ہے لیکن اب کہ میری کوششیں تھک کر آغوش یاس میں سو گئیں۔ اور میری ساعی بیدم ہو کر ناکامی کے غار میں گر پڑیں۔ تو اے میرے مالک! تیرے آستان کرم پر حاضر ہوا کہ ہر دکھ کی تسکین اور ہر درد کی راحت ہم غلامان غلام کی اسی ایک آستانہ پاک سے وابستہ رہی ہے۔

پھر کیا اے رحم و رافت کے پیکر اعظم! اور اے بیکسوں اور کس مپرسوں کے ملجا و ماوی! تیرا عاجز غلام آج تیرے دربار امن و سلام سے مایوس و نامراد پھر جائے کیا اس کی خون گشتہ آرزوؤں اور اس کی بیقرار تمناؤں کے لیئے تیرے خزینۂ لطف و کرم میں کوئی مرہم امید نہیں۔ حالانکہ تیری زندگی کا ہر لمحہ جراحت نوازیوں اور لطف فرمائیوں سے معمور ہے۔

میری خستگی و درویشی کا مداوا اب تیرے سوا کہیں نہیں۔ بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ تو رحمۃ للعالمین ہے۔ اور غریبوں کی دلداری تیرا سب سے بڑا کام رہا ہے۔ میں بھی آج اس یقین اعتماد کے ساتھ تیرے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔

دامنِ مراد تسکین و تشفی سے بھر دیا جائیگا۔ میری دردمندی کا دکھ اور میری بیمانہ آگینی و خستہ حالی کی بیچارگی کا سہارا صرف تیری ذات ہی اور بس اسلیئے اے ارض بطحا کے جوار نشین بادشاہ! میری مصیبتوں سے اعراض نہ کر۔ کہ یہ تیرا ہندی غلام تنہا اپنی داستان مصیبت سنانے نہیں آیا۔ بلکہ اسکے بہائے فغاں سنج ملت کروڑ مسلمانوں کے ترجمان اور اسکی فریاد غم پوری قوم کی قائم مقام ہے +

سرکار مدینہ اور بلد امین کے شہنشاہ! آپ کی امت دیار غربت میں انتشار اور کس مپرسی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ مصائب و الام کے پہاڑ اسپر ٹوٹ رہے ہیں۔ اس کی کشتی طوفان ہلاکت اور گرداب فنا میں پھنس گئی ہے۔ ستمہائے پیہم کی خوفناک موجیں اسکو تھپیڑے دے رہی ہیں۔ لنگر و بادبان کی جگہ دریا کا مہیب عمق اور اسکی خوفناک تاریکی رفیق حال ہے۔ نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔ نہ مونس ہے نہ غمخوار ساحل کا سکون اور کنارے کا امن گویا ہمیشہ کے لیئے مفقود ہو گیا ہے۔ غرضکہ ؎

فریاد ہے اے کشتیٔ امت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

جنود شیاطین اور فدیات ابلیس لعین کی فوجیں ہر طرف سے امڈی چلی آرہی ہیں تاکہ اسلام کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ باغ اسلام جسکی آبیاری نبی امت کے خون سے ہوئی تھی اور جسکو تو نے اپنی لگاتار کوششوں سے بنجر زمین میں لگا کر سرسبز و شاداب کیا تھا آج وہی باغ وقف خزاں ہے۔ مسلم ہستی کے لیئے راحت و امن اس دنیا میں باقی نہیں رہا۔ حالانکہ دوسری انسانی آبادیاں فراغ و دلجمعی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ انسانوں کا کیا ذکر ہے۔ وحوش و طیور خوش و خرم ہیں +

باغوں کے طائر جنگلوں کے وحوش بھیڑوں کے درندے آرام سے ہیں۔ مگر مسلم ہستی کے آلام و مصائب کو ہمالہ کی بلند چوٹیاں بھی نہ روک سکیں اور وہ ناقابل

بیان حوادث میں مبتلا ہے۔ اور کوئی نہیں جو اسکے درد کا درماں کرے۔ اور اسکے دکھ پر مرہم رکھے ؛

زمانہ کی نیرنگیوں سے کوئی شکایت نہیں۔ اور نہ قسمت کی زبوں طالعی کے ہم شکوہ طراز۔ اگر سرداری و سروری کی عزت و اقبال سے ہم محروم ہوگئے تو کیا گلہ نہیں کہ تیرے غلام صدہا سال تک ارض الٰہی کی خلافت سے سرفراز رہے۔ باب دوم کا حصہ ہے۔ مگر خدارا یہ تو انصاف نہیں۔ کہ اب ہم اسقدر زبون و خوار ہوجائیں کہ انسانوں کے گروہ میں ہمارا کوئی شمار ہی نہو۔ کیا اب دنیا کو ہماری ضرورت نہیں رہی ؟ اور کیا اب ہم اسی لیئے رہ گئے ہیں کہ زمانہ کی ٹھوکریں کھائیں۔ اور تیرے اور تیرے اسلام کا نام بدنام کرتے ہیں ؟

اے خاک پر سونیوالے ! بھوکوں کو کھلا کر خود شکم مبارک پر پتھر باندھ کر سونے والے منعم ! اور اے رانڈوں کے حامی یتیموں کے مددگار ! آج تیری اُمت ذلت و خواری میں مبتلا۔ موت و زندگی کے لمحے گن رہی ہے۔ تو نے غیروں کے پیٹ بھرے مگر تیرے نام لیوا دوسروں کے محتاج ہیں۔ تو نے ظالموں پر ہمیشہ رحم کیا۔ مگر آج تیرے مظلوم انصاف سے بھی محروم ہیں۔ زمین باایں ہمہ وسعت ان پر تنگ ہوگئی۔ آسمان باایں ہمہ رفعت ان کی کچھ مدد نہیں کرتا ؛

پھر کیا اے میرے مولیٰ آقا ! اس بخت و دولت میں آپ کے غلام ہمیشہ ہی پڑے رہیں گے اور آپ اس گرداب حوادث میں انکا ساتھ چھوڑ دینگے کیا اب ہمارے لیئے مایوسیوں کے سوا کچھ نہیں رہا۔ اور ناکامی و نامرادی کی لعنت سے ہمیں کبھی نجات نہ ملے گی ؟ کیا خدا کی بخشی ہوئی مسرتوں میں اب ہمارا حصہ نہیں رہا ؟ اور ہم صرف رنجوری بیکسی کے لیئے رہ گئے ہیں ؟

ہمیں اپنی ذلت و خواری کی شکایت نہیں۔ نہ ہم اسلیئے فریاد کرتے ہیں کہ اپنی

مصیبتوں سے تنگ آگئے ہیں بلکہ صرف تیرے نام کی لاج ہمکو اس حد تک لائی ہے کہ کہیں ایسا نہو کہ ہماری فنا پذیری تیرے مقدس نام کو بھی کافرستان ہند سے مٹادے۔ اور ہم اپنی بربادی کا ماتم کرتے ہوئے اسطرح رخصت ہوں کہ تیرے نام کی عزت و سرفرازی کی عدم خدمتگزاری کا داغ اپنے سینہ پر لے جائیں ۔

اے دنیا کے اعظم ترین وجود! وقت آگیا ہے کہ ایک مرتبہ پھر ہمکو تیرا سہارا ملے۔ اور شرارت و بغاوت بلند ہوکر ہماری کھوئی ہوئی عظمت و تقدیس کو پھر واپس دلادے۔ یا پھر ایک فعہ صدیق اکبرؓ و عمرؓ کو بھیجدے تاکہ ہم بیچاروں کو خاک مذلت سے اٹھاکر پھر دوبارہ اوج رفعت پر بٹھادیں ۔

اے کمل پوش تاجدار! تو نے سرکش کو عاجز ستمگر کو منکسر وحشی کو مہذب اور شتربانوں کو حکمران بنادیا تھا مگر آج ہم پھر اسی حالت سابقہ پر عود کر رہے ہیں۔ اگر اسوقت تو ہمارے ساتھ تھا تو آج تیری دعائیں ہمارے ساتھ ہونی چاہئیں۔ ایک دفعہ پھر خداوند قدوس کے دریائے رحمت کو جوش میں لے آ۔ تاکہ اسکے رحم و رافت کا دروازہ پھر سے ہم پر کھلجائے۔ ہمارا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جڑ جائے۔ اور ہم پھر افضال الٰہی کے مورد قرار دیے جائیں ۔

اے سردار اُمم اور اے ہادی اعظم! اگرچہ ہم نے اپنی حالت اس قابل نہیں رکھی کہ تیری دعائے چارہ سازی سے استمداد کر سکیں۔ مگر آخر تیرے نام لیوا اور تجھسے نسبت رکھتے ہیں۔ بلالؓ کی سوز ش قلب۔ ابوبکرؓ کے صدق و صفا۔ عمرؓ کے عدل۔ عثمانؓ کے جود و سخا۔ اور علیؓ کے علم و اتقا کا صدقہ۔ حسینؓ کے خون اور اسکی کٹی ہوئی رگوں اور تڑپتے ہوئے جسم اطہر کے طفیل۔ عائشہؓ کے تفقہ اور عصمت۔ فاطمہؓ کے صبر و رضا۔ خدیجہؓ کی عظمت و وفا کا واسطہ۔ ہم شوریدہ بختانِ ہند پر لطف و عنایت کی نظر مبذول فرما۔ اور اپنے رب سے دعا کر کہ اُسکی رحمت عامہ کا وسیع دامن تیرے ہندی غلاموں کو ڈھانپ لے۔ اور ان کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرماکر انکی چھنی ہوئی اقبالمندی کو واپس مرحمت فرماوے۔ آمین

عارف ہسوی

۷۸۶

نعت

مشتاق ہے اک دید کا یہ طالب دیدار
ہو نظرِ کرم اس پہ بھی اے احمدِ مختار

محبوب ہو اللہ کے مقبولِ جہاں ہو
مخلوق میں خالق کے تمہیں ایک ہو سردار

لولاک کا رتبہ جو نہ پایا تھا کسی نے
اللہ نے بخشا تمہیں اے مخزنِ انوار

انساں سے بھلا کیا ہو تری وجہ سرائی
مدّاح ترا جبکہ ہو خود خالق جبار

کر شرف زیارت سے مدینہ کے مشرف
اے ابرِ کرم فخرِ عرب سیدِ ابرار

طالب نہیں جنت کا نہ حوروں کا فدائی
مدت سے ہوں میں شربِ بطحا کا طلبگار

محشر میں نہیں پرسشِ اعمال کا کھٹکا
دامن ترا کافی ہے مجھے اے ترے سرکار

شیرب میں بلالو شہا شیرب میں بلالو
اب ہند میں رہنے کا میں خواہاں نہیں رہنا

کملی میں چھپالو مجھے للہ مرے آقا
عاصی ہوں سیاہ کار ہوں ازحد ہوں گنہگار

افسردہ دلوں سے نہ الجھ ناصح ناداں
تو عشق کے اسرار سے واقف نہیں رہنا

اک دھوم فرشتوں میں مچی صلِّ علیٰ کی
لبیک کہا حق نے بھی سنکر مرے اشعار

بے پر بھی یہ اڑ کر کے پہنچ جاتے مدینے
پر گردشِ ایام سے اکسیر ہے لاچار

نذیر حسین خاں اکسیر

۷۸۶

آخذ کے واسطے اپنے جگر کے دلمیں آ

یا محمدؐ تجھپہ ہم قربان اے گردوں رکاب
اے عرب کے چاند اے دونوں جہاں کے آفتاب

ہو گیا روشن زمانہ نور شمع طور سے
چودھویں کا چاند شرماتا ہے تیرے نور سے

اے رسولِ کبریا جلوہ ترا دیکھا کریں
تو خدا کا نور ہے نورِ خدا دیکھا کریں

چشم جاں مشتاق ہے جلوہ دکھا جلوہ دکھا
یا محمدؐ یا محمدؐ یا محمد مصطفےٰ

آرزو ہے سر کو قدموں پر جھکائیں راہ میں
اے زہے تقدیر ہم آنکھیں بچھائیں راہ میں

تیری صورت قبلۂ حاجات آنکھوں میں رہے
پُتلیوں کی طرح تو ذرات آنکھوں میں رہے

یا رسولِ کبریا مسرت بھری محفل میں آ
آخدا کے واسطے اپنے جگر کے دل میں آ

جگر صدیقی۔ الوارثی۔ بسوانی

۵۸

مدینۃ الرسولؐ

اے مدینے! جلوہ گاہِ حضرتِ ختمی مآب
سو رہا ہے یہ ترے آغوش میں کون آفتاب

تیرے دل کو معرفت سے آشنا کس نے کیا
ذرّہ ذرّہ کو ترے وحدت نما کس نے کیا

کانپ اُٹھتا ہے دلِ پرجوش جب کرتا ہوں غور
اللہ اللہ تیری پہلی عظمتوں کا دَور دَور

نغمۂ وحدت ہر اک مرغِ ہوا گاتا ہُوا
پرچمِ توحید و دیواروں پہ لہراتا ہُوا

عالمِ بالا پہ ہوتے تھے ملائک سجدہ خواں
گونجتی تھی جب فضا میں تیری آوازِ اذاں

نورِ عرفاں سے ترا ہر ذرّہ ہم آغوش ہے
چپہ چپہ میں ترے روحانیت کا جوش ہے

جلوۂ نقشِ قدم نے کر دیا سورج کو ماند
سرزمیں پر تیری کس نے یہ لگائے چار چاند

یوں ہے تو دنیا میں جیسے دیدۂ عرفاں میں تِل
پیکرِ گیتی میں یا ہے اک تجلّی زا دل

پرتوِ عارض سے ہر ذرہ ہے اب تک جلوہ زا
نکہتِ گیسو سے ہر جادہ ہے اب تک مشکبار

شبنمِ رخسار سے گل آج تک شاداب ہیں
ہجر کے صدمے سے لیکن دیدۂ پرآب ہیں

نغمۂ توحید سے لبریز تیرا ساز ہے
طائرِ قدس آشیاں ہر دم ترا دمساز ہے

رستخیز انداز ہے یہ کس کی چشمِ نیمباز
تیرے فرشِ خاک پر ہے کون محوِ خوابِ ناز

شام تیری شامِ عشرت صبح تیری صبحِ عید
تیرا ہر جادہ ہے میرے دل سے جبلِ الورید

تیری رفعت آجتک نجلت وہ افلاک ہی
سرمۂ چشم بصیرت تیرے در کی خاک ہے

حق نے جو بھیجا تھا اک قرآن تیری شان میں
ماں حفاظت سے اُسے رکھنا فقط اجزدان میں

کون سا قرآن ناطق وہ رسولِ محترم
جو ترے سر اب میں سرتاجی باجاہ و حشم

باعثِ ایجادِ عالم وہ شہِ لولاک ہے
سجدہ گاہ قدسیاں جسکا مزار پاک ہے

اُسکے جلوے خاک میں جب سے کہ شامل ہوگئے
جتنے ذرّے تھے وہ فرطِ شوق میں دل ہوگئے

ہے یہ حسرت دل میں اس دُنیا سے جب منہ موڑتے
اے مدینے تیرے فرشِ خاک پر دم توڑتے

عزیز لکھنوی

۴۸۶

مدینے میں گرینگی۔ دیکھ لینا۔ ہڈیاں میری

ہو وقفِ نعتِ حضرتؐ اسطرح باسط زباں میری
کہیں صلِ علیٰ سُنکر فرشتے داستاں میری

گلِ مضمون کھلائے اسطرح طبعِ رواں میری
چمن میں ہو مقلد بلبلِ شیریں بیاں میری

قلم کہتے ہیں جسکو وہ ہی شاخِ گل فشاں میری

زباں پر دل سے اگر رہ گئی ہو داستاں میری
نہیں سُنتا نہیں سُنتا یہ ظالم آسماں میری

بُری حالت کیئے ہے ہائے اب دونہاں میری
مگر اک نالۂ محبوب ہے مولا فغاں میری

مدد فرمایئے للہ شاہ انس و جاں میری

کہاں تک اے شہِ والا جدائی کا میں غم کھاؤں
کہاں تک اے شہِ والا دلِ مضطر کو سمجھاؤں

مرادِ دل تری درگاہ سے پاؤں تو یوں پاؤں
مگر شوقِ زیارت میں اگر جاؤں تو یوں جاؤں

کہ صورت پھر نہ دیکھے ساحلِ ہندوستاں میری

مری کشتی سے اے شہ جب روانی ہوگی
مسرت میرے دل کی میرے چہرے سے عیاں ہوگی

تلاطم سے زمیں بھی گر شریکِ آسماں ہوگی
ہوائے دل مری بادِ مرادِ بادباں ہوگی

کہ رحمت راہ میں ہمدم ہوگی پاسباں میری

تمنائیں مرے دل کی مرے دل میں نہاں ہوں گی — نہیں یہ غیر ممکن ہے عیاں ہوں گی عیاں ہوگی
مری آنکھوں سے نہریں خون کی ہر دم رواں ہوں گی — گریباں کی مرے ہاتھوں نہیں بگیں پریشاں ہوگی

خبر لیتے رہینگے بڑھ کے اہلِ کارواں میری

شریکِ حال پھر اللہ کا فضل و کرم ہوگا — پھر نکلا مثل پروانے میں یوں طوفِ حرم ہوگا
ابھی باقی مرے دل میں بھی کچھ ایک غم ہوگا — تمنائے مدینہ میں مرا آنکھوں میں دم ہوگا

مدد دور پردہ فرمائیگا پھر جذبِ نہاں میری

مدینے کی مری آنکھوں کے آگے جب نہ میں ہوگی — تو خاکِ آستانہ پر مری کچھ جبیں ہوگی
تمنا پھر مجھے جینے کی اے باسط نہیں ہوگی — یہی اک حسرتِ دیرینہ میرے دل میں ہوگی

ہو صدقے روضۂ اطہر پہ جانِ ناتواں میری

نہیں کچھ اس میں شک باسط کہ غرقِ بحرِ عصیاں ہوں — غریبِ مفلس و بے توشہ و بے ساز و ساماں ہوں
خیالِ بے ندی سے گو بظاہر کچھ پریشاں ہوں — مگر دل تو گواہی دے رہا ہے کیوں نہ شاداں ہوں

مدینہ میں گزرنی ہے دیکھ لینا ہڈیاں میری

باسط بسوانی

۵۸

مجلسِ نعت

کیوں نہ اب حسن میں ہو ماہ سے بہتر مجلس — مہر اوصافِ نبی سے ہے منور مجلس
طشت گوہر ہے کہ عرشِ کا رخِ پُر افشاں ہے — عقدِ پروین ہے کہ ہے چرخِ پُر اختر مجلس
منہ سے بیساختہ نکلا یہ نظر پڑتے ہی — چشمِ بد دور کہ ہے خلد سے بہتر مجلس
نورِ اخلاص اگر دل میں مستور ہوگا — عشقِ سرکارِ دو عالم کی ہے رہبر مجلس

وصفِ رخسارِ نبی سُن کے ہر اک حیراں ہو — اپنی تقدیر کی ہے آج سکندر مجلس
غور سے دیکھ لو اس محفلِ میلاد کو تم — بس اسی طرح کی ہوگی لبِ کوثر مجلس
یادِ ابرو ئے محمد میں ہیں بے چین سبھی — کیوں نہ بنجائے عدو کے لیے خنجر مجلس
مطمئن دل ہیں شفاعت کی نوید یں سُنکر — مومنوں کے لیے ہے خلد کی ہمسر مجلس
کیا ہے بنجود منظر آئینگے سبھی اے سیفی — ذکر گیسوئے نبی سے ہے معطر مجلس

• سید حسین سیفی حیدرآبادی

OSMANIA LIBRARY HYDERABAD

۴۸۶

نظام المشائخ کے قواعد و ضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر چاند کی تیسری تاریخ کو جو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رح کا یوم عرس ہے شائع ہوتا ہے۔ مضامین اسمیں مذہبی اخلاقی، اصلاحی مگر سب صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوتے ہیں تحریروں میں انشاء پردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ ۷ یا ۸ تاریخ تک نہ پہنچے تو دیر سویر کا خیال کرکے ۱۰-۱۲ تاریخ تک انتظار کیجئے۔ اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیئے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید یہ پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو براہ عنایت ۱۵ ماہ ہلالی سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کردینی کافی ہے (۴) خط و کتابت میں اپنا نام و پتہ نہایت صاف و خوشخط لکھئے اور خریداری کا نمبر ضرور بتلایئے۔ جوابی امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجئے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

رسول نما

اس کی فہرست مضامین یہ ہے

مضمون	مضمون نگار
استدعا بحضور رسولخدا	پروفیسر برکت علی۔ بی۔ اے۔ ایس۔ سی۔
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ	مولانا نور الدین تاجر جرم گوجرانوالہ
رسول اعظم	مولانا آزاد سبحانی پروفیسر مدرسہ الہیات کانپور
اخلاق محمدی	مولوی شفیع الدین خاں مراد بادی
غزوات رسول	مولوی سعید احمد مارہروی
رسول خدا نما	خان بہادر مرزا سلطان احمد ایم۔ آر۔ اے۔ ایس
حسن آفتاب رسالت	مولانا فضل حسین صدیقی اسسٹنٹ ایڈیٹر البشیر
حبیب اور کلیم	مولوی حافظ احمد سعید واعظ دہلوی
خلافت رسول کا حقدار	سیدی حضرت خواجہ حسن نظامی
رسول غیروں میں مقبول	منشی ضیاء الدین احمد برنی
نبی عربی کی یاد میں	ماسٹر امیر حسن سیالکوٹ
رباعیات امجد	مولانا احمد حسین امجد حیدر آبادی
صلی اللہ علیک وسلم	مولانا فضل حق آزاد بانکی پوری
مسدس نعتیہ	مولانا حسن مرتضیٰ شفق عماد پوری
غزل	مولوی محمد ابو الحسن حسن چشتی نظامی فیض پوری
مبارکباد بدرگاہ رب العباد	کپتان احمد خاں تاباں
معراج آنحضرت	مولانا مولوی علیحیدر طباطبائی لکھنوی
صاحب لولاک فداک	ہز اکسیلنسی سر مہاراجہ کشن پرشاد حیدر آباد دکن
ایک حاجی مدینہ کے رستہ میں	ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے۔ پی۔ ایچ ڈی
یثرب دیارما	مولانا حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلوی۔
مہفت بند	سید الشعرا ابو احمد سید محمد حسن الوری۔
تازہ نعتیں۔	مولانا فصیح۔ قاضی جمالی۔ مولوی محمد اسحٰق۔

کاغذ سفید دبیز ضخامت ۹ جزو قیمت ۸ر

منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

مرادابادمیں مردہ زندہ ہوگیا

میں ساکن مراد آباد پانچ سال سے سستی نامردی جریان احتلام کمی نامردی وغیرہ میں مبتلا ہوکر ہر طرح زندہ مگر بدتر از مردہ تھا صدہا علاج کیے مگر فائدہ ندارد آخر حکیم دوست محمد خاں کا بحس اکسیر باہ مردہ زندہ کرنے کی مشین مشمولہ چالیس گولیاں وشیشی طلا استعمال کی حلف سے لکھتا ہوں کہ تین یوم میں مجکو سب امراض سے فارغ ہوگیا لہذا جو لوگ مبتلا بالا امراض مبتلا ہیں وہ بہت جلد حکیم صاحب سے بحس اکسیر باہ منگوا کر استعمال کریں حکماً آرام ہوگا بحس اکسیر باہ منگوا کر استعمال کریں حکماً آرام ہوگا بحس اکسیر باہ سستی ونامردی جریان احتلام کمی وغیرہ کی ایک نہایت مجرب دوا ہے حتی کہ انگریزوں ڈاکٹروں حکیموں اور طبیبوں نے منگوائی ہر گز ناقابل استعمال سے آرام نہ ہو تو قیمت واپس ہوگی قیمت اکسیر باہ مبلغ پانچ روپیہ ہے مگر تھوڑے دنوں تک ہے رغبتی جلدی کریں تاکید ہے یہ دوا ہر موسم میں یکساں مفید ہے

اکسیر ختاویر کنہ مالا گل کنہ کی مجرب دوا ایک ہفتہ میں کلیہ آرام قیمت عہ

اکسیر بے بہا یہ دوائی اُن لوگوں کے لیے مفید ہے اور بے بہا جنکے لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں اس کے استعمال سے اُن کے ہاں اولاد نرینہ پیدا ہوگی جس کے تیسرے ہی مہینے سے کہانی چاہیے ضرور لڑکا ہوگا قیمت عہ اگر لڑکی پیدا ہو تو قیمت واپس

اکسیر سوزاک وقرحہ سوزاک پیپ جلن، بول قرحہ کی مجرب الجرب دوا ۲ گھنٹہ میں آرام قیمت عہ

اکسیر آتشک پلہری پرانے سے پرانے آتشک پلہری و برص کی بے ضرر نادر مجرب دوا ایک ہفتہ میں آرام

پتہ

حکیم مولوی دوست محمد خاں (خاندانی) ڈاکخانہ اڑمڑ مانڈہ ضلع ہوشیار پور (پنجاب)

پانچہزار روپیہ نقد انعام

مخدومی مکرمی اعلیحضرت جناب حکیم عبدالقادر صاحب مدظلہ کا عطیہ سفوف قادری کہ جسکے استعمال سے ہاضمہ کی کل شکایت رفع ہوکر کل امراض جسمانی کلی طور پر دفعہ ہوجاتی ہیں اور مخصوص غلط کاروں کے حق میں آبحیات ہے قیمت کچھ بھی نہیں محض رفاہ عام کے خیال سے لاگت ہی پر یعنی ایک روپیہ فی شیشی پر ایک لاکھ شیشیاں لٹایا جائیگا اور بندہ ہوئیں دسمبر ۱۹۱۵ء کو پانچہزار نقد بذریعہ قرعہ اندازی خریداروں میں تقسیم کیا جائے گا جلدی کیجئے آم کے آم گٹھلیوں کے دام ایجنٹوں کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ قواعد ایجنسی نہایت آسان۔

پتہ ادارہ سفوف قادری دہام نگر ڈاکخانہ (ضلع بالیسر ریلوے)

میاں پوت

نئی روشنی کے نئے بہوت ہیں
مگر دیکھنے میں میاں پوت ہیں

۵

بالکل اچھوتا انوکھا، اخلاقی ظریفانہ ناول پڑھیے اور ہنستے ہنستے لوٹ جایئے پسند ہونے کے میاں پوت خود ذمہ دار ہیں صفحے ۲۴۰ قیمت عہ سرسات کا ترانہ تین دلچسپ اور مقبول عام نظموں پر کہاں، ساون اور دریا دمجموعہ کا مجموعہ قیمت ار

مصنف سے ذیل کے پتہ پر طلب فرمایئے

ماسٹر باسط۔ بسوانی۔ بسواں ضلع سیتاپور (اودھ)

اب کے جاڑے میں اسلیے لحاف کی ضرورت نہیں رہی کہ

ممتاز حلوہ

ملیار ہو کر دہزار ہا بیکنا شروع ہو گیا مقوی اعضائے رئیسہ ہونے کے علاوہ بہ مشی شہی ممسن بدن اور خدا معلوم کیا کیا ہے اگر اشتہار فروش نویسی کی تحت میں نہ آتا تو اس کے فوائد بالتشریح بیان ہوتے کہاتے تو خوش ذائقہ سونگھنے تو خوشبودار استعمال کے بعد سبحان اللہ خدا جھوٹ نہ بلوائے ایک دو نہیں سیکڑوں نے مفید پایا پھر لطف مزید یہ کہ قیمت موجودہ گرانی کے زمانہ کے لحاظ سے بہت ہی کم فی سیر ۶ تولہ تبرکاً ہی سہی تھوڑا ہی سا منگا کر دیکھئے پتہ صرف یہ کافی ہے

ایس ممتاز ہائیکمی بھوجلا پہاڑی دہلی

برقعہ نوا ایجاد

خوبصورت و آرام دہ اور زمانے کے حسب حال

ہونے کے علاوہ پردہ کا پورا پورا محافظ ہے ہر ایک عضو کا مکمل پردہ کرتا ہے تصویر مفت فہرست مفت تبہ

خاتون اسٹورز چاندنی چوک فوارہ دہلی

بجائے بوسے کے آنکھ لڑانے میں کیا حرج ہے

سائنس و قرآن کا مقابلہ

سراج الامت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم الشان تفسیر کبیر میں قرآن کریم کے تمام مقدس عقائد و ادق مضامین کو فلسفہ قدیم اور سائنس جدید کے ساتھ جس خوبی اور خوش اسلوبی سے مقابلہ کیا ہے تا قیام قیامت تمام دنیائے اسلام اُن کی مشکور رہیگی خصوصاً حروف مقطعات کے اسرار، نزول وحی کی کیفیت نبوت کا ثبوت اور ضرورت ثبوت وجود باریتعالیٰ، قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا ناسخ و منسوخ کی کیفیت جن و شیاطین و ملائکہ کے وجود پر مدلل بحث۔ سحر و معجزہ۔ عالم برزخ۔ قیامت بہشت و دوزخ اور زمین و آسمان کی بے نظیر ترکیب و ترتیب اور اُن کے عجائبات پر جس قسم کی علمی اور فلسفیانہ تقریریں درج فرمائی ہیں اُنکی نظیر اسوقت بھی ممکن بلکہ دنیا ناممکن ہے، عام مفسروں نے قرآن کی تفسیروں میں جس قدر جھوٹے قصے اور من گھڑت داستانیں درج کی ہیں اُن کی مدلل تردید کی گئی ہے مخالفین اسلام کے شکوک و شبہات کو براہین قاطعہ سے بطور سوال و جواب دیا ہے اسلیے اس تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی تقطیع کلاں خط اعلیٰ لکھائی چھپائی عمدہ ترجمہ ملیس اعلیٰ تیمت فی جلد پانچ روپیہ (مثل) ذیل کے پتہ سے طلب فرمائیے۔

منیجر کتب خانہ اسلامیہ قلعہ اسٹریٹ امرتسر

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی کافوری جنتری سنہ ۱۹۱۸ عیسوی

کافوری جنتری سنہ ۱۹۱۸ء

کی نہایت خوبصورت اعلیٰ درجہ کے چکنے کاغذ پر چھپ رہی ہے اور جنوری سنہ ۱۹۱۸ء کے پہلے ہفتہ سے بلا قیمت و محصول ڈاک قدردانوں کے پاس بھیجی جائے گی اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ پر دس متفرق جگہ کے لکھے پڑھے شریف اشخاص کے نام اور پتہ لکھکر بھیجدیجئے مذکورہ بالا جنتری وقت پر آپ کے پاس روانہ کر دیجائیگی

ہمیشہ تندرست رہنے کی ترکیب

آپ جانتے ہیں انسان کی زندگی خون سے ہے، اس سے خون صاف رکھنا ضرور ہے اس کی ترکیب آسان ہے ڈاکٹر برمن کا آئی اوڈائڈ سالسہ مفید ثابت ہوا ہے اس میں کسی چیز کا پرہیز نہیں ہے یہ سالسہ صاف کر اس میں پوٹاس ای روڈائڈ وغیرہ کئی ایک آزمودہ ادویات ملا کر بنتا ہے اسلیے تمام سالسوں سے زیادہ مفید ہے گرمی آتشک گٹھیا وغیرہ یا پارہ ملی ہوئی ادویہ کے استعمال سے خون بگڑ گیا ہو تو اسکو استعمال کیجیے خون بگڑنے کی دو وجہ ہے آتشک و گٹھیا ایسے عارضے میں پارہ ملی ہوئی ادویات استعمال کرنے سے خون بگڑ جاتا ہے پوری حالت فہرست منگا کر دیکھیے قیمت عہ محصول ۰

مسافر حیران ہو گئے

جب انہوں نے کولاٹانک کی تاثیر دیکھی، سفر میں گھوڑے کی سواری ہوئی مگر کچھ بھی تھکن نہ معلوم ہوئی پہاڑ و پہیر میلوں چڑھے اترے لیکن ذرا بھی سانس نہ چڑھا کشتی کے لیے سفر کرنے والے پہلوان ناچنے گانے والے، مسافر لکچرار، واعظ، اپدیشک سادھی میں کولاٹانک ساتھ رکھتے ہیں کیونکہ اس کے استعمال سے اُنکے پٹھے کی قوت بے نظیر ہو جاتی ہے اور اُنکے کام میں ہر جگہ سانس قائم رہتا ہے۔ شراب اور افیموں کی عادت کو لاٹانک بھی چھڑا سکتا ہے قیمت ۱۰۰ خوراک کی شیشی ۵ر

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ سے منگائیے

نوٹ ڈاکٹر ایس کے برمن کی دوائیاں ہر جگہ کے دوکاندار فروخت کرتے ہیں کہیں نہ ملے تو پتہ بالا سے منگائیے۔

عربی ناگن

ہوں جس کی دوست عشق کی دشمن ہوں۔ مجھ میں زہر بھی ہے اور امرت بھی۔ میں قاتل بھی ہوں احیا بھی۔ میں نے ایک قاری کو دل دیا۔ اور سپیرے مین نواز نے مجھ کو گھائل کیا۔ عرب میں رہنے والے جنوں کی بیٹی۔ اور قسمت کی ہیٹی۔ کہ چار دن لطف زندگی نہ اٹھایا۔ میں لہرا رہی تھی کہ موت نے آدبایا۔ لاکھوں کو ڈسا۔ ہاوری سپیری زلف رسا۔ مگر ایک انسان کی آواز نے کام کر دیا۔ خود حسن کا قصہ تمام کر دیا۔ میری سوانح عمری سوانح عمری عبرت سے بھری ہے۔ سیاہ نصیبی ہے۔ میں صوفیوں کے لیئے غذائے روحانی ہوں نئی روشنی والوں کے لطف جاودانی ہوں۔ گردش ایام نے مجھے خاک میں ملا دیا تھا۔ سپیرا مہر و زناں صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا۔ مگر خدا کا ہزار ہزار شکر کہ اب

مولانا ارشاد نظامی چشتی اکبر آبادی

نے میرے تن مردہ کو ادبی الفاظ کا زیور اور کاغذ کا طلسمی لباس پہنایا ہے۔ نئے علم کے موتیوں سے سجا کر چتی کی دلہن بنایا ہے۔ میرے بال بال میں سخن کے آبدار گوہر پروئے ہیں۔ میری نگاہوں کے نشتہ دلوں میں جبھے ہیں میں آپ سے بزور سفارش کرتی ہوں کہ مجھے منگوایئے اور میرے زہریلے مگر حیرت ناک واقعات اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایئے میں آپکو کبھی ہنسا دوں گی۔ کبھی رلا دونگی۔ اور کبھی دیوانہ بنا دونگی صرف ۴ سپیری قیمت ہے عربی ناگن۔ جنوں کی بیٹی۔ اور اتنی سستی یہ بھی آپ لوگوں کی قسمت ہے۔ سپیرا منتر میرے ساتھ ہے۔ اب میری قدردانی آپکے ہاتھ ہے۔ بس فوراً قلم اٹھایئے۔ سیاہی لگایئے۔ اور

منیجر نظامیہ کمیشن ایجنسی منڈوی حجام آگرہ سے

مجھے طلب فرمایئے ۴ سپیرا محصول ہے۔ اپنی تعریف اپنے منہ سے زیادہ کرنی فضول ہے

میری ہم جلیس بہنیں تین۔ اور دین

ان کے واقعات بھی قابل عبرت ہیں امید کہ آپ میری تنہائی کا خیال فرمائیں گے۔ اور میرے ساتھ میری ان بہنوں کو بھی ضرور بلوائینگے جو میری ہی طرح دیکھنے کے قابل ہیں۔ اور درد دل والوں کے لیئے شمشیر قاتل

زہر عشق ۵ ر سوگوار پری ۴ ر پری پیکر دونوں حصے ۸ ر

مگر آپ ہم پانچوں کو ایک ساتھ بلوائینگے تو ہم سب محصول ڈاک ۴ ہم میں فوراً آپ کے پاس حاضر ہو جائینگے

منیجر نظامیہ کمیشن ایجنسی منڈوی حجام آگرہ سے طلب فرمایئے

انتخاب نظام المشائخ مفت منگا لیجئے

۲۰ - ربیع الاول تک نظام المشائخ قسم دوم کا صرف ایک سالانہ خریدار دینا ہوگا۔ خواہ اس سے دوگنا چوگنا آٹھ آنہ بذریعہ وی پی آرڈر بھیجدیجئے خواہ وی پی کی فرمایش کر لیجئے۔ جس آرڈر آنے پر نوراً اور وی پی کی صورت میں جب رقم وصول ہو جائے انتخاب نظام المشائخ آپکی خدمت میں بالکل مفت بھیجدیا جائیگا۔ محصول کے ٹکٹ بھی ہم لگا لینگے

کیا ان داموں یہ سودا کچھ مہنگا ہے؟

انتخاب نظام المشائخ ضخیم کتاب ہے بارہ آنہ میں دھڑا دھڑ بک رہی ہے۔ اسکے مضامین کی فہرست یہ ہے

مضمون	مضمون نگار	مضمون	مضمون نگار
دعا	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	عالمگیر کی جنگی پالیسی	جناب مولوی حکیم ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی
وضو	جناب مولانا محمد الواحدی صاحب	یاد اللہ	جناب قاری سرفراز حسین صاحب عزمی
الموت	جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح اللہی	نور عشق	جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح اللہی
نیند	جناب مولوی حکیم فرید احمد صاحب عباسی بجنوری	حقوق الله	جناب منشی ضیاء الدین احمد ضیاء برنی بی اے
دائمی زندگی	جناب مولوی احمد سعید صاحب دہلوی	اہل بیت کا رجز	جناب مولانا محمد الواحدی صاحب
کشکول	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	خونی تارا	جناب مولانا محمد الواحدی صاحب
قبر کی زیارت	جناب سید ذاکر علی صاحب وجدانی	خلوص	جناب سید محمد حفیظ صاحب بدری بی اے
ستانہ برہمنوں	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	میں برا شیطان	جناب طالب علم صاحب
طلسماتی تختہ	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	آ	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب
حب وطن	جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح اللہی	برہم کتھا	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب
حال و قال	جناب پرنسپل جناب علی صاحب ایم اے	آؤ مایہ خط	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

شروع میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب و مولانا محمد الواحدی صاحب کی بارہ رنگین تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ کاغذ ضخامت سفید و نیز لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ لوح خوش نما ہے۔ اور خواستگاروں میں اس نشان کا حوالہ ضرور دیا جائے

منیجر نظام المشائخ دہلی

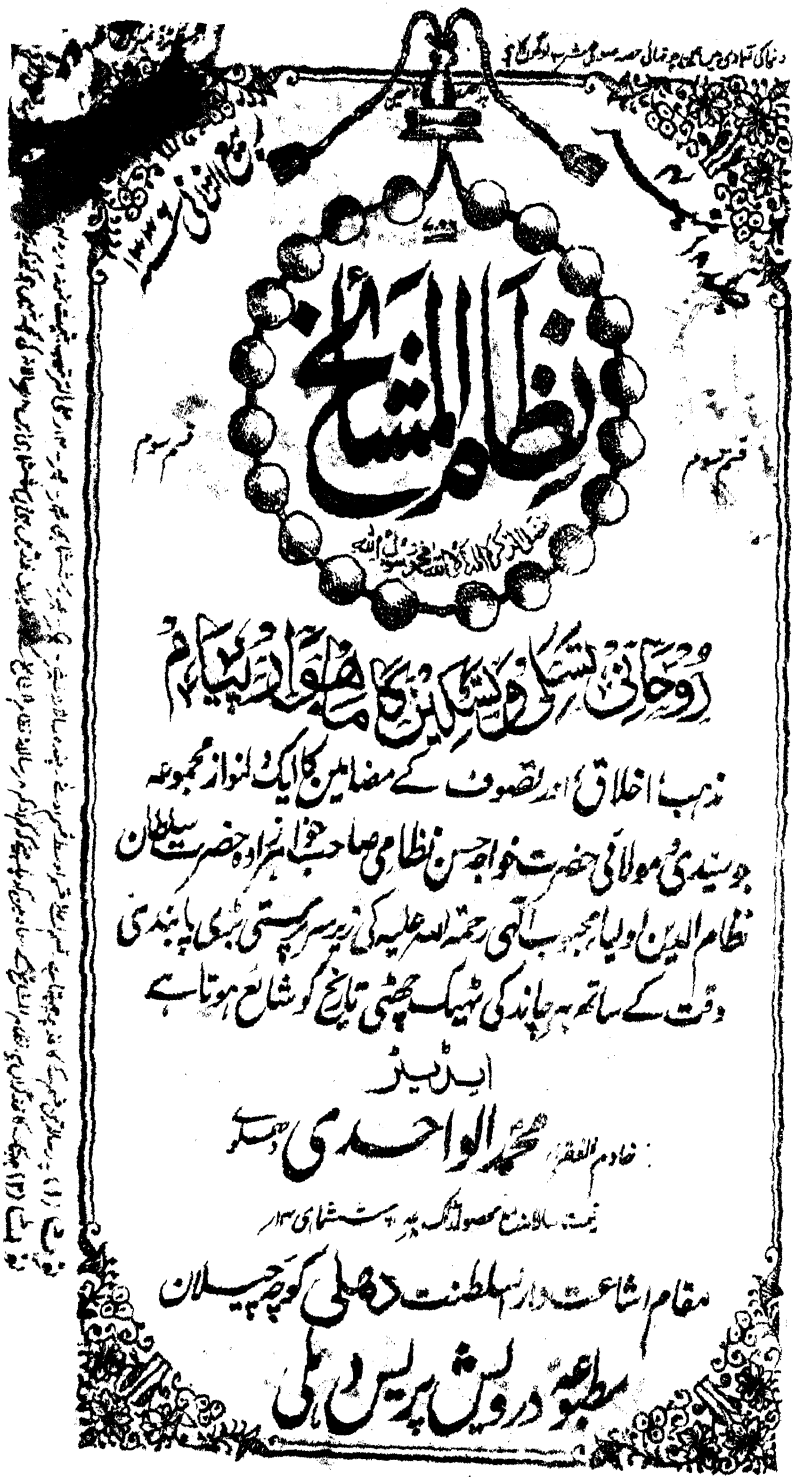

برنٹر و پبلشر محمد الواحدی

موت اک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لیکر

حیات بعد الموت

جس کا

انگلستان کی مشہور مصنفہ فلارنس میریٹ کی
کتاب

دیرازنو ڈیتھ

سے

مسٹر اختر محمد خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر نے ترجمہ کیا ہے
ضخامت قریباً چھ سو صفحے اصل قیمت چار روپے (للعہ)
۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ تک درخواست کرنے والوں کو صرف ۲ھ میں دی جائے گی بشرطیکہ
وہ ۲ھ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں یا اس اعلان کا حوالہ دیکر وی پی منگائیں
محصول بہر صورت بذمہ خریدار

المشتہر منیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

جلد ۱۸	بابت ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۶ھ	نمبر ۴

فہرست مضامین

شمارہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	طوفان حیات	مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری	۳
۲	جزاً و وفاقاً	جناب مولانا شیخ نور الدین صاحب گوجرانوالہ	۱۰
۳	مقصد حیات	جناب مولانا عارف حسن صاحب عارف ہسوی	۳۸
۴	فنا در بقا	جناب مولوی شفیع الدین ثمانی صاحب مراد آبادی	۴۸
۵	کعبۂ دل	"بالم"	۵۱
۶	آہ تم!	جناب ماسٹر امیر حسن صاحب نازسیالکوٹی	۵۵
۷	حق مہر	جناب مولوی حکیم شاہ نواز شمس علی صاحب بیت السلطان شاہی حیدرآبادی	۵۷
۸	پایا تو کہاں پایا	جناب مولوی منظور محمد صاحب برق بی اے بہاولپوری	۵۸
۹	انسان	جناب مولوی سید غلام مصطفےٰ صاحب امین حیدرآبادی	۵۹
۱۰	وفائے عہد	جناب حافظ محمد یعقوب صاحب اوچ گیلانوی	۶۰
۱۱	جذبات برق	جناب مولانا سید نواب علی صاحب برق	۶۱
۱۲	تازہ نعتیں اور غزلیں	جناب رضا۔ جناب سیفی و جناب اشرف فردوسی	۶۲

مسلمانوں کا خون

مسلمانوں کے ہاتھوں

مدینہ منورہ و مکہ معظمہ کی بے ادبیاں

ارض پاک میں یاران رسول کا قتل۔ قرن اول کے سیاسی کارنامے کربلا کے بعد کی سرگزشت حریفان بنی فاطمہ کی نامعلوم فتنہ کاری، یزید و دیگر شاہان بنی امیہ کی باطل شعاری

یزید کا حشر۔ شریروں کا انجام۔ خدا کا فیصلہ

یزید نامہ

میں ملاحظہ کیجئے جو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے حال میں تصنیف فرمایا ہے اور جس کے لوگ سال بھر سے منتظر تھے اس میں اس امام الآمر کا بھی مفصل بیان ہے جو خانہ اہل بیت میں

شیعہ سنی کو ملاپ کی آواز

دیگا اور بتایا ہے کہ یہ وقت قریب آن لگا یزید نامہ محرم ۱۳۳۶ھ کا یادگار تحفہ ہے خود پڑھیے دوسروں کو سنائیے رلیئے رلائیے مظلوم کے صبر سے واقف ہو ظالم کا دم واپسیں دیکھ لو۔ ایسے غمناک حالات اور عبرت انگیز تصویریں تاریخ شہادت میں ناپید تھیں حضرت خواجہ صاحب کا البیلا جیو متاجہا متاطرز تحریر اچھی لکھائی اچھی چھپائی سفید دبیز عمدہ کاغذ ضخامت پونے دو سو صفحے قیمت ایک روپیہ چار آنہ محصول

جلدی منگایئے درخواستیں اس کثرت سے آرہی ہیں کہ غالباً دو ہفتے کے اندر پہلا ایڈیشن نکل جائے گا

منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب فرمایئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

طوفانِ حیات

(از مصور غم علامہ راشد الخیری)

حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کا قلم سحر نگار اس وقت قوم اور لٹریچر دونوں کے واسطے مایۂ ناز ہے۔ آپ چمنستان ادب میں جو پھول کھلا رہے ہیں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ خدا مولانا ممدوح کی عمر میں برکت دے۔ مگر میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ مولانا کے بعد لٹریچر اس رنگ میں خاموش ہے۔ یہ اثر جو کلیجہ کے اندر پہنچکر بلبلا دیتا ہے۔ اس وقت دوسری زبان میں نظر نہیں آتا۔ علامہ موصوف بظاہر اس سلسلہ کو منقطع کر چکے تھے۔ اور گوشہ عزلت میں زندگی بسر کر رہے تھے مگر میری التجا ہی، میری استدعا ہی، میری کوشش تھی کہ اس مصور غم اور بلبل خاموش کو

باہر نکالا ایسا میں نے چاہا کہ حیات انسانی کے ان شعبوں پر جن کی اصلاح ضروری ہے ملاء جماعت کی گلکاری ہو جائے مجھے ممنون ہونا چاہیئے اپنے محترم دوست مولانا سائک بٹالوی کا کہ انھوں نے ہی میری ان مساعی کو ترقی دینے میں اعانت فرمائی۔ اور طوفان حیات ایک کتاب مولانا سے لکھوا کر شائع کی۔

طوفان حیات وہ کتاب ہے جس میں رسوم مروجہ اور شرک و بدعت کی بدولت ایک خاندان تباہ و برباد ہوتا ہے اور اس خاندان کی بچی مشرکہ توحید پر قائم رہ کر بالآخر کامیاب ہوتی ہے۔

قصہ کی دلچسپی واقعات کی دل آویزی زبان کی سلاست میرے بیان سے باہر ہے۔ ہر لفظ تیر اور ہر فقرہ نشتر ہے۔ طوفان حیات کا ایک ٹکڑا نقل کر چکا ہوں اور یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ ایک ماہ کے بعد دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ طوفان حیات کی ضخامت قریباً ڈیڑھ سو صفحے ہے۔ اور قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ:۔ منیجر نظام المشائخ دہلی۔

تقدیر کی خوبی تھی اور وقت کی بات کہ انعام کا بھتیجا زاد بھائی انتہا تو بچہ مگر نہایت سمجھدار اور فرمانبردار۔ دیوبند میں عربی پڑھتا تھا۔ ہفتہ بھر کے لئے گھر آیا۔ بیوہ ماں مرتے وقت بھتیجے کے ہاتھ میں ہاتھ اور پندرہ سو روپیہ دیکھی تھی انعام بات کی للچ یا ہاتھ پکڑنے کی شرم کیا خاک رکھتے۔ غریب اپنے شوق سے پہنچا دیوبند جا پہنچا۔ فطرت میں علم طبیعت میں ذوق۔ ذہن کا اچھا عادت کا مسکین۔ تھوڑے ہی روز میں وظیفہ مل گیا۔ تین سال بعد گھر آیا تو لنبے برادری خاندان۔ جان پہچان۔ عجیب۔ خویش جو کچھ تھے وہ میاں انعام۔ عزیز تھے۔ بزرگ تھے

امین تھے۔ قریبی تھے جو کچھ حضرت تھے۔ بھائی بھائی سے زیادہ بہاوج بہاوج سے بڑھکر بہاوج کی ماں۔ دو چار دن تو خوب آؤ بھگت ہوئی۔ مگر حرفِ مطلب زبان پر آنا تھا کہ سب کے دیدے بدل گئے۔ مفلس تھا غریب تھا۔ بے بس تھا بیکس تھا تین برس کی جان یتیم ہوا۔ دو سال بعد ماں کا پکھوا چھوٹا۔ ایک خدا کا سہارا تھا۔ ورنہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے والا نہ تھا۔ سات برس کی عمر تک انعام کے ہاں رہا۔ بساطہی کیا تھی۔ مگر دیکھ رہا تھا مٹی پلید اور زندگی برباد ہو رہی ہے۔ دیس چوری پردیس بھیک وطن کو خیرباد کہا اور مکہ کھڑا ہوا۔ خدا سبب الاسباب تھا غیب سے سامان ہوا۔ دارالعلوم دیوبند نے لاوارث یتیم کو آغوشِ شفقت میں لیا۔ اللہ والوں نے معصوم کے دل سے ماں، باپ کی یاد بھلا دی۔ عمر کے ساتھ شوقِ علم اور شوق کے ساتھ فضیلت تعلیم نے ترقی کی۔ کتابوں کی ضرورت تھی۔ بچپن کی سنی سنائی امانت خیال میں ذہن کا قصد کیا۔ شب برات کا اہتمام چالیسویں کا سرانجام۔ بچوں کا کھیل روپیہ کی ریل پیل بہائی بہاوج کا حوصلہ دیکھکر آنکھیں کھل گئیں۔ کامیابی کا یقین پورا تھا۔ مگر بہائی کی لیت ولعل۔ بہاوج کی ٹال مٹول۔ معصوم کو ایک ایک دن ایک ایک سال تھا منت سے کہا۔ خوشامد سے کہا۔ منہ موڑ کر کہا۔ ماتھہ جوڑ کر کہا۔ مگر یہاں تو ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا دو چار دن تو اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا۔ مگر جب دیکھا کہ یہ بلا ٹلنے والی نہیں بیٹھے بٹھائے مفت کی ہتیا آئی تو صاف کہدیا کہ بھائی کس کا روپیہ کیسی امانت۔ اتنے دنوں تک تم کو پالا پوسا۔ کھلایا پلایا۔ اس کا بدلا یہ کہ اتنا بڑا طوفان۔ ایسا عظیم ہتان۔ دو نہ چار اکٹھے ڈیڑھ ہزار۔ خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا۔ بچے ہو۔ بات بھی کہی تو کچی۔ لِم ابسا تو رکھو کہ لپ جائے۔ اسمیں تو اُلٹے دیوانے بنو گے۔ آپا دلداری بیچاری نے ڈیڑھ ہزار تو درکنار کبھی ڈیڑھ سو آنکھ کھولکر نہ دیکھے ہونگے۔ کفن تک تو نصیب نہیں ہوا گور گڑھا میں نے کیا۔ چھوٹے چچا کا کام تھا جو پھول ہی ہو گئے۔ تمہارے ابا اللہ بخشے عمر بھر

بھیک مانگتے رہے۔ دوسروں کی کمائی پر ان کا گزران تھا۔ ہمیشہ خیرات کے کپڑے پہنے اور جمعرات کی روٹیاں کمائیں۔ بیکار رہے۔ قرض دار مرے۔ مٹی کے برتن لبیری کپڑے۔ پھٹا ہوا ٹاٹ۔ جنم نہ دیکھا بوریا سپنے آئی کھاٹ۔ دونوں میاں بیوی دس روپوں کے واسطے مرتے مرگئے اور منجملے ماموں جان نے نہ دیئے۔ یوں تم میرے بھائی ہو۔ اللہ کے نام کا سودا ہے۔ دو چار روپیہ سے باہر نہیں ہوں۔ مگر تم تو عمر بھر کی چھٹم چھٹا کرتے ہو خود سوچو۔ یہ رشتہ توڑنے کی باتیں ہیں یا جوڑنے کی۔ یہ الزام تھوڑا ہے میں تو انشاء اللہ عمر بھر تمہاری صورت نہ دیکھوں گا۔ کیڑا سا چھوڑ کر ماں مری۔ مکھیاں بھنک ہی تھیں کلیجہ سے لگا کر رکھا۔ چھوٹے سے بڑا کیا۔ آپ دکھ اٹھا کر تمہیں سکھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ مل رہا ہے۔ واہ حضرت واہ۔ جس نے تم کو یہ ترکیب بتائی وہ تمہارا خیر خواہ نہیں دشمن ہے جیتی جان کے ساتھ دکھ بیماری۔ مرنا جینا۔ اچھے برے میں جھگڑے ہیں۔ عزیزوں میں بزرگوں میں۔ بڑوں میں چھوٹوں میں اب تمہارا کون۔ سارے کنبے میں ایک پھوپا کا دم۔ لے دیکر جو ہوں سو میں۔ مجکو بھی تم نے ہاتھ سے کھویا۔ اب میری طرف سے مرو یا جیو۔ اللہ چاہے بات تک نہ کروں۔ تم مجھ سے گئے میں تم سے۔ شریف ہو تو میرے گھر کے تک نہ آنا۔ یہ تمہاری بھائی مسلمان بیٹھی ہیں۔ بیوی ہیں تو ہوں۔ میری قبر میں تھوڑی سوئینگی۔ ایمان کی بولیں گی۔ ان کے ہاتھ پر قرآن رکھدو۔ ساماں جان موجود ہیں۔ ان سے پوچھو۔ کبھی بھی کسی نے نہ مرنے والی اچانک تو مری نہیں کہ کلیا میں گر پھوٹ گیا۔ ڈیڑھ مہینہ کھٹیا کٹی تھی۔ آئے سے۔ گئے سے۔ اپنے سے۔ غیر سے۔ کسی سے تو ذکر کیا ہوگا ایک ہی گواہ لے آؤ۔ ڈیڑھ ہزار کیا میں تو دو ہزار دینے کو تیار ہوں۔ مرنا ہے سدا یہاں رہنا نہیں کہ تم غریب کی امانت ہضم کرلوں آخر یہ تم سے کہا کس نے۔ میں ہی تو سنوں یہ عنایت ہے کس کی۔

امید کیسی پورا یقین تھا کہ روپے تری کے پھول سے گنوالوں گا مگر کورا جواب سنکر

سناتا گیا۔ کہتا کس سے۔ اور کرتا کیا۔ بمشکل تمام کرایہ کا انتظام کیا تھا تو یہاں تک پہنچ بھی گیا۔ اب واپسی کے بھی لالے تھے۔ آنکھوں میں آنسو آگئے حسرت سے ظالم کی صورت دیکھی اور خاموش ہو گیا تو بہاوج نے کہا:۔

بھائی تو دیوانہ ہوا ہے۔ چودھویں صدی نیکی کر دھوئے بدی۔ پانچ برس تک مفت کی روٹیاں توڑیں۔ اور اچھے سے اچھا کپڑا پہنا۔ وہ احسان تو گیا چولہے میں۔ اُلٹا بے ایمان بنا دیا تمہاری میا کو ڈھنگ کی روٹی تو کبھی جڑی ہی نہیں۔ آپ لنڈی میاں آپا بیچ کرایہ کی دو روپلیاں تو کبھی نکلی نصیب ہی نہیں۔ پونے تین برس کا کرایہ حافظ جی کا مارا سوا دو برس چچا نصیر کی ڈیوڑھی میں پڑیں۔ ڈیڑھ ہزار کا نام ہی سُن لیا۔ کبھی دیکھے بھی ہیں بیٹا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاؤ۔ اب ادھر کا رُخ نہ کرنا۔ دوانے ہو تو سڑک پر جا کر لوگوں کے پتھر مارو جیل پکڑے جاؤ۔ یہاں بیٹھ کر کیا دوسروں کی جان جلاتی ہو۔

انعام۔ میاں اُٹھو دیکھو ادھر ہے دروازہ۔ سنبھالو اپنا اسباب و اسباب لو ایک تو یہ تمہارا پھٹا ہوا بستہ ہے جسکو بیگ فرماتے ہو۔ دو یہ کتابیں ہیں۔ دیکھ لو خبر نہیں کیا کہہ کہ بیگ میں بھی اشرفیاں بھری تھیں۔

لڑکا۔ بہت اچھا چلا جاتا ہوں۔

انعام۔ چلا جاتا نہیں ہوں۔ بس کھڑے ہو جاؤ۔

روپیہ کی مایوسی کا زیادہ اثر نہ تھا البتہ توقعات کے خاتمہ نے معصوم کے دل پر بجلی گرا دی۔ کتابوں کی خوشی۔ ایک خواہش کی تکمیل۔ ایک ارمان کا پورا ہونا فرحت و انبساط کا دریا تھا جس نے یتیم کے دلمیں دونوں لہریں لیں اور رات کو سبز باغ دکھائے مگر اِس وقت وہ دریا چٹیل بیابان اور سبز باغ اجاڑ میدان تھا۔ اُٹھا۔ تھیلا بغل میں لیا اور سلام علیک کر کے باہر آ گیا۔

باوجود اس سنگین جرم کے جو علی الاعلان تھا ہم انعام کو بے ایمان کہنے پر تیار نہیں جو کچھ کیا مجبوری سے اور جو کھا لاچاری سے۔ چور کے پاؤں کہاں۔ وہ صورت دیکھتے ہی کھٹک گیا تھا۔ میاں بیوی کی صلاح ہو گئی اور میاں نے جو کچھ کہا وہ درحقیقت انعام کی زبان اور ما جو کا بیان تھا اس راز کے واقف کار اول تو ملتے ہی نہیں اور جو دو چار تھے بھی وہ مر کھپ گئے ایک مولانا حق داد باقی رہ گئے تھے۔ بیچارے اگلے زمانہ کے آدمی پرانی آنکھیں دیکھے ہوئے۔ ایمان کے لوگ برتتے ہوئے بڑوں کے ملنے والے۔ ساتھ کے کھیلے بات کے پورے۔ انعام کے حالات سن سن کر سانپ کی طرح سر دُھنتے اور چپ ہو جاتے بڈھے آدمی تھے۔ بارہ مہینے کے نمازی۔ تہجد گزار۔ ایک کونہ میں رہنا۔ اور اللہ اللہ کرنا۔ نہ معلوم کس ضرورت سے لکڑی ٹیکے تسبیح پڑھتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ لڑکے نے سلام علیک کی۔ ٹھٹک گئے۔ جواب دیا۔ بصارت کمزور تھی۔ پہچان نہ سکے پوچھا میاں کیا نام ہے؟

لڑکا۔ غلام کو حسن امام کہتے ہیں۔

مولانا۔ کس کے صاحبزادے ہو؟

لڑکا۔ والد صاحب کا نام مولوی عبدالماجد!

مولانا۔ دلداری کے لخت جگر ہو؟

لڑکا۔ جی ہاں!

مولانا۔ بیٹا۔ میرے پاس آؤ۔ گلے سے لگو۔ تم کہاں ہو۔ کب آئے۔ کہاں ٹھیرے ہو؟ میاں انعام کے ہاں؟

لڑکا۔ ہفتہ بھر کے قریب ہوا۔ وہیں ٹھیرا۔ اب جا رہا ہوں۔

مولانا۔ میاں ایسی جلدی کیوں جاتے ہو دو ایک روز میرے ہاں رہو۔

لڑکا۔ کچھ روپیہ بھائی کے پاس تھا وہ لینے آیا تھا۔ کتابوں کی ضرورت تھی۔

مولانا۔ ہاں ہاں لے لیا!

لڑکا۔ جی نہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے +

مولانا۔ کیا؟ وہ تو اُن کے پاس امانت ہے۔ چلو تم میرے ہاں چلو۔ میں تم سے بات کروں +

دل ٹوٹا ہوا۔ ہمت چھوٹی ہوئی۔ بے چینی اندر بے کسی دونوں حالتیں قابل رحم تھیں۔ مولانا کا چمکارنا تھا کہ معصوم کا دل بھر آیا۔ لپٹ گیا اور رونے لگا۔ مولانا قریبی عزیز تھے۔ اسکی صورت دیکھتے ہی دلداری کی تصویر آنکھ کے سامنے پھر گئی۔ اور وہ وقت یاد آگیا کہ مرنے والی کی رُوح عالم بالا کو پرواز کر رہی تھی معصوم بچہ کلیجے سے چمٹا ہوا تھا۔ اور مفارقت ابدی کے خیال سے کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ انعام کو بلا کر زور سے پیار کیا اور کہا یہ اس یتیم کی امانت ہے۔ حقیقی وارث اور بہتر امین آپ ہیں۔ بن باپ کا بچہ بن ماں کا ہوتا ہے۔ آپکے سپرد ہے۔ اس کے خورد و نوش میں جو کچھ صرف ہو وہ کیجئے گا اور باقی اس کی تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کے واسطے ہے۔ یہ بے واسطی کی التجا اور بیوہ کی درخواست ہے آپ جس قدر اس بچے پر رحم کریں گے اُسی قدر میری روح آپکے واسطے دعا کرے گی میرے پاس اسکا معاوضہ کچھ نہیں۔ نہ میں اسکے قابل ہوں۔ ہاں مالک حقیقی آپ کو دونوں جہان میں اس کی جزا دے گا +

مولانا کی آنکھ سے وہ سماں یاد آتے ہی آنسو نکل پڑے۔ گھبرائے۔ ہاتھ منہ دُھلا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ رات زیادہ آگئی تھی۔ جب تک بچہ جاگتا رہا سمجھاتے رہے۔ اُس کی تعلیم کا حال سُنکر بے انتہا خوش ہوئے۔ اور علی الصباح دونوں نماز سے فارغ ہو کر انعام کے پاس آئے +

مولانا بڈھے پھونس۔ اسی بتیس کی عمر۔ کمر جھکی ہوئی۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ۔ بسم اللہ کہکر جونہی اندر داخل ہوئے تو انعام کا خون خشک ہو گیا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ بچے کو کچھ کھا بٹا

خواستہ یا ناخواستہ رضا بقضا اندر لیکر آیا۔ اور دوزانو سامنے بیٹھ گیا ادھر اُدھر کی باتیں شروع کرکے مولانا نے کہا انعام میاں! آج میں نے تین بجکر ساڑھے تین برس بعد تمہاری صورت دیکھی ہے۔ بڑے مولویصاحب اللہ بخشے عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے مگر چالیس برس میں ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ وہ مجھ سے نہ ملے ہوں۔ اول تو میں خود ہی آمدہی ہوا یا مینہ ناغہ نہ کرتا تھا اور اگر کبھی دکھہ بیماری کی وجہ سے ایسا ہی مجبور ہوگیا تو آدھی رات تک دروازہ کھولے بیٹھے رہتے تھے۔ نا امید ہوئے۔ سیدھے اُٹھے اور پہنچے اب میں اس قابل ہی نہ رہا۔ ہاتھ پاؤں جواب دیچکے۔ بدن میں طاقت نہیں۔ پاؤں میں سکت نہیں۔ دو قدم چلتا ہوں۔ سانس پھول جاتا ہے۔ آنکھیں ہی نہ رہیں۔ تم سامنے بیٹھے ہو مگر صورت صاف نہیں دکھائی دیتی۔ پر مجھے پڑا ہوا ہوں مگر تمہارے حالات رتی رتی اور تل تل میرے کان تک پہنچ رہے ہیں۔ عقل کام نہیں کرتی۔ کہ تمہاری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے بیوقوف بھی دیکھے۔ عقلمند بھی۔ غریب بھی دیکھے۔ امیر بھی۔ بچے بھی۔ بڈھے بھی۔ مگر تم نے تو وہ ستم ڈھا رکھا ہے کہ دیکھا نہ سُنا۔ بزرگوں کی ناک تم نے کاٹی۔ ماں باپ کی آبرو تم نے برباد کی۔ باپ دادا کی لاج تم نے گنوائی۔ خاندان پر پانی تم نے پھیرا۔ جس گھر پر کوئی بھولکے بھی خدا کے سوا دوسرا نام نہ لیتا تھا۔ اس در پر آج تمہارے راج میں رسموں کی حکومت اور فقیروں کا ڈنکا بج رہا ہے۔ خدا کی شان ہے۔ جہاں دن رات قال اللہ وقال الرسول کے چرچے رہتے تھے۔ وہاں آج کوئی بھولکر بھی خدا کا نام نہ لے۔ میں نے تمہارا بچپن دیکھا لڑکپن دیکھا۔ اور اس وقت جوانی بھی آنکھ کے سامنے ہی ہے میں نے تمکو ماں کی گود میں دیکھا دولہا بنا دیکھا۔ اور آج باپ ہونیکے بعد بھی تمہاری صورت میرے روبرو ہی مگر یہ تغیر یہ فرق یہ انقلاب جو صورت میں نہیں سیرت میں۔ وجاہت میں نہیں حالت میں۔ نام میں نہیں کام میں۔ حالات میں عادات میں اطوار میں۔ رفتار میں سُن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں سُن سُن کر اور دیکھ دیکھ روح فنا ہوئی جاتی ہے۔ تم لاکھ بچے تھے۔ مگر کیا مولانا مرحوم سے

میرے دن رات کے تعلقات۔ ہر وقت کا ملنا جلنا تم کو یاد نہ ہوگا۔ میں اُس شمع ہدایت کا پروانہ۔ اور وہ مغفور میرے اس قدر قدردان تھے کہ حقیقی بھائی قربان ہوں تم انکی یادگار تھے۔ سر بدے کا سر۔ میرے زخم پر مرہم رکھتے۔ شریک تدفین تھے باعث تسکین ہوتے۔ مگر تم نے تو وہ سلسلہ منقطع۔ وہ تعلقات ختم اور وہ محبت ہی خاک میں ملادی لیکن بیٹا! میں تمہارے جیسا دل کہاں سے لاؤں۔ سُنتا ہوں اور کڑھتا ہوں جلتا ہوں اور روتا ہوں۔ کیا کروں۔ مجبور ہوں لاچار ہوں بے پر ہوں بے بس ہوں۔ عمر بھر کی کمائی اور اُسی برس کا سرمایہ۔ یہ دو بچے نصیر اور بی عبادی ہیں مگر یقین کرنا۔ ان دونوں کی بربادی اور تباہی کا مجکو اتنا صدمہ نہوتا جتنا تمہارا۔ قبر میں پاؤں ہیں مرنے کو تیار ہوں۔ مگر سچ کہتا ہوں کوئی رات خالی کوئی دن صاف اور کوئی نماز ایسی نہیں جاتی کہ تمہارے واسطے دعا نہ کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ اور تم سے زیادہ جانتا ہوں کہ بیوی ہمیشہ کی رفیق اور عمر بھر کی ساتھی ہے۔ پرائی جائی۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ میاں بیوی سلوک سے رہیں۔ اور عزت سے بسر کریں۔ مگر ایک تم ہی انوکھی بیوی نہیں لائے۔ دنیا لاتی ہے اور رکھتی ہے مگر یہ شرک یہ بت پرستی۔ الامان الحفیظ کہ پیروں کو رسول سے اور فقیروں کو خدا سے بڑھاؤ۔ شرم کا مقام اور رونے کا وقت ہے کہ بڑے بڑے عالم اور اچھے اچھے زاہد تمہارے دلائل عوام سے مصافحہ کے خواستگار رہیں اور تم ایک بنے ہوئے پیر اور جھوٹے فقیر کے آگے ناک رگڑو۔ یہ تمہاری بیوی جو آج گھر والی بنی بیٹھی ہیں میرے سامنے کی بچہ اور گودوں کی کھلائی ہیں۔ سُن رہی ہیں اور سمجھ رہی ہیں۔ بولیں بتائیں۔ بہوئیں اسی دن کو آتی ہیں کہ ساس سسروں کی ناک جڑ سے کاٹ دیں۔ بہو اسی لیے ہزار برس کی نیو کہلاتی ہے کہ بزرگوں کی آن بان پر آنکھ بند کرکے پانی پھیر دے۔ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو۔ مسلمان ہو اور مسلمان کہلاتے ہو۔ مگر کافر تم سے اچھے اور مشرک تم سے بہتر۔ سوچو اور غور کرو اسلام کا اصلی منشا شرک کو مٹانا اور بت پرستی کو غارت کرنا ہے

یہاں تک کہ حضور رسول اکرم کو یہ کہنا پڑا کہ میں بھی تم ہی جیسا انسان ہوں خدا خدا ہی ہے

مجھے حق نے دی ہے بس اتنی سمجھ کہ بندہ ہوں میں اسکا اور ایلچی بھی

ایسا سچا مذہب۔ ایسا سچا رسول۔ جس نے صاف صاف کہدیا کہ سوا ایک ذات واحد کے کوئی دوسرا عبادت کے قابل نہ پرستش کے لائق۔ تم اسکے پیرو ہوکر اپنے ہی جیسے انسانوں کو خدا سمجھو۔ رسول جانو سدا یہیں رہنا نہیں چلنا بھی ہے۔ یہ عارضی جلوے۔ یہ فانی ضرور سب ختم ہونے والی ہیں۔ ماں اُن کی یادگار وہ کلنگ کے ٹیکے جو تمہارے ماتھے پر چمک رہے ہیں۔ تمہارے اعمالناموں سے مٹنے والے نہیں نہ یہ سیاہ دھبے چھوٹنے والے اور نہ یہ شرک کی زنجیریں ٹوٹنے والی۔ یہ ذلیل افعال اور یہ کمینہ اعمال اوپر ہی اوپر نہ جائینگے۔ اُن کا جواب لازمی۔ ان کا حساب ضروری۔ اُن کا عذاب اٹل۔ آنکھیں بند کرو اور دیکھو قبر کی ہولناک منزل۔ موت کا خطرناک سماں۔ قیامت کا وحشتناک میدان منظر آجائیگا۔ موت پاس۔ نتیجہ ظاہر۔ قدرت والا مالک ہاتھ میں کوتیا اور ایک بیڈ گیگا مشرک و نابکار۔ سرنگون ہاویہ قیامت خیز وقت ہوگا۔ اور اس حاکم کا سامنا جہاں پیر فقیر۔ ولی اور پیمبر سب بے بس ہونگے۔ اس عذاب سے جو سخت ہی۔ اس آگ سے جو تیز ہے اس غضب سے جو آگ ہی ہے۔ توبہ کر۔ پناہ مانگ۔

مسلمانوں پر تباہی کیوں آئی۔ اس تناور درخت کی طرح جسکو دیمک اندر ہی اندر غارت کرتی ہے۔ رسوم کی پابندی نے انکو کھوکھلا کردیا۔ جائدادیں اسکی بھینٹ چڑھیں تعلقے اسکی نذر ہوئے۔ رئیسوں کو بھیک اس نے منگوائی۔ امیروں کو فقیر اس نے بنایا نوکروں پر حکومت کرنے والے محض اسکے طفیل آج چلیں بھر رہے ہیں۔ اور محلمد کی بیٹھنے والیاں اس کی بدولت جوتیاں چٹخاتی پھرتی ہیں۔ بڑے بڑے خاندان۔ اچھے اچھے گھرانے امیروں کے بچے وزیروں کی اولاد اسی کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئی۔ غضب خدا کا آدھ گز کی بچی چھ دن کی جان اور رسموں کی یہ شان کہ کنبے بھر کا بلاوا۔ اور آدھا شہر مہمان ایک دو

نہیں۔ بیسیوں۔ سیکڑوں عقیقے کیے بھی۔ اور دیکھے بھی۔ سنے بھی اور سنائے بھی۔ مگر دیکھا نہ سنا۔ اور خدا کرے نہ سنائے کہ لڑکی کا عقیقہ اور شادی کی یہ دھوم دھام کہ صبح اور شام دونوں وقت اذن عام ہے۔ مفت کی دولت ہاتھ لگی۔ جتنے اُلٹے تلّے کر تھوڑے جس وقت اور آفت سے۔ پریشانی اور مصیبت سے یہ جائداد جو تم نے اوف کر دی مرنے والی نے بچائی۔ اور چھوڑی وہ میرا دل جانتا ہے۔ اللہ اللہ کیسی شان کے لوگ تھے تکلیفوں کو راحت اور روکھی روٹی کو امرت سمجھا۔ مگر قرضخواہ کو دروازے پر نہ آنے دیا۔ یہ پھوٹی ہوئی آنکھیں وہ سماں دیکھ چکی ہیں۔ کہ پھول سے بچے اور معصوم مولوی زادیاں فاقے سے پڑیں۔ اور چودہ گھنٹہ کی رات صاف گزر گئی۔ لیکن مکان پر آنچ نہ آنے دی۔ رحمان جوڑے پلی پلی شیطان لڑائے گیا۔ تم نے باپ کی نصیحت اور ماں کی وصیت خوب نباہی۔ انعام! یہ زندگی ختم ہونے والی۔ اور یہ وقت گزرنے والا۔ یہ باتیں فنا ہونے والی۔ یہ دن ڈوبنے والے اور یہ راتیں سحر ہونے والی ہیں۔ اور درپیش ہے وہ سفر جس کی منزل کڑی جس کا رستہ کٹھن۔ جس کی راتیں لمبی۔ جس کے دن پہاڑ۔ جس کی شام طویل۔ جس کا مقام دور۔ دور اور اس سے پہلے کہ کسی قابل ہو کر لو جو کر سکتے ہو اور کما لو جو کمانا ہے۔ یہ رسموں کے بندھن۔ یہ بربادی مستجن۔ بربادی کے بچن۔ یہ عقیقے اور چالیسویں۔ یہ چھٹی اور چلّے۔ وہ دیگ اور کلّے ہیں۔ جنہوں نے عظیم الشان محلّات اور بڑی بڑی عمارتیں چشم زدن میں ڈھا دیں۔ دیکھنے دکھانے کے لائق لوگ جنپر کنبہ فخر اور برادری ناز کرتی تھی۔ ان رسموں کے ہاتھوں دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے۔ گلشن اسلام اُن سے آبیاری کا متوقع۔ اور اُنکے دست کرم کا منتظر رہا۔ اور وہ آنکھیں کے اندھے ان پھندوں میں ایسے پھنسے کہ جب چلے تو مرتے وقت کوئی حلق میں پانی تک ٹپکانے والا میسر نہ ہوا۔ شریفوں کے بچے الف بے سے آگے نہ بڑھے اور امیروں کی بچیاں قلم دوات کے نام کو ترسیں۔ جہاں دولت کے انبار لگے رہتے تھے وہاں تعلیم کے اخراجات

کھڑے ہوتے ہیں تم اپنی رسموں میں۔ فضول خرچیوں میں۔ عقیقے، پھولوں میں چھ ہزار سے زیادہ روپیہ کھو چکے۔ لیکن اسکی امانت ہضم کرتے ہو۔ ایک دلداری کی روح نہیں عالم بالا کی بہت سی روحیں تمہارے ظلم اور اسکے صبر۔ تمہارے ستم اور اسکے شکر کو دیکھ رہی ہیں۔ بن ماں کا بچہ اور بن باپ کا لال تمہارے ظلم سے پامال ہو کر حسرت سے تمہارا منہ تک رہا ہے۔ اس کی آنکھ میں آنسو ہیں۔ اس کے دل میں درد ہے۔ اس کے لب پر آہ ہے۔ اسکے آنسو کا ہر قطرہ اس کے درد کی ہر ہوک اس کی آہ کا ہر حصہ خاک سیاہ کر دیگا ہاجرہ! ان حرکتوں سے باز آ۔ موت قریب ہے۔ زندگی ختم ہونے والی۔ اور یہ تعلق چھوٹنے والے ہیں۔ دور نہیں ہے وہ وقت جب دنیا تجھ جیسی مشرک اور ظالم پر لعنت بھیجے تیرا اعمال نامہ سیاہ۔ تیری زندگی برباد۔ اور تیری عمر ظلموں سے لبریز ہوگی۔ خدا سے اور اس وقت کو دور نہ سمجھ جب زبان بند۔ ہاتھ پاؤں ساکت۔ اور جسم بیجان۔ آنکھ اٹھا۔ اور دیکھ۔ اس مظلوم کی آنکھیں کیا کہہ رہی ہیں۔ یہ آنسو پھول سے رخساروں پر نہیں فرشتوں کی گود میں ہیں۔ کھڑی ہو جا ہاجرہ! یتیم کو کلیجے سے لگالے۔ اس کی امانت دیدے۔ یہ ٹوٹا ہوا دل جوڑ کر۔ کملایا ہوا چہرہ کھلکر۔ روتی ہوئی آنکھیں ہنسکر تیری۔ ہاجرہ! تیری دنیا دیں کو درست کرونگے ✦

سوانح عمری حضرت سید احمد بریلوی رح

حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر اور ہندوستان کے مشہور مجدد حضرت شاہ سید احمد صاحب بریلوی کی زندگی کے پورے حالات۔ آپ تیرہویں صدی ہجری کے ممتاز اولیاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپنے مشرکانہ رسوم کی اصلاح کے لیے بڑے بڑے کام کیے۔ کتاب اول سے آخر تک دلچسپ، سبق آموز، اور عبرت انگیز ہے ضخامت دو سو پچاس صفحے قیمت عمدہ

المشتہر مینجر نظام المشائخ دہلی

۴۸۶

جزاءِ وفاقا

اسلام لانیوالوں پر کفار قریش کے ظلم وستم اور اُن کے عواقب ونتائج

(۱)

یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسہا — قیامت کے دن ہر شخص اپنی ذات کے لیے جھگڑنے
وتوفی کل نفس ما عملت وھم لا — کو آموجود ہوگا اور ہر شخص کو اُسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا
یظلمون وضرب اللہ مثلا قریۃ — لوگوں پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا ۔ اور خدا ایک گاؤں
کانت اٰمنۃ مطمئنۃ یاتیہا رزقہا — کی مثال بیان فرماتا ہے کہ وہاں کے لوگ ہر طرح پر
رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللہ — امن واطمینان سے تھے ہر طرف سے بافراغت
فاذاقہا اللہ لباس الجوع والخوف بما — اُن کا رزق اُنکے پاس چلا آتا تھا ۔ پھر اُنھوں نے
کانوا یصنعون ولقد جاءھم رسول — خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اُنکے کرتوتوں کے
منہم فکذبوہ فاخذھم العذاب وہم — بدلہ میں اللہ نے انکو یہ مزہ بھی چکھا دیا کہ بھوک اور خوف
ظلمون (پ ۱۴ س النحل ع ۱۱) — کو اُن کا اوڑھنا بچھونا بنا دیا اور اُنہیں میں کا ایک
رسول بھی اُنکے پاس آیا تو اُنھوں نے اُسکو جھٹلایا اس پر عذاب آسمانی نے اُنکو آپکڑا اور وہ ہی بے
ناحق تھے ۔

(۲)

خدائے عزوجل مالک یوم الدین ہے اور وہ جزاء وسزا کی ہر آن کا مالک ہے کیونکہ اُس کا
قانون جزاء وسزا ہر آن میں کام کرتا رہتا ہے اُس نے کامل جزاء وسزا کے لیے قیامت کا دن
مقرر کیا ہے جس دن ربوبیت الٰہیہ بغیر توسط اسباب عادیہ کے اپنی تجلی آپ دکھائے گی

کقولہ تعالیٰ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار (پ ۲۴ س المومن ع ۲) جس دن خدا کی طرف سے ندا ہوگی کہ آج کس کی حکومت ہے؟ تو سب مارے ہیبت کے خاموش رہیں گے اور خود بارگاہ خداوندی سے ندا ہوگی کہ حکومت کیلئے اسی کی ہے جو بڑا زبردست ہے جس دن محشر کے لق ودق میدان میں سب اگلے اور پچھلے جمع ہوں گے جس دن جنت و دوزخ۔ رحمت و قہر کے منظر بن کر سامنے ہوں گے جس دن کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام نہ آئے گا۔ جس دن ایسی نفسی نفسی پڑے گی کہ آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی جورو اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ ان رشتہ داروں میں سے ہر شخص کو اس دن اپنی اپنی نجات کا فکر لگا ہوگا کہ وہ اسکو بس کرتا ہے۔ جس دن کہیں سے کچھ مدد پہنچے گی اور نہ کچھ معاوضہ قبول کیا جائے گا۔ قیامت کا دن بلاشبہ بڑا ہولناک ہے۔ اس دن مالک امر مجازات کا حقیقی طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ ہوگا۔ اسی کا وصل یا فصل سعادت ابدی یا شقاوت ابدی کا موجب ٹھیرے گا۔ جو لوگ اسکی ذات پر ایمان لائے تھے۔ اور انہوں نے توحید اختیار کی تھی۔ اور اسی کی خالص محبت سے اپنے دلوں کو رنگین کر لیا تھا ان پر اس ذات کامل کے انوار رحمت صاف اور آشکارا طور پر نازل ہونگے۔ مگر جو لوگ ایمان اور محبت الٰہی سے محروم تھے وہ اس لذت و راحت سے بھی محروم رہیں گے۔ اور عذاب الیم میں مبتلا ہو جائینگے۔ الغرض قیامت کے دن ہر شخص جو کچھ بھلائی دنیا میں کر گیا ہے خدا کے یہاں چلکر اس کو موجود پائے گا۔ اور علی ہذا القیاس جو کچھ برائی کر گیا ہے اسکو بھی موجود پائے گا۔ پھر ہر شخص کو اسکے روکنے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور کسی فرد بشر پر ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کا نقشہ قرآن مجید کی اس آیہ شریفہ میں کھینچا گیا ہے یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسہا وتوفی کل نفس ما عملت وہم لا یظلمون ۔ قیامت کے دن ہر شخص اپنی ذات کے لیے جھگڑنے کو آموجود ہوگا اور ہر شخص کو اسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ اور لوگوں پر کسیطرح کا

نظلم نہ ہوگا +

(۳۴)

اسلامی عقائد میں بعث بعد الموت اور اعمال و افعال کے لئے عذاب کا عقیدہ ایک اہم بالشان عقیدہ ہے جو انسان کو نیکی کے اکتساب کی ترغیب اور بدی سے اجتناب کی ترہیب دیتا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اعمال و افعال کے نتائج جس قسم کے قیامت کے دن ظہور پذیر ہونے والے ہیں اُن کے اظلال و آثار اسی دنیا میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اصول مکافات قانون ردعمل یا جزا رو فاقاً اسی دنیا میں جاری و ساری ہے۔ جس طرح کے افعال و اعمال انسان سے سرزد ہوتے ہیں قدرت ان پر اسی طرح کے نتائج مترتب کرتی ہے جس قسم کا کوئی گناہ کرتا ہے اُسی قسم کی سزا پاتا ہے۔ متکبر اپنی عظمت کے اظہار کے لیے بڑائی کی لیتا ہے۔ تمام فہیم لوگ اسکو حقارت کی نگاہوں کیساتھ دیکھتے ہیں۔ چور حصول مال و زر کے لیے چوری کرتا ہے ہمیشہ مفلس و قلاش رہتا ہے۔ بخیل کو فراہمی درہم و دنانیر کی ہوس لگی رہتی ہے درہم و دنانیر ہی اسکے گلے کا ہار ہو جاتے ہیں اور وہ ان ہی کے سلاسل و اغلال میں مقید رہتا ہے۔ اور اپنے مال و منال سے خود بھی متمتع نہیں ہوتا۔ عیاش آدمی ناجائز لذات کی حرص میں ایسے امراض خطرناک کا شکار ہوتا ہے کہ جائز لذات سے بھی محروم ہو جاتا ہے الغرض جزا رو فاقاً کی اس قسم کی بیسیوں مثالیں مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں جو بطور اصول ایسے مناسب کے عذاب و عقاب اُخروی پر دال ہیں۔ مگر انسان نتائج اعمال سے غافل ہے اور قوانین قدرت کی ایک مقدس دفعہ کو بنظر غور و تعمق نہیں پڑھتا جو قرآن حکیم میں وارد ہے :۔

والذین کسبوا السیئات جزاء سیئة	اور جن لوگوں نے بُرے کام کیے تو برائی کا بدلہ
بمثلها وترهقهم ذلة مالهم من الله من	ویسی ہی بُرائی ہوگی اسکے علاوہ اُنکے مونہوں پر ذلت
عاصم کانما اغشیت وجوههم قطعا من اللیل	چھا رہی ہوگی اللہ کی مار سے کوئی نہ بچا سکیگا

مظلماً اولئك اصحب النار هم فيها نہیں انکے منہ ایسے کالے کلوٹے ہونگے کہ گویا
خلدون ۵ (پ ۱۱ س یونس ع ۳) شب تاریک کی چادر کو پہاڑ کر اسکے ٹکڑے انکے
مونہوں پر اڑھا دیئے ہیں یہی ہیں دوزخی کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے "۔
واللہ در من قال ؎ گندم از گندم بروید جو ز جو ۔ از مکافاتِ عمل غافل مشو ۔

(۴)

دنیا میں پاداش اعمال و افعال کی جو مثالیں وقتاً فوقتاً نظر آتی رہتی ہیں۔ وہ عذاب و عقاب آخروی کے لیئے بطور حقائق ثابتہ کے ہیں۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں اصول مکافات اور قانون ردعمل کی تشریح و توضیح کے لیئے ایک گاؤں کی مثال بیان فرمائی گئی ہے جہاں کے باشندے امن و امان سے خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے بطرافِ واکناف عالم سے اُن کی ما یحتاج و ضروریات وغیرہ کا انتظام بوجوہ احسن ہو رہا تھا اُن پر خدا کی اُن نعمتوں کی شکرگزاری لازم و واجب تھی مگر آہ! اُنھوں نے اظہار تشکر کی بجائے کفران نعمت کیا بلکہ اُن کی رشد و ہدایت اور تربیت روحانی کے لیئے حق سبحانہ و تعالیٰ نے جو پیغمبر علیہ السلام مبعوث فرمایا تھا۔ اُن ناہنجار و بدکردار لوگوں نے اس کی بھی تکذیب کی اور اس پر اور اسکے متبعین پر جور و ستم ڈھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ بالآخر کفران نعمت سلب انعام پر منتج ہوا اور اسی دنیا میں اُنپر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اس مضمون میں تفصیل اس اجمال کی اور تشریح اس مقال کی کیجائے گی۔ وما توفیقی الا باللہ ۔

(۵)

خدا نے جس گاؤں کی مثال آیات مرقومہ بالا میں بیان فرمائی ہے اس کی تشریح و توضیح نہیں فرمائی۔ مگر جو حالات اُس میں مذکور ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مکہ معظمہ اس کا مورد و مصداق ہے۔ چنانچہ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے

موافق یہاں قریہ سے مراد خاص مکہ معظمہ ہی ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
اپنی بی بی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کو بہ اتباع ارشاد باری تعالےٰ عزاسمہ
آباد کیا تھا اور اس مقام کے با امن و برکت اور مرجع خلائق ہونے کی دعا مانگی تھی اور
جسکے قریب اولین معبد حرم محترم اور بیت العتیق واقع تھا۔ قرآن مجید میں یہ واقعہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے اس طرح وارد ہے :۔

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا	اور اے کفار مکہ! اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے
البلد اٰمنا واجنبنی وبنی ان نعبد	خدا سے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو
الاصنام رب انھن اضللن کثیرا	امن کی جگہ کر اور مجھکو اور میری نسل کو اس گمراہی سے
من الناس فمن تبعنی فانہ منی	بچا کہ لگیں بتوں کو پوجنے۔ اے میرے پروردگار!
ومن عصانی فانک غفور رحیم	کچھ شک نہیں کہ ان بتوں نے اکثر لوگوں کو گمراہ کیا ہے
ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد	تو جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے
غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا	میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے
یقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من	میرے پروردگار میں نے تیرے معزز گھر خانہ کعبہ کے
الناس تھوی الیھم وارزقھم	پاس اس بیابان مکہ میں جہاں کھیتی نہیں اپنی کچھ
من الثمرات لعلھم یشکرون	اولاد لا کر بسائی ہے۔ تاکہ اے ہمارے پروردگار!
ربنا انک تعلم ما نخفی وما نعلن	یہ لوگ یہاں نمازیں پڑھیں تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل
وما یخفی علی اللہ من شیء فی الارض	انکی طرف کو مائل ہوں۔ اور دوسرے ملکوں کی پیداوار
ولا فی السماء الحمد للہ الذی وھب	سے ان کو روزی دے تاکہ یہ تیرا شکر کریں۔ اے
علی الکبر اسمٰعیل واسحٰق ان ربی	ہمارے پروردگار! جو مطلب ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں
لسمیع الدعاء ربہ اجعلنی مقیم	تجھ کو سب معلوم ہے اور اللہ پر کوئی چیز چھپی نہیں
الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل	رہتی نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ خدا کا شکر ہے جس نے

دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی — مجکو باوجود بڑھاپے کے اسمٰعیل اور اسحٰق عنایت کیے
وللمومنین یوم یقوم الحساب — کچھ شک نہیں کہ میرا پروردگار دعا کو سنتا ہی ہے
(پ ۱۳ س ابراہیم ع ۶) — میرے پروردگار! مجکو توفیق دے کہ میں نماز پڑھتا
رہوں اور نہ صرف مجکو بلکہ میری اولاد کو بھی۔ اور اے ہمارے پروردگار! میرے دعا قبول
فرما۔ اے ہمارے پروردگار! جس دن اعمال کا حساب ہونے لگے مجکو اور میرے ماں باپ
کو اور سب ایمان والوں کو بخش دیجیو"۔

(۶)

جس زمانہ میں سلطنت بابل کو ترقی کا معراج حاصل تھا مالی حالت کے استحکام
اور فوجی طاقت وحشمت وشوکت کے بل بوتہ پر وہاں کا بادشاہ غرور ونخوت کے نشہ
میں ایسا سرشار تھا کہ اُس نے دعوائے خدائی کر رکھا تھا۔

چنانچہ اُس نے سرکاری معبد اعظم میں اپنا سونے کا بُت رکھوا کر حکم دیا تھا کہ کافہ
الناس اسی کو اپنا معبود سمجھیں اسی کو سجدہ کریں اور اسی سے اپنی حاجات کی دعائیں
مانگیں خدائے تبارک وتعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے جناب ابراہیم علیہ السلام کو
مبعوث فرمایا۔ آپنے اپنے خویش واقارب اور ملک وقوم کو پرستش اصنام سے محترز
ومجتنب رہنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مگر بادشاہ کو صدائے
توحید پسند نہ آئی۔ اور قوم وملک نے بھی بفحوائے الناس علی دین ملوکھم اسی کی
ہم آہنگی اختیار کی۔ بالآخر سلطنت وحکومت اور ملک وقوم کی مخالفت سے مجبور ہو کر
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ملک وطن چھوڑ کر اپنی قوم وبرادری اور رشتہ داروں
کو خیرباد کہا۔ قرآن حکیم میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:۔

واذکر فی الکتب ابرھیم انہ کان — اور اے پیغمبر! قرآن میں ابراہیم کا تذکرہ بھی لوگوں سے
صدیقا نبیا۔ اذ قال لابیہ یآبت — بیان کر کہ وہ بھی بڑے ہی سچے نبی تھے کہ جب انہوں نے

لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر
ولا یغنی عنك شیئا۔ یا أبت انی
قد جاءنی من العلم ما لم یأتك
فاتبعنی اهدك صراطا سویا
یا أبت لا تعبد الشیطن ان
الشیطن كان للرحمن عصیا
یا أبت انی أخاف ان یمسك
عذاب من الرحمن فتكون
للشیطن ولیا قال أراغب
انت عن الهتی یا ابرهیم
لان لم تنته لأرجمنك واهجرنی
ملیا۔ قال سلم علیك سأستغفر لك
ربی انه كان بی حفیا واعتزلكم
وما تدعون من دون الله وادعوا
ربی عسی الا أكون بدعاء ربی شقیا
فلما اعتزلهم وما یعبدون من
دون الله وهبنا له اسحق
ویعقوب وكلا جعلنا
نبیا ووهبنا لهم من
رحمتنا وجعلنا لهم
لسان صدق علیا ۝

اپنے باپ سے کہا کہ اباجان! آپ کیوں ان بتوں کی
پرستش کرتے ہیں؟ جو نہ کچھ سنتے اور نہ کچھ دیکھتے
اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں۔ اباجان! مجھکو خدا
کی طرف سے ایسی معلومات حاصل ہوتی ہے جو آپ
کو حاصل نہیں ہوئی تو آپ میرے پیچھے ہولیجئے
میں آپکو دین کا سیدھا رستہ دکھادونگا۔ اباجان!
شیطان کے کہے میں آکر بتوں کو نہ پوجئے کیونکہ
شیطان خدائے رحمن سے باغی ہے۔ اباجان!
مجھکو اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو
خدائے رحمن کی طرف سے آپ کو کوئی عذاب
آپہنچے۔ اور آپ آخرکار جہنم میں شیطان کے ساتھی
بنیں۔ ابراہیم کے باپ نے کہا کہ ابراہیم! کیا تو میرے
معبودوں سے پھرا ہوا ہے؟ اگر تو ایسی باتوں سے
باز نہیں آئے گا تو ضرور میں تجھکو سنگسار کروں گا
اور اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے سامنے سے دور
ہو۔ ابراہیمؑ نے کہا اچھا تو میرا سلام ہے اس پر بھی
میں اپنے پروردگار سے آپ کی مغفرت کی دعا
کروں گا کیونکہ وہ مجھپر صدرجہ مہربان ہے۔ اور
میں نے تم بت پرستوں کو اور تمہارے ان بتوں کو
جن کو تم خدا کے سوا حاجت پڑنے پر پکارا کرتے ہو
سب کو چھوڑا اور اپنے پروردگار ہی کو حاجت پڑنے پر

پکار آکر دینگا۔ امید ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا
مانگنے میں بے نصیب نہیں رہوں گا۔ تو جب ابراہیم
نے ان بت پرستوں اور ان بتوں سے جنکو وہ خدا کے
سوا پوجتے تھے کنارہ کشی کر لی ہم نے انکو بیٹا
عنایت کیا اسحٰق اور پوتا یعقوب سب کو ہم نے
منصب نبوت سے بھی سرفراز فرمایا اور اپنی رحمت
میں سے انکو بڑا حصہ دیا اور انکے لیے اعلیٰ درجہ کا
ذکر خیر دنیا میں باقی رکھا"

(۷)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم وحکومت کی مخالفت سے اپنے وطن کو خیرباد کہا تو مہاجرت میں آپ کی بیوی ساؤ اور آپکے برادرزادے لوط بن فاران بھی آپکے ساتھ تھے آپنے کسب معاش کیلئے بھیڑ بکریاں پالی تھیں۔ خدائے تبارک تعالےٰ نے ان میں اسقدر برکت دی کہ انکے کئی گلے بن گئے جب اساک باراں سے وہ سرسبز وشاداب چراگاہ جہاں انکے گلے چرتے تھے صحرائے لق ودق ہوگیا تو آپ وہاں سے آگے بڑھے حتی کہ مصر پہنچ گئے۔ اس زمانہ میں ملک مصر کا بادشاہ رقیون نامی بابل کا باشندہ تھا۔ شاہ مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیحد تعظیم وتکریم کی اور لوازم مہمانداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ بلکہ آپ کی کرامتوں کو دیکھکر اپنی بیٹی ہاجرہ بھی ان کے نکاح میں دے دی اور انہیں کے بطن سے حق سبحانہ وتعالیٰ نے انکو پہلوٹھا بیٹا عنایت فرمایا۔ جسکا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔ جب بی بی ہاجرہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو بی بی سارہ کو کسی وجہ سے رنج ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ سے معاہدہ کیا تھا کہ ہم تیری ایک بات مانیں گے۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام اس قسم کے

معاہدات خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ اس معاہدہ کی بنا پر بی بی سارہ نے کہا کہ اس لڑکے اور اسکی ماں کو ایسے جنگل میں چھوڑ آؤ۔ جہاں سے ہمیں ان کی کوئی خبر نہ آئے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیلؑ اور بی بی ہاجرہؑ کو حکم الٰہی سے صحرائے لق ودق میں چھوڑ آئے۔ مگر خدا پر ایمان کی یہ کیفیت ہے کہ ایسی خشک بیابان و ریگستان کو البلد سے تعبیر فرماتے ہیں رب اجعل ھٰذا البلد اٰمنًا کیونکہ آپ کو یقین کامل تھا کہ کوئی دن میں یہ شہر مرجع خلائق بن جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ماں بیٹے کو چھوڑ کر عازم مراجعت ہوئے تو بی بی ہاجرہ نے پوچھا کہ ہمیں کس کے سپرد کرتے ہو؟ آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا کس کے حکم سے یہاں لائے ہو؟ فرمایا خدا کے حکم سے۔ اس پر اُس نیکبخت صابرہ نے کہا تو پھر اب ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔ غور کرو کہ اس بی بی کے پاس نہ روپیہ تھا نہ مال اسباب تھا نہ مویشی تھے۔ بچہ بھی صدیٔ السن تھا۔ وہاں کوئی مونس وغمگسار نہ تھا۔ کوئی آبادی نہ تھی صحرائی درندوں کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ مگر انہوں نے حق سبحانہ وتعالےٰ کے نام کے لیے صبر کیا۔ اس صبر جمیل کا نتیجہ حسنہ یہ نکلا کہ آج مکہ معظمہ کروڑوں مسلمانوں کا ملجا وماویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے نام کیلئے صبر کرے اسکے نتائج سے آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ صفا ومروہ سے یہ معرفت وشعور حاصل کریں کیونکہ وہ مقام اللہ تعالیٰ کیطرف سے صبر کے نتائج کے شعور کے حصول کا ذریعہ مقرر شدہ ہیں جو حج کرنے جائے وہ وہاں ذرا چل پھر کر دیکھے کہ ہمارا فضل اس صابرہ پر کیسا ہوا اور ہم کیسے قدردان ہیں:۔

ان الصفا والمروۃ من	بیشک کوہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اُس پر
شعائر اللہ فمن حج	ان دونوں کے درمیان طواف کے پھیرے کرنے میں کچھ
البیت او اعتمر فلا	

جناح علیہ ان یطوف گناہ نہیں بلکہ موجب ثواب ہے اور جو خوشی دلی
بہما ومن تطوع خیرا فان سے نیک کام کرے۔ از انجملہ یطواف۔ تو اللہ قدردان
اللہ شاکر علیم اور اس کی نیت کو خوب جانتا ہے۔

(پ ۲ س البقرۃ ع ۱۹/۳)

(۸)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بنت مضاض سید قبیلہ بنو جرہم سے شادی
کی جو عرب کا قدیم حکمراں قبیلہ اور مضاض اپنے علاقہ کا واحد فرماں روا تھا۔ خدائے تعالیٰ
نے بی بی ہاجرہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر تم میرے نام کے لیے صبر کرو گی۔ تو اس صبر کے
بدلے میں ہم تمہیں ایک لڑکا دیں گے جس کی اولاد واحفاد تمام جہان کے لیے موجب
ہدایت ہوگی۔ آسمان کے تارے اور ریت کے ذرے گننے آسان ہوں گے مگر تمہاری اولاد
کو کوئی گن نہ سکیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے
پیدا ہوئے۔ جنہوں نے ملک عرب کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ اور قلیل عرصہ میں بنی اسمٰعیل
اشتد پھیل گئے کہ مغرب کی طرف مصر سے جو ان کی ننھیال تھا جا ملے اور جنوب کیطرف
ان کے نیا یمن تک پہنچ گئے۔ جہاں ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے بھائیوں بنو قطورہ کو آباد
کیا تھا۔ اور شمال کیطرف اُن کی بستیاں شام سے جا ملیں۔ جہاں انکے بھائی بنو اسحٰق
آباد تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شمولیت سے میدان فاران عبادت الٰہی کے
لیے ایک بے چھت کی چار دیواری کھینچی اور دعا مانگی۔ اے سب کے پروردگار! میں نے
اپنی اولاد کو اس تپتے ہوئے خشک میدان میں آباد کیا ہے تاکہ وہ تجھی کو یاد کرتے رہیں
اے مالک الملک! اس سنسان جنگل میں آباد ہونے والی قوم کی روزی کا تو ہی سامان کر
کہ انہیں کھانیکے لیے عمدہ عمدہ فواکہ اور نقولات ملتے رہیں رب الارباب نے اپنے
خلیل کی یہ دعا مقرون باجابت فرمائی۔ چنانچہ اسکے آثار اب تک پائے جاتے ہیں

اور تا قیام قیامت پائے جائیں گے۔ زمین مکہ میں کوئی روئیدگی یا پیداوار نظر نہیں آتی مگر مکہ کے بازاروں میں میوہ جات خشک و تر اور انواع و اقسام کے بقولات مناسب قیمت پر بافراط ملتی ہیں ان فی ذلک لآیۃ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید (پ ۲۶ س ق ع ۳) جو صاحب دل ہو یا کان لگا کر حضور قلب سے بات کو سنتا ہو اُسکے لیے تو ان باتوں میں کافی نصیحت ہے"۔ (۹)

حرم محترم کی شہرت و عظمت زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے۔ خدائے تبارک و تعالیٰ نے اس جگہ کو با امن و با برکت شہر اور مرجع خلائق بنایا ہے۔ قدیم ترین زمانے سے خانہ کعبہ کا حج عرب کے ہر گوشہ کے لوگ کرتے رہے ہیں۔ یمن و حضرموت سے خلیج فارس کے کنارے شام کے جنگلوں سے جزیرہ و عراق عرب سے لوگ ہر سال مکہ معظمہ میں جمع ہوتے پائے جاتے ہیں۔ یہ مقام بلاشبہ ابدالآباد تک ایک زیارت گاہ رہے گا۔ اور جبتک روئے زمین پر انسان ہیں۔ اُسوقت تک وہاں ہر سال مسلمان حج کے لیے جمع ہوتے رہیں گے۔ خانہ کعبہ کبھی متروک نہ ہوگا۔ نہ ہی برباد ہو سکیگا اور نہ ہی حاجیوں کو دنیا کی کوئی طاقت حج سے روک سکے گی۔ حرم محترم ہمیشہ کے لیے امن کی جگہ رہیگا اس کے اندر ہر قسم کی حفاظت قائم رہے گی۔ اقوام عرب کی باہمی خانہ جنگیاں جو زمانہ میں کبھی ختم ہونے کو نہیں آتی تھیں۔ اس زمانہ میں بھی ان خونخوار طبائع کو خدائے تعالیٰ نے اس مقدس گھر کے سامنے ایسا جھکایا ہوا تھا کہ خطرناک سے خطرناک دشمن سے بھی جب وہ حرم کے اندر آجائے۔ بدلہ لینے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے حرم محترم کے اندر کبھی کوئی جنگ نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی کوئی دشمن اس پر کبھی غالب آسکتا ہے۔ خانہ کعبہ کی حفاظت حافظ حقیقی خود کرتا ہے۔ یمن کا بادشاہ ابرہہ جب بہت سے ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کے انہدام اور حرم محترم کے قلع و قمع کے واسطے مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا اور اہل مکہ تاب مقاومت نہ رکھتے تھے تو اسی حافظ حقیقی اور رب البیت نے بیت اللہ

شریف کی حفاظت کی اور فیل اصحاب فیل ہلاک و برباد ہوئے۔ ابرہہ کی ہلاکت سے تمام قوموں پر خانہ کعبہ کی عظمت کا ایسا رعب چھا گیا کہ وہ اہل مکہ کو بیش از بیش عزت و حرمت کی نگاہوں کے ساتھ دیکھنے لگے۔ رزاق مطلق نے اہل مکہ کی روزی کا سامان اپنی ربوبیت تامہ سے ایسے عظیم پیمانے پر کر رکھا ہے کہ دنیا کا کوئی خطہ نہیں جو مکہ معظمہ میں نہیں پہنچ جاتا۔ قریش ایک تجارت پیشہ قوم تھی وہ موسم سرما میں افریقہ، ہند اور یمن میں کسب معاش کیلئے جاتے تھے اور موسم گرما میں تجارتی اغراض کیلئے شام و ایران کا سفر کرتے تھے۔ بیت اللہ شریف کی عظمت کی وجہ سے اطراف و اکناف عالم کے سلاطین و تجار اور عامۃ الناس ان کی بیحد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ خدا کے اس فضل و احسان کا شکر ان پر لازم و واجب تھا۔ جس نے ان کی روزی ان کی عزت اور ان کی حفاظت کے سامان مہیا کیئے۔ اسی کی عبادت کرنا انکا اہم اور اقدم فرض تھا فلیعبدوا ربّ ھذا البیت الذی اطعمھم من جوع و اٰمنھم من خوف قریش کو چاہیئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے انکو بھوک میں غیر جیتے ہوئے کھانے کو دیا۔ اور لوٹ گھسوٹ کے خوف سے انکو امن میں رکھا۔

(۱۰)

اہل مکہ کے پاس بیت اللہ شریف کے مرجع خلائق ہونے کی وجہ سے تمام جہان کا سامان آتا تھا جس سے وہ بیحد آسودہ ہو گئے تھے۔ اور آسودگی سے ان میں خودی و خود پسندی ہو گئی تھی۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اس بیت اعظم کا مہنت سمجھنے لگے اور انھوں نے پوجا کا روپیہ سمیٹنے کے لیئے بیت اللہ شریف کو بت خانہ بنا دیا۔ اور اس میں معہ ایام سے تین سو ساٹھ بت نصب کیئے گئے۔ اللہ۔ منان۔ عزیز کی عبادت کی بجائے لات، منات، عزیٰ دیویوں کی پرستش شروع ہو گئی۔ جیسے ہندوستان میں مہادیو سے وہاں ہبل تھا جیسے یہاں دیوی ماتا ہے وہاں مالہ تھی۔ الغرض

مختلف اصنام و اوثان کے مختلف پجاری تھے۔ ہر بت کا پجاری لاکھوں روپیہ کماتا تھا۔ بت پرستی سے توہم پرستی پر سنجر ہوتی ہے۔ بت پرست کا دل و دماغ عقل و فراست سے خالی ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی قدر و منزلت بھول جاتا ہے۔ اشرف المخلوقات ہو کر قدرت کی ہر چیز شجر و حجر، شمس و قمر، جبل و بحر کو اپنا معبود سمجھتا ہے اور اس طرح اپنے خدام کا غلام بن جاتا ہے۔ یہی حالت اہل مکہ کی تھی۔ جائے حیرت و استعجاب ہے کہ اپنے ہی ہاتھ سے پتھر اور گارے کی مورتیں بناتے تھے اور پھر خود ہی ان کو سجدہ کرتے تھے۔ ان کے سامنے ناچتے کودتے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ اور رقص و سرود اور نذر و نیاز چڑھا کے بزعم خود ان کو خوش کرتے تھے اور اپنی نجات اور تقرب الٰہی کا ذریعہ وسیلہ جانتے تھے۔ اس قسم کے عقائد باطلہ اور توہمات بیہودہ سے عجیب و غریب جاہلانہ رسوم کے پابند ہو گئے تھے لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ نفس پرستی اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ فرزند اکبر اپنے باپ کی منکوحہ پر مثل دیگر جائداد کے قابض و متصرف ہو جاتا تھا۔ بیکاری و کاہلی سے شراب و قمار کی عادت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ زنا کا بازار گرم رہتا تھا۔ شراب کے دور چلتے تھے قمار بازی کا مشغلہ اور ہار جانے کا چرچا باعث عظمت و شہرت سمجھا جاتا تھا رقص و سرود کی محافل منعقد ہوتی تھیں۔ طوائف کے جھنڈی دار خیمے ان بندگان ہوا و ہوس کے چکلے تھے۔ جہاں امرا و شرفا نہایت بے شرمی سے علانیہ جاتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ انسان طوائف کی صحبت میں ہی آداب مجلس سے واقف ہوتا ہے اور اس کی طبیعت میں زندہ دلی آتی ہے۔ فصاحت و بلاغت کا استعمال خود ستائی یا دیگر اقوام کی تحقیر میں کیا جاتا تھا۔ اپنے فحش کارناموں اور اپنی معشوقہ کی آوارگی کی اشاعت میں بھی فصاحت و بلاغت سے کام لیتے تھے۔ قتل انسان۔ رہزنی۔ حبس بیجا۔ تصرف ناجائز مداخلت بے جا۔ عورتوں کو جبراً یا پھسلاوٹ سے بھگا لیجانا۔ ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا

خدا کو عیالدار سمجھتے تھے۔ فرشتوں کو اسکی بیٹیاں مانتے تھے جن کا ننھیال جنوں میں تجویز کر رکھا تھا۔ خود تو لڑکیوں کا باپ بننا موجب ذلت سمجھتے تھے۔ مگر اس اجب العزت کے واسطے اُن کے نزدیک یہ امر معیوب نہ تھا۔ باایں ہمہ اُن کا دعوے تھا کہ ہم ملت ابراہیمی کے متبعین ہیں اور ہماری حالت سے بہتر کوئی حالت۔ اور ہمارے تمدن سے بہتر کوئی تمدن اور ہمارے تدین سے بہتر کوئی تدین ہو ہی نہیں سکتا۔

(۱۱)

جناب ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسمٰعیل کی رشد و ہدایت روحانی تربیت اور تزکیہ نفس کے لیئے دعا مانگی تھی:۔

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم	اے ہمارے پروردگار! اِن مکہ والوں میں انہیں میں
یتلوا علیھم اٰیٰتک و یعلمھم	سے ایک رسول بھیج کہ اِن کو تیری آیتیں پڑھ
الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم	سُنائے اور انکو کتاب آسمانی اور عقل کی باتیں سکھائے
انک انت العزیز الحکیم۔	اور انکے نفوس کی اصلاح کرے بیشک تو ہی با اختیار
(پ ۱ - س البقرۃ ع ۱۵)	اور صاحب تدبیر ہے۔

جب اہل مکہ دین فطرت ملت ابراہیمی مذہب حنیف سے منہ موڑ کر جہالت و ضلالت میں گر کر قریب بہ ہلاکت پہنچے تو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اِن کی نجات کے لیئے دعائے خلیل اور نوید مسیحا کو مبعوث فرمایا:۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا	وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے جاہلوں میں اُن ہی
منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم	میں سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر
ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان	بنا کر بھیجا کہ وہ انکو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے
کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔	اور انکو کفر و شرک کی گندگی سے پاک صاف کرتے
(پ ۲۸ - س الجمعۃ ع ۱)	اور اُن کو کتاب الٰہی اور عقل کی باتیں سکھاتے ہیں

درنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

(۱۳)

جب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام اور دعوت الی الحق شروع کی تو اہل مکہ نے خیال کیا کہ ہمارے ہی خاندان کا ایک نوجوان ہمارے کارخانہ حکومت پر پانی پھیرنا چاہتا ہے تو وہ آگ بگولا ہو گئے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ انہیں کی قوم کے چند افراد مثل ورقہ بن نوفل۔ علی المرتضی۔ ابوبکر صدیق وغیرہم مشرف باسلام ہو گئے۔ اس پر تو بتوں کے پجاری اور بھی گھبرائے۔ اور انہوں نے مقابلہ کی ٹھانی۔ اور اسلام کے استیصال پر آمادہ ہو گئے۔ اور رواج اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے متبعین پر اس قسم کے جور ستم ڈھائے کہ قلم و زبان کو ان کے بیان کی طاقت نہیں۔ اس مضمون میں کفار قریش کے طرق مظالم اور جو پاک نفوس کہ ان کا نشانہ تھے۔ ان کے صبر و استقلال کا تذکرہ نہایت اختصار کے ساتھ کیا جائے گا۔ پہلے ہم ان بدسلوکیوں کا ذکر کرتے ہیں جو ان موذی خصائل جہال نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روا رکھیں۔

کئی بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے تاکہ اندھیری راتوں میں آمد و رفت سے آپکے پاؤں زخمی ہوں۔ ابولہب کی بیوی حمالۃ الحطب حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر کوڑا کرکٹ پھینک جاتی تاکہ صحت و جمعیت خاطر میں خلل پیدا ہو۔ اور راستہ میں کانٹے بچھا جاتی کہ آخر اوہر ہو کر گزرینگے تو بے خبری میں کانٹے چبھیں گے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا۔ اس نے اپنی چادر کو لپیٹ کر رسی جیسا بنایا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو چادر کو آپ کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک بہت بھنچ گئی مگر آپ اسی حضور قلب اور اطمینان خاطر سے سجدہ میں پڑے رہے۔ اتنے میں جناب صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اور انہوں نے دھکے دیکر عقبہ کو ہٹایا۔ اور قرآن حکیم کی یہ آیہ مجیدہ پڑھکر سنائی:۔

اتقتلون رجلا ان یقول ربی	کیا تم صرف اتنی بات پر ایک شخص کے قتل کے
اللہ وقد جاءکم بالبینت	درپے ہو کہ وہ خدا ہی کو اپنا پروردگار بتاتا ہے
من ربکم۔	حالانکہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے
(پ ۲۴ س المومن ع ۳)	پاس اپنی روشن دلائل اور معجزے لیکر بھی آیا ہے۔

اسپر چند اشرار مدکر دار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لپٹ گئے۔ اور اُن کو بہت زدوکوب کیا۔

ایک دن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے کفار قریش بھی اسوقت صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہل نے کہا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے۔ اوجھڑی پڑی ہوتی ہے۔ کوئی جاکر اٹھالائے اور اس شخص (حضرت رسول اکرم صلعم) کے اوپر دھرے۔ عقبہ مغا اٹھا نجاست بھری اوجھڑی اُٹھالایا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو آپ کی پشت مبارک پر رکھدی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو رب العزت کی جانب متوجہ تھے آپ کو کچھ خبر بھی نہوئی۔ کفار ناہنجار مارے ہنسی کے لوٹے جاتے تھے۔ اور ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی موجود تھے۔ ہجوم کفار سے اُن کا تو حوصلہ نہ پڑا مگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے آکر اپنے باپ کی پشت مبارک سے اوجھڑی کو پرے پھینک دیا۔

(۱۳)

قریش نے جو جور و ستم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر روا رکھے اُن کو غیر مکتفی سمجھا۔ اس لیے متفق کوششوں کی جگہ ایک باقاعدہ کمیٹی بنائی گئی۔ جس کا رئیس محب

ابولہب منتخب ہوا اور مکہ معظمہ کے پچیس صنادید روسائے مکہ کے ارکان مقرر ہوئے اس کمیٹی میں یہ تجویز قرار پائی کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے دق کیا جائے بات بات میں انکی ہنسی اڑائی جائے۔ اور تمسخر و ایذا و استہزا سے انکو سخت تکلیف دی جائے۔ اور انکے پیروؤں کو انتہا درجہ کی مشاکل و آلام اور شدائد و مصائب کا تختۂ مشق بنا کر اُن کا ناک میں دم کیا جائے۔ اس قرار داد کے مطابق قریش نے متبعین اسلام پر جو مظالم کیے اُن کا ایک شمہ درج ذیل ہے :-

بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے اور امیہ بن خلف کے غلام تھے جب امیہ نے سنا کہ بلال مشرف باسلام ہو گئے ہیں تو ان کے لیے نت نئے عذاب ایجاد کیے۔ انکی گردن میں رسی ڈالکر لڑکوں کے ہاتھ میں دیجاتی۔ اور وہ ان کو مکہ کی پہاڑیوں میں لیے پھرتے۔ رسی کا نشان گردن پر نمایاں ہو جاتا۔ وادیٔ مکہ کی گرم ریت پر انہیں لٹایا جاتا۔ اور گرم پتھر اُن کی چھاتی پر رکھدیا جاتا۔ اُن کی مشکیں باندھکر لکڑیوں سے پیٹا جاتا۔ دھوپ میں پھلایا جاتا۔ بھوکا رکھا جاتا۔ حضرت بلالؓ ان تمام مصائب و مصاعب کو نہایت استقلال و صبر کے ساتھ برداشت کرتے اور پوری استقامت سے احد احد کے نعرے لگاتے۔ بالآخر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کو خرید کر فی سبیل اللہ آزاد کر دیا۔

حضرت عمار ان کے والد ماجد یاسر اور والدہ محترمہ سمیہ رضی اللہ عنہم حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہوئے تو ابو جہل نے انکو سخت عذاب پہنچائے۔ ایک دن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مار کھاتے اور عذاب جھیلتے دیکھا تو فرمایا اصبروا یا آل یاسر! فان موعدکم الجنۃ۔ یاسر والو! صبر کرو۔ تمہارا مقام جنت ہے۔ ظالم شقی القلب ابو جہل نے نہتی سمیہ کے اندام نہانی میں نیزہ مارا جس سے وہ عفیفہ محترمہ جنت کو سدھاریں فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابو فکیہہ جن کا نام افلح تھا۔ ان کے پاؤں میں رسی باندھکر پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا۔ جناب بن ارث کے بال کھینچے جاتے گردن مروڑی جاتی۔ گرم پتھروں سے جسم پر داغ دیئے جاتے۔ بعینہ زنیرہ ہندیہ اور ام عبیس بیچاری لونڈیاں تھیں۔ اُن کے سنگدل آقا ان کو اسی قسم کی سخت سے سخت وحشیانہ سزائیں دیا کرتے تھے۔

اہل مکہ کا یہ سلوک غلاموں اور ضعیفوں کے ساتھ ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنے فرزندوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی ایسی ہی قساوت قلبی سے برتاؤ کیا کرتے تھے چنانچہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شیدایان اسلام میں داخل ہونے کی خبر اُن کے چچا نے سُنی تو وہ اس قدر برہم ہوا کہ اپنے بھتیجے کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دُھواں دیا کرتا۔ مصعب بن عمیر کو مشرف باسلام ہونے کی پاداش میں اُن کی ماں نے قید تنہائی کی سزا دی اور بالآخر گھر سے نکالدیا۔ بعض صحابہ کو ظالم قریش گائے کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر پھینک دیتے تھے اور بعض کو لوہے کی زرہ پہناکر جلتے پتھروں پر گرادیا کرتے تھے۔ غرض بیچارے نئے مسلمانوں کو سفاک درندے ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے کہ سرزمین مکہ حلقہ بگوشان اسلام کے لیے مشاکل و آلام اور مصائب و شدائد کا آسمان بن رہی تھی حق تو یہ ہے کہ اسلام کی صداقت اور پیروان اسلام کی صبر و استقلال نے ان تمام مظالم اور سختیوں اور بیرحمیوں کا مقابلہ پورے اطمینان قلب اور جمعیت خاطر سے کیا۔ والا امم سابقہ کے سابقون الاولون کے بعض لغزشوں نے چند کھوٹے روپیوں کے عوض میں اپنے انبیاء پر لعن و تشنیع کرنے اور اپنی جان بچانیکے لیے اہل گرفتار اور قتل کرنے سے باک نہیں کیا تھا۔

بدو اسلام میں مسلمان چھپ کر اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔
جناب فاروق اعظمؓ جب مشرف باسلام ہوئے اور حلقہ بگوشان اسلام کی تعداد چالیس نفوس پر مشتمل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! کفار اپنے معبودوں کو برملا پوجتے ہیں تو ہم اپنے قادر مطلق معبود حقیقی کی عبادت علی الاعلان کیوں نہ کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور چالیس مسلمانوں کو ساتھ لیکر کعبہ شریف میں تشریف لائے اور نماز ادا کی۔ کفار نابہنجار اس بات کو دیکھکر اور بھی زیادہ جلے اور مسلمانوں کو بیحد تکلیفیں اور اذیتیں پہنچانے لگے۔

(۱۵)

جب کفار نے دیکھا کہ ان تکالیف و آلام کی حلقہ بگوشان اسلام مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ اور اُن کا ہادی بھی نہایت استقلال و محنت کے ساتھ تعلیم و ہدایت پر قائم ہے تو انہوں نے بنو ہاشم سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کرنے کا ارادہ کر لیا معاہدہ مقاطعت جو ضبط تحریر میں لاکر کعبہ پر لٹکایا گیا اُس کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

بنو ہاشم اگرچہ بظاہر مسلمان نہیں ہوتے پھر بھی نبی کا ساتھ نہیں چھوڑتے اس بنا پر اُن سے قطع تعلق ضروری و لابد ہے۔ ان سے رشتہ ناطہ کرنا چھوڑ دیا جائے ان کو گلی بازار میں چلنے پھرنے سے ٹوکا جائے۔ ان کے ساتھ خرید و فروخت کے معاملات کی قطعی بندش ہو۔ ان کو کوئی چیز حتےٰ کہ اشیائے خوردنی تک مول بھی نہ دی جائیں۔ قریش نے اس معاہدہ کی ایسی شدت کے ساتھ پابندی کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا قبیلہ مجبور ہو گئے کہ گھر بار کو خیرباد کہکر پہاڑ کی گھاٹی میں محبوس ہو کر سکونت پذیر ہوں۔ کفار قریش نے اجناس خوردنی کا جانا بھی بند کر دیا۔ بنی ہاشم کے بچے مارے بھوک کے اس قدر آہ و بکا اور گریہ زاری

کرتے تھے کہ اُن کی آواز گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھی۔ اور اس سے قبہ فلک بھی گونج اُٹھتا تھا تین برس تک جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے خاندان نے اسی طرح بسر کیئے ۔

(۱۶)

جب کفار کا جور و ستم اور کفر و ظلم حد سے بڑھ گیا تو اُن کے اعمال و افعال کے عواقب و نتائج کے ظہور کا وقت آگیا۔ اور قدرت نے اُنکو اپنے قوانین کی مقدس وضع جَزَآءً وِّفَاقًا کے مطابق سزا دی فاذاقہا اللہ لباس الجوع و الخوف بما کانوا یصنعون۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں متواتر سات برس ایسا سخت قحط پڑا کہ جس نے ہر چیز تباہ و برباد کر دی۔ یہاں تک کہ لوگ کھال مردار ہڈی تک کھا گئے۔ ان میں کوئی آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتا تو مارے بھوک کے اس کو دھواں سا معلوم ہوتا۔ لوگ فاقہ کشی سے بلبلا اُٹھے۔ بالآخر ابو سفیان مجبور ہو کر جناب رسالتمآب صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ! (صلے اللہ علیہ وسلم) تم تو طاعت الٰہی اور صلۂ رحم کا دعوے کرتے ہو اور تمہاری قوم فاقہ کشی سے ہلاک ہو رہی ہے۔ اس کے لیے دعا نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح پر آیا ہے:۔

فارتقب یوم تاتی السماء بدخان	اے پیغمبر! اس دن کا انتظار کرو کہ سب کے
مبین یغشی الناس ھذا عذاب	دیکھتے آسمان سے ایک دھواں ظاہر ہو اور وہ
الیم ربنا اکشف عنا العذاب	سب لوگوں پر چھا جائے یہ ہے عذاب دردناک
انا مؤمنون انی لھم الذکری	جسکو دیکھکر یہ منکر بھی دعائیں مانگنے لگیں گے
وقد جاءھم رسول مبین ثم	کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر سے اس آفت
تولوا عنہ وقالوا معلم مجنون	کو ٹال کہ اب ہم تجھ پر ایمان لائے ہیں لیکن

انا کاشفوا العذاب قلیلا انکم عائدون ۰ (پ ۲۵ س الدخان ع ۱۰)

اس مُہلت میں سے انکو کیا نصیحت ہوگی اور انکا حال تو یہ ہے کہ ان کے پاس پیغمبر آیا اور اُس نے ہندی کی چندی کرکے ان کو سمجھایا اس پر بھی یہ لوگ اس سے بدکتے رہے اور یہی کہا کیئے کہ یہ تو کسی کا سکھایا پڑھایا اور بَولا ہے۔ لوگو! حجت تمام کرنے کے لیئے ہم تم پر سے اس عذاب کو چند روز کے لیئے ہٹا دیں گے مگر تم پھر وہی کفر کروگے ۔

(۱۷)

غرض کہ مکہ معظمہ میں ہر طرح سے امن و اطمینان تھا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس شہر کو با امن و بابرکت شہر اور مرجع خلائق بنایا تھا۔ اہل مکہ حرم محترم کی شہرت و عظمت کی وجہ سے جوع و خوف سے مامون و مصئون تھے۔ اہل مکہ پر لازم و واجب تھا کہ خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ بجالاتے۔ اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت توحید و عبادت کو لبیک اجابت کہتے مگر انہوں نے کفران نعمت کیا اور اپنے پیغمبر کی جو اُن کی ہدایت کے لیئے مبعوث ہوا تھا تکذیب کی۔ بلکہ اُن کو اور انکے متبعین کو جوع و خوف میں مبتلا رکھا۔ چنانچہ وہ خود غلہ خرید لیتے تا شعب بنی ہاشم میں نہ پہنچے۔ پیروان اسلام کو مشرکین کے خوف سے اپنے خانمان کو خیرباد کہکر ہجرت کرنی پڑی۔ قدرت نے قانون جَزَآءً وِّفَاقًا اصول مکافات کے مقتضاء و مقتضاسے ان کو جوع و خوف کی سزا دی فاذاقہا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون۔ سات سال تک مبتلائے قحط رہے اور چونکہ مسلمانوں کیساتھ لڑائی ٹھن گئی ان کی طرف کا ہی کھٹکا لگا رہتا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

خاکسار نور الدین۔ گوجرانوالہ

۴۸۶

مقصد حیات

اس نیرنگ آباد عالم اور اس عجائب کدۂ دنیا میں اگر غور سے دیکھا جائے تو اختلاف و بوقلمونی کے مظاہر آثار اور تضاد و گوناگونی کے صور و اشکال کے سوا کچھ بھی نظر نہ آئے گا۔ اگر دفعتہً کوئی ایسا انسان جس کی عمر کسی پُرسکون مقام پر بسر ہوئی ہو یعنی اس اختلاف کدۂ دنیا سے وہ مطلق روشناس نہ ہو ہماری دنیا میں جسکی ساری آرایش و زیبایش اختلاف سے ہی بھید یا جائے تو یقین کیجئے کہ وہ اس انتشار و اختلال اور اس تباین و تضاد سے اسقدر پریشان ہو کہ شاید چند ہی ہفتہ میں پاگل ہو جائے کیونکہ انسانی خیال و آرا سے لیکر قدرتی مصنوعات تک ہر شئے اختلاف کا مظہر اتم ہے۔ خصوصاً وہ امور جن کا تعلق انسان کے کسی حس سے ہو ان میں اتحاد و اتفاق کامل کا سراغ لگانا بالکل فضول اور اس میں کامیابی کی امید رکھنی خیالِ خام و امر محال ہے۔ حضرت انسان تو گویا اس لیے خلق ہی نہیں کیے گیے کہ وہ کسی ایک امر پر کلیتہً متفق و متحد ہو جائیں۔ چنانچہ وجود باری تعالیٰ سے لیکر معمولی روزمرہ کے مسائل حیات تک کسی ایک میں بھی انکو متحد الخیال آپ نہ پائینگے ایسی حالت میں مسئلہ زیر بحث یعنی مقصد حیات کی تعیین و تخصیص کرنی اور اسپر متفق علیہ نقطۂ نظر سے روشنی ڈالنی نہ صرف دشوار بلکہ غالب مرحوم کی زبان میں "دشوار تو یہی ہے کہ دشوار ہی نہیں" بلکہ محال ہے۔

مختلف مذاہب مختلف اقوام کے نزدیک مختلف مقاصد ہیں اور پھر اقوام سے گزر کر افراد کے آراء افکار میں علیحدہ اختلاف ہے۔

بعض کے نزدیک غلبۂ تصرف اور قوت و طاقت حاصل کرنا منتہائے زندگی ہے

اِن کے نزدیک انسان صرف اِس لیئے پیدا کیا گیا ہے کہ کمزوروں کو فنا کر کے خود اُنکی جگہ متصرف و متمکن ہو جائے۔ کیونکہ فطرۃ طبیعیہ کا رجحان بھی ہے۔ اور اِس خیال پر تنازع للبقا اور بقاے اصلح کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یعنی قدرت کا منشا ہی یہ ہے کہ خارجانہ قول کو استقرار و استمرار ہو۔ اور قوائے منفعلہ نیست و نابود ہو جائیں۔ جب قدرت ہی کا یہ منشا ہے تو انسانی زندگی کی غرض و غایت بھی یہی ہونی چاہیئے کہ وہ سرچشمۂ قہر و جبروت ہو اور قوت و طاقت کا پیکر اعظم بننے کی سعی کرے +

بعض کا خیال ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد صرف امن و سلامتی ہے یعنی عقیدہ مذکورۂ بالا کے بالکل خلاف بعض حیات دنیا کا ماحصل صرف رہبانیت کو قرار دیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک عیش و آرام کیساتھ زندگی بسر کرنی حیات انسانی کا مقصود اعظم ہے +

غرضکہ بیسیوں خیالات ہیں اور ہر خیال پر ہزاروں آدمیوں کا اتفاق ہے۔ پھر اختلاف طبائع کے لحاظ سے انفراداً ہر شخص زندگی کا ایک مقصد سمجھ لیتا ہے اور اُس کو مکمل کرنے کی فکر کرتا اور اُسپر خوش و راضی رہتا ہے۔ اگرچہ مذہب اسلام نے زندگی کی غرض و غایت بیان کر دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ انسان کو کس قسم کی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی جن اور انسان صرف خدا کی عبادت کے لیئے پیدا کیئے گئے ہیں مگر یہ حکم اسقدر تفسیر طلب اور محتاج وضاحت ہے کہ ہر شخص بآسانی اسکی جامعیت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور بظاہر یہ حکم ناممکن العمل سا معلوم ہوتا ہے کہ انسان صرف خدا کی عبادت کرے اور بس۔ اِس سے رہبانیت کا شبہ ناشی ہوتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اِس کے خلاف موجود ہے کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کا ہر وہ فعل جو قوانین اسلام کے مطابق ہو دائرہ عبادت میں داخل ہے۔ اور اسلام ایک پسندیدہ مذہب ہے

جسکے قوانین ہر قسم کی معاشی و معادی ترقی کے ضامن و کفیل ہیں۔ اسلیئے فرمایا کہ انسان صرف عبادت کے لیئے بنایا گیا ہے۔ یعنی اسکی زندگی کا مقصد صرف اتباع اسلام ہے +

اگرچہ اس سوال کا جواب کہ زندگی کیونکر بسر کرنی چاہیئے ؟ کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ جیسی رسول اللہ نے بسر کی۔ لیکن اکثر حکمائے اخلاق نے اس ضمن میں تعلیمات شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے ادبیات اخلاق میں ایسے اقوال چھوڑے ہیں جنسے مقصد حیات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور اسمیں کوئی کلام نہیں کہ جس ایجاز و اختصار کے ساتھ حیات انسانی کے لیئے ان بزرگوں نے ایک نظام عمل مرتب کر دیا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ ہر وقت آدمی کے پیش نظر رہے۔ اور چونکہ ان حکمائے اخلاق کے اقوال تعلیمات آلہیہ سے عموماً ماخوذ ہیں۔ اسلیئے فلاح و بہبودی کی معجزانہ قوت انکے اندر پائی جاتی ہے۔ مگر ان اقوال میں بظاہر وہ جامعیت نہیں ہے جو حیات انسانی کے متعلق تمام تعلیمات شرعیہ پر غور و فکر کرنیکے بعد مستطر ہوتی ہے اور جسکو مکمل نظام عمل کہہ سکیں کیونکہ طبیعت کے اقتضائے فطری کے مطابق جس نے جس طریق عمل کیا اسکو مرجح سمجھکر دوسروں کو بھی اسی کی ترغیب دی۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں۔ طبائع کا اختلاف مقصد حیات کو بھی مختلف کر دیتا ہے۔ اور شریعت نے اختلاف طبائع کا لحاظ رکھا ہے۔ مثلاً بعض اصحاب رسول اللہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ خوب کمائیں اور خوب خرچ کریں۔ بعض صحابہ سے ایسے اقوال مروی ہیں کہ وہ زیادہ وقت ذکر الٰہی میں صرف کرنا۔ اور بقدر ما یحتاج روزی حاصل کرنے کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ مال و دولت خواہ جائز طرق سے حاصل کیا جائے مگر وہ اسکی تکثیر کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اب ان مختلف المذاق صحابہ کرام کی روش حیات کو کون ہے جو مذموم ٹھیرائے۔ یقیناً دونوں خیال مستحسن تھے اور شریعت نے دونوں کی رعایت رکھی ہے۔ اسیطرح حکمائے اخلاق نے

بہ تفاوت مذاق خیالات ظاہر فرماتے ہیں۔ جنسے اس مسئلہ [illegible] ہوسکتی ہے کہ انسان کو کیونکر اور کس قسم کی زندگی دنیا میں بسر کرنی چاہیئے۔

اس مسئلہ پر ہم سب سے پہلے حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ پیش کرتے ہیں۔ آپنے وہ عصر عمل میں حیات انسانی کے لیئے وہ نظام عمل پیش کیا ہے جسکو اگر دستور العمل بنایا جائے تو اقوام عالم کی باہمی کشمکش باحسن وجوہ مٹ سکتی ہے

چناں زی کہ از زیستن حالیاں ترا سود و کس را نباشد زیاں

فرماتے ہیں کہ انسان کو زندگی اس طرح بسر کرنی چاہیئے کہ اسکو فائدہ حاصل ہو اور اس طلب منفعت سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔

آج اس ہنگامۂ عمران و تمدنیت میں ہر قوم ہر فرقہ اور ہر فرد کی یہی سعی و کوشش ہے کہ وہ نفع حاصل کرے۔ زندگی کا یہی ایک نصب العین ہے جس نے دنیا میں ایک ہنگامۂ قیامت برپا کر رکھا ہے۔ اور نہ صرف اقوام میں بلکہ افراد میں بھی ایک تصادم و تضارب کی سی کیفیت پیدا ہے مگر اس جذب نفع کے ساتھ اگر حضرت نظامیؒ کے مشورہ پر عمل کیا جائے یعنی اگر انسان اس طریق کا پیرا پابند ہو جائے کہ دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر حصول منفعت کی کوشش کرے تو مطلع عالم پر امن و راحت کی بہشت زار آج دنیا میں اتر آسکتی ہے۔ اور ایک ایسا کامل سکون پیدا ہو سکتا ہے کہ چشم فلک نے بھی کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ بہشت کی تعریف انسانی متخیلہ نے یہ کی ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

حضرت نظامیؒ کا پر امن فلسفۂ حیات اس ہنگامہ پذیر دنیا کو بھی ایسی ہی فردوس بریں کے قالب میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ دنیا کی جنگجویانہ مسابقت صرف اسی وجہ سے ہے کہ انسان نفع ذاتی کے مقابلہ میں نقصان غیر کی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن یہی شبہہ ہے کہ یہ ممکن بھی ہے یا نہیں کہ دوسرے کو مضرت پہنچے بغیر نفع حاصل کیا جائے۔ کیونکہ اگر

ذرا تعمق نظر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے :۔

گوہر ہر سود در جیب زیاں انداختہ

یعنی کوئی نفع بغیر کسی نقصان کے حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً فرض کیجئے کہ کسی سے آپ نے کوئی چیز ایک روپیہ میں خریدی۔ اسمیں بائع کو بھی کا فائدہ ہوا کیونکہ اس کی ۱۲ر کی تھی۔ تو گویا بائع نے مشتری سے بھی زائد لیے۔ اور یہ مشتری کا نقصان ہوا ہے۔ اسی طرح تمام انفرادی و بین الاقوامی منافع نقصان کے آغوش میں پرورش پاتے ہیں۔ اور اسی سے ایک قوم کی ترقی دوسری قوم کے تنزل کا باعث ہوا کرتی ہے۔ یہ قانون فطرت ہے۔ اسمیں توازن و یکسانیت پیدا نہیں کیجا سکتی۔ بہرحال اس نظر سے حضرت نظامی قدس سرہٗ کا فلسفہ ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت نظامیؒ کا مقصد نقصان رسانی سے معاندانہ خصومت کیساتھ ہے۔ کیونکہ باہمی مفاہمت سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ امن و سلامتی کا راہزن نہیں ہوتا۔ اسکے علاوہ اس نقصان کو نقصان نہ کہنا چاہیئے۔ اس لیئے کہ اس نقصان کے معاوضہ میں اسکی ضرورت رفع ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح وہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔ اسی کو مکافات عمل بھی کہتے ہیں اور اسکے بغیر نظام عمل جو تمام دنیا پر محیط ہے چل نہیں سکتا۔ اس لیئے اس باہمی رسانی سے مطلق گریز تو ناممکن ہے مگر ایسی مضرت رسانی سے اجتناب کیا جا سکتا ہے جو معاندانہ ہو۔ اور جس سے کشاکش زندگی میں بجز اضافہ ہونیکے کوئی فائدہ نہیں اور اگر ہو بھی تو امن و اطمینان کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

غرضکہ امن حیات و راحت زندگی کے اصول کو جس خوبی کے ساتھ نظامیؒ نے پیش کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر انسان اسکو اپنا دستور العمل بنائے۔ اسمیں کلام نہیں کہ آسایش زندگی کے لیے جو اصول حضرت نظامی گنجوی نے پیش کیا ہے وہ اخلاق و تہذیب نفس کا بہترین کلیہ ہے اور عام حالات کے بالکل مطابق ہے۔ یعنی کم از کم

انسان کو ایسی زندگی تو ضرور بسر کرنی چاہیئے جس میں دوسرے کا نقصان متصور نہ ہو اور اپنا فائدہ بھی ضائع نہو۔ لیکن تہذیب اخلاق و شرف نفس کا اقتضا اس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ اور عام حالات سے گزر کر ایک خاص حالت بھی ہوتی ہے اور اسکے لیے اس سے بلند تر معیارِ حیات ہونا چاہیئے جس میں نہ صرف مضرت غیر سے اجتناب کیا جائے بلکہ نفع غیر کے لیے اپنا کچھ نقصان بھی اٹھالیا جائے۔ جسکو ایثار و انفاق سے تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ شرعاً یا عقلاً اسکے لیے کوئی مجبور نہیں ہے مگر اعلیٰ انسانیت کے مجد و شرف کا اقتضا اخلاقی ضرور ہے چنانچہ اس خیال کو پیش نظر رکھکر ایران کے مشہور حکیم حضرت سعدیؒ نے جو معیار انسانی زندگی کے لیے پیش کیا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ آب زر سے لکھکر اسکو اپنی زندگی کا نصب العین و مطمح نظر قرار دے وہ فرماتے ہیں:۔

یاد داری کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں
آنچناں زی کہ وقت مُردنِ تو ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

اگرچہ ظاہر الفاظ میں نفع و مضرت اور ایثار و انفاق کا کوئی ذکر نہیں مگر دوسرے شعر کا تیسرا مصرعہ انسانی مقصدِ حیات پر ایک ایسی ضخیم کتاب ہے جس میں تمام شعب حیات و شاخہائے زندگی پر کامل تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور جس میں انسان کی ہر قسم کی معاشی و معادی زندگی کے لیے ایک اعلیٰ معیار پیش کیا گیا ہے۔ جسپر عمل کرنے سے دین اور دنیا دونوں میں سرخروئی حاصل ہو۔

غور سے دیکھئے کہ حیات انسانی کے لیے کتنے مختصر الفاظ میں کسقدر وسیع المعنی اور جامع معیار پیش کیا گیا ہے جس کی شرح اگر کی جائے اور تفسیر بیان موتو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ صرف دو جملہ ہیں۔ "ہمہ گریاں بوند و تو خنداں" انہیں جملوں میں انسانی زندگی کے وہ تمام مراتب ضبط کر دیئے گئے ہیں جو ایک شریف النفس

اعلیٰ انسان کا وہ مستقل عمل ہے جسکی تاثیر سے اسکے اندر رہتے ہیں۔ ایسی زندگی بسر کرنا کہ اسکی موت سے ہر خاص و عام ماتم کریں ان تمام محاسن و محامد اخلاق کو محیط و حاوی ہے جو تعلقات باہمدگر سے وابستہ ہوتے ہیں اور موت کے وقت جو اسکا ہنسنا ان خوشگوار تعلقات پر روشنی ڈالتا ہے جو عبد و معبود میں ہوتے ہیں +

دوسروں کا وقت مُردن رونا اس امر پر دال ہے کہ اسکی ذات سے انکو نفع پہنچا اور اس نفع رسانی کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنا کسی قسم کا نقصان بھی نہیں کیا۔ اور دوسروں کو نفع پہنچایا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنا ذاتی نقصان برداشت کرکے خلق اللہ کی نفع رسانی میں کوشش کی۔ اب غور فرمائیے کہ اگر ایسی زندگی بسر کی جائے اور زندگی کا یہ اصول ہو کہ دوسروں کو نفع پہنچے تو کیا اسکے بعد بھی دنیا کا اخلاقی دُکھ باقی رہے گا۔ اور کیا ایسی شریفانہ زندگی گزارنے کے بعد بھی تصادم اضراب و تضارب افراد کی جہنمی لعنت سے دنیا کو نجات نہیں مل سکتی۔ حالانکہ اسی اصول اخلاق و شرافت کے استغنا و بے نیازی کی وجہ سے پرسکون دنیا و زندگی و سبکیت کی پھٹکار میں گرفتار ہے اور یہی اصول ایثار و اتفاق ہے جسکو چھوڑ دینے کے باعث دنیا پر اخلاقی موت طاری ہو گئی ہے۔ اور انسان جسکو لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اور نفخت فیہ من روحی آدم کے لقب اور اشرف المخلوقات کے خلعت سے سرفراز کیا گیا تھا سلار اعلیٰ کی مشین گویوں کے مطابق یفسد فیہا ویسفک الدماء کی زندہ تصویر بن گیا ہے۔ اور حرص و آز میں مبتلا ہو کر طغیان و فساد کا ایسا ملاطم خیز طوفان برپا کیا ہے کہ شرافت اخلاق کی کشتی ساحل مراد پر لگنے ہی نہیں پاتی۔ حالانکہ حکیم شیراز کے صرف ایک مصرعہ میں اس دنیا کی لاانتہا بیماریوں کا حکمی علاج موجود ہے۔ اب اس فلسفہ زندگی کا دوسرا رخ دیکھو۔ یعنی انسانی زندگی کا وہ تعلق جو بندہ کا خدا کیساتھ ہوتا ہے۔ اسکی نسبت عارف شیراز نے فرمایا کہ تو خدا

یعنی وہ یوم آخرت اور اس دن کے حساب کتاب سے اسقدر مطمئن ہو اور اسکا معاملہ خداوند قدوس کے ساتھ اس درجہ صاف ہو کہ کسی قسم کا خوف نہو اور ہنسی خوشی مرنے کے لیے تیار ہو

اس سوال کے جواب میں کہ زندگی کس قسم کی گزارنی چاہیئے ؟ بہترین جواب جو اعلیٰ اصول اخلاق و شرافت نفس و محبت انسانیت پر مبنی ہے مختصراً سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں یہی ہے کہ :-

آنچناں زی کہ وقت مردن تو ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

لیکن اگر یہ ممکن نہو تو کم از کم نظامی علیہ الرحمۃ کا مشورہ لازمۂ حیات انسانی ہونا چاہیئے یعنی ؎

چناں زی کہ از زیستن سالیاں ترا سود و کس را نباشد زیاں

انسانیت کا یہ ادنیٰ درجہ ہے کہ اگر کسی کو نفع نہ پہنچے تو کم از کم نقصان سے تو محفوظ رہے

اسی ضمن میں بعض دیگر بزرگان کرام کے اقوال بھی دلچسپی سے خالی نہوں گے سرمد جو اپنی متصوفانہ اور آزادانہ زندگی کی بنا پر بہت کچھ مشہور ہیں اور متاخرین صوفیاء میں بلند پایہ کے بزرگ مانے جاتے ہیں وہ اپنے مذاق متوکلانہ کے مطابق پُر قناعت زندگی کا وعظ کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :-

آنکس کہ شراب میخورد میگذرد آنکس کہ کباب میخورد میگذرد

سرمد کہ بکاسۂ گدائی ناں را تر کردہ بآب میخورد میگذرد

مقصد یہ ہے کہ زندگی بہر طور بسر ہو جاتی ہے خواہ عیش و آرام کے ساتھ ہو یا تکلیف کے ساتھ۔ پھر اس گذشتنی چیز کے لیے بیفائدہ رنج و غم کیوں اٹھایا جائے دوسروں کو نقصان پہنچا کر انکو تکلیف کیوں دیجائے۔ اس رباعی سے قناعت و توکل بے جا کی بو آتی ہے۔ مگر غور طلب امر یہ ہے کہ اگر انسان اس حقیقت کو ذہن نشین کرلے کہ زندگی ہر حال میں گزر جائے گی۔ اس چند روزہ حیات دنیاوی کے لیے کیوں ایسے کام کیے جائیں جنسے فساد و خرابی پیدا ہو۔ دنیا کا امن غارت ہو اور عاقبت

واطمینان رخصت ہوجائے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ہر حال میں راضی، ہر رنگ میں خوش۔ ہر زندگی پر قانع رہکر گزرے تاکہ نہ کسی کو شکوہ ہو نہ شکایت۔ خود بھی مطمئن اور دوسرے بھی راضی و شاد کام ۔

اس خیال سے فریب مرزا عبد القادر بیدل فرماتے ہیں :-

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں ۔۔۔ آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے اسباب جنپر مدار حیات ہے بہت کم ہیں۔ اور تکلفات کی کوئی حد نہیں۔ جب فطرتاً کوئی مجبوری نہو تو غیر ضروری چیزوں کے لیے کلفت و مصعوبت برداشت کرنیکے علاوہ دوسروں کو تکلیف دینا دانشمندی کے خلاف ہے ۔

لیکن یہ تمام خیالات ایسے ہیں جنپر عمل ممکن نہیں۔ اور اگر سب اسپر عامل ہوجائیں تو پوری قوم تباہ و برباد ہوجائے۔ حقیقی راستہ و صراط مستقیم وہی ہے جو سعدیؒ اور نظامیؒ نے بتلایا ہے ۔

عرفی شیرازی نے بھی اس راستہ میں رہنمائی کی ہے اور تقریباً حضرت سعدیؒ ہی کے خیال کو دوسرے انداز میں پیش کیا ہے ۔

چناں باش بعرفی بسر کن کز پس مُردن ۔۔۔ مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزانت

ایسی ہر دلعزیزی حاصل کرنی جو ہر قوم اور ہر قوم کا ہر فرد خوش و راضی ہو۔ یہ بھی اسوقت ممکن ہے کہ تمام شخصی و جمہوری تعلقات میں ہر وقت اسکا لحاظ رکھا جائے کہ کسی کو کم از کم مضرت نہ پہنچے بلکہ دوسروں کو فائدہ حاصل ہو۔ اور اپنا کچھ کھو کر بھی لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ اور اس میں کوئی فرق و تمیز نہو۔ اسقدر ایثار و قربانی کے بعد یقیناً اس درجہ ہر دلعزیزی حاصل ہوسکتی ہے کہ ہر قوم اس سے محبت کرے اور اپنے عقیدہ کے مطابق انتہائی تعظیم و تکریم کا مستحق گردانے۔ مرزا صائب اصفہانی

بھی اسی کے ہم معنی ایک لطیف تشبیہ کے ذریعہ اس خیال کی ترجمانی کرتے ہیں ؎

مرا از صافیٔ مشرب زخود دانند ہر قومے ۔۔۔ کہ ہر ظرفے برنگ خود برآرد آب روشن را

یعنی میں اسقدر صلح کل اور صاف مشرب ہوں کہ ہر قوم مجھکو اپنے میں شمار کرتی ہے۔ جس طرح صاف پانی جس برتن میں جاتا ہے وہی صورت اختیار کر لیتا ہے کسقدر کامیاب زندگی ہے اور کسقدر قابل رشک۔ مگر یاد رکھیے۔ ایسا مرتبہ اگر حاصل ہو سکتا ہے تو صرف اسی صورت سے جو سعدی رح نے بتلائی ہے۔ اب خدا تبدیل ذائقہ کے طور پر عمر خیام کا فلسفہ بھی سن لیجئے کہ وہ کس قسم کی زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیتے ہیں ؎

بیا بادہ بنشیں کہ ملک محمود این است ۔۔۔ وز چنگ شنو کہ لحن داؤد این است

از آمدہ و رفتہ دگر یاد مکن ۔۔۔ حالے خوش باش زانکہ مقصود این است

عارف ہسوی

محفل نامہ

گیارہویں شریف

حضور غوث پاک رض کی گیارہویں میں پڑھنے کی نہایت معتبر، موثر، اور نظم و نثر سے

آراستہ کتاب

حضرت خواجہ حسن نظامی کی بالکل تازہ تصنیف

نقرئی ولایتی جلد بندھی ہوئی

قیمت ۱۲ ار

منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

فنا و بقا

خدا کا ایک بندہ۔ بیمار عشق اپنے ذوق و شوق میں رات کے وقت سناٹے کے عالم میں کہتا ہوا نکل گیا ؎

کاگا سب تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس دو نیناں مت کھائیو کہ پیا ملن کی آس

کیسا حسرت و آرزو سے بھرا ہوا دعا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خواہ دنیا کے زاغ تمام جسم اور گوشت کھا جائیں تو پرواہ نہیں۔ لیکن دو آنکھیں باقی رہ جائیں۔ بلا سے جسم نہ ہو۔ لیکن نظر سلامت ہوگی تو پیا کو تو دیکھ لوں گا۔ یہی عین عشق ہے اور اسی محویت و آرزو کو صوفیائے کرام عشق حقیقی سے تعبیر کرتے ہیں ؎

تنم بسوخت۔ جگر سوخت استخواں ہم سوخت ہزار سوختنم۔ ذوق سوختن باقی ست

جب تک راہ عشق میں ایسے نہ ہو جاؤ گے۔ تمہاری فنائیت بقا کو نہ پہنچے گی کیونکہ تمہارا یار باقی ہے اور اس سے فنا دور ہے۔ لیکن راہ عشق میں بہت سے کانٹے ہیں۔ سب کو توڑ ڈالو۔ تب اسکو پاؤ۔ محو فنا ہو کر یار میں مل جاؤ۔ اور ابدی بقا حاصل کرو دنیا میں سیکڑوں عشق کا دعوے کرتے ہیں۔ لیکن مندر و مسجد پر لڑتے ہیں۔ کاش یہ جانتے ؎

حرم و دیر میں ہے جلوۂ پُر فن اُن کا دو گھروں کا ہے چراغ اک رُخ روشن اُن کا

؎

یہ جو ہیں دیر و حرم ایک کے دونوں گھر ہیں راز کا ان کے ہوا کوئی نہ محرم پیدا

؎

در حیرتم کہ دشمنیٔ کفر و دیں چرا ست از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

معشوق حقیقی کا جلوہ پُر فن کعبہ سب جگہ ہے۔ "نحن اقرب من حبل الورید" کا

فرمان پیغمبر بشر کے لیے ایک ہے ہندو۔ مسلمان۔ پارسی عیسائی۔ یہودی کی قید نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کامل صادق ہو۔ وہ تہ حلوا سکنے سے حلوا سکنا نہیں آجاتا۔ جب تک اُسکا سامان موجود نہو۔ اور سامان پیدا ہو جانے پر بت خانہ میں بھی خدائی کی سیر نظر آجاتی ہے ؎

آؤ مومن تمہیں بھی دکھلا دیں سیر بت خانہ میں خدائی کی

آنکھوں والا صرف وہی ہے جس نے دنیا کی ضد کو چھوڑ کر پیار سے لگائی۔ ہوش و حواس والا صرف وہی ہے جو ہر وقت کمال حسن عین خوبی یعنی معشوق حقیقی کو دیکھکر سرور حاصل کر رہا ہے ؎

کہب گیا جبکہ ولیں حسن ترا رنگ سکتہ کا ایک عالم تھا

اس من و تو کو مٹا دو۔ نام و نشان تک نہ رہے۔ پھر یار نظر آئے گا ؎

نہ دار آخرت نے دار دنیا در نظر دارم زعشقت کار چوں منصور با دار و گر دارم

جب تک کنگھے کی طرح اپنے سر کو آرہ کے نیچے نہ رکھو گے معشوق کی زلف تک رسائی نہ ہوگی ؎

تا شانہ صفت سر نہ نہی در تہ آرہ ہرگز بسر زلف نگارت نرسی

جب سب سے بیگانہ ہوگے تو معشوق سے یگانہ ہوگے ؎

تا خانۂ دل خالی از اغیار نیابی بام و در خانہ پر از یار نیابی

اس راہ میں دل سے چلو۔ قدم سیدھے پڑیں۔ ورنہ قربت حاصل نہوگی معشوق حقیقی تک پہنچنا ہے۔ کہیں دل لگی نہیں۔ ذرا آنکھ چوکی اور گرے ؎

گیرم کہ بشب خلد بسیار کنی در روز دوائے شخص بیمار کنی

تا دل تو کنی ز غصہ و کینہ تہی صد خرمن گل بر سر کہسار کنی

دیکھو۔ اس تک پہنچنا بے مشکل ہے دنیا کے بڑے بڑے اسی کو دیکھکر مارے

حق معرفت فرمایا ہے۔ دل خالی کرو۔ پھر یاد۔ رو سلوک سامنے ہی عشق کا دریا نظر آتا ہے کشتی بھی موجود ہے۔ بسم اللہ۔ سوار ہو جاؤ۔ اور مثل حضرت صدیق اکبرؓ صدقت یا رسول اللہ کہتے ہوئے چلو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرح ذات رسالت میں جلوہ الٰہی دیکھو۔ اور پھر معشوق حقیقی کا ملنا آسان ہے۔ جب وہ مل جائے گا تو سب کے محبوب ہو جاؤ گے۔ بانسری خالی ہو گئی تو کرشن جی نے خود منہ لگایا جب تم خالی ہو کر اور باعث کون و مکاں کا سہارا لیکر بڑھو گے تو پیا منہ لگالیگا ؎

تہی زخویش چو نے شو زلبِ تو سرِ خود ۔ وگرنہ بوس لب لعل نامی آسان نیست

عارف اس دنیا پر لات مار کر ابدی معشوق کو پاتے ہیں۔ اور یہی فنا در بقا ہے۔ باقی کچھ نہیں +

محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی

علمی مسئلہ

حریفان تصوف کے چہرہ پر

شیخ المشائخ مصر کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جسکا نام اسلام کا انجام بدست صوفیائے کرام ہے اور جس میں حسب ذیل بیانات ہیں اور جسکو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے ترجمہ کرایا ہے۔

مسلمانوں کی آبادی میں تنزل کی فلسفیانہ دلائل

مدرسوں میں ہم ذلیل کیوں کئے گئے

صوفیہ پر علمی و عقلی اعتراض کرنے والوں کے علمی و عقلی مدلل جواب

فلسفۂ اشاعت اسلام

فلسفۂ تعلیم و تدبیر ترقی

فلسفۂ زوال

اسلام کا انجام بدست صوفیائے کرام

فلسفۂ تدبیر علاج

قیمت صرف ۱؎

منیجر نظام المشائخ دہلی سے ملنا چاہئے۔

۵۵

کعبۂ دل

اے قادرِ مطلق۔ الغیاث! اے مالک الملک الامان۔ کیونکہ میں لٹ گیا میرا گھر اجڑ گیا۔ ویران ہوگیا۔ اپنا پرایا اور یگانہ بیگانہ ہوگیا۔ کل جس مملکت و حکومت کا میں مالک و حاکم تھا۔ آج وہ غیر کے دست تصرف میں ہے۔ غیر بھی کون؟ دشمنانِ دین و ایمان۔ کافران بدکیش۔ بتان سنگ دل! کل جس گھر میں تو آباد جس مکان میں تو مکین۔ اور جس جلو خانے میں تو جلوہ افروز تھا۔ جس مکان کو تو نے قلب المؤمن مرآۃ الحق سے خطاب کرکے عزت دی۔ شرف بخشا۔ رتبہ میں عرش سے بالا اور شان میں کعبہ سے برتر بنا دیا۔ وہ تنگ و تاریک مکان جسکو تو نے وسعت دارین کی عزت عطا کی۔ اور جس میں خود تو نے کہ جو کہیں نہیں سما سکتا مقیم ہوکر رشکِ صدارم بنا دیا ہے اُسی خانۂ محترم اور اُسی متبرک مکان پر اب غیروں کا قبضہ ہے۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر تو تیرے ایک برگزیدہ دوست کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی اور کعبۂ دل کو اُس سے بہت پہلے بلکہ روزِ ازل ہی سے خود تیرے زبردست ہاتھوں نے بنایا تھا۔ اسکی بنیاد چند جیں سیاہ پتھروں پر اور اسکی ہستی چند متحرک خون کے قطروں پر قائم کیگئی تھی۔ وہ اگر سیاہ پوش ہے تو قلبِ انسانی میں بھی ایک داغ سوداسیہ موجود ہے۔ وہ ماتمی لباس میں ہے تو یہ سُرخ جامۂ شہادت سے آراستہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ ظاہر بے حس اور یہ باطن متحرک۔ وہ ظاہر پرستوں کا قبلہ اور یہ باطن پرستوں کا کعبہ۔ اُسکے شکستہ حصے کی مرمت ہوسکتی ہے۔ اور یہ ٹوٹکر نہیں جُڑ سکتا اور بگڑ کر نہیں بن سکتا۔ اسی لحاظ سے کعبہ دل کی حرمت و عزت اور وقعت و عظمت اُس سے برتر۔ اُس سے افزوں اور افضل ہے۔ گو خانہ کعبہ کے

تھے اب بھی ہزاروں سرکشوں اور لاکھوں متمردوں کے سر عجز و نیاز خم ہوتے ہیں لیکن کعبۂ دل میں بھی اب کچھ پہلے ایسا ہی تھا۔ لیکن آہ! جب اُسی نے بتانِ حرص و آز کو اپنے اندر جگہ دی۔ جب اُسی نے حسرت و ارمان (یعنی معبودانِ ہوا و ہوس) کو اپنا مہمان بنایا۔ تو پھر کہاں رہی وہ حرمت و عزت اور کیونکر باقی رہ سکتا ہے اُس کا وہ مجدہ شرف ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" اب بتیا ب و بیقرار ہو کر یہ کہنا کہ ع "دلِ ستم زدہ کو ان بتوں نے لوٹ لیا" بالکل بیکار و فضول ہے۔

جلوۂ حق غائب۔ نورِ ایمان رخصت۔ پُر نور خانۂ دل میں تاریکی چھا گئی سانپ بیہ ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ چاروں طرف سے حریم دل پر حسینانِ جہان کے مسلح سپاہیوں نے نرغہ کیا۔ مژہ کی فوج سنان نے یورش کی۔ تیغ ابرو نے بڑھ کے وار کیا۔ تیرِ مژگان کی بوچھاڑ نے چند لمحوں کی جد و جہد کے بعد "کعبۂ دل" پر فتح و نصرت کا جھنڈا نصب کر دیا غنیم کا لشکر اپنے ارادوں میں کامیاب و فتحیاب ہوا۔ آہ! جب اُس میں کفر و شرک (حرص و طمع) کا گزر نہ ہوا تھا۔ نورِ ایمان کی تیز شعاعیں دشمنوں کے دلوں کو جلا جلا دیتی تھیں۔ اُسکی چمک حملہ آوروں کے لیئے صاعقہ ریز و جگر سوز تھی جو کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ آج وہی اُس پر مسلط اور وہی اُس پر قابض ہیں جو برسوں خانۂ خدا رہ چکا ہے۔ آج وہ بُت خانہ بن گیا ہے۔ آج اُس مقدس و محترم مقام میں ناپاک ہستیوں کا قیام ہے۔

اے بُرے وقت میں کام آنے والے خدا! المدد۔ اے بگڑی کے بنانے والے خدا! الغیاث۔ تیرے سوا میری امداد و اعانت کرنے والا کوئی نہیں۔ میرے "کعبۂ دل" کی مدد کر۔ یہ وہ کعبہ نہیں ہے۔ جسکے گورے گورے اور جاں باز مسلمان۔ محافظ و نگہبان ہیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ اُنکے اختیار اور بس کی بات نہیں۔ نہ صرف وہ مجبور ہی ہیں۔ بلکہ اُنکے خون میں بھی اب وہ جوش و خروش

نہیں۔ وہ نہ اُنکی کمک کا بھی خواستگار اور اُن کی امداد کا بھی طالب ہوتا۔

تاریخ یاد دلاتی ہے۔ زمانہ شاہد ہے۔ کبھی خانۂ کعبہ بھی صنم خانہ بن گیا تھا اُسمیں بھی بجائے تیری پرستش کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ تو نے اُن کی کفر کی کے لیئے اُنکو غارت کرنیکے لیئے اپنے ایک خاص محبوب کی زبردست ہستی کو مبعوث فرمایا۔ اُسکے جلوہ گر ہوتے ہی بت اوندھے گر گئے۔ اور کفر و شرک نیست و نابود ہو گیا۔ بت پرستی مٹ گئی۔ لیکن اس واقعہ کو بھی آج تیرہ سو برس کا طویل عرصہ ہو گیا۔

کیا حق پر باطل غالب۔ نور پر ظلمت مسلط اور روشنی پر تاریکی حاوی ہو جائیگی کیا میری خانہ ویرانی یا اپنے گھر کی بیحرمتی تجھے منظور ہے؟ کیا اب اُسپر بتوں کا ہی قبضہ رہیگا؟ نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا ؎

بتِ ترسا سمائے دل میں ایسا ہو نہیں سکتا خدا کا گھر جو ہوتا ہے کلیسا ہو نہیں سکتا

ابھی اُس انقلاب کو بہت دیر ہے۔ ایک مدت دراز اور ایک عرصہ طویل درکار ہے۔ میں چاہتا ہوں اور تجھی سے چاہتا ہوں کہ میرا اُجڑا ہوا گھر۔ میرا ویران مکان۔ پھر آباد ہو۔ پھر سرسبز ہو۔ متاع دل پھر ہاتھ آجائے۔ تجھی پر جلوہ نظر آئے پھر تیرا نور جلوہ گر ہو اُسمیں سے بھی خانۂ کعبہ کی طرح کفر و شرک غارت ہو جائے۔ اور اُس میں پھر نور ایمان کی روشنی پیدا ہو۔

اگر تو نے امداد میں ذرا بھی دیر کی۔ اگر اعانت میں ذرا بھی تاخیر ہوئی تو یہ دشمنان دین و ایمان۔ یہ کافرانِ بدکیش۔ یہ بتانِ سنگدل۔ جنھوں نے آج میرا کعبۂ دل اپنے تصرف میں لیا ہے۔ کل ایمان (جان) بھی لے لیں گے۔ پھر میرے وجود کو نابود۔ میری ہستی کو فنا اور نام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے میں ذرا بھی تامل نہ کرینگے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر تجھے کون یاد کرے گا۔ جب میں ہی نہ رہوں گا تو تجھے کون خدا کہیگا۔ حق کو حق کہنے والا

کوئی نہ رہیگا۔ ہاں تیرے نام کے بُت ضرور پوجے جائیں گے +

تیری خدائی۔ تیری وحدانیت اور تیری یکتائی میرے دم سے اور میری ہستی سے وابستہ ہے۔ پہلے جب میں نہ تھا۔ کوئی آتش کوئی آفتاب اور کوئی بت کو خدا مانتا تھا۔ کوئی تثلیث کا قائل تو کوئی اوتار کا معتقد تھا۔ پھر میں نے ان بیہودہ خیالات ان لغویات اور ان خام اعتقادات کی تنسیخ کی۔ حرف غلط کی طرح انہیں اُنکے قلوب سے مٹا دیا۔ تجھے خدائے واحد مانا اور منوایا۔ کیا اب پھر بتانِ بے دین "کعبۂ دل" میں رکھکر اپنی خدائی چلائینگے۔ اور ہم عشاق پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھائینگے اگر تیری مشیت مصلحت اور حکمت یہی ہے تو قبل اسکے کہ میری پاک ہستی ان بتان بے رحم کے ناپاک ہاتھوں سے مٹے تو ہی مٹا دے۔ اور ایسا مٹا کہ پھر میرا مٹا ہوا نشان تو کجا۔ میری خاک کا ایک ذرہ بھی اُنکے دست ستم میں نہ آئے ورنہ پس فنا وہ میری خاک کو بھی برباد کرینگے۔ اور یہ مجھے گوارا نہیں" +

روک دے اے پروردگارِ عالم! روک دے۔ دل کی حرکت کو اُسکے خون کی روانی کو اور اُسکی نازک رگوں کی رفتار کو خشک کر دے۔ اس ذرا سے گوشت کے لوتھڑے کو ان چند خون کے متحرک قطروں کو منجمد کر دے جنپر اُسکی ہستی کا دار و مدار ہے۔ گرا دے میرے خانۂ دل کو منہدم کر دے۔ اپنے گھر کو ڈھا دے ڈھا دے۔ میرے "کعبۂ دل" کو اُسکی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ اُسکو ملیامیٹ کر دے۔ تیرا گھر ہے تو ہی بگاڑ غیر نہ بگاڑے۔ ورنہ رسوائی ہوگی۔ اور میں مطعونِ خلائق ہونا نہیں چاہتا" +

اگر یہ بھی نہیں منظور تو اُس محشر کو برپا کر۔ جسکا وعدہ فرمایا ہے۔ اُن کے رُخ سے نقاب اُلٹ دے۔ تماشا گاہِ عالم کا ڈراپ سین ڈالکر اُسکا خاتمہ کر دے۔ اسرافیل کو حکم ہو کہ وہ اس تماشہ کے اختتام کا اعلان کر دیں اب میں زیادہ صبر نہیں کر سکتا +

رقم "یلم"

۵۶

آہ تم!

آہ تم۔ کہ نور کے پردوں میں مستور ہو۔ معرفت کی معجز نمائیاں حقیقت کے نورانی پردوں سے تمہارے اردگرد محو پرواز ہیں۔ لن ترانی کی مایوس کن صدائیں چشم تجسس کی پر اشتیاق جستجوؤں کو تھکا تھکا دیتی ہیں طور کی حیرت افزا خاموشیاں تمہاری جلوہ ریزیوں کے بیہوش کن قصے خاموشی میں دُہرا رہی ہیں۔ فاران کی سنسان چوٹیاں سر اُٹھائے تمہاری محو کن یاد کے مشغلہ میں مصروف ہیں۔ باغِ عدن کی روشن لرزشیں تمہاری یاد میں محو ہیں آگ بھڑکتی ہے اور آگ کے شعلوں کی بیتاب حرکتیں بے چینیوں کی زبان میں نارِ نمرود کی داستانیں سناتی ہیں۔ وادیٔ نیل کی ارزاں بخششیں تمہاری دستگیریوں کی یاد میں ابھی تک لہرا رہی ہیں۔ آبِ زمزم کے بیتاب پانی تمہاری حیران کن حکمتوں کی کہانیاں ابھی تک کہہ رہے ہیں۔ اور آہ۔ غارِ حرا کی تاریکی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی استغراق کے عالم میں تمہارے آخری روحانی پیغامات کے تذکرے دُہرا رہی ہے۔ اور تم بے نیازی کے پردوں میں ملفوف نگاہوں کی تلاش کو اپنے پیچھے لگائے نہ جانے کہاں ہو۔ بہار کی جھولی پھولوں کی نورانی نیرنگیوں سے بھرپور ہے۔ حقیقت ہیں آنکھ تمہارے جلوہ کی تلاش میں پھول کی ہزار نزاکت پتی کو بوسہ دیتی ہے۔ تمہاری زندگی بخش صدا کے مشتاق کان بادِ بہاری کے جھونکوں کی سائیں سائیں میں تمہاری حرکتوں کی آواز کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اور تم لازوال رنگوں کی پوشیدہ گیوں کے رنگین لباس میں ملبوس استغنا کی ناقابلِ فہم بلندیوں پر استادہ ہو۔ جستجو کے قدم دوری منزل کی خطرناک درازیوں کو دیکھکر زخمی ہوتے جاتے ہیں۔ خزاں کی بے برگ و بار عریانی اُداس سروں

میں تمہاری بے پرواہی کے گیت گا رہی ہے۔ دوشِ ہوا پر اُڑنے والا ہر ایک زرد پتا تمہارے جلال کی مرعوب کن داستان سنا رہا ہے۔ اور تم۔ تم ہی جانو کہاں۔ انقلاباتِ عالم کی حدود سے بہت پرے رہنے والے نور کی شعاعوں میں حرکت کرتے پھرتے ہو جہاں عقل کی گہرائیوں کی نگاہیں تمہارے جلوہ کی تاب نہ لاکر خیرہ ہوئی جاتی ہیں۔ جب سردی برف کی سفید تہوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور عالم فضا کو ناپنے کے مدعی پہاڑ کی چوٹیوں کے سر سفید ہو جاتے ہیں تو تخیلات کی تگ و دو تمہیں اُن خاموشیوں میں حرکت کرتے ہوئے اکثر دیکھا کرتی ہے۔ شام شفق کی رنگین دلربائیوں میں تمہاری جلوہ آفرینیاں اکثر حسن کی گودوں میں کھیلتی نظر آتی ہیں۔

مگر نہ جانے کیوں۔ تم اشتیاق کی پہنچ سے باہر ہو۔ شام کے سکوت کو اپنے نہ تھمنے والے شور سے توڑنے والی موجیں ساحل سے سر ٹکراتی رہتی ہیں ہوا کی شورشیں گردش کے پاؤں میں سینہ مینوں گونا پتی پہرتی ہیں سندی کے پانی اپنی مدہم ترانہ آفرینیوں میں تمہاری جستجو کے گیت گاتے رہتے ہیں۔ اور تم اپنی ہی قدرت کے تماشاؤں میں محو۔ تم ہی جانو کہاں رہتے ہو۔

امیر حسن ناز از راولپنڈی

شام زندگی کا تیسرا ایڈیشن قریب الختم ہے۔ جلدی منگائیے۔ ورنہ چوتھے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ شام زندگی علامہ راشد الخیری کی وہ کتاب ہے جو اب کسی تعریف و توصیف اور تشریح و توضیح کی محتاج نہیں رہی یوں تو علامہ موصوف کی ہر ہر سطر کو لوگ دلمیں جگہ دیتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں لیکن شام زندگی شام زندگی ہے۔ اسکی کیفیت تو پڑھنے ہی پر معلوم ہوگی ضخامت قریب ۱۵۰ صفحے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔ منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب فرمائیے

مصورِ غم علامہ ارشد القادری مدظلہ کی نئی کتاب

طوفانِ حیات

چھپکر طیار ہے، اور خوب بک رہی ہے۔ قبیح رسوم کی پابندی اور شرک و بدعت مسلمانوں کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کر چکے ہیں مشکل سے کوئی گھر ایسا ہوگا جہاں ان لغویات کا گزر نہ ہوا شد ضرورت تھی کہ کسی طریقے سے انہیں روکنے کی سعی کی جائے خوشی کی بات ہے کہ حضرت علامہ ارشد القادری نے اس طرف توجہ فرمائی اور کتاب طوفانِ حیات میں تمام واقعات کو ایسی خوبی سے ادا کر دیا کہ رسوم مروجہ خوفناک اژدھے کی شکل میں نظر آنے لگیں، قصہ کی دلچسپی، زبان کی سلاست، طرزِ تحریر اور سوز و گداز کا اندازہ طوفانِ حیات کے اس ایک ٹکڑے سے ہو سکتا ہے جو اس پرچہ کے ابتدائی صفحات میں نقل کیا گیا ہے۔

اردو علم ادب اس وقت مولانا موصوف کی تصانیف کو سر آنکھوں پر رکھ رہا ہے۔ اس لیے اگر طوفانِ حیات کی طلبی میں عجلت سے کام نہ لیا گیا تو یقیناً طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔

ضخامت قریباً دس جزو، کاغذ سفید، دبیز، صورت دیدہ زیب

قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

منیجر نظام المشائخ دہلی

الزہراء

مصورِ غم علامہ راشد الخیری کی تصنیف

تعلیم نسواں کی آڑ میں جس سنگدلی سے مغربی طوفان ہندستان مشرقی کو پامال کر رہا ہے وہ کسی باخبر سے پوشیدہ نہیں جن خوبیوں پر مسلمانوں کو ہمیشہ ناز رہا اور جن باتوں پر وہ سدا فخر کرتے رہے آج انکا شائبہ بھی نظر نہیں آتا نماز روزہ۔ خلق۔ محبت۔ خلوص ہمدردی۔ سلیقہ۔ کفایت شعاری کی بجائے اس وقت وہ لڑکیاں پیدا ہو رہی ہیں جو اسلام سے کوسوں دور اور مغربی رنگ میں چکنا چور دکھائی دیتی ہیں۔ ایسے نازک موقع پر کہ یہ مشرقی مہمان دم توڑ رہا ہے اور اگلی خوبیاں حالت نزع میں ہیں اشد ضرورت ہے کہ لڑکیوں کی نظر سے وہ کتابیں نکلیں جو اُن کو سعادت مند اولاد اور سلیقہ شعار بیوی سچی مسلمان اور کامل انسان بنا سکیں کتاب زمانہ کی رفتار کو ہاتھ سے نہ دے اور نہایت خاموشی سے اپنی دلچسپی میں ان جواہرات سے لبریز ہو جن کی چمک آنکھوں کے ساتھ دل کو بھی منور کرے۔

لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل جو کتابیں اس وقت موجود ہیں ان میں یہ دیکھکر کس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ بنت الرسول سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے کارناموں سے زنانہ لٹریچر قطعاً محروم ہے۔ کتاب کی تکمیل چنداں مشکل کام نہ تھا مگر میرا دل یہ چاہتا تھا کہ یہ واقعات اس بلبل خوش الحان کے نغموں میں ادا ہوں جس کا قلم تمام ہندوستان کو مسخر کر چکا ہے یعنی علامہ راشد الخیری مدظلہ العالی۔

مولانا کا قلم، بنت رسول کی داستان، کہہ نہیں سکتا کہ کتاب کس پایہ کی ہے۔ تاریخ میں ایک بیش بہا اضافہ کے علاوہ الزہراء بتائے گی کہ میاں بیوی کس طرح رہتے ہیں، مائیں بچوں کو کس طرح پالتی ہیں دنیا کے ساتھ دین کیونکر میسر آسکتا ہے، باپ بیٹوں کے تعلقات کیا ہوتے ہیں اور ان فی ہستی کیا معنی رکھتی ہے الزہرا فسانہ نہیں بنت رسولؐ کے حالات و سوانح ہیں اور یہ واقعات ایسے دردانگیز ہیں کہ پڑھتے پڑھتے ہچکی بندھ جاتی ہے باوجود امور خانہ حیثیت کے اس قدر دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی نیت سیر نہیں ہوتی۔ خاتمہ پر ایک مفصل بحث شہادت اہل بیت پر ہے اور میدان کربلا کے واقعات جس طرح ادا کیے گئے ہیں اُنکی بابت صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ "محرم کا بیان اور مولانا کی زبان"۔ اس کا پہلا اڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اور دوسرا چھپکر حال میں طیار ہوا ہے ضخامت قریباً، جزو قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۲

منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

فیشن میں داخل ہوگیا

معزز خاتونوں نے جہاں کوٹ پتلون اچکن وغیرہ فیشن میں داخل کئے وہاں پنجمال صابن کا ملنا بھی فیشن میں داخل کرلیا ہے اس کا خاص سبب یہ ہے کہ **پری جمال صابن** حسن و خوبصورتی پیدا کرنے اور چہرہ کو گل رنگ بنانے اور رنگت نکھارنے میں خاص کامیابی حاصل کر چکا ہے چہرہ کے تمام مہاسہ جہائیاں چند روز میں کھو دیتا ہے تازہ پھولوں اور نفیس خوشبوؤں سے طیار کیا جاتا ہے۔ فی بکس تین ٹکیہ مع صابن دانی ایک روپیہ۔

پری بہار ہیر آئل یہ لاجواب تیل بالوں میں خوشبو اور ٹھنڈک پیدا کرتا ہے بالوں کو لمبا اور ریشم کی طرح ملائم بنا دیتا ہے اس کی ہینی ہینی خوشبو عجیب بہار دکھاتی ہے فی شیشی دس تولہ عہ

پتہ حکیم محمد یعقوب خاں مالک دواخانہ نورتن دہلی فراش خانہ

چاندی کے نفیس زیورات

بٹن چاندی کے کرتہ کے زنجیردار چاندی کے چار بٹن مع ایک سنہری زنجیر لگے ہوئے بٹنوں میں ڈائمنڈ سٹ بنا ہوا فی سٹ ۸ عہ **بٹن چاندی فینسی یا کرتہ** چار بٹن پھول دار پاکیزہ بنے ہوئے فی سٹ عہ رسونے کی ناک کی کیلیں یہ کیلیں خاص سونے کی ہیں زراکت اور خوبصورتی میں لاجواب ہیں خاص حسن کا سنگار ہیں فی صد جڑاؤ ہیرا کٹ اعلیٰ درجہ سے درجہ دوم تک **پتہ** ایچ محمد یوسف خان منیجر فہرت انجمنی دہلی فراشخانہ

تصنیفات مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
میلاد نامہ	عہ ر	تسخیر مہر قہر و اعمال حزب البحر	۸ ر
محرم نامہ	۱۲ ر	رسول کی عیدی	۲ ر
یزید نامہ	عہ ۴ ر	غدر دہلی کے افسانے باتصویر حصہ اول	۱۲ ر
روزنامہ سفر حجاز و شام و مصر باتصویر	۷ ر	،، ،، ،، ،، حصہ دوم	۶ ر
،، ،، ،، ،، بلا تصویر	عہ ۸ ر	بیوی کی تعلیم	۱۲ ر
روزنامچہ خواجہ حسن نظامی	۸ ر	کرشن بیتی	۶ ر
مفلسی کا علاج	۱ ر	رہنمائے سیر دہلی	عہ ۸ ر
سی پارہ دل	عہ ۸ ر	چٹکیاں اور گدگدیاں	۸ ر
انتخاب توحید	عہ ر	جگ بیتی	۶ ر
اردو دعائیں	۶ ر	بچوں کی کہانیاں	۶ ر
تالیق خطوط نویسی مکمل	۱۰ ر	مجموعہ خطوط خواجہ حسن نظامی	۱۲ ر
اسرار ۴ ر اسلام کا انجام	۶ ر	شیخ سنوسی ۵ ر پورا میگزین	۵ ر

منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

ستارہ منجن

موتی کی آبداری۔ گوہر کی جلاکاری سب اندہیں مضمر

استعمال کیجئے۔ آپ کے دانت ان سب سے زیادہ چمکدار ہو جائیں گے، طرفہ یہ کہ دانتوں کا درد۔ ٹیس مسوڑوں سے خون نکلنا۔ سب کے لیے مفید ہے خوشبو ایسی کہ دو ہچکیاں لیے، اور دن بھر منہ معطر رہے قیمت کچھ بھی نہیں ایک پیکٹ دو آونس صرف ۴ محصول علاوہ پتہ ایس۔ ممتاز ہاشمی۔ پہاڑی بھوجلا دہلی

برقعہ نو ایجاد

خوبصورتی و آرام دہ اور زمانے کے حسب حال

ہونے کے علاوہ پردہ کا پورا لحاظ ہے ہر ایک عضو کا مکمل پردہ کرتا ہے تصویر مفت فہرست مفت

پتہ خاتون سٹورز چاندنی چوک فوارہ دہلی

سائنس و قرآن کا مقابلہ

سراج الامت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم الشان تفسیر کبیر میں قرآن کریم کے تمام مقدس عقاید و اوق مضامین کو فلسفہ قدیم اور سائنس جدید کے ساتھ جس خوبی اور خوش اسلوبی سے مقابلہ کیا ہے تا قیام قیامت تمام دنیائے اسلام اُن کی مشہور ہیگی خصوصاً حروف مقطعات کے اسرار، نزول، حی کی کیفیت نبوت کا ثبوت اور ضرورت نبوت وجود باری تعالیٰ، قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا ناسخ و منسوخ کی کیفیت جن و شیاطین و ملائکہ کے وجود پر مدلل بحث۔ عرش و کرسی، عالم برزخ۔ قیامت، بہشت، دوزخ اور زمین و آسمان کی بے نظیر ترکیب و ترتیب اور اُن کے مجاہدات جس قسم کی علمی اور فلسفیانہ تقریریں درج فرمائی ہیں اُن کی نظیر اس وقت بھی ملنی محال بلکہ قریباً ناممکن ہے۔ عام مفسروں نے قرآن کی تفسیروں میں جس قدر جھوٹے قصے اور من گھڑت روائتیں درج کی ہیں اُن کی مدلل تردید کی گئی ہے، مخالفین اسلام کے شکوک و شبہات کو براہین قاطعہ سے بطور سوال و جواب رد کیا ہے اس لیے اس تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی تقطیع کلاں خط اعلیٰ لکھائی چھپائی عمدہ ترجمہ سلیس اردو قیمت فی جلد پانچ روپیہ (۵)

نزد کے پتہ سے طلب فرمائیے۔

منیجر کتب خانہ اسلامیہ قلعہ اسٹریٹ امرتسر

خدا قدوس ہے۔ اُس نے ہمیں بھی پاکیزگی اور پاک ہونے کی ہدایت کی ہے۔ اور ہمیں بھی پاک ہونے کا باب کھول رکھا ہے۔ ہماری فطرت کو اُس نے پاک بنایا ہے۔ لیکن ہم یہ خاصہ عملی صورت میں لانے سے عموماً غفلت کرتے ہیں۔ اور پاکیزگی سے جان بوجھکر دور رہتے ہیں۔ چونکہ ہمارا تعلق اُس سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ اِس واسطے ہمارے لیئے یہ ضروری ہے کہ ہم اُسکی جگاہوں میں کچھ نہ کچھ پاکیزگی رکھیں۔ گو وہ ہماری بہت سی بھول چوک بخشنے والا ہے۔ مگر ہماری طرف سے کوشش بھی تو شرط ہے۔

وہ اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرتا اور سنتا ہے۔ ہمارا بھی فرض ہے کہ ایک دوسرے کی باتیں سُنیں۔ اور اُن پر غور کریں۔ اور جو لوگ مدد کے قابل ہوں اُن کی مدد کریں۔

وہ ساری دنیا پر احسان کر رہا ہے۔ بہت سی چیزیں ہمیں بلا کسی محنت اور تردد کے مفت دے رہا ہے۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم بھی لوگوں کو اپنی بضاعت اور طاقت کے موافق مفت دیں۔ بقول حضرت مسیح علیہ السلام کے:۔

اگر تمہیں مفت دیا گیا ہے تو تم بھی مفت دو"

وہ بھی حساب لیتا ہے اور حساب ہی سے دیتا اور پکڑتا ہے۔ ذرہ ذرہ پر اُس کی نظر ہے۔ تم بھی حساب کی عادت ڈالو اور اپنی کاروباری زندگی میں اُسے مقدم سمجھو۔ لیکن اس کے ساتھ ہمدردی اور رحم بھی ہو۔ کیونکہ اُس کی رحمت ہر صورت میں غالب ہے۔

وہ محتسب ہے لیکن اُسکا عمل احتساب باوجود ذرہ ذرہ پر نظر کرنیکے درگذر بھی بہت کچھ رکھتا ہے۔ اگر اُس کی جانب سے درگزر نہو تو ہم ایک سیکنڈ بھی زندگی بسر نہ کر سکیں۔ وہ قادر ہے۔ اور ہم بھی اُسکی بخشی ہوئی قوتوں کے ذریعے ایک حد تک حدود بشری میں کچھ نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں۔ گو وہ قدرت مجبوری سے بہت کچھ قریب ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی وہ ایک قدرت ہی کا ایک رنگ رکھتی ہے۔ اور وہ

بھی اُسی قدیر کی مرضی اور ارادہ کے ماتحت۔ اس قدرت میں بھی ہمارا یہ فرض ہے کہ اُس سے ایک استقلال اور بُردباری سے کام لیں۔ اور جو لوگ ہماری قدرت کے ماتحت ہیں۔ اُن کے ساتھ بخشش اسلوبی پیش آویں۔ دیکھو خدائے قدیر باوجود ایک اعلیٰ قدرت کے بھی کتنی حد تک اپنی قدرت سے کام نہیں لیتا۔ اور کتنی دفعہ ہمیں بخشتا اور موقع دیتا ہے +

دیکھو وہ حیوانات اور دیگر مخلوق کے ساتھ بھی کیسا سلوک کرتا ہے۔ ہماری طرح اُنہیں بھی بہت سی اشیاء مفت دے رہا ہے۔ کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ ہم بھی اپنے اردگرد کی مخلوق سے اُسی رنگ میں سلوک کریں +

دیکھو وہ کیسا بُردبار اور درگزر کرنے والا ہے۔ کیا اُس کی بردباری اور استقلال کو کوئی پہنچ سکتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ سُنتا ہے۔ پھر موقع دیتا ہے کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ ہم بھی بُردباری سے کام لیں۔ ہم بھی درگزر کی عادت ڈالیں کیا خدائے قدیر روز روز کیا منٹ بہ منٹ سزائیں نہیں دے سکتا۔ اور کیا اُسکی گرفت سے ہم باہر ہیں؟ مگر اُس کی مشیت ہمیں موقع پر موقع دیتی ہے +

ایک ہم ہیں کہ بُردباری سے کام لینا کم ہمتی اور بزدلی جانتے ہیں۔ اور اسمیں گویا ہماری کسرشان ہے۔ جب ہمارا خدا اسقدر بردبار ہے تو کیا ہم اُسکی اس صفت سے کچھ حصہ بھی نہیں لے سکتے ہیں۔ گو ہم اُسکے صفات کی طرح کامل نہیں ہو سکتے کیونکہ اُس سے کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن جو کچھ اُسکے افعال عامہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ یا جیسے اس کائنات میں افعال ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اور جو ہماری زندگی کے واسطے مفید صورت میں ممد و معاون ہیں۔ اُن سے حدود بشری تک کام لینا ایک اخلاقی مرحلہ ہے۔ اُس کی طرف حضرت رسول کریمؐ ارشاد فرماتے ہیں تخلقوا باخلاق اللہ +

یہ منشا نہیں کہ تم خدا بن جاؤ یا تم بھی خدا بن سکتے ہو۔ بلکہ یہ کہ خدا کے افعال جاریہ سے سبق لو۔ اور جو افعال تمہارے واسطے حدود بشری تک ایک ضابطہ کا کام دے سکتے ہیں۔ اُنہیں اپنی زندگی کے واسطے ایک ضابطہ سمجھو۔

اگر خدا رحیم ہے تو انسان بھی حدود بشری کے اندر رحم کر سکتا ہے۔ اگر خدا کریم ہے تو انسان بھی اپنے حدود بشری کے اندر کریم ہو سکتا ہے۔ اگر خدا ستار ہے تو انسان بھی ایک حد تک وصف اپنے آپ میں پیدا کر سکتا ہے۔ کیا اس قسم کی باتوں کی انسانوں کو ضرورت نہیں۔ اور کیا ایسی باتوں پر انسان کے معاد و معاشرت کا انحصار نہیں۔ اور کیا تمدن انسانی کی ان ہی باتوں سے رونق و شادابی نہیں اور کیا ایسی باتوں کے بغیر یہ زندگی خوش اسلوبی سے بھی گزر سکتی ہے۔

خدائے قدیر نے ہمیں جو قوتیں اور جو جذبات عطا کر رکھے ہیں وہ اس حدیث یا قول رسولؐ کی تائید میں ہیں۔ ایسی قوتوں اور ایسے جذبات کا عطا کرنا ہی دلیل ہے اس بات کی کہ ہم ان اوصاف سے اپنے تئیں بشری حد تک متصف کر کے دکھائیں کیا انسان کے دل میں رحم کی قوت نہیں ڈالی گئی؟ کیا وہ جذبۂ بردباری نہیں رکھتا؟ کیا وہ انتقامی جذبہ سے محروم ہے۔ کیا وہ غصہ نہیں رکھتا۔ یہ تمام قوتیں صرف اس غرض سے دیگئی ہیں کہ اُن سے انسان وقت پر کام لے۔ اور دوسری طرف خود افعال الٰہی اُن کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن سے بھی ان سب قوتوں کا ثبوت ملتا ہے اور وہ بھی مختلف رنگوں میں اُن کی تائید میں ہیں۔

لوگ اپنی تراش خراش سے تمدنی ضابطہ تدوین کرتے ہیں۔ لیکن جو ضابطہ تمدن خود قدرت اور قدرتی افعال پیش کر رہے ہیں۔ وہ زیادہ تر وضاحت سے ہمارے تمدن کی ضروریات پر روشنی ڈالتا ہے۔ خدا افعال قدرت سے ضروریات تمدن کا مقابلہ کر کے تو دیکھو تمہیں معلوم ہو جاوے گا کہ:-

یہ ضابطہ افعال قدرت بھی ہمارے تمدنی و سائل کا بہت کچھ مؤید ہے۔ اگرچہ ہمارے افعال اور قدرت کے افعال میں بہت کچھ فرق ہے مگر مناسبت بھی بہت کچھ ہے۔ ایک سیاست داں یہ کہتا ہے کہ جو ہمارے قانون کے خلاف کرے گا وہ ثبوت پر سزایاب ہوگا۔ قانون قدرت اس سے زیادہ ترا علان کرتا ہے کہ جو شخص آگ میں ہاتھ ڈالیگا۔ فوراً ہی سزا دیجائے گی کیونکہ ایسے جرائم میں شہادت اور مزید ثبوت ضرورت نہیں ہوتی۔ دیکھو دونوں قوانین میں ایک حد تک کیسی مشارکت اور مناسبت ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ سے دو طریقے مزعوم ہیں:۔

(الف) تخلقوا باعتبار اوصاف الٰہی:۔

(ب) تخلقوا باعتبار افعال الٰہی۔

یہی دو ضابطے اس کائنات میں کام کر رہے ہیں۔ اور انہی پر اس کائنات کے نظم و نسق کا مدار ہے۔ اس صورت میں یوں ہی کہا جا سکتا ہے:۔

تخلقوا باوصاف اللہ۔ و

تخلقوا بافعال اللہ۔

اخلاق خدائی اوصاف اور افعال الٰہی ہیں۔ اوصاف سے پہلے ہمارا فرض ہے کہ ہم افعال الٰہی یعنی قانونِ قدرت پر غور کریں۔ گو ہم پورے طور پر قانون قدرت سے مہارت نہیں پیدا کر سکتے۔ مگر فلسفۂ مذہب اور فلسفۂ فطرت کے تحت ہم اس سے بہت کچھ مستفید اور مستنیر بھی ہو سکتے ہیں۔ اوصاف الٰہی اور افعال الٰہی دونوں پر نظر کرنا اور دونوں کا مشاہدہ بجائے خود ایک عبادت اور ریاضت ہے:۔

بخاک درش تخم عجزے بیفشاں کہ ایں سرزمیں قابل سجدہ کا ریست

سلطان احمد۔ از گوجرانوالہ

ردی کی ٹوکری

میں

عہد شکنی کا دریدہ مکتوب

جل جانے دو۔ مٹ جانا اچھا۔ میں آگ کا احسان مانوں گا۔ مگر ذرا ٹھہر جاؤ۔ دل سے پھر پوچھ لوں۔ شاید اُس نے اسکے لیئے کچھ گنجایش رکھی ہو۔ سامنے نہ لاؤ۔ میں عہد شکنی کی تحریر دیکھنی نہیں چاہتا۔ مجھے دل کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ وہ اگر کچھ چاہتا بھی ہے تو میں اُس کی تمنا پوری نہ ہونے دونگا +

میں دل نہیں ہوں۔ میں دماغ نہیں ہوں۔ مجکو اعصاب۔ خون۔ ہڈی۔ گوشت پوست سمجھنا بھی غلطی ہے۔ ادراک و احساس اور قوت متخیلہ کے تمام حصے مجھ سے الگ ہیں۔ حواس ظاہری و باطنی کو بھی مجھ سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ میں کھاتا ہوں نہ پیتا ہوں نہ سوتا ہوں نہ جاگتا ہوں۔ رونے ہنسنے امید بیم و غم کو بھی مجھ سے کچھ نسبت نہیں +

تمہاری دنیا میں صرف ایک چیز ہے۔ جس میں مجکو دیکھ سکتے ہو۔ جس سے مجھے سمجھ سکتے ہو۔ جو میرے بشری تعلقات کا ایک گونہ ظہور ماننے کے قابل ہے +

تم جس کو عشق کہتے ہو۔ "دل کا آنا" جس کا نام رکھا ہے۔ مجاز و حقیقت و لفظ جس کی خاطر تم نے ایجاد کیئے ہیں۔ وہی ایک شئے ہے۔ جس میں میرا نابود و نامحسوس مجسمہ نظر آسکتا ہے +

غلطی نہ ہو جائے۔ میں کہدوں مجکو خدا نہ سمجھ لینا۔ نہ میں روح ہوں۔ نہ اور کچھ۔ نہ وہ جبکو تم حیرت و استعجاب سے سمجھنے کی کوشش کیا کرتے ہو۔ میں تو کچھ اور ہی ہوں اس واسطے کہتا ہوں کہ عہد شکن کے اس دریدہ مکتوب کو جلنے سے نہ روکو۔ مجھے اسکے دیکھنے کی تاب نہیں ہے۔ خدا نے ہر قسم کی برداشت مجکو دی ہے۔ مگر بائے میں کیونکر کہوں کہ الفت کی بے وفائیاں مجھسے برداشت نہیں ہو سکتیں۔ جب مجکو اس پرانے اور پھٹے ہوئے خط کے وہ حروف نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے مجھسے فریب کیا۔ جنہوں نے میری چاہت کو دھوکا دیا۔ تو میں باوجود تمام حواس انسانی سے محفوظ ہونیکے ایک ایسی دکھن اپنے مخفی کلیجہ میں پاتا ہوں۔ اور وہ اذیت مجکو اسقدر ستاتی ہے کہ میں آپے میں نہیں رہتا۔ اور بے اختیار کہتا ہوں کہ اسکو جل جانے دو۔ اسکا میری نظروں سے اوجھل ہو جانا اچھا۔ اسکو دنیا سے ضرور ناپید ہو جانا چاہیئے۔

ردی کی ٹوکری

ناقابل التفات تحریروں کی مادر مشفقہ ہے۔ کس ہپرس خطوط کا "پرسش خانہ" ہے بے ٹھکانا۔ چاک گریبانوں کا "آغوش گھر" ہے۔ نظروں سے گرے ہوئے ہاتھوں سے پھنکے ہوئے دھتیلیوں سے ملے ہوئے۔ چٹکیوں سے دریدگی کی تکالیف اٹھائے ہوئے کاغذ۔ خطوط لفافے۔ اخباروں اور کتابوں کے طبلق۔ سبکے سب اس پناہ بیکساں ٹوکری میں آرام کر رہے ہیں۔

میں نے بھی عہد شکن کے مکتوب کو اس سال جبکہ سنہ کا آدھا حصہ دالف تھے۔ یعنی وہ انیس سو گیارہ عیسوی کا زمانہ تھا۔ آج سے پورے چھ برس اس قصے کو گزرے ہونگے۔ غصہ سے بیقرار ہو کر پھاڑ ڈالا تھا۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس ٹوکری میں ڈال دیا تھا۔ بتا دوں۔ اس وقت میرا کیا عالم تھا۔ تمہارے جسموں کی مثال میں

سمجھانا چاہیئے۔ میں اُسوقت ہانپ رہا تھا میرے کلیجہ میں ایک چیز گرم گرم ہوا کی طرح اُبلتی تھی۔ اور اندر کی قوتیں اس ہوا سے رگڑ کھا کر پھیلی جاتی تھیں۔ وہ ہوک بن کر میرے دماغ سے ٹکراتی تھی۔ اُس نے میرے چہرے کے خون کو سلب کر لیا تھا۔ میری زبان سے کہہ گئی تھی۔ اور حلق کے اندر تو ایسی خشکی پڑ رہی تھی کہ لعاب دہن کو باوجود کئی بار کوشش کرنیکے میں ایک دفعہ بھی نہ نگل سکا تھا۔ میرا سانس اکھڑا ہو گیا تھا میرے ہاتھ پاؤں برف کی طرح یخ اور بے حس و حرکت تھے میں ایک خدا پرست آدمی کی طرح آنکھوں کو اوپر اُٹھاتا تھا۔ کیونکہ میرا ارادہ کہتا تھا کہ خدا سے اسکی فریاد کرنی چاہیئے اور وہ اوپر ہے۔ اور چونکہ میں ایشیا کی شاعری میں بود و باش رکھتا تھا جو آسمان کو معاملات عشق میں دخیل تصور کرتی ہے۔ اور جفاؤں کے قصے اکثر اسی کہن سال رقیب کے سر تھوپے جاتے ہیں۔ اس لیئے میری آنکھیں اسکو بھی کبھی کبھی حسرت۔ مایوسی اور قہر سے دیکھتی ہیں۔ کچھ دیر کے طپش کے بعد میرے سینہ نے بیکسی کے سانس بھی ناک کے سوراخوں میں بھرنے شروع کیے تھے۔ جو ٹھنڈے سانس کا نام عرف عام میں رکھتے ہیں۔ میں چاہتا تو نہ تھا۔ مگر آنکھوں نے خود بخود آنسوؤں کو بھی بُلا لیا تھا۔ پلکیں اس کھاری اور اُمڈے ہوئے پانی میں نڈھال ہو ہو کر ڈوب رہی تھیں۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں نے اپنے سر کو میز پر رکھدیا تھا۔ اور یہی وہ وقت تھا۔ جبکہ عہد شکن کے اُس دریدہ خط کی تکلیف سے میں اپنی حد عقل کو چھوڑ چھاڑ آگے بڑھکر خبر نہیں کہاں چلا گیا تھا۔

آج ۱۹۱۵ء کی جنوری ہے۔ پچھلی رات ہے۔ کڑاکے کی سردی ہے۔ میں ہندوستان کے سب سے بڑے عشق باز حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے دس گز دور ایک مختصر حجرے میں بیٹھا ہوں۔ سردی سے بچنے کو کوئلے جلانے چاہتا ہوں۔ ردی کی ٹوکری کو قریب لاتا ہوں۔ دریدہ و پاش پاش کاغذوں کو دیا سلائی

کہ کھاتا ہوں۔ تاکہ کوئلے آگ پکڑ لیں۔ اور میں گرمی کے سہارے سردی کے ہاتھوں کی گرفت سے رہائی پاؤں۔ کہ اچانک ایک یہ منحوس اور خوفناک دریدہ مکتوب ہاتھ میں آگیا۔ جس پر عہد شکنی کی جفاؤں کے نقشے کھنچے ہوئے ہیں۔

دل کہتا ہے اسکو پڑھ لو۔ مجھے اسمیں مزہ آئیگا۔ میں کہتا ہوں۔ تیرے لطف سے مجھے کچھ سروکار نہیں۔ میری آنکھ میں یہ تاب کہاں کہ عہد شکنی کا یہ دریدہ اور تاریخی خط ایک سیکنڈ بھی دیکھ سکے۔ میں اپنے ہاتھ کو بھی منع کروں گا۔ وہ اسکو ضرور آگ میں ڈال دیگا۔ میں اپنے ارادے کے سامنے عاجز کروں گا۔ وہ میری مدد کرے گا اور اے بے وقوف دل وہ تیرے کہنے سے مغلوب نہ ہوگا۔ اور میری قوت دید کے آگے اس کو نہ لائے گا۔

حزب شکستہ دلاں کی صدا

میں ذاتی اور شخصی افتاد کی سرگردانی کے جوش میں از خود رفتہ ہو رہا تھا۔ مجھ پر عہد شکن کی "صبر آزاریاں" جذب انتقام کا مینہ برسا رہی تھیں کہ ڈی کی ٹوکری میں ایک شورش اور غل شور کی آواز پیدا ہوئی۔ میرا کان پس ماندہ و افسردہ آوازیں سننے کا اور ان سے متاثر ہونے کا ساری عمر سے عادی ہے۔ جب کبھی ایسا وقوعہ ہوا ہے اپنے ذاتیات کو ہمیشہ فراموش کر دیا ہے۔ اور مجبور ہو کر ان کی بے چارگی کی طرف متوجہ ہونا پڑا ہے۔

آج بھی ایک لحظہ اور ایک آن کی آن میں میں اپنے خیال کو چھوڑ بیٹھا اور ٹوکری کی "شکوہ گزار" آوازوں کو سننے لگا۔

ایک پرزہ بولا۔ ذاتیات میں نہ پڑ۔ تجھکو تو بشری خصائل کا نگراں بنا کر بھیجا گیا تھا۔ خود ہی بشر بن بیٹھا۔ اور اسکے جھگڑے مول لے لیے۔ تو کیف مجرد تھا

تو ذوقِ سفر" تھا۔ تو "جذب بے امکان" تھا۔ تو نے یہ "مرکبات مکانی و حیوانی" اپنے "دامن لامکانی" میں کیوں بھر لیئے۔ ہم کو دیکھ۔ تاریخ حیات کے پراگندہ افسانے بنے چپ چاپ پڑے ہیں۔ اور اُن مینروں کا تماشا دیکھ رہے ہیں جن پر سالم وجود کے کاغذ گھمنڈ اور غرور سے اترا اترا کر کھڑ کھڑاتے ہیں۔ چاہتے تو اُن کو نصیحت کرتے۔ مگر دستِ مشیت کی گرفت سب سے بڑی نصیحت ہے۔ ہمیں بولنے کی کیا ضرورت +

یہ پرزہ کہہ چکا تو دوسرا بولا۔ تیسرا بولا۔ چوتھے نے تقریر کی۔ پانچویں نے لکچر سُنایا +

میں ہنس ہنس کر اُن کی باتیں سنتا رہا۔ مگر سچ یہ ہے کہ اب تک ان باتوں میں مجھ پر حقیقی اثر کرنے والی کوئی بات کان میں نہ آئی تھی کہ اتنے میں ایک بہت دبی ہوئی اور بہت سُنسان سی ایک صدا میں نے سُنی جو ایک قلمی اور کہنہ کتاب کے پُرزے صفحہ کی تھی جو ردی کی ٹوکری میں سب کاغذوں کے نیچے دبا پڑا تھا۔ اُس نے کہا میں

محمد شاہ رنگیلے بادشاہ کی مطلوبہ

کا پارہ بیاض ہوں۔ وہ ایک "پُر نشاط دل" اور "پُر عیش قسمت" کی عورت تھی اُسکو قدرت نے بہت موزوں طبیعت اور بہت شوخ مزاج دیا تھا۔ صورت کچھ خوب نہ تھی مگر لیاقت بہت خوب رکھتی تھی۔ شعر کہتی تھی۔ شعر سمجھتی تھی۔ شعر سمجھاتی تھی۔ سب سے زیادہ ملکہ اور شوق خطوط لکھنے کا اُسمیں تھا۔ بادشاہ بھی اُس پر فدا تھا کسی صحبت عیش اور بزم طرب کو اس عورت سے خالی نہ رکھتا تھا۔ بادشاہ کے مرنیکے بعد اس عورت نے خانہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ ایک دن وہ اپنے گھر میں بیٹھی وقت رفتہ کا تصور کر رہی تھی کہ خادمہ نے ایک خط لاکر دیا جس میں گیارہ سطریں تھیں۔ اور اس کمال سے لکھا تھا کہ ساری عبارت میں صرف سترہ نقطے تھے۔ یہ ایک نوجوان امیر کا شوقیہ مکتوب تھا جسمیں لکھا تھا کہ میں گیارہ

سال سے تمہارے عشق میں مبتلا ہوں۔ سترہ برس کا تھا جب تم کو بادشاہ کے ساتھ بزم عیش میں دیکھا تھا۔ وہ دن ہے اور آج کا روز محبت دل سے نہیں جاتی۔ کیا کوئی صورت تم سے ملنے کی نکل سکتی ہے!

عورت سخن فہم تھی۔ اس شاعرانہ خط کو دیکھکر بھڑک گئی۔ اور باوجودیکہ اس نے دائمی گوشہ نشینی کا عہد کر لیا تھا۔ اس سخن طراز امیر سے ملنے کا ارادہ کر بیٹھی۔ اور چند روز کی خط و کتابت کے بعد ان کا آپس میں عقد ہو گیا۔ کچھ روز تو خوشی میں گزرے۔ مگر ایک دن عورت اس مکتوب کو جو گیارہ سطر اور سترہ نقطوں کی عبارت میں پہلے دن آیا تھا۔ پلنگ پر لیٹی ہوئی دیکھ رہی تھی اور اس کے ادبی لطف میں مصروف تھی کہ اس کا خاوند آ گیا۔ اور اس نے پوچھا۔ اس غور سے توجہ سے کیا دیکھا جا رہا ہے عورت نے جواب دیا۔ اپنے ایک پیارے کا پیارا پیارا مکتوب دیکھ رہی ہوں مرد نے یہ لفظ سنا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اور جوش رقابت میں ایسا آپے سے باہر ہوا کہ بغیر پرسش احوال کے بیچاری کی گردن پر خنجر مار دیا۔ اور وہ بے گناہ خون میں لوٹنے لگی اور مرتے مرتے اس نے کہا۔ اے جلد باز! تو ہی تو میرا پیارا تھا۔ اس خنجر کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو یہ کہکر مر گئی۔ اور امیر کا مدتوں برا حال رہا۔ مگر چند دن کے بعد وہ اس صدمہ کو بھول گیا۔ جیسا کہ اس دنیا کے سب صدموں کا قاعدہ ہے۔ اور دوسری شادی کر لی

میں اسی بیاض کا ایک ورق ہوں۔ مجھ پر اس امیر کا مکتوب تھا۔ مجھ پر بھی اس ستمگر ستم کی خونی افشاں کے نشان پڑے تھے۔ امیر کی نئی بیوی نے یہ بیاض کوڑے میں ڈلوا دی۔ اور میں ایک خاکروب کے گھر میں آیا۔ خاکروب نے مجھ کو ایک ہندو کے حوالہ کیا۔ جو دفتر میں محرر اور دوات کا کاتب تھا۔ اس کاتب کی آشنائی ایک بازاری عورت سے تھی۔ اس نے وہ گیارہ سطری مکتوب بیاض سے پھاڑ کر ایک دن اس طوائف کو بھیجدیا۔ طوائف اس کی کیا قدر کر سکتی تھی تاہم اس نے صندوقچہ میں رکھ لیا۔ کیونکہ

اسپر طلائی کام بنا ہوا تھا۔ چند روز کے بعد طوائف کے ہاں چوری ہوئی۔ اور چور مجکو بھی صندوقچہ سمیت اپنے گھر لے گئے۔ میں اُنکے کام کا نہ تھا جنگل میں ڈال دیا گیا۔ وہاں سے ایک بچے نے اُٹھایا۔ اور ناؤ بنا کر نہر میں بہا دیا۔ میرے حرف نہر کے پانی نے آدھے سے زیادہ برباد کر دیئے۔ آخر میں کنارے پر آن لگا۔ اور ایک وضو کرنے والے مولوی صاحب کے ہاتھ آیا۔ وہ مجکو لیکر گھر آئے اور اپنی کتاب میں رکھ لیا۔ چند روز تو کتاب اُن کے مطالعہ میں رہی۔ اسکے بعد داخل کتب خانہ ہوئی۔ اور ایسی داخل ہوئی کہ پورے ڈیڑھ سو برس گزر گئے۔ مولوی صاحب مر گئے۔ اُن کے بیٹے مر گئے۔ اُن کے پوتے بوڑھے ہو گئے۔ دہلی میں حکومتیں بدل گئیں۔ غدر کے ہنگامے ختم ہو گئے تو مولوی صاحب کے پوتے نے کتب خانہ فروخت کیا۔ اسکے ساتھ میں بھی جامع مسجد کے نیچے کہنہ کتب کے تاجروں کی دکان پر کتابوں کے اندر پڑا رہا۔ یہاں تک کہ تم نے اسکو خریدا۔ گھر لائے۔ پڑھا۔ اور کتاب خانہ میں رکھوا دیا۔ برسات گزری۔ دھوپ دینے کا وقت آیا تو کتابوں کے گھر سے مجکو جبراً نکال دیا گیا۔ میں ایک "بے سرا" ورق تھا۔ ردی سمجھا گیا۔ اور ردی کی ٹوکری میں پہنچا۔ چھ برس تک یہ ٹوکری متقل مکان میں پڑی رہی۔ اب اُس کے جلنے اور کام آنے کے دن آئے تو میں نے اپنے افسانے سُنائے +

اے وہ شخصیت! جس نے ابھی جوشِ تخیل میں آدمیت اور اُسکے تمام تعلقات سے انکار کیا ہے۔ اتنا صدمے نہ بڑھ تصوف کے الفاظ دسیسہ کو یوں بے وقری سے خود ستائی کے قدموں میں نہ ڈال۔ آدمیت اور بشریت کے جامہ میں رہ کہ اسی میں تجکو اُتارا گیا ہے۔ اسی میں تجکو اٹھایا جائے گا۔ اور اسی پیکر سے جزا کے دن حساب کتاب ہوگا۔

عہد شکن کے مکتوب کو تو نے دریدہ کیا اور آج اسپر اتنا ناراض ہوا ہے تو سوچ کہ تو خود ایک بادفا واجب الوجود کا بستۂ عہد تھا۔ اور اب تو نے اپنے اعمال و کردار اپنے معاہدہ کو شک و شبہ میں ڈال دیا ہے۔ عہد شکن محبوب کے بجائے مکتوب کو کیوں

چاک کیا۔ اس شبہ نے وفائی کو چاک کیا ہوتا جس سے روزِ الست کے عہد کو دھبہ لگنے کا اندیشہ ہے +

کہدے ان سب دفتر والوں سے جن کی میزوں کے سامنے ردی کی ٹوکریاں رکھی ہوئی ہیں کہ ردی کی ٹوکری کو روز صبح شام دیکھ لیا کرو۔ یہ ردی کی ٹوکری تمہارا "حاضر باش مرشد" ہے جو بتا دیا کرے گی کہ جن کاغذوں کو ردی کیا گیا ہے وہ یا تو کام پورا کر چکنے کے بعد ردی ہوئے۔ یا دھبہ لگنے کے سبب یا اتفاقی شکستگی و دریدگی کے طفیل۔ تم بھی کام پورا کر چکو گے تو قبر کی کوٹھری میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ تمہیں بھی تمہارے اعمال دھبہ لگا دینگے۔ تو باعزت حیات کی میز تمکو خارج کر کے بے عزت حیات کی ٹوکری میں پھینک دے گی +

صبح ٹوکری کو دیکھکر کام شروع کرو تاکہ آج کے کام میں خلاف خدا۔ خلاف ایمان خلاف ملک۔ خلاف قوم۔ خلاف آدمیت تم سے کوئی حرکت نہو۔ اور جب شام کو دفتر سے اٹھو تو پھر ردی کی ٹوکری کو دیکھ لینا کہ آج کے کام میں ردی میں پڑنے کے قابل تو کوئی فعل نہیں ہوا +

اس کہنہ و فرسودہ پارہ کاغذ نے عشق موہوم۔ تعشق خیالی کا نشہ ہرن کر دیا۔ اور میں نے عہد شکن کے دریدہ مکتوب کو بالکل بشری حسن فضامی کی آنکھ سے پڑھکر جیب میں رکھ لیا۔ اب میں تو ٹوکری کے پرزے کی نصیحت پر عمل کیا کروں گا مگر دوسروں کا منہ لینا مشکل ہے +

حسن نظامی

بہترین ایجاد

ملاحظہ کرنے کا شوق ہے تو ہم سے عجیب عربی۔ اردو۔ فارسی خطمیں خوشخط قلمی قطعات منگا کر دیکھیں۔ اور اپنے کمروں کی زینت بڑھائیں۔ فرمائشی قطعات بھی جس نمونہ پر حکم ہو تیار ہو سکتے ہیں +

توبہ

تمہید

توبہ کرنا اور حق تعالیٰ کیطرف رجوع ہونا ہر انسان کا پہلا فرض ہے۔ صوفیائے کرام جب کسی کو بیعت کرتے ہیں تو سب سے پہلے توبہ کراتے ہیں۔ اسکے وجوہات یہ ہیں۔ پیدائش سے لیکر آخر تک گناہوں سے مبرا و منزہ ہونا فرشتوں کی خلقت ہے۔ تمامی عمر گناہوں کے دریا میں غوطہ لگانا اور مخالفت کرنا شیطان کا شیوہ ہے۔ اور گناہوں سے باز آنا اور ندامت و اطاعت کی راہ میں گامزن ہونا آدم کا کام ہے۔ لہذا جس شخص نے اپنے گزشتہ قصوروں سے توبہ کرکے تدارک کیا تو اُس نے اپنی نسبت آدم سے صحیح کر لی۔ اور جو شخص تمام عمر گناہوں میں صرف کرتا رہا تو وہ بلاشبہ منسوب بہ شیطان ہوا۔

انسان پیدائشی ناقص اور بے عقل ہے۔ شہوت اُسپر مسلط اور یہ فعل اُسکا شیطان ہے۔ عقل شہوت کے بعد پیدا ہوئی۔ جبکہ یہ انسانی جسم پر تاخت و تاز کر چکتے ہیں اس لیے توبہ اور مجاہدے کی ضرورت ہے۔ تاکہ شہوت کا مہلک اثر جسم انسانی سے خارج ہو جائے شریعت ہمیں بتلاتی ہے کہ راستہ صحیح کونسا ہے۔ تمیز ہدایت کرتی ہے کہ سوائے توبہ کے گناہوں کا سدباب اور ذرائع سے ناممکن ہے۔ توبہ کے بھی یہی معنی ہیں کہ انسان گمراہی سے سیدھے راستہ پر آجائے اس لیے توبہ لازمی ہے۔

توبہ کی فضیلت اور اُس کا ثواب

خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے۔ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اے ایمان والو اللہ پاک کے روبرو سب ملکر توبہ کرو تاکہ تم کو بھلائی نصیب ہو۔ منشاء یہ ہے کہ جو شخص راحت اور تسکین چاہتا ہے۔ اُسکی دوا توبہ ہے۔ خداوند پاک توبہ کو دوست رکھتا اور قبول کرتا ہے ورنہ ناممکن تھا کہ خود ایسا ارشاد فرماتا ۔

توبہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ جو شخص طلوع آفتاب سے پہلے توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے ۔

ارشاد ہے۔ اے لوگو! شاہراہ عام میں جہاں آدمی گزرتے ہیں نہ کھڑے ہو ممکن ہے کہ شیخی کا اثر ہو جائے۔ جو شخص ایسے مقامات میں جاتا ہے۔ آنے جانے والوں سے تمسخر کرتا ہے۔ عورتوں پر آوازے کستا ہے۔ اُسپر دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ توبہ کرے تو اللہ پاک قبول فرمالیتا ہے ۔

حضورؐ فرماتے ہیں۔ میں دن میں ستر بار توبہ کرتا ہوں ۔

ارشاد ہے۔ جو شخص توبہ کرتا ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کراماً کاتبین کے صحیفہ میں سے اُسکے گناہوں کو کاٹ دیتا ہے۔ اُسکے ہاتھ۔ پیر بھی اُن کو بھول جاتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ کے روبرو وہ بے داغ پہنچے ۔

ارشاد عالی ہے۔ خالق اکبر دم نزع تک ہر شخص کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ جب موت کے وقت حلق میں سانس اٹکا ہو۔ اور کوئی مددگار پاس نہ ہو۔ تب توبہ سپر ہوتی ہے۔ اور تائب کے اعمال بد کو حروف غلط کی طرح میت دیتی ہے ۔

فرماتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا دست کرم اُس شخص کے لیے کشادہ ہے جس نے دن کو گناہ کیا ہو اور رات ہونے تک توبہ کرلی ہو۔ یا رات کو گناہ کیا ہو اور سورج نکلنے تک توبہ کرلی ہو۔ حق تعالیٰ قبول فرماتا ہے ۔

حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جناب رسالت مآب دن میں سو بار توبہ فرمایا کرتے تھے ۔

ارشاد نبوی ہے دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو گنہگار نہ ہو لیکن وہ گنہگار سب سے بہتر ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں ۔

حضور نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا (جن لوگوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور فرقہ فرقہ ہو گئے) اس سے مراد بدعتی ہیں ۔ ہر گنہگار کے واسطے توبہ ہے مگر بدعتی کے لیے نہیں ہے ۔ میں اُن سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بیزار ہیں ۔

حقیقتِ توبہ

توبہ کرنے سے معرفت اور ایمان کا نور پیدا ہوتا ہے ۔ ہر شخص اس روشنی میں دیکھ لیتا ہے کہ گناہ بہت بڑا مہلک زہر ہے ۔ جب اُسے گناہ کی حقیقت اس قدر مہیب اور خوفناک معلوم ہوتی ہے تو لامحالہ ہر اس اور پشیمانی میں مبتلا ہوتا ہے ۔ جس طرح زہر کھانے والا ہوتا ہے ۔ زہر خارج کرنے کا علاج قے اور دست ہے ۔ اسی طرح گنہگار توبہ کے ذریعہ سے اپنے جسم سے زہر کا اثر خارج کرتا اور تدبیر کرتا ہے ۔ دنیا کی ہر خواہش زہر ملا ہوا شہد ہے جس طرح وہ میٹھا ہوتا ہے ویسے ہی یہ شیریں ہوتی ہے ۔ لیکن آخر میں مثل سانپ کے ڈستی ہے ۔ جب زہریلا اثر پھیل جاتا ہے تو فاعل یعنی گنہگار پچھتاتا اور پشیمان ہوتا ہے اس کا علاج توبہ ہے ۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ ہر وقت اپنے گنہگار بندوں کے واسطے قبولیت کا دروازہ کشادہ رکھتا ہے ۔

توبہ ہر حالت میں ضروری ہے

تجربہ اور علم بتلاتا ہے کہ توبہ ہر شخص کے واسطے ضروری ہے ۔ ہر انسان میں دو جسم ہوتے

ہیں۔ ایک ظاہری۔ دوسرا باطنی۔ ظاہر جسم جب بیمار ہو جاتا ہے تو دنیاوی طبیب ادویہ سے علاج کر کے صحت کی امید دلاتے ہیں۔ لیکن باطنی جسم کی بیماریوں کا علاج سوائے توبہ کے اور کچھ نہیں +

تائب اور صابر

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر انسان میں خواہش ہوتی ہے۔ خواہ وہ اچھی ہو یا بری بیہودہ خواہشات مثل زہر ملے ہوئے شہد کے ہیں۔ جن کا مہلک اثر بعد کو ظاہر ہوتا ہے انبیاء کرام و اولیائے عظام نے اسی وجہ سے دنیا کی ہر خواہش سے توبہ کر کے صبر کیا دیکھئے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی آسودہ ہو کر طعام تناول نہیں فرمایا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے شکم مبارک پر ہاتھ پھیر کر کہتی کہ میری جان آپ پر فدا ہو۔ آپ شکم سیر ہو کر کھانا کھا لیجئے۔ حضور اقدس ارشاد فرماتے کہ میرے بھائی (انبیائے سابقین) مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انہوں نے بھی بقدر ضرورت دنیا کو حاصل کیا تھا۔ اگر میں زیادہ حصہ لیلوں گا تو ان سے درجہ کم ہو جاؤں گا یہ ہے توبہ اور صبر +

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرہانے پتھر رکھے سو رہے تھے۔ شیطان نے آکر کہا کہ یہ کیا۔ آپ نے تو دنیا کو چھوڑ دیا تھا۔ کیا اب پھر اختیار کر لیا۔ آپ نے فرمایا میں نے کیا کیا شیطان بولا یہ پتھر جو آپ نے اپنے سرہانے رکھا ہے اور آرام حاصل کر رہے ہو۔ اس سے اور کیا منشا ہے۔ حضرتؑ نے وہ پتھر نکال کر پھینک دیا۔ واقعی یہ بات ہے ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک میں نیا تسمہ لگا ہوا تھا۔ وہ آپ کو اچھا معلوم ہوا۔ حضورؐ نے اُسے نکال کر وہی پرانا لگا لیا +

حضرت امیر المومنین ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ شہد دودھ پی لیا تھا۔ معلوم ہو جانے پر اس قدر رقت کی کہ ہلاکت کی نوبت پہنچ گئی +

حضرت ابو سلیمان دارونی رحم فرماتے ہیں کہ اگر بندہ تمام عمر صرف اس بات پر روئے کہ اُس نے اپنی کسقدر عمر ضائع کی۔ تب بھی کم ہے۔ چہ جائیکہ وہ شخص کہ تمام عمر گناہ میں مصروف رہا ہو اور ایک لحظہ کیواسطے توبہ کا خیال نہ آیا +

اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ (اور خرچ کرو جو کچھ ہم نے تمکو دیا ہے قبل اسکے کہ تمہارے پاس موت پہنچے۔ تب کہو کہ اے رب کیوں نہ مہلت دی مجھے تھوڑی مدت کے واسطے) مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ بندہ موت کے وقت ملک الموت کو دیکھتا اور جانتا ہے کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے تو ایک حسرت اُسکے دلمیں پیدا ہوتی ہے کہ کاش ملک الموت مجھے مہلت دیتا تو میں ایک دن اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ عین موت کے وقت مہلت ملے۔ جو کچھ کرنا ہے اس سے پہلے کرلو۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ قبول کرنے والا ہر وقت مستعد ہے۔ پھر کیا وجہ دیر کی ہے ؎

خیرے کن اے فلان و غنیمت شمار عمر زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اے انسان! سمجھ اور غور کر کہ ایمان خوف و امید کے درمیان ہے۔ توبہ دوائے تسکین ہے۔ امراض باطنی کے علاج کے واسطے اس سے غافل مت ہو۔ ممکن ہے کہ موت آجائے اور توبہ کرنے کی مہلت نہ ملے۔ اس سے بہتر ہے کہ ہمیشہ توبہ کا عادی ہو تاکہ موت کے وقت بھی توبہ توبہ منہ سے نکلے۔ اللھم احفظنا +

اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ (اور اُن کی توبہ نہیں جو

بُرے کام کرتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایسے لوگوں کے سامنے موت آجاتی ہے تو کہتے ہیں۔ میں نے توبہ کی۔ اس آیت میں خدائے تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے کہ بعض ہمارے بندے ایسے گنہگار ہیں۔ جو تمامی عمر منہیات میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور جب موت نظر آتی ہے تو توبہ کا خیال کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ تو ہر وقت توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ خواہ وہ تندرستی میں ہو یا مرتے وقت کی۔ لیکن بندوں کو بھی یہ خیال کرنا چاہیئے کہ مرتے وقت اگر توبہ کی تو کیا کی۔ عمر بھر فسق و فجور میں اس خیال سے مبتلا رہے کہ آخر عمر میں توبہ کرلیں گے۔ یہ مکر اور بہانہ ہے اور خداوند کریم ایسے لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔ ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر بندہ کے ساتھ خداوند کریم کے دو بھید ہیں (۱) جب بندہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے شخص ہم نے تجھے پاکیزہ پیدا کیا اور تیری عمر بطور امانت دی ہے اب ہم دیکھیں گے کہ اس امانت کو مرتے وقت کس طرح سپرد کرتا ہے (۲) جب بندہ مرنے لگتا ہے تو خدائے برحق ارشاد فرماتا ہے کہ تو نے ہماری امانت یعنی عمر کو اگر اچھی طرح دنیا میں صرف کیا ہے تو جزا پائے گا ورنہ تیار رہ کہ دوزخ تیرے انتظار میں ہے +

قبولیت توبہ

ہر شخص جسکے دل میں ذرا بھی ایمان ہوتا ہے توبہ کی طرف مائل ہوتا ہے اور جب وہ توبہ کرتا ہے تو حق سبحانہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے۔ انسانی قلب پر گناہوں کی وجہ سے خواہ کتنی ہی سیاہی آگئی ہو لیکن توبہ ایسی چیز ہے جو اس تمام کالک کو دور کرکے دل کو مجلی کردیتی ہے۔ اسکے انوار دل ہی کو نہیں بلکہ تمام جسم میں مثل دوائی خون افزا کے دوڑ جاتے ہیں۔ اور انسان توبہ کرنیکے بعد بحالی محسوس کرتا ہے +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ہر برائی کے بعد نیکی کیا کرو تاکہ وہ نیکی اُس برائی کو مٹادے +

ارشاد نبوی ہے کہ اگر تم گناہوں کا انبار آسمان تک پہنچادو اور توبہ کرلو تو قبولیت

کی امید ہے ۔

ارشاد عالی ہوا کہ ایسا بندہ بھی ہے جس نے گناہ کیے اور بہشت میں گیا لوگوں نے استفسار کیا کہ کیسے ممکن ہے۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ کوئی شخص گناہ کرے اور اُس سے پشیمان ہو۔ وہی جنتی ہے ۔

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ابلیس تائب کی بابت کہا کرتا ہے کہ کاش میں اسے گناہ میں آلودہ ہی نہ کرتا تو اچھا تھا۔ بلاشک توبہ ابلیسی کاموں کو شکست دیتی ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ جب شیطان ملعون ہوا تو اُس نے درگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ مجھے تیری عزت و جلال کی قسم ہے کہ جب تک انسان کے بدن میں جان رہے گی نہ نکلوں گا۔ اللہ پاک نے جواب دیا۔ مجھے بھی اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ جب تک انسان کے بدن میں جان ہے توبہ کا دروازہ بند نہ کرونگا ۔

ایک حبشی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ حضور والا مجھ سے بہت سے بُرے کام سرزد ہوئے ہیں کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی ؟ حضورؐ نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ چلا گیا اور پھر آکر عرض کیا کہ جب میں گناہ کرتا تھا تو کیا خدائے پاک دیکھتا تھا ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا بلاشک وہ عالم الغیب ہے۔ سب کچھ دیکھتا تھا۔ اس حبشی نے یہ سنکر ایک نعرہ مارا اور مر گیا ۔

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خداوند کریم نے پیغمبران علیہم السلام کو حکم دیا ہے کہ گنہگاروں کو قبولیت توبہ اور صدیقین کو اچھے کام کرنے کی بشارت دے دو ۔

حضرت طلق بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خداوند کریم کے انسانوں پر بہت حقوق ہیں۔ کسی کی کیا مجال کہ ایک سے بھی ادا ہو۔ بہتر ہے کہ جب صبح کو بیدار ہو تو توبہ کرے اور رات کو سوئے تب بھی توبہ کرے ۔

حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جب کسی بندہ کا ایسا گناہ اُسکے روبرو پیش کیا جائے گا جسے دیکھ کر وہ شرمندہ و متاسف ہو تو حق سبحانہ تعالیٰ اُسے بخشدے گا۔

صغیرہ و کبیرہ گناہ

ہر شخص جانتا ہے کہ توبہ گناہ کرنے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ گناہ جس قدر خفیف ہوا چاہیے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ نماز پنجگانہ سب صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ سوائے کبیرہ کے۔ اور اسی طرح جمعہ بھی دوسرے جمعہ تک۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ اگر تم بُرے کاموں سے بازرہیگے جن کی بابت تمہیں ممانعت کی ہے تو ہم تمہارے قصور اُتار دیں گے اور جنت کے مقام میں داخل کرینگے۔ منشا اس کلام ربانی کا یہ ہے کہ اگر تم گناہ کبیرہ سے بازرہو گے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ معاف کرینگے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ کبیرہ گناہوں کی تفصیل بھی بیان کر دیجائے۔

اس بارے میں اصحاب رضؓ کا اختلاف ہے کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد کسقدر ہے بعض سات فرماتے ہیں۔ بعض نے کم اور اکثر اصحابؓ نے زیادہ فرمائے ہیں۔ جب حضرت ابن عباس رضؓ نے سُنا کہ حضرت ابن عمر رضؓ سات کی تعداد فرماتے ہیں تو آپنے کہا کہ سَتّر کے قریب ہیں۔ حضرت ابوطالب مکی رحؒ قوت القلوب میں حسب ذیل سترہ کی تشریح فرماتے ہیں:-

چار دل میں۔ (۱) کفر (۲) گناہ کے اصرار کا قصد اگرچہ صغیرہ ہی کیوں نہو۔ یعنی کوئی شخص گناہ اس خیال سے کرتا ہے کہ کبھی اُس سے توبہ نہ کرے گا (۳) خدائے پاک کی رحمت سے مایوس ہونا (۴) خدائے پاک کے عذاب سے مطمئن ہونا۔

چار زبان میں (۱) مکر و فریب کی گواہی۔ جس سے کسی کا حق مارا جائے (۲) شوہر والی عورت پر تہمت لگانی کہ حد اُس پر واجب ہو جائے (۳) جھوٹی قسم کھانی جس سے کسی کا مال یا حق تلف ہو جائے (۴) جادو۔

تین پیٹ میں (۱) ایسا نشہ پینا یا کھانا جو مست کر دے (۲) یتیم کا مال کھانا (۳) بیاج کھانا۔

دو فرج میں (۱) زنا۔ (۲) لواطت۔

دو ہاتھ میں (۱) ناحق کسی کو قتل کرنا (۲) ایسی چوری کرنی جس سے حد واجب ہو جائے۔

ایک پاؤں میں یعنی۔ بوقت جنگ کفار کے مقابلہ سے بھاگنا۔

ایک تمام جسم میں یعنی والدین کی نافرمانی۔

ضروری بات یہ ہے کہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے نماز اگرچہ صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینے کی بات ہے کہ اگر ذرا بھی مظلمہ کسی کا اپنے ذمہ کوئی شخص رکھتا ہوگا تو اُس کا کوئی کفارہ نہیں۔ جب تک کہ ادا نہ کرے۔ خداوند کریم اپنے متعلق گناہ معاف فرما دے گا۔ لیکن خلق کے گناہوں میں دخل نہ دے گا۔ انصاف بھی یہ ہی ہے کہ جو جس کا قصوروار ہوا ہے معاف کرے ہر وقت خداوند کریم سے حقوق العباد سے پناہ مانگنی چاہیئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ تین گناہ بہت بڑے ہیں (۱) شرک (۲) خدا کے گناہ جو بندوں کے ذمہ ہیں وہ بخشدیئے جائینگے (۳) انسانوں کے گناہ انسانوں کے ذمہ۔ اللھم احفظنا۔

گناہ صغیرہ کا کبیرہ بن جانا

گناہ صغیرہ میں تو یہ امید ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بخشدے گا۔ لیکن بعض دفعہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہی صغیرہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ اُس کی مثال ہم ذیل میں لکھتے ہیں:۔

(۱) آدمی صغیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہے۔ مثلاً ہمیشہ غیبت و بدگوئی میں مبتلا رہے۔ ریشمی لباس پہنا کرے۔ یا لہو ولعب میں مشغول رہے۔ پس جس گناہ کو ہمیشہ کیا جائے۔ وہ دلکو اندھا کر دیتا ہے۔ اور اُسکی عادت ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے بہتر اور نیک وہ کام ہے جو تھوڑا ہو لیکن ہمیشہ ہوتا رہے۔ تاکہ اُسکی تھوڑی نیکی آخر میں بہت ہو جائے۔ پانی کا قطرہ اگر روزانہ کسی پتھر پر ٹپکتا رہے تو وہ ایک دن اُس میں چھید کر دے گا۔ اسی طرح نیک کام خواہ تھوڑا کیوں نہو۔ لیکن روزانہ کرنے سے آخر میں اُسکی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ بلاشک بڑی اچھی نصیحت ہے۔ آدمی کو ہمیشہ صغیرہ گناہوں پر استغفار کرنی چاہیئے۔

(۲) گناہ کو صغیرہ سمجھنے سے بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔ کسقدر افسوس ہے کہ ہم اپنی محدود عقل سے ایک بات کو حقیر سمجھکر کر لیتے ہیں۔ اور نہیں خیال کرتے کہ خدائے پاک کی مصلحت میں اسکا کیا درجہ ہے۔ ممکن ہے کہ جسکو ہم چھوٹا سمجھتے ہیں وہ بڑا ہو۔ مقتضائے عقل یہ ہی ہے کہ ہر شخص چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی بہت بڑا سمجھے۔ اے عزیز! یاد رکھ۔ مومن ہر گناہ کو مثل پہاڑ کے خیال کرتا ہے کہ کہیں سر پر گر نہ پڑے۔ اور منافق پروا نہیں کرتا۔ خوف خدا سے عرفان پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر عارف کے نزدیک رائی کے دانہ کی برابر گناہ عظیم الشان کوہ کا مرتبہ رکھتا ہے۔

(۳) جو شخص گناہ کرنیسے خوش ہوا۔ یا فخریہ بیان کرتا پھرا کہ آج میں نے فلاں شخص کو دھوکا دیا۔ مال اُڑا لیا۔ گالیاں دیں۔ مناظرہ میں پریشان کیا۔ یہ اس امر کے دلالت ہیں کہ اُس کا قلب سیاہ ہو گیا ہے۔ گنہگار کو ہمیشہ نت نئی باتیں فتنہ پردازی

کی سوجھتی ہیں اور وہ خلق اللہ کو وق کرنے کی ترکیبیں سوچا کرتا ہے۔ ایسے لوگ آجکل بہت ہیں۔ خداوند کریم اُنسے محفوظ رکھے۔

(۴) اگر کسی شخص کے گناہ بہت ہوں اور وہ خوش و خرم رہے تو اس سے یہ لازم نہیں کہ اُسے سزا نہیں ملے گی۔ دیکھنے والوں کے واسطے ایسا شخص بہت بڑی عبرت کا منظر ہے۔ کیونکہ گناہ کا بوجھ جب زیادہ ہو جائے گا تو سزائے الٰہی اُسے ذرا سی دیر میں فنا کر دے گی۔ روزانہ ایسی مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔

(۵) نہایت بدبخت اور نامراد وہ شخص ہے جو گناہ کو علانیہ کرے۔ کیا تعجب ہے کہ ایک شخص کو شراب پیتے یا طوائف کے بالاخانہ پر جاتے دیکھکر اور لوگ بھی راغب ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو گویا ایک شخص نے دس اور کو آمادہ کیا۔ آہ۔ یہ کسقدر خوفناک بات ہے خود کرے اور اُسکی پیروی دوسروں کے واسطے بھی وبال ہو۔ جہاں تک ممکن ہو ایسے امر سے بچنے کی کوشش کرے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ مسلمان پر اس سے بڑھکر اور کیا الزام عائد ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو دوسرے کی نظر میں سہل دکھائے۔ توبہ! توبہ!!

(۶) دنیا میں وہ عالم جو بے عمل ہو یا اپنے اعمال سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہو انتہا درجہ کا قابل سزا اور مردود الٰہی ہے۔ اہل دنیا بوجہ کم علمی کے ہر عالم پر اعتقاد رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ جب وہ بزرگوار علوم دین کے معانی اُلٹ کر بیان فرمائیں گے اور اپنی نفسانیت سے خلق خدا کے خیالات میں ہیجان پیدا کرینگے تو کتنے لوگوں کے وبالوں کو اپنے ذمے لیں گے۔ ایسا شخص قبل اسکے کہ اپنے علم سے نقصان پہنچائے۔ اگر مر جائے تو اچھا ہے اس زمانہ میں ایسے لوگوں کی بہت کثرت ہے۔ جسقدر زمانہ گزرتا جاتا ہے۔ بدتری پیدا ہوتی جاتی ہے۔ ڈرنا چاہیئے اُسوقت سے جب علم و عمل دنیا سے مفقود ہو جائیں گے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ الاسلام کیمیائے سعادت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ علمائے بنی اسرائیل میں سے ایک نے توبہ کی۔ ارشاد باری ہوا کہ اگر تیرے گناہ ہمارے اور تیرے

درمیان ہی ہوتے تو ہم بخشدیتے۔ مگر ظالم تونے تو بہت لوگوں کو گمراہ کردیا اسکا مواخذہ کس کے ذمے ہو۔ ہر وقت خدا کے قہر و غضب سے ڈرنا چاہیئے ۔

توبہ کی شرطیں اور اسکی علامتیں

پشیمانی کی وجہ سے توبہ کا خیال ہوتا ہی۔ اور پشیمان ہونے کی علامت یہ ہی کہ انسان ہمیشہ حسرت و اندوہ میں رہے۔ اور اعمال کو خیال کرکے جناب باری میں الحاح وزاری کرتا رہے اعمال بد کا دریا اس قدر ذخار ہی کہ جب کوئی نظر عبرت سے اُسکے کنارے کھڑے ہوکر خیال کریگا تو حسرت و اندوہ سے کب خالی رہیگا۔ فرض کرو کہ کسی شخص کا بیٹا بیمار ہو اور کوئی کافر طبیب بھی یہ کہدے کہ اب یہ مرجائیگا تو بتلاؤ کہ بدنصیب باپ کے دل پر کیا آرے چلیں گے۔ اب سوچو اور غور کرو کہ خدا اور رسول تو اس طبیب سے بھی بہت زیادہ ہیں سو جب یہ فرماتے ہیں کہ گناہ کی زیادتی کا نتیجہ ہلاکت ہی تو انسان کیسے رنج و غم سے خالی رہے۔ اے عزیز! اُٹھتے بیٹھتے سوتے۔ جاگتے توبہ کا خیال رکھو ؎ بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش ۔ عذر بدرگاہ خدا آورد ۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ توبہ کرنیوالوں کے پاس بیٹھنا چاہیئے کیونکہ اُنکا دل رقیق ہوتا ہی اور قلب جسقدر صاف ہوا تناہی انسان گناہ سے منزہ ہوتا جاتا ہی ۔

مداومت توبہ ۔ جب کسی شخص سے گناہ سرزد ہو تو اُسے چاہیئے کہ فوراً اسکے کفارہ کی فکر کرے۔ آثار صحابہؓ اس امر کی خود دلیل ہیں وہ بزرگ ارشاد فرماتے ہیں۔ آٹھ کام ہیں جو گناہ کا کفارہ ہوسکتے ہیں (۱) چار دلمیں۔ توبہ۔ عزم توبہ۔ اس بات کا خوف کہ اس گناہ کے عوض عذاب ہوگا۔ عفو کی امید (۲) چار جسم میں۔ دو رکعت نماز۔ ستر بار استغفار اور ستو بار سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ ۔ جسقدر ہوسکے صدقہ دے یا ایک روزہ رکھے ۔

نصیحت ۔ عزیزو! تم نے اس مضمون میں پڑھ لیا کہ توبہ کیا چیز ہے۔ یہ امر مسلمہ ہی کہ جسقدر انسان اس دنیا میں ہیں۔ کوئی گناہ سے خالی نہیں۔ لیکن مقتضائے سلیم الطبع ہی کہ خداوند کریم کو حاضر۔ عالم الغیب اور غفور الرحیم جانکر ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ بندے ہمیشہ گناہ کرتے رہیں گے

ہو بھی تو عفو الرحیم سے بخشش کی امید ہے۔ اس کا علم ہے کہ تقنطوا من رحمۃ اللہ ۔

محمد شمس الدین خاں۔ مراد آبادی غفرلہ

دہلی کی آبادی میں ۱۸۵۷ء تک حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے

نمبر ۲ جلد ۱۰ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ

جلد ۱۰ نمبر ۲ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ

نظام المشائخ

صلی اللہ علی رسولہ الکریم

روحانی تسلی و تسکین کا ماہوار پیام

مذہب، اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک لنوار مجموعہ

جو سیدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جوانہزادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۱۰ عہ پشتشاہی ۱۴ر

مقام اشاعت دارالسلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

نوٹ (۱) ۔۔۔ نوٹ (۲) ۔۔۔

مرتبہ واحد محمد الواحدی

آج کل

نظام المشائخ دوہزار

نظام المشائخ ہر ماہ اور عرصہ بعد اسکی اشاعت میں ترقی ہو۔ مشتہرین ضرور اپنے اشتہار اسمیں درج کراکر فائدہ اٹھائیں

نرخنامہ	مقدار	ایک بار	ستماہی	ششماہی	سالانہ
	تہائی صفحہ	۴	۶	۱۰	۱۸
	نصف صفحہ	۶	۱۰	۱۸	۳۰
	پورا صفحہ	۱۰	۱۸	۳۰	۵۰

نظام المشائخ کے قواعد وضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رح کا یوم عرس ہر شائع ہوتا ہے۔ مضامین اسمیں ہمیشہ اخلاقی اصلاحی اگر سب صفحے فیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں تحریروں میں انشاپردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر سالہ ۷ یا ۸ تاریخ تک پہنچے تو دیر سویر کا خیال کرکے اس بارہ تاریخ تک انتظار کیجئے۔ اسکے بعد عذر اطلاع دینی چاہیئے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہوجائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو۔ براہ عنایت چوتھا ماہ جاری ہونے سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کردینی کافی ہے (۴) خط وکتابت میں اپنا نام وپتہ نہایت صاف وخوش خط لکھیے اور خریداری کا نمبر ضرور بتایئے۔ جوابی امور کے لیئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجئے +

منیجر نظام المشائخ دہلی

۸۶

نظام المشائخ

جلد ۱۸ | بابت ماہ جمادی الاولی سنہ ۱۳۳۶ ہجری | نمبر ۵

فہرست مضامین

شمارہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	تخلقوا باخلاق اللہ	خان بہادر جناب مرزا سلطان احمد صاحب ایم آر اے ایس	۳
۲	روی کی ٹوکری	سیدنی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی۔	۱۳
۳	توبہ	جناب مولوی محمد شفیع الدین خاں صاحب مرادآبادی	۲۱
۴	سراب مغرب	مصور غم علامہ راشد الخیری	۳۳
۵	سر اسرار خودی	خان بہادر جناب پیرزادہ مظفر احمد صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر	۴۹
۶	کیا تھا کیا ہو گیا	جناب یوسف	۵۵
۷	حسن علی شاہ بسولہ	جناب آزرد	۵۹
۸	ترک علائق	جناب چندر سروپ صاحب چاند لاہوری	۶۱
۹	آئندہ	جناب ذہین حیدرآبادی	۶۳
۱۰	صوفی	جناب غلام الرسول صاحب علیم	۶۳
۱۱	اکل حلال	جناب حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی	۶۴
۱۲	استہارات		۶۵

یارانِ نظام المشائخ

توسیع اشاعت

گزشتہ ماہ میں جن حضرات نے نظام المشائخ کی توسیع اشاعت میں حصہ لیا۔ انکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔ اللہ پاک انہیں جزائے خیر دے۔

جناب محمد نذیر الدین صاحب نے جناب حاجی محمد عبد الکریم صاحب محبوب نگر کو خریدار بنایا۔ اور جناب منشی رحمت اللہ خاں صاحب بہدرکنے۔ جناب مولوی محمد ابرار الحق صاحب کٹک کو اور جناب منشی محمد عبد الجلیل صاحب بہدرک کو۔ جناب سید غلام داؤد صاحب نے جناب مولوی سید افضل صاحب قاضی پٹہ کو۔ جناب حافظ سلطان احمد صاحب شیخپورہ نے جناب مولوی عظیم اللہ خانصاحب بجنور کو۔ جناب سید محمد فضل حق صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ راج محل نے جناب مولوی سید محمد ابو البرکات صاحب بھاگلپور کو۔ جناب محمد حسین صاحب نشتر بلہاری نے جناب متیال منشی محمد حسین صاحب دلشاد بروس پٹہ کو۔ جناب محمد نبی داد خانصاحب پکارناکہ ساگر نے جناب منشی محمد عباس صاحب نرسنگ پور کو۔ جناب محمد [illegible] صاحب ہیڈ ماسٹر نے جناب محمد عبد الرحیم صاحب سوداگر بجواڑہ کو۔ جناب بابو خیر الدین صاحب کالو (برہما) نے جناب ستری دین محمد صاحب سکیدار کلو کو۔ جناب احمد خاں صاحب مقام شولاپور نے جناب صفیر صاحب شولاپور کو۔ جناب محمد ظہیر الدین صاحب مکاموی داناپور نے جناب نصرت حسین صاحب کونڈہ داناپور کھگول کو۔ جناب یوسف علی ملا علی محمد صاحب نے جناب مان بھائی طیب علی صاحب بمبئی کو جناب محمد عبد الحکیم صاحب ضلعدار گوہٹہ چتی نے جناب خانی صاحب اسد نواز خاں صاحب بہادر پور کو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلی نے جناب سید عبد الرحمن صاحب نظامی حیدرآباد دکن کو جناب مشتاق اللقا صاحب قوم لدگاہ سکنہ مہم نے حضرت میاں صاحب میاں غلام حسین صاحب مہم کو خریدار بنایا۔ (باقی آئندہ)

نظام المشائخ

تخلقوا باخلاق اللہ

کوہ کندن گرچہ کارِ سخت و سنگین است لیک
گر شود شیریں لوائے کار فرماکردنی است

یہ اُس مصلحِ اعظم منادِ توحید کا قول ہے کہ جو اُس ریگستان میں پیدا ہو جہاں کا ایک ایک کنکر اور ایک ایک ذرہ لات و عزّیٰ کا پرستار اور تسبیح خواں تھا۔ یہ اُس ہادیٔ اقدس کا مقولہ ہے جو عرب کے جنگلوں اور عرب کے ٹیلوں میں کھڑے ہو کر ایک بڑی چٹان پر سے یہ ندا دیتا ہوا سُنا گیا۔

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم

یہ اُس علم ربانی کا فقرہ ہے جو ۳۶۵ بتوں میں کھڑے ہو کر باوجود انواع و اقسام کی کاوشوں اور عداوتوں کے اس اعلان سے باز نہ رہا :-

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد الخ

یہ اُس جانباز توحید کا جملہ ہے جو اخیر میں آکر دنیا کے کل پہلے مرسلوں اور گزشتہ نبیوں کی رسالت اور نبوت کا ایک صادق اور امین گواہ ہے ۔

یہ اُس محترم ممبر ہاشمی خاندان کا ارشاد ہے جس کی رگوں میں ابراہیمی خون دورہ کرتا تھا۔ اور جس کے دل و دماغ میں فیضان الٰہی کی بجلیاں دوڑ رہی تھیں ۔

یہ اُس مقدس ہستی کی یادگار ہے جو اپنے دل و دماغ میں ایک نہ مٹنے والی غیرت اور نہ باز رہنے والی حمیت رکھتی تھی۔ جس کی شاندار زندگی کا ماٹو صداقت اور غیرت ہی تھی ۔

جس کی تعلیم کا جوہر اور اصل صرف ایک غیرت اور حمیت ہی تھا جو اُس مکتب صمدی کا تعلیم یافتہ تھا جس کا پہلا سبق الحیاء من الایمان ہے ۔

جس کا نصاب اس پر ختم ہوتا ہے :-

انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین

جو کچھ اس ہادیٔ جہان نے فرمایا اور کہا ہے اگر اُسے بگوش ہوش سُنا جائے تو ایک سلیم دل کے لیئے وہ حکمتیں اور وہ خوبیاں مہیا ہو سکتی ہیں کہ جو مذہبی، اخلاقی اور تمدنی رنگ میں ایک خصوصیت ہی نہیں رکھتیں بلکہ زندگی کے دوسرے کاروبار میں بھی اُن کی ضرورت ہی ثابت ہوتی ہے ۔

حدیث مندرجہ عنوان ہم اکثر سنتے اور پڑھتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے بعض کو عملی رنگ میں اس پر غور کرنے کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ اور نہ ہم یہ سوچتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا فقرہ اپنے اندر کیا کچھ رکھتا ہے سب سے اول اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

کیوں انسان کو یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ وہ اخلاق اللہ سے مناسبت پیدا کرے یا اخلاق خدائی سے متصف ہو۔ اور پھر یہ کہ

"اسمیاں کے کون کون سے اخلاق ہیں"

"اور کس طرح انسان اخلاق اللہ سے متصف ہو سکتا ہے"۔

یہ وہ باتیں یا یہ وہ سوالات ہیں جن پر غور کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔ اخلاق سے مراد وہ روش اور وہ عمل ہے جو ایک شخص اور نیک صورت میں معمول ہو جو ہمارے اور دوسروں کے حق میں ایک خوبی اور ایک برکت رکھے۔ جو طریقہ ایک قانون کی حیثیت رکھتا ہو۔ خدائے لایزال کے قوانین اور عملیات کا ثبوت اُسکے افعال اور اسکی قدرتوں سے ملتا ہے اور وہی اُسکے اخلاق ہیں۔ خدائی اخلاق کیا ہیں؟:۔

(۱) وحدت تامہ	(۱۳) باطنیت
(۲) عظمت	(۱۴) حقیت
(۳) قیومیت	(۱۵) مشیت
(۴) صمدیت	(۱۶) عزمیت
(۵) قدوسیت	(۱۷) فاعلیت
(۶) قادریت	(۱۸) سامعیت
(۷) رحمانیت	(۱۹) بصریت
(۸) ستاریت	(۲۰) جامعیت
(۹) غفاریت	(۲۱) حادثیت
(۱۰) رزاقیت	(۲۲) غالبیت
(۱۱) خالقیت	(۲۳) جباریت
(۱۲) علمیت	(۲۴) قہاریت

(۲۵) ارادیت	(۳۴) منتقم
(۲۶) محبت	(۳۳) محسن
(۲۷) کرم	(۳۲) محی
(۲۸) فضل	(۳۵) معطی
(۲۹) عفو	(۳۶) واہبیت
(۳۰) رحم	(۳۷) ربوبیت
(۳۱) عدل	

یہ یا اسی قسم کی اور صفات۔ صفات کہہ لو یا اخلاق کہہ لو۔ ایسی ہیں کہ جو اس ذات صمدی سے منسوب کی جا سکتی ہیں۔ یہی خدا کی صفات ہیں۔ اور یہی اخلاق اللہ ہیں۔ اخلاق کی یہ تعریف بھی ہے کہ اُن کا نفاذ اور اُن کا اثر کسی ایک خاص ذات سے مخصوص نہو۔ عموماً اُن کا نفاذ ایک قانون کے رنگ میں ہر فرد اور ہر طبقہ سے علی قدر مراتب مرعی ہو۔

دیکھو ربوبیت کی خصلت یا ربوبیت کا خلق کل افراد عالم کو حاوی ہے۔ قیومیت اور قدوسیت کی خصلت یا خلق ہر پہلو میں نمایاں ہے۔ رحم۔ محبت۔ عفو۔ درگزر۔ کرم۔ فضل کسی ایک طبقہ سے خاص نہیں۔ رزاقیت، عدل و انصاف کسی قوم سے مخصوص نہیں۔ ہر فرد اور ہر نوع اُسمیں حصہ دار ہے۔ ایسا خلق عظیم اور ایسی ربوبیت ایسی سامعیت ہے کہ متنازعین اُس سے رجوع لاتے اور اُس سے مستغیث ہوتے ہیں ایک چور بھی اُس کے دروازے پر گڑگڑاتا ہے اور ایک سادھو بھی اُس سے ملتجی ہوتا ہے۔ ظالم اور مظلوم دونوں اُس سے فریاد کرتے اور اُس سے عفو و بخشش اور عدل و انصاف چاہتے ہیں۔ ایک شخص جو گناہ کرتا ہے وہ بھی اُس سے خواہاں عفو ہوتا ہے۔ اور ایک شخص جو نیکی کرتا ہے وہ بھی اُس سے امید رکھتا ہے ہر شخص

اور ہر خلقت کا وہی ملجا اور وہی ماوی ہے۔ وہ متبعوں کی بھی سنتا ہے اور منکروں کی بھی۔ ایک متقی اور مرتاض بھی اُس سے رجوع لاتا ہے۔ اور ایک بدبخت بدعمل دہریہ بھی اُسی کی دی ہوئی نعمتوں سے پیٹ پالتا ہے۔ ایک گنہ گار باوجود گستاخ کرنیکے بھی اُسی سے ملتجی ہوتا اور اُسی کے رحم کا خواستگار ہے سفرۂ ربوبیت اس قدر وسیع ہے کہ اُس سے کوئی شخص بھی محروم نہیں رہتا +

دوسری طرف اُس کی گرفت اور اُس کی بازپرس سے بھی کوئی بچ نہیں سکتا اگر ایک طرف رحمت اور فضل ہے تو دوسری طرف عدل و انصاف اور بازپرس بھی ہے۔ کوئی جان ایسی نہیں جو سوائے اُس کی رحمت اور فضل کے خود کو اُسکی گرفت اور بازپرس سے بچا سکے یا جس کا اعمال نامہ اُس سے پوشیدہ اور اوجھل ہو +

وہ دلوں پر حکومت کرتا اور دلوں کی باتیں ہم سے پہلے جانتا اور جانچتا ہے وہ جیسے کلیات پر حاوی ہے ایسے ہی جزئیات بھی اُس کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں اگرچہ خدا سراسر محبت اور رحم ہے۔ لیکن اُسکی گرفت اور بازپرس بھی بڑی سخت اور کڑی ہے۔ ہم خود تو اُس سے بچ سکتے نہیں۔ اُس کی رحمت ہی ہمیں بچا سکتی ہے +

رسول کریم فرماتے ہیں :-

تم بھی حدود بشری کے اندر ہی اُن اخلاق سے متصف ہو جاؤ جو خدائی اخلاق ہیں کیونکہ اُن ہی اخلاق یا اُن ہی افعال کے تحت دنیا کا انتظام چل رہا ہے اور وہی افعال اس کائنات کے واسطے ایک ضابطہ کا حکم رکھتے ہیں" +

مثلاً ہمدردی کا پہلو لیکر تم ہمیشہ اس بات کی کوشش میں رہو کہ علی قدر مراتب کوئی بھی اگرچہ کوئی ہو تمہاری ہمدردی سے محروم نہ رہے۔ اگر کوئی دوسرے مذہب کا بھی ایسا شخص ملے تو اُس سے بھی ویسا سلوک کرو۔ جیسے اپنے ہم مذہب سے کیا جاتا ہے۔ کیونکہ رزاقیت اور دیگر زندگی کی ضروریات کے دینے میں کوئی مغائرت

نہیں رکھتا۔ جو لوگ اُسے نہیں مانتے اور کھلے طور پر اُس کا انکار کرتے ہیں وہ بھی اُسکے خوان قدرت سے پیٹ بھرتے ہیں ۔

اگر رحمت ایزدی اس دنیا میں دہریوں اور ناستکوں سے بیگانہ ہوتی تو آج دنیا میں ایک دہریہ اور ایک ناستک بھی نہ ملتا۔ کیونکہ اُس کی زد سے کون بچ سکتا تھا۔ مگر آج تم دیکھتے ہو کہ دنیا کے بعض گوشوں میں فیصدی کتنے ہی ایسے ہیں کہ نام خدا ٹھٹھوں میں اُڑاتے ہیں۔ یہ خدائی وسعت اخلاق ہے کہ ایسے لوگ ہی اُس کی رحمت اور کرم سے محروم نہیں رہتے۔ یہ نہیں کہ وہ جانتا نہیں۔ باوجود کچھ جاننے کے بھی وہ دامن رحمت تنگ نہیں کرتا۔

پردہ پوشی اور ستاری بھی اُس کی ایک صفت ہے۔ علیم ہے۔ سمیع ہے اور ۔اور ایسے طور پر سب کچھ جانتا ہے کہ کسی کو خبر تک بھی نہیں ہوتی۔ کوئی سے مخفی نہیں۔ مگر دیکھتے نہیں ہو کہ کس قدر پردہ پوشی کر رہا ہے۔ ایک ی فطرت جو اُس نے دی ہوئی ہے اور جو ایک قانون کا حکم بھی رکھتی ہے ں کم زوریوں سے روکتی بھی ہے۔ اور ہم باوجود اسکے بھی باز نہیں رہتے ے ذات ایسی رحیم ہے کہ اُس وقت تک ہماری پردہ دری نہیں ہوتی جب تک ہم خود ہی نہ ہوں۔ ایک ہم ہیں کہ یہ حالت دیکھنے پر بھی ایک بھائی کی کمزوری پر یکھکر اُس وقت تک دم نہیں لیتے کہ جب تک اُسے کسی کو سُنا نہ لیں اور جب تک اُسے متہم نہ کرلیں اگر خدائی عمل سے حدود بشری کے اندر کچھ بھی کام لیں تو پردہ دری کی بُرائیوں سے کچھ نہ کچھ شناسا ہو ہی سکتے ہیں۔ خدائے قدیر و دیکھتا ہے کہ ہم باوجود اس یقین کے بھی کہ وہ ایک حاضر و ناظر ہستی ہے۔ بد اخلاقیوں سے باز نہیں آتے۔ مگر وہ ہماری باگ ڈھیلی چھوڑتا اور ہمیں مہلت دیتا ہے۔ مگر ایک ہم ہیں کہ اپنے کسی بھائی کی تھوڑی سی غلطی بھی معاف نہیں کرسکتے +

سرابِ مغرب

تعلیم نسواں کی جائز کوشش کے ذیل میں جس پر لاریب حیاتِ قوم کا انحصار ہے جو ناجائز ذرائع استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اُنکے خوفناک نتائج سے کسی دور اندیش مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا یہ اسی غفلت کا نتیجہ اور خبط کا انجام ہے کہ مغربی رَو اس بُری طرح لڑکیوں میں سرایت کر رہی ہے کہ جو گردنیں علی الصباح خدا کے حضور میں جھک کر کلامِ الٰہی کو بوسہ دیتی تھیں۔ وہ آج بالوں کو نئے فیشن سے سنوار کر ناول بینی میں مصروف ہو جاتی ہیں یہ طوفان اسقدر عام ہو گیا ہے کہ جہاں بادی النظر میں اسکا پرچاؤ ہی نہیں پڑ رہا وہاں بھی اسکے تھپیڑے یقیناً پہنچ رہے ہیں اور وہ صرف اس لیے کہ لڑکیاں اپنی دوسری بہنوں سے سنیدو نے جو سنتی ہیں۔ اُن کے اثرات قبول کر لیتی ہیں۔ اور یہ جائے تعجب نہیں فطرتِ انسانی ہے کہ زمانہ کی رفتار اور جدت کی لذت اُن کے دل موہ لے ؛

ہم کو ہرگز ہرگز تعلیم نسواں پر اعتراض نہیں۔ اگر ان دونوں نقائص کا کافی انسداد ہو جائے یعنی ذرائع تعلیم اور طریقۂ تربیت دائرۂ مذہب سے باہر نہ نکال دے ؛

ہم باوجود سخت کوشش کے بھی اب تک نہ سمجھ سکے کہ اگلی ہوئی علم کے کون سے شعبہ میں ان نام نہاد تعلیم یافتہ عورتوں سے کم تھیں۔ ہاں ایک بیّن فرق جو ہمکو نظر آرہا ہے وہ یہ ہے کہ اگلی

کوئی فعل مذہب سے علیحدہ نہ تھا۔ اور ان کا کوئی کام مذہب سے متصل نہیں۔ اسلئے اشد ضرورت ہے کہ جو صدا آج ہم بلند کرتے ہیں مسلمان اگر اس سے متفق ہیں تو ہماری صدا پر لبیک کہیں۔ اور ان کوششوں میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ اور اچھی طرح سمجھ لیں کہ وہ ذرائع تعلیم جہاں پہلے دین اور پھر دنیا کی تعلیم ہو قوم کے واسطے سم قاتل ہیں۔ یہ لڑکیاں جو آج بیٹیاں ہیں کل مائیں ہوں گی اور انہیں کے خیالات پر قوم کی موت اور زیست کا دارمدار ہے۔ ہماری کوشش کا پہلا نتیجہ علامہ راشد الخیری مدظلہ کی یہ کتاب "سراب مغرب" ہے۔ جو علاوہ بے حد دلچسپ اور نہایت موثر ہونیکے اس قابلیت سے لکھی گئی ہے کہ تعلیم نسواں کے ذرائع ناجائز کی تمام خرابیاں آنکھ کے سامنے آجاتی ہیں۔ مولانا کے ممدوح کا قلم سحر نگار اس وقت اردو علم ادب میں بےنظیر ہے۔ اور حق یہ ہے کہ گو موت نے شبلی و حالی کا نعم البدل ہم کو نہ دیا مگر نذیر احمد کو جیسی کرائنے بہتر ادیب ہمکو دیدیا۔ سراب مغرب کا ہر لفظ نشتر ہے۔ ہر فقرہ مرہم ہے۔ اور اسمیں دبستان پارینہ کے وہ اوراق پوشیدہ ہیں جن کو ہم سرآنکھوں پر رکھیں گے۔ سراب مغرب ہم کو صحبت شب کے جلسے یاد دلا رہی ہے اور بتا رہی ہے کہ ہماری مائیں کیا تھیں اور ہماری بیٹیاں کیا ہیں۔ کتاب کی دلاویزی، عبارت کی فصاحت، زبان کی خوبی، درد، اثر، سوز، گداز، دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ضخامت چار خیر قیمت ۸ رہم سراب مغرب کا ایک ٹکڑا بطور نمونہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

پیاری بچیو! میں آج جو کچھ تم سے کہنا چاہتی ہوں وہ موجودہ ترقی کے متعلق ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ زمانہ بہت کچھ ترقی کر گیا اور زمانہ کے ساتھ لوگ بھی ترقی کر رہے ہیں۔ جہالت رفتہ رفتہ دور ہو رہی ہے۔ علم کی روشنی نے سب کو جگمگا دیا اور توہمات جو بعض اوقات شرک کی حدود میں داخل ہو جاتے تھے۔ اب بہت کچھ کم ہو گئے ہیں۔ پرانی عورتوں اور اگلی بیویوں کی گھٹی میں جو خیالات پڑ چکے تھے وہ صریح نقصان رساں تھے چونکہ وہ زیور علم سے آراستہ نہ تھیں۔ اسلئے زندگی کے کسی شعبہ میں ان کو پوری کامیابی حاصل نہو سکتی تھی۔ تربیت اولاد ناقص ہوتی تھی گھر میلے کچیلے رہتے تھے۔ لباس ٹھیک نہ ہوتا تھا معاملے کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتی تھیں۔ الغرض ان تمام باتوں کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ میاں بیوی کی زندگی جیسی خوشگوار ہونی چاہیئے ویسی نہ ہوتی تھی۔ انکی دنیا صرف گھر کی چار دیواری تک محدود ہوتی تھی گرد و پیش سے بخبر دوسروں کے خیالات سے ناآشنا انکو نہ تنزل قوم سے تعلق ہوتا تھا۔ نہ ترقی سے واسطہ۔ ان کا یقین صرف یہ ہوتا تھا کہ کونوں میں دبکی سکڑی پسی سہمی بچی سے جوان اور جوان سے بڑھیا ہو قبر میں پہنچ جائیں۔ لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب ہماری حالتوں میں آسمان زمین کا فرق ہو گیا۔ وہ جہالت جس کے کرشموں نے مدتوں ہمکو پابزنجیر رکھا۔ ہم سے دور ہو رہی ہے۔ ہم علم حاصل کر رہے ہیں۔ نئی تہذیب ہمارے گھروں میں داخل ہو چکی ہے۔ تمدن جدید نے ہمارے نقائص رفع کر دیئے ہیں اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے ہم اپنی تمام قوم کی حالت سے آگاہ ہو رہے ہیں۔ ہمکو معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں اور کس جگہ روپیہ کا صرف ہماری مصیبت زدہ قوم کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ ہم خیرات اور زکوٰۃ کے محل و مواقع کو سمجھنے لگے ہیں ہمارے گھران پرانے اور ذلیل گھروں کے مقابلہ میں بہت کچھ سنور گئے ہیں۔ ہماری طبیعتیں ان لغو توہمات سے پاک صاف ہیں۔ ہمارا لباس مناسب اور آراستہ ہو گیا ہے۔ ہم بچوں کی پرورش کے ڈھنگ سیکھ گئے ہیں ماؤ! مگر کہ بچے جو کچھ سیکھتے ہیں وہ ماں کی گود سے اور جس سے وہ بچیاں بالکل ہی بیخبر تھیں اسکو اس طرح معلوم ہو گیا

کمرے، سب کے الگ الگ آمدنی اور خرچ جدا مگر دسترخوان سب کا ایک جس وقت ہم سب کھانے سے فارغ ہو کر خدا کا شکر ادا کرتے تھے تو ہمارے دل حقیقی مسرتوں سے لبریز ہو جاتے تھے جو کچھ خدا ہمکو اپنی عنایت سے دیتا تھا۔ ناممکن تھا کہ اس میں ایک حصہ خدا کا نہ نکلے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقع پر جب اماں جان مسجد میں کھیر بھیج رہی تھیں تو خالو جان نے فرمایا کہ آپا آج تو لنگڑی امراؤ کے ہاں یہ حصہ بھیجدو ملاجی کو پھر بھیج دینا۔ اماں جان ہنسیں اور کہا بھائی! جس مسجد کی اذان کان میں آتی ہے اُسکا حق مقدم ہے۔ امراؤ کے ہاں اور حصہ دیدیتی ہوں مگر ملا کا حق کیوں نہ دوں۔ میری پیاری بچیو! یاد رکھو اور یاد نہیں لکھ لو اور لکھ رکھو کہ مذہب سے علیحدہ ہو کر کسی قوت اور کسی حال میں ترقی ممکن نہیں ۔

یہ تو میں نے تم کو ایک چھوٹی سی بات نماز اور روزے کے متعلق بتائی اب تم اور باتوں پر بھی نظر ڈالو تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اُس زندگی میں کیا تھا اور اس زندگی میں کیا ہے میں اب بھی مسلمانوں کے گھر دیکھتی ہوں اور آج سے تیس چالیس برس پہلے کے گھر بھی میں نے دیکھے ہیں میری عمر اس وقت پچاس برس کے قریب ہے، وہ بھی دیکھا۔ یہ بھی دیکھ لی نہیں کا بھی پرکھ۔ میں نے وہ رنگ بھی دیکھے اور یہ ڈھنگ بھی دیکھ رہی ہوں۔ میری رائے میں وہ گھر جن کو آج جہالت گاہ کہا جاتا ہے نمونہ جنت تھے اور یہ گھر جو رنگ برنگ کے فرش فروش اور میز کرسیوں سے آراستہ پیراستہ ہیں ان میں اُس آن بان کا کوسوں پتہ نہیں۔ پڑھی لکھی لڑکیاں جو تعلیم یافتہ کہلائی جاتی ہیں اور جو اپنے تئیں پڑھی لکھی سمجھتی ہیں بارہ مہینے کی بیمار تیس دن کی روگی۔ میں نے تو جسکو دیکھا کھٹیا ہی کٹتی دیکھی تنخواہ آئے دیر نہیں ہوئی کہ ڈاکٹر کا بل آموجود ہوا۔ مگر وہ اللہ کی بندیاں بھی تو انسان ہوتی تھیں یہ نہیں کہ وہ بیمار ہوتی ہی نہ تھیں۔ ہوتی تھیں۔ مگر بہت کم۔ اول تو وہ ایسی ایسی بیماری کو خاطر ہی میں نہ لاتی تھیں۔ معمولی بخار جو آجکل ڈاکٹروں کو کھینچ بلاتا ہے۔ ان کے فرائض میں حارج نہ ہوتا تھا۔ میں نے خود ایک دو دفعہ نہیں بارہا خالہ جان کو دیکھا ہے کہ بخار چڑھا ہوا ہے اور وہ پکا

رہی ہیں۔ بیماری کا یہ فرق کہ اب عورتیں آئے دن بیمار رہتی ہیں اور جب کم ہوتی تھیں۔ کیوں ہو؟ اسلیئے کہ اب پلنگ سے اٹھنا گناہ اور چولھے تک جانا حرام۔ دن بھر اور رات بھر کمرہ میں بیٹھی آرام کرسی پر پڑی اینڈ رہی ہیں۔ بہت بڑا کمال کیا۔ کسی جلسہ پارٹی میں گاڑی میں بیٹھ چلی گئیں۔ اور چلی آئیں۔ ان تکلیفوں کے دن کے بارہ گھنٹوں میں چھ سات گھنٹے محنت میں گزرتے تھے۔ مفلسی نہیں غربت نہیں۔ خدا کا دیا سب کچھ ہوتا تھا۔ مامائیں ایک چھوڑ دو دو ہوتی تھیں مگر وہ ماماؤں کے ساتھ ہر وقت لپٹی رہتی تھیں سامنے آٹا گوندھا۔ آپ روٹی ڈال لی۔ وہ گوشت لائی۔ آپ بگھار لیا۔ یہ کام جو وہ کرتی تھیں ان کی خاصی کثرت ہو جاتی جس سے صحت بگڑتی نہ تھی۔ میں خود اپنی حالت دیکھتی ہوں کہ کوارپنے میں پتلی کیطرح پھرتی تھی۔ اتنی بڑی انگنائی کہ سو چارپائیاں بچھ جائیں تو معلوم نہ ہوں۔ دالان سے انگنائی تک اور انگنائی سے باورچیخانہ تک خدا جھوٹ نہ بلائے تو سیکڑوں ہی پھیرے ہوتے ہوں گے مگر کبھی انگلی بھی نہ دکھی۔ آج یوں ہر طرح تندرست و توانا ہوں۔ کمزور نہیں۔ بیمار نہیں مگر دو قدم چلتی ہوں تو سانس پھول جاتا ہے۔ وجہ کیا؟ یہی کہ کام کی عادت نہ رہی۔ ہاتھ پاؤں جب تک کام کرتے رہے چاق و چوبند رہی۔ جب سے چلنا پھرنا اور کام کرنا چھوٹا سب کمزور ہو گئے۔ تو بیویو! پہلی غایت جو تہذیب بیگم اور تمدن صاحب کی بدولت مسلمان شوہروں پر موجودہ بیویوں نے کی وہ یہ تھی کہ گاڑھے پسینہ کی کمائی میں ایک کرڈاکٹر صاحب کی لگی۔ نام لینا مناسب نہیں سمجھتی مگر ہفتہ بھر کا ذکر ہے کہ میں ایک بیسے ہی گھر میں ایک روز کے واسطے گئی۔ خیال یہ تھا کہ رات کو چلی آؤں گی۔ مگر زیادہ اصرار سے ٹھیر گئی۔ اتفاق کی بات ہے کہ ماما صبح کو دیر کر کے آئی بیوی ہی تھیں اور ماشاءاللہ تین برابر کی بیٹیاں بھی۔ تو کہتی رہیں کہ اے ہے اب تک جھاڑو نہیں ملی۔ گھر کیسا ابتر ہو رہا ہے۔ مگر ایک بیچنت سے اتنا نہ ہو سکا کہ جھاڑو کے دو تنکے مار دیتی کتاب پڑھتی رہیں۔ اخبار دیکھتی رہیں مضمون لکھتی رہیں مگر جھاڑو ماما ہی نے آکر دس بجے کے بعد ہی ہمارے ہاں دو وہ مامائیں موجود تھیں۔ مگر مرنجے اماں جان کو۔ ابا جان صبح کی نماز پڑھ کر آنے نہ پاتے تھے

کہ گھر چندن کرکے رکھدیتی تھیں۔ اندھیرے منہ جھاڑو دیتی تھیں۔ اور کسیکو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ مائیں بھی تھیں۔ بہوئیں بھی اور بیٹیاں بھی۔ مگر آٹھویں دن خود کھڑے ہوکر نہنگن سے پاخانہ دُھلواتی تھیں۔ دوپہر کا کھانا کھاکر میں اُن کے ہاں سے آئی تھی جب میں ہاتھ دھونے اُٹھی۔ اور ماما پانی لائی تو ٹھنڈا برف جب خود اُن بیوی نے ہاتھ دھوئے تو خفا ہونے لگیں کہ پانی گرم کیوں نہیں کیا میں منہ سے تو کچھ نہ بولی مگر دلمیں ضرور میں نے کہا کہ اگر گھر والیاں نماز کی پابند ہوتیں تو یہ دقت نہوتی۔ ہمارے ہاں ہر وقت پانی کی گھڑیا وضو کے واسطے اوپر رکھی رہتی تھی جس نے پانی لیا اُسی نے بھر دیا کہ وضو کے واسطے پانی گرم موجود رہے +

خدا کی شان ہے یہ بیویاں جنکو خدا سے واسطہ نہ مذہب سے غرض۔ اگلی بیویوں پر منہ آئیں اور یہ نہ سوچیں کہ یہ جو کچھ تھوڑا بہت بھرم اُن کا موجود ہے یہ اُن ہی مرنے والیوں کی بدولت ورنہ یہ تو بڑوں کی آن کا خاتمہ کرہی چکی ہیں۔ ہنسی تو کیا خاک آتی ہے رونے کا وقت ہے کہ جن کے یہ گن ہوں وہ تو قوم کی ہمدرد بنیں۔ اور فلاح قوم کی تجویزیں سوچیں اور جو قابل فخر اور مایہ ناز زندگی بسر کرگئیں وہ بیخبر اور مطلب خوری سمجھی جائیں ہمارے مذہب مقدس نے خیرات کے واسطے یہ حکم دیا ہے کہ جس قدر پوشیدہ دوگے اُسیقدر ثواب کے مستحق ہوگے بیخبروں کا عمل اسی پر تھا۔ مگر تعلیم یافتہ اس حکم سے بہت پرے ہیں اُن کو اگر کچھ دینے کی ضرورت ہوتی ہے تو ایسے موقعہ پر جہاں کافی شہرت اور پورا نام ہو۔ فہرستوں میں شائع ہو جلسوں میں پکارا جائے۔ مجمع میں اعلان ہو۔ چوتھا روز ہے انجمن ترقی نسواں کا جلسہ ہوا تھا۔ اس دھڑا دھڑی سے بیبیوں نے چندے لکھوائے ہیں کہ میں حیران رہ گئی۔ نقد تو وہ تین ہی نے دیا باقی خدا معلوم دیں یا نہ دیں۔ اور دیں تو کب دیں مگر جسوقت اُن کے نام پکارے گئے ہیں تو چہرے خوشی کے مارے کھل رہے تھے۔ یہ ہے وہ سچی خیرات جسپر تعلیم یافتہ گروہ پھولا نہیں سماتا۔ اور سمجھتا ہے کہ ان چندوں کی شرکت سے خدائی خزانے جنت کے باغ اور مغفرت کی تحریریں حاصل کرلیں گے۔ یہ ہے ہماری پڑھی لکھی بیبیوں کی خیرات اور تعلیم یافتہ گروہ کی زکوٰۃ اور صدقات

میں ابھی حال کا ایک واقعہ سناتی ہوں جس سے تمکو معلوم ہوگا کہ ان اسد والیوں کی خیرات کیا معنی رکھتی ہے اور زکوۃ سے کیا مطلب ہے ۔

شہر میں نئی نو بلیوں کا جو جھرمٹ ہے اُسکی سرتاج ہماری اکرامی بیگم صاحبہ ہیں ۔ ہیں تو ماشاء اللہ ادھیڑ مگر سینگ کٹا کر بچھڑوں میں مل گئی ہیں ۔ ان ہی کے گھر پر جلسے وغیرہ ہوتے رہتے ہیں ۔ انجمن کی بانی وہ ہیں ۔ ترقی نسوان کا چشمہ ۔ تعلیم یافتہ گروہ کی مقتدا اخباروں میں نام اُنکے ۔ اشتہاروں میں کام اُن کے ۔ وہ قوم کی محبت میں ایسی مستغرق ہوئی ہیں کہ کوئی سانس نعرۂ قوم سے خالی نہیں جاتا ۔ جس طرح حافظ کو کلام الٰہی حفظ ہوتا ہے ۔ ان بیچاری کو قوم حفظ ہوگئی ہے کہ شب و روز قوم کے سوا اُن کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا ہی نہیں ۔

صبح کی نماز سے فارغ ہوکر میں کلام اللہ پڑھ رہی تھی اور یہ وہ وقت تھا کہ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی ۔ سردی کے مارے دانت سے دانت بج رہے تھے ۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد بادل بھی گرج جاتا تھا ۔ اور بجلی بھی چمکتی تھی ۔ دفعتہً ایک بڑھیا مشکل تمام میرے گھر میں داخل ہوئی ۔ اُسکے جسم پر ایک معمولی زردہ ۔ پھٹا پھٹایا کرتہ پاجامہ تھا ۔ سر پر وہ چادر تھی جس میں باندھنے کو گرہ نہیں ۔ یہ بیمار تھی اور صرف بیمار ہی نہیں اُس کی سیدھی ٹانگ میں زخم تھا ۔ چلنا قیامت اور بار بار کرنا مصیبت ۔ میں اُس کی صورت دیکھکر دروازے میں گئی ۔ خدا دشمن کو وہ حالت نہ دکھائے ۔ سردی کی وجہ سے وہ تھر تھر کانپ رہی تھی ۔ میں قریب گئی اور اُسکی کیفیت پوچھی تو وہ جواب نہ دے سکی میں اُسکو لیکر اندر آئی ۔ کمبل اُڑھایا ۔ چائے پلائی ۔ جب اُسکے حواس درست ہوئے تو گو اُسکو بخار بہت تیز تھا ۔ مگر اُس نے کہا میں یہ سنکر کہ یہ یتیم خانہ ہے چلی آئی ۔ میں بڑھیا ہوں مگر مجھ سے زیادہ کوئی یتیم بھی قابل رحم نہوگا ۔ متواتر فاقوں اور پے در پے مصیبتوں نے میری کمر بہت توڑ دی ۔ میں صرف اس قدر چاہتی ہوں کہ دونوں وقت میرے پیٹ میں ٹکڑا

پڑھائے۔ اور میں جب تک بیمار اور محنت کے قابل نہیں ہوں فاقوں کی تکلیف سے بچے جاؤں۔ میں نے جو کچھ میرے پاس موجود تھا اس دکھیاری کو کھلایا۔ اور شام کو ڈھلی منگوا کر اُن حافظ قوم بیوی کی خدمت میں بھیجدیا۔ جس وقت بڑھیا پہنچی ہے تو انہوں نے ایک قہقہہ مارا اور کہا۔ میں اگلے زمانہ کی بے وقوف نہیں ہوں کہ تم کو مفت کی روٹیاں دیدوں۔ تم لوگوں نے اپنا ویتیو بھیک اختیار کرلی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم کو ماما میسر آنا حد سے زیادہ مشکل ہوگیا ہے۔ میں تم کو اس شرط پر اپنے ہاں رکھ سکتی ہوں کہ تم میری ملازمت قبول کرو۔ ورنہ مدخیرات میں ہرگز ہرگز میں تم کو مستحق نہیں سمجھتی۔ قوم مر رہی ہے مسلمان برباد ہو رہے ہیں۔ ایک تمہاری ذاتی ضروریات سے بہت زیادہ قوم سلوک کی مستحق ہے۔ میں تم کو ایک پیسہ بھی دوں تو فضول ہے۔ کیونکہ یہ پیسہ تم سے بہت بہتر موقع پر صرف ہو سکتا ہے۔

جس وقت اس بدنصیب عورت نے یہ واقعہ مجھکو آکر سنایا ہے تو میں لرز گئی میری آنکھیں وہ سماں بھی دیکھ چکی ہیں۔ جو آج کہیں نظر نہیں آتا۔ میں مشکل سے نو برس کی ہونگی ایک روز کا ذکر ہے کہ منجھلی چچی جان کے پاس بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ اتفاق سے گھر کی سقنی آئی۔ اس نے بوجھ اتار کر رکھدیا اور سیدھی آکر ہمارے پاس بیٹھ گئی۔ بچے کی گھٹا اُسکے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔ اور فقرہ میں اُس کی صورت پر برس رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد چچی جان فرمانے لگیں :-

بوا نصیبن! آج چپکی چپکی کیوں بیٹھی ہے؟ خیر تو ہے؟

نصیبن :- بیگم کیا بتاؤں! پرلی پار پڑ رہی ہے۔ آدمی کیا ہوئی پتھر ہوگئی کہاں تک سہوں۔ اور کب تک آنداؤں۔ بیٹے سے کرین کے موقع پر بیس کے چوبیس بیٹے کے لئے۔ اس پڑھ تو اسکا پوت پورا کیا۔ بیٹے مُردے نے گھر کی مٹی لے ڈالی۔ ادھر چانہ ہوا ادھر اس کا تقاضا۔ بہو۔ ڈائی بہت تک تو بیاز لیتا رہا۔ دو کم ڈیڑھ مہینے تو

یوں لیے اور پھر اصل مانگی کہ نالش کرتا ہوں۔ ہاتھ گلا دیکر اس کمبخت سے بچا چھڑایا گیارہ روپیہ کم تھے۔ وہ میں نے کہا لاؤ داروغہ جی سے لیلوں۔ نکا تو ان کے ہاں کام کرتا ہی ہے۔ تنخواہ میں کٹوا دوں گی۔ روپے تو انہوں نے دیدیئے۔ مجھے بھی خیال نہیں رہا اور انہوں نے بھی کبھی نہیں مانگے۔ اب انکی بیلی ہوگئی۔ آج جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم امیر کو ساتھ لے جائینگے۔ یا تو ہمارے روپیہ دیدے نہیں تو جب روپیہ بھیجدے گی بچہ کو بلا لیجیو۔ بھلا بیوی دیکھو تو سہی تو بر کا بچہ۔ میں کاہے کو سوں کر دل سے بھیجدوں اب تو کوئی چیز بھی ایسی نہیں۔ جسپر روپیہ لے لوں۔ ان کے دنوں کی دو مشکیں پڑی ہوئی تھیں۔ لیکر گئی تھی۔ سوا دو روپیہ ملتے ہیں۔ داروغہ جی نے یہ غضب کر رکھا ہے کہ بچہ کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ مجھے بھی نکالدیا کہ ہمارا مغز نہ کھا۔ روپیہ دیتی ہو تو دیدے اور بچہ لے جا نہیں تو نکل جا۔

میں چچی جان کی عادت سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ اپنے دم پر تو کبھی ایک پیسہ بھی نہیں اٹھاتی تھیں۔ ہاں مسجدوں میں۔ مدرسوں میں۔ یتیم خانوں میں۔ غریبوں میں دیتی تھیں۔ امدجی کہو لکر دیتی تھیں خود تو وہی چھ برس کا لحاف بہت بڑا احسان کیا اور ایسا ہی سب سر ہوئے تو استرہی ابرہی کھٹ کھٹنے سے پانچوں بچے بس اسکی روئی بدلوالی مگر ہر سال سے [illegible] تھے۔ جو چپہ کرتی تھیں۔ اس طرح کرتی تھیں کہ کانوں پر کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔ اگر پتہ لگ گیا اور کسی نے منہ پر کہدیا تو ہاتھ جوڑتی تھیں کہ خدا کے لیے زبان سے نکالو۔ خدا قبول کرے نصیحت کی بات سن کر منہ سے تو کچھ نہ بولیں۔ چپکی اٹھ چلنے لگیں۔ کوئی گھنٹہ دو گھنٹے بعد جب پھر ادھر ادھر ہوگئی تو اسکو روپیہ دیدیا اور وہ دعائیں دیتی اپنے بچہ کو داروغہ جی کے پنجے سے چھڑا لائی۔

یہ ہے موجودہ فیاضت اور انکی خیرات۔ اور یہ ہے ناز اور اعتراض کی کیفیت

میں نے یہ بہت موٹی موٹی باتیں بیان کی ہیں۔ جو تم اور میں دیکھ رہے ہیں اور تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ دیکھ لے گا کہ یہ درمیانِ تعلیم پانی کے حباب اور دریا کے سراب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ ہاں دورِ قدیم و جدید کا امتیاز بین یہ ضرور نظر آرہا ہے کہ اُن بیویوں میں یہ چمک مٹک۔ ان کے لباس ایسے زرق برق۔ اُن کی زبانیں ایسی طرار۔ اور اُن کے چہرے ایسے پکے پیلے نہ تھے۔ وہ سیدھی سادی۔ اُن کا لباس بالکل معمولی۔ ان کی زبانیں وقت پر کام کرنے والی۔ اور اُن کے چہرے بھولے بھالے تھے۔ اُن کی زندگیاں ختم ہوگئیں۔ اُن کے وقت گزر گئے۔ اور اب تم کو وہ صورتیں نظر نہ آئیں گی مگر اُن کے تمدن اُن کی زندگیوں کا۔ اُن کے عادات و خصائل کا تھوڑا بہت پتہ اس زمانہ کے گیت اُس وقت کی لوریاں تم کو دے رہی ہیں۔ مگر یہ بھی اب دم توڑ رہی ہیں۔ وہ جب رات کو اپنے بچوں کو پہلو میں لیکر سوتی تھیں تو ایک پر لطف وعظ۔ ایک پر مغز لکچر روزانہ اُن کے سامنے دیتی تھیں۔ اور اس کو وہ دادی کہانی کے رنگ میں ڈبو کر دکھاتی تھیں تاکہ دلچسپی میں کوئی فرق نہ آئے۔ جو باتیں آج کنڈر گارٹن بہترین استاد اور منتخب اسباب مدتوں اور برسوں میں سکھا سکتی ہیں وہ بآسانی اس پیرایہ میں ذہن نشین ہوتا تھا اور ایسا جمتا تھا کہ مرتے وقت تک ذہن سے نہ نکلتا اب کہانی کہنے والے تو خیر رخصت ہو ہی چکے افسوس یہ ہے کہ کہانیاں بھی ناپید ہو رہی ہیں۔ گیت اُڑ گئے۔ کہیں بھولے بسرے دو اقدار کان میں آجاتی ہے ورنہ اس لیئے کہ ان کی نسبت دورِ قدیم سے ہے قابل نفرت ہیں لیکن ابھی ہماری آنکھیں ان معمولی باتوں میں بھی جو اُن کی دلچسپی کے مشغلے اور خوشی کے جلسے ہوتے تھے۔ اُن کا خلوص اُن کی نیک نیتی اور اُن کی قابل فخر زندگی کی جھلک دیکھ رہے ہیں +

آج یہ وقت ہے کہ میں اپنے کانوں سے کئی دفعہ یہ آواز سن چکی ہوں کہ امیر اور غریب کا رشتہ کیا جو امیر ہے اس نے اپنے قوتِ بازو سے اپنی کوششوں سے اپنی محنتوں سے روپیہ حاصل کیا

اس لیئے نہیں کہ وہ غریب بہن بھائی کی مدد کرے اور اپنے سرمایہ میں سے اُن کی خدمت کرتا رہے۔ مگر پیاری بچیو! دورِ قدیم کی تربیت یہ نہ تھی وہ تمول کو تدبیر افلاس کو تقدیر اور واقعات کو اتفاق سے تعبیر کرتے تھے۔ اُنکے ہاں امیر اور غریب سب کی حیثیت ایک تھی۔ والدین اولاد کے مختار ہوتے تھے۔ اور اُن کے سامنے بچوں کی اتنی مجال نہ ہوتی تھی کہ خوش حال کنگال کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ لے۔ اُنہوں نے یہ سمجھکر کہ نہیں دینے والا لینے والے کو حقارت سے نہ دیکھے اپنا تمدن ہی ایسا مقرر کر دیا تھا جہاں سب ایک سطح پر آجائیں۔ اُن کی رسمیں اُن کی تقریبیں میرے دعوے کا نشان دے رہی ہیں۔ آج سنتی ہوں کہ انجمن آرا بیگم نے جو دہلی میں جہاں اُن کے شوہر ناظم ہیں بچی کے دودھ چھٹانے کی شادی اس زور شور سے رچائی کہ سارا شہر واہ واہ کرنے لگا۔ کل کان میں یہ آواز آتی ہے کہ سعید النسا بیگم نے میرٹھ میں ایسی پارٹی دی کہ سب دنگ ہو گئے۔ دورِ قدیم میں یہ چرچے کہیں نہ سنے کہ پردیس میں شادی رچائی اور غیروں میں بیٹھکر جی خوش کر لیا۔ ہماری مثل تو یہ تھی کہ جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا ہم نے تو وہ شادیاں دیکھی ہیں کہ امیر کھاتی پیتی زیور جائداد والی دولت حشمت والی غریب مفلس رشتہ دار کے آگے ہاتھ جوڑ رہی ہے کہ خدا کے واسطے بیمار ہو تو دو ہی گھنٹہ کے لیے آجاؤ اور بیٹی کو اپنے ہاتھ سے وداع کر دو۔ اسکی اصلی غرض کیا تھی صرف یہ کہ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ

اب تم اپنے ذہن میں اُسوقت کا ایک گھر قائم کرو تو تمکو اُس زمانہ کے حالات معلوم ہوں گے ایک کھاتا پیتا بھائی ہے جسکو خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ بہن بدقسمتی سے غریب ہے مفلس ہے اور مشکل سے زندگی بسر کر رہی ہے مگر رشتہ کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ ایک باپ کی اولاد ایک ماں کے پیٹ میں پانی پہلے دولت کا امتیاز اور نغیر کی مصیبت رشتہ کی مساوات میں حارج نہیں ہے وہ اپنی دولت میں خوش ہے تو یہ اپنی مفلسی میں مگن۔ بھائی کے ہاں بیٹا ہوا تو اب اس وقت کا تمدن اس طرح شروع ہوتا ہے یہ مثل ملحوظ رہے کہ بہن پچاس برس کی اور بھائی پانچ برس کا۔ یعنی دونوں برابر ہیں بھائی اگر بچہ

اور بہن بڑھیا بھی ہے تو بھی وہ بچہ اس بڑھیا کے حقوق سے غافل نہیں ہو سکتا
ماں تو بھائی کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ بہن چونکہ عورت ہے۔ فطرتاً یہ سنکر کہ بھائی کو خدا نے
یہ دن دکھایا خوشی کے مارے اچھل پڑی۔ چونکہ وہ اس خوشی کے موقع پر بھائی کی تلاش
میں حقدار ہے نیگ جوگ کے بہانے سے اس موقع پر اسکو بہت کچھ ملیگا۔ مگر ایسا نہ ہو
کہ اسکی مفلسی بھاوج کی نگاہ میں وجہ ذلت ہو جائے۔ اس لیئے پہل اسکی طرف سے ہوتی
ہے۔ اور سب سے پہلے وہی بھتیجہ کا کرتہ ٹوپی تیار کرتی ہے۔ اور خود لیکر بھائی کے یہاں پہنچتی
ہے۔ ذرا اس وقت کی نقشہ گیری کو دیکھنا۔ بہن کیا کہہ رہی ہے:۔

"میں تو ہو کر سنکر آئی بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی"

اللہ اللہ کیسا موثر وقت ہے۔ بھائی بھاوج خدا کی اس نعمت پر باغ باغ ہیں
چاروں طرف سے مبارکبادیں مل رہی ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے حق طلب کرتا ہے کہ دفعتہً مدتوں
کی چھوٹی ہوئی بہن کی یہ صدا اس بہانے کے کان میں آتی ہے۔ وہ بھیک نہیں مانگتی اپنا
حق نہیں جتاتی پہلے اپنے آنے کی وجہ بیان کرتی ہے۔ اور کہتی ہے:۔

"میں تو ہو کر سنکر آئی بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی"

اس وجہ کو بیان کرنے کے بعد بیساختہ اس کی نگاہ بچہ پر پڑتی ہے۔ دل بھر آتا
ہے۔ بھائی کی محبت جوش کرتی ہے اور دل سے بے اختیار کہتی ہے:۔

"باغوں میں جیسے آم پہلے رسے [illegible] پہلے میرا بھائی"
"بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی" " " "

اب اس کو اپنی غربت اور بھائی کے تموّل کا خیال آتا ہے اور سوچتی ہے کہ بھائی
تو خیر میرا اپنا ہے۔ کہیں بھاوج مجکو غریب سمجھکر حقارت سے نہ دیکھے۔ یہ خیال آتے ہی
وہ بھاوج سے کہتی ہے:۔

"جیئے میری بھاوج جیئے میرا لالہ نہ بینی نہیں آئی"

بھاوج کو دعا دیتی ہے۔ بھتیجے کی درازی عمر کی خواہش کرتی ہے اور دبی زبان سے اپنا مطلب بھی کہہ رہی ہے کہ بھتنی نہیں آئی۔ یعنی خالی نہیں ہوں۔

تیرے للہ کو ہنسلی رے کڑوے تجھکو مسیوہ لائی
بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی

اب اتنا کچھ کہہ چکی تو اپنا حق جتاتی ہے اور کس زور سے کہتی ہے کہ لونگی اور لیکر جاؤں گی۔

شبے کے پٹرہن گی گھوڑا لوں گی اور اپنے بندکو جوڑا
چھاتی دُھلائی روپیہ لونگی اشرفی لٹ کی دُھلائی
بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی۔

سبحان اللہ! کیسے مزے کی باتیں اور پُرلطف معاملات ہیں کہتی ہے خاوند کے واسطے گھوڑا اور اپنے واسطے جوڑا۔ یہ دو چیزیں تو الگ لوں گی اور ابھی اصلی نیگ باقی ہیں تم نے خواہ میں مخواہ ہی یہ باتیں نہ سُنی ہونگی۔ اُس وقت تک ماں اپنے بچہ کو دودھ نہ دے سکتی تھی جب تک بہو بیٹی یعنی زچہ کی نند آکر بھاوج کا دودھ دودھ سے نہ دھوئے اور ماں کی ایک لت کو دودھ نہ لگائے۔ یہ باتیں جو محض جہالت معلوم ہوتی ہیں انکو زیادہ غور سے دیکھو تو ان کی بابت کیا معلوم ہوگی۔ دودھ سے چھاتی دھوئی جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ دودھ زیادہ ہوگا۔ اس لئے کہ رسم کا لباس پہنا کر نیگ بنا دیا۔

ادھر نند نے دودھ سے چھاتی اور لٹ دُھلائی۔ اُدھر زچہ نے بچہ کے مُنہ میں دودھ دیا۔

بتاؤ کیسا تھا یہ تمدن۔ احسان ہی نہ کرم۔ بھائی اپنی حیثیت کے موافق دے دلا کر بہن کو رخصت کرتا ہے اور بہن خوش و خرم اپنے گھر روانہ ہو جاتی ہے۔

یہ باتیں جہالت اور لغو کہی جاتی ہیں۔ یہ میں بھی جانتی ہوں کہ زمانہ کی رفتار یہ

جوہر آبدار خاک میں ملا چکی۔ اور جدھر نظر ڈالو نفسی نفسی کا عالم ہے مگر وقت آئیگا کہ انصاف پسند آنکھیں اس تمدن کو ترسیں گی اور ان زندگیوں پر حسرت کے آنسو بہا کر اپنا سر پیٹ لیں گی ؛

ان بیویوں کی چال ٹکے گز کی تھی۔ وہ روپیہ کو اپنی ملکیت کے ساتھ شوہر کی امانت سمجھتی تھیں اور جانتی تھیں کہ یہ کس مصیبت سے ہاتھ آیا ہے بچا کر چھپا کر کسی نہ کسی طرح وقت بے وقت کے واسطے کچھ نہ کچھ لگا رکھتی تھیں آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ مہذب گھروں میں ماشاء اللہ خرچ آمدنی سے ڈیوڑھے اور دوگنے۔ اگر گرانی بڑھ گئی۔ ضروریات زیادہ ہوگئیں۔ تو اسکے ساتھ آمدنی میں بھی آسمان زمین کا فرق ہوگیا دس دس روپیہ ماہوار میں اُجلے خرچ تھے۔ اچھا کھاتے تھے اچھا پہنتے تھے بیٹیاں بیاہتے تھے حیثیت کے مطابق جہیز بھی دیتے تھے۔ براتیں چڑھتی تھیں۔ چڑھاوے ہوتے تھے۔ اسی آمدنی میں سب کچھ ہو جاتا تھا قرض تھا نہ مام۔ آفت تھی نہ پریشانی۔ اس زمانہ میں تو پچاس روپیہ کی نوکری معراج تھی۔ آج پچاس روپیہ میں خاک اُڑ رہی ہے اور اسکی بڑی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ تمدن بظاہر مذہب سے علیحدہ ہو، مگر اسکی ہر شاخ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ مذہب کے تحت میں اپنا کام کر رہی تھی۔ اور اب یہ تمدن لاکھ اہل تمدن مذہب کے دعوے زور شور سے کریں مگر اُن کا ہر کام اور ہر بات مذہب سے ہزاروں کوس دور ہے ؛

راشد الخیری

خطیب ۴۸۶

درمیان میں پندرہ روزہ نکلنے لگا تھا۔ مگر اب تقریباً ۶ ماہ سے پھر ہفتہ وار ہو گیا ہے آپ نمونہ دیکھنا چاہیں تو مفت منگا سکتے ہیں۔ ایسا اخبار جس میں سیاست کے ساتھ مذہبی، علمی اور ادبی مضامین چھپتے ہوں اور ہر فقرہ میں معلومات کے ساتھ لطف زبان بھی میسر آئے خطیب کے اردو میں کوئی نہیں ہے۔ چندہ سالانہ تین روپے ششماہی بعد سہ ماہی ۱۵ر خریداران نظام المشائخ سے سالانہ بمعہ ششماہی بعد سہ ماہی ۱۳ر

ملنے کا پتہ۔ منیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی

سرّ اسرار خودی

ہندوستان کے شہرۂ آفاق شاعر جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کی مثنوی "اسرار خودی" سے اہل تصوف ناواقف نہیں ہیں کیونکہ اس مثنوی کا اخبارات میں بہت چرچہ ہو چکا ہے اور اہل تصوف نے مدتوں اسکے خلاف مضامین لکھے ہیں +

میں نے بھی اس مثنوی سے اختلاف کیا تھا اور عرصہ دراز تک اخباری گفتگو ڈاکٹر صاحب سے ہوتی رہی تھی۔ مگر حضرت اکبر الہ آبادی کے امتناع سے متاثر ہو کر راقم الحروف اور ڈاکٹر صاحب دونوں نے اس بحث کو ترک کر دیا تھا +

میرا اس مکالمہ سے دست بردار ہو جانا ایک معنوی بزرگ کے ارشاد کی تعمیل تھی جسپر میں قائم ہوں اور قائم رہونگا۔ مگر دیگر حلقہ بگوشان تصوف جن کو خدا تعالیٰ نے خودی و خدائی کا احساس و ادراک دیا ہے اور معارف علیہ سے بہرہ تام رکھتے ہیں اس مثنوی سے اپنے حلقوں میں اختلاف کرتے رہتے ہیں لیکن اُن کا اختلاف اخباری دنیا میں نہیں آتا۔ کیونکہ وہ اس جہان سے الگ بسنے والی مخلوق ہے +

اسی حضرات میں خان بہادر پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد صاحب بھی ہیں جو مہم ضلع رہتک کے مشہور درویش خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ حضرت مولانا محمد رمضان صاحب شہید بھی رحمۃ اللہ علیہ سے

تعلق نسبی رکھتے ہیں۔ پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب عارف ایم اے سابق سیشن جج و مترجم سفرنامہ ابن بطوطہ کے قرابت دار ہیں۔

یہ سارا خاندان اعزاز دنیاوی کے قطع نظر دولتِ علم و قوائے ذہنی و دماغی سے مالا مال ہے۔ پیر مظفر احمد صاحب کا کتب خانہ مشہور ہے جس میں نایاب و کمیاب کتابیں موجود ہیں۔ پیر مظفر احمد فارسی منظوم لکھنے میں ایک قدرتی کمال رکھتے ہیں۔ اور اُن کا کلام متقدمین کی شان کا معلوم ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ اخباری دنیا کو اُنکے حقائق دماغی کا کچھ بھی علم نہیں ہے غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی ہزار اشعار کی کتاب انہوں نے لکھی۔ لیکن قلمی مسودوں کی شکل میں مصنف کی طرح خانہ نشین ہے۔

انہیں پیرزادہ مظفر احمد صاحب نے مثنوی "اسرار خودی" پر ایک منظوم تنقید لکھی ہے۔ جو غالباً اسرار خودی سے دوگنی بڑھ جائے گی۔ ذیل میں اس تنقید کی حمد و نعت ڈپٹی صاحب سے مانگ کر ناظرین نظام المشائخ کی خدمت میں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔ اُن میں جو جو فارسی زبان سے واقف ہونگے تسلیم کریں گے کہ تنقید جسکا نام میں نے "تیر اسرار خودی" تجویز کیا کس پایہ کی ہے۔ بلکہ مجھے امید ہے کہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بھی اس نظم کے کمالات کی داد دیئے بغیر نہ رہیں گے۔

حسن نظامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سجدہ مست آستانِ کیستم — نشہ ذوق داستانِ کیستم
قطرہ بے آب عمانِ کیستم — یادگار سیلِ طوفانِ کیستم
طوف بیتاب جنابِ کیستم — ذرہ از آفتابِ کیستم

در جبینم سجده مے رقصد بناز — ہر چہ مے بینم زدو بجانِ من نیاز
عرشہ عرش است یا فرشِ زمیں — سجدہ ستانہ مے پرستد جبیں
قبلہ شوقِ کہ بیتابم نمود — مے تراود از سراپایم سجود
جبہہ مے سایم سرِ خاکِ نیاز — مے کشم بر آسماں دامانِ ناز
بزمِ من عالم بنِ سنجتِ جبیں — مے کشد بر عرش دل رختِ جبیں
اے ز تو در سینۂ من رازہا — بر نیازِ خویش دارم نازہا
بے نیاز اے از نیاز و نازما — در نیاز و نازِ ما ہم رازما
اے مشامِ جاں ختن داماں ز تو — دل ز داغِ غم چمن ساماں ز تو
قمری اندر باغ مست از بوئے تو — مے سراید نغمۂ یا ہوئے تو
اے بسودائے تو ہوئے نامہ ام — سر خطِ ہوئے صریرِ خامہ ام
ذکرِ تو آرد ز حدِ روحانیاں — فکرِ تو ہستی دہد جسمانیاں
در کتابِ قدرتِ تو آفتاب — نقطۂ از نقطہ ہائے انتخاب
چرخ با قدِ دو تا مستانہ وش — در خمارِ شوقِ تو خمیازہ کش
عقل در کارِ تو حیرانِ سکوت — دست در زیرِ زنخدانِ سکوت
من کجا حمدِ تو یارب از کجا — بندہ چوں ممکن کند نا بائے را
سر بفکرِ گنبدِ اخضر فگند — جوز بر گنبد بود انداختن
من کہ ایں آہ و فغاں سر میکنم — ابجدِ عشقِ تو ازبر میکنم
زخمۂ بر تارِ افغاں میزنم — آہ موسیقارِ طبعاں میزنم
سوختم از تابِ زارِ طورِ ہو — برق زد در خرمنِ من نورِ ہو
می سرایم چامۂ مستانہ — مے زند ہوئے جنوں دیوانہ
مست تو مستانہ میگوید سخن — از مے و پیمانہ میگوید سخن

بر در آمد بندهٔ شرمندهٔ — از خجالت سر فرو افگندهٔ
وه چه گویم چون بزنهار آمدم — باز بونیها زیان کار آمدم
کیستم آسیمه و از درد زار — اژدهن ودواژدن سراسر با دسار
نے مرا در سر هیر کوس و علم — نے بدل ذوق خمار جام جم
من نمیگویم که قیصر کن مرا — صاحب دیهیم و افسر کن مرا
از تو میخواهم ترا اے کام بخش — اے همه بخش همه فرجام بخش
از تو یارب آرزو دارم ترا — ہاں مران تو میدهٔ خود از در مرا
وایه ام فرما مرا از علم خود — آب مندم کن ز بحر سرمدم
در دل از داغ نشان خوانم ز تو — ذمیمم خطا ماں خواهم ز تو
عاشقاں را آه تو تیر نجات — تشنگاں را تیغ تو آب حیات
دل نشان تیر باراں کن مرا — شاد کام آب حیواں کن مرا
اے روان پیکر امید ما — آب وتاب گوهر امید ما
پیکر ما را روان فرتاب کن — گوهرم را آب مند آب کن
وه بعلم دیں توانائی مرا — بهره در فرما ز دانائی مرا
بادهٔ جامی بجام نظم من — چون نظامی ده نظام نظم من
خسرو انقلیم معنی کن مرا — صاحب دیهیم معنی کن مرا
کس نه شد محروم از بار تو کس — بنده پروردن تو میدانی و بس
رحم تو دارد سبق بر قهر تو — معصیت را ناز غفراں مهر تو
لب بیاور رحمت اے عزوجل — نے زند مضراب بر تار غزل

غزل

وسعت رحمت نظاعت باز میدارد مرا — خوابهٔ من خود ز خدمت باز میدارد مرا

توبہ از عصیاں نکردم بر امید زندگی
ناگہاں مرگ از انابت باز میدارد مرا

زخم بر زخم جگرہا ہمچنیں صد رہ دگر
لذتِ درد از شہادت باز میدارد مرا

گر دو گوں بخشم بسائل دل نمی آرد بہیچ
ہمتِ من از سخاوت باز میدارد مرا

دین و دل میخواستم فضلی نثار عشق دوست
عقل خود بیں از سعادت باز میدارد مرا

مظفر احمد

۷۸۶

کیا تھا کیا ہو گیا!

پیرزادے ہوشیار رہیں!

ہمنشیں! کیا پوچھتا ہے باعثِ رنج و ملال
رکھتا ہے بیچین مجکو پیرزادوں کا خیال

خون رُلواتا ہے رہ رہ کے مجھے ان کا زوال
آج میں تجکو سناتا ہوں شروع سے انکا کمال

جب ہوا خواجہ معین الدین چشتی کا وصال
بعد اپنے جانشیں چھوڑے بہت سے باکمال

انکی اور ان جانشینوں کی سپوت اولاد نے
ہند کو دکھلایا پہلے پیرزادوں کا جمال

زہد و تقوےٰ و طہارت سے یہ مالا مال تھے
اکثر انمیں اہل حال اور بہت سے تھے اہل قال

ان کا علم و فضل انکا زہد و اخلاق و ادب
انکی طرز بود و باش اسلام کی زندہ مثال

جسپہ پڑجاتی نظر کافر ہو یا دیندار ہو
ہو نہ ان کا معتقد کب تھی کسیکی یہ مجال

چاند بھی شرماتا تھا انکے جمالِ پاک سے
سہمگیں کر دیتا تھا شیروں کو جبر کا جلال

غیر قومیں انکی تقریروں سے بسمل ہوتی تھیں
انکی رفتار و ادا پر سیکڑوں تھے پائمال

ہو گیا داخل برہمن حلقۂ اسلام میں
دُور گردن سے کیا زنار کا اُسنے وبال

راست گوئی پر ہزاروں مومنان تھے — نیک کرداری پہ مائل صاحب حال منال
رہتے تھے دنیا میں پر آلائش دنیا سے پاک — دل سے کم ہوتا نہ تھا خوشنودی حق کا خیال
ہند میں اسلام تھا اُس وقت اک شکل ہلال — اُنکی کوشش سے اُسے حاصل ہوا پورا کمال
رہتے تھے دور اُنکو شرع کا رہتا تھا پاس — رات دن رہتا تھا تقلید رسالت کا خیال
پڑھتے تھے پانچوں نمازیں اور تہجد کی نماز — دل سے کم ہوتی کسی دم بھی نہ یاد ذوالجلال
ترک لذت کرکے پہلے نفس سے کرتے جہاد — فرض اول تھے سمجھتے اسکا کرنا پائمال
تنگ جب آتے تھے کرکے حملہ اہل کفر پر — پاتے تھے اپنی شجاعت سے فتح فرخندہ فال
تھے ترقی مادی میں نہ کچھ اوروں سے کم — دور میں تھا اُنکے روحانی ترقی کو کمال
وہ دیانت اور امانت میں تھے مشہور جہاں — کہتے تھے دنیا میں اُنکو ہر طرف نیکو خصال
مل چکا تھا اُنکے حجروں کو خطاب عصمت مآب — دخل نامحرم ہو اُنکے پاس تھا امر محال
شرک سے بیزار تھے توحید کے دلدادہ تھے — ذات واحد میں فنا فی اللہ ہونا تھا کمال
کر دیئے تھے جو اصول اسلام نے تلقین اُنہیں — رہتے تھے قائم اُنہیں پر بیخطر ہر ماہ و سال
تھے خواص و عام اُنکے فیض صحبت سے نہال — مضطرب رہتا تھا شاہ بھی پاپوسی کا خیال
کرنا مزدوری کا معیار شرافت جانتے — اپنی محنت سے کما کر کھاتے تھے اکل حلال
وقف اُنکی زندگی تھی بیکسوں کے واسطے — رہتا تھا ہر دم غریبوں کی حمایت کا خیال
اُن کا تکیہ اور توکل صرف ذات حق پہ تھا — جب خدا دیتا تھا پھر کیوں غیر سے کرتے سوال
سینوں میں معمور تھا علم تصوف اور ادب — ہند میں تھا یادگار اُنکی یہ گنج لازوال
صاف باطن تھے ریا کے جال سے آزاد تھے — اُنکے دل شفاف ایسے جیسے ہو آب زلال

اس زمانہ میں مگر ان کا دگرگوں حال ہے — کوئی سیانا کوئی مُلّا اور کوئی رمال ہے
سلسلہ پیری مریدی کا کسی نے چھیڑ کر — ڈال رکھا سادہ لوحوں پر ریا کا جال ہے

سال میں دو مرتبہ کرتے ہیں نذر اس کے رسول
یہ نہیں پر امر بدعا پنا یہ خستہ حال ہے

پہلے تو ضیافت اڑائی نذر لی پھر چل دیے
کہہ گئے بیفکر رہو عقبیٰ میں تو خوشحال ہے

بیٹھا ہے تکیہ کیے کوئی کسی درگاہ پر
کوئی زائر آئے۔ یہ ورد اسکا ماہ و سال ہے

صورت مفلس ہے اسکے دھیلے کو جھلال
کوئی منعم آئے تو کہتا ہے یہ ترمال ہے

صرف نذر و نیاز پر اس کا گزر چلتا ہے کب
گھر پہ پھیرا آشنا زوار کے ہر سال ہے

فخر کافی ہے بزرگوں کی کرامت کا اسے
پیروی سے انکی پر معذور وہ فی الحال ہے

الغرض ایسے تو ہیں مکار و رہزن بیشمار
نیک خصلت پیرزادوں کا جہاں میں کال ہے

بعض انمیں ہیکے سید کھاتے ہیں مال فقرا
یہ نہیں پر اک پاک اس سے نبی کی آل ہے

جذبۂ ہمدردی ان میں نام تک کو بھی نہیں
الفت و ایثار ان کیواسطے جنجال ہے

ہے بہت مشکل انہیں پر منا اخوت کا سبق
دین اسکو کچھ اگر بھائی کوئی کنگال ہے

علم سے نا آشنا ہیں مکر سے ہیں باخبر
فتنہ پردازی کا قائل انکی ہر و لال ہے

سائلان قوم و مذہب کو انہیں دینا مآل
سر کا عمامہ تلک دیدینگے گر قوال ہے

جا رہی ہے ان پہ ادبار و زوال کی گھٹا
قوم میں ان کا وجود اب نا مبارک فال ہے

اک زمانہ وہ بھی تھا دنیا میں تھی یہ مفتخر
مجھکو حیرت ہے ہوئی کیا انکی پہلی کروفر

کاملی انسان کو کرتی ہے رسوا و ذلیل
اس طرح اے پیرزادو اب تلک ہوگی گزر

خواب غفلت میں پڑے بدھو گے کبتک کروٹیں
نیند سے اٹھکر کرو اطراف عالم پر نظر

غیر قومو کا ہر اک فرقہ ترقی کر گیا
انگلی اٹھتی ہے ہر اک فرد بشر کی آپ پر

چلدیے ساتھی تمہارے سو رہے ہو تم ابھی
اٹھو اور اٹھکر کرو تیار ساماں سفر

نام لیکے شروع کردو تم اپنے کام کو
کرتا ہے ہر مشکل انسان جو آسان تر

ہر زمانہ میں پرانی چال بھ سکتی نہیں
کام کرنا چاہیے رخ کو ہوا کے دیکھکر

ہو کے رغب الیں حدیث اطلبوا العلم آپکا
جستجوئے علم میں تم چھان ڈالو بحر و بر

اپنی محنت پر بھروسا چاہیئے کرنا تمہیں
چھوڑ دو تم چھوڑنا للہ پھر نادہندہ

جسم سلم میں ہو تم عضو معطل کیطرح
کہنے والوں کو کرو جھوٹا دکھاؤ کچھ ہنر

مل کے سب کوشش کرو رفع تدارک کیلئے
پھینک کر کانٹوں کو اپنی صاف کر لو رہگذر

دیگا امداد ہر مسلماں جان و دل سے آپ کو
ہے ترقی آپ کی ہر ایک کو مدنظر

علم پھیلا کر کرو بچوں کی دور آوارگی
کر کے ہمت قوم پر اپنا لٹا دو مال و زر

بڑھئی لیجاؤ ہر اک سے صنعت و حرفت میں تم
چاہیئے تم کو کہ ہو ہر فن میں اس سے بہرہ ور

حافظ و قاری بنو اور عالم و فاضل بنو
ہے مقدم دین سے ہونا تمہارا باخبر

طبیہ کالج میں پڑھکر سیکھو حکمت کے اصول
تاکہ تم خود لے سکو منفعت مریضوں کی خبر

بن کے تم سررشتہ تعلیم میں فاضل ادیب
خوب بچوں میں لٹاؤ علم کے لعل و گہر

جاکے تم اجمیر میں تعلیم درویشی بھی لو
سیکھ کر رکھتے کرو حاصل تصوف کے گہر

ہو تجارت کیطرف بھی کچھ توجہ آپ کی
کرتے تھے تعریف اسکی بارہا خیر البشر

ہو کے داخل فوج میں دکھلاؤ فن حرب کچھ
گو نچوڑیوں میدانمیں بلجائے شیروں کا جگر

انتظامی فوج میں سرکار کو امداد دو
کام وہ انجام دو ہو ملک و دولت بے خطر

ڈگریاں لیکر بنو ڈپٹی کلکٹر اور جج
کرکے خوب انصاف مشہور جہاں ہو دادگر

خدمت اسلام کی ہو فکر دلمیں رات دن
ہاتھ پھیلانے سے تم کو چاہیئے بالکل حذر

علم پڑھکر قوم میں پیدا کرو ایسا سلوک
نیست نابود ہو یہ تم سے اختلاف یکدگر

قوم میں تم بو دو اپنی ایسا ہمدردی کا بیج
غیر کی اولاد کو سمجھے ہر اک اپنا پسر

پہنچے ہر ادنے و اعلے پر شعاع مہر فیض
پیشواؤں کا چلن اپنے ہو منظور نظر

رات دن ہے یہ دعا اس یوسف دلگیر کی
یا خدا ہو تری توفیق ان کی راہ بر

ہو جہالت دور تقلید نبی کی فکر ہو
چھوڑ کر سب بدعتوں کو ہو عمل قرآن پر

یوسف

صلّ علیٰ شانِ رسولؐ

گلشنِ ہستی گلے ہست از گلستانِ رسولؐ
بحرِ امکاں قطرۂ از جوشِ عمانِ رسولؐ

نیست امکانِ بشر تعریفِ شایانِ رسولؐ
ہست خالق در کلام خود ثنا خوانِ رسولؐ

باز دل را شد خیالِ سنبلے تابانِ رسولؐ
باز در سر شد ہوائے زلفِ پیچانِ رسولؐ

شاہ شاہاں در رسل شد ذاتِ او باشد چوں
کائناتِ ہر دو عالم زیرِ فرمانِ رسولؐ

شمسِ نو سے ہست از انوارِ بزمِ قدسِ او
بدکمال ہست از شمعِ شبستانِ رسولؐ

انبیا در مصرِ سلیمیں ایماں بجاں آوردہ اند
در ازل ظاہر شدہ صلِ علے شانِ رسولؐ

مہرِ عکسِ زر فشاں قرطاسِ توقیعِ نبی
ماہ پرتو ہست از طغرائے فرمانِ رسولؐ

لوحِ اعظم بر فلک نامِ گرامی یافتہ
ہست آں یک تختۂ مشقِ دبستانِ رسولؐ

در شبِ اسرا ز فیضِ عامِ خیر مقدمش
ہر گرامی قدر شد مرہونِ احسانِ رسولؐ

رفعتِ ہفت آسماں بوسید پائے مرکبش
شانِ خالق ہمعناں شد جذبِ شانِ رسولؐ

جرم ہست محو کردہ در قیامت عفو حق
آمدہ در جوش چوں دریائے فیضانِ رسولؐ

باز در دل میخلد تیرِ نگاہِ شوقِ او
بارِ دیگر مے نگارم وصفِ مژگانِ رسولؐ

میکند دیوانہ گر مارا گہے ہشیار ساخت
زلفِ پیچانِ رسولؐ و روئے تابانِ رسولؐ

من ز قبرِ خویش چوں برخاستم از نفخِ صور
شور شد آمد اسیرِ زلفِ پیچانِ رسولؐ

حسنِ لیلےٰ را ز قیس ناتواں باید شنید
عاشقاں دانند وصفِ روئے تابانِ رسولؐ

وصلہا یا الٰہی! حشمتِ دنیائے دوں
از طفیلِ کارانِ خاکِ پاکِ دامانِ رسولؐ

گو گناہانم گذشتند از صد و لیکن چہ باک
پردہ پوشی میکند ہر لحظہ دامانِ رسولؐ

طالبانِ عفو میگویند از حق نصف شب
یک نگاہِ لطف ہم بر ما غلامانِ رسولؐ

بر لبِ کوثر رسانیدہ ز محشر مرجبا
آمدی را شوق دیدِ روئے تابانِ رسولؐ

(ولہ اردو)

پھر ہوا سودائے گیسوئے پریشانِ رسولؐ
پھر مجھے مائل ہوا سیرِ بیابانِ رسولؐ

دل ہے مشتاقِ جمالِ رخِ تابانِ رسولؐ
چشم ہے بیتاب بہرِ دیدِ مژگانِ رسولؐ

کیوں کسے وہ آرزوئے دولتِ کونین دے
شاہ شاہاں ہیں زمانہ میں غلامانِ رسولؐ

باادب آئیں یہاں کہتے ہوئے صلِ علیٰ
کس طرف بیٹھے ہیں مشتاقِ ثناخوانِ رسولؐ

مشک نے شرمندگی سے منہ کو کر لیا کالا میاں
جب ہوا مشہور وصفِ بوئے دامانِ رسولؐ

نوحؑ طوفاں سے بچے اور آگ سے حضرت خلیلؑ
کون عالم میں نہیں ممنونِ احسانِ رسولؐ

چشمِ سوزن اشتیاقِ دید میں وا رہ گئی
دیکھ پائی تھی جو اک شب شکلِ دندانِ رسولؐ

عہد و میثاقِ ازل شاہد ہے وعدے پر مرے
انبیاء جتنے ہیں سب ہیں زیرِ فرمانِ رسولؐ

ہو گیا یہ فرطِ خجلت سے سراپا داغ داغ
آ گیا جب روبرو روئے تابانِ رسولؐ

اک لڑی موتی کی ہے ہر مصرعِ ترِ نظم میں
یہ ترا اعجاز ہے اے وصفِ دندانِ رسولؐ

چاند نے خجلت سے منہ اپنا چھپایا ابر میں
نکلا جب سے گردوں پر رخِ تابانِ رسولؐ

اے ملائک ہم سے تم کیا پوچھتے ہو کون ہیں
بندۂ اللہ ہیں ہم اور غلامانِ رسولؐ

دل میں موتی کے ہوا سوراخ فرطِ رشک سے
جس گھڑی اُس نے سنی توصیفِ دندانِ رسولؐ

اے ملائک قبر میں پھر ہم سے کر لینا سوال
پہلے دکھلا دو ہمیں تم رخِ تابانِ رسولؐ

سارا عالم تیری قوت سے معطر ہو گیا
مرحبا اے نکہتِ دلجوئے دامانِ رسولؐ

ہم طوافِ حسرت اندوہ میں ہیں روز و شب
کامراں کعبہ کو جاتے ہیں غلامانِ رسولؐ

ایک مدت سے پڑا ہوں خارزارِ مہ میں
یا خدا! اب جلد دکھلا دے گلستانِ رسولؐ

شکل نرگس گلشنِ ہستی میں آنکھیں کھل گئیں
دل میں جب آیا خیالِ چشمِ فتانِ رسولؐ

سورۂ والیل پھر پڑھنے لگا میں بار بار
پھر مجھے آیا خیالِ زلفِ پیچانِ رسولؐ

رحمتِ حق آگے آگے پیچھے پیچھے تم ملک
حشر میں ہے کس طمطراق سے پیچھے غلامانِ رسولؐ

آرزو اپنی غزل جب لیکے آیا بزم میں — انگلیاں اُٹھیں وہ آپہنچا ثنا خوانِ سوا
خاکسار آرزو

ترک علائق

سنبھلنا اے اسیرِ دامِ ہستی — عدم ہے آخرش انجامِ ہستی
مشو در آرزوئے زشت و زیبا — کہ معدوم است ایں ہستی و دنیا
نہ اسبابِ جہاں سے دل لگانا — نہیں یہاں دائمی تیرا ٹھکانا
مشو در چون و چند و ہر مدِ غم — کہ بہت و نیست اینجا ہست باہم
ہر اک شئے جو یہاں پیشِ نظر ہے — سمجھ دل میں کہ دھوکا سر بسر ہے
مشو در صبح و شامش او گرفتار — نماند صبح و شامش آخرش کار
نہ ہو نا مبتلائے وہم باطل — ہے کشتِ آرزو کا رنج حاصل
بلند و پست او اندر گذار است — وجودے او عدم اندر کنار است
جہاں میں جس کسی نے دل لگایا — بجز رنج و الم کے کچھ نہ پایا
بحق پیوند از مخلوق بگسل — بروں از پائے خود کن ایں سلاسل
حقیقت کی اگر تجھکو خبر ہو — نشاطِ دائمی سے بہرہ ور ہو
بگو تم با تو اسرارِ حقائق — طریقِ منزلِ ترکِ علائق
نہیں ترکِ تعلق کا یہ مطلب — کہ کاروبارِ دنیا چھوڑ دے سب
شود بے دست و پا با دست و پا — سمور و قاقم و سنجاب و دیبا

حکایت

کیا کوئی بہ پیشِ غوث الاعظم
بغرض اکتسابِ فیضِ اکرم

بدید آنجا ہماں اسبابِ راحت
کنیزاں و غلام و مال و دولت

ہمیں زیب فرش قالیں بیش قیمت
تو قندیلوں سے رشکِ آسماں ہے

گماں اُس شخص کے دل میں یہ گزرا
تعداد والوں کو کب حاصل ہے دنیا

بہ اسبابِ جہاں شد سرکہ شاغل
نباید گفت آں را مردِ کامل

بھلا درویش کب لیتے ہیں جنجال
نہیں کرتے وہ پروائے زر و مال

تامل کرد در دل چند ساعت
ازاں پس ملتجی شد بہرِ رخصت

سببِ حضرت نے اس عجلت کا پوچھا
ابھی آئے ابھی جاتے ہو یہ کیا؟

بگفتم ہمتم دارد ارادہ
روم تا کعبہ بہرِ حج پیادہ

توقع تھی چلیں گے آپ ہمراہ
مگر مصروفیت سے تھا نہ آگاہ

چو بشنید ایں سخن سلطانِ عالم
زمسند سوئے فرش آمد ہماں دم

اور اُس مردِ خدا کو ساتھ لے کر
نکل آئے وہ آبادی سے باہر

براہِ کعبہ شد چوں جادہ پیما
بگفت آں بے خبر باشاہِ والا

کہاں کا اب ہے حضرت کا ارادہ
ہوا ارشاد حج کا تیرے ہمراہ

بگفتا رو بہ سوئے شہر گردند
مراد لو ورسن در خانہ ات ماند

کہا حضرت نے اے محتاج اشیا
ترے دل میں ہے اب تک حرصِ دنیا

چو شاہا داشتم مال و منالے
نیاورد م وے در دل خیالے

مثالِ برگِ نیلوفر سراسر
ہیں پانی میں مگر دامن نہیں تر

چند سرپ چاند

۴۸۵ آرزو

اک نظر دیکھے تجھے یہ ہے نظر کی آرزو
تیری الفت کا ہو سودا یہ ہے سر کی آرزو

لن ترانی کہہ رہا ہے نازِ یکتائی ترا
مشکلوں میں پڑ گئی اہلِ نظر کی آرزو

دھوئے جائینگے معاصی آبِ رحمت سے ترے
کیوں ہو عصیاں کو مرے نارِ سقر کی آرزو

حق تو یہ ہے موجبِ جرأت ہی فضلِ ایزدی
دیدِ حق۔ اللہ اکبر۔ یہ بشر کی آرزو

دیکھنا یہ ہے کہ اُسکو دیکھ سکتا ہے کوئی
سوچنا یہ ہے کہ کیسی کی اگر کی آرزو

اُڑ نہیں سکتا وہاں تک طائرِ وہم و گماں
کس طرح نکلے دلِ بے بال و پر کی آرزو

آرزو میں دل کی اور آنکھوں کی نکلیں ایک ساتھ
نکلے گر نکلے مدینے کے سفر کی آرزو

اُمتی ہو کر رہوں پابوس سے محروم میں
اور نکلے انجم و شمس و قمر کی آرزو

تجکو جینے تک رہا سوز و گداز اے شمعِ بزم
ہو گئی جلنے میں پوری عمر بھر کی آرزو

ایسی بے بال و پری پر ہے یہ حال و یو نفس
ہو اگر پوری تو کیا ہو بال و پر کی آرزو

باغِ عالم میں کبھی تخمِ عمل بویا بھی ہے
پھر دلِ ناداں تجھے کیوں ہے ثمر کی آرزو

آرزو کسبِ ہنر کی خوبیٔ تقدیر ہے
کیوں کریں ناکامِ قسمت مال و زر کی آرزو

دیکھ اس کا لطف لے شیریں کلامی کے مزے
اے زباں تجکو ہے گر شہد و شکر کی آرزو

تو ہے گوہر تجھ میں ہے جوہر شرافت کا بشر
پھر عبث کرتا ہے تو لعل و گہر کی آرزو

نفع ہو جس سے کرو وہ کام دنیا میں ذہین
سیم و زر کی آرزو تو ہے ضرر کی آرزو

ذہین

۴۸۶ صوفی

حامیِ دینِ مبیں شرعِ متیں ہیں صوفی
شرع خاتم ہے تو خاتم کے نگیں ہیں صوفی

قدر کیا عالمِ ظاہر کی نظر میں اُن کی
حرم قدس کے رازوں کے امیں ہیں صوفی

فلسفی کی ہے جہت گردشِ توسن سے
سالکِ شاہ رہِ علم و یقیں ہیں صوفی

معترض قہرِ جہالت میں ہے افتاں خیزاں
طائرِ کنگرۂ عرشِ بریں ہیں صوفی

سائرِ ہفت فلک ہیں وہ مراقب ہو کر
غافلوں کو ہے گماں حجرہ نشیں ہیں صوفی

خاک سمجھینگے تخلیف کے خذف ہیں انکو
معرفت بحر ہے تو دُرِّ ثمیں ہیں صوفی

ڈال لیں مائدہ ہزل کے مہماں سُنہ میں
اِس قدر نرم نوالہ تو نہیں ہیں صوفی

دیکھ سکتیں نہیں انکو کبھی سطحی نظریں
بخدا عالمِ بالا کے مکیں ہیں صوفی

منظرِ عام میں تم ڈھونڈ رہے ہو کس کو
جس جگہ جلوۂ جاناں ہے وہیں ہیں صوفی

باطناً عرشِ بریں صحن سرا ہے اُن کا
ظاہراً خاک نشیں اہلِ زمیں ہیں صوفی

بیگماں مہبطِ انوارِ خدا ہے وہ علیم
محفلِ انس میں جس دل کے قریں ہیں صوفی

غلام الرسول علیم

اکلِ حلال

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے ایک دن
فرمانے تھے یہ حضرت محبوبِ کبریا

درگاہ بارگاہِ الٰہی میں رات دن
بعض آدمی ہو مانگتے ہی رہتے ہیں دعا

اُن کی دعائیں جب نہیں ہوتی ہیں مستجاب
اُن کے تخیلات بھٹکتے ہیں جا بجا

وسواس اُنکے دل میں بھرے رہتے ہیں مدام
افسوس! کیوں قبول نہیں ہوتی ہے دعا

لیکن! انہیں خبر نہیں اکلِ حلال کی
ہوتی ہے جس سے آئینہ قلب کی جلا

جب تک نہ ہونگے طالبِ اکلِ حلال وہ
ہونگی کبھی دعائیں نہ مقبولِ کبریا

اکلِ حلال اوجؔ کو یارب نصیب ہو
مقبول ہوں دعائیں۔ ملے دل کا مدعا

اوجؔ گیادی

دواخانہ حلقۃ المشائخ دہلی کی دوائیں

جو سید و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی نے دنیا بھر کے مشائخ عظام کے سینہ بہ سینہ نسخوں کے موافق خود اپنے ہاتھ سے بنائیں یا اپنے سامنے بنوائیں۔

معدہ نواز معدے کے ہر فتور کو دور کرتی ہے، بیس دن کی خوراک کی قیمت ۱۲ر

قبض کشا جن مسہلہ ادویات سے بعض دفعہ نقصان پہنچ جاتا ہے وہ اس میں نہیں ہیں قیمت ۸ر

مقناطیس معدہ برسوں کے خراب معدہ کو درست کرنے کے ساتھ بلغمی کھانسی کو بھی مفید ہے ۴۰ دن کی خوراک ۱۰ر ۲۰ دن کی خوراک ۵ر

کھانے کا سرمہ آنکھوں کے لیے کھانے کی دوا قیمت ۴۰ خوراک ۱۲ر ۲۰ خوراک ۸ر

فقیر کی چٹکی میٹھی الگ، نمکین الگ دونوں جگر اور معدوں کو درست کرنے کو مفید، دنکی خوراک قیمت نمکین کی ۵ر

دستگیر خواہش نفس کا زور عارضی طور پر مدہم ہو جائے گا چالیس گولیاں ۱۰ر

دیر بے ضرر امساک پیدا کرتی ہے ۱۲ گولیاں ۴ر

سات چھوارے جریان جاتا رہیگا، احتلام رک جائے گا قیمت ۴ر

نگہبان جریان خاص چیز ہے ۴۰ گولیاں قیمت ڈیڑھ روپیہ

پشت پناہ جریان کی مفرد مگر اکسیر دوا ۴۰ خوراک ۴ر

روح پرور اعضائے رئیسہ کے لیے ہے خصوصاً دل و دماغ کو چونچال رکھتا ہے ۴۰ خوراک ۴ر

روح الارواح بادی جان، اعصاب کی روح رواں سولہ دن کی خوراک ۴ر

غلط کار کا سہارا یہ طلاضدے کے فصل سے خطا نہیں کرتا گیارہ دن کے قابل ۴ر

حصار سوزاک	سات دن کے لیے ۸ر	سوزاک کی پچکاری	قیمت ۸ر
شفائے آتشک	۲۲ گولیاں ۴ر	لطف مزید	۸ر
بواسیر شکن	۲۱ گولیاں ۴ر	خوش ایام پچاس گولیاں قیمت	۷ر
نیند شیلان	۱۱ خوراک ۱۲ر	آسیب کی ہلاس	۷ر
مسان ویران	۴۰ خوراک ۴ر	گرفت مسان ۴۰ گولیاں	۴ر

المشتہر کارکن حلقۃ المشائخ عرب سرائے دہلی

انتخاب نظام المشائخ مفت منگا لیجے

۲۰ جمادی الاول تک نظام المشائخ قسم دوم کا صرف ایک سالانہ خریدار دینا ہوگا تو اُس سے دو روپیہ ۸ آنہ بذریعہ منی آرڈر بھجوایئے خواہ وی پی کی فرمائش کرائیے منی آرڈر آنے پر فوراً وی پی کی صورت میں جب رقم وصول ہو جائے انتخاب نظام المشائخ آپکی خدمت میں بالکل مفت بھیجدیا جائیگا۔ محصول کے ٹکٹ بھی ہم لگائیں گے

کیا ان داموں یہ سودا کچھ مہنگا ہے!

انتخاب نظام المشائخ ضخیم کتاب ہے بارہ آنہ میں ہر اد ہر ارسال کی جاسکتی ہے اسکے مضامین کی فہرست یہ ہے

مضمون	مضمون نگار	مضمون	مضمون نگار
دعا	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	عالمگیر کی باطنی حالت	جناب مولوی حکیم ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی
وضو	جناب ملا محمد الواحدی صاحب	یاد اللہ	جناب قاری سرفراز حسین صاحب عرمی
الموت	جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح الٰہی	نور عشق	جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح الٰہی
نیند	جناب مولوی حکیم فرید احمد صاحب عباسی مجددی	حقوق اللہ	جناب منشی ضیاء الدین احمد صاحب برنی بی اے
دائمی زندگی	جناب مولوی احمد سعید صاحب دہلوی	اہل بیت کا رجز	جناب ملا محمد الواحدی صاحب
کھٹکا	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	خونی تارا	جناب ملا محمد الواحدی صاحب
قبر کی زیارت	جناب سید ذاکر علی صاحب بدایونی	خلوص	جناب سید محمد حفیظ صاحب ابدی بی۔ اے
مستانہ بزم مولود	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	میں بڑا شیطان	جناب طالب علم صاحب
طلسماتی تختہ	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	آ	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب
حب وطن	جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح الٰہی	برہم کہنا	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب
حال و قال	جناب پروفیسر نواب علی صاحب ایم اے	آہ! یہ خط	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

شروع میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب و ملا محمد الواحدی صاحب کی ہاف ٹون تصویریں لگی ہوئی ہیں کاغذ نہایت سفید و دبیز لکھائی چھپائی دیدہ زیب لوح خوش منظر ہے (درخواستوں میں اس اعلان کا حوالہ ضرور دینا چاہئے)

منیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

قسم سوم

قسم سوم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی، تہذیبی و تمدنی مضامین کا ماہوار رسالہ

اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک لنوار مجموعہ

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی

کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۱۰ دس شاہی ۱۴ر

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

LIBRARY
HYDERABAD

طوفان حیات

یہ ناول ہماری اور خوب بک رہی ہے قبیح رسوم کی پابندی اور شرک کی بدعت مسلمانوں کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کر چکے ہیں مشکل سے کوئی گھر ایسا ہوگا جہاں ان لغویات کا گزر نہ ہوا شد ضرورت تھی کہ کسی طریقے سے انہیں روکنے کی سعی کی جائے خوشی کی بات ہے کہ مصور غم علامہ راشد الخیری نے اس طرف توجہ فرمائی اور کتاب طوفان حیات میں تمام واقعات کو ایسی خوبی سے ادا کر دیا کہ رسوم مروجہ خوفناک اژدھے کی شکل میں نظر آنے لگیں۔ قصہ کی دلچسپی زبان کی سلاست، طرز تحریر اور سوز و گداز کا اندازہ طوفان حیات کے اس ایک ٹکڑے سے ہو سکتا ہے جو نظام المشائخ ربیع الثانی کے ابتدائی صفحات میں نقل کیا گیا تھا اردو علم ادب اس وقت مولانا موصوف کی تصانیف کو سر آنکھوں پر رکھ رہا ہے اس لیے اگر طوفان حیات کی طلبی میں عجلت سے کام نہ لیا گیا تو یقیناً طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔

ضخامت قریباً دس جزو۔ کاغذ سفید و بیز۔ صورت دیدہ زیب

قیمت صرف عہ ر ایک روپیہ علاوہ محصول

منیجر نظام المشائخ دہلی

سے طلب کیجے

نظام المشائخ

جلد ۱۸ | بابت جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ | نمبر ۶

فہرست مضامین

شمارہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	حمد	جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رسا بہرائچی ثم بدایونی	۳
۲	دامن خیال	جناب مولوی سید حامد حسین صاحب بیدل شاہجہانپوری	۵
۳	صحبت شب کی آخری گیارہویں	مصورِ غم علامہ رشاد الخیری مدظلہ العالی	۲۱
۴	رعب حسن	جناب مولانا شمس التوحید صاحب بیخبا	۲۷
۵	ایک نانی خانقاہ اسلام	"تہذیب"	۳۰
۶	تذکرہ غوثیہ	جناب مولانا عارف حسن صاحب عارف ہسوی	۳۴
۷	حمد	جناب منظور محمد صاحب برق بی اے	۴۵
۸	امداد کر بہر خدا	مسٹر محمد یاسین صاحب سورونوی	۴۵
۹	باغ شداد	جناب ماسٹر باسط علی صاحب باسط بسوانی	۴۷
۱۰	حیا	جناب مولانا محمد نذیر صاحب عرشی	۴۹
۱۱	فیشن	جناب مولانا شمس التوحید صاحب بیخبا	۵۰
۱۲	ہوتا	جناب مولوی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم حیدرآبادی	۵۱
۱۳	وقت	جناب مولانا شمس التوحید صاحب بیخبا	۵۲
۱۴	بہار فیشن	جناب سید حسین صاحب سیفی	۵۳
۱۵	چند غزلیں و نعتیں	جناب مولوی نذیر محمد خاں صاحب خلیل فتح آبادی	۵۴
		جناب سید تجمل حسین صاحب تجمل جلالپوری	۵۵
۱۶	برگ سبز	جناب حکیم غلام غوث صاحب بہاولپوری (خیرپور سندھ)	۵۷

نوٹ: یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو آٹھ آٹھ صفحے کرکے شائع کیا جائیگا۔ اور آخر میں اسکا انڈیکس پیش کر دیا جائیگا جو

انتخاب نظام المشائخ مفت منگا لیجئے

۳۰ جمادی الاخری تک نظام المشائخ قسم دوم کا صرف ایک سالانہ خریدار دینا ہوگا خواہ اس دور پیسہ ٹکٹ آنہ بذریعہ منی آرڈر بھجوایئے خواہ وی پی کی فرمائش کرایئے منی آرڈر آنے پر فوراً وی پی کی صورت میں جب قسم وصول ہو جائے انتخاب نظام المشائخ آپکی خدمت میں مفت بھیجدیا جائیگا محصول کے ٹکٹ بھی ہم ہی لگائیں گے

کیا ان داموں یہ سودا کچھ مہنگا ہے؟

انتخاب نظام المشائخ ضخیم کتاب ہے بارہ آنہ میں دو ہزار دو سو ہے اسکے مضامین کی فہرست یہ ہے

مضمون	مضمون نگار	مضمون	مضمون نگار
دعا	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	عالمگیر کی باطنی حیات	جناب مولوی حکیم ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی
وضو	جناب ملا محمد الواحدی صاحب	یاد الٰہ	جناب قاری سرفراز حسین صاحب عزمی
الموت	جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح اللہی	نور عشق	جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح اللہی
نیند	جناب مولوی حکیم فرید احمد صاحب عباسی مجددی	حقوق اللہ	جناب منشی ضیاء الدین احمد صاحب بی اے
دائمی زندگی	جناب مولوی احمد سعید صاحب ہلوی	اہل بیت کا جزا	جناب ملا محمد الواحدی صاحب
کھٹکا	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	خونی تارا	جناب ملا محمد الواحدی صاحب
قبر کی زیارت	جناب سید ذاکر علی صاحب وجدانی	خلوص	جناب سید محمد حفیظ صاحب ادیبی بی اے
ستانہ بزم مولد	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	میں بڑا یا شیطان	جناب طالب علم صاحب
طلسماتی تختہ	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب	آ	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب
حب وطن	جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح اللہی	برہم کتھا	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب
حال و قال	جناب پروفیسر نواب علی صاحب ایم اے	آہ یہ خط	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

شروع میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب و ملا محمد الواحدی صاحب کی ہاف ٹون تصویریں لگی ہوئی ہیں کاغذ نہایت سفید و دبیز، کھائی چھپائی دیدہ زیب، لوح خوش وضع ہے۔ درخواستوں میں اس اعلان کا حوالہ دینا ضرور چاہیئے

منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگایئے

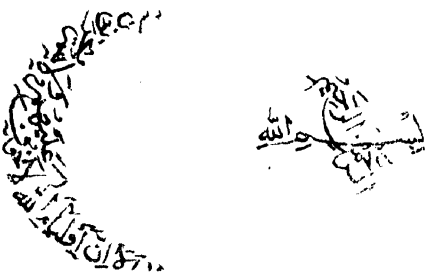

نظام المشائخ

حمد

حمد خالق میں عندلیب قلم — گل فشاں ہو نہ بے نصیب قلم

غنچے دیتے ہیں یوں چٹک کے صدا — وحدہٗ لا شریک ہے وہ خدا

بیل بوٹوں میں رنگ قدرت کا — پتا پتا گواہ صنعت کا

کوئی سمجھا نہ آج تک یہ راز — سرو قمری میں کیوں ہے نازو نیاز

کرتی ہے نالہ و بکا بلبل — گل تر پہ ہے کیوں فدا بلبل

لالہ و گل کے رونے کی کیں ہے — شرح قندیل ہے کہ طاقے

ڈھنگ نرگس میں چشم مردم کا — رنگ غنچوں میں ہے ستمگر کا

[illegible] — بلبل و گل میں چہچہا کیوں ہیں

اُسکی قدرت کا کچھ حساب نہیں — اُسکی صنعت کا کچھ جواب نہیں
کیسے کیسے حسیں کیئے پیدا — نازنیں مہ جبیں کیئے پیدا
باغ عالم کو زیب و زینت دی — لوٹ ہو جائیں دل وہ صورت دی
کیسا تاروں کا خوشنما ہی چمن — آسماں کو بنا دیا ہے چمن

ہر جگہ ہے غرض وہی ستور
چاند سورج میں ہے اُسیکا ظہور

دیکھکر جلوہ اُسکی قدرت کا — ہی فرشتوں میں شور صل علےٰ
حمد کرتے ہیں اُسکی جن و بشر — اُسکے اوصاف ہیں زبانوں پر
ایسی آنکھیں کہاں سے لائیں ہم — اُسکی قدرت کو دیکھ پائیں ہم
ذات باری کو کوئی کیا جانے — آپ اپنے کو وہ خدا جانے

محو حیرت ہی چشم اہل نظر
خامشی ہاں سخن سے ہی بہتر

رسا۔ ہمدانی

کلید اخبار بینی

ابھی تک یہ مشکل دور نہ ہوئی تھی کہ انگریزی سے ناواقف حضرات بھی اردو اخبارات سے ایسا ہی فائدہ اُٹھا سکیں جیسکا انگریزی داں اُٹھاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اخباری انشا میں انگریزی الفاظ کی مداخلت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ ترجمہ یا شرح ہر موقع پر کیسے زیب قلم ہو۔ لہذا ان تمام لغات انگریزی و محاورات اصطلاحات و اسمار کو بطور فرہنگ اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اور ہر فقرہ اور ہر لفظ کی جو بالعموم استعمال ہوتے ہیں یا جنکے استعمال ہونے کا گمان غالب ہے اردو میں توضیح و تشریح کر دی ہے۔ اب حضرات بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ درحقیقت اردو داں طبقہ کیواسطے اخبار بینی کا لطف پیدا کر دیا گیا ہے اُنہیں اسکے مصنف مسٹر برنی بی اے کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ کاغذ دبیز سفید ولایتی قیمت فی جلد ۱؎ علاوہ محصول ڈاک

للمشتہر منیجر نظام المشائخ دہلی

۷۸۶

دامنِ خیال

مرغانِ چمن بہر صبا ہے خوانند خدا با صطلاحے

شب بیدار بخت کی سہانی صبح ہے اور نور کا تڑکا۔ بندگانِ فکرِ خیال نے تاروں بھری رات سو جاگ کے ابھی نیر بسر کی ہے۔ وقت کے تغیر اور زمانہ کے انقلاب نے رنگ زمانہ سے متفق ہو کر ہر فرقت نصیب گھر کی در و دیوار پر بجائے شب کی بھیانک تاریکی کے بیاض سحر کی سفیدی پھیر دی ہے +

جذبات فطرت کا قدرتی تلوّن طبعی تنوع چند گھنٹے پہلے نیند کے ماتوں کو لوریاں دے دے کے سُلا رہا تھا۔ اب شانے ہلا ہلا کے جگانے اور بیدار کرنے میں سرگرم مستعدی ہے۔ سارا عالم ان رات کے ملے جلے اندھیرے اُجالے سے مطلع انور ضیا بنا ہوا ہے۔ چمن چمن کے مرغ و طیور اپنے شب بھر کے انیس گھونسلوں و بسیروں سے باہر نکلکر ساری دن کی عارضی جدائی کا بجز و صبر خیر مقدم کر رہے ہیں۔ خدائی دری بھیجی دوری مجبوری کے نوحے قصیدے پڑھتے اور خیر باد کہہ رہے ہیں +

شہر جنگل۔ جگہ جگہ کے مانوس غیر مانوس خوش گزشتہ گھڑی دو گھڑی کے چین و اطمینان کو آفت زدہ دن کے مصائب و آلام سے بدلنے پر قدرتاً مجبور ہیں +

انسان حیوان۔ چرند پرند۔ جو ہے اپنی قسمت کا فریادی ہے۔ گھر باہر جہاں دیکھئے سُنیئے۔ ایک ہی سا غل شور اور غلغلہ و غوغا ہے +

شیفتگانِ چشم تصور و خیال ہوں یا دلدادگانِ حسن و جمال۔ لذت آشنایانِ ارمان وصل و وصال ہوں یا دل گرفتگانِ حال و قال۔ سب کے سب اپنی محفل شغل و صحبت کی حکایتوں۔ شکایتوں میں ذاکر و شاغل ہیں +

بندگانِ حقیقت اگر مرغِ سحر کی اذانِ حق پر نغمہ سنج مرجا ہیں۔ تو پرستارانِ مجاز صدائے موذن کی بے ہنگامی پر طاعن و نافر۔ غرض ساری دنیا اپنے اپنے حسبِ مذاق وقف کام و دہن ہے۔ اور سارے زمانہ کے منہ، زبان پر اس واقعہ کا چرچا، تذکرہ ہے۔ مگر ایک خدا کا بندہ ایمان کا پرستار۔ زندگی موت کے کل مدارج طے کیئے فنا، بقا کی حدود انتہائے گزرے حقیقت و مجاز سے مستغنی، حسن و عشق سے بے نیاز اپنی ہی جی جان کے سوز و گداز سے لو لگائے حجلۂ غربت میں تنہا بیٹھا جی ہی جی میں خلوت، جلوت کے مزے لے رہا ہے اور قلب کے سچے حضور و خلوص کے ساتھ اپنے معبود طریقت کے سکھائے بتائے تعلیم تلقین دیئے کے بھولے یاد سبق کو رٹ رہا ہے۔

سر دونوں مودب زانوؤں پر دو طرف سجدہ نیاز ہے۔ بند آنکھیں شمع دل کی پروانہ ہیں۔ ہاتھ حلقہ بگوش کمر۔ لبوں پر خفیف سی جنبش ہے۔ دلیں ہلکی ہلکی حرکت دہیمی، مدہم آواز قیاس سماعت تک آکے جو چلے، کلمے مرتب کرتی ہے اسکا مجموعہ مرکب یا خلاصۂ کلام یہ ہے:۔

مراقبۂ محاسبہ

مراقبۂ یقین ۔ اللہ۔ کون اللہ۔ وہ۔ جس نے بے مانگے جان دی۔ اور بے خبر کیئے لے لیگا۔ جس نے پیدا کیا۔ جو جلاتا ہے اور جلائے گا۔ جس نے دل دیا اور دل میں درد۔ جس نے عشق کی آگ جلائی۔ اور آگ میں سوز بھر کایا۔ جس نے محبت کی دیوی اور عشق کا دیوتا بنکر ہم میں جنم لیا۔ اور دوست و دشمن سب کی خواہشوں آرزوؤں سے اپنی پوجا کرائی جس نے آنکھوں میں روشنی دی۔ اور اس کی جوت، لو کا اپنے نور ظہور کو حاضر بنایا۔

وہ اللہ۔ جو روزی رزق دیتا ہے۔ جس نے اپنے من و سلویٰ کا قوم یہود

کو فران نعمت کرایا۔ آدم کو گیہوں کھلایا بہشت سے نکالا۔ وہ اللہ جس نے دنیا جہاں کو زندگی سی مغتنم نعمت دی اور ہمارے پا بریدہ خیالات سے شکریہ تک ادا نہیں ہوتا۔ وہ اللہ جسکی دنیا ہے اور دنیا والے۔ جسکے لطف و احسان سے جی میں جی اور جان میں جان ہے۔ آزو میں جسکی وابستگیر ہیں۔ نراشیں جسکا منہ تکتی ہیں فکر و خیال جسکے دست نگر ہیں۔ دل، دماغ جس سے التجا طلب ہے

تدبیر، تقدیر جسکے نقش قدم اور گرد سراہ کی زمین بوس ہے۔ خوشیاں جس کی حسرت کی احسانمند ہیں۔ ارمان جسکے حسن جان آفریں کے شعلوں سے آنکھیں سینکتے ہیں۔ فکر و طبیعت کی سردیاں جسکی آتش الفت سے گرماتی تاپتی ہیں۔

جنگل کے بدوی چرواہے نے جس کی خدمت اطاعت چاکری۔ طاعت کے ارمان کئے۔ سوائے سے طبیعت شناس۔ مزاجدان ہمکلام نبی سے مخل شوق و اشتیاق ہونیکے جرم و خطا میں جسکے محبت آمیز اور شفقت یز عتاب سے جو اپنے عاشق بندے سے روٹھا۔ جسے کلیم اللہ نے بات کی بات میں خوشامدیں بجا تہیں کرکے منالیا۔ جس نے یوسف سے بے ہمتا سے غلامی کرائی اور خود ہی جی میں آیا دل چاہا تو قید زنداں سے نکالکر عزیز ہر دلعزیز کردیا۔ زلیخا سی مصر کی شہزادی کو اپنے ہی زر خرید کا پابزنجیر کردیا۔

ابراہیم سے خلت مآب دوست کو خود ہی جان دی اور خود ہی مانگی دل کے ٹکڑے خون کے قطرے کی قربانی چاہی۔ اور خود ہی اسکی نقل اصل کو دنیا کے ایک ایک متنفس ہر فرد و بشر پر اُس سنت خلیلی کی تقلید کو مذہب و ایمان کر دکھایا۔ خود ہی اپنے شیدائی کی آنکھوں میں خاک جھونکی۔ اور خود ہی اُس دن اُس گھڑی کی ریت، آدم کو رہتی دنیا تک عید کی خوش حال مسرتوں کا مرکز بنادیا۔

کون اللہ۔ وہی جو میرا والی وارث ہے۔ جسکا عرش اعظم میرا دل ہے۔ اور

خانہ کعبہ میری آنکھیں۔ جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ جس کی پرستش عین ایمان ہے۔

وہی جسنے عیسٰے سے مقدس فرشتہ خصلت انسان کو سولی پر چڑھوایا جسکے لب اعجاز نے آسمان پر بلاکے عمر خضری۔ موسٰی سے نبی کو دل کے ذوق شوق سے مجبور کرکے دیدار کا طالب کیا۔ اور ایک شعلہ جمال سے دل کے سارے ولولوں کو جلاکے خاک طور کیا۔ زکریا سے مثبت متقی کو دشمنوں کے ہاتھوں آرے سے چروایا اور ایوب سا صبر دیکر بندہ رضا و تسلیم رکھا۔

جس کا میں ہوں اور جو میرا ہے۔ جس کی دنیا ہے اور جو دنیا کا۔ لِکُلِّ شَیْءٍ خَالِقٌ۔ کا کلیہ مسلم ہے اور محقق۔ اُسکا وجود واجب ہے اور برحق۔

(۲) **یقین** حضور۔ چشم بصیرت کے آگے دل آنکھ کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مگر تیرے نقش حقیقت کو کوئی قدرت حجاب چھپا نہیں سکتی۔ تو ہے اور ضرور ہے۔ تیرے ہونے کا یقین میرا مایۂ زندگی اور حق عبودیت ہے۔

میرے اللہ! میں تجھے دیکھتا ہوں اور تو میرے سامنے ہے۔ گو تو میری کم ہیں اور کوتاہ اندیش نگاہوں سے اوجھل ہے۔ مگر دیدۂ حق رو برو ہے اور ہر وقت پیش نظر ہے۔ چشم مشاہدہ تیرے نورانی جلووں سے ذرات ضیا گیر ہے۔ اور تیری شعلہ ریز نظارگی کی ظل ربا۔ اسوقت بھی تو میرے آگے ہے۔ میں تجھے دیکھ رہا ہوں مگر چھو نہیں سکتا۔ تو میری آنکھوں میں پلکوں کی چلمن ڈالے بیٹھا ہے۔ میری آنکھیں تیری دید کے احسان کی منت کش ہیں۔ آنکھوں نے گاہیں تجھے چھونے کو دوڑی جاتی ہیں۔ اور تو عدِ نظر سے بھی دور آگے نکل جاتا ہے۔ اسلیئے تجھے چھو نہیں سکتیں میرا دست طلب تیرے دامنوں کی طرف بڑھتا ہے۔ دستگیری چاہتا ہے مگر باوجود اتنی درازی کے اپنے مقصد تک نہیں پہنچتا۔

لہ بقول اقبال رح

تو میرے دل میں ہے۔ ہاں ہاں ہے۔ یہ کیا بیٹھنا ہے میں تجھے اپنے کلیجہ سے لگائے ہوئے ہوں۔ میرا دل تجھ سے باتیں کرتا ہے۔ مگر تو ہنستا ہے مسکراتا ہے۔ اور بولتا نہیں۔ تو بولتا بھی ہے۔ تیری خاموشیاں میری گویائیوں کا جواب دیتی ہیں مگر میرا ثقل سماعت تیری آواز کا کوئی جسم خیالی نہیں ڈھال سکتا۔ ابھی بولا تھا۔ ابھی پھر مجھے دیکھا۔ پھر مجھ سے بات کی۔ مگر میں تیرے لفظوں میں معنی نہیں نکال سکا۔

تیری نغمہ سنجیوں۔ تیرے راگوں۔ تیرے گیتوں کی موسیقیت سے میرا دل لبریز ہے۔ مگر مستیاں چھلکتی ہیں۔ تیرے تغزل کی شعریت سے میرا مذاق معمور ہیں۔ مگر اس کی لذت بیان اور کیف معنی کے لیے مجھے کوئی الفاظ نہیں ملتے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تیرے حسن تصور اور شکل خیالی کی مدح سرائی کے قصیدے لکھوں مگر زبان کو ہونٹ بھینچے لیتے ہیں۔ منہ نہیں کھلتا۔

ہاں ہاں۔ اب تو بالکل میرے پاس ہے۔ اور مجھ سے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کی تفسیر خود کر رہا ہے۔ قریب ہے اور بالکل قریب۔ میری آنکھوں کے آگے ہٹ ہٹ کے اندھیرا کر رہا ہے۔ میں تجھے پکارتا ہوں تو بول۔ نہیں تو ضرور بول۔ میرے کان آنکھوں سے زیادہ مضطرب ہیں۔ اور آنکھوں سے کانوں کی آشتی اور مصالحت کرا دے۔ ورنہ یہ ایک دوسرے کے رشک خوش نصیبی میں جل بھن کے خاک ہو جائینگے۔ تو جب دل و جگر میں خون گرم کی طرح متمکن ہے تو چھلک۔ آنکھوں سے اشک بنکر بہتا کیوں نہیں۔ دل کی اقامت سے بڑھ اور دیدوں میں وقف خرام ناز ہو۔ آ۔ اور ضرور آ۔

میں قسم کھاتا ہوں۔ تجھ سے کچھ نہ مانگوں گا جو تو خود دیدیگا۔ اللہ عزوجل کر کے فلیلوں گا میں بحلف یقین دلاتا ہوں تیری گویائی کے راز کو دل میں امانت رکھوں گا کسی کے آگے تیرا ذکر تکلم منہ سے نہیں نکالوں گا۔

گونگا بن جاؤنگا تاکہ پھر کسی سے بات نہ کروں۔ اپنے کان پھوڑ لوں گا تاکہ

کوئی اور کسی کی بات پر نہ سنوں۔ دیوانہ اپنے آپ کو کرونگا تاکہ لڑکے بالے بڈھے جوان سب مجھے سڑھی سمجھکے نہ منہ لگیں نہ منہ لگائیں۔ گلی کوچہ میں میرے سودائی سر کی اینٹوں پتھروں سے تواضع ہو +

اے میرے اللہ! میں آنکھیں کھولتا ہوں تو منہ کھولدے۔ کیوں نہیں منہ کھولتا۔ میں تجھے خدا جانتا ہوں۔ تیرا ادب کرونگا۔ میری جرأتیں میری جسارتیں تجھ سے ڈرتی ہیں۔ گستاخانہ تجھے منظر بہر کے نہ دیکھیں گی۔ مگر کیا کروں دل کے نہاں شوق سے مجبور ہوں گو اگلی کہانیوں میں ایک قصہ سن چکا ہوں مگر پھر جی یہی چاہتا ہے کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

اے میرے علیم خبیر! تو خود جانتا ہے کہ اب میری آنکھوں کی خواہشوں اور کانوں کے ارمانوں نے مرفوع القلم کر دیا ہے۔ اسلیئے تجھ سے ضد کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جب تک ان دونوں کی حسرت بھری مناجات کو سن نہیں لیگا +

میرے اللہ! دنیا جہان کے اللہ! انسان حیوان چرند پرند کیڑے مکوڑے سب تیری دید کی تمنا میں بیچین ہیں۔ سب تجھے چاہتے ہیں تو سب کا خالق ہے اور سب تیری مخلوق ہیں +

مرادوں کے دامن تیرے جود و سخا کے ہاتھوں کی فیاضیوں سے زیر بار احسان ہیں۔ دیدۂ دل کی تنگ دامنیاں تیری گلباریوں سے گلگوں اور پُر ہیں دماغ نکہت شمیم فیض یاب اور معطر و معنبر ہے +

اے میرے دلنشین جانِ روح جب تو اس گوشہ میں متمکن ہے تو آنکھوں کے در دہلیز پر بھی ٹہلتے ٹہلتے آنکل۔ دروازے پر سائل کھڑا ہے۔ اسکی جھولی میں بھیک ڈال جا۔ بول اور مجھے بُلا۔ کچھ کہہ اور میری سُن +

اے میرے مجیب الدعوات! مجھ سے آنکھیں ملا۔ مجھے منہ دکھا۔ گوشہ

چشم التفات سے دیکھ اور آواز سُنا۔ بول اور ضرور بول۔ میں اُداس ہوں مجھ سے بول اور میرا جی بہلا۔ میرا جی گھبراتا ہے۔ میں بولایا جاتا ہوں۔ میری کچھ تسلی کر۔ مجھے دلاسا دے۔ میں گرتا ہوں۔ مجھے سنبھال مجھے اُٹھا۔ میرے سینے پر ہاتھ دھر۔

اے میرے مُحل دل کی لیلےٰ آ میں تجھے پتلیوں کا فرش پلکوں کی چلمن ڈال کے چھپا بٹھاؤں۔ نہ کسی کو دیکھنے دوں نہ کسی کو دکھاؤں۔

(۳) **توحید ذات**۔ آ۔ میں تجھے دل کے مندر میں بٹھا کے تجھ اکیلے کی اکیلا پوجا کروں۔ میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ میری جبین نیاز میں سجدے تیرے نقش قدم کی پابوسی کو تڑپ رہے ہیں۔ فطرت کی شوخیاں نازِ عبادت کو لیے نہایت بے چینی سے مچل رہی ہیں۔ تیری وحدانیت کی مقناطیسی کشش سودائے سر کی جوشیلی تمناؤں کو تمام دنیا سے مُنہ پھیر کے تیرے دروازے پر دیر سے لا چکی ہے دل کی اُمنگیں اور معترف ایمان و یقین کے ولولے بڑی کوشش سے محرک پرستش ہیں۔ کسکی؟ صرف تیری۔ ایک تیری۔ اب میں جھکتا ہوں۔ میں گرتا ہوں۔ میں تیرے خاکِ قدم کو آنکھوں سے چوموں گا۔ تو چومنے دے۔ تیرہ سو برس کی عادت کی اقتضا کا ساتھ دے۔ اور میرے ارادے کا ساتھ دے۔ اسکی تکمیل تعمیل میں ہاتھ بٹا میرا یقین تیرے سوا کسی کا آستان بوس نہیں ہو سکتا۔ غیور عبادتوں کا تو ہی معبود ہے۔ میرے تخیل ایمان کی تیرے سوا اور کوئی منتہا نہیں۔ ہاں ہاں تو صرف تو میرے فکر و تلاش کی منزل مقصد ہے۔ اور چشم حقیقت جو کی حد نظر۔

تو اور صرف تو۔ اکیلا ہے واحد ہے۔ تنہا ہے۔ اور سب کا ہمہ اور ہے ہمہ خود ہی خالق ہے اور خود ہی مخلوق۔ کیوں؟ اس لیے کہ خدا ہے۔ نہ کسیکا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا۔ امتِ عیسیٰ نے غلطی کی۔ زبیر کے پرستاروں کو مغالطہ ہوا جو تجھے ان کا باپ۔ اور انکو تیرا بیٹا بتایا۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔ جب عقیدت اندھی

سے بڑھتی ہے تو غلو و شغف دخیل اعتراض ہو جاتا ہے۔ وہ غریب محبت سے مجبور تھے بول اٹھے۔ تو رحیم ہے اور غفور۔ انکی اس فروگذاشت کو نظر انداز کر +

تنہا ہے اور تنہا رہیگا۔ یہی تنہائی تیرے آقا ہونے وحدانیت کی دلیل بین ہے وحدہٗ لاشریک تیری مختص بالذات صفت ہے۔ دنیا کے جی جان زمین آسمان سب تیری وحدت جوزی کے کرشموں سے لبریز ہیں۔ اور تو بھی صفات متصف۔ عالم کون میں کبھی ہرگز یہ قدرت نہیں جو تیری وحدانی کا متحمل ہو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تیری یکتائی کے تمام دعاوی صداقت کے مستحق ہیں اور کیوں نہوں۔ کیونکہ تیری ہستی خود تیری ہی حقیقت توحید اور عظمت عدم تشکیل کی منکشف راز ہے۔ لو کان الٰھۃ الا اللہ لفسدتا۔ صحیح اور بدیہی ثبوت ہے اور بالکل صحیح ہے۔ ورنہ دنیا کا امکان اجتماعی اور قیام و ثبات ناممکن تھا اور محال +

(۴) **توحید صفات**۔ بیشک تو اکیلا ہے۔ تیرا کوئی دوسرا ثانی ہے نہ مظہر۔ نہ ہو سکتا ہے۔ تو خود تو ہے۔ تجسا کوئی اور نہیں۔ تیری ہستی نظیر سے مستغنی اور مثل و مثال سے مستثنے ہے۔ تیری نورانی شکل و شباہت شبہ مشابہت سے معرے اور مبرّا ہے۔ تیری دوسرا ہت کا گمان اور وہم ہی شرک اور کفر ہے۔ تو بے مثل اور بے مثال ہے +

تیری اور صرف تیری ذات وحدت الوجود اور واجب الوجوب کی شان لیس کمثلہ شئ کی حقدار اور مستحق ہے تو ہی وحدہٗ لا شریک لہٗ۔ اور لا الٰہ الا ہو۔ برحق ہے

(۵) **وساوس نفسانی**۔ وساوس نفس میری آنکھوں کے سامنے آ آ کے اندھیرا کرتے ہیں مجھے بہکاتے و غلاتے ہیں۔ مجھے دھوکہ دینا چاہتے۔ تیرے جمال و جلال کے نور ظہور کو مشتبہ کر کے مجھ سے تجھے روپوش کرنا چاہتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں مجھے سکھلاتے ہیں۔ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ جب تو ہے تو بولتا چالتا کیوں نہیں

نظروں کے سامنے کھلم کھلا کیوں نہیں آجاتا۔ چھپتا کیوں ہے منہ کیوں نہیں کھاتا ہے۔ اپنی کچھ کہوں نہیں۔ میرے دکھ درد کو کیوں نہیں سنتا۔ لیلےٰ کالی تھی مجنوں سے روپوش محمل رہی نہ بنجا اندھی تھی۔ یوسف کے حسن و جمال کا جی بھر کے نظارہ نہ کر سکی موسیٰ میں کیا تھا جو باوجود اس ہمکلامی کے بھی آتش حسن کے ایک شعلہ جمال کی بھی پوری جھلک آجتک نہ دکھا سکا۔ حکمتوں کے بہانوں۔ لن ترانیوں کے جیلے حوالوں میں عمر بھر رکھا۔ جیتے جی دنیا جہان کو منہ دیکھنے۔ دکھانے کے لالے ڈالدیئے ۔

(۶) **دفع وساوس**۔ مگر نہیں۔ میں کسی کے کہنے سننے میں نہ آونگا۔ میرا یقین میرا اعتراف۔ میرا دین۔ میرا ایمان واثق ہے اور راسخ۔ لاکھ دنیا کے دلچسپ مناظر ایمان فریبیاں کریں۔ میرے دل طبیعت کو ترسائیں للچائیں۔ حسن ظاہر کی عارضی چمک دمک دکھا بتا کے آنکھوں میں چکا چوند سی ڈالیں نظروں میں رکھیں۔ نعارنگ ہوش و حواس کی جدت طرازیاں مظاہر پرست عادت طبیعت کے لیئے حیرت اور تعجب کی محرک ہوں۔ مگر میں اب دھوکا نہیں کھاؤں گا۔ تیری قدرت کی دی اور ودیعت کی ہوئی عقل و خرد زندگی کے ہمرشت حس ادراک اب میرے رفیق سفر ہیں انکی دستگیری سے سب کو ہٹا دیتا ہوں۔ متلوں مزاج سادہ لوح سیلانی دل کا گوشہ چشم التفات ایک ایک باغ چمن کے پھول کلی کی طرف میلان کرتا ہے۔ جی بھٹکتا ہے نیت ڈانواں ڈول ہوتی ہے۔ مگر میں نہیں بھٹکتا بھٹکتا۔ خوب زور سے جی کڑا کر کے اس اپنے بھولے بسرے کو سیدھے تیرے رستہ پر لگا لاتا ہوں ۔

میکدۂ عمر کا دورِ شباب وقتی اور فانی نشہ کے چور اور لبریز ساغر پیش کرتا ہے۔ ساغر۔ بادہ بے ہوشی اور مے بیخودی کے رستے چھلکتے جام، پیمانے پلانا چاہتا ہے۔ مگر میں تیری عزت کی قسم اسی نفرت اور حقارت سے اسکے ہاتھ کو جھٹک دیتا ہوں۔ جیسے کوئی خدا ترس تائب ۔

دنیا کی بے وفائیاں بے مہریاں وفا پرستیوں کا بھیس بدل بدلکر روز بہروپ بھر کر میرے سامنے آتی ہیں۔ اور اپنے رنگین لباس ظاہر کی عارضی جگمگاہٹ سے میرے یقین نہیں بلکہ عین الیقین اور حق الیقین ایمان۔ اعتقاد میں تذبذب پیدا کرتی ہیں۔ جھوٹے سچے دلائل و براہین پیش کرکے مجھے پھسلاتی ہیں ورغلاتی ہیں۔ مگر میں دھوکے میں نہیں آتا۔ اور ایمان بالغیب کا تازیانہ لیکر سب کو بھگا دیتا ہوں ۔

نفس غیر مطمئن کے فطری وساوس آسمان کو عدنظر اور سطح رود آتشیں کہکے تیرے بطلان کے اوہام دلمیں لاتے ہیں۔ تیری زمین و آسمان کی طرف حدود خیالی ثابت کرنیکے میلان کی سعی و کوشش کرتے ہیں۔ مگر میں اُنکے کہنے میں نہیں آتا۔ میری کم مایہ اور بے متاع لاعلمیاں تیرے دامن خیال کو ہاتھ سے نہیں دیتیں میری مایوس ناامیدیاں امیدوں کی شکوہ سنج نہیں ہیں۔ میں اپنی سعی مشکور کو لذات باطلہ کا لذت چش نہیں بناتا۔ مجھے یقین ہے اور کامل یقین ہے کہ تو مجھے ہدایت کی صراط مستقیم سے بھٹکنے نہیں دیگا۔ میرا ایمان ہے اور مجھے اپنے اس ایمان پر پورا بھروسا و وثوق ہے کہ من یھدی اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ۔

(۷) **محاسبہ نفس مطمئن** ۔ میرے ہادی جب کبھی ایسا وقت پڑا اور اتفاق ہوا ہے تو میں نے تیری قدرت کاملہ کو اپنا مخاطب صحیح بنایا ہے۔ تجھ سے یا تیرے **مظاہر ہدایت** سے مدد چاہی ہے۔ اور تیری رحمت کے سایہ میں پناہ لی ہے تجھ سے اور بس صرف تجھی سے اُسکا دفعیہ کیا ہے اور مکافات چاہی ہے۔ میرا دل جب کبھی دھڑکا ہے۔ یا قدرت کے جلائے ہوئے سوزہ گداز دکھ درد سے دکھا جلا ہے۔ میں نے تجھی کو پکارا ہے۔ اور تیرے ہی دارالشفا غریباں سے داد و درمان

مانگا ہے۔ اور میرا تھا کون یا ہے کون تیرے سوا۔ دنیا جہان کے بیماروں کا تو ہی چارہ ہے۔ مردہ دلوں کی سسکتی دم توڑتی امیدوں کا تو ہی مسیحا ہے۔ میری عقیدت میری ارادت کبھی ایسی گمراہ نہیں ہوئی جو تو نے یا تیری تائید غیبی نے اسکی فوراً آکر دستگیری نہ کی ہو۔ اور رستہ پر نہ لگا لیا ہو۔

میرے جذبات فطرت ہمیشہ تیرے مذہب کے حلقہ بگوش رہے ہیں اور تیرے دامن عرفاں کے ہوا خواہ۔ میں تجکو حاضر ناظر جانتا ہوں اور سمیع و علیم۔ میری غربت کربت کا تو انیس ہے اور تو ہی اُسکے گرم سرد انفاس کا ندیم و ہمدم۔

اے میرے مونس جلیس میرے مضطراب دل کی تسکین و تسلی۔ ہمیشہ تیرے مہربان ہاتھوں سے ہوئی ہے اور ہوتی رہے گی۔ تو ہی عمر بھر کی مضطرب العادت روح کو چین دیتا ہے اور قرار دیگا۔ میں تیری یاد میں ہر وقت محو اور مسرور رہوں تیرا ہی ذکر خیر میرے دن رات کا تکیہ کلام ہے۔ تیرا ہی یہ پیام محبت تسلی بخش صبر و اطمینان ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

(۸) **محاسبۂ نفس بدفع وساوس** اے میرے شفیق اللہ اور محسن خدا! میں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں۔ تو سنتا ہے اور خود جانتا ہے۔ خوب واقف ہے کہ میرے پاکیزہ خیالات باوجود یکسوئی اور کس مپرسی کے شاکی ہونیکے تجھ سے یا تیرے دھیان گیان سے کبھی غافل نہیں رہے ہیں۔ نہ میں نے کبھی تجھ پر تیرے غیر اور کسی ماسوا کو ترجیح دی ہے۔

میرے جذبات جب کبھی کسی وجدانی غیر وجدانی حرکت کے اثر سے متحرک اور متاثر ہوئے ہیں وہ تیری ہی چشم التفات کے کرشمے تھے۔ میری گمراہیوں نے جب کسی ہادی رہبر کا ہاتھ تھاما ہے یا دامن چھوا ہے۔ وہ تیرے ہی تصور اور خیال کی تصدیق تھی۔

میں نے تیری یاد سے اوہام باطلہ کی نہ محض تردید کی ہے بلکہ ہمیشہ کی آمد و رفت کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔ جو چیز سامنے آئی۔ تیرے وجود کے آگے ہیچ جانا۔ جب کبھی اور جس کسی انسان نے دل آنکھ میں گدگدی کی۔ تیرے ظہور قدرت کے تنوع سے اُسکی رونک تمام کر لی۔ اور یہ سمجھ لیا ؎

دلِ حیراں میں حسنِ یار کے لاکھوں تلوّن ہیں ۔۔۔ اس آئینہ میں کیا عکس ہے ساری خدائی کا

ہاں دل کی دلجوئیاں بھی کبھی اُسکی نازبرداریوں میں وقت بھی ضائع کرنا شکا رہا۔ مگر یہ نہیں۔ چھوڑدوں یا بھول جاؤں۔ اور بالکل اُسکا ہو جاؤں۔ میرا نادان دل ہر ایک نئی لڑائی۔ انوکھی عجیب چیز کے لیے للچایا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ میں مجبور ہو جاؤں میں نے فوراً جھوٹی دلدہی فرضی تسکین۔ تسلی دلاسے دیئے ہیں۔ اور خام طمع کا لالچ دے دیکر بہلا پھسلا لیا ہے۔ اور پھر تیری طرف توجہ دلادی ہے۔

مجھ سے بارہا دل کی لذت طلبیاں ہوسناکیاں محرک اور متقاضی ہوئی ہیں خواہشیں مصر ہوئی ہیں۔ خوشبوؤں نے ضدیں ہٹیں کی ہیں۔ مگر میرے دانا اور خبیر خدا تو خود انصاف سے کہہ۔ کیا میں نے انہیں دھوکہ دھڑی دیکر ٹالے بالے نہیں بتائے ہیں۔ اور تیرے حکم، اذن کا منتظر نہیں رکھا ہے؟ جبتک یہ نہ معلوم کہ یہ فعل یہ چیز تیری مشیت کے خلاف نہیں ہے۔ یہی کہہ کہہ کے تالیف کی ہے ؎

(۹) **مراقبہ محاسبہ** میاں کیا کرو گے لیکے یہ کیا ہے؟ خدا کی خدائی میں کس چیز کی کمی ہے۔ یہ کس کام کی ہے۔ دنیا میں اُسکی قدرت کی اس سے بھی اچھی اچھی چیزیں موجود ہیں۔ اُسے لیا۔ وہ لے دونگا مگر چلو خدا سے وہ چیز دلاؤ جسکے آگے یہ سب ہیچ ہے۔ دیکھو فانی کی طلب باقی کی امید سے چھوڑ کر خلاف عقل و تمیز ہے اور بعید از مصلحت۔ چھوڑو۔ جانے دو۔ باز آؤ ؎

پھر اگر کم بخت دل ان بتوں، ولاسوں سے نہیں مانا اور ضد کیے گیا ہی ہٹ پر اڑ گیا ہے تو جھوٹے فقرے دیئے ہیں۔ باتیں بنا بنا کے بہلایا پھسلایا۔ حیلے حوالے ٹالے بالے کیے۔ غرض ہر وقت کو ٹالا ہے۔ اور برسوں امید میں رکھا ہے مگر باقتضائے بشریت بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ اس کی راج ہٹ یا بالک ہٹ نے میری نہیں سنی ہے تو میں خدا کی قسم بگڑا ہوں۔ روٹھا ہوں۔ تیرے تعلیم دیئے ہوئے دستور العمل سے اعانت چاہی ہے۔ تیرے اُسی بتائے ہوئے جادو منتر سے اس سرکش معمولی جن کو اُسی شیشہ میں بند کر دیا ہے۔ جہاں سے اُسکے مدفون وہوَس نے گھُٹ گھُٹ کر سر اُٹھایا تھا اور منہ نکالا تھا ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین اور صاف کہدیا ہے کہ جب تو غیر کا شیدائی ہے تو تیری اور راہ ہے اور ہماری اور قسم ہے تیری بے وفائی کی۔ اب تجھے رہی نہیں لیکے دونگا۔ جو تو مانگے گا اور تجھے بھی قسم ہے میری ہمت و استقلال کی کہ آیندہ اپنی توقع مجھ سے اٹھالے۔ غرض کسی حال تجھے نہیں بھولا ہوں خواہش کو چھوڑا ہے۔ ضرورت پر خاک ڈالی ہے۔ مگر اے میرے جان آفرین زندگی! تیری خوشنودیوں کی توہین نہیں کی ہے۔ آخر تو ہی کہہ کہ اس حسرقدرت اپنا حسن عمل کیوں بنایا۔ تیرے لیے اور محض تیرے لیے تیری رضا جوئی کے لیے۔ اور صرف تیری مہر محبت کی دل لگی کے لیے۔

(۱۰) **مراقبہ عدم تشکیل وجود واجب**۔ اے میرے آقا اور مولا! تیرے غلام کو خوب یقین ہے اور اطمینان ہے کہ تیرا نظر نہ آنا تیرے کمال جمال کا باعث ہے۔ خود آفتاب کی شعاعیں اُسکے روئے منور کی زرّیں نقاب بنی ہوئی ہیں میرے گریبان دل اور سینہ فگار آنکھوں کے دامنوں کی دھجیاں میری ندیدی قدرت نظر کی پردہ حائل اور حجاب فرق بن گئی ہیں۔ ورنہ تو بے وفا نہیں۔ اپنے طالبوں کے دیدہ دیدار کی تمنا بہر شکل اور بہر صورت تجھے عزیز ہے۔

جلوے کہاں نہیں ہیں طلبگار بھی تو ہو موسیٰؑ کی طرح عاشقِ دیدار بھی تو ہو

میں کہوں گا اور ہاں ضرور کہوں گا کہ تیرا حسن پردہ در کہیں حجاب سے منفعل نہیں تیری بے نقاب صورت کسی برقع فانوس کی محجوب نہیں۔

اہل دل کی نظروں سے تو روشناس ہے۔ اہل نظر کے دل تیرے صورت آشنا ہیں۔ چشم مشاہدہ کی نگاہیں تجھے ہر کہیں اور ہر وقت دیکھ لینے کی عادی ہیں۔ محض ہماری ہی چشم کوتہ بیں کا قصور طبعی اور نقص فطری ہے۔ ورنہ تیرا کمال تیرا جمال تیرا رحم تیرا جلال روپوشی اور کم نگہی سے نافر۔ تو ہر جگہ ہے۔ اور ہر وقت سبکو نظر آتا ہے۔ چشم مرتاض کے ولولے سوتے جاگتے مدعی ہیں ؎

قسم ہے سیکڑوں پردے پڑے ہیں آنکھ ملکوں سے مرا کعبہ نظر آتا ہے مجھکو لاکھ منزل سے

اے میرے معبود و محبت۔ تو ضرور اپنے عاشقوں اور دلدادوں کو شربت دیدار سے سیراب کرتا ہے اور کرتا رہتا ہے۔ اُن کے کمال تیرے جمال کی تاب لا سکتے ہیں۔ اُنکے سر تیرے سودا کو سہلاتے ہیں۔ تجھے جہاں اپنے بادۂ عرفاں پر ناز ہے وہیں اپنے متوالوں کا بھی اندازہ ہے۔ تیرا یہ دستور العمل "عرّ دیتا ہے بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر" لاکھوں مخفی حکمتوں کا سرچشمہ ہے۔ ورنہ دنیا اُلٹ جائے۔ زمین پھٹ جائے۔ آسمان ٹوٹ پڑے۔ چپے چپے پر ہنگامہ محشر ہو۔ کوچہ کوچہ کی قیامت عیان ہو۔ کیونکہ تو اگر پردہ اُٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے۔

میں ناقص ہوں۔ میرا عشق بھی ناتمام۔ اور یہی وجہ ہے کہ ؎

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

آہ۔ اگر میری الفت بھی پختہ ہوتی۔ خامی کے الزامی دھبے سے پاک صاف ہوتی تو میں۔ میں۔ میں بھی تیرا نظارہ کا لعین کرتا۔ اور جب چاہتا کر لیا کرتا۔

(۱۱) **مراقبۂ حضور باری و طاعت نیاز**۔ اے میرے حسن شمع حیات تیرے

تیرے جمال کا تلون۔ تیرے کمال کا تنوع تیری صفات کی مختلف صورتیں آفرینیاں سب کی سب میری آنکھوں میں ہیں۔ تیرا منور مجسمہ میرے دل کے باغ کی بیچوں بیچ صحن میں استادہ ہے۔ سینہ میں باغ ہے۔ باغ میں صحن۔ صحن آنسوؤں کا پرآب چشمہ ہے۔ جسے دل کہتے ہیں۔ اُسمیں وہ کنول کا پھول ہے جس سے یعقوبؑ کی آنکھیں کھلیں یوسفؑ نے زندان غم کی تاریکی کو اُجالا بنایا۔

میرا احساس۔ میرا ادراک اس دن رات خلوت جلوت میں منت پذیر ہے اور میں ہر وقت تجھے یوں دیکھتا ہوں۔ جیسے گھڑی گھڑی اپنے آپ کو۔ ہاں یہ ضرور ہے کبھی تو پردے میں ہوتا ہے۔ کبھی کھلم کھلا سامنے۔ مگر جب تو نظروں سے اوجھل بھی ہو تو میں شکستہ دل نہیں ہوتا کیونکہ جانتا ہوں۔ اگرچہ یہ فرق مابہ الامتیاز حجاب حسرت ہے۔ مگر اسکی میری نااہلی عناں گیر ہے۔ میری ناقابلیت میری منزل مقصد و تمنا کی سنگ راہ ہے۔

میں کیوں دلگیر ہوں۔ میری مایوسیاں ناامیدیوں کی کیوں دست نگر بنیں۔ میرے ولولے، خواہشیں کیوں ناکامیوں سے منفعل ہوں۔ میں خوب جانتا ہوں۔ اور اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ یہی ناکامی مراد میری دلیل کامیابی ہے۔ اور یہی یاس و حرماں ذریعۂ آرزو برآری ہے۔

میں خوش ہوں کہ دھوپ سایہ کی وقعت کو دوچند کرتی ہے۔ رنج و غم خوشی و مسرت کی محرک ہیں۔ انفعال ناکامی عین کامیابی کی وجہ ظہور ہے۔

میں۔ اللہ! او اللہ! تیری قسم کھاتا ہوں اور ایمان سے کہتا ہوں کہ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ کی مذہبی تعلیم میرا مسلک۔ میری عقیدت میری ارادت کا ایمان ہے اور سچا ایمان ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ میری ناکام تمنائیں پیش بینیاں ہیں ان صلاحیتوں کی جو فطرت

نے مجھ میں ودیعت کی ہیں۔ اور آگے چلکے مجھ سے خود بخود سرزد ہونے والی ہیں اور جو مجھے ایک دن تیرا خالص وارفتہ بنا دیں گی ۔

میری نامراد آرزوئیں پیامبر ہیں اُن کامیاب مقاصد کی جو آیندہ میرے اصول زندگی کے بطرز احسن دستور العمل ہونے والے ہیں۔ اور جن کے سہارے پر میں تیری سچی اور خالص پرستش کو مایۂ زندگی اور سرمایۂ حیات جانوں گا اور میرا نیاز کس کس ناز سے آسپر فخر و امتنان کرے گا۔

میری موجودہ بے سروسامانیاں بشیر ہیں اُن امور مطمئنہ کی جن کی نعمتوں سے میں جھولیاں اور دامن بھر لوں گا اور عنقریب اُن کی جلوہ گری کے انعامات اور میرے دین کی حسن و دولت سے مالا مال ہو جاؤنگا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ جو کچھ ہے تیری ہی طرف سے ہے۔ اور تیری ہی مشیت اسکا فاعل حقیقت و مجاز ہے۔ اور قادر مطلق اور خود مختار کے وما تشاءون الا ان یشاء اللہ کا پیام کلام میرے آرزومند دل کے اطمینان کو قیامت تک کافی ہے ۔

آنچہ فلک ہیچ کس از فلک نہ خواست طرف فتیمہ مرنجست بادہ ما گزک نخواست

دل سے دُکھیارا بیدل

تصویریں اتار دو!

فی زمانہ یورپ کی تقلید سے عوام نے تصاویر سے گھروں کو زینت دینا اختیار کر لیا ہے جو سراسر احکام خدا اور رسول کے خلاف ہونیکے مخرب اخلاق اور اسراف ہے۔ چونکہ ان تصاویر کا رواج دینی و دنیوی فوائد کے منافی ہے اسلیئے ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ انکے بجائے ایسے قطعات جن میں صرف خدا اور رسول کا کلام باربرگول کے بند و نصائح ہوں ملک کے سامنے عموماً اور مسلمانوں کیلئے خصوصاً پیش کریں کے تاکہ یہ انتظام کیا جائے جو بصورتی خوشنمائی و خوشخطی ہمارا اپنی آپ نظیر ہونے کے علاوہ چودھویں صدی کی بہترین ایجاد

ہ تقطع کے تیار ہیں اور فرمائش پر تیار ہو سکتے ہیں قیمت کا مذکورہ خط و کتابت سے معلوم ہو سکتا ہے۔ منیجر نظام المشائخ ٹونک

صحبتِ شب کی آخری گھڑیاں

(۱)

کیسی پُرلطف ہونگی وہ صحبتیں جہاں ہر گوشہ سے انسانیت و محبت کے نغمے فضائے حیات میں گونجتے تھے۔ اور کیسا مبارک ہونگے وہ جلسے جن میں خوش نصیب آنکھیں وضعداری کی بہترین تصویریں اور اسلام کے سچے نمونے دیکھتی تھیں۔ مگر آج ان صورتوں کو فراموش کر چکی اقلیم تعلقات میں وضعداری کے خوش رنگ پھولوں کی بجائے خودغرضی کی خاک اڑ رہی ہے۔ چمنستانِ محبت اجڑ چکا اور لحاظ و مروت کے گلہائے رنگیں جلکر خاک ہو گئے۔ گر شاہجہان آباد اپنے سینہ میں ابھی وہ ہڈیاں چھپائے ہوئے ہے۔ جو مملکت حیات میں انسانیت کے ایسے دریا بہا گئیں کہ دنیا اُن سے سیراب ہوئی دارالسلطنت کی شوکت ظاہری سے فرصت پاکر جب سیاح ان کھنڈروں میں داخل ہوتا ہے جہاں فاختہ کی کوکو اُسکی سلامی اور بے ثمر درختوں کا سناٹا اس کا مہمان نواز ہو تو سب سے پہلے ویرانہ کی حسرت اس سے مصافحہ کرتی ہے۔ جہاں نصیب ہوا کے جھونکے گلے ملتے ہیں۔ اور وہ دو چار ٹوٹی پھوٹی عمارتیں جو ابھی قابلِ نازِ وفینوں کا پتہ دیتی ہیں اس کے استقبال کو خوش آمدید کا نعرہ لگا دیتی ہیں +

یہاں چشمِ ظاہر بیں کو اسطے عبرت کا سامان نہیں ہے۔ یہاں ان آنکھوں کی ضرورت ہے جو غور سے دیکھیں اور خموشی سے پڑھیں۔ اس جنگل کا ہر پتا۔ ان قبروں کی ہر اینٹ اس خاک کا ہر ذرہ ایک کتاب ہے۔ ایک تاریخ ہے۔ ایک سبق ہے۔ یہ زندوں کا جلسہ نہیں۔ ان لوگوں کا مجمع ہے جو بساطِ حیات پر قمر چہاردہم کی طرح چمکے۔ اور جن کے نام آج بھی دنیا سر آنکھوں پر رکھ رہی ہے۔ یہ ہمدرد پہلے کی مردہ ہستیاں اور دورِ جہالت کی بھولی بسری صورتیں ہیں۔ مگر ان مرجھائے ہوئے پھولوں میں مہک باقی ہے۔ اور ان

پھولوں کی ہر پنکھڑی صحبت شب کا پتہ دے رہی ہے۔ مناظر قدرت سے بہرہ ور ہونے والی آنکھیں اگر زمانہ فرصت دے تو آئیں اور غور سے دیکھ لیں۔ صبا ہر صبح شام وفا کے پھول ان مٹی کے ڈھیروں پر چڑھا رہی ہے۔ خلق ان مردہ قدموں میں لوٹ رہا ہے۔ اور خلوص جوہر انسانیت ہے۔ عالم سنسان میں ان بے خبر سونے والوں پر فدا ہو رہا ہے +

(۳)

اللہ اللہ کیا وقت ہے۔ اور کیا لوگ ہیں مگر یہ وقت نکلنے والا اور یہ لوگ رہنے والے نہیں۔ آفتاب یہی ہوگا۔ طلوع و غروب کے اوقات بجنسہٖ ہیں گے۔ لیکن وقت یہ نہ ہوگا۔ یہ ان ہی لوگوں کی برکت اور ان ہی زندگیوں کی بہار ہے کہ عالم حیات گلزار بن گیا۔ پرانی عیدگاہ کی مشرقی سمت اس چٹیل میدان میں چلو۔ ظاہری آنکھیں بند کرو۔ اور دل کی آنکھیں کھول لو۔ کچھ صورتیں نظر آئیں گی۔ کچھ ہستیاں دکھائی دینگی۔ جن کے دل ہدایتوں کا مجموعہ اور حسنات کا مخزن ہونگے۔ انکے اعمال دیکھو انکے افعال پر نظر ڈالو۔ یہ مراحل موت و زیست سے آشنا ہیں۔ اور منازل دین و دنیا انکے پیش نظر۔ یہ وہ ہیں جنکی زندگیاں بحر دنیا میں دُر شاہوار بن کر چمکیں۔ اور جن کو موت نے عالم ارواح کی صف اولین میں پہنچا دیا۔ یہ وہ ہیں۔ جو پھول کی طرح رہے۔ اور خوشبو بن اڑ گئے۔ وہ بو فیض عام کے چشمے بہا اور بقائے دوام کے نام چھوڑ گئے۔

اس خاک کے اونچے نیچے ڈھیر میں ایک مرد کامل دفن ہے۔ اور یہ چند انٹیں رہبر سیاح اور اہل کی پشتیبان اس خزانہ کی محافظ ہیں۔ یہ بائی جی کا جد خاکی ہے جو ستر کے عدد کی عامل تھیں۔ کلام الٰہی کی عاشق اور سورۂ کوثر کی فریفتہ۔ یہاں ایک چھپر تھا جسکے بانسوں اور پولوں پر قصر سلاطین قربان تھے۔ اور بڑے بڑے اُمرا اور رؤسا اس خاک کو بوسہ دیتے تھے، چلو کھڑے ہو اور دیکھو سوچو اور غور کرو۔ جو پھول آج مرجھا گئے۔ جو جوہر اب مٹ گئے۔ دنیا جن باتوں کو ترس رہی ہے۔ دلی جن نفوس

مقدسہ سے تعبیر تھی وہ سب آناً فاناً نظر آجائینگے۔ ان ٹہلیوں کا فیض تمہارا مددگار ہوگا۔ شوق کے قدم اُٹھاؤ۔ اور دل کی آنکھیں وا کرو۔ یہ اجاڑ موسم بہار ہے۔ اور یہ خاک سرمہ چشم ہے

(۳)

شام کا اندھیرا۔ غروب آفتاب کی خبر لے آیا۔ رات کی سیاہی نے اسلیئے کہ عورت ذات تھی۔ رحم کی زبان سے قدرت کا پیام راحت پردۂ زمین کے کان تک پہنچا دیا ڈوبنے والا آفتاب باعتبار ہیئت ایسا ہی تھا جو آج چمک رہا ہے مگر بلحاظ قدامت قریب قریب ایک صدی چھوٹا۔ مسجد عبدگاہ نے مل توحید کی مہک سے بساط مغرب کو مہکا دیا۔ اذان و تکبیر کی صدائیں گونجیں اور امام کے سلام کا غلغلہ بلند ہوا۔ مسجد کا صحن جو اسوقت کھنڈر ہے والالی اور ورے جہاں خاک اڑ رہی ہے۔ بندگان خدا سے کچا کچ بھری ہیں۔ میرے دوستو! الفاظ میں اس وقت کی تصویر کھینچنی آسان نہیں تمہارے وہم و گمان میں بھی وہ مسلمان نہیں آسکتے۔ وہ لوگ تو در کنار جو کچھ میری آنکھیں شاہجہان آباد میں دیکھ چکیں۔ آج وہ سماں کو سطح نظر نہیں آتا۔ میری آنکھیں اُن صورتوں کو ترس رہی ہیں۔ اور میرا دل اُن حالتوں کو رو رہا ہے۔ جنہوں نے دلی کو شاہجہان آباد بنا دیا۔ وقت بدلا۔ ہوا بدلی۔ شہر بدلا۔ شہر والے بدلے۔ رہنا سہنا بدلا۔ کھانا پینا بدلا۔ کھانے کے ڈھنگ بدلے۔ پانی کا رنگ بدلا۔ نماز ہو چکی ایک پردیسی رئیس زادہ جسکے منہ پر پریشانی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اور چہرے کی افسردگی دل کی کلی کے مرجھا جانے کا پتہ دے رہی تھی۔ پہلو میں عقیدتمند دل لیئے مسجد سے باہر نکلا۔ یقین کے قدموں سے چلا امیدوں کے سایہ میں بڑھا حصول مقاصد کی آرزو دل کی تہ میں پوشیدہ تھی۔ ہمہ تن شوق۔ مائی جی کے چھپر میں داخل ہوا۔ امیرزادہ فرش مخملی پر بیٹھے اور ایرانی قالینوں پر بیٹھنے والا تھا۔ دنیا کی فقیرنی کے ہاں جو دین کی شہزادی تھی۔ مہمانوں کا تحفہ

چادر خاک تھی۔ پردیسی میرا اکیلا نہ تھا۔ کچھ بہتر تھے کچھ بدتر تھے۔ دولتمند بھی تھے محتاج بھی۔ لیکن اس دربار میں سب مساوی تھے جو مٹی زریں لباسوں کا بچھونا تھی۔ وہی پرانے کپڑوں اور برہنہ جسموں کی۔ لیکن یہ خاک ہر قسم کی آلائشوں سے پاک تھی جس پر بائی جی کے متبرک ہاتھ روزانہ جھاڑو دیتے اور ایسا بنا دیتے کہ خاک عیدگاہ آجتک مشہور ہے۔

عزیزو! اگر تمدن جدید اجازت اور تکلفات مغرب فرصت دیں تو اس خاک پر بیٹھ جاؤ۔ اور اس صحبت کو دیکھ لو یہ صف بستہ مسلمان معمولی انسان نہیں۔ یہ وہ ہیں جنکے سروں پر وضعداری کا مرصع تاج جگمگا رہا ہے۔ اور جن کے پاؤں میں خلوص کے دریا لہریں لے رہے ہیں۔ آندھی کا جھکڑ ہو یا بارش کا طوفان۔ انکی حاضری ناغہ نہیں ہوتی۔ یہ بیمار بھی اسی گوشہ میں آپڑتے ہیں۔ اور جس خاک کو ایک دفعہ آنکھوں سے لگا لیا اسکو کلیجے سے جدا نہیں کرتے۔ بائی جی مصلے سے اٹھیں۔ نون سے افطار کر چکی تھیں۔ مٹی کی ہنڈیا کھولی۔ بیجھڑ کی ایک روٹی کے ستّرہ ٹکڑے کیے۔ افن عام تھا بھورا بھورا سب نے چکھا ستّرہ گھونٹ پانی کے پیے۔ ہاتھ دھوئے۔ کلّی کی۔ ستّرہ دفعہ شکر کیا۔ اور حاضرین کی طرف متوجہ ہوئیں۔

غور سے دیکھ لو تسبیح سب کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا کا ذکر ہے۔ دین کے چرچے ہیں علم و فضل کے چشمے اس چھپر سے پھوٹ رہے ہیں۔ اور سلوک و جذب کے مراحل یہ خاک بہ آسانی طے کر رہی ہے۔

دنیا کے جھگڑے بیان اور عاقبت کے معاملات پیش ہوئے۔ بائی جی کے منہ سے پھول جھڑے۔ اور سامعین نے ان پھولوں سے اپنی گودیاں بھریں ایک شخص کی طرف دیکھا اور فرمایا:۔

بھائی چپ چپ کیوں ہو؟

شخص۔ مگر مزاج طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ بخار کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا کھانسی کی تکلیف اور بھی مرے پر سو درّے ہے۔ دو پہر سے دو دفعہ قے آچکا ہے

بائی جی تو بھیا تم کیوں آئے۔ شاید وہاں ضرورت ہو جائے۔

شخص۔ ارادہ تو کیا تھا مگر دل نہ مانا۔

بائی جی۔ ہمیں خبر کر دیتے۔ ہم سب وہیں آجاتے۔

شخص۔ خدا اسکو بچائے۔ حالت اچھی نہیں ہے۔

بائی جی دق کا اچھا ہونا مشکل ہے۔ کوشش میں کمی نہ کرو۔ باقی خدا پر چھوڑ دو۔ اب تم جاؤ۔

شخص۔ دل تو وہیں پڑا ہوا ہے مگر یہاں سے اُٹھنے کو بھی جی نہیں مانتا ابھی تو مشاعرہ میں دیر ہے۔ اپنے وقت پر چلا جاؤں گا۔

بائی جی اسکے بعد خاموش تھیں مجلس میں سناٹا تھا۔ نظر نووارد پر پڑی امیرزادہ انتظار کے پہلو بدل رہا تھا۔ پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے۔

رئیس۔ لکھنؤ سے حاضر ہوا ہوں۔ عرصہ سے قصد کر رہا تھا اب پورا ہونے کا وقت آیا۔ کچھ عرض کرنا ہے۔

بائی جی۔ کہو

رئیس۔ چاہتا ہوں کہ خدا کی محبت میں اسقدر مستغرق ہو جاؤں کہ کسی شے کا ہوش نہ رہے۔

بائی جی۔ تم نے تمام جیسے کسی اور انسان نے خدا کو اپنی آنکھ سے دیکھا؟

رئیس۔ وہ آنکھ سے نظر آنے کی شے نہیں ہے۔

بائی جی۔ محبت تو اسی سے ہو سکتی ہے جس میں جنسیت ہو یا مثلیت اس لیے بندے کی محبت خدا سے محال ہے۔ بندہ جس وقت مرحلہ فنا فی الرسول

کو طے کر جائے تو وہ فنا فی اللہ ہو گیا ۔

میں جانتا ہوں کہ بائی جی کا جواب قابل بحث ہے۔ مگر یہ بحث نفس مضمون سے دور ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ چرچے اب بھی کہیں نظر آسکتے ہیں۔ اور وہ صورتیں دکھائی دے سکتی ہیں جو اوہر تو اپنے ہاتھ سے بیجڑ کی روٹی پکائیں اُدہر محبت رسول میں اس درجہ مستغرق ہوں کہ سوائے رسول اللہ کے اور کوئی دوسری شے نظر ہی نہ آتے ۔

(۴)

آج یہ چاہے خواب و خیال ہیں۔ اور وہ متبرک صورتیں جو دلی کی خاک سے اٹھیں۔ ان گھنڈروں میں آرام کر رہی ہیں۔ خوش نصیب ہیں۔ جہان آباد کے وہ سیاح جن کو یہ دو تین اینٹیں صحبت شب کی آخری گھڑیاں یاد دلادیں شہر بہت کچھ ترقی کر گیا۔ شہر والے کہیں سے کہیں پہنچ گئے مگر ؎

ہم جسکو ڈھونڈتے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں ؟

رشید الخیری

پُر تاثیر خطیب

اخبار ہمدرد کے اردو خطیب کے خطبے سنو جو ہر ہفتے دین و دنیا کی بھلائی کے پر تاثیر وعظ سناتا ہے اردو زبان اس کے نرالے بیان پر جھومتی ہے کہوے ہوئے راستے اس خضر کے سامنے ہاتھ باندھے چلے آتے ہیں مشہور ماہوار رسالہ نظام المشائخ کے دفتر سے نکلتا ہے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے مضمون اب زیادہ تر اسی میں چھپتے ہیں چندہ سالانہ سے ۶ شش ماہی ۳ ہر سہ ماہی ۱۵ خریداران نظام المشائخ سے ۴ چہار شش ماہی ۲ ہر سہ ماہی ۱ ؎

منیجر خطیب دہلی سے منگائیے

۱۵۶

رعبِ حُسن

برق حسن رخ زیبا جو نظر سوز نہو رات دن آپ کو بیٹھا ہوا دیکھا کروں

دنیائے عشق و حسن کی مخلوق میں "رعب حُسن" بھی ایک معرکۃ الآرا اور مہتم بالشان شے قرار دیجئی ہے۔ واقعات و افسانہا کے ماضیہ سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے عاشقان الٰہی اور وارفتگان محبت گزرے ہیں۔ اُن میں سے کم و بیش ہر شخص رعب حُسن کی عشوہ گریوں کا شکار رہا ہے۔ ابتدائے تکوین عالم کو دیکھو۔ حضرت آدم سید الانبیاء کے کالبد خاکی کا بننا اور روح کا داخل ہوتے وقت ارشاد باری کے جواب میں یہ کہنا کہ "اے خداوند جل و علا یہ قالب خاکی کثیف و تیرہ و تار۔ اور میں مہر لطیف و پر انوار کس طرح اس سے ملحق و ملیم ہو کر مستقر ہو سکتا ہوں لا یجتمعان ضدان معًا اسکے جواب میں انوار مفرح و عیون اور تجلیہائے گوناگوں کا نور افشاں ضیا بار ہونا اور دفعتہ اُس روح اللطف و منور کا رعب حسن سے مرعوب ہو کر قالب عنصری میں شاداں و فرحاں داخل ہو جانا۔ (اللہ رے رعب حسن)

اللہ اللہ! حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا بار بار تقاضائے دیدار کرنا اور آپ کا ارشاد ہونا کہ:-

[illegible] تو مت سے ہو مانا۔ لیکن دیکھنے والے تجھے قوت دیدار بھی ہے

گھر نہ فگار کی موجیوں کو روک لینا آسان ہے مگر کیفیات باطنہ اور جذبات دلداوقہ کے طوفان بلا خیز کا تھامنا امکانی کوشش سے باہر ہے۔ اس طرح سے اضطرار بڑھا۔ اُدھر سے انکار بڑھا۔ اِدھر سے ناز بڑھا۔ اُدھر سے نیاز بڑھا۔ مگر یہ خدا کا سچا اور سچا عاشق اپنی سعی کامل اور جہد وافر سے آخر باز نہ آیا۔ لگاتار اور آن تک

کوششوں کا نتیجہ ایک دن یوں نمایاں ہوا کہ حضرت کلیم اثنائے کلام میں فوائد سخن سے حظ وافر اٹھا رہے تھے کہ یکایک آنکھوں کے سامنے فضائے آسمان میں بلندی پر ایک چمکتی ہوئی نورانی چادر پھیل گئی اور دفعۃً چاروں طرف نورانی شعلے بلند ہو ہو کر بھڑکنے لگے۔ اور خرمن ہوش و حواس کیلئے برق بلاسوز ہو گئے۔ حدت بڑھی۔ آنکھیں چوندھیا گئیں۔ سر چکرایا۔ دل دھڑکنے لگا۔ تلملا کے گر پڑے پھر کیا کلام اللہ کرنا کس طالب دیدار اپنے آپ کو سنبھالتا ہی دوبھر ہو گیا۔

OSMANIA UNIVE
LIBRARY
HYDERABAD

ہوئے ہم دیکھکر بے ہوش انکو خداوندا برا ہو بے خودی کا

اقلیم نبوت کا آخری تاجدار۔ حبیب خدا۔ رسول کردگار۔ غار حرا میں آنکھیں بند کئے یاد الٰہی میں مستغرق و محو بیٹھا ہے۔ ابر رحمت گھر گھر کے آتا ہے۔ اور نور کی پھواریں برساتا ہے۔ آنکھیں پرنور ہیں دل مسرور ہے۔ زبان وقف ذکر کردگار ہے روح محو تسلیم و رضا ہے کہ دفعۃً وحی آسمانی نازل ہوتی ہے۔ اور دبدبۂ شان رحمانی عجب دلال سبحانی سے متاثر ہو کر آپ کی جبین درخشاں۔ بلکہ سارا جسم نور افشاں

پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔ اور آپ مستغرق بحر تحیر ہو کر مبہوت و مسکوت ہو جاتے ہیں۔ "لب بند نفس بند دہن بند زباں بند"۔

تجھے دیکھنا چاہے اور دیکھ بھی لے کسی آنکھ والے کو ایسا نہ دیکھا

اللہ رے رعب حسن

اللہ اللہ! دیکھنا۔ حضور پر نور ایک مقام پر درخت کی چھاؤں تلے تھک کے لیٹ جاتے ہیں۔ اور ایک کافر شقی آتا ہے۔ غافل پاکر آپ کے سرہانے سے تلوار اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اور آپ کو بے قابو و تنہا پاکر سوال کرتا ہے کہ اب تجھ کو اس وقت تمہیں کون بچاتا ہے۔ آپ اوپر کی طرف اشارہ فرما کر کہتے ہیں کہ وہی خدا اس حسن ادا کو دیکھکر وہ شقی تھرا جاتا ہے۔ اور بیساختہ بلند آواز سے کہہ اٹھتا ہے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ اور پھر وہ سچا مومن اور پکا مسلمان ہو جاتا ہے۔ (اللہ رے رعب حسن)

مصحف رخسار تیرا دیکھکر کفر داخل ہو گیا اسلام میں

دلمیں ہزاروں تمناؤں اور آرزوؤں کا ہجوم ہے۔ حسرت و ارمان کی عظیم الشان بستی بسی ہوئی ہے۔ دل کا کوئی حصہ بھی ولولوں اور حوصلوں سے خالی نہیں شوق محبوب اور ذوق دلدار کی توقیر و تکبیر سے پہلو میں دل بے قرار مچلا جاتا ہے اور رہ رہ کے یہ خیال ڈھارس بندھاتا ہے کہ آپکے معشوق کا سامنا ہو اور افسانہ درد والم کا عظیم الشان دفتر لیکے بیٹھ جائے۔ خدا خدا کرکے جذبہ صادق نے اتنا اثر تو مرتب کیا کہ محبوب دلنواز کا کسی نہ کسی طرح سامنا ہوا مگر (اللہ رے رعب حسن) آنکھ ملتے ہی معلوم ہوا کہ دفعۃً کسی نے لبوں پر مہر سکوت چپکا دی۔ سارے جسم میں سنسنی لہو کپکپی پیدا ہو گئی۔ بار بار کوششیں کر رہا ہوں کہ کوئی لفظ موزوں یا مہمل قفس دہن سے نکلکر فضائے ہوا میں مگر کوئی صدا کی صورت پیدا کرے۔ مگر کیسی تاب اور کہاں کی طاقت۔ خاموشی اور غضب کی

خاموشی چھائی ہوئی ہے سناٹوں کی تہیں جمتی جمتی لگ گیا منہ میں زباں کے آبلہ جیسے

۴۸۶

ایک زنانی خانقاہِ اسلام

مصر و شام میں صلاح الدین اعظم کی وفات کے بعد طوائف الملوکی ہو گئی اس کے بیٹے عزیز اور سرداران فوج جدا جدا شہروں کے فرمانروا بن گئے جن میں ہمیشہ لڑائی رہا کرتی اور کوئی کسی کا دوست نہ تھا جس کا انجام یہ ہوا کہ آخر سلطنت خاندان ایوبی یعنی صلاح الدین کے گھرانے سے نکلکر فرمانروایان مصر کے پروردہ غلاموں کے ہاتھ میں آگئی +

۶۵۵ھ کے قریب رکن الدین بیبرس بندق داری کو سب نے ملکر تخت پر بٹھادیا اور وہ الملک الظاہر کا لقب اختیار کر کے مصر کا بادشاہ ہو گیا۔ اس کی دیندار بیٹی تذکار بائی خاتون نے قاہرہ میں ایک زنانی خانقاہ اسلام قائم کی جو ۶۶۴ھ سے ۸۰۰ھ تک یعنی ایک سو بائیس سال موجود رہی +

اس شاہزادی کے نام میں "بائی" کا لفظ دیکھ کے اکثر لوگوں کو حیرت ہوگی معزز شاہزادیوں اور بیگموں کے نام کے ساتھ یہ لفظ جو ہندی ہندو میں رہتا بستا ہے درازے چلا آتا ہے۔ [illegible] خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہندی الاصل لقب ہے۔ مگر اس مصری شاہزادی کے نام میں بھی اس لفظ کے [illegible] کہ یہ لفظ [illegible] پیدا ہوا اور صرف [illegible] کے ساتھ سواحل ہند پر آیا +

تذکار بائی خاتون کی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ بڑی نیک بیوی تھی باوجودیکہ آخر عمر تک [illegible] بڑی عابدہ و زاہدہ تھی۔ اور نہایت ہی متقی و پرہیزگار رہی کے ساتھ [illegible] اس عصر میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا۔ جہاں کسی [illegible] اور عالم و درویش کا نام سن پاتی۔ اسکی خدمت گزاری کو موجود ہوتی

خصوصاً عابدہ وزاہدہ عورتوں اور دیندار پاک دامن بیویوں کی تو وہ عاشق تھی۔ جہاں تک ممکن ہوتا اُن کی مدد کرتی۔ اور پاک دامن و بے کس خاتونوں کا ایک بڑا بھاری گروہ اُس کی فیاضی پر زندگی بسر کر رہا تھا۔

چنانچہ اسی شوق میں اُس نے دین دار اور نیکوکار بیویوں اور تارک الدنیا خاتونوں کے رہنے کے لیے ایک عالیشان خانقاہ بغداد میں جو "رباط بغداد یہ" اور "رواق بغداد یہ" کہلاتی۔ اور خانقاہ بیبرس کے قریب قاہرہ کے محلہ درب اصفر میں عین بازار کی جگہ واقع تھی۔

بیبرس نے ۶۷۵ھ میں وفات پائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین دار بیٹی نے باپ کی وفات کے آٹھ سال بعد اُسے قائم کیا۔ اور اُسکے قائم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ان دنوں مصر میں ایک بڑی مشہور و ممتاز بیوی زینب بنت ابوالبکات تھیں جو ولیۂ بے ہمتا اور مرشدۂ صاحبۂ دل سلیم کی جاتیں۔ یہ "ولیۂ بنت بغدادیہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔ تذکار بابی کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ اس لیے کہ ان کی وجہ سے سارے مصر کی عورتوں میں دینداری اور زہد و تقوے کا چرچا ہو گیا تھا۔ وہ دراصل بغداد کی رہنے والی تھیں۔ اور اندیشہ تھا کہ اپنے وطن مالوف میں واپس نہ چلی جائیں۔ بس اسی خیال سے اور محض اُنکے روکنے کے لیے تذکار بابی نے اپنی یہ زنانی خانقاہ تعمیر کرائی۔ اور اُس میں ان ولیۂ محترمہ بنت بغدادیہ کو مع اُن کی مرید و معتقد خاتونوں کے لا کے رکھا۔ اور انہیں کی وجہ سے اس خانقاہ کا نام رباط یا رواق بغدادیہ پڑ گیا۔

ولیۂ زینب کے ساتھ خانقاہ میں بہت سی عابدہ و زاہدہ عورتیں رہنے لگیں۔ اور ولیہ ممدوحہ کے بعد کوئی اور نیک بیوی اُن کی جانشین ہوئی اور اُسکے بعد یہ سلسلہ جاری ہو گیا کہ جب ایک شیخہ و مرشدہ کا انتقال ہوتا تو اُسکی سجادہ نشین

کوئی اُس کی مرید بی بی ہو جاتی۔ جس کا کام یہ ہوتا کہ مصر کے زنان خانوں میں جا کے بیبیوں کو دین داری اور اخلاق کی تعلیم دیتی۔ گھر گھر میں دین داری کا چرچا کرتی۔ اور شہر کی عورتوں کو جب کوئی دینی یا معاشرتی مشکل پیش آتی تو وہ فوراً اس خانقاہ میں دوڑی آتیں۔ اور یہاں کی نیک سیرت اور دین دار بہنوں سے تسلی تشفی کے ساتھ اطمینان بخش مدد پاتیں۔ بہت سی بیواؤں معمر شوہروں کی ستائی ہوئی مظلومہ خاتونوں کی جائے پناہ یہی خانقاہ تھی۔

اس خانقاہ کی بعد والی مشہور زمانہ سجادہ نشین اور مرشدہ محدثہ و فقیہہ بے ہمتا زینب بنت فاطمہ بنت عباس بغدادیہ تھیں۔ اُن کی عمر اسی برس سے زیادہ ہوئی۔ اور ذی الحجہ ۷۱۴ھ میں انہوں نے سفر آخرت کیا۔ وہ بہت بڑی عالمہ و فاضلہ اور لاجواب عابدہ و زاہدہ تھیں۔ بہت ہی تھوڑے پر قناعت کرتیں اور ہمیشہ نفع رسانی خلق میں مصروف رہتیں۔ ہر دم یاد الٰہی میں مشغول نظر آتیں اور جو کچھ کرتیں۔ خدا کے لیے کرتیں۔ دل میں خلوص اور خدا کا خوف تھا۔ شرع شریف کی پوری پوری پابندی کرتیں۔ اور بے نظیر واعظہ تھیں۔ اُمرائے مصر کے گھروں میں اُن کی وجہ سے وعظ کی زنانی مجلسیں ہوتیں اور اُن میں جا کے وعظ خوبی سے وعظ کہتیں کہ عورتوں پر اُن کی معجز بیانی کا بے انتہا اثر ہوتا۔ وہ تمام بیبیوں میں مقبول عام تھیں۔ اور ہر دل میں اُن کی جگہ تھی۔ دمشق و مصر کی ہزاروں عورتوں نے اُن کی ذات اور اُنکے علم و فضل سے بے انتہا فائدہ اٹھایا

یہ مرشدہ بیوی چونکہ عوام میں "بغدادیہ" کے لقب سے مشہور تھیں اس لیے اُن کے بعد سے معمول ہو گیا کہ جو خاتون اُن کی جانشین اور اس زنانی خانقاہ کی شیخہ و مرشدہ قرار پاتی وہ بھی "بغدادیہ" ہی کہلاتی۔ آخری بغدادیہ جنہوں نے اس خانقاہ میں نہایت ہی نیک نامی کے ساتھ زہد و تقوے کی زندگی بسر کی

بڑی ہی نیک بیوی تھیں۔ ان آخری بغدادیہ نے ۲۲۔ جمادی الاخری ۹۶۰ھ کو وفات پائی۔ اور اُن کے بعد سے اس خانقاہ کی اسلامی حالت مصر کی پولیٹیکل حالت بگڑنے کے باعث روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ جب ۱۰۰۶ھ کے ہنگامے شروع ہوئے تو یہ زنانی خانقاہ بالکل تباہ و برباد ہو گئی۔ اس لیئے کہ شورش پسندوں اور خصوصاً اس محلہ والوں نے جس میں یہ خانقاہ تھی۔ اس بات کی مطلقاً ممانعت کر دی کہ زاہدہ عابدہ عورتیں اس کی چار دیواری میں رہیں۔ یا زمانہ کی ستائی ہوئی بیویوں کا کوئی مامن دنیا میں باقی رہے۔ چنانچہ یہ خانقاہ بالکل اجڑ گئی۔ اور اسکے کھنڈروں پر جو وقت اصغر کے پھانک کے قریب تھے۔ بڑے بڑے وسیع بازار قائم ہو گئے۔ جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ خانقاہ کتنی بڑی تھی۔ اور کتنے رقبے پر حاوی تھی۔

علامہ "مقریزی" لکھتے ہیں "۔ ہم نے خود بھی اپنی آنکھوں سے اس خانقاہ کو دیکھا۔ اس میں وہ عورتیں آکے اقامت گزیں ہوتی تھیں جن کو شوہروں سے طلاق مل جاتی۔ یا اُنکے شوہر وفات پا جاتے۔ یہاں جبتک کوئی اُن کا خبر گیراں اور مدد معاون نہ پیدا ہو۔ وہ نہایت امن و قناعت کے ساتھ اپنی زندگی زہد و تقوے اور عبادت میں بسر کرتیں۔ اس کے حجروں میں عزلت گزیں ہو کے نفس کشی کرتیں۔ گناہوں سے بچتیں۔ اور شب و روز عبادات و وظائف میں مشغول رہتیں"۔

میں سمجھتا ہوں۔ بے حمیت شوہروں کی وجہ سے ہندوستان کے ہر بڑے شہر کو ایسی زنانی خانقاہوں کی ضرورت ہے۔ حضور عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال دام اقبالہا جو مسلمان بیبیوں کے لیئے فرشتۂ رحمت بن کے دنیا میں آئی ہیں۔ اس ضرورت کی طرف توجہ فرمائیں۔

(تہذیب)

تذکرہ غوثیہ (ح)

دنیائے تصوف و اقلیم طریقت میں ملفوظات کی ترتیب اور اقوال و کلمات مشائخ کے ضبط و تحفظ کا رواج قدیم سے چلا آتا ہے۔ اور اس باب میں صوفیائے کرام نے اپنے اپنے شیوخ کے ملفوظات کو حیز تحریر میں لانے کے لیے جسقدر احتیاط اور کوشش کی ہے۔ وہ قابل صد شکر و امتنان ہے۔ یہ بالکل واقعہ ہے کہ جس قدر اہتمام ضبط اقوال صوفیائے کرام کے لیے مسلمانوں نے کیا ہے حدیث کے بعد کم کہیں دوسرے علوم کے لیے کیا گیا ہوگا۔ اسیکا یہ نتیجہ ہے کہ آج تمام مشائخ عظام کے کلمات محفوظ ہیں اور ان سے قیمتی فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔

کبار مشائخ کچھ اسدرجہ شہرت سے نفور رکھتے تھے۔ اور فنا پذیری کا ذوق اسدرجہ اُنپر غالب رہتا تھا کہ تصانیف وغیرہ کی طرف بہت کم متوجہ ہوتے تھے کیونکہ وہ اس مشغلہ کو ہی کسب شہرت کا ذریعہ سمجھتے تھے اور چونکہ ؎

نویسندہ را نیست فردا امید نوشتہ بماند سیاہ بر سفید

کے مقصدے کے مطابق مذاق فنا پذیری کے خلاف اس مشغلہ کو تصور کرتے تھے۔ اور اسے ایک طرح پر حفظ وجود کا مترادف خیال کرتے تھے۔ اس لیے تالیف و تصنیف کے اہم مشاغل کو علماء کے لیے چھوڑ کر دوسرے مشاغل ہدایت میں اپنے گرانمایہ اوقات کو صرف کیا کرتے تھے۔ لیکن اس طریق کار پر بالعموم ہر شیخ کا پابند ہو جانا ضروری نہیں بہت سے صوفیائے کرام نے تصانیف بھی چھوڑی ہیں بلکہ یہ طریق عمل صرف ان بزرگوں کے لیے مخصوص رہا جو علمی مذاق سے یا تو تعلق نہیں رکھتے تھے یا تصوف کا رنگ و ذوق علمی پر غالب آگیا تھا۔

اِس کے علاوہ ملفوظات وہ جستہ جستہ خیالات ہوتے ہیں جو روزمرہ کی صحبتوں میں مشائخ اپنے مریدوں کے سامنے ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ یا اُن کے سوالات کا جواب ہوتے ہیں۔ اور یا پھر بعض متفرق مسائل پر اظہار رائے ہوا کرتا ہے اِن ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی صحبتیں کسقدر مقدس اور مفید ہوا کرتی تھیں۔ جنمیں سوائے اذکار مفیدہ اور کلمات رشیدہ کے لغو و دور از کار باتوں کا کبھی تذکرہ ہی نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ ملفوظات متفرق صحبتوں اور مختلف اوقات میں اِن بزرگوں کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہوا کرتے تھے۔ اور عقیدتمند مریدان باصفا ان کو بعد وفات یا بعض اوقات عین حیات ضبط کر لیتے تھے۔

اسمیں کلام نہیں کہ اہل تصوف کا یہ طریقہ نہایت مفید و نافع ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے تمام متفرق خیالات جو ایک وقت میں مسلسل نہیں لکھے جا سکتے۔ ایک جگہ جمع ہو جاتے اور مختلف مسائل پر بیش بہا آراء و افکار بزرگوں کے معلوم ہو جاتے ہیں جنکو مستقل تصنیف کی صورت میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ ادبی نقطۂ نظر سے انکو خیالات پریشان کہنا چاہیئے۔ مگر حقیقت میں یہ رشد و ہدایت کے جواہر پارے ہوتے ہیں جن کی جوت گم گشتگان بادیہ ضلالت اور راہ نوردان راہ معرفت کے لیئے شمع ہدایت کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی کے ملفوظات حضرت القدس حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر رح کے ملفوظات راحت القلوب۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے رشحات فیض فوائد الفواد۔ اسیطرح حضرت خواجہ باقی باللہ رح اور شاہ عبدالرحیم والد بزرگوار اعظم الناس فی حقائق الشریعۃ والطریقۃ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں وغیرہم کے ملفوظات اپنی ہدایت و دانائی میں مشہور ہیں۔

چونکہ ان حضرات کی محفلیں ہر وقت ذکر خیر سے معمور رہتی تھیں۔ اور ہر وقت

حقائق و معارف و نکات و رموز زبان فیض ترجمان سے جاری رہا کرتے تھے۔ اس لیئے یہ بھی ضرور تھا کہ انکو ضبط کر لیا جائے۔ اور اس طرح پر فیض معرفت کو حسنات جاریہ کی صورت میں تبدیل کر دیا جائے۔ مگر ملفوظات کا نافع و سود مند ہونا اور منفعت و مفاد کی کمی بیشی ارباب ترتیب پر منحصر ہے۔ کیونکہ ملفوظات علی الاکثر مریدین و مسترشدین ہی مرتب کرتے ہیں۔ اب اگر مرتب کرنے والا سمجھدار اور ذی علم ہے تو وہ شیخ کے ارشادات کے محل و موقع اور شیخ کی حالت، مخاطب کی حیثیت نیز دوسرے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھکر ترتیب دیگا۔ اس صورت میں وہ یقیناً نافع اور سود مند ہونگے اور اگر مرتب محض خوش عقیدہ اور فنافی الشیخ ہے۔ بجز عقیدت و ارادت کے فحوائے کلام استعداد مخاطب مصلحت وقت کے سمجھنے سے قاصر ہے تو قطعاً کلام شیخ کے حقیقی محل و موقع اور اسکے منشاء و مطلب کے سمجھنے میں اس سے غلطی ہوگی اور وہ بغیر سمجھے ضبط تحریر میں لے آئیگا۔ جس سے فائدہ کے بجائے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

مثلاً حضرت موسیٰ اور خضر کا قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک غریب کی کشتی کو توڑ دیا اور ایک یتیم کے مکان کو ڈھا دیا۔ اور کسی کو بلاوجہ قتل کر دیا جب وجہ معلوم ہوئی تو حقیقت واضح ہوئی کہ انکا یہ فعل بربنائے حکمت تھا مگر ایک ناسمجھ مرید خضر کے اس فعل کو بغیر بیان علت و حکمت جوں کا توں کتاب میں لکھدے اور ان افعال کو اس وجہ سے جو حضرت خضر علیہ السلام سے صادر ہوئے ہیں۔ ضرور جائز ہونگے لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو فرمایئے۔ اس سے بجز نقصان کے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اسی لیئے جامع ملفوظات کے لیئے ضروری ہے کہ وہ وسیع النظر اور عمیق فکر ہو جسے ملفوظات جمع کر رہا ہے صرف سماعت اور نقل پر اکتفا نہ کرے بلکہ شیخ کے انداز محل کلام سے بھی واقف ہو۔ تاکہ اس طریقہ سے ارشادات شیخ کو جمع کر سکے کہ اس سے مقصد

پہنچنے کا اندیشہ نہ رہے ۔

اس وقت تذکرہ غوثیہ نامی ملفوظات کی ایک کتاب ہمارے سامنے ہے اور ہم اسپر تنقیدی نظر ڈالنا چاہتے ہیں ۔ یہ کتاب عہد آخر کے مشہور مقدس بزرگ حضرت غوث علی شاہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ کے کچھ حالات و سوانح اور اقوال و ارشادات پر مشتمل ہے ۔

حضرت غوث علی شاہ صاحب دور گزشتہ کے ایک مقدس صاحب حال و صاحب دل بزرگ گزرے ہیں ۔ آپ کی طبیعت ابتدا ہی سے فقیر دوست و تصوف پسند واقع ہوئی تھی اور مذاق طریقت آبائی ورثہ کے طور پر طبیعت میں فطرۃً ودیعت رکھا گیا تھا ۔ چنانچہ بچپن ہی سے فقیر دوستی اعمال پسندی اور وظائف و اوراد سے گرویدگی کا ثبوت آپ دینے لگے تھے ۔ ابتداءً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا فضل حق خیرآبادی سے درسی کتابیں پڑھیں ۔ مگر تمام چھوڑ کر سیر و سفر کو چلدیئے ۔ سیاحی کا شوق بہت تھا ۔ چنانچہ ایک طویل مدت تک سیر و سفر کرتے رہے ۔ اور ہر جگہ کے مشہور بزرگوں سے فیض حاصل کرتے رہے ۔ اسمیں کسی مذہب و شرب کی خصوصیت نہیں رہی ۔ ہر قوم اور ہر مشرب کے صوفیاء سے ملے ۔ اور اُن کے طریقوں کے موافق تعلیم حاصل کی ۔ غرضکہ "تمتع زہر گوشہ یافتم" کے مصداق تھے ۔ آخر عمر میں پانی پت میں قیام فرمایا ۔ اور تقریباً اٹھارہ سال تک وہاں رہے ۔ اور وہیں وفات پاکر مدفون ہوئے ۔

فطرۃً بہت ذہین ۔ طباع اور ظریف واقع ہوئے تھے ۔ اور سیاحت کی وجہ سے تجربہ بہت وسیع تھا ۔ ہر قسم کی صحبتیں دیکھی تھیں ۔ ہزاروں واقعات نظر سے گزرے تھے اس لیئے طبیعت میں رشد و ہدایت فرمانی کا ایک ملکہ پیدا ہوگیا تھا ۔ جس طرح حضرت سعدی نصیحت و موعظت دلچسپ حکایات اور دل آویز قصے کہانیوں کے ذریعہ بیان

کرنے میں مشہور ہیں۔ کچھ اسی انداز سے حضرت غوث علی شاہ صاحب بھی نقلوں، حکایتوں اور ضرب الامثال وغیرہ کے پیرایہ میں نصیحت کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے چنانچہ کتاب زیر تنقید اس قسم کے ارشادات سے معمور ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ جناب شاہ صاحب کا طریقہ ارشاد نہایت مفید تھا۔

کتاب اپنی نوعیت میں اسقدر دلچسپ دل آویز ہے کہ اس قسم کی کتب میں شاید اس سے زیادہ دلچسپ کوئی دوسری کتاب نہیں ہو سکتی خصوصاً اردو میں تو نہیں ہے۔ آپ اشتہارات میں دیکھا ہوگا کہ اکثر کتابوں کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ شروع کر لینے کے بعد ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ تعریف فی الواقع تذکرہ غوثیہ کے باب میں بالکل واقعہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اسمیں وہ نقص باقی ہے یعنی جامع کتاب نے بعض اقوال و ارشادات ایسے بھی جمع کر دیئے ہیں جو صریحاً احکام شرعیہ کے خلاف ہیں۔ اور اُنسے عوام کو یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ شریعت و طریقت دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ اور طریقت کے بعد شریعت کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر حضرت شاہ صاحب کا اس قسم کا کوئی قول ہوگا بھی تو غالباً حالت سکر میں ہوا ہوگا اور جامع کو اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیئے تھا۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ذوالنون مصری کے ایک مرید پر راہ معرفت کی کشایش نہیں ہوتی تھی۔ اُسنے حضرت سے عرض کیا۔ آپنے کہا تمام ورد و وظائف اور نماز روزہ وغیرہ چھوڑ دو۔ اُسنے فرض کے علاوہ سب کچھ چھوڑ دیا۔ رات خواب میں رسول اللہ کی زیارت ہوئی اور تسکین دیگئے کہ جلد کامیاب ہوگے۔ صبح کو مرید نے سارا حال بیان کیا تو آپنے فرمایا شاید فرض نماز تم نے نہیں چھوڑی اگر فرض بھی ترک کر دیتے تو خود سرکار (اللہ تعالیٰ) آتے۔

اس قول سے مبتدع اور جاہل پیروں کو کسقدر تقویت پہنچتی ہے حقیقت یہ ہے کہ بزرگوں کے ایسے ہی اقوال ہیں جنکو سند سمجھکر وہ اوامر و نواہی سے بے نیاز ہو جاتے ہیں

اور سمجھتے ہیں کہ تصوف کو ان اعمال ظاہری کی حاجت نہیں ۔

اسی طرح ایک جگہ یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ توحید میں کمال حاصل کر لینے کے بعد پھر اسکو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اگرچہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔ مگر اسکے یہ معنی نہیں کہ ہر چہ خواہید بکنید چنانچہ ملفوظات میں عجیب و غریب انداز سے یہ حکایت لکھی ہے کہ کہیں کسی جگہ ایک متبع شریعت فقیر رہتے تھے وہاں ایک بحر توحید کے غواص بھی آنکلے۔ انہوں نے کہا کہ میاں فقیری سیکھو اس میں کیا رکھا ہے چنانچہ متبع شریعت صاحب نے امتحاناً ایک کتے کو ذبح کر کے اسکا پلاؤ پکایا۔ ایک بوتل شراب کی لی۔ اور ایک حسین عورت کو یہ چیزیں دیکر اسکو فقیر کے پاس بھیجا۔ فقیر صاحب کو یہ حال معلوم ہو گیا۔ اور انہوں نے پلاؤ کھا کر شراب پی اور عورت کے ساتھ بھی ہمخواب ہوئے۔ اور کہلا بھیجا کہ اس سے کیا ہوتا ہے۔ دوسرے دن متبع شریعت صاحب ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ملاقات کو چلے۔ رستے میں ایک ندی حائل تھی۔ انہوں نے ندی کو عبور کیا۔ اور عبور کرنے کی حالت میں گھوڑے نے پیشاب کیا تو دوسرے فقیر صاحب نے کہا کہ میاں نہر کو نجس کرا دیا۔ اسپر انہوں نے جواب دیا کہ سبحان اللہ۔ آپ کو فقہ کا یہ مسئلہ بھی نہیں معلوم کہ آب جاری نجس نہیں ہوا کرتا۔ یہ سنکر فقیر صاحب نے فرمایا۔ فداسی نہر تو مخالفت سے ناپاک نہ ہو۔ اور توحید کا بحر ذخار شراب وغیرہ سے گدلا ہو جائے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے ۔

اب خیال فرمائیے کہ اس حکایت سے عوام کس نتیجہ پر پہنچیں گے۔ اور کیسی خطرناک غلطی میں وہ مبتلا ہو جائیں گے۔ ہم غوث علی شاہ صاحب کی نسبت کوئی بدگمانی نہیں رکھتے۔ ہم کو معلوم ہے کہ وہ ایک صاحب شریعت اور پابند اوقات بزرگ تھے۔ ان سے اس خلاف شریعت و خلاف مصلحت گفتگو کو منسوب کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اسمیں کلام نہیں کہ ایسے اقوال سخت گمراہ کن ہیں۔ غالباً کوئی

خاص محل و موقع ہوگا جس وقت آنہوں نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا۔ اور سامع محل استعمال کی معرفت سے قاصر رہا۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محض انداز بیان اور تغیر لب لہجہ سے الفاظ اپنے بیان و مفہوم کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر کم استعداد لوگ نہیں سمجھتے اور غلط فہمی میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں +

اسی طرح کے بہت سے قصے نقل کیے گئے ہیں جو یقیناً سخت مضرت رساں اور خلاف شرع ہیں۔ جا بجا شیطان کے متعلق بھی بحث ہے اور عجیب و غریب فلسفہ اسکے ایمان دار و موحد ہونے کا بیان کیا گیا ہے جس کی نسبت اسکے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ایک عمیق ادبی تخیل ہے جسکو شریعت سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں۔ ایک جگہ اسکو نقل کیا گیا ہے :-

"مذہب عاشقان یک رنگ ابلیس و محمد است ہمرنگ"

اس مردود شعر پر حضرت شاہ صاحب کا جو قول نقل کیا گیا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ایسی گفتگو سخت بے ادبی اور گستاخی ہے مگر واقعہ یہی ہے کہ مقام توحید میں سب ایک ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم شان ہدایت کے مظہر اور ابلیس شان ضلالت کا ہے۔ دونوں باتیں خدا کی طرف سے ہیں +

مگر یہ تصویر کا ایک رخ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ ایسے ہی اقوال و ملفوظات ہیں۔ جنہوں نے تصوف کو بدنام اور صوفیوں کو اصل تصوف سے جدا کر کے اُن کو طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا کر دیا ہے مگر اس کتاب کا دوسرا رُخ نہایت مفید بہت دلچسپ اور فائدہ بخش ہے۔ امثال و قصص کے ذریعہ لوگوں کے سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔ بعض اچھی باتوں کو مثلوں اور قصوں کے ذریعہ ذہن نشین کیا گیا۔ اور بعض بُری باتوں سے روکا گیا ہے۔ اور چونکہ پیرایہ بیان کا دلچسپ ہے اس لیئے سامعین پر یقیناً اثر مرتب ہوا ہوگا۔ اور اب بھی کتاب دیکھنے والوں

اُنسے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً جاہل صوفیوں میں قبر پرستی کا اسقدر رواج ہے کہ اگر اُنکو سمجھایئے اور کہیئے کہ یہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے تو وہ اور زیادہ متشدد ہوجاتے ہیں۔ اور سمجھانیوالے کو غیر مقلد و وہابی غیرہ کہنے لگتے ہیں۔ لیکن اگر نرمی و ملاطفت کے ساتھ اور ذرا دلکش طرز استدلال سے سمجھایئے تو اسکا کچھ اثر بھی ہوجاتا ہے ورنہ نہیں۔ چنانچہ تذکرہ غوثیہ میں ایسے مواقع بہت ہیں جہاں اس قسم کے ارشادات موجود ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جب ہم کرت پور میں گئے تو علی الصباح سجادہ نشین صاحب نے حضرت احمد شاہ صاحب کے مزار کا طواف و سجدہ کیا۔ ہم نے کہا حضرت طواف اور سجدہ تو میاں ادا ہوا۔ اگر حضرت غوث الاعظم کے مزار پر آپ جائیں تو وہاں کیا کیجئے گا۔ اور حضرت رسول مقبول ع کی زیارت کے لیئے کیا چھوڑا اور سب سے آخر میں خدا کا ادب و تعظیم کس طرح ادا ہوگی۔ وہ خفا ہوگئے اور بولے کہ میاں طالب علم سمجھتے ہیں۔ اسی لیئے فیض نہیں ہوتا۔ ہنسے کہا کہ صاحب ایسے فیض کو ہمارا سلام ہے۔ جسکے لیئے خدا کو چھوڑ کر دوسرے کے آگے سر جھکائیں اور توحید سے نکلکر شرک میں مبتلا ہوں۔

یہ ایسی گفتگو ہے کہ جس وقت مریدوں کے سامنے بیان کی گئی ہوگی وہ محظوظ ہوئے ہونگے۔ اور قبر پرستی کی ندمت اُنکے ذہن میں راسخ ہوگئی ہوگی۔

ایک جگہ مریدوں سے اپنے ذاتی کام لینے کا پیروں کے متعلق یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ موضع منڈاور میں ہم وہاں کے صاحب سجادہ کے پاس بیٹھے تھے چونکہ اکثر بزرگوں کی عادت میں داخل ہے کہ اپنے مریدوں سے ہر قسم کا کام لیتے ہیں میاں صاحب نے بھی اپنے مریدوں کو ہلوں میں جوت رکھا تھا۔ ایک روز جب مرید ہل جوت کر آئے تو آپنے فرمایا کچھ اللہ اللہ بھی کرلیا کرو تو مرید کیا کہتے ہیں کہ آئی ہم بدنصیبوں کی کم بختی۔ دن کو تو ہل جوتیں اور اللہ اللہ کریں۔ بھلا کیونکر جمیں گے۔ کس شامت نفس میں مبتلا ہوگئے۔ بارے ایسی پیری مریدی سے۔

یہ بات سُن کر ہم تو ہنسنے لگے۔ اور پیر جی چُپ ہو گئے۔ کچھ جواب نہ دیا۔ فی الحقیقت مریدوں سے کام لینا بہت بُرا ہے۔ اور بالخصوص طالب خدا سے اگرچہ بعض اولیاء اللہ نے بھی طالبان الٰہی سے بہت سخت کام لیے ہیں مگر اسمیں کچھ مصلحت تھی۔ اور آخر انکو اپنے مطلوب سے ملا دیا۔ یہاں تو خرابی یہ ہے کہ اکثر پیرزادے صاحب سوائے خاندانی بزرگی کے اپنی گرہ میں کچھ نہیں رکھتے مگر مریدوں کی خوب خبر لیتے ہیں۔ اگر کوئی راسخ الاعتقاد مرید اپنی محبت سے پیر کا کچھ کام کرے تو مضائقہ نہیں۔ مگر اسکا بھی بدلہ دینا پیر کے لیے ضروری ہے۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۔

یہ جو لوگ ہمہ اوست ہمہ اوست رات دن پکارا کرتے ہیں۔ اور بغیر سمجھے بوجھے ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اُن کو ایک حکایت کے ذریعہ کیسی اچھی تعلیم دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سے ملے۔ نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ بہ صفت موصوف تھے۔ ہم چند روز وہاں ٹھیرے۔ ایک دن میاں صاحب فرمانے لگے کہ تم ہمہ اوست کیوں نہیں کہتے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت جو کہتے ہیں وہ خالی نہیں خالی ہیں۔ اور جو خالی ہیں وہ کہتے نہیں ؎

ایں دعویاں و طلبش بیخبر نشد کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

دوسرے یہ کہ ہم ٹھیرے طالب اور ہمہ اوست کہیں تو طلب کس کی کریں۔ شاہ صاحب تو چپ ہو رہے مگر اُنکے خلیفہ صاحب بولے۔ ہمارے حجرے میں آؤ۔ ہم تمکو توجہ دینگے ہم نے کہا بسم اللہ۔ وہ حجرے میں جاکر توجہ دینے بیٹھے۔ ہم نے کہا کہ حضرت اسوقت تو آپ بالکل مولانا نیاز احمد معلوم ہوتے ہیں۔ خلیفہ صاحب نے کہا۔ اجی استغفر اللہ۔ ذرہ کو آفتاب سے کیا نسبت۔ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"۔ ہم نے کہا۔ سبحان اللہ خدا بننے کے لیے تو تیار ہیں مگر نیاز احمد نہیں بن سکتے۔ بس رکھیے اپنی توجہ کو۔ ایسے شخص کی

توجہ کس کام کی۔ جو کبھی تو خدا بن بیٹھے اور کبھی بندے کا بھی بندہ ۔

ایک مرتبہ کسی نے شاہ صاحب کو خط لکھا۔ اور بیعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپنے اسکو جواب لکھوایا کہ اُن کو لکھدو کہ پہلے ان کاموں کی ایک فہرست تیار کرکے بھیجدیں جو مرید ہونیکے بعد ہم سے لیں گے۔ اِسکے بعد فرمایا کہ آجکل تو لوگ اس لیئے مرید ہوتے ہیں کہ رزق۔ اولاد۔ بیماری۔ آزاری میں پیر اُن کی مدد کرے۔ گنڈے تعویذ لکھے اور جس قسم کی شکایت ہو اُسکو رفع کرے۔ خدا کے لیئے کوئی بھی مرید نہیں ہوتا ۔

غرضیکہ اس قسم کے مفید ارشادات نہایت کثرت سے کتاب میں موجود ہیں اور چونکہ طبیعت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی بہت ظریف تھی اسلیئے اکثر باتیں ایسے انداز سے کرتے تھے کہ بہت موثر و دلنشیں ہوجاتی تھیں۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ کی ظرافت طبع کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ وہ کس قدر ظریف اور حاضر جواب تھے۔ اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ کس درجہ مستغنی و بے نیاز اور اہل دول سے کسقدر بے پرواہ تھے ۔

فرمایا جب ہم بھوپال پہنچے تو ایک پہاڑی پر ٹہیرے جو تال بھوپال کے کنارے پر ہے۔ ایک دن سکندر بیگم والیہ بھوپال یہ حال سُنکر کہ کوئی فقیر آکر شہر سے باہر ٹہیرا ہے۔ ملاقات کو آئیں۔ چند خواص اُنکے ہمراہ تھیں۔ خود گھوڑے پر سوار قریب آکر یہ شعر پڑھا ؎

کیوں شہر چھوڑا عابد غار جبل میں بیٹھا جسکو تو ڈھونڈھتا ہے وہ تیری بغل میں بیٹھا

اور فرمایا شاید آپ کا ارادہ بیت اللہ شریف کا ہے۔ ہم نے کہا۔ ہاں ہے تو سہی۔ اتنے میں دوسری بیگم صاحبہ جو اُن کے ہمراہ تھیں یوں گویا ہوئیں ؎

عابد و معبود دونوں پاس ہیں غافل ترے کیوں کرے پھر تو ارادہ طوف بیت اللہ کا

ہم نے دیکھا کہ یہ تو سر پر چڑھی جاتی ہیں۔ اب سکوت مصلحت نہیں۔ ناچار تیغ

زبان کو خاموشی کی نیام سے کھینچکر اس شعر کی ضرب لگائی ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

یہ سُنکر بیگم صاحبہ بولیں کہ لو یہ تو شہری معلوم ہوتے ہیں مگر چوٹ گئے ہیں۔ ہم نے کہا جی ہاں مگر آپ سے۔ بیگم صاحبہ لوٹ گئیں۔ اور گھوڑے سے اُتر پڑیں۔ اور کہا ہمارا قصور معاف ہو۔ معلوم ہوا کہ آپ سب طرح درست اور پورے ہیں ہم نے کہا کہ آپ آزمایش اور پیمایش کر لیجئے۔ اگر کمی بیشی ہو تو قصوروار ہیں پھر تو بیگم صاحبہ پھڑک گئیں۔ اور کہنے لگیں کہ میاں صاحب! کیا یہاں بولنا ہی خطا ہے۔ ہم نے کہا۔ اسمیں کیا شک ہے۔ آپنے نہیں سنا۔ من سکت سلم ومن سلم نجی۔ یہاں سب طرح کا سامان موجود ہے۔ دیکھ لو دکھا لو۔ پرکھ لو پرکھا لو۔ سودا نقد ہے اِس ہاتھ دو اس ہاتھ لو ؛

بیگم صاحبہ بولیں بیشک ہمارا زبان کھولنا غضب ہو گیا اب ہماری تمہاری صلح ہے۔ ہم نے کہا اچھا ؎ اگر صلح خواہی نخواہیم جنگ ؛ وگر جنگ جوئی ندارم درنگ ؛

غرض عذر تقصیر کے بعد نذر پیش کی اور کہا آپ شہر میں تشریف لے چلیئے۔ تو ہمکو ہر وقت آپ کی زیارت نصیب ہو اور آپکو بھی آرام ملیگا۔ ہنسے کہا۔ بیگم صاحبہ ہمکو تو یہی بڑا آرام ہے کہ اپنا رام نہ بنائیں اور دوسرے آرام سے رہنے دیں۔ وہ سکر کر چپ ہو رہیں اور رخصت ہوئیں ؛

ایک دفعہ حج کے بعد ہندوستان واپس آئے اور پھر فوراً واپس گئے۔ وہاں مولانا یعقوب اور مولانا شاہ اسحٰق صاحب مہاجر تھے۔ مولانا یعقوب نے فرمایا کہ ابھی تو گئے تھے اور پھر آگئے شاہ غوث علی صاحب نے جواب دیا کہ اب تو قصور ہو گیا۔ اسپر مولانا یعقوب ہنسنے لگے ؛

غرض یہ ہے کہ اُن کی بات بات ظرافت و خوشدلی ٹپکتی تھی۔ اور اپنی گفتگو ضرب الامثال اور شعروں سے مزین کرنیمیں ملکہ حاصل تھا۔ اسوجہ سے اُنکے ملفوظات نہایت دلکش و دل آویز ہیں ؛

۵۸۶

حمد

ظاہر آنکھ سے جاناں نہیں تجکو دیکھا
غور جب ژرف نگاہی سے کیا۔ ہاں دیکھا

زلف آشفتہ تری گرچہ نہیں آئی نظر
صحن میں باغ کے سنبل کو پریشاں دیکھا

نہ سنی گو تری آواز خوش آیندہ مگر
نغمہ خواں بلبل شیدا کو خوش الحاں دیکھا

رخ تاباں نہ سہی تاب تو محسوس ہوئی
مہر کو چرخ چہارم پہ درخشاں دیکھا

گو بنا گوش نہیں۔ آب تو دیکھی اُس کی
دُر تابندہ سر دامن عمّاں دیکھا

لب لعلیں نہ سہی رنگ تو پایا اُسکا
سینۂ کوہ میں جب لعل بدخشاں دیکھا

چشم نرگس تری مستور رہی آنکھوں سے
آہوئے برق نگہ گرد بیاباں دیکھا

برسر چاہ ذقن تشنۂ دیدار رہا
بحر ابیض میں مگر چاہ زنخداں دیکھا

قہر بھی دیکھ لیا مہر بھی دیکھی تیری
برق تلوار کی کڑک قطرۂ نیساں دیکھا

عدل و انصاف نہ کیوں پیہم ہو تہ چرخ برس
آنکھ اٹھائی تو فلک پر ترا میزاں دیکھا

فہم و ادراک و خرد سے تجھے بالا پایا
عقل کو رات جو در پر ترے حیراں دیکھا

برق نے چشم تصور سے مگر دیکھ لیا
جوش سے دوش اُسے میں نے غزلخواں دیکھا

منظور محمد بی اے۔ برق

۵۸۷

امداد کر بہر خدا

اے قاصد باد صبا
جانا سوئے بطحا ذرا

قرب حریم مصطفیٰ
یوں جا کے کرنا التجا

اے تاجدارِ ھَل اَتیٰ امت ہی محتاجِ عطا
رنجور ہے بیمار ہے
مجبور ہے ناچار ہے امداد کر بہرِ خدا

پھر کہنا یہ بالالتجا اے نیّرِ ہر دو سرا
آیا ہے ہنگامِ دعا امت ہے پامالِ بلا
ناحق ستمگر اشقیا ڈھاتے ہیں ظلمِ ناروا
ہر دم نئی بیداد ہے
اے داد گر فریاد ہے۔ امداد کر بہرِ خدا

چھائی ہے آفت کی گھٹا چلتی ہے کیا اُلٹی ہوا
دریا میں طوفاں ہے بپا بیڑا بھنور میں آگیا
اے ڈوبتوں کے ناخدا بس اِک سہارا ہے ترا
منجدھار میں ہوں بے خبر
کہتا ہوں یہ با چشمِ تر۔ امداد کر بہرِ خدا

کب تک رہیں ہم بینوا منت کشِ دستِ دعا
مجبور ہو کر اب شہا لب پر گلا ہے آگیا
سُن لیجئے بہرِ خدا فریادیوں کی التجا
تیری بڑی سرکار ہے
رحمت تری درکار ہے۔ امداد کر بہرِ خدا

عاصی سہی لیکن شہا لیتے ہیں نام اسلام کا
دم بھرتے ہیں توحید کا پڑھتے ہیں ہم کلمہ ترا
سینے میں داغ عشق کا شعلہ ہے اک جلوہ نما

اعمال گو ابتر سہی
اضال گو بدتر سہی — امداد کر بہر خدا

جس نے مجھے زندہ کیا — گویا وہ میری تھی قضا
لیکن وہ وقتِ جاں گزا — افسوس سر پر آگیا
ہے جس میں دیں کا فیصلا — اب اے رسولِ کبریا
لینا خبر انجام کی
ہو خیر دین اسلام کی — امداد کر بہر خدا

محمد یٰسین سدرونوی

۴۸۶

بلغِ شدّاد

کون دنیا میں نہیں آگاہ ہے شداد سے — بادشاہِ وقت تھا وہ ایک قومِ عاد سے
گرم تھا بازارِ ملعبیں اور عہدِ ہود تھا — لیکن ایسا سرکش و خود سر بھی اُن موجود تھا
جاہ و حشمت حق نے دی تھی مال و دولت بیشمار — بادشاہانِ جہاں تھے اسکے سب باغت گزار
ہود پیغمبر گئے اُس کی ہدایت کے لیئے — نکتہائے پیش قیمت اُس سے یوں آخر کہے

کر ادا شکر خدائے کارساز — جسنے بخشی ہے تجھے یہ دولت و عمرِ دراز
سیکڑوں یہ بیویاں یہ دولتِ حسن و جمال — یہ خزانے یہ جواہر اور یہ مال و منال
یہ کنیزیں حور پیکر اور یہ خیل و حشم — یہ عروجِ بادشاہی اور یہ جاہ و حشم
اور ہیں اسکے سوا بھی نعمتیں کچھ اور بھی — دیکھ اُسکے فضل کر نیکے بھی کتنے طور ہیں
بندگی کر بے خبر یوں منکرِ نیروان نہ ہو — چار دن کی زندگی پر اسقدر نازاں نہ ہو

اِس طرح شدّاد بولا اُن کے پندِ سودمند — میں تو اک شاہِ غنی ہوں مجکو کیا خوف و گزند
وقف کرتا ہے جو کوئی خود کو خدمت کیلئے — ایسا کرتا ہی وہ عزّ و جاہ و دولت کیلئے
جب مجھے یہ سب میسّر ہے تو کیا مجکو ضرور — پھنسوں میں طوقِ غلامی تیرے آقا کے حضور

سُن کے یہ الفاظ بولے رہنمائے راہ دیں — بندگی کرنیسے اُسکی پائے گا خلدِ بریں

اِس طرح گویا ہوا حضرت سے تب وہ بدسرشت — خواب کا قصہ ہی یہ افسانۂ باغِ بہشت
عزم ہے میرا بناؤں میں یہاں اُسکی نظیر — جسکا وعدہ کرتا ہی یوں آپکا ربِّ قدیر
وہ بہار باغ پھر اور میری ہستی دیکھنا — روز و شب صبح و مسا عشرت پرستی دیکھنا

ملک تھا شدّاد فرماں کا دنیا میں وسیع — جتنے تھے سردار تھے وہ سب کے سب اُسکے مطیع
قاصدوں کو چار سو دوڑا دیا بے رنج و غم — سیم و زر جتنے جواہر ہو سکیں کر لیں بہم
اور زمیں چالیس فرسنگ اُسنے کی پسند انتخاب — جو بہت ہموار تھی بے مثل و عمدہ لاجواب
اُس زمیں پر اک بڑا ایوان بارونق بنا — رشکِ گلشن اسطرح میدان لق و دق بنا
سنگِ مرمر نے جگہ پائی اگر آثار میں — خشت سیم و زر لگیں اُسکے در و دیوار میں
میوہ ہائے خوش مزہ تھے باغ کے اشجار میں — نہریں شہد و شیر کی جاری ہوئیں گلزار میں
جمع کر کے طفلِ خوشرو خوبصورت لڑکیاں — باغ میں رکھے بجائے حور و غلمانِ جناں
بعد اک مدت کے آخر ہو گیا تیار وہ — حسبِ خواہش بن گیا شدّاد کا گلزار وہ

ایک عرصہ تک رہیں درپیش کچھ مجبوریاں — اسلیئے وہ دیکھنے آیا نہ گلزارِ جناں
ایک دن پھر آخرش باکرّ و فرّ خیل و حشم — شادمانی سے چلا وہ جانبِ باغِ ارم

اک قدم باہر تھا جب اور ایک اندر باغ کے ہوگئی آزاد اسکی روح قید خاک سے

اب نہ وہ باغ ارم ہے اب نہ وہ شداد ہے داستان کبر و نخوت اسکی اب تک یاد ہے

ہے اگر کرنا خدا کے واسطے کر ایسا کام
بعد مرنے کے رہے دنیا میں باسط نیک نام

باسط بسوانی

۴۸۶

حیا

اے حیا! اے زیور ایمان و دیں تو نہیں باقی تو پھر کچھ بھی نہیں
احترام قوم تیرے ہاتھ ہے آبرو ملت کی تیرے ساتھ ہے
جھیپ اور ڈر پر تجھے کرنا قیاس بے سند ہے بے حقیقت، بے اساس
تیری قوت تیری صولت، تیری شاں ہے کہاں محتاج اظہار و بیاں
ہے غضب کا تیرا انداز نیاز جس کے آگے جھک پڑیں گردن فراز
تیرے جادو سے نگاہ بشر گئیں بیٹھ سکتی دل پہ ہے بن کر نگیں
سب سے بڑھ کر حسن کا زیور ہے تو آدمیت کا بڑا زیور ہے تو
تو ہے دولہن کے لیئے سچا سنگار تجھ سے بوڑھی بیبیوں کا ہے وقار
تو ہے اک افسوں پئے دفع نظر تو بتا دیتی ہے فرق خیر و شر
تو اگر ہو پھر کہاں مکر و ریا تیرے آگے پست ہیں حرص و ہوا
وسوسے کی رگ پہ اک نشتر ہے تو اور ہوس کے حلق پہ خنجر ہے تو
جن دلوں پر حکم ہے تیرا رواں کب بدی کا ہو گزر ممکن وہاں

دست و پا ہوں تیری نگرانی میں گر — رُخ نہیں کرتے کبھی وہ سوئے شر
جس زباں کو دے دیا تو نے لگام — کر دیا ٹھیک اُس کا اندازِ کلام
ہے گوارا فقر و ناداری تجھے — پر نہیں منظور ہے خواری تجھے
آنچ آتی ہو جو تیری آن پر — کھیلنا ہے سہل تجھ کو جان پر
کبر و خودداری سے ہو مانوس تو — پاسبان عزت و ناموس تو
ہر گنہ سے تو بچایا کرتی ہے — امن کا رستہ دکھایا کرتی ہے
جب خیالوں میں اُٹھے کچھ شور و شر — نفس آمارہ ہو جب دم خیرہ سر
عقلِ ناقص جب ہو مغلوبِ قصور — آئے دورانديشيوں میں جب فتور
جب ہوا و جہل آنکھ سے راہ پائے — دل ہو جب آمادۂ جرم و خطا
اے حیا! اُسوقت تو آتی ہے کام — دل کا دامن زور سے لیتی ہے تھام
عفت و عصمت کی حرزِ جاں ہے تو — اے حیا! اک آیتِ ایماں ہے تو
تو نشانِ خاص ہے اسلام کا — دخل کیا یاں دوسری اقوام کا

عرشی

فیشن

اب تو ہر سمت وہ پھیلی ہی ہوئے فیشن — دوسرا خبط نہیں کوئی سوائے فیشن
ہر قدم پر ہمیں فیشن کی ہے اب محتاجی — ہائے ایسے ہوئے ہم محو ادائے فیشن
کھانے پینے میں۔ ملاقات میں سیاحی میں — ہر جگہ آتی ہی رہتی ہے ہوائے فیشن
اب تو اس طرح میں پابندۂ فیشن احباب — جیسے پیدا ہوئے یہ صرف برائے فیشن
اپنی اوقات سے باہر ہے ہر کام مرا — کر گئی خبط مری عقل۔ ہوائے فیشن

اپنی پوشاک سے بہتر ہے لباس انگلش
یہی رہ رہ کے اب آتی ہے صدائے فیشن

سب کے انداز سے بہتر ہے ادائے یورپ
یہی کہتا ہے ہمیں راہ لقائے فیشن

نوجوانوں ہی پہ موقوف نہیں یہ آفت
ساری دنیا نظر آتی ہے فدائے فیشن

عورتیں۔ بچے۔ کہن سال۔ ملازم۔ نوکر
اب تو ہر سر میں سمائی ہے ہوائے فیشن

سیکڑوں گھر ہوئے ویران۔ ہزاروں مفلس
دیکھی جاتی نہیں آنکھوں سے جفائے فیشن

دولت و مال جو مت جائے نہیں کچھ پروا
ہاں مگر اپنی طبیعت سے نجائے فیشن

ہے بجا اسکو جو کہیے مرض عالمگیر
اب نہیں کوئی زمانہ میں دوائے فیشن

جتنے انداز تھے اسلام کے وہ بھول گئے
یاد کچھ بھی نہیں افسوس سوائے فیشن

جب یوں ہی بادۂ غفلت میں رہے سرشار
کیا عجب قعر ضلالت میں گرائے فیشن

دوستو! دیکھو خدا کیلئے اب بھی سنبھلو
کہیں ہستی کو تمہاری نہ مٹائے فیشن

ہے تمہارے لیئے موزوں روش اسلامی
سادگی چاہیئے تم سب کو بھائے فیشن

کیا سنے خاک کسی کی وہ نصیحت یکتا
سر میں سودا کی طرح جسکے سمائے فیشن

شمس الدین حیدر یکتا

ہوتا

زندگی تھی تو کچھ کیا ہوتا
نہ کیا تو نے کچھ تو کیا ہوتا

کام ہی سے ہے نام انساں کا
آدمی تھا تو کام کا ہوتا

دور کرتا اگر کدورت کو
سینہ گنجینۂ صفا ہوتا

کرتا گر عمر بھر عبادت حق
بندگی کا نہ حق ادا ہوتا

اشرف الخلق ہے جہول انساں
سعی کرتا تو کیا سے کیا ہوتا

گر زباں سے زیاں نہ ہوتا کچھ
جو دلوں سے نکل گیا ہوتا

خواہش نفس اگر نہ ہوتی کچھ
فضل تیرا ہی اے خدا ہوتا

چاہتا ہے بشر کہ سب کچھ ہو
جب نہ چاہے خدا تو کیا ہوتا

غیر حق سے اگر نہ رکھتا کام
بخدا تو بھی باخدا ہوتا

تو پس و پیش سے ہوا پیرو
آپ اپنا ہی پیشوا ہوتا

دم آخر ہے زیست سے نومید
موت سے پہلے مر گیا ہوتا

فکر دنیا تمام عمر رہی
کچھ تو ذکر خدا کیا ہوتا

بے خدا کے نہیں نظام جہاں
تنا جو ممکن تو باخدا ہوتا

تو بشر ہو کے شیوہ شیطاں
سعی کرتا ولی بنا ہوتا

رس تھی خواہش بنا تا خاک کو
نفس تیرا ہی کیمیا ہوتا

ہے منافع رساں ہی خیر الناس
اے بشر کچھ نہ شر کیا ہوتا

آدمیت یہ آدمی کی تھی
جو کہا تھا وہی کیا ہوتا

آشنا صورت آشنا ہی ملے
کوئی تو درد آشنا ہوتا

پیچھے پڑتے اگر برائی کے
ایک آفت کا سامنا ہوتا

ہو کے انسان کچھ ہوا نہ ذہین
کچھ تو اے بندۂ خدا ہوتا

ذہین

۴۸۶

وقت

اللہ اللہ دستو یہ وقت بھی کیا چیز ہے
مال و زر لعل و گہر یہ سب سے اعلیٰ چیز ہے

ایک اک ساعت کو اپنی بیش قیمت جاننا
ہر منٹ ہر لحظہ ہر لمحہ غنیمت جاننا

آنا جانا ایک دم کا عمر کا اک حصہ ہے
سانس جب دم رک گیا سمجھو کہ بس قصہ ہے

ہے حبابوں کا تماشا ہستیٔ ناپائدار
دیکھکر ہنستی ہے دنیا ہستیٔ ناپائدار

اپنے قالب میں یوں ہی ہے اپنی روحِ بیوفا
جیسے پھر جاتی ہے دریا کے حبابوں میں ہوا

چشمک برقِ تجلی زیست کی رفتار ہے
ایک ہی جھپکی کے آجانے میں بیڑا پار ہے

آفتِ سیلِ فنا جسوقت سر پر آگئی
ایک ہچکی زندگی کی ناؤ کا لنگر ہوئی

دوستو! سمجھو غنیمت یہ حیاتِ مستعار
ہے طلسمِ نقشِ حسرت یہ حیاتِ مستعار

بیوفا ہے زندگی اچھی طرح پہچان لو
کام جو اچھا ہوا سمجھو بس غنیمت جان لو

وقت جب قابو سے نکلا ہاتھ آنیکا نہیں
لوٹ آتے وقتِ رفتہ کو کبھی دیکھا نہیں

وقت ہے اک چیز دنیا میں کچھ ایسی بے بہا
دام جس کا کچھ نہیں ہے، نیک کاموں کے سوا

دوستو! یہ وقت موجودہ غنیمت چیز ہے
لعل و گوہر سے زیادہ بیش قیمت چیز ہے

کب ملیگی تم کو پھر ایسی گھڑی ایسا سماں
ہاتھ کب آئیگی ایسی زندگی ایسا سماں

ہائے یہ چہلیں کہاں لطف یہ راتیں کہاں
یہ بہاریں یہ مزے یہ موج یہ باتیں کہاں

آج جو کچھ تم کو کرنا ہو کرو غافل نہو
کام ایسا کیوں کرو جس کا کوئی حاصل نہو

آج کے کاموں کو کل پر چھوڑنا بہتر نہیں
نیک کاموں سے کبھی منہ موڑنا بہتر نہیں

دیکھو اپنے وقت کو کھو کر نہ پچھتانا پڑے
اپنی ناکامی و غفلت پر ندم ماننا پڑے

کام جو کرنا ہو کرلو یہ غنیمت وقت ہے
بے بہا ہے نقدِ ہستی بیش قیمت وقت ہے

یکتا

۵۶

بہارِ فیض

لائے گا رنگ گلشنِ امیدوارِ فیض
طیبہ سے آرہی ہے نسیمِ بہارِ فیض

بلوایئے مدینہ کو اے شہریارِ فیض
بیحد ستا رہا ہے مجھے انتظارِ فیض

دونوں جہان آپکے احساں میں چور ہیں
اے شاہِ کامگار و شہِ نامدار فیض

وہ کب کسی نبی کو میسر ہوا حضور
حاصل ہے جسقدر کہ تمہیں اقتدارِ فیض

میری مسرتوں کی بہار اب نہ پوچھیے
عالم ہی اور رکھتے ہیں لیل و نہارِ فیض

وہ کچھ عنایتیں ہوئی ہیں اس غلام پر
ممکن نہیں کہ مجھسے کبھی ہو شمارِ فیض

بڑھکر ہی اس سے پائینگے میدانِ حشر میں
ہم جس قدر کہ رکھتے ہیں اب اعتبارِ فیض

آفاتِ دو جہاں کا رہے خوف ہی نہیں
باندھے ہوئی ہے آپ کی امت حصارِ فیض

گرمیِ روزِ حشر کا سیفی کو خوف کیا
برسیگا جھوم جھوم کے ابرِ بہارِ فیض

سید حسین سیفی حیدرآبادی

نظام المشائخ کے کاتب منشی محمد الدین صاحب شمالی ہند کے اُن دو چار خوشنویسوں میں سے ہیں جن کے دم سے فن خوشنویسی یہاں آجتک قائم ہے اور جنھیں دیکھکر پچھلے اُستاد یاد آجاتے ہیں اس کمال کے ساتھ آپ ایسے اخلاق کے بزرگ ہیں کہ باوجود غیر دہلوی ہونے کے دہلی کی اجڑی خاص آبادی آپ کی گرویدہ ہوگئی ہے۔ ملنساری، مروت، بلندی، ایثار تمام خوبیاں آپ میں جمع ہیں۔ ہم سے اور ہمارے مشاغل سے آپ کو غیر معمولی دلچسپی ہے اور ہمیں ہمیشہ آپ کی بزرگانہ شفقتوں کا اعتراف رہے گا۔ حال میں آپ کو ایک زبردست صدمہ پہنچا ہے۔ یعنی آپ کے سب سے چھوٹے بیٹے میاں محمد احمد کامین عنفوانِ شباب میں صرف ڈیڑھ ماہ مبتلائے سل رہ کر انتقال ہوگیا۔ ع

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

موت تو جیسی چیز ہے ظاہر ہے اور پھر اولاد کی موت! لیکن خدا فعیلی میں کسی کا پلا پلایا اور ہونہار بچہ نہ اُٹھائے۔ یہ صدمہ والدین سے کیا دوسرے متعلقین سے بھی برداشت نہیں ہوسکتا۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کریں اور منشی صاحب موصوف کے لیے دعائے صبر منشی صاحب نے باوجود بالکل خواص باختہ ہونے کے یہ پرچہ وقت پر پورا کیا اور سوائے ان سطور کے کہ یہ اُن سے لکھوانی کسی طرح جائز نہ تھیں باقی سارا رسالہ ہی توجہ اور لگاؤ سے لکھدیا جو اُن قریباً گیارہ برس سے شعار ہے۔

واحدی

تازہ غزلیں اور نعتیں

(۱) ازجناب مولوی نذیر محمد خاں صاحب نذیر خلیلی صفوی فرخ آبادی)

اے زجام کنت کنزاً مست و سرشار آمدی — ذرہ ہائے دید خود را محو دیدار آمدی
نحن اقرب ثم وجہ اللہ از خود گفتہ — خود بشکل پاک احمد بہر اظہار آمدی
رب ارنی ہمچو موسےٰ گفتہ بر کوہ طور — خود صدائے لن ترانی بہر دیدار آمدی
گاہ چوں لیلےٰ شدی در شان معشوقی عیاں — گہ شدی مجنوں بعشق خود گرفتار آمدی
خود مریض و خود مرض ہستی و خود دار الشفا — خود طبیب حاذق و خود سوئے بیمار آمدی
خود توئی پیدا و پنہاں ہر چہ آید در نظر — خود بشکل گل شدی خود بلبل زار آمدی
خود طرب خود مطرب و خود ساز و خود چنگ و رباب — خود صدائے تن تن خود چوب و خود تار آمدی
گاہ مفتی گاہ فتوی گاہ چوں منصور وار — خود انا الحق دم زدی و خود سر دار آمدی
گہ بنازہ دلبری آئی شدی شکل خلیل — گہ نذیر بینوا و عاشق زار آمدی

(۲) ازجناب حاج الحرمین سید تجمل حسین صاحب تجمل جلالپوری مقیم بمبئی)

پیارا ہی تو سب کا پیارے نبی جتنے ہیں خدا کے پیاروں میں
موسیٰ ہیں عصا برداروں میں عیسیٰ ہیں ترے بیماروں میں
میلاد حبیب کی باری ہے دھوم مچی دیں داروں میں
ہے جنگل میں منگل کا سماں جنت کی فضا گلزاروں میں
دلچسپ ہے رنگ عیش و طرب۔ سرسبز ہے باغ ملک عرب
سبزے ہیں بیابانوں میں اگے اور لالے ہیں کہساروں میں
کسریٰ کے محل کو لرزہ ہے شاہان جہاں کو سکتہ ہے
ہیں منہ کو چھپا کر بیٹھ رہے دہشت سے شیاطین خاروں میں

نبیوں میں جو ہیں باعزو حشم اے ماہ عرب خورشید عجم
اک مہر تو ہے اِن ذرّوں میں اک چاند ہے تو اُن تاروں میں
تادیب سے تیری پیارے نبی تہذیب عرب میں پھیل گئی
بھولے ہیں جہالت کو بدوی دیوانے ہوئے ہشیاروں میں
اصحاب قبیلہ بدظن ہیں۔ ارباب زمانہ دشمن ہیں
ہیں آپ کرشمۂ قدرت رب کیا پھول کھلا ہے خاروں میں
سلطان دو عالم کا ہو کر۔ مولا نے مری کی عمر بسر
غمگینوں میں مسکینوں میں ناچاروں میں دکھیاروں میں
یہ فلسفیوں سے کہدے کوئی ٹل سکتے نہیں ٹالے سے کبھی
مرقوم جو کچھ احکام ہوئے قرآن شریف کے پاروں میں
پائے ہیں مراتب وہ تو نے۔ اعلیٰ وہ فضائل ہیں تیرے
آسکتے نہیں تحریروں میں لاسکتے نہیں اظہاروں میں
کس گل کی ہے آمد نام خدا ارتی ہوئی ہے ہادِ صبا
آتی ہے فضائے روح فزا۔ کیا صل علیٰ گلزاروں میں
دربار نبیؐ کا ہوں میں گدا۔ دامن ہے مرا مقصد سے بھرا
کیوں جاؤں تجمل کیا ہے دھرا ان شاہوں کے درباروں میں

تعجب ہے اگر آپنے ابتک خطیب نہیں دیکھا غلیب رسالہ نظام المشائخ ہی کے دفتر سے ہفتوار شائع ہوتا ہے اور سب تسلیم کر چکے ہیں کہ اسکے سوا اتنی شاندار زبان اور ایسے سنجیدہ طبعے میں مذہبی سیاسی علمی، ادبی مضامین کہیں نہیں ملینگے۔ خصوصاً رفتار جنگ کا ہر دفعہ اسقدر دلچسپ نقشہ کھینچا جاتا ہے کہ روزانہ اخبارات کے ایڈیٹر داد دیتے ہیں۔ چندہ سالانہ تین روپے ہے اور ششماہی ۱۶ سہ ماہی ۱۵ مگر جمادی الاخریٰ کے اندر اندر خریداران نظام المشائخ سے سالانہ بجائے ششماہی پر سہ ماہی ۱۲ لیے جائینگے نمونہ جلد منگایئے مفت ملیگا۔
منیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی

دیباچہ برگ سبز

مسلمانوں کے حریف اگر ان کے تمام کارناموں سے انکار کر دیں تو بھی اُن کی اس جدوجہد سے انکار نہیں کر سکتے جو انہوں نے اپنی کتاب الٰہی (قرآن مجید) کی خدمات میں صرف کی ہے۔

دنیا میں ایسی قوم کون اور کہاں ہے؟ کہ اپنی آسمانی کتاب کو اُسی شکل میں سامنے لا سکے کہ جس شکل میں اُسکو ملی تھی۔

مسلمانوں کی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج ہزار کوششوں سے بھی مخالف قرآن مجید کو انجیل نہیں بنا سکتے۔ اور مذہبی روایات کو دیوتاؤں کی کہانیاں نہیں کہہ سکتے۔ حالانکہ ان لوگوں نے بہت زور لگایا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کمال کہاں سے ملا۔ کیونکہ عرب میں پہلے علم تو تھا نہیں۔ یہاں تک کہ لکھنا پڑھنا عار تھا۔

اِس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ "ولولۂ مذہبی" یعنی دماغ میں صرف ایک چراغ جلا دیا جاتا تھا۔ اُسی کے پرتو سے تمام قوٰے جگمگا اُٹھتے تھے۔ آج اُسی چراغ کے بجھنے پر تاریکی ہے جو تمام قوٰے پر چھا گئی۔

تم کو روایتوں میں یہ مسائل ملیں گے کہ جب بچہ پیدا ہو۔ اُسکے کان میں بانگ (اذان) نماز پھونکو، جب بولنے لگے تمام حروف سے پہلے "اللہ" کا نام سکھلاؤ۔ یہ اشارہ اِس بات کی طرف ہے کہ بچپن ہی سے اُسکو پیکرِ اسلام بناؤ

یعنی آج جو بیج بوؤ گے کل وہی ثمر پاؤ گے ۔

اصحاب اصلاح نے علمی تنزل کا اصلی سبب یہ نکالا ہے کہ نصاب تعلیم اچھا نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ مختصر المعانی اور مطول کی جگہ دلائل الاعجاز و اسرار البلاغہ تجویز کرتے ہیں۔ نہیں معلوم۔ اگر کوئی ہنسی نہ روک سکے تو اس مجلس میں کہاں تک ملامت کا مستحق ہے ؎

خواجہ در بند نقش ایوانست　　خانہ از پائے بست ویرانست

انکو فلسفۂ اجتماع کی اس حیثیت کا علم بھی نہیں کہ جس طرف زمانے کا عام رجحان و میلان ہو۔ اسکی فوری بندش نہیں ہو سکتی۔ اصلاح البتہ ممکن ہے۔ اور وہ بھی تدریجی رفتار سے مقبول ہو سکتی ہے۔ چہ جائیکہ انتہائی حالت میں یہ نہ ہو وہ ہو۔ اور لطف یہ کہ پورے نصاب تعلیم کو الٹ دو ۔

آپ صرف اتنا کیجئے کہ بچوں کو جس عادت سے باز رکھنا منظور ہو اسکی برائیاں مذہبی کہانیوں میں ذہن نشین کراتے جائیں۔ اور پہیلیوں سے اُن کے دماغ میں فکر اور کاوش کی عادت ڈالتے جائیں۔ دلیلیں مذہب کی وقعت بٹھلاتے جائیں اور طبیعت کو محبت مذہب کی راہ دکھلاتے جائیں۔ جب اُن کی عادتیں راسخ، خیالات قوی، فکر پختہ ہو جائیں انکو چھوڑ دیں جس علم کو ان کا جی چاہے پڑھیں۔ یاد رکھو اُن میں اُسی تخم کا ثمر پیدا ہوگا جو پہلے بویا گیا تھا ۔

ہر چند یہ نئی بات نہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ تم اسکو بالکل بھول چکے ہو۔ یہ بیشک نئی ہے۔ اور اسی خیال پر میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب بالکل نئے موضوع پر ہے ۔

میں نے ابتدائی تعلیم کے لیئے یہ کتاب لکھی۔ اسکو چمکانہ سکا۔ عبارت کی دلچسپی کا ڈھنگ نہ آیا۔ بیشک یہ روکھی پھیکی بے مزہ ہے تاہم ایک خاکہ کھینچ دیا ہے

اب اس سے اہل فن تصویر بنا سکتے ہیں ۔

ہر شئے اپنی بسیط اور سادہ حالت سے شروع ہوتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ ایک شاندار ترکیبی حالت تک پہنچ جاتی ہے ۔ میں معترف ہوں کہ یہ نہ گلستاں ہے نہ گلدستہ ، نہ بوستاں ہی نہ دستنبو ۔ بلکہ ایک برگ ناچیز ہے ۔

مگر یہ کس سے کہوں کہ ان چند پتوں اور پنکھڑیوں کو دامن میں لے لینا بھی میرے بے کار نمایاں ہے ۔

نام اسکا "برگ سبز" رکھا ۔ اور اپنی مسلم قوم کے آگے تحفہ لایا ؎

برگ سبزست تحفۂ درویش
چہ کند بے نوا ہمیں دارد

ان دنوں اپنی سوانح عمری بھی لکھنی شروع کی ہے ۔ ضمناً تمام جذبات ، حسیات ، امیال اور افعال و خواص طبیعیہ انسانی کی بحث آجائے گی ۔ امید کہ تعلیم یافتہ جماعت کے لیے وہ مفید ثابت ہوگی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

یکم جنوری ۱۹۱۸ء

حکیم غلام غوث افسر آبکاری
ریاست خیرپور (سندھ)
ابن حکیم احمد بخش علیہ الرحمۃ متوطن نواں کوٹ
ریاست بہاولپور (پنجاب)

مقدمۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہے کیا قبول سجدہ، شہیدانِ عشق کا ہوں "غوث" سر جھکاتے ہی تلوار کیا نیا

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین *

تمہید جس طرح چقماق میں آگ پوشیدہ ہے۔ اسیطرح انسان میں گوناگوں صدہا قوی پوشیدہ ہیں۔ اُنکو چمکانے اور جلا میں لانے کو "تعلیم" اور اُن سے کام لینے کو "علم" کہتے ہیں۔ اور ہر زمانے میں تعلیم کا رنگ بدلتا رہتا ہے، پہلے زمانہ میں جذبات حسیات اور امیال کے اُبھارنے میں قومی ہمدردی اور مذہبی حمیت کا رنگ چڑھایا جاتا تھا۔ اور اُس سے ہمت اور اولوالعزمی، محنت اور جفاکشی، کی عادت طبیعتیں خود بخود قبول کر لیتی تھیں، افسوس کہ اب کی تعلیم میں وہ باتیں نہیں، بلکہ لکھے پڑھے لوگوں کے مزاج اور طبیعت میں نفاست اور لطافت نے حلول کر لیا ہے، یہاں تک کہ اسقدر صحت و اعتدال بھی ان میں نہیں ہے جو اَن پڑھ لوگوں میں پایا جاتا ہے حالانکہ نافع و مضر چیزوں کو تعلیم یافتہ جماعت خوب جانتی ہے، اور مذہبی حالت اس سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ ہے *

اب دیکھنا یہ ہے کہ پہلے کیا تھا، اور اب کیا ہوگیا؟ اور اس بحث کے لیے تعلیم قدیم اور تعلیم جدید پر روشنی ڈالنے سے نتیجہ بآسانی نکل سکتا ہے۔

تعلیم قدیم

جو قومیں لکھی پڑھی نہیں ہوتیں۔ اُن کے حافظے عموماً نہایت قوی ہوتی ہیں اور عرب اس خصوصیت میں تمام قوموں سے اور بھی زیادہ ممتاز تھے، جب انکو ضرورت زمانہ نے تعلیم کے لیئے مجبور کیا تو اُنھوں نے وہ طریقہ اختیار کیا کہ اُن کے حافظے میں اور اضافہ ہوا، اور خصوصیت قومی زیادہ چمکنے لگی!

طرز تعلیم ان کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ جبتک بچہ چھ سال کو نہیں پہنچتا تھا تعلیم کا نام نہیں لیتے تھے تاکہ قوٰی قوی ہولیں اسکے بعد مکتب میں بٹھایا جاتا، مگر وہ بھی اس طرح کہ کبھی سبق دیا، کبھی اشعار یاد کرائے، کبھی بیت بحثی، اور لغت بازی میں لگا دیا کبھی پہیلیوں[۵۱] سے دل بہلایا، جس سے علمی باتوں کی مشق ہونے لگتی اور تعلیم کا شوق بڑھتا لطف یہ کہ طبیعت بھی نہ اکتاتی، اور یہ مذاق اپنا کام بھی کرتا جاتا، نتیجہ یہ نکلتا کہ ابتدا ہی میں کاوش اور فکر کا مادہ چمک اُٹھتا اور صورت پکڑنے کو تیار ہوجاتا، علمی مذاق رگ و ریشہ میں سرایت کرلیتا اور خون میں مل کر بدن میں پھیل جاتا، کیونکہ انسان جسوقت پیدا ہوتا ہے، اُسوقت وہ ایک لوح سادہ ہوتا ہے، وہ ہر قسم کے نقش قبول کرلینے کے لیئے تیار ہوتا ہے، لیکن جب ایک نقش کھنچ جاتا ہے۔ تو اُسکا مٹنا اکثر دشوار اور کبھی ناممکن ہوجاتا ہے، اور یہی نقش اُسکی آیندہ زندگی کے لیئے سنگ بنیاد ہوتا ہے!

---

[۵۱] مجکو اپنا بچپن کا زمانہ یاد ہے کہ رات کو حضرت والد علیہ الرحمۃ نے پہیلیوں اور بیت بازی کی بحث چھیڑی میں نے قلم کی یہ پہیلی سمجھ لی ؎ سوار سے اُسے پیادہ رواں ہے زیاراں دوڑتا ہندوستان ہے رات بھر خوشی کے مزے لیتا رہا۔ ۱۲ منہ

اس مرحلے سے آگے شہسواری، تیرنا، کتابت شروع کرائی جاتی، ضرب المثلیں اور اشعار یاد کرائے جاتے، اور تعلیم دیجاتی، اس میں لطف یہ تھا کہ طبیعت ایک بات سے اکتاتی اور دوسری میں لگ جاتی، صحت بحال رہتی۔ کتابت بھی مثالیں بنا بنا کر سکھائی جاتی۔ ابو عامر سلیم کی زبانی روایت ہے کہ معلم مجکو جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں[1]۔

اس زمانے کے لوگ مکتبوں، اور مدرسوں سے نہ صرف لکھے پڑھے بنکر نکلتے اور رزق کے لیے دوسروں کے دست نگر رہتے تھے، بلکہ قوی، تندرست، تنومند، اور ہر کام میں محنت کش ہوتے، یہاں تک کہ کھیتی باڑی بھی کر لیتے تھے۔

یادش بخیر حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے:-

عَلِّمُوْا اَوْلَادَكُمُ الْعَوْمَ وَ الْفُرُوْسِيَّةَ وَرُوْهُمْ مَا سَارَ مِنَ الْمَثَلِ وَمِنَ الشِّعْرِ۔

"یعنی اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے اچھے اشعار یاد کراؤ۔"

اس سے فائدہ یہ ہوتا تھا کہ صحت اور قومی خصوصیت قائم رہتی جرأت اور ہمت بڑھتی، جھجکنا بالکل زائل ہو جاتا۔ قوتِ بیان قوی، حافظہ تیز، اور بحث کی مشق رہتی۔

نئی کچھ نہیں اپنی جاں بازیاں — یہی کھیل ہمکو لڑکپن سے ہے

حکما نے کہا ہے کہ تعلیم اور تربیت کا اصلی وقت بچپن ہے۔ اس لیے کہ اسوقت بچہ کا مزاج ایک غیر متشکل مادہ ہوتا ہے جسکا اچھے یا بُرے قالب میں ڈھالنا مربی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اخلاق کے موروثی ہونے میں بھی اختلاف ہے!

[1] دیکھو الفاروق شبلی نعمانی ۱۲ منہ

اس نکتہ کو عرب نے خوب سمجھا۔ بچوں کو ہمیشہ جفاکشی کا عادی کرتے رہے سواری پر اچھلکر چڑھنا اور کود کر اترنا خاص طور پر سکھایا جاتا تھا، یہاں شاہ ولی اللہ صاحب بلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر مبارک بھی دیکھ لیجئے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضہ کے فرمان کا ترجمہ کیا ہے :-

"چوں عرب برائے جہاد باطراف عجم منتشر شدند حضرت عمر رضی اللہ عنہ ترسیدند کہ رسم عجم را اختیار کنند و رسم عرب را ترک کنند پس بدیشاں نامہ نوشتند کہ ازار بندید و چادر پوشید و نعل بپوشید، و بگذارید موزہا را، و بگذارید شلوارہا، و لازم گیرید لباس پدر خود اسمٰعیل را، و خود را در دارید از تنعم، و ہیئت عجم، و لازم گیرید نشستن در آفتاب ہر آئینہ آفتاب حمام عرب است و برسم قوم "معد" باشید، و درشت لباس باشید، و سخت گزران باشید، و کہنہ پوشی خو کنید، و تناول کنید شتراں را یعنی بگیرید و رام سازید، و جست کردہ سوار شوید بر اسپاں، و تیر اندازید بنشانہا"

(دیکھو وصیت نامہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

جب عرب جہاد کے لیے عجم میں پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈرے کہ مبادا عرب لوگ عجم کا رسم اختیار کریں اور عرب کی رسم ترک کر دیں۔ اسلئے ان کو خط لکھا کہ تہبند باندھو، اور چادر اوڑھو اور نعلین پہنو، موزے چھوڑ دو، اور پاجامہ نہ پہنو، اپنے باپ اسمٰعیل کا لباس اختیار کرو۔ اور نازونعمت اور طرز و روش عجم سے دور رہو، اور دھوپ میں بیٹھا کرو، کیونکہ سونا عرب کا حمام ہے اور قوم "معد"[1] کی رسم پر رہو، موٹا کپڑا پہننا اور سخت گزران رہنا اختیار کرو۔ اور پرانا کپڑا پہننا پسند کرو، اونٹوں سے فائدے اٹھاؤ، یعنی کھاؤ۔ سوار ہوا کرو اور گھوڑوں پر اچھل کر سوار ہوا کرو، اور تیر اندازی و نشانہ زنی کیا کرو۔

عرب لوگوں نے اپنی میدانی اور صحرائی زندگی میں جو عادتیں قائم کر لی ہیں ان کو نہیں چھوڑتے، زمانہ کتنی کروٹیں بدلے مگر ان کے آگے انقلاب پہنچنے تک نہیں پاتا

[1] معد، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں ۱۲ منہ

مانا کہ علم، تہذیب اور اخلاق سے محروم ہیں۔ لیکن جب تک قومی خصوصیت پر قائم ہیں تو ہزاروں محاسن اُنکے عیبوں پر قربان کر دینا چاہیئے +

تم نے کبھی اس مسئلہ پر بھی توجہ کی اور سوچنے اور غور کرنے کی زحمت بھی اُٹھائی؟ کہ باوجود ہزار انقلابات کے ہندوؤں میں خصوصیت قومی کیوں قائم ہے؟ صرف جنیئو اور چھوت اور علم المعاملۃ کو ہاتھ سے نہ چھوڑنے کی وجہ سے!

اسلام کی خصوصیت قومی فقط مذہب اور تعلیم مذہب اور جفاکشی پر ہے! اور کچھ نہیں، اس نکتہ کو حضرت شاہ ولی اللہ[۱] قدس سرہٗ نے خوب سمجھا، اور اپنے خاندان میں وصیت کر گئے:۔

ما مردم غریبیم کہ در دیار ہندوستان بائے ما بغربت افتادہ اند و عربیت نسب و عربیت لسان ہر دو فخر ماست کہ ما را بسید اولین و آخرین و افضل انبیاء و مرسلین و فخر موجودات علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نزدیک میگرداند، شکر این نعمت عظمیٰ آنست کہ بقدر امکان، عادات و رسوم عرب اول	یعنے ہم لوگ مسافر ہیں، ہمارے بڑے ہندوستان میں غریب الوطن ہے، عربی نسب عربی زبان دونوں کا ہم کو فخر ہے، اور یہی ہمکو پیغمبر آخر الزماں سے ملاتی ہیں۔ اس بڑی نعمت کا شکریہ ہے کہ ہم عرب اول کی عادتوں کو نہ چھوڑیں،

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا وجود قدسی، اپنے اندر الہام ربانی ہو فیضان الٰہی اور اقتباس انوار نبوت کی ایک خاص مثال رکھتا تھا، ہندوستان میں بدعت کی جڑ اکھیڑ کر انہوں نے پھینکی، اور علم حدیث کا بیج بویا، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ آپکے صاحبزادے ہیں اُنہوں نے علم الحدیث کے بیج کو پانی دیا اور سرسبزی تک پہنچایا، اور باقی صاحبزادے بھی ان خدمات میں حیرت انگیز کارنمایاں کرتے رہے، الغرض یہ خاندان اسلام کے لیے تائید غیبی اور فرشتہ رحمت تھا۔ گیارہویں صدی ہجری کے اواخر اور بارہویں کے آغاز میں کیا۔ اب بھی ہندوستان میں جو کچھ باقی ہے۔ اسی آفتاب کا پرتو ہے۔ اور شاہ ولی اللہ ۶۳ برس کی عمر میں ۱۱۷۶ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ تاریخ وصال اس مصرع سے نکلتی ہے ع "ابو ہمام امام علم دین" اُنکی قبر پرانی دہلی میں شاہجہان آباد کی جانب جنوب ہے، اور انکی اولاد بھی اُسی گنبد میں مدفون ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

زمانہ

نمونہ کا پرچہ ۶؍

اردو کا بہترین رسالہ

اڈیٹر دیانرائن نگم بی۔ اے

زمانہ گذشتہ سولہ برس سے مسلسل ملک کی علمی خدمت کر رہا ہے۔

زمانہ میں ملک کے نامور انشاپردازوں اور اُردو کے مسلم الثبوت تازہ کار مضامین شائع ہوتے ہیں +

زمانہ کے ہر نمبر میں مختلف مباحث پر مفید اور قابل دید مضامین درج ہوتے ہیں زمانہ کسی خاص قوم یا فرقہ یا مذہب کی طرفدار نہیں ہے بلکہ اسکو ملک کی عام بہبودی اور اخلاق سلیم کی ترقی اور معاملات کی اصلاح منظور ہے۔

زمانہ۔ زمانہ کی تیسرین جلد جنوری ۱۹۱۶ء سے شروع ہوتی ہے آپ بھی اس پرچہ کے خریدار شروع کیجئے قیمت چار روپیہ سالانہ محصول ڈاک بذریعہ منی آرڈر بھیجئے یا بھالا پر پرچہ قیمت طلب پیکٹ دیر طلب کیجئے

المشتہر۔ منیجر زمانہ کانپور

زمانہ

اُردو کا بہترین رسالہ

جو

سنہ ۱۹۱۶ء سے تا بحال برابر اُردو کی علمی خدمت کر رہا ہے ہر ماہ کا پرچہ آخر ماہ تک شایع ہو جاتا ہے

قیمت سالانہ للکہ نمونہ کا پرچہ ۶؍

پاٹونیرالہ آباد۔ زمانہ ہندو مسلمانوں کیلئے ایک مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرنا چاہتا ہے اور دونوں جماعتوں کے مشہور انشاپرداز اور شعراء کی امداد حاصل کر رہا ہے

اردو کے اخبار لکھنؤ اردو رسائل میں اسنے اپنے قابل قدر مضامین کے لحاظ سے بہت بڑی ترقی کی ہے۔

ہندوستان لاہور۔ زمانہ اردو کے رسالوں میں چوٹی کا رسالہ تسلیم کیا گیا ہے

بھارت متر کلکتہ۔ زمانہ کے ہر نمبر میں دو چار غور سے پڑھنے کے لائق مضمون ہوتے ہیں

زمانہ کی اعلیٰ ایڈیٹ اور مفید مضامین کی چاروانگ ہند میں شہرت ہے جنوری ۱۹۱۶ء کا پرچہ مفت منگا کر اس نمبر سے آپ بھی خریداری شروع فرمائیے۔

المشتہر۔ منیجر زمانہ کانپور

شاہی دواخانہ دہلی

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تن درست

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ مدار دین و دنیا کے کاروبار کا جسم کی صحت پر ہے۔ اور جسم کی صحت غذا و دوا پر موقوف ہے۔ غذا کو حتی الوسع سب پہچانتے ہیں کہ بری ہے یا بھلی۔ اسلئے اس میں دھوکا بہت کم ہوتا ہے۔ مگر دوا اور بالخصوص مرکبات کا پہچاننا از بس دشوار ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ مثل مشہور ہے "پسی دوا اور مُنڈا جوگی" ان دو کا پہچاننا بہت مشکل ہے۔ جب تک خوف خدا نہو یا طبع سے آزادی نہو۔ دواؤں کا باقاعدہ تیار ہونا دشوار ہے۔

مذکورۂ بالا کا یہ مدنظر رکھتے ہوئے ہم آپکو شاہی دواخانہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو کہ جناب حاجی محمد رفیع صاحب خلف الصدق جناب حاجی شیخ بخش الٰہی صاحب سی آئی ای۔ دہلی کی سرپرستی میں محض پبلک کی خیرخواہی کیلئے جاری ہے جنکو بوجہ خداداد مہتمم و صاحب حیثیت و متمول ہونے کے نہ طمع دنیا کی ضرورت ہے نہ فریب و دغا کی حاجت۔ صرف یہ خیال ہے کہ غربا کا علاج اسمیں مفت ہو۔ اور امراء کو مناسب قیمت پر تمام مرکبات صحیح اخراج سے اور بموجب اوزان کے ساتھ مل سکیں۔

نیز فرمائشی نسخجات نہایت اہتمام و حسن انتظام سے تیار ہوتے ہیں۔

طلب کرنے پر دواخانہ کی مفصل و مختصر فہرست مفت ملتی ہے۔

امید ہے کہ پبلک اس دواخانہ کی قدر کرے گی۔ اور کامل توجہ سے اس سچے اور خیرخواہ قوم دواخانہ کو فرمائش بھیجکر مشکوری کا موقع دے گی۔

تمام خطوط و کتابت بنام منیجر شاہی دواخانہ پل نگش، سبزمنڈی، دہلی ہونی چاہیے۔

تار کا پتہ۔ رفیع دہلی

تیلیفون نمبر ۶۷

فقط راقم عبدالقادر رضا

صاف و خوشخط ہونا چاہیئے۔

عالم پاک کی خاک

چٹکی میں سب بیماریوں سے چھٹکارا

چند روز سے ایک اشتہار ان میں خاک کی چٹکی کے عنوان سے چھپ رہا ہے، لوگوں نے سمجھا ہوگا کہ یہ بھی اشتہاری جعلی ہے مگر ہمارے نمائندوں نے اسکو منگوایا اور استعمال کیا۔ انکی تحریروں نے ڈاک بھارکھی ہے خلقت حیران ہے کہ اس بے اثری کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو خاک کی چٹکی میں مردے کو زندہ کر سکتے ہیں، اطلاعوں سے پایا جاتا ہے کہ اس کی چٹکی نے نبض کو درد کر دیا ہے، اور اس چٹکی نے ٹھنڈے کر دیئے ڈوبی ہوئی ہمتیں بلند فرمالا کریں۔ موذی مرض جرمان نے جنلوگوں کو زندہ در گور کر رکھا تھا اب وہ ہنسی خوشی میں نئے قسم کے دولے اور جذبے پاتے ہیں اس کمن مفلس نے ان کو نجات دی سچائی کے صدقہ جاتے ہیں کہ ہزاروں چورن کھانے نمک استعمال کئے رات کا کھانا چھوڑا مگر خاک فائدہ نہیں ہوا کسی کے ہاتھوں کھانیکا مزا ہی جاتا رہا لیکن اس چٹکی نے مسیحا کا کام دیا سات دن کے اندر بھوک کا یہ عالم ہو گیا کہ رفع رات دن میں کھاتے ہیں اور سب مطمئن ہو جاتا ہے دیکھی سوہی روٹی پلاؤ قورمہ کا مزا دینے لگا کہتے ہیں کہ خدا وہ دشمن کا نوں بالا کبھی سوت کے منہ میں سے نکال لیا جگانے زندگی خراب کر رکھی تھی جان میں خون کا نام نہ رہا تھا، جو کھاتے تھے انگ نہیں لگتا تھا۔ خبر نہیں کہاں غائب ہو جاتا تھا جو شخص ضعیف دیکھتا یہ کہتا میاں حال کیا ہے خیر تو ہے۔ تمہاری تو حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے جب سے اس چٹکی کا استعمال کیا ہے ہاتھ پاؤں میں چستی اور پھرتی آگئی چہرے پر سرخی ہے ہم تو لے اکیسویں کے ہیں دوا کی دوا کی استعمال کریں گے ان سب تحریروں اور گمنامیوں کو معلوم کر کے ہم نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا، یہ سب اسی کی کارسازیاں ہیں، بندہ ہر حال میں بندہ ہے اس نے اپنی قدرت سے دکھا دیا کہ ولایت والے جن دواؤں کی قیمت مٹھیاں بھر بھر کر دیتے ہیں۔ ہندوستان میں خدا نے ہمارے چشمہ پیسوں میں ان سے بڑھ کر دوا دیتے ہیں، آج کو اگر یہ بھی یورپ میں پاس ہوتا تو لاکھوں روپیہ کماتا، اور دوائیں اپنے نام پیٹنٹ کرا لیتا۔ مگر ہم تو عام مخلوق کے فائدے کے لئے اس کو دیتے ہیں کم دامنوں پر فروخت کرتے ہیں آپکی اس دوا میں کوئی اس سے زیادہ برکت ہے جو کھائے اپنی سو پشتے بیٹھیں جن لوگوں نے ہفتہ سے استعمال میں رہنے کا ارادہ کیا ہے ان کو یقیناً فائدہ

اٹھہ دن کی دوا عمدہ اور چالیس روز کی صد میں

منیجر
نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

فیشن میں داخل ہو گیا۔ سفر، جنتلمینوں کے جہان کوٹ پتلون چکن ڈھیر فیشن میں داخل کئے دیتا ہے
کالر بھی فیشن میں داخل کر دیا گیا اور خاص طور سے استعمال ہوتا ہے

3/12

پریمال صابون

سب سے بہتر حسن و خوبصورتی پیدا کرنے اور چہرہ کو گلرنگ بنانے اور
رنگت نکھارنے میں خاص کامیابی حاصل کر چکا ہے چہرہ کو
تمام مہاسے جھائیاں چند روز میں کھو دیتا ہے تازہ
پھولوں اور نفیس خوشبوؤں سے تیار کیا جاتا ہے فی بکس تین ٹکیہ صابن دانی عدد
پری جہار پیرہ گل۔ یہ لاجواب تیل بالوں میں خوشبو اور ٹھنڈک پیدا کرتا ہے، بالوں کو ایسا
ریشم کیطرح ملائم بنا دیتا ہے اس کی سہانی مہین خوشبو عجب بہار دکھاتی ہے شیشی سوا تولہ عدد
المشتہر حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ نور دہلی۔ فرانسش خانہ

چاندی کے زیورات

بٹن چاندی کے کرتہ کی رنجیرین دار چاندی کے چار
بٹن سمعہ باریک رنجیر لگے ہوئے بٹنوں میں ڈالنے
کف بٹن ہوائی سیٹ عدد بٹن تمیض یا کرتہ، چار بٹن پھولدار یا کروٹ بنے ہوئے فی سٹ
عدد، سونے کی ناک کی کیلین۔ یہ کیلیں خاص سونے کی ہیں نزاکت اور خوبصورتی میں
لاجواب ہیں، خاص جن کا حسن نگاہیں فی عدد چھ آنہ، ہر اکٹ اول درجہ کے دو روپیہ عدد

ایچ محمد یوسف خان منیجر شہرت ایجنسی دہلی فرانشخانہ

4/3

مردہ زندہ ہو گیا

میں سالگرام ساکن مراد یانی سال سے سستی اور
سستی حرمان احتلام نیند وغیرہ میں مبتلا تھا کہ ظاہر
زندہ مگر باطن مردہ تھا نصیب اعداء کے فائدہ سے
فدا دواخانہ حکیم درست محمد خان کا بکس اکسیر ہشمولہ چالیس گولیان دستخطی طلاء استعمال کی
خلاف سے کیا ہوں کہ تین یوم میں جہ کو سب امراض سے فائدہ ہو گیا۔ لہذا جو لوگ مبتلا رہ
مبتلا جو بالا امراض میں مبتلا ہیں وہ بہت جلد حکیم صاحب کے بکس اکسیر پاہ منگوا کر استعمال کریں
ضمانا آرام کے بکس اکسیر پاہ بنیم دوا ہے حتی کہ انگریزوں ہندوستانیوں اور علیگڑھ نے منگوا
ہے اگر فائدہ استعمال سے آرام نہ ہو تو قیمت واپس ہوگی قیمت اکسیر پاہ بلغ عدد
مخصوص دنوں تک ہے جلد ہی کریں ناکامی

اکسیر بے بہا

یہ دوائی ان لوگوں کے لئے مفید اور بے بہا ہے جنکے لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں
اسکے استعمال سے لڑکا نرینہ پیدا ہوگی حمل کے تیسرے مہینے سے کھانی شروع کرے لڑکا پیدا
ہو قیمت واپس ہوگی قیمت آٹھ روپے اکسیر سوناک و فرحہ سوناک بیپ۔ تین بوتل فرحہ کی عجب دوا
قیمت دو روپے اکسیر اشتک پرانے اشتک پلیری و برص کی بے نظیر دوا عجب دوا ہے ایک
ہفتہ میں آرام قیمت عدد

حکیم مولوی درست محمد خان (خاندانی) دواخانہ آم ٹانڈہ ضلع ہوشیارپور پنجاب

دواخانہ حلقۃ المشائخ دہلی کی دوائیں

جناب سید مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی نے دنیا بھر کے مشائخ عظام کے سینہ بہ سینہ نسخوں کو بہ دقت خود اپنے ہاتھ سے بنائیں یا اپنے سامنے بنوائیں۔

معدہ نواز معدے کے ہر فتور کو دور کرتی ہے بیس دن کی خوراک کی قیمت ۱۲ر

قبض کشا جن مسہل ادویات سے بعض دفعہ نقصان پہنچ جاتا ہے وہ اس میں نہیں ہیں قیمت ۸ر

مقناطیس معدہ پرسوں کے خراب معدہ کو درست کرنے کے ساتھ بلغمی کھانسی کو بھی مفید ہے

۴۰ دن کی خوراک ۱ر ۲۰ دن کی خوراک ۵ر

کہانے کا سرمہ آنکھوں کے لیے کہانے کی دوا قیمت ۴ خوراک ۱۲ر ۲۰ خوراک ۸ر

فقیر کی چٹکی میٹھی الگ، نمکین الگ دونوں جگر اور معدہ کو درست کرنیکو مفید، دنکی خوراک قیمت ۶ر نمکین کی

دستگیر خواہش نفس کا روز عارضی طور پر مدہم ہو جائیگا چالیس گولیاں ۱۰ر

دیر بے ضرر اسہال پیدا کرتی ہے ۱۲ گولیاں عہ ر

سات چھوارے جریان جاتا رہیگا، احتلام رک جائیگا قیمت عہ ر

نگہبان جریان خاص چیز ہے ۴۰ گولیاں قیمت ڈیڑھ روپیہ

پشت پناہ جریان کی مفرد مگر اکسیر دوا ۴۰ خوراک عہ ر

روح الارواح باہ کی جان، اعضائے رئیسہ کی روح، روان سولہ دن کی خوراک عہ ر

روح رواں اعضائے رئیسہ کے لئے خصوصاً دل و دماغ کو جو نچال رکھتا ہے ۴۰ خوراک عہ ر

غلط کار کا سہارا یہ طلاحدا کے فضل سے خطا نہیں کرتا گیارہ دن کے قابل

حصار سوزاک	سات دن کیلئے ۸ر	سوزاک کی پچکاری	قیمت ۸ر
شفائے آتشک	۲۲ گولیاں عہ	لطف مزید	۸ر
بواسیر سکن	۴۱ عہ ر	خول ایام جانیں	گولیاں قیمت ۶ر
نیند سیلان	۱۱ خوراک ۱۲ر	آسیب ناشی ہلاس	۶ر
مسان دیران	۴۰ خوراک عہ ر	گرفت مسان	۸ گولیاں ۶ عہ ر

المشتہر کارکن حلقۃ المشائخ عربسرائی دہلی

دو آنے

صرف خرچ پارسل کیلئے روانہ کیجئے۔

اور سہ سرہ مقوی بصر کا پارسل حاضر ہو جائے گا۔ یہ سرمہ انکھ کے تمام امراض سے محفوظ رکھتا ہے بصارت کو قوت دیتا ہے قیمت فی تولہ

حب پان: پان کو خوشبودار اور خوش ذائقہ بناتی ہیں بہت عجیب ثابت ہوئی ہے قوت باہ کے لئے

یہ کہ کھانسی اور امراض پھیپھڑہ کے لئے حد مفید ہیں قیمت

حب شب بیدار: یہ گولیاں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے نظیر ہیں نیند نہ آنے کی

ہونے کے علاوہ پردہ کا پورا محافظ

ہے ہر ایک عضو کا مکمل پردہ

کرتا ہے تصویر سفت فہرست

پتہ: خاتون اسٹور زچاندنی چوک

فوارہ دہلی

برقعہ نواز

سنائیں قرآن کا مقابلہ

سراج الاسلام امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم الشان تفسیر کبیر میں قرآن کریم کے مقدس عقاید و اخلاق مضامین کو فلسفہ قدیم و سائنس جدید کے ساتھ جس خوبی اور خوش اسلوبی سے مقابلہ کیا ہے۔ تا قیام قیامت تمام دنیائے اسلام ان کی مشکور رہیگی خصوصاً حروف مقطعات کے اسرار نمودار دی کی کیفیت، نبوت کا ثبوت اور ضرورت ثبوت وجود باری تعالیٰ کی قسمیں ان کریم کا من جانب اللہ نازل و منزل ہونے کی کیفیت جن و شیاطین و ملائکہ کے وجود پر دلائل بحث، اکبر و اصغر، عالم برزخ، قیامت، بہشت، دوزخ اور زمین و آسمان کی بے نظیر ترکیب و ترتیب، ان کے علاوہ کتب جس قدر کی علمی اور فلسفیانہ تقریریں درج فرمائی ہیں ان کی نظیر اب تک نہ کبھی ملی سکی ہے بلکہ قریباً ناممکن ہے عام مفسرین نے قرآن کی تفسیر وں میں جستہ جستہ قصے اور سن گھڑت روایتیں درج کی ہیں ان کی دلیل تردید کی گئی ہے، مخالفین اسلام کے اعتراض اور شبہات کی بوچھاڑ فاضلہ سے بطور سوال و جواب، رد کیا ہے اس نے تفسیر کے جملے کسی اور تفسیر کے مضمرات نہیں ہیں۔ تقطیع کلان خط اعلیٰ۔ کہانی چھپائی کاغذ ترجمہ سلیس اردو قیمت فی جلد

منیجر کتب خانہ اسلامیہ قلعہ سٹریٹ امرتسر

فبشر الذین امنوا

اللہ جل شانہ کے کرم خاص سے دنیا میں پہلی مثال منظوم ترجمہ کلام اللہ شریف پارۂ اول جسمیں مسلمانوں کا قدیم ترجمہ نثر بھی مرقوم ہے کے محفل میں شامل ہے کہ معتمد فرقہ جمہور اہل اسلام و اکابر علمائے کرام نثر ترجمہ افسر الشعرا حضرت آغا شاعر صاحب دہلوی چھپکر شائع ہوگیا ہے۔ اگر آپ کو اپنے مذہب کی حقانیت قانون الٰہی کی واجب التعمیل و التعظیم صداقت اور آسمانی ہدایت کو نہایت صحیح، آسان اور دلکش نظموں میں دیکھنا ہو۔ تو ایک پارہ فوراً منگالین ورنہ طبع ثانی کا انتظار سخت ناگوار ہوگا صرف ۵ کاپیاں باقی ہیں۔ سو میں ایک قرآن قادر تصدیق اور خانہ تقدس مآب مولانا حسن نظامی دہلوی

آج جناب آغا شاعر صاحب نے ایک عجیب و غریب چیز سنائی یعنی قرآن پاک کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا نہایت نمکین اور موثر فقرے ہیں۔ درحقیقت جناب آغا کو جو عبور زبان اردو پر ہے اسکی بنا پر کہنے کہ سکتا ہے کہ یہ منظوم ترجمہ اردو زبان میں سب سے پہلا اور بیمثل ترجمہ ہوگا اور مسلمانوں کے بچے اور عورتیں اور معمولی سمجھ کے افراد مطلب کرانی کے تحفظ کرنے میں آسانی حاصل کر سکیں گے

حسن نظامی

کہانی چھپائی و کاغذ نہایت بیش قیمت و نظر فریب ہدیہ صرف ایک روپیہ فی پارہ ہے پارہ کے خریدار کو محصول ڈاک معاف

سول الخیبٹ خلیفہ محمد سالم اینڈ کو مارہٹی کالکا شملہ ریلوے

کرۂ مریخ کا سیاح

ہماری دنیا میں آیا تھا اور یہاں کا سب حال لکھ گیا

ہم نے اس کے سفرنامے میں جس قدر حصہ ہندوستان کے متعلق تھا اپنی زبان میں لے لیا اور چھاپ دیا ایسی مزیدار و لطف کتاب ڈھونڈیئے گا تو نہ پائیے گا قیمت صرف چھ آنے علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

منیجر اخبار خطیب دہلی

HYDERABAD

الزہرا

تعلیم نسواں کی آڑ میں جس سنگدلی سے مغربی طوفان چغتستان مشرق کو پامال کر رہا ہے وہ کسی باخبر سے پوشیدہ نہیں جن خوبیوں پر مسلمانوں کو ہمیشہ ناز رہا اور جن باتوں پر وہ سدا فخر کرتے رہے آج اُن کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ نماز، روزہ، خلق، محبت، خلوص، ہمدردی، سلیقہ، کفایت شعاری کی بجائے اس وقت وہ ادائیں پیدا ہو رہی ہیں جو اسلام سے کوسوں دور اور مغربی رنگ میں چکنا چور دکھائی دیتی ہیں ایسے نازک موقع پر کہ ہمیشہ قومی مہمان دم توڑ رہا ہے اور اگلی خوبیاں حالت نزع میں ہیں اشد ضرورت ہے کہ لڑکیوں کی نظر سے وہ کتابیں نکلیں جو اُن کو سعادتمند اولاد، سلیقہ شعار بیوی، سچی مسلمان اور کامل انسان بنا سکیں۔ کتاب نما کی رفتار کو ہاتھ سے نرمے اور نہایت خاموشی سے اپنی دلچسپی میں ان جواہرات سے لبریز ہو جن کی چمک آنکھوں کے ساتھ دل کو بھی منور کر دے۔

لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل جو کتابیں اس وقت موجود ہیں اُن میں یہ دیکھکر کس اندوہ ہوتا تھا کہ بنت رسول سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کے کارناموں سے زنانہ لٹریچر قطعاً محروم ہے کتاب کی تکمیل چنداں مشکل کام نہ تھا۔ مگر میرا دل یہ چاہتا تھا کہ یہ واقعات اس بلبل خوش الحان کے نغموں میں ادا ہوں جس کا قلم تمام ہندوستان کو مسخر کر چکا ہے یعنی علامہ رشید الخیری مدظلہ العالی مولانا کا قلم بنت الرسول کی داستان کہہ نہیں سکتا کہ کتاب کس پایہ کی ہے تاریخ میں ایک بیش بہا اضافہ کے علاوہ الزہرا تیاگی کہ میاں بیوی کس طرح رہتے ہیں مائیں بچوں کو کس طرح پالتی ہیں دنیا کے ساتھ دین کیونکر سمیٹ سکتا ہے، باپ بیٹوں کے تعلقات کیا ہوتے ہیں اور انسانی ہستی کیا معنی رکھتی ہے الزہرا افسانہ نہیں بنت الرسول کے حالات و سوانح ہیں اور یہ واقعات ایسے دردانگیز ہیں کہ پڑھتے پڑھتے دیکھی بندھ جاتی ہے باوجود مورخانہ حیثیت کے اسقدر دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی نیت سیر نہیں ہوتی خاتمہ پر ایک مفصل بحث شہادت اہل بیت پر ہے اور میدان کربلا کے واقعات جسطرح ادا کیے گئے ہیں انکی بابت صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ محرم کا بیان اور مولانا کی زبان۔ اسکا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک گیا اور دوسرا چھپکر جلد ہی تیار ہوا ہے ضخامت قریباً ۲۰۰ صفحہ، جزو قیمت صرف ۲ روپیہ

منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگائیے